

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَبَارَكَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رِجَالًا مَشْيُومًا
وَالَّذِي يَدْعُو يَسْتَجِيبُ لَهُ أَصْوَاتُهُمْ

تَبْيَانُ الْقُرْآنِ

مُلَاحَظَةُ قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ
فِي الْقُرْآنِ وَالْكِتَابِ

تَرْجُمَانُ

أَبُو بَكْرٍ

وَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّلْمُحْكَمَاتِ
اور تمہارے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تِبْيَانُ الْقُرْآنِ

جلد سوم
المائدہ • الانعام

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر
فریدی بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار، لاہور۔ ۲

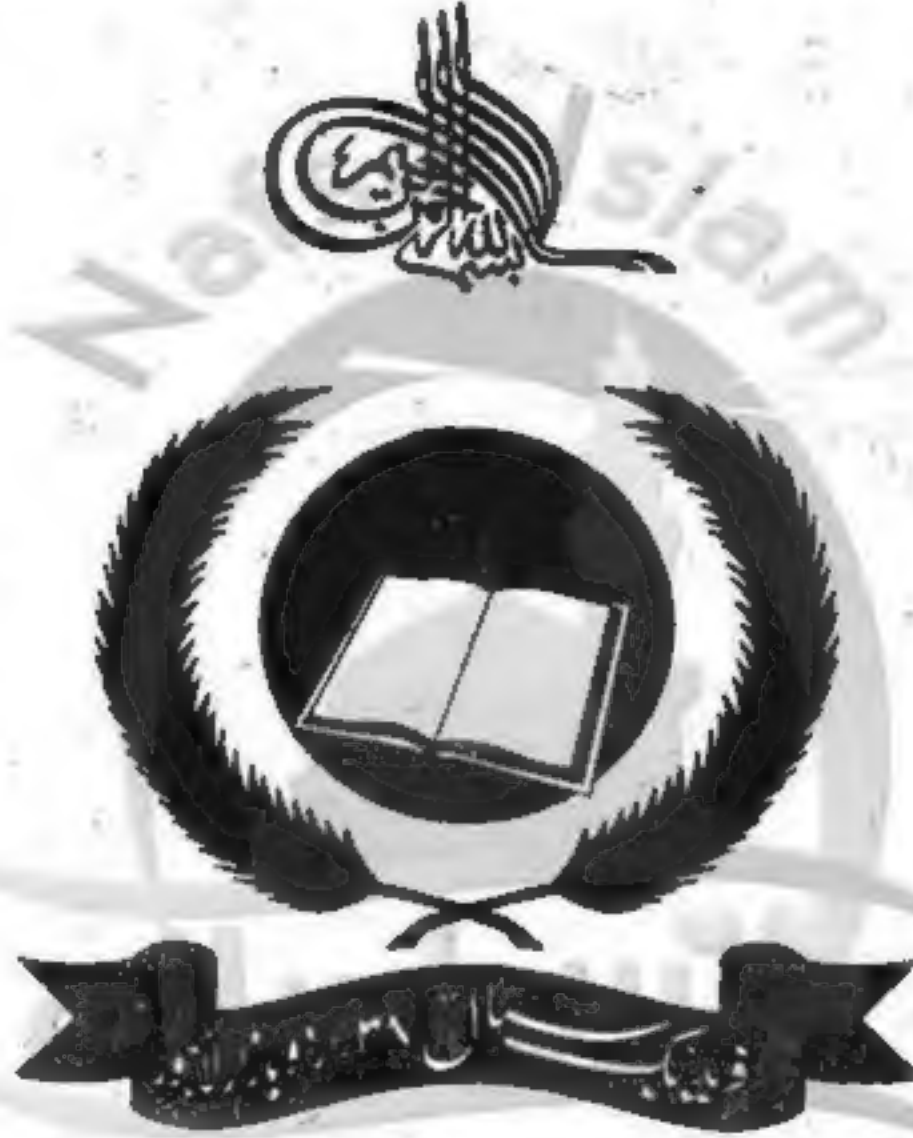
Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، حصہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



مصحح: مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی

مولانا قاری شہزاد محمد فیضی

مطبع: روی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور

الطبع الاول: دسمبر 1420ھ / فروری 2000ء

الطبع السابغ: ربیع الثانی 1429ھ / اپریل 2008ء

Farid Book Stall®

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No. 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (پرائیویٹ) لمیٹڈ

فون نمبر: 092-42-7312173-7123435

فکس نمبر: 092-42-7224899

ای میل: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	صفحہ
۴۱	امر کا مقتضی و جواب ہونے پر دلائل	۲۵	سورۃ المائدہ	۱	۴۱
۴۲	ممانعت کے بعد امر کے مقتضی کی تحقیق	۲۷	۱	۲	۴۲
۴۳	نہی منکر کے فعل سے وجوب کا ثابت نہ ہونا	۲۸	۲	۳	۴۳
	نہی منکر کے فعل کے ساتھ مستحب اور	۳۰	۳	۴	
۴۴	واجب ہونے کا ضابطہ	۳۰	۴	۵	۴۴
۴۶	کتنی مقدار ڈاڑھی رکھنا مستحب ہے؟	۳۱	۵	۶	۴۶
۴۸	آیات مذکورہ سے استنباط شدہ احکام	۳۲	۶	۷	۴۸
	حرمت علیکم المیتہ والد م و	۳۳	۷	۸	
۴۹	لحکم الخنزیر (۳-۵)	۳۳	۸	۹	۴۹
۵۱	مردار کا معنی اور اس کے شرعی احکام	۳۳	۹	۱۰	۵۱
۵۲	خون کے شرعی احکام	۳۵	۱۰	۱۱	۵۲
۵۲	تخیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان	۳۶	۱۱	۱۲	۵۲
	ما اهل لخبیر اللہ بہ کا معنی اور اس کے	۳۷	۱۲	۱۳	
۵۳	شرعی احکام	۳۷	۱۳	۱۴	۵۳
۵۴	المنعطفۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۳۸	۱۴	۱۵	۵۴
۵۵	الموقوفۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۳۹	۱۵	۱۶	۵۵
۵۵	المتردبۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۴۰	۱۶	۱۷	۵۵
۵۶	النطیحة کا معنی اور اس کا شرعی حکم	۴۱	۱۷	۱۸	۵۶
۵۶	جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو اس کا شرعی حکم	۴۲	۱۸	۱۹	۵۶

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۱	جس شکار یا زبچہ پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کے حکم میں فقہاء اختلاف کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات	۵۱	۳۳ "الامساذ کیسٹم" کے مستثنیٰ نہ کلیان	۵۱	۳۳ نصب کا معنی اور اس کا شرعی حکم
۵۲	غلیل نکلن اور دیگر آلات سے شکار کرنے کا حکم	۵۲	۳۴ ازلام کا معنی	۵۲	۳۵ نجومیوں کا نول اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت
۵۳	بدوق سے مارے ہوئے شکار کی تحقیق	۵۳	۳۶ کسی درپیش صم کے متعلق استخارہ کرنے کی ہدایت	۵۳	۳۷ استخارہ کرنے کا طریقہ
۵۴	بدوق کے شکار کو حرام کہنے والے علماء کے دلائل	۵۴	۳۸ قرآن کی بناء پر مستقبل کے ظنی اور اک حاصل کرنے کا حکم	۵۴	۳۹ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی بخیر مسلمین پر بحث و نظر
۵۵	بدوق کے شکار کو حلال قرار دینے والے علماء کے دلائل	۵۵	۴۰ حضرت علی کی خلافت کا غیر منصوص ہونا	۵۵	۴۱ تدریجاً احکام کا نزول دین کے کال ہونے کے متعلق نہیں
۵۶	بدوق کے شکار کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر	۵۶	۴۲ اسلام کا کال دین ہونا دیان ساجدہ کے کال ہونے کے متعلق نہیں	۵۶	۴۳ یوم میلاد النبی ﷺ کا عید ہونا
۵۷	قرآن اور حدیث میں بیان کردہ حرام جانور	۵۷	۴۴ یوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاد صاحب کا مظاہرہ	۵۷	۴۵ عشرہ حکیم الامت منایا جائے گا مسنئی فیم
۵۸	اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق	۵۸	۴۶ ضرورت کی بناء پر حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت	۵۸	۴۷ زیر بحث آیت کا معنی اور شان نزول
۵۹	اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ	۵۹	۴۸ شکار کی اقسام اور ان کے شرعی احکام	۵۹	۵۰ شکار کی شرائط کلیان
۶۰	دیگر کفار کے برعکس اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ	۶۰	۴۹ شکار کرنے والے جانوروں کلیان	۶۰	۵۱ شکاری کتے کے مطعم (سہ جائے ہوئے) ہونے کا معیار اور شرائط
۶۱	اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ	۶۱	۵۰ وضو کے اجرو ثواب کے متعلق احادیث		
۶۲	آزاد اور پاکدامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ	۶۲			
۶۳	یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فواغسلوا (۱)	۶۳			
۶۴	آیت وضو کی سابقہ آیات سے مناسبت	۶۴			
۶۵	آیت وضو کا شان نزول	۶۵			
۶۶	آیت وضو کے نزول سے پہلے فرضیت وضو کا بیان	۶۶			
۶۷	شرائع سابقہ اور کی دور میں فرضیت وضو کے متعلق احادیث	۶۷			
۶۸	وضو کے اجرو ثواب کے متعلق احادیث	۶۸			

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۳۷	مل لقات	۹۳	۹۹	ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز	۷۱
۱۳۷	بنو اسرائیل کی حمد فکھی کلیان	۹۴	۱۰۰	وضو کے متعلق علیہ فرائض	۷۲
	بعض رسولوں کے انکار کی وجہ سے نجات نہیں	۹۵	۱۰۰	سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ	۷۳
۱۳۸	ہوگی 'خولہ نیک عمل کیے ہوں	۹۶	۱۰۲	پیروں کے دھوئے پر دلائل	۷۴
۱۳۹	تورات کی تحریف میں علماء کے نظریات	۹۷		پیروں کے دھوئے پر علماء شیعہ کے اعتراضات	۷۵
۱۳۱	استخراج مسائل	۹۷	۱۰۳	کے جوابات	
	بہاہل الکتاب قد جاء کم	۹۸	۱۰۴	وضو کے مختلف فیہ فرائض	۷۶
۱۳۱	رسولنا بین لکم (۱۷-۱۵)	۹۹	۱۰۵	وضو کی سنتیں	۷۷
	رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے متعلق	۹۹	۱۰۸	وضو کے مستحبات	۷۸
۱۳۲	علماء کے نظریات	۱۰۰	۱۰۹	وضو کے آداب	۷۹
۱۳۴	نبی ﷺ کے نور حسی ہونے پر دلائل	۱۰۰	۱۰۹	وضو توڑنے والے امور	۸۰
۱۳۷	نبی ﷺ کے نور ہدایت ہونے پر دلائل	۱۰۱	۱۱۰	تیمم کی شرط 'طریقہ اور دیگر احکام	۸۱
۱۳۹	قرآن مجید کے فوائد اور مقاصد	۱۰۲		واذ کروا نعمۃ اللہ علیکم و	۸۲
۱۴۰	حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کا رد	۱۰۳	۱۱۳	میشاقہ (۸-۷)	
	وقالت الیہود والنصارى نحن	۱۰۴	۱۱۱	اللہ کی نعمت اور اس کے حمد و مہیشاق کا معنی	۸۳
۱۴۱	ابناء اللہ و احباءہ (۸۹-۱۸)	۱۰۵	۹۷	صحیح اور غلط شہادت کی اہمیت	۸۴
	یسود کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور	۱۰۵		ثانی کو سند یا لائسنس دینے کا حکم جواز اور	۸۵
۱۴۱	اس کے محبوب ہیں	۱۰۶	۱۱۸	بحشو نظر	
۱۴۲	فترت کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۰۶	۱۱۹	شہادت کی تعریف	۸۶
۱۴۳	حضرت آدم سے لیکر سیدنا محمد ﷺ تک کا زمانہ	۱۰۷		ثانی شخص کو دہش دینے کا حکم جواز اور	۸۷
	واذ قال موسیٰ لقومہ یقوم اذ کروا	۱۰۸	۱۲۰	بحشو نظر	
۱۴۳	نعمۃ اللہ علیکم (۳۱-۲۰)	۱۰۸	۱۲۲	طلب منصب کی تحقیق	۸۸
۱۴۵	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۰۹	۱۲۳	موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا	۸۹
۱۴۵	بنو اسرائیل کے انبیاء کلیان	۱۱۰		امیدوار کے لیے شرائط الہیت نہ ہونے کے	۹۰
۱۴۶	بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کلیان	۱۱۱	۱۲۳	غلط منکر	
۱۴۶	بنو اسرائیل کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا	۱۱۲		ولقد اخذ اللہ میثاق بنی	۹۱
۱۴۶	ارض مقدسہ کا مصداق	۱۱۳	۱۲۵	اسرائیل (۳-۳)	
۱۴۷	جبارین کلیان	۱۱۴	۱۲۶	سابقہ آیات سے ارتباط	۹۲

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۵	فادھب انت ورسکے میں بنو اسرائیل کے	۱۳۶	مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف	۱۳۶	ڈاکو کے صرف
۱۱۶	کفر اور فسق کی وجوہات	۱۳۷	ڈاکو کے صرف	۱۳۷	ڈاکو کے صرف
۱۱۷	میدان تہ میں بنو اسرائیل کا بھگنا	۱۳۸	ڈاکو کے صرف	۱۳۸	ڈاکو کے صرف
۱۱۸	حضرت یوشع کے لیے سورج کو ٹھہرانا	۱۳۹	ڈاکو کے صرف	۱۳۹	ڈاکو کے صرف
۱۱۹	نئی مصلحت کا سورج کو لوٹنا	۱۴۰	ڈاکو کے صرف	۱۴۰	ڈاکو کے صرف
۱۲۰	حدث رد شمس کی سند کی تحقیق	۱۴۱	ڈاکو کے صرف	۱۴۱	ڈاکو کے صرف
۱۲۱	واتل علیہم نبی اہنی ادم بالحق	۱۴۲	ڈاکو کے صرف	۱۴۲	ڈاکو کے صرف
۱۲۲	ربط آیات اور مناسبت	۱۴۳	ڈاکو کے صرف	۱۴۳	ڈاکو کے صرف
۱۲۳	قاتل کے ہاتل کو قتل کرنے کی	۱۴۴	ڈاکو کے صرف	۱۴۴	ڈاکو کے صرف
۱۲۴	تفصیل	۱۴۵	ڈاکو کے صرف	۱۴۵	ڈاکو کے صرف
۱۲۵	ہاتل کے اس قول کی توجیہ کہ میرا اور تیرا لہ	۱۴۶	ڈاکو کے صرف	۱۴۶	ڈاکو کے صرف
۱۲۶	تیرے ذمہ لگے	۱۴۷	ڈاکو کے صرف	۱۴۷	ڈاکو کے صرف
۱۲۷	قاتل کے قتل کرنے کی کیفیت	۱۴۸	ڈاکو کے صرف	۱۴۸	ڈاکو کے صرف
۱۲۸	ہر ٹیک اور بد کام کے ایجاد کرنے والوں کو بعد	۱۴۹	ڈاکو کے صرف	۱۴۹	ڈاکو کے صرف
۱۲۹	والوں کے قتل سے حصہ ملنا مناسب ہے	۱۵۰	ڈاکو کے صرف	۱۵۰	ڈاکو کے صرف
۱۳۰	قاتل کا انجام	۱۵۱	ڈاکو کے صرف	۱۵۱	ڈاکو کے صرف
۱۳۱	من اجل ذلک کتبنا علی بنی	۱۵۲	ڈاکو کے صرف	۱۵۲	ڈاکو کے صرف
۱۳۲	اسرائیل (۳۳-۳۴)	۱۵۳	ڈاکو کے صرف	۱۵۳	ڈاکو کے صرف
۱۳۳	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۵۴	ڈاکو کے صرف	۱۵۴	ڈاکو کے صرف
۱۳۴	ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے	۱۵۵	ڈاکو کے صرف	۱۵۵	ڈاکو کے صرف
۱۳۵	برابر کس طرح ہو گا؟	۱۵۶	ڈاکو کے صرف	۱۵۶	ڈاکو کے صرف
۱۳۶	شان نزول	۱۵۷	ڈاکو کے صرف	۱۵۷	ڈاکو کے صرف
۱۳۷	حزاب (ڈاکو) کا لغوی معنی	۱۵۸	ڈاکو کے صرف	۱۵۸	ڈاکو کے صرف
۱۳۸	ڈاکو کی اصطلاحی تعریف	۱۵۹	ڈاکو کے صرف	۱۵۹	ڈاکو کے صرف
۱۳۹	ڈاکو کا رکن	۱۶۰	ڈاکو کے صرف	۱۶۰	ڈاکو کے صرف
۱۴۰	ڈاکو کی شرائط	۱۶۱	ڈاکو کے صرف	۱۶۱	ڈاکو کے صرف
۱۴۱	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۶۲	ڈاکو کے صرف	۱۶۲	ڈاکو کے صرف
۱۴۲	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۶۳	ڈاکو کے صرف	۱۶۳	ڈاکو کے صرف
۱۴۳	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۶۴	ڈاکو کے صرف	۱۶۴	ڈاکو کے صرف
۱۴۴	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۶۵	ڈاکو کے صرف	۱۶۵	ڈاکو کے صرف
۱۴۵	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۶۶	ڈاکو کے صرف	۱۶۶	ڈاکو کے صرف
۱۴۶	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۶۷	ڈاکو کے صرف	۱۶۷	ڈاکو کے صرف
۱۴۷	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۶۸	ڈاکو کے صرف	۱۶۸	ڈاکو کے صرف
۱۴۸	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۶۹	ڈاکو کے صرف	۱۶۹	ڈاکو کے صرف
۱۴۹	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۰	ڈاکو کے صرف	۱۷۰	ڈاکو کے صرف
۱۵۰	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۱	ڈاکو کے صرف	۱۷۱	ڈاکو کے صرف
۱۵۱	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۲	ڈاکو کے صرف	۱۷۲	ڈاکو کے صرف
۱۵۲	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۳	ڈاکو کے صرف	۱۷۳	ڈاکو کے صرف
۱۵۳	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۴	ڈاکو کے صرف	۱۷۴	ڈاکو کے صرف
۱۵۴	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۵	ڈاکو کے صرف	۱۷۵	ڈاکو کے صرف
۱۵۵	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۶	ڈاکو کے صرف	۱۷۶	ڈاکو کے صرف
۱۵۶	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۷	ڈاکو کے صرف	۱۷۷	ڈاکو کے صرف
۱۵۷	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۸	ڈاکو کے صرف	۱۷۸	ڈاکو کے صرف
۱۵۸	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۷۹	ڈاکو کے صرف	۱۷۹	ڈاکو کے صرف
۱۵۹	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۰	ڈاکو کے صرف	۱۸۰	ڈاکو کے صرف
۱۶۰	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۱	ڈاکو کے صرف	۱۸۱	ڈاکو کے صرف
۱۶۱	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۲	ڈاکو کے صرف	۱۸۲	ڈاکو کے صرف
۱۶۲	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۳	ڈاکو کے صرف	۱۸۳	ڈاکو کے صرف
۱۶۳	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۴	ڈاکو کے صرف	۱۸۴	ڈاکو کے صرف
۱۶۴	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۵	ڈاکو کے صرف	۱۸۵	ڈاکو کے صرف
۱۶۵	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۶	ڈاکو کے صرف	۱۸۶	ڈاکو کے صرف
۱۶۶	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۷	ڈاکو کے صرف	۱۸۷	ڈاکو کے صرف
۱۶۷	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۸	ڈاکو کے صرف	۱۸۸	ڈاکو کے صرف
۱۶۸	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۸۹	ڈاکو کے صرف	۱۸۹	ڈاکو کے صرف
۱۶۹	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۰	ڈاکو کے صرف	۱۹۰	ڈاکو کے صرف
۱۷۰	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۱	ڈاکو کے صرف	۱۹۱	ڈاکو کے صرف
۱۷۱	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۲	ڈاکو کے صرف	۱۹۲	ڈاکو کے صرف
۱۷۲	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۳	ڈاکو کے صرف	۱۹۳	ڈاکو کے صرف
۱۷۳	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۴	ڈاکو کے صرف	۱۹۴	ڈاکو کے صرف
۱۷۴	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۵	ڈاکو کے صرف	۱۹۵	ڈاکو کے صرف
۱۷۵	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۶	ڈاکو کے صرف	۱۹۶	ڈاکو کے صرف
۱۷۶	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۷	ڈاکو کے صرف	۱۹۷	ڈاکو کے صرف
۱۷۷	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۸	ڈاکو کے صرف	۱۹۸	ڈاکو کے صرف
۱۷۸	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۱۹۹	ڈاکو کے صرف	۱۹۹	ڈاکو کے صرف
۱۷۹	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۲۰۰	ڈاکو کے صرف	۲۰۰	ڈاکو کے صرف
۱۸۰	ڈاکو کے جرم کی تفصیل	۲۰۱	ڈاکو کے صرف	۲۰۱	ڈاکو کے صرف

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۳	سرد کاغذی معنی	۱۸۰	۱۷۸	۱۷۸	قصص کے حکم کا شان نزول
۱۵۵	سرد کا اصطلاحی معنی	۱۸۰	۱۷۹	۱۷۹	ذی کے بدلے سلطان کو قتل کرنے میں
۱۵۶	شان نزول	۱۸۰	۱۸۰	۱۸۰	مذہب فقہاء
۱۵۷	جاہلیت اور اسلام میں جن کے ہاتھ کاٹے گئے	۱۸۰	۱۸۰	۱۸۰	تورات میں قرآن مجید کی صداقت
۱۵۸	چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت	۱۸۱	۱۸۱	۱۸۱	معاذ کے قصص کی کیفیت میں مذہب اربعہ
۱۵۹	حجیت حدیث پر دلیل	۱۸۱	۱۸۱	۱۸۱	بدلہ نہ لینے کی فضیلت
۱۶۰	حد سرد کے نصاب میں امام شافعی کا نظریہ	۱۸۱	۱۸۱	۱۸۱	وقفینا علی اثارہم بمعنی اہل
۱۶۱	حد سرد کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ	۱۸۲	۱۸۲	۱۸۲	مریم (۵۰-۴۶)
۱۶۲	حد سرد کے نصاب میں امام احمد بن حنبل کا نظریہ	۱۸۳	۱۸۳	۱۸۳	آیات سابقہ سے ارتباط
۱۶۳	حد سرد کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ اور	۱۸۳	۱۸۳	۱۸۳	نزل قرآن کے بعد انجیل پر عمل کے حکم کی توجیہ
	ائمہ ثلاثہ کے جوابات	۱۸۳	۱۸۳	۱۸۳	قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا لحاظ ہونا
۱۶۴	مذہب اختلاف کے ثبوت میں احادیث	۱۸۵	۱۸۵	۱۸۵	شرائع سابقہ کے حجت ہونے کی توضیحات
۱۶۵	کون سا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے؟	۱۸۶	۱۸۶	۱۸۶	شان نزول
۱۶۶	جن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا	۱۸۷	۱۸۷	۱۸۷	یا ایہا الذین امنوا لاتتعبدوا
۱۶۷	یا ایہا الرسول لا یحزنک الذین	۱۸۷	۱۸۷	۱۸۷	الیہود (۵۶-۵۵)
۱۶۸	یسار عون فی الکفر (۴۳-۴۱)	۱۸۹	۱۸۹	۱۸۹	شان نزول
۱۶۹	یسود کتورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا	۱۹۱	۱۹۱	۱۹۱	کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں
۱۷۰	یہودیوں کے ایمان نہ لانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم ہونا	۱۹۱	۱۹۱	۱۹۱	قرآن مجید کی آیات
۱۷۱	سخت کا معنی اور اس کا حکم	۱۹۲	۱۹۲	۱۹۲	کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث
۱۷۲	رشوت کی اقسام اور اس کا شرعی حکم	۱۹۳	۱۹۳	۱۹۳	اور آثار
۱۷۳	اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق	۱۹۴	۱۹۴	۱۹۴	کفار سے دوستی کے حق میں منافقوں کے
	ائمہ اربعہ کا نظریہ	۱۹۵	۱۹۵	۱۹۵	بہانوں کا بطلان
۱۷۴	موجودہ تورات میں آیت رجم	۱۹۷	۱۹۷	۱۹۷	حد و ہمارت اور بعد کے مرتدین کا بیان
۱۷۵	انا انزلنا التورۃ فیہا ہدی ونور	۱۹۸	۱۹۸	۱۹۸	اللہ کی محبوب قوم کے مصداق میں متعدد اقوال
	(۴۵-۴۳)	۱۹۸	۱۹۸	۱۹۸	حضرت ابو بکر کی خلافت پر دلائل
۱۷۶	شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا	۱۹۸	۱۹۸	۱۹۸	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل
۱۷۷	قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا کفر ہونا	۱۹۹	۱۹۹	۱۹۹	آیت مذکورہ کے شان نزول میں متعدد اقوال

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۴۱	گناہوں کو ترک کرنے اور نیکیاں کرنے سے رزق میں وسعت اور فراخی	۲۳۱	۲۴۰	حضرت علی کے مستحق خلافت ہونے پر علماء شیعہ کی دلیل	۲۰۰
۲۴۲	یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (۷۳-۷۴)	۲۳۲	۲۳۱	علماء شیعہ کی دلیل کا جواب	۲۰۱
۲۴۳	ایک آیت کی تبلیغ نہ کرنے سے مطلقاً تبلیغ رسالت کی نفی کس طرح درست ہے؟	۲۳۳	۲۳۲	یا ایہا الذین امنوا لاتتعذوا (۵۷-۵۸)	۲۰۲
۲۴۴	تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث	۲۳۴	۲۳۳	مناسبت اور شان نزول	۲۰۳
۲۴۵	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر علماء شیعہ کا استدلال اور اس کا جواب	۲۳۵	۲۳۴	یہود و نصاریٰ اور مت پر متوں سے متعلق قرآن مجید کی اصطلاح	۲۰۴
۲۴۶	آیا رسول اللہ ﷺ صرف احکام شریعہ کی تبلیغ پر مامور تھے یا اپنے تمام علوم کی تبلیغ پر؟	۲۳۶	۲۳۵	ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذہب	۲۰۵
۲۴۷	نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں	۲۳۷	۲۳۶	مناسبت اور شان نزول	۲۰۶
۲۴۸	وہ علم جسکو تمام امت تک پہنچانا آپ پر فرض ہے	۲۳۸	۲۳۷	ابتداء اذان کی کیفیت	۲۰۷
۲۴۹	وہ علم جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار ہے	۲۳۹	۲۳۸	کلمات اذان میں مذہب ائمہ	۲۰۸
۲۵۰	وہ علم جس کا فناء آپ پر واجب ہے	۲۴۰	۲۳۹	حضرت ابو طلحہ کی روایت کا محل	۲۰۹
۲۵۱	شان نزول	۲۴۱	۲۴۰	کلمات اقامت میں مذہب ائمہ	۲۱۰
۲۵۲	یہود و نصاریٰ کے کسی عمل کا نافی شمار نہ ہونا	۲۴۲	۲۴۱	اذان کا جواب	۲۱۱
۲۵۳	نزدل قرآن سے ان کے کفر اور سرکشی کا اور زیادہ ہونا	۲۴۳	۲۴۲	دعا بعد الاذان	۲۱۲
۲۵۴	الصاہبوں کے رفقی حالت میں ہونے کی توجیہ کیا صرف نیک عمل کرنے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی؟	۲۴۴	۲۴۳	اذان کی فضیلت میں احادیث	۲۱۳
۲۵۵	قرآن کے معنی	۲۴۵	۲۴۴	مناسبت اور شان نزول	۲۱۴
۲۵۶	جو اسرائیل کا ہدایت سے دوبارہ اندھا اور بہرا ہوتا	۲۴۶	۲۴۵	آیت مذکورہ کی ترکیب پر شہادت کے جواہرات	۲۱۵
۲۵۷	عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد	۲۴۷	۲۴۶	وتری کثیرا منہم یسارعون فی الاتم (۶۱-۶۲)	۲۱۶
۲۵۸	لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثة (۷۳-۷۴)	۲۴۸	۲۴۷	نیک کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت	۲۱۷
۲۵۹		۲۴۹	۲۴۸	نیک کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث	۲۱۸
۲۶۰		۲۵۰	۲۴۹	مناسبت اور شان نزول	۲۱۹
		۲۵۱	۲۵۰	ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) کا معنی	۲۲۰

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۴۰	حقد من اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد	۲۴۰	امام مالک کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۴۱
۲۴۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر دلائل	۲۴۱	امام شافعی کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۴۱
۲۴۲	حضرت مریم کے کنبہ نہ ہونے پر دلائل	۲۴۲	امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۴۱
۲۴۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عیلات گزاری سے ان کے خدا نہ ہونے پر استدلال	۲۴۳	امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۴۱
۲۴۴	غلو حق اور غلو باطل کی تعریفیں	۲۴۵	یہودی سے کہا "تو مجھ پر حرام ہے" اس میں مفتی بہ قول	۲۴۲
۲۴۵	لعن الذین کفرو امن بنی اسرائیل (۸۶-۸۷)	۲۴۶	افضل یہ ہے کہ کبھی نفس کے تقاضوں کو پورا کرے اور کبھی نہ کرے	۲۴۵
۲۴۶	تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان	۲۴۷	مناسبت اور شان نزول	۲۴۶
۲۴۷	نباشی کا اسلام لانا	۲۴۸	بین کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۴۶
۲۴۸	مسلمانوں کا جوشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ کان کو واپس بلانے کی سعی کرنا	۲۴۹	قسم کھانے کا جو از اور مشروعیت	۲۴۷
۲۴۹	حضرت جعفر کا نباشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرا	۲۵۰	جھوٹ کا کلمہ شدہ ہو تو زیادہ قسمیں کھانے کا جواز	۲۴۸
۲۵۰	کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا	۲۵۱	فی نفسہ قسموں کی اقسام	۲۴۹
۲۵۱	واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینہم (۸۶-۸۷)	۲۵۱	انہما حق ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے متعلق فقہاء کے نظریات	۲۵۰
۲۵۲	شان نزول	۲۵۲	قسم کھانے کا طریقہ	۲۵۱
۲۵۳	یا ایہا الذین امنوا لاتحرموا	۲۵۳	غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی تحقیق	۲۵۱
۲۵۴	طیبت ما احل اللہ لکم (۸۷-۸۸)	۲۵۴	بین لغوی تعریف	۲۵۲
۲۵۵	حلال چیزوں سے اہتمام کی ممانعت	۲۵۵	بین منقہ کی تعریف	۲۵۳
۲۵۶	عیالات اور محلات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث	۲۵۶	بین غموس کی تعریف	۲۵۳
۲۵۷	اسلام مقتل مسل اور دین فطرت ہے	۲۵۷	کفارہ قسم کی مشروعیت	۲۵۴
۲۵۸	آیا حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟	۲۵۸	کفارہ قسم کے احکام میں مذہبائے	۲۵۴
			یا ایہا الذین امنوا انصبا الخمر و	۲۵۵
			المیسر و الانصاب (۹۰-۹۳)	۲۵۵

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۱۵	شہن نزول اور مناسبت	۳۰۱	مشکل الفاظ کے معنی	۲۷۸
۳۱۵	"تا کہ اللہ یہ جان لے" کی توجیہات	۳۰۲	شراب کی تحریم کے متعلق احادیث	۲۷۹
۳۱۶	حالت احرام میں شکار کرنے کی سزا	۳۰۳	غمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء	۲۸۰
	خنگی کے جانوروں کے قتل کی ممانعت سے پانچ	۳۰۳	غمر کلینہ حرام ہو گا اور غیر غمر کا مقدار نشہ میں	۲۸۱
۳۱۶	فاسق جانوروں کا شتاء	۳۰۴	حرام ہونا	
	کھیتوں کے کوئے کے علاوہ ہر کوئے کو قتل کرنے	۳۰۵	جس مشروب کی چیزی سے نشہ کاغذ ہو "اس	۲۸۲
۳۱۷	حکم	۳۰۶	پانی ملا کر پینے کا جواز	
	تین صورتوں میں محرم کے لیے شکاری جانوروں	۳۰۶	جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی	۲۸۳
۳۱۷	کو قتل کرنے کی اجازت		قلیل مقدار کے طائل ہونے پر فقہاء مختلف	
	محرم عمر ا قتل کرے یا خطاء ہر صورت میں اس پر	۳۰۷	کے دلائل	
۳۱۸	شہن کلوجوب	۳۰۸	انگریزی دواؤں اور پر فوم کا شرعی حکم	۲۸۴
۳۱۸	شکار کی تعریف	۳۰۹	شراب نوشی پر عید کی احادیث	۲۸۵
	شکار پر ولایت کرنے کی وجہ سے شہن کے ثبوت	۳۱۰	غمر کی حد کلیان	۲۸۶
۳۱۸	میں مذاہب ائمہ	۳۱۱	بھنگ اور افیون کا شرعی حکم	۲۸۷
	شکار کی جزاء میں اس کی شکل صوری ضروری	۳۱۲	سکون آور دواؤں کا شرعی حکم	۲۸۸
۳۲۰	ہے یا اس کی قیمت؟	۳۱۳	تبیا کو نوشی کا شرعی حکم	۲۸۹
	جزاء میں اختیار منصفوں کی طرف راجع ہے یا	۳۱۴	بھگنے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کلیان	۲۹۰
۳۲۱	محرم کی طرف؟	۳۱۵	معہ گماری اور سہ کا شرعی حکم	۲۹۱
	طعام کا صدقہ مکہ میں کرنا ضروری ہے یا دوسرے	۳۱۶	کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر	۲۹۲
۳۲۲	شہر میں بھی جائز ہے؟	۳۱۷	چوسراور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء	۲۹۳
	دوسری بار شکار کو مارنے سے جزاء لازم ہوگی	۳۱۸	کرکٹ میچ کے متعلق امام احمد رضا کی ہدایت	۲۹۴
۳۲۲	یا نہیں؟	۳۱۹	شراب اور بھگنے کی دینی اور دنیاوی خرابیاں	۲۹۵
	اضطرار کی صورت میں شکار اور مردار میں سے	۳۲۰	انصاف اور انصاف کی تفسیر	۲۹۶
۳۲۲	کس کو اختیار کرنا دینی ہے؟	۳۲۱	شہن نزول کلیان	۲۹۷
	سندری شکار کی تعریف اور اس میں	۳۲۲	تحریم غمر کی تاریخ	۲۹۸
۳۲۳	مذاہب ائمہ	۳۲۳	اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات	۲۹۹
	شکار کا گوشت محرم کے لیے ناجائز ہونے کے	۳۲۴	یا یہا الذین امنوا الیہ لونکم اللہ	۳۰۰
۳۲۴	متعلق احادیث	۳۲۵	بشنی (۹۱-۹۳)	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۱۷	محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق	۳۲۴	البحیرہ کا معنی
۳۱۸	مذہبِ ائمہ	۳۲۵	الہیہ کا معنی
۳۱۸	محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے مسئلہ میں	۳۲۶	الوسیلہ کا معنی
۳۱۹	امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل	۳۲۷	الحامی کا معنی
۳۱۹	جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام	۳۲۸	بکیر و بکیرہ اور سائبہ وغیرہ کے متعلق احادیث
۳۲۰	فیما للناس (۹۷-۱۰۰)	۳۲۹	ایضال ثواب کے لیے نامزد جانوروں کا حلال اور
۳۲۰	مشکل الفاظ کے معنی	۳۳۰	طیب ہونا
۳۲۱	مناسبت	۳۳۱	بکیر و بکیرہ کی تحریم کا خلاف عمل ہونا
۳۲۲	کعبہ اور دیگر شعائرِ حرم کا لوگوں کے لیے مصلحت اور	۳۳۲	تقلید موم اور تقلید عمود
۳۲۲	مقوم ہونا	۳۳۳	یا ایہا الذین امنوا علیکم
۳۲۳	کسی کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا فرائض و رسالت میں	۳۳۴	انفسکم لا یضرکم (۱۰۵-۱۰۸)
۳۲۳	سے نہیں ہے	۳۳۵	مناسبت اور شانِ نزول
۳۲۴	اللہ کے نزدیک نیکو کاروں اور بدکاروں کا برابر	۳۳۶	نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا
۳۲۴	نہ ہونا	۳۳۷	ضروری ہونا
۳۲۵	یا ایہا الذین امنوا لاتسلوا عن	۳۳۸	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے
۳۲۵	اشیاء ان تبدل لکم (۱۰۳-۱۰۴)	۳۳۹	متعلق احادیث
۳۲۶	نئی مسئلہ سے سوالات کرنے کی ممانعت کے	۳۴۰	متعلق احادیث
۳۲۶	متعلق احادیث	۳۴۱	سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنانے کے
۳۲۷	آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات	۳۴۲	متعلق احادیث
۳۲۸	آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت	۳۴۳	سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے
۳۲۸	کے حامل	۳۴۴	عدم جواز پر جمہور فقہاء کے دلائل
۳۲۹	آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق قرآن	۳۴۵	اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے جواز پر امام
۳۲۹	مجید کی آیات	۳۴۶	ابو حنیفہ کے دلائل
۳۳۰	آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث	۳۴۷	امام ابو حنیفہ کے استدلال پر علامہ قرطبی کے
۳۳۱	مشکل سوالات اور تجارت ڈالنے کی ممانعت	۳۴۸	اعتراض کا جواب
۳۳۲	سوالات کرنے کے جائز اور ناجائز مواقع	۳۴۹	ناگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے
۳۳۳	کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے بھلی	۳۵۰	کلی جواز
۳۳۳	امتوں کا ہلاک ہونا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۱	نزل مائدہ کے فراموشی معجزہ کی توجیہات	۳۵۲	شک اور شبہ کی بنا پر طہر یا مسح کو قید میں رکھنے کا حواز	۳۵۱	بکرموں کو قید میں رکھنے کا حواز
۳۶۴	عام آدمی کی نظر اور نبی کی نظر	۳۵۱	مذہب مائدہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق املوث	۳۵۱	مذہب مائدہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق
۳۶۸	اول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۶۸	بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خوان	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۶۸	میلاد رسول ﷺ	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۶۸	مغفل میلاد کا بدعت حسد ہوتا	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۱	نزل مائدہ کی کیفیت کی تحقیق	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	دستر خوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	واذ قال اللہ یعیسیٰ ابن مریم	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	وانت قلت (۳۰-۳۱)	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	اس اشکل کا جواب کہ عیسیٰ تو حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے اور اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتے	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کمال اوس سے اپنی برأت کرتا	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے پر ایک اشکل کا جواب	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشرکین کی شفاعت کی	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	العزیز الحکیم اور الغفور	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	الرحیم کفری	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	فسق مومنین کے لیے نبی ﷺ کی شفاعت	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	بی بی یونس کے لئے کافائدہ صرف آخرت میں کیوں ہو گا؟	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	اللہ کی عظمت و جہوت کے ذکر پر سورت کا اختتام	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	شریعت اور حقیقت کی طرف اشارہ	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	تمام مضامین سورت کی دلیل	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳	اختصاصی کلمات	۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ
۳۷۳		۳۵۱	مذہب مائدہ	۳۵۱	مذہب مائدہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۸۳	کفار کے مطالبہ کے بلوچوں کی طرف سے	۳۸۳	سورۃ الانعام	۳۸۳	سورۃ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث
۳۸۴	فرشتے کو نہ بھیجے کی حکمت	۳۸۴	سورۃ الانعام سے مدنی آیات کے استنباط کے متعلق احادیث	۳۸۴	سورۃ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث
۳۸۵	نہی بلوچوں پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی مرزا	۳۸۵	سورۃ الانعام کا موضوع	۳۸۵	سورۃ الانعام کے مضامین
۳۸۶	قل میروافی الارض ثم انظروا	۳۸۶	الحمد لله الذی خلق السموت والارض (۱-۶)	۳۸۶	محمد صرح اور شکر کا فرق
۳۸۷	کیف بکان (۱۸-۱۱)	۳۸۷	تمام تعریفوں کا اللہ کے ساتھ مختص ہونا	۳۸۷	عالم کبیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال
۳۸۸	الوہیت رسالت اور قیامت پر دلیل	۳۸۸	عالم صغیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال	۳۸۸	کفار کی باحسن فراموشی
۳۸۹	اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح	۳۸۹	دواجلوں کی قسمیں	۳۸۹	عالم صغیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال
۳۹۰	سفرت مہاجرت اور دخول جنت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نہ کہ اعمال	۳۹۰	اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل	۳۹۰	کفر باللہ پر ملامت کے بعد کفر یا رسول کی مذمت
۳۹۱	اللہ کے فضل اور رحمت سے دخول جنت کی تحقیق	۳۹۱	کفر باللہ پر ملامت کے بعد کفر یا رسول کی مذمت	۳۹۱	ربط آیات اور خلاصہ مضمون
۳۹۲	حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں	۳۹۲	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۳۹۲	قرن کی تحقیق
۳۹۳	اللہ تعالیٰ ہے	۳۹۳	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۳۹۳	بعض سوالوں کے جوابات
۳۹۴	انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں	۳۹۴	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۳۹۴	ولو نزلنا علیک کتابا فانی
۳۹۵	قل ای شیء اکبر شهادة قل اللہ	۳۹۵	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۳۹۵	قرطاس فلمسوه (۴-۷)
۳۹۶	ان لوگوں کی تفصیل جن کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی	۳۹۶	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۳۹۶	ربط آیات اور شان نزول
۳۹۷	اہل کتاب کا یہی بلوچوں کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتا	۳۹۷	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۳۹۷	کفار کے انکار کا حقیقی سبب
۳۹۸	کفار کے اخروی نقصان کا معنی	۳۹۸	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۳۹۸	
۳۹۹	ومن اظلم ممن افتری علی اللہ	۳۹۹	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۳۹۹	
۴۰۰	کذب (۲۱-۲۱)	۴۰۰	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۴۰۰	
۴۰۱	یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے	۴۰۱	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۴۰۱	
۴۰۲	ہستائوں کی تفصیل	۴۰۲	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۴۰۲	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲۷	روز قیامت مشرکین کی ناکامی اور عمر لوی	۴۲۰	زمین میں سرنگ بنانے اور آسمان پر بیڑی	۴۲۸	شان نزول
۴۲۸	کفار کے کلموں پر ڈاٹ لگانے پر اعتراضات کے جوابات	۴۲۲	لگانے کے معنی اور توجیہات	۴۲۹	ایمان ابو طالب کی تحقیق
۴۲۹	ایمان ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق احادیث	۴۵۰	مجموعہ نبی کے اختیار میں ہے یا نہیں؟	۴۳۰	ایمان ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین
۴۳۰	ایمان ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین	۴۵۱	جبر و ہدایت نہ دینے کی حکمت	۴۳۱	کے ذہاب کی تصریحات
۴۳۱	کے ذہاب کی تصریحات	۴۵۲	کفار کو مردہ فرمانے کی توجیہ	۴۳۲	ایمان ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین
۴۳۲	ایمان ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین	۴۵۳	کفار کی مطلوبہ نشانیوں کا ذکر کرنے کا سبب	۴۳۳	ولوتبری اذوقفوا علی النار فقالوا
۴۳۳	ولوتبری اذوقفوا علی النار فقالوا	۴۵۴	و ما من دابة فی الارض ولا طیر	۴۳۴	یابننا (۳۰-۴۷)
۴۳۴	یابننا (۳۰-۴۷)	۴۵۵	یطیر (۴۱-۴۸)	۴۳۵	قیامت کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت
۴۳۵	قیامت کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت	۴۵۶	آیات مبارکہ سے مناسبت اور وجہ ارتداد	۴۳۶	قد عسر الذین کذبوا بلفقاء اللہ
۴۳۶	قد عسر الذین کذبوا بلفقاء اللہ	۴۵۷	جانوروں کے حسب اور قصاص کے متعلق احادیث	۴۳۷	(۳۷-۴۱)
۴۳۷	(۳۷-۴۱)	۴۵۸	حیوانوں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت کی وجہ	۴۳۸	مکرمین قیامت کے خسارہ کلیان
۴۳۸	مکرمین قیامت کے خسارہ کلیان	۴۵۹	رسول اللہ ﷺ کے ہم مثل ہونے کا محل	۴۳۹	روز قیامت کو ساعت اور اللہ سے ملاقات کلون
۴۳۹	روز قیامت کو ساعت اور اللہ سے ملاقات کلون	۴۶۰	لوح محفوظ تمام مخلوقات کے تمام احوال کی جامع ہے	۴۴۰	فرمانے کی توجیہ
۴۴۰	فرمانے کی توجیہ	۴۶۱	قرآن مجید تمام عقائد اسلام اور احکام شریعہ کا جامع ہے	۴۴۱	آیات مبارکہ سے مناسبت اور وجہ ارتداد
۴۴۱	آیات مبارکہ سے مناسبت اور وجہ ارتداد	۴۶۲	کتابت کی رحمت پر دلائل	۴۴۲	دنیا کی زندگی کو لہو لعب قرار دینے کی وجوہات
۴۴۲	دنیا کی زندگی کو لہو لعب قرار دینے کی وجوہات	۴۶۳	آثار صحابہ کی رحمت پر دلائل	۴۴۳	دنیا کے بے وقعت ہونے کے متعلق احادیث
۴۴۳	دنیا کے بے وقعت ہونے کے متعلق احادیث	۴۶۴	احسان کی رحمت پر دلائل	۴۴۴	نیک کی روائش صرف کرنے کی نیت سے مل
۴۴۴	نیک کی روائش صرف کرنے کی نیت سے مل	۴۶۵	قیاس کی رحمت پر دلائل	۴۴۵	دنیا کا تسخیر
۴۴۵	دنیا کا تسخیر	۴۶۶	قرآن مجید میں ہر چیز کے ذکر ہونے پر دلائل	۴۴۶	دنیا کی رحمت مطلقہ موم نہیں ہے
۴۴۶	دنیا کی رحمت مطلقہ موم نہیں ہے	۴۶۷	قرآن مجید میں صرف ہدایت کے ذکر ہونے پر دلائل	۴۴۷	لہو لعب کے معنی کی تحقیق
۴۴۷	لہو لعب کے معنی کی تحقیق	۴۶۸	قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان کے متعلق مستند	۴۴۸	کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کے احکام
۴۴۸	کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کے احکام	۴۶۹	مفسرین کا نظریہ	۴۴۹	شان نزول اور مناسبت
۴۴۹	شان نزول اور مناسبت	۴۷۰	اللہ تعالیٰ کے کرامات اور ہدایت پیدا کرنے کی توجیہ	۴۵۰	نیا مفسر کی نقل کی آیات
۴۵۰	نیا مفسر کی نقل کی آیات	۴۷۱	شان نزول	۴۵۱	شان نزول

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۳۷۹	مصلحتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا خطری نقصان ہے	۳۸۷	نیا مصلحتوں کے اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کے مذاہب	۳۷۹
۳۸۰	ولقد ارسلنا الی امم من قبلک	۳۸۸	نیا مصلحتوں کے اجتہاد کے عدم جواز کے قائلین	۳۷۹
۳۸۱	فاحذہم (۳۲-۵۰)	۳۸۹	نیا مصلحتوں کے اجتہاد کے جواز کے قائلین	۳۷۹
۳۸۱	مصلحتیں اور تکلیفیں دونوں کو اللہ کی طرف راجع کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں	۳۹۰	نیا مصلحتوں کے اجتہاد کے متعلق توقف کے قائلین	۳۷۹
۳۸۲	گناہوں کے باوجود نعمتوں کا لانا اللہ کی طرف سے استدراج اور ڈھیل ہے	۳۹۱	نیا مصلحتوں کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق	۳۷۹
۳۸۳	اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل	۳۹۲	نیا مصلحتوں کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں	۳۸۰
۳۸۳	کافروں کے عمومی عذاب میں آیا مومن بھی جلا ہوں گے یا نہیں؟	۳۹۳	احادیث	۳۸۱
۳۸۵	انبیاء علیہم السلام کا مقرر شدہ کام	۳۹۳	وامذریہ الذین یخافون ان یحشروا الی ربہم (۵۵-۵۷)	۳۸۳
۳۸۶	نیا مصلحتوں سے قدرت علم غیب اور فرشتے ہونے کی نفی	۳۹۳	کافروں اور مسلمانوں کو ڈرانے کے الگ الگ محمل	۳۸۳
۳۸۷	نیا مصلحتوں سے قدرت اور علم غیب کی نفی کا محمل	۳۹۵	مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بنا پر مجلس سے اٹھانے کی ممانعت	۳۸۳
۳۸۸	علماء و یوہود کے نزدیک علم غیب کی نفی کا محمل	۳۹۵	صبح و شام اخلاص سے عبادت کرنے کی وضاحت	۳۸۵
۳۸۹	نیا مصلحتوں کے لیے علم غیب کا ثبوت	۳۹۶	مسکینوں کا سلب آپ کے ذمہ نہ ہونے کی وضاحت	۳۸۶
۳۹۰	نیا مصلحتوں پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدم جواز	۳۹۸	نیا مصلحتوں کو منع کرنا اصل امت کے لیے	۳۸۶
۳۹۱	نیا مصلحتوں کے علم غیب کے متعلق اہل سنت کا مسلک	۳۹۸	نیا مصلحتوں کی تعریف ہے	۳۸۷
۳۹۲	کیا نیا مصلحتوں کا تباہی کرنا آپ کے اجتہاد کے متنازع ہے؟	۳۹۹	نیا مصلحتوں کی عصمت پر اعتراض کا جواب	۳۸۷
۳۹۳	نیا مصلحتوں کے اجتہاد پر دلائل	۴۰۰	بعض لوگوں کی بعض پر فضیلت کا آزمائش ہونا	۳۸۹
۳۹۳	صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل	۴۰۱	شان نزول میں متعدد اقوال	۳۹۰
۳۹۵	آپ کلومی کی اتباع کرنا اجتہاد کے مستثنیٰ نہیں ہے	۴۰۲	اولیاء اللہ کی تعظیم کی تاکید	۳۹۰
۳۸۶	اجتہاد کی تعریف	۴۰۳	جہالت کی وجہ سے گناہوں کی معافی کی وضاحت	۳۹۰
		۴۰۳	مجرموں کے طریقے کو بیان کرنے کی حکمت	۳۹۲

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۵۰۵	قل انی نہیت ان اعبدا الذین	۵۲۳	اللہ تعالیٰ ملک الموت اور فرشتوں کی طرف	
۵۰۶	تدعون من دون اللہ (۶۰-۵۶)	۲۹۳	قبض روح کی نسبت کی وضاحت	۵۰۹
۵۰۷	بتوں کی عبادت کا خلاصہ شکل ہوتا	۲۹۳	موت کے وقت مسلمانوں اور کافروں کی روحوں	
۵۰۷	غیر اللہ کو پکارنے میں مشرکوں اور مسلمانوں کا		کے نکلنے کی کیفیت	۵۱۰
۵۰۸	فرق	۲۹۳	اللہ تعالیٰ کے مولا اور حق ہونے کا معنی	۵۱۱
۵۰۸	کفار کے مطالبے کے بلوجود حق پر عذاب نازل نہ	۵۲۷	روح کے انسان کی حقیقت ہونے پر امام رازی	
۵۰۹	کرنے کی وجہ	۲۹۵	کے دلائل	۵۱۱
۵۰۹	زیر بحث آیت کا ایک حدیث سے تعارض اور	۵۲۸	امام رازی کے دلائل پر بحث و نظر	۵۱۲
۵۱۰	اس کا جواب	۲۹۵	جسم سے پہلے روح کے پیدا ہونے پر دلائل اور	
۵۱۰	مغلۃ الغیب کی تفسیر میں بعض علماء کی لغزش	۲۹۱	بحث و نظر	۵۱۲
۵۱۱	مغلۃ الغیب کی تفسیر میں احادیث اور آثار	۲۹۷	قیامت کے دن جلد حساب لینے کا بیان	۵۱۶
۵۱۲	مغلۃ الغیب کی تفسیر میں علماء کے نظریات	۲۹۸	حساب کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۵۱۶
۵۱۳	آیاتی میں غیب کو صرف غیب کی خبریں دی گئی	۵۲۳	حساب کی کیفیت کے متعلق احادیث	۵۱۷
۵۱۳	ہیں یا غیب کا علم بھی دیا گیا ہے؟	۲۹۹	حساب کی کیفیت کے متعلق صحابہؓ تابعین اور	
۵۱۳	اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ ﷺ کے علم		علماء کے نظریات	۵۲۰
۵۱۴	میں فرق	۵۰۰	نعمتوں کی کتنی مقدار پر حساب لیا جائے گا؟	۵۲۱
۵۱۵	لوح محفوظ کا بیان	۵۰۱	حساب کو آسان کرنے کا طریقہ	۵۲۱
۵۱۶	نہیں کلمات صغریٰ ہوتا	۵۰۲	معصیت مٹی جانے کے بعد اللہ کو بحول جانے پر	
۵۱۷	وہو القاهر فوق عباده ویرسل		ملائک	۵۲۲
۵۱۸	علبکم حفظۃ (۶۷-۶۴)	۵۰۳	اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے جانے والے	
۵۱۸	اللہ تعالیٰ کے قرآن معنی	۵۰۳	عذاب کی اقسام	۵۲۳
۵۱۹	کراما کاتبین کی تعریف اور حق کے فرائض	۵۰۵	امت کے اختلاف اور لڑائیوں سے نجات کی دعا	
۵۲۰	کراما کاتبین کے متعلق قرآن مجید کی آیت	۵۰۵	سے اللہ تعالیٰ کا آپ کو منع فرمایا	۵۲۳
۵۲۱	کراما کاتبین کے فرائض اور وظائف کے	۵۲۹	فقہ کاغوی معنی اور اصطلاحی معنی	۵۲۶
۵۲۲	متعلق احادیث	۵۰۶	واذا رایت الذین یحوضون فی	
۵۲۲	آیاد کی باتوں کو کراما کاتبین لکھتے ہیں یا		ایمانا فاعرض عنہم	
۵۲۳	نہیں؟	۵۰۷	(۷۸-۷۰)	
۵۲۳	اعمال کو لکھوانے کی حکمتیں	۵۰۹	دین میں تفرقہ ڈالنے کی مذمت	۵۲۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۵۵۳	آزر کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال	۵۵۹	۵۴۲	شیطان کے لیے نبی ﷺ کو نسیان میں جلا کرنا ممکن نہیں	۵۴۲
۵۵۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کلابپ تاسخ تھا نہ کہ آزر	۵۶۰	۵۴۳	قرآن اور سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کالسیان	۵۴۳
۵۵۳	آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کلابپ کہنے کی توجیہ	۵۶۱	۵۴۴	نبی ﷺ کے سوا اور نسیان کے متعلق فقہاء اور محدثین کا موقف	۵۴۴
۵۵۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے مومن ہونے کی دلیل	۵۶۲	۵۴۵	فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق قرآن و سنت اور آثار سے تصریحات	۵۴۵
۵۵۷	قیامت کے دن آزر کو بپ کہنے کی توجیہ	۵۶۳	۵۴۶	اہل بدعت کے صدق	۵۴۶
۵۵۸	نبی ﷺ کے تمام آباء کرام کے مومن ہونے پر دلیل	۵۶۴	۵۴۷	فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق فقہاء کی تصریحات	۵۴۷
۵۵۸	سودین اور عابدین سے زمین بھی خالی نہیں رہی	۵۶۵	۵۴۸	احتجاج بواک آکاٹ کرنے کی اصل	۵۴۸
۵۵۸	رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرام کا بچے اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر ہونا	۵۶۶	۵۴۹	بہسل کا معنی	۵۴۹
۵۵۹	ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں تفسیر کبیر پر بحث و نظر	۵۶۷	۵۵۰	بت پرستی کا رد و لعاب ہونا	۵۵۰
۵۶۲	ابوین کریمین کے ایمان کے متعلق امام رازی کا صحیح موقف	۵۶۸	۵۵۱	قل اندعو امن دون اللہ مالا یمنفعنا (۷۳-۷۴)	۵۵۱
۵۶۳	ابوین کریمین کے ایمان کی بحث میں حرف آخر	۵۶۹	۵۵۲	گمراہی میں بھٹکنے والے شخص کی مثل	۵۵۲
۵۶۴	جنوں کی پرستش کا کلی ہوئی گمراہی ہونا	۵۷۰	۵۵۳	آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا معنی	۵۵۳
۵۶۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے ملکوت کا حصدق	۵۷۱	۵۵۴	قرآن اور احادیث کی روشنی میں سورہ بھوکنے کالیان	۵۵۴
۵۶۵	ستارے چاند اور سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنا	۵۷۲	۵۵۵	واذ قال ابراہیم لابیہ ازراقتعذ اصناما الہة (۸۲-۸۳)	۵۵۵
۵۶۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو "ہذا ربی" کہنا تک کی بنا پر نہیں تھا	۵۷۳	۵۵۶	آیات سابقہ سے متابعت	۵۵۶
۵۶۸	استدلال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا	۵۷۴	۵۵۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام نسب اور تاریخ پیدائش	۵۵۷
۵۶۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ رہنا	۵۷۵	۵۵۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات	۵۵۸
۵۶۸	مباحثہ	۵۷۶			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۷۶	اس مباحثہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ	۵۷۶	تبی مکتوب کی عمومی پشت پر یہودیوں کے	۵۷۶	تبی مکتوب کی عمومی پشت پر یہودیوں کے
۵۷۷	وتلک حجتنا اتمینہا ابراہیم	۵۷۷	اعتراض کا جواب	۵۷۷	اعتراض کا جواب
۵۷۸	علی قومہ (۹۰-۸۳)	۵۷۸	آخرت پر ایمان نبی مکتوب پر ایمان لانے کو	۵۷۸	آخرت پر ایمان نبی مکتوب پر ایمان لانے کو
۵۷۹	مسلمانوں پر صاحب نازل ہونے کی وجوہات	۵۷۹	مستزوم ہے	۵۷۹	مستزوم ہے
۵۸۰	انبیاء علیہم السلام علماء اور مومنین کے درجات	۵۸۰	تمام عبادات میں نماز کی اہمیت	۵۸۰	تمام عبادات میں نماز کی اہمیت
۵۸۱	کی بلندی	۵۸۱	تاریک نماز کے حلقہ مذہب فقہاء	۵۸۱	تاریک نماز کے حلقہ مذہب فقہاء
۵۸۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں	۵۸۲	مناسبت اور شان نزول	۵۸۲	مناسبت اور شان نزول
۵۸۳	کا تسلسل	۵۸۳	سیرہ نور اسود الخسی کے احوال	۵۸۳	سیرہ نور اسود الخسی کے احوال
۵۸۴	حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل کو ذکر	۵۸۴	معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں	۵۸۴	معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں
۵۸۵	نہ کرنے کی وجہ	۵۸۵	کار اور بطل	۵۸۵	کار اور بطل
۵۸۶	نواسوں کا اولاد میں داخل ہونا	۵۸۶	حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے احوال	۵۸۶	حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے احوال
۵۸۷	نواسوں کو اولاد میں شمار کرنے کے حلقہ مذہب	۵۸۷	کافر کے جسم سے روح نکالنے کی کیفیت	۵۸۷	کافر کے جسم سے روح نکالنے کی کیفیت
۵۸۸	فقہاء	۵۸۸	مل و دولت اور شرک کے پرستاروں کی آخرت	۵۸۸	مل و دولت اور شرک کے پرستاروں کی آخرت
۵۸۹	حضرت الیاس کا نسب اور ان کا صدق	۵۸۹	میں محرومی	۵۸۹	میں محرومی
۵۹۰	انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں ایک نوع کی مناسبت	۵۹۰	ان اللہ فالق الحب والنوی	۵۹۰	ان اللہ فالق الحب والنوی
۵۹۱	انبیاء علیہم السلام کلام اللہ سے افضل ہونا	۵۹۱	بمخرج الحی من الحبث (۹۸-۱۰۰)	۵۹۱	بمخرج الحی من الحبث (۹۸-۱۰۰)
۵۹۲	اللہ تعالیٰ کی ہدایت	۵۹۲	زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید	۵۹۲	زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید
۵۹۳	نبی مکتوب کا تمام صفات انبیاء کا جامع ہونا	۵۹۳	پر دلائل	۵۹۳	پر دلائل
۵۹۴	وما قدر و اللہ حق قدرہ اذ قال واما	۵۹۴	آسمان کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید	۵۹۴	آسمان کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید
۵۹۵	انزل اللہ (۹۳-۹۰)	۵۹۵	پر دلائل	۵۹۵	پر دلائل
۵۹۶	مناسبت اور شان نزول	۵۹۶	آسمان کے نفس سے وجود باری تعالیٰ اور توحید	۵۹۶	آسمان کے نفس سے وجود باری تعالیٰ اور توحید
۵۹۷	تورات میں حریف کے حلقہ امام رازی کا	۵۹۷	پر دلائل	۵۹۷	پر دلائل
۵۹۸	موقف نور محمد و نظر	۵۹۸	تمام انسان بنسلا برابر ہیں	۵۹۸	تمام انسان بنسلا برابر ہیں
۵۹۹	آیت مذکورہ کا منسوخ نہ ہونا	۵۹۹	مستقر اور مستور کا معنی	۵۹۹	مستقر اور مستور کا معنی
۶۰۰	اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ مکتوب کی قدر و ثنای	۶۰۰	سابقہ آیات سے ارتباط	۶۰۰	سابقہ آیات سے ارتباط
۶۰۱	قرآن مجید کی خیر اور برکت	۶۰۱	مجبور کے فضائل اور اس کا مومن کی صفت پر	۶۰۱	مجبور کے فضائل اور اس کا مومن کی صفت پر
۶۰۲	قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا صدق ہونا	۶۰۲	مشکل ہونا	۶۰۲	مشکل ہونا
۶۰۳	مکہ مکرمہ کا ام القریٰ ہونا	۶۰۳	مجبور انکسور زمین اور انار کے خواص	۶۰۳	مجبور انکسور زمین اور انار کے خواص

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۵	سدا راح کی بنا پر بتوں کو برا کہنے کی ممانعت	۳۳	۶۱	پھلوں کی باہر والی حالت اور ان کے پکتے سے	
۳۶	فرمانی مجزات نہ دکھانے کی وجہ	۳۴	۶۸	وجود باری پر استدلال	
	جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے دنوں کو پھیر دیا تو کن	۳۵	۶۷	توڑے بغیر پکتے سے پہلے درخت پر لگے ہوئے	
۳۶	کافر میں کیا قصور ہے؟	۳۵	۶۸	پھلوں کی بیج کھد م جواز	
	ولو انزلنا اليهم الملائكة و	۳۶	۶۹	بانوں میں پھلوں کی موجودگی کے جواز کی صورتیں	
۳۷	کلمہم المونی (۱۷-۱۸)	۳۷	۷۱	شرکین کے اپنے شرکاء کے مطلق نظریات اور	
۳۸	اللہ تعالیٰ کا مطلوب بندوں کا اختیار ایمان ہے	۳۷		ان کے فرقے	
	انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین (سرکشوں)	۳۸	۷۰	اللہ تعالیٰ کے لیے مولود نہ ہونے پر دلائل	
۳۹	کاہوتا	۳۹	۷۱	بدیع السموات والارض انسی	
۳۹	وہی نہ عرف القول اور غور کے معنی	۳۹	۷۲	یکون له ولد (۲۰-۲۱)	
۳۰	شیطان کو سورہ اندازی کی تحقیق	۳۰		حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امین اللہ ہونے کا	
۳۱	شیاطین کو پیدا کرنے کی حکمت	۳۱	۷۳	دلائل سے رد	
۳۲	لتصعلی کا معنی	۳۲	۷۳	اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل	
۳۲	نبوت کی دور لیلیں	۳۲	۷۴	رویت باری کے مطلق فقہاء اسلام کے نظریات	
	کلمات رب کے مطلق اور مطلق ہونے کے	۳۳	۷۴	منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات	
۳۳	معانی	۳۳	۷۵	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے مطلق قرآن مجید	
۳۳	اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کمال ہے	۳۵		کی آیات	
۳۴	عقیدہ اور عمل کی گراہیوں کی تحصیل	۳۶	۷۶	آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے	
۳۵	الجرع عن کی مذمت کی وضاحت	۳۷	۷۸	مطلق احادیث	
	فکلو وامنوا ذکر اسم اللہ علیہ ان	۳۸		شب سراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے مطلق علماء	
۳۵	کنتم بایستہ مؤمنین (۲۱-۲۲)	۳۹	۷۸	امت کے نظریات	
	کی سورت میں بدلی سورت کے حوالہ کا شکل	۳۹	۷۹	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار رویت کے جوابات	
۳۷	اور اس کا جواب	۳۷		کیا جیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا جیز	
۳۷	تعلید حج اور تعلید باطل کا فرق	۳۷		آپ کے کلام میں ہے؟	
۳۸	ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کی ممانعت	۳۸	۳۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کا شبہ	
۳۸	اثم کا معنی	۳۸	۳۱	کفار کی دل آزار باتوں پر نبی ﷺ کو تسلی دینا	
۳۸	اثم کی تعریف اور مصلوق کے مطلق احادیث	۳۸	۳۲	رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ	
۳۹	دل کے انجیل پر مواخذہ کے دلائل	۳۹		کے ساتھ معاملہ ہے	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۵۵	جس مذبح پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کے متعلق مذہب فقہاء	۶۷۶	۶۵۶	مسلمان جنوں کے جنت میں داخل ہونے کے دلائل	۶۷۶
۶۵۶	امام ابو حنیفہ کے مذہب پر دلائل	۶۷۶	۶۵۷	اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے کے معنی	۶۷۷
۶۵۷	حلال کو حرام کرنے یا حرام کو حلال کرنے کا شرعی حکم	۶۷۸	۶۵۸	استغناء اور رحمت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا	۶۷۸
۶۵۸	او من کان میتا فاحیینہ وجعلنا	۶۷۹	۶۵۹	و جعلوا اللہ معما ذرا من الحرث و الانعام (۳۶-۳۷)	۶۷۹
	لہ نور (۳۹-۴۲)	۶۸۰	۶۶۰	اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے بھلوں اور موشیوں کی تقسیم کے کمال	۶۸۰
۶۵۹	کافر کے مردہ اور مومن کے زندہ ہونے کی مثالیں	۶۸۱	۶۶۱	اس تقسیم کی مذمت	۶۸۱
۶۶۰	علم اور جمل کے مراتب	۶۸۲	۶۶۲	آیات سابقہ سے ارتباط	۶۸۲
۶۶۱	کفار اور فاسق کو مقتدر بنانے کی حکمت	۶۸۳	۶۶۳	خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب اور تشہیر کا شرعی حکم	۶۸۳
۶۶۲	حصول نبوت کا معیار	۶۸۴	۶۶۴	نبط تولید کے بارے میں مصنف کی تحقیق	۶۸۴
۶۶۳	حکماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد	۶۸۵	۶۶۶	شرکین کے خود ساختہ احکام کا رد اور ابطال	۶۸۶
۶۶۴	اہل حق کے نزدیک نبوت نبوت کا نشانہ	۶۸۶	۶۶۷	خود ساختہ شریعت سازی کا رد اور ابطال	۶۸۷
۶۶۵	نبی کی صفات لازمہ	۶۸۷	۶۶۸	بہشیوں کو قتل کرنے کی شکوت	۶۸۸
۶۶۶	اسلام کے لیے شرح صدر کی علامت	۶۸۸	۶۶۹	وہو الذی انشا جنت معروشت (۴۲-۴۳)	۶۸۹
۶۶۷	جنت کو دار السلام قرار دینے کی وجوہات	۶۸۹	۶۷۰	مشکل الفاظ کے معانی	۶۹۰
۶۶۸	جہنم کے غلو سے استثناء کی توجیہات	۶۹۰	۶۷۱	وجود باری اور توحید پر دلیل	۶۹۰
۶۶۹	خالص حکومت کا سبب عوام کا علم ہے	۶۹۱	۶۷۲	فصل کی کتاب کے حق سے مراد شر ہے یا عام صدقہ؟	۶۹۱
۶۷۰	بعض شر الحسن والانس الم یاتکم رسل منکم (۳۵-۳۶)	۶۹۲	۶۷۳	عشر کے فاصل میں مذہب فقہاء	۶۹۱
۶۷۱	جنت کے لیے رسولوں کے ذکر کی توجیہات	۶۹۳	۶۷۴	امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل	۶۹۲
۶۷۲	جن علاقوں میں اسلام کا پیغام نہیں پہنچا وہاں کے باشندوں کا حکم	۶۹۴	۶۷۵	فصل صدقہ کرنے میں کیا چیز اسراف ہے اور کیا نہیں؟	۶۹۲
۶۷۳	آیا مومن جن جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟	۶۹۵	۶۷۶	موشیوں کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۶۹۳
۶۷۴	جنت کے دخول جنت کے متعلق علماء کی آراء	۶۹۶	۶۷۷	مناظرہ اور قیاس کی اصل	۶۹۴
۶۷۵	مسلمان جنوں کے جنت میں نہ داخل ہونے کے دلائل	۶۹۷			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۶۹۷	فرقہ بندی کی مذمت	۷۹۷	قل لا اجد فی ما اوحی الی معمر ما	۷۹۷
۶۹۸	من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (۲۱۰-۲۱۵)	۷۹۸	قرآن اور حدیث میں حرام کیے ہوئے طعام کی تفصیل	۷۹۸
۶۹۹	دس گنا اجر سات سو گنا اجر اور بے حساب اجر کے حامل	۷۹۹	بعض الفاظ کے معنی	۷۹۹
۷۰۰	نیک کا معنی	۸۰۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل	۸۰۰
۷۰۱	نماز کا قتل انسی وجہ سے واجب ہے یا	۸۰۱	شرکین کے بہت کا جواب	۸۰۱
۷۰۲	تعمیر سے	۸۰۲	جبریہ کار اور باطل	۸۰۲
۷۰۳	نما ﷺ کا اول المسلمین ہونا	۸۰۳	قل تعالوا انزل ما حرم منکم	۸۰۳
۷۰۴	فتنہ کے زمانہ میں نیک علماء کا گوشہ نشین ہونا	۸۰۴	علبکم (۱۵۱-۱۵۲)	۸۰۴
۷۰۵	فضول کے عقد اور وکیل کے تصرفات میں	۸۰۵	اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کی تفصیل	۸۰۵
۷۰۶	مذہب فقہاء	۸۰۶	شرک کا حرام ہونا	۸۰۶
۷۰۷	برائی کے سوجد کو اس برائی کے مرتکبین کی سزا	۸۰۷	والدین کے ساتھ بد سلوکی کا حرام ہونا	۸۰۷
۷۰۸	میں سے حصہ ملے گا	۸۰۸	قتل اولاد کا حرام ہونا	۸۰۸
۷۰۹	کوئی شخص دوسرے کے جرم کی سزا نہیں پائے	۸۰۹	بے حیائی کے کاموں کا حرام ہونا	۸۰۹
۷۱۰	گناہ کا قصہ کے بعض مستثنیات	۸۱۰	قتل ناحق کا حرام ہونا اور قتل برحق کی اقسام	۸۱۰
۷۱۱	مسلمانوں کو غلیفہ بنانے کے محال	۸۱۱	قتل مومن پر وعید	۸۱۱
۷۱۲	مسلمانوں کی آزمائش	۸۱۲	یتیم کے مال میں بے جا تصرف کا حرام ہونا	۸۱۲
۷۱۳	مسلمانوں کے گناہوں پر مواخذہ اور مغفرت کا	۸۱۳	بپ تول میں کمی کا حرام ہونا	۸۱۳
۷۱۴	بیان	۸۱۴	ناحق بات کا حرام ہونا	۸۱۴
۷۱۵	حرف آخر	۸۱۵	اللہ تعالیٰ سے بد عہدی کرنے کا حرام ہونا	۸۱۵
۷۱۶	آئندہ مراجع	۸۱۶	بدعت سے اجتناب کا حکم	۸۱۶
۷۱۷		۸۱۷	بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام	۸۱۷
۷۱۸		۸۱۸	وہذا کتاب انزلنہ مبارک	۸۱۸
۷۱۹		۸۱۹	فاتبعوہ (۱۵۵-۱۵۹)	۸۱۹
۷۲۰		۷۲۰	شرکین پر اتمام حجت کے لیے قرآن مجید کو	۷۲۰
۷۲۱		۷۲۱	ازل فرمایا	۷۲۱
۷۲۲		۷۲۲	قیامت سے پہلے دس نشانوں کا ظہور	۷۲۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في جمده عن الحامدين وانزل القرآن تبليغا لكل شيء عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليانما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيح الصالحين والمذنبين واختص بتنصيبه المغفرة له في كتاب مبين وعلى آله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اوليائه وعلماؤه اجمعين - اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله - اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالي من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له اللهم ارني الحق حقا وارزقني اتبعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه اللهم اجعلني في تبليان القرآن على صراط مستقيم وثبتني فيه على منهج قويم واحص مني النطق والزلي في تحريره واحفظني من شر الناس الذين وزيع المعاندين في تقرير اللهم الق في قلبي اسرار القرآن وشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعني بقبوض القرآن ونورني بانوار الفرقان واسعدني لتبليان القرآن، رب زدني علما رب ادخلني مدخل صدق واخرجني مخرج صدق واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا - اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضاً ومفيضا ومرغوبا في اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لي ذرية للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة تجارية الى يوم القيامة وارزقني زيارة النبي صلى الله عليه وسلم في الدنيا وشفاعته في الآخرة واحيني على الاسلام بالسلامة وامتنني على الايمان بالكرامة اللهم انت ربي لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لي فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يا رب العالمين -

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستثنیٰ ہے۔ جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عالمین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد پر نازل ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سر پر قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثل لانے کا بیج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثل لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ظلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں۔ اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے۔ اور ان کی پاکیزہ آل، ان کے کال اور ہادی اصحاب اور ان کی اذواج مطہرات اہل بیت المؤمنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف میں صراطِ مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا اظہار کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انور سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی نور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور، مقبول، محبوب اور اثر آفرین بنا دے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ، اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین



سُورَةُ الْبَايِنَاتِ

(٥)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة المائدة

سورة المائدہ قرآن کی مجید کی ترتیب مصحف کے اعتبار سے پانچویں سورت ہے۔ قراء کو طہین کے نزدیک اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں 'ہمارے پاس جو قرآن مجید کے نسخے ہیں' ان میں ایک سو بیس آیتیں ہی لکھی ہوئی ہیں اور حجازیہ کے نزدیک اس میں ایک سو بائیس آیتیں ہیں اور مصوفین کے نزدیک اس میں ایک سو تیس آیتیں ہیں۔ یہ اختلاف صرف آیتوں کے گننے کی وجہ سے ہے 'ورنہ سب کے نزدیک سورة المائدہ کی وہی آیتیں ہیں جو اس میں درج ہیں۔ لہذا بعض کے نزدیک یہ آیتیں ایک سو بیس ہیں' بعض کے نزدیک ایک سو بائیس اور بعض کے نزدیک ایک سو تیس آیتیں ہیں اور اس میں بلا تعلق سولہ رکوع ہیں۔

نام:

اس سورت کا نام المائدہ ہے کیونکہ اس کی دو آیتوں میں المائدہ (کھانے کا خون) کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيشِي ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رُحُوكَ أَنْ تُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ (المائدہ: ۱۱۳)

جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خون اتار سکتا ہے۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ (المائدہ: ۱۱۴)

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خون نازل فرما تاکہ (اس کے نزول کا دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید اور حیرت طرب سے نکالی ہو جائے۔

ڈاکٹر عبد زحیلی نے لکھا ہے 'اس سورت کا نام سورة العقود اور سورة المستقہ بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورة المائدہ اللہ کی ملکوت میں مستقہ کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں سے نجات دیتی ہے۔' (تفسیر المنیر '۶۷' ص ۴۴) ہمیں اس روایت کا مائدہ نہیں مل سکا۔

قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بخلوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

نہی پہنچنے سے روایت ہے کہ جس شخص نے سورۃ المائدہ کو پڑھا اس کو دس نیکیوں کا اجر دیا جائے گا اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے درجات بلند کیے جائیں گے اور یہ درجات ہر شخص یسوی اور نصرانی کے عدد کے برابر ہوں گے۔

علامہ احمد شہاب الدین خلجی حنفی متونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے یہ موضوع ہے۔ امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو حضرت ابی کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے۔ یہ موضوع ہے۔

(مناہج القاضی، ج ۲، ص ۳۰۷، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

زمانہ نزول

سورۃ المائدہ مکی ہے۔ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کی بعض آیتیں مدینہ سے لوٹنے وقت مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت کی ابتداء میں عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ۵۶ میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جسے مدینہ کہتے ہیں۔ وہ گاؤں بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس مقام پر کفار نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا اور حسب ذیل شرائط پر صلح کی:

- ۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
- ۲۔ اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔
- ۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف کموار ساتھ لائیں، وہ بھی نیاں میں ہو اور نیاں بھی تھیلے میں ہو۔
- ۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
- ۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اس کو واپس کر دیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔
- ۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں، معاملہ میں شریک ہو جائیں۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۷۹۹، ۲۷۹۸، ۲۷۹۷، صحیح مسلم، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷

جانوروں کی جن کے گھوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو۔ اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (المائدہ: ۱-۲)

ان آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ المائدہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی اس کی بعض آیات حجتہ الوداع کے موقع پر مکہ حرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ابن سے کہا اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس کی آپ لوگ غلطت کرتے ہیں۔ اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوئی تو ہم اس دن کو عید مناتے آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا الیوم اکملت لکم دینکم وانممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ: ۳) حضرت عمر نے فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ کون سے دن نازل ہوئی تھی؟ اور کس مقام پر نازل ہوئی تھی؟ یہ آیت نبی ﷺ پر مقام عرفات میں نازل ہوئی تھی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۵، صحیح مسلم ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۶، سنن ترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۳، سنن نسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۰۲، سنن کبریٰ للنسائی ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۶، سنن کبریٰ للبخاری ج ۵، ص ۱۸۸)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کو پڑھا "الیوم اکملت لکم دینکم وانممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اور ابن کے پاس ایک یہودی تھا اس نے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوئی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے۔ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن فریب ہے اور حدیث ابن عباس صحیح ہے۔

(سنن ترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں "میرے نزدیک امام بخاری نے اس حدیث میں اشارہ پر اکتفا کیا ہے اور نہ امام اسحاق کی قبضہ سے روایت میں یہ تصریح ہے کہ یہ روایت جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اور الحمد للہ ایہ دونوں دن ہمارے لیے عید ہیں اور اسی طرح امام ترمذی کی آیت میں ہے کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن عید ہیں۔" (فتح الباری ج ۱، ص ۲۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۳۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں "امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی وہ سورۃ المائدہ اور سورۃ الفتح ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی "مسند" میں امام بغوی نے اپنی "معجم" میں امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے "دلائل النبوة" میں ام عمرو بنت مہس سے اور انہوں نے اپنے عم محترم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں جارہے تھے تو سورۃ المائدہ نازل ہوئی اور اس کے نازل ہونے سے آپ کی اونٹنی حنظلہ کا شانہ ٹوٹ گیا۔

امام ابو عبید نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ اور مدینہ کے درمیان جتہ الوداع میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اس کا شانہ ٹوٹ گیا اور نبی ﷺ اس سے اتر گئے۔
امام سعید بن منصور اور امام ابن المنذر نے ابو یسوع سے روایت کیا ہے کہ جو سورت آخر میں نازل ہوئی وہ المائدہ ہے اور اس میں سترہ فرائض ہیں۔

امام قریابی اور امام ابن المنذر نے ابو یسوع سے روایت کیا ہے کہ المائدہ میں اٹھارہ ایسے فرائض ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں ہیں اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

امام احمد، امام نسائی، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ جبہ بن نفیر کہتے ہیں کہ میں حج کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا اے جبہ! کیا تم المائدہ کی تلاوت کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں! حضرت عائشہ نے فرمایا یہ آخری سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جو حلال ہے تم اس کو حلال سمجھو اور اس میں جو حرام ہے تم اس کو حرام سمجھو۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ اہل بیت)

ان احادیث کو پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یعنی ۱۲ھ سے لے کر ۱۰ھ تک سورۃ المائدہ کے نازل کا نکتہ ہے۔

سورۃ النساء اور المائدہ میں ارتباط اور مناسبت

سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ دونوں میں اہل کتب یہود و نصاریٰ، منافقین اور مشرکین کے اعتراضوں کے جوابات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے باطل عقائد اور نظریات کا رد کیا گیا ہے اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کو ثابت فرمایا ہے۔

ان دونوں سورتوں میں حقوق اور حدود کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں عقد نکاح، عقد امانت، عقد وصیت، عقد وکالت اور عقد اجارہ کو پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور سورۃ النساء کی ابتداء عقد کو پورا کرنے کے حکم سے کی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں تحریم خمر (انگوری شراب) کی تمہید بیان کی گئی اور سورۃ المائدہ میں قطعی طور پر خمر کو حرام قرار دیا ہے۔

جس طرح سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران دونوں سورتوں میں توحید اور رسالت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں مسائل فرعیہ اور احکام شریعہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

وضو اور تیمم کے احکام ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ سورۃ النساء میں پاک و امن مسلمان عورتوں سے نکاح کے احکام بیان فرمائے ہیں اور سورۃ المائدہ میں پاک و امن اہل کتب عورتوں سے نکاح کے احکام بیان کیے ہیں اور عدل و انصاف کرنے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم ان دونوں سورتوں میں ہے۔

سورۃ المائدہ کھانے پینے، شکار، احرام، چوروں اور ڈاکوؤں کی حد اور کفارہ قسم کے احکام میں منقوہ ہے۔ جیسے سورۃ النساء خواتین کے حقوق، وراثت اور قصاص کے احکام میں منقوہ ہے۔

سورۃ المائدہ کے مضامین کا خلاصہ

اللہ سے کیے ہوئے ہر عہد کو پورا کرنے کا حکم، حرمت والے مہینوں اور تمام شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم، حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت، جن چیزوں کا کھانا حرام ہے، ان کا بیان، شکاری جانوروں کی تربیت اور آداب کا ضبط۔ اہل کتب کے کھانوں اور ان کی عورتوں سے نکاح کے احکام۔ (المائدہ ۵-۵۵)

وضو کی فریضت کا بیان، حالت عذر میں تیمم کا حکم، مسلمانوں کو کفار کے شر اور فسق کے بلوغ عدل و انصاف پر قائم رہنے کا

حکم بنو اسرائیل سے اہل شریعت کے عہد و میثاق لینے کا بیان اور اس عہد کے توڑنے کی وجہ سے ان کا لعنتی ہونا۔

(المائدہ: ۱۳-۶)

نصارائی سے میثاق لینے کا ذکر اور میثاق پورا نہ کرنے پر ان کے مذہب کا بیان اہل کتب کو دعوت اسلام، یسود اور نصاریٰ کے اس دعوتی کارو کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ بنو اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا بیان، فتح و نصرت کی بشارت کے ساتھ ان کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم اور ان کی باغیگانی اور بتدلی کی سزائیں ان کا چالیس سال تک صحرائیں بھگنا۔

(المائدہ: ۲۶-۱۳)

قاتل کا معاملہ کو قتل کرنا، ایک انسان کا قاتل تمام انسانوں کا قاتل ہے، ڈاکوئیں کی حد، مسلمانوں کو اہل شریعت کا حکم، چوری کی حد، نبی پیغمبر کی عدالت سے گریز کرنے کے لیے یسود کی سازشوں کا بیان اور ان کا رد۔ (المائدہ: ۴۵-۱۳)

نصارائی کو ان کا عہد یاد دلانا، قرآن مجید کا قول فیصل ہونا، اہل کتب اگر اپنی بدعت سے باز نہیں آتے تو انہیں ان کے محل پر چھوڑنا، مسلمانوں کو یسود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنانے کا حکم، یسود و نصاریٰ کے ساتھ تعلق رکھنے کی بنا پر منافقوں کو زجر و توبہ، اللہ کو منافقوں کی کوئی پروا نہیں، خواہ وہ مرتد ہو جائیں۔ (المائدہ: ۵۶-۱۳)

یسود کو دوست بنانے پر منافقوں کو سرزنش، یسود کی دھوکہ بازی اور ان کے علماء کی سبے گیشی پر سرزنش، یسود کے اللہ پر طعن کا جواب، یسود کا جنگ کی آگ بھڑکتے رہنے کا بیان، اہل کتب کو دعوت اسلام، یسود کا اللہ سے عہد و میثاق کرنے کے بعد اس کے خلاف کرنا اور مجاہد کو قتل کرنا۔ (المائدہ: ۵۷-۵۷)

نصارائی کے عقیدہ طول اور تثلیث کا کفر ہونا، حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کا گھمبہ، بنو اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا لعنت کرنا، اسلام دشمنی میں یسود، مشرکین قریش اور نصاریٰ کے مزاج کا فرق، عیسائیوں میں سے حق پرستوں کی تحسین۔ (المائدہ: ۸۶-۷۲)

از خود کسی حلال چیز کو حرام کرنے کی ممانعت، عہد پورا کرنے کی تاکید، قسم کے کفارہ کا بیان، شراب، ہونے، بے لور قتل نکالنے کے جہدوں کے حرام ہونے کا بیان، حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت، بلا ضرورت سوال کرنے سے منع کرنا، بھوک، سانبہ، دھیلہ اور عام وغیرہ کو کفارہ کے حرام کرنے کی اہمیت کرنا اور کفارہ جو اپنے آپ کی اہمیت تھی اسے اس کا رد کرنا۔

(المائدہ: ۱۰۸-۸۷)

سفر میں وصیت پر گواہ مقرر کرنے کی ہدایت، گواہی کے گواہ اور احکام، قیامت کے دن انبیاء طہم السلام کا عہد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصاً اپنی امت کو تبلیغ کرنے کا بیان، حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا حضرت عیسیٰ سے نزول مانگنا (کھانے کا خواہش) کی درخواست کرنا اور ان کے لیے آسمان سے مائدہ کا نازل ہونا، عیسائیوں کے کلمت مسیح کے عقیدے سے حضرت عیسیٰ کا تبار ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گناہ گاروں کی شفاعت کرنا اور اللہ کی عظمت اور کبریائی کا بیان۔

(المائدہ: ۱۳۰-۱۰۹)

سورۃ المائدہ کا اجمال خاکہ بیان کرنے کے بعد میں اللہ کی توفیق اور امانت سے سورۃ المائدہ کی تفسیر شروع کرتا ہوں۔ اللہ العالمین! مجھے اس تفسیر میں ہدایت پر برقرار رکھنا اور خطاؤں اور لغزشوں سے بچانا۔ اس تفسیر کو اختتام تک پہنچانا، اسے اپنی اور اپنے رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں اور مسلمانوں کے نزدیک مقبول بنانا اور اس کو قیامت تک فیض آفریں اور نفع آور رکھنا اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنانا اور محل اپنے فضل سے مجھے بخش دینا۔ آمین ہمارے

العلمین بحاء حبیبک میدتا محمد قائد الانبیاء والمرسلین بحاتم البیب شفیع
المدبین رحمة للعلمین علیہ وعلی الہ واصحابہ وارواحہ افضل الصلوات واکمل
التحیات الی یوم الدین۔

سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَكِّيَّةٌ مَّقْهُمُ مِائَةٍ وَعِشْرُونَ آيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوعًا

سورۃ المائدہ مدنی ہے اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شرح کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے ۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۖ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ

لئے ایمان والو! اپنے عہد پر پورے کرو تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور صاف

الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُثْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُجَلَّى الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمَانٌ

کے گئے ہیں، مگر ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، سبے شک

اللَّهُ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ

اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ۵ لے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی

اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أُمِّينَ

نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گھروں میں (قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے)

الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَتَتَعَوْنَ فَضْلًا مِّنْ ثَمَرِهِمْ ۖ وَرَضُوا ۖ وَإِذَا

پڑھے ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرتے ہوئے ہوں، اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ

تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۖ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ

میں آنے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے

المعزل الثاني ۲

وقف لایتم

التَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدَاوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ

کی مدد کرو ، اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو ، اور اللہ سے ڈرتے رہو ،

إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ②

بے شک اللہ سخت جزا دینے والا ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے عقود (عهدوں) کو پورا کرو

عقود کا لغوی اور عرفی معنی .

عقد عقد کی جمع ہے۔ عقد کا معنی ہے کسی چیز کو پختگی اور مضبوطی کے ساتھ دوسری چیز کے ساتھ واصل کرنا یا ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ گروہ بنا کر عہد کا معنی ہے کسی چیز کو لازم کرنا اور عقد کا معنی ہے پختگی کے ساتھ کسی چیز کا التزام کرنا یعنی اس لزوم کو ماننا اور عقود سے مراد وہ عہود ہیں جو اللہ اور بندوں کے درمیان کیے گئے یا وہ عہود ہیں جو بندوں نے آپس میں عقد بیع اور عقد نکاح وغیرہ کے ساتھ کیے یا جو لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے عہد کیے یا جس چیز پر حلف اٹھا کر عہد کیا۔

عقود کا شرعی معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اے ایمان والو! اپنے عقود کو پورا کرو" اللہ تعالیٰ کی ذات 'صفات' اس کے احکام اور اس کے افعال کو ماننے اور قبول کرنے کا نام ایمان ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان والے اس کے تمام احکام پر عمل کریں اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہیں۔ لہذا جو شخص ایمان لاتا ہے اس کا ایمان اس عقد اور عہد کو متضمن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو بجالائے گا تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم نے اللہ پر ایمان لا کر جس عقد کا التزام کر لیا ہے اس کو پورا کرو۔

اس آیت میں عقود سے کیا مراد ہے؟ اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں اس کی اطاعت کریں جن چیزوں کو اس نے حلال کیا ہے ان کو حلال قرار دیں اور جن کو اس نے حرام کیا ہے ان کو حرام قرار دیں۔

ابن زید اور زید بن اسلم نے کہا اس سے مراد وہ عقد اور عہد ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً قسم کھا کر معاہدہ کرنا عقد نکاح اور عقد بیع وغیرہ

مجاہد نے بیان کیا اس سے مراد وہ عقود ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے کرتے تھے قتادہ نے کہا اس سے مراد وہ عقود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نل کتاب سے تورات اور انجیل میں لے کر وہ نبی پیغمبر کی تصدیق کریں گے اور آپ کی کتاب پر ایمان لائیں گے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۶۶-۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

عقود کی اقسام

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ عقد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ اور بندہ کے درمیان عقد

(۲) بندہ اور اس کے نفس کے درمیان عقد

(۳) ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ عقد۔

جو عقد اللہ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا موجب عقل ہے یا شرع ہے۔ عقل سے مراد یا تو بہت عقل ہے کیونکہ انسان کی عقل میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نور رکھا ہے جس سے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور یا عقل سے مراد یہ ہے کہ انسان مخلوق میں غور و فکر کرے تو ہر چیز کا ایک نظم اور ضبط کے ساتھ کام کرنا اور نظام کائنات میں کسی فرق اور رخنہ کا واقع نہ ہونا زبان حل سے یہ کہتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق وعدہ لا شریک ہے 'لور یا اس عقد کا موجب شرع ہے اور شرع سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ سو کتاب اور سنت میں اللہ تعالیٰ کے جو احکام بیان کیے گئے ہیں 'بندہ ایمان لانے کے بعد ان سب پر عمل کرنے کا اللہ سے عقد کر لیتا ہے۔ جو عقد بندہ اور اس کے نفس کے درمیان ہے اس سے مراد ہے بندہ کا نذرمان لینا۔ اگر وہ کسی عہد کی اور کار خیر کی نذرمان لیتا ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر وہ کسی مباح کام کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے مثلاً یہ کہ وہ لونٹ کا گوشت یا شد نہیں کھائے گا تو اس قسم کو پورا کرنا مستحب ہے۔ لور اس کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا بھی جائز ہے۔ لور اگر وہ کسی معصیت کی یا کسی عہد کی قسم کھاتا ہے تو اس قسم کو پورا کرنا حرام ہے 'لور اس کو توڑنا واجب ہے۔

اور جو عقد ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان ہوتا ہے 'جیسے عقد بیع' عقد نکاح وغیرہ۔ ان کا حکم معقود علیہ کے اعتبار سے ہے۔ جس چیز پر عقد کیا ہے اگر وہ واجب ہے تو عقد واجب ہے 'مثلاً غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہے تو یہ عقد واجب ہے۔ اگر وہ حلال ہے تو عقد حلال ہے 'جیسے عام ملاقات میں عقد نکاح۔ اگر وہ جائز ہے تو عقد جائز ہے 'جیسے بیع شرا۔ اگر وہ مکروہ ہے تو عقد مکروہ ہے 'جیسے نیز کی بیع۔ اگر وہ حرام ہے تو عقد حرام ہے 'جیسے خمر اور خنزیر کی بیع ہے۔ اسی طرح عقد اجارہ (کرایہ) کی اقسام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ہر قسم کے چارپاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں

بہیمۃ الانعام کا معنی

بہیمہ اس جاندار کو کہتے ہیں جو بے عقل ہو لور عرف میں یہ سمندر اور خشکی کے چارپاؤں والے جانوروں کے ساتھ خاص ہے اور انعام لونٹ 'گائے لور بکریوں کو کہتے ہیں لور جو جانور ان کے ساتھ ملحق ہیں 'جیسے بھیڑ' اور ہرن وغیرہ۔ قرآن مجید میں ہے:

أَلَلَهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا
مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (المؤمن ۷۹)

وَمِنْ الْاَنْعَامِ حُمُولُهُمْ وَرَمَتْكُمْ اَنْعَامُكُمْ
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۝ تَمِيْمَةُ اَرْوَاحٍ مِّنَ النَّاسِ
اَنْبِيَّيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اَنْبِيَّيْنِ ۝ وَمِنَ الْاَيْلِ
اَنْبِيَّيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اَنْبِيَّيْنِ ۝ (الانعام: ۳۳-۳۴)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ۔ اور بعض (قد آور) چوپائے (پیدا کیے) جو جو اٹھانے والے اور بعض زمین سے لگے ہوئے کھاؤ اس رزق سے جو اللہ نے تمہیں دیا۔ آٹھ جوڑے پیدا کیے 'بھیڑ سے دو (نروادہ) اور بکری سے دو (نروادہ...) اور اونٹ سے دو پیدا کیے اور گائے سے دو پیدا کیے۔

ان آجوں میں آٹھ چوپایوں 'بھیڑ' بکری 'مونٹ' اور گائے کے جوڑوں پر انعام کا اطلاق فرمایا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے المائدہ کی تیسری آیت میں جن چوپایوں کا استثناء فرمایا ہے 'ان کے علاوہ باقی تمام جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کو کھانا اور ان سے بار برداری وغیرہ کے دیگر منافع حاصل کرنا جائز ہیں۔

جانوروں کے ذبح کرنے پر اعتراض کا جواب

بھئی اور بھدوں کے بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ جانوروں کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے 'کیونکہ یہ جانور بے زبان ہیں اور اپنے خلاف مدافعت نہیں کر سکتے اور ان کو پکڑ کر ذبح کرنا ظلم ہے اور کسی پر ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض مسلمانوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ذبح کے وقت ان کو تکلیف نہیں ہوتی اور اللہ ان سے اس تکلیف کو اٹھالیتا ہے۔ لیکن اس جواب میں مکارہ ہے اور بدابہت کا انکار ہے۔ معز نے کہا 'درد اور تکلیف مطلقاً قبیح نہیں ہے' انسان سرجری اور جراحی کرتا ہے تاکہ اس عمل جراحی کے ذریعہ اس کو کسی بڑی تکلیف سے نجات مل جائے۔ اسی طرح ان جانوروں کو آخرت میں ذبح کی اس تکلیف کے بدلہ بہت عمدہ عوض ملے گا' اس لیے یہ قبیح نہیں ہے اور اہل سنت نے یہ کہا کہ چوپایوں کو ذبح کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے 'اور اللہ ہر چیز کا مالک ہے' اور وہ ہر طرح تصرف کر سکتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے 'ظلم اس وقت ہو تا جب غیر کی ملک میں تصرف کیا جاتا' اور جب ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے 'تو پھر جب وہ اپنی ملک میں کوئی تصرف کرے تو کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'ماوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ خلوت کیا جائے گا' (المائدہ: ۱)

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا بیان (المائدہ: ۳) میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

مردار 'رگوں کا بھاہو اخون' خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو 'اور گلا گھٹ جائے والا' اور چوٹ سے مارا ہوا اور اوپر سے گرا ہوا' اور جس کو درندے نے کھالیا ہو مگر جس کو تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا اور جس کو جوں کے لیے نصب شدہ چھروں پر ذبح کیا گیا ہو (یہ سب) تم پر حرام کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا' بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

(المائدہ: ۱)

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھیمۃ الانعام (چوپایوں) کو حلال فرمایا تھا۔ اب یہ فرمایا ہے کہ جو چوپائے شکار ہوں 'وہ حالت احرام میں حلال نہیں ہیں' اور جب احرام کھول دیا ہو 'تو حلال ہیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لیے ہر قسم کا شکار کرنا جائز نہیں ہے 'لیکن ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم پر صرف خشکی کا شکار کرنا ممنوع ہے 'اور سمندری شکار کرنا جائز ہے' قرآن مجید میں ہے:

أَجَلٌ لَّكُمْ صَبْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ
مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ
الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدہ: ۹۵)

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام (اس کی پھینکی ہوئی مچھلیاں وغیرہ) حلال کر دی گئی ہیں 'تمہارے لیے (بھی) اور تمہارے مسافروں کے لیے (بھی) اور جب تک تم محرم ہو 'تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے محرم پر خشکی کا شکار کرنا حرام کیا ہے 'اور سمندر کا شکار حلال کر دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا مالک اور خالق ہے اور کسی عام حکم میں کسی چیز کو مستثنیٰ کرنے یا کسی چیز کی

تخصیص کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک اللہ جو چاہتا ہے، حکم دیتا ہے۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی، اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں۔ (المائدہ: ۲)

شعار اللہ کا لغوی اور شرعی معنی

شعار شعیروہ کی جمع ہے، ہر وہ چیز جس کو کسی چیز کی علامت قرار دیا جائے، اس کو شعیروہ، شعار اور مشعرہ کہتے ہیں۔ جس حدی (قربانی کے جانور) کو مکہ بھیجا جاتا ہے، اس کے گلے میں ہار، جو تا، یا درخت کی چھل ڈال دیتے ہیں۔ اس کو بھی شعار کہتے ہیں۔ شعار کی شرعی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں:

عطاء نے کہا کہ شعار اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اجتناب کیا جائے، اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شعار اللہ سے مراد ہے اللہ کی حدود کی علامتیں، اس کا امر، اس کی نہی، اس کے مقرر کیے ہوئے فرائض اور محرمات۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا شعار اللہ سے مراد ہیں مناسک حج۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مشرکین کعبہ کا حج کرتے تھے، حدی بھیجتے تھے، مشاعر کی تعظیم کرتے تھے اور سفر حج میں تجارت کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کہ اے ایمان والو! شعار اللہ کی بے حرمتی نہ کرو۔
 مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: شعار اللہ سے مراد ہے صفا، مودہ، حدی اور دوسرے مشاعر۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۷۳-۷۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حرمت والے مہینوں، حدی اور قلائد کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اور نہ حرمت والے مہینہ کی بے حرمتی کرو" حرمت والے مہینوں کا بیان اس حدیث میں ہے۔
 امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

"حضرت ابو بکر، حبشہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "زمانہ گھوم کر اسی بیت پر آچکا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا" سال میں بارہ مہینہ ہیں، ان میں سے چار حرمت والے مہینہ ہیں۔ تین مہینہ متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم، رجب مضر کا مہینہ جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے، الحمد للہ۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۰۶)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ حدی کی (بے حرمتی کرو)

حدی کا معنی ہے: وہ اونٹ، بکری، یا گائے جس کو بیت اللہ میں ہدیہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ قلائد کی (بے حرمتی کرو)

قلائد قلاہ کی جمع ہے، حدی کے گلے میں قربان کیے جانے کی نشانی کے طور پر اون کا ہار، یا جوتی یا درخت کی چھل ڈال دی جاتی ہے۔ اس کو قلاہ کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کے گلوں میں قلائد ڈالے جاتے ہیں۔ اور ابن زید نے یہ کہا ہے کہ جو شخص حرم کے درخت کی چھل اپنے اوپر لپیٹ لیتا تھا، وہ مسمون قرار دیا جاتا، اور جہاں چاہتا چلا جاتا، اور قلائد کا یہی معنی ہے (جامع البیان، ج ۶، ص ۷۶) حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کا معنی ہے، ان مہینوں میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی جائے، اور حدی کی بے حرمتی کا معنی ہے ان جانوروں کو ان کے مالکوں سے چھین لیا جائے یا ان کو کعبہ میں نہ پہنچنے دیا جائے، اور

قلعہ کی بے حرمتی کا معنی یہ ہے کہ حدی کے گلے سے قلابہ اتار لیا جائے یا اس کو فوج کھسوت کر خراب کر دیا جائے یا جس شخص نے اپنے جسم پر حرم کے درخت کی چھل لپیٹ لی ہو اس کی بے حرمتی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں (المائدہ: ۴)

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا اس آیت میں حجاج پر لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عظم نبی ﷺ کے پاس آیا تاکہ آپ کی دعوت کے متعلق غور و فکر کرے اس نے آپ سے کہا: میں اپنی قوم کے سامنے آپ کی دعوت پیش کروں گا۔ آپ بتلائیے کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ عظم نے کہا آپ کے اس دین میں سختی ہے۔ میں اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی دعوت کا ذکر کروں گا اگر انہوں نے اس دین کو قبول کر لیا تو میں بھی ان کے ساتھ قبول کر لوں گا اور اگر انہوں نے اس سے پیچھے پھیر لی تو میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا۔

آپ نے اس سے فرمایا: تم واپس جاؤ جب وہ چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرے پاس کافر چرے کے ساتھ آیا اور میرے پاس سے دھوکہ دیتا ہوا نکلا۔ جب وہ اہل مدینہ کی طرف اگاہوں کے پاس سے گزرا تو آپ کے اصحاب نے اس کو پکڑنا چاہا لیکن وہ نکل گیا اور پھارے پہنچ گیا۔ وہ حج کے موقع پر سلاطین تمہارت لے کر آیا، اصحاب نے آپ سے اجازت طلب کی کہ اس کو پکڑ کر اس کا سامان اس سے چھین لیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی۔ اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے ٹکوں میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں۔

(جامع البیان ۶: ۶۷ ص ۷۹، مطبوعہ دار الفکر ۱۴۱۵ھ بیروت)

آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں اختلاف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ کسی شخص کو بیت اللہ کے حج سے منع کریں یا اس کو کوئی تکلیف پہنچائیں، خود وہ مومن ہو یا کافر پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ
عَامِهِمْ هَذَا . (التوبة: ۳۷)

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ
اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِم بِالْكَفْرِ .

(التوبة: ۱۷)

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں آنے سے منع فرمایا۔

قلوب نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے، زناہ جاہلیت میں کوئی شخص حج کے لیے روانہ ہوتا اور حدی کے گٹے میں قلاب ڈالتا تو کوئی شخص اس پر حملہ نہ کرتا، ان دنوں میں مشرک کو بیت اللہ میں جانے سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ حرمت والے مہینوں میں اور بیت اللہ کے پاس قتل نہ کریں، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَجَدْتُمُوهُمْ

سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ، ان کو قتل کر دو۔

(التوبہ: ۴)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حکم منسوخ ہو گیا۔

مجاہد نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا، زناہ جاہلیت میں لوگ حج کے لیے جانے والوں کو لوٹ پٹتے تھے، اور ان مہینوں میں قتل بھی کرتے تھے، اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کاموں کو حرام کر دیا، سو اس آیت کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کے خلاف سال کے تمام مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے، خواہ وہ حرمت والے مہینوں میں یا نہ ہوں۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر مشرک اپنے گٹے میں حرم کے تمام درختوں کی پھل بھی ڈال لے، تب بھی اس کا یہ فعل اس کے لیے قتل سے پتہ نہیں ہو گا، جب تک کہ اس سے پہلے اس نے مسلمانوں سے پتہ نہ حاصل کر لیا ہو، یا کوئی معاہدہ نہ کر لیا ہو۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۸۳-۸۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

امام رازی نے لکھا ہے جو علماء اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں، وہ اس آیت میں تخصیص کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض علماء نے یہ کہا کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ جو مسلمان بیت اللہ کی زیارت کے قصد کے لیے روانہ ہوں ان کی حدی کو لوٹنا اور ان پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شعار اللہ کو حلال نہ کرو۔ اور شعار اللہ کا اطلاق مسلمانوں کی قربانوں اور ان کی عبادتوں ہی کے لائق ہے، نہ کہ کفار کی قربانوں کے اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: جو لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا کو تلاش کرتے ہیں، اور یہ بھی مسلمانوں کے لائق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت امتداد مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، کفار کو شامل ہی نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ یہ آیت بعد میں منسوخ ہو گئی۔

ابو مسلم اصمغلی نے یہ کہا کہ اس آیت کے عموم میں وہ کافر داخل تھے جو نبی ﷺ کے عہد میں تھے اور جب سورۃ توبہ کے نازل ہونے کے بعد ان سے معاہدہ ختم کر دیا گیا، تو اب وہ کافر اس آیت کے حکم میں داخل نہیں رہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۲۵۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو (المائدہ: ۳)

میضہ امر کے مواضع استعمال

اس آیت میں "فما صعداوا" (شکار کرو) امر کا میضہ ہے، امر کا میضہ متعدد محلی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں مشہور چھبیس محلی ہیں۔

۱۔ وجوب کے لیے جیسے "واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ" (البقرہ: ۴۳) "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو"

۲۔ استہباب کے لیے جیسے "فکاتبوہم" (النور: ۴۳) تمہارے غلاموں اور بندوں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں انہیں مکاتب کر دو۔

۳۔ ارشاد (دنیوی مصلحت کی طرف رہنمائی کرنے) کے لیے مثلاً "واشهدوا اذا تبایعتم" (البقرہ: ۲۸۳) اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالو" استنباب اور ارشاد میں یہ فرق ہے کہ استنباب میں انفرادی ثواب مطلوب ہوتا ہے اور ارشاد میں دنیوی فائدہ اور مصلحت۔

۴۔ لہذا کے لیے "فکلوا مما امسکن علیکم" (المائدہ: ۴) "سو اس (شکار) سے کھاؤ جسے وہ (شکاری جانور مار کر) تمہارے لیے روک رکھیں" اس کی دوسری مثل زیر بحث آیت ہے "واذا حللتم فاصطادوا" (المائدہ: ۴) اور جب تم احرام کھل دو تو شکار کر سکتے ہو۔

۵۔ اکرام (عزت افزائی) کے لیے مثلاً "ادخلوها بسلام امن" (الحج: ۳۶) "تم ان جنتوں میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ۔"

۶۔ اطمینان (احسن فرمانے) کے لیے مثلاً "کلوا مما رزقکم اللہ (الانعام: ۱۴۲) "اللہ نے جو تمہیں رزق دیا ہے اس سے کھاؤ۔"

۷۔ اہانت (رسوا کرنے) کے لیے مثلاً "ذی اسکا است العزیر الکریم" (الدخان: ۴۹) "لے چکے عذاب کا مزہ ہے شک تو ہی بڑا معزز کرم ہے۔"

۸۔ تسویہ (دو چیزوں میں مساوات بیان کرنے کے لیے) مثلاً "اصلوها ما صبروا او لاتصبروا سواء علیکم" (البقرہ: ۱۷۷) "اس آگ میں داخل ہو جاؤ، پھر تم صبر کرو یا صبر نہ کرو، تم پر برابر ہے۔"

۹۔ تعجب کے لیے مثلاً "اسمع بہم وابصر یوم یاتوسا" (مریم: ۳۸) "وہ کیسا سنتے ہوں گے اور کیسا دیکھتے ہوں گے جس دن وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے۔"

۱۰۔ تنگی (کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے) کے لیے مثلاً "کن فیکون" (البقرہ: ۸۷) "ہو، سو وہ ہو جاتا ہے۔"

۱۱۔ استعار کے لیے مثلاً "الفوا ما انتم ملقون" (یونس: ۸۰) "ذالو جو تم ڈالنا چاہتے ہو۔"

۱۲۔ اخبار کے لیے مثلاً "فلیضحکوا فلیبکوا کثیرا" (التوبہ: ۸۴) "سو انہیں چاہیے کہ تھوڑا نہیں اور روئیں زیادہ۔"

۱۳۔ تنہید (ڈرالے اور دھمکانے کے لیے) مثلاً "اعملوا ما شئتم" (مائدہ: ۳۰) "تم جو چاہو کیے جاؤ" اس کی ایک اور یہ مثل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا: "واستفر من استطعت منہم بصونک" (یعنی اسرائیل: ۳۳) تو ان میں سے جن کو اپنی آواز سے ڈکا سکا ہے، ڈکا کر دے۔"

۱۴۔ انذار (ڈرانے) کے لیے۔ یہ بھی قسم اول کے قریب ہے۔ مثلاً "قل تمتعوا" (ابراہیم: ۳۰) "آپ کئے (چند روزہ) فائدہ اٹھاؤ۔"

۱۵۔ تعحیر (عاجز کرنے) کے لیے مثلاً "فانوا بسورة من مثله" (البقرہ: ۲۳) "سو اس قرآن کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔"

۱۶۔ تغیر کے لیے مثلاً "کونوا فردۃ عسین" (البقرہ: ۶۵) "دھمکا کر دے ہوئے بدتر ہو جاؤ۔"

۱۷۔ تمنی کے لیے مثلاً "الایہا اللیل الطویل انحلی" "سن اے لمبی رات تو ظاہر ہو جا۔"

- ۱۸۔ توبہ (ادب سکھانے) کے لیے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ”کل مما یلیک“ (صحیح بخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۵۳۷۷) ”تم اپنے آگے سے کھاؤ“
- ۱۹۔ امثال (کسی کی اطاعت شعاری بیان کرنے کے لیے) کوئی شخص کسی سے کہے مجھے پانی پلاؤ۔
- ۲۰۔ اجازت دینے کے لیے مثلاً کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹانے والے سے کہے اندر آ جاؤ۔
- ۲۱۔ انعام کے لیے مثلاً ”کلوا من طیبات ما رزقناکم“ (البقرہ: ۵۷) ”تماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے کھاؤ“
- ۲۲۔ تکذیب کے لیے مثلاً ”قل ماتوا بالتوراة فانلوهما ان کنتم صدقین“ (آل عمران: ۴۳) ”آپ کہتے کہ تورات لے کر آؤ، اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو“
- ۲۳۔ مشورہ کے لیے مثلاً حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے فرمایا ”فاظر ما داتری“ (الصفتہ: ۱۰۲) ”تو اب تم غور کرو تمہاری کیا رائے ہے؟“
- ۲۴۔ اعتبار (تدبیر) کرنے کے لیے مثلاً ”اسطروالی نسرہ ادا انسر وینعه“ (الانعام: ۹۹) ”دیکھو درخت کے پھل کی طرف، جب اس کو پھل لگے اور اس کے پکنے کی طرف“
- ۲۵۔ تفویض کے لیے مثلاً ایمان لانے والے ساحلوں نے فرعون سے کہا: ”فانقص ما انت قاص“ (طہ: ۷۲) ”تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے سو کر“
- ۲۶۔ دعا کے لیے مثلاً ”واعف عا و اعمر لنا وارحمنا“ (البقرہ: ۲۸۶) ”ہم کو معاف فرما اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما“
- ۲۷۔ تغیر کے لیے مثلاً ”هدا عطاء ما فامس او امسک بغیر حساب“ (ص: ۳۹) یہ ہماری عطا ہے تو آپ (جس پر چاہیں) احسن کریں اور جس سے چاہیں احسن روک رکھیں۔ آپ سے کچھ باز پرس نہیں ہوگی۔
- (کشف الاسرار ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۱۱ھ، توضیح دیکھو ج ۱ ص ۲۸۳، ۲۸۴)
- تقاضائے امر کے واحد ہونے پر دلیل
- ابن جریج نے کہا: امران تلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اس کا مقتضی توقف ہے۔ حتیٰ کہ کسی قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ یہاں پر کون سا معنی مراد ہے؟ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر امر کا مقتضی توقف ہو تو پھر نبی کا مقتضی بھی توقف ہونا چاہیے، کیونکہ نبی کا استعمال بھی متعدد معانی میں ہوتا ہے۔ کبھی نبی تحریم کے لیے ہوتا ہے مثلاً ”لا تاكلوا الربوا“ (آل عمران: ۱۳۰) ”سو نہ کھاؤ“ اور کبھی تزیین کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً ”ولا تمنن تستکثر“ (الہ: ۶۰) ”اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے“ اور کبھی تحقیر کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً ”ولا تمدن عبیک الی ما تمتعناہ ازواجنا مبہم“ (الحجر: ۸۸) ”آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے گروہوں کو کچھ فائدہ اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں“ اور کبھی ارشاد کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً ”لا تستلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسوؤکم“ (المانندہ: ۱۱۹) ”ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں“ اور کبھی شفقت کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا یمن احدکم فی عمل واحد“ (ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۸۱) ”تم میں سے کوئی شخص ایک جوتی پہن کر نہ چلے“ اور اگر نبی کا مقتضی بھی توقف ہو تو پھر امر اور نبی میں کوئی فرق نہیں رہے گا، حالانکہ فعل کی طلب اور ترک فعل کی طلب میں فرق بداحۃ ثابت ہے۔

امر کا مقتضی وجوب ہونے پر دلائل

عام علماء اور فقہاء کے نزدیک امر کا مقتضی واحد ہے کیونکہ امر کا ان معانی میں مشترک ہونا خلاف اصل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ واحد مقتضی اباحت ہے کیونکہ یہ امر کا ادنیٰ درجہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک امر کا مقتضی استحباب ہے کیونکہ امر میں فعل کی جانب وجود کو ترجیح دینا ضروری ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے اور اکثر علماء کے نزدیک امر کا مقتضی وجوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
جو لوگ رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا انہیں دردناک عذاب پہنچ جائے۔ (النور: ۳۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر کے مقتضی پر عمل کرنا واجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِسٍ وَلَا لِمُؤْمِسَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ صُلًى
اور نہ کسی مسلمان مرد کے لیے یہ جائز ہے اور نہ کسی مسلمان عورت کے لیے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو ان کے لیے اس حکم میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے 'وہ بے شک کھلی گمراہی میں پک گیا۔ (الاحزاب: ۳۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امر کے مقتضی پر عمل کرنا واجب ہے اور اس میں کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے امر پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ مِمَّا سَمِعَكَ إِلَّا تَسْحَدًا إِذْ أَمَرْتُكَ
(اللہ نے) فرمایا تجھے کمن چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا تھا؟ (الاعراف: ۳۴) جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے سجدہ نہ کرنے کی اس لیے مذمت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سجدہ کا امر کیا تھا اور یہ مذمت اسی وقت ہوگی جب امر وجوب کے لیے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے شکوہ کرتے ہوئے فرمایا "افعصیت امری" (طہ: ۹۳) "کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟" اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا: وَلَا آعِصِي لَكَ أَمْرًا (الكہف: ۱۶) میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

ان دونوں صورتوں میں امر کی خلاف ورزی اسی وقت لائق مواخذہ ہوگی جب امر کا مقتضی وجوب ہو، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم: ۱۸)
(فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے۔

حکم پر عمل نہ کرنا عصیت اسی وقت ہوگا جب حکم پر عمل کرنا واجب ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُوْنَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے "نماز پڑھو" تو وہ نماز نہیں

(الحرسلات: ۴۸) پڑھتے۔

ان کی مذمت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی اور یہ مذمت اسی وقت درست ہوگی جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم وجوب کے لیے ہو۔

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ امر کا مقتضی واحد ہے مگر وہ مقتضی وجوب ہے۔ اسی طرح لوگوں کا عرف ہے کہ جب وہ کسی فعل کو جڑا اور حرام طلب کرتے ہیں تو امر کا میثد استعمال کرتے ہیں۔ ممانعت کے بعد امر کے مقتضی کی تحقیق

جب پہلے کسی فعل سے منع کیا جائے اور پھر بعد میں امر کے میثد سے اس فعل کو طلب کیا جائے تب بھی امر کا مقتضی وجوب ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا ممانعت کے بعد اس فعل کا امر استحباب کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۃ جمعہ میں فرمایا: "جب جمعہ کے دن لوگوں کی جائے توجیع (کاروبار) کو چھوڑ دو" اور اللہ کے ذکر کی طرف دعوٰی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ" اور:

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ الْيَوْمِ الْجُمُعَةِ (۳)

اللہ کے فضل کو تلاش کرو (یعنی بیچ کاروبار کرو)

اس آیت میں ممانعت کے بعد رزق طلب کرنے اور کاروبار کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ بطور استحباب ہے۔

اور بعض علماء نے کہا کہ ممانعت کے بعد امر کا میثد ممانعت کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کرنے سے منع فرمایا اس کے بعد فرمایا:

اِذَا احْلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدہ: ۴)

جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں استحباب اور ممانعت قرینہ سے ثابت ہے کیونکہ رزق طلب کرنے اور شکار کرنے کا حکم بندوں کو ان کی منفعت حاصل کرنے کے لیے دیا گیا ہے اگر اس حکم کو واجب قرار دے دیا جائے تو یہ نفع ضرر سے متعلق ہو جائے گا کیونکہ پھر جو بیچ نہیں کرے گا یا شکار نہیں کرے گا وہ گنہگار ہو گا اور جو معنی کسی قرینہ کی بناء پر کیا جائے وہ مجاز ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت کے بعد بھی امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

ممانعت کے بعد امر کے وجوب کے لیے ہونے کی مثل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں شریکین کے خلاف قتل سے منع فرمایا اور ان مہینوں کے بعد ان سے قتل کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبہ: ۵)

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم شریکین کو قتل کرو جہاں انہیں پاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی ﷺ کے گھر میں بلا تذن داخل ہونے سے منع فرمایا پھر فرمایا: جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو اور ممانعت کے بعد یہ داخل ہونے کا حکم بھی وجوب کے لیے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَبِيٍّ إِلَيْهِ

اے ایمان والو! جب تک ہمیں کھانے کے لیے بلایا نہ جائے نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو پہلے سے آکر کھانا پکے کا

وَلَيْكُنْ إِذَا دُعِيتُمْ قَادُّ خُلُوفٍ (الاحزاب: ۵۳) انتظار نہ کرو، ہاں جب بلا یا جائے تو آ جاؤ۔

اسی طرح حیض اور غاس میں جٹا عورتوں کو نماز اور روزے سے منع کیا گیا اور حیض اور غاس منقطع ہونے کے بعد نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا اور اس عارض کے زوال کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان شخص کو حالت اسلام میں اور کافر کو عہد ذمہ کی وجہ سے قتل کرنے سے منع کیا گیا، لیکن اس کے مرتد ہونے یا ذاک ڈالنے کی وجہ سے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا یا شادی شدہ کے زنا کی وجہ سے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم بھی وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے ہاتھ اور ہر کٹنا ممنوع ہیں، لیکن چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ اور ہر کٹنا واجب ہیں۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی کام سے منع کرنے کے بعد جب اس کام کا امر کیا جائے تو سابقہ ممانعت اس امر کے وجوب کے متعلق نہیں ہے اور اس امر کے اباحت یا استحباب کے لیے ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ امام شافعی اور بعض حنابلہ کے نزدیک ممانعت کے بعد امر اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ، امام مالک اور شافعی میں سے معتقین، مثلاً امام رازی اور قاضی بیضاوی کو، مسور اصولین کے نزدیک ممانعت کے بعد بھی امر وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے اور فقہاء احناف میں سے کمال الدین ابن الہمام کے نزدیک ممانعت سے پہلے امر کا جو مقتضی ہو ممانعت کے بعد بھی وہی مقتضی ہوتا ہے۔ اگر وجوب ہو تو وجوب اور استحباب ہو تو استحباب۔

(توضیح و ترویج، ج ۱، ص ۲۸۸، مطبوعہ نور محمد راجح الطالیح، دکن، لاہور، ج ۱، ص ۲۸۲-۲۸۹، مطبوعہ)

نبی ﷺ کے افعال سے وجوب کا ثابت نہ ہونا

صدر الشریعہ علامہ عبید اللہ بن مسعود لکھتے ہیں:

امر کا اطلاق مسور کے نزدیک قول پر حقیقتاً ہے اور فعل پر امر کا اطلاق مجازاً ہے۔ اس میں بھی اتفاق ہے اور بعض کے نزدیک نبی ﷺ کے فعل پر بھی امر کا اطلاق حقیقتاً ہے۔ کیونکہ آپ کا فعل حقیقتاً امر ہے اور ہر امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور فعل پر امر کے اطلاق کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وَمَا أَمْرٌ فَرَعُونَ بِرَشِيدٍ“ (سورہ ۹۷) ”اور فرعون کا فعل درست نہ تھا“ اور نبی ﷺ نے فرمایا ”صلوا کما راہتمونی اصلی“ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۱) ”اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو“

ہم کہتے ہیں کہ امر کا اطلاق فعل پر حقیقتاً نہیں ہے، اور مشرک ہونا خلاف اصل ہے، کیونکہ جب کوئی شخص کوئی کام کرے اور یہ نہ کہے کہ یہ کام کرو تو اس کے اس فعل سے امر کی نفی کرنا صحیح ہے، اور سورہ ہود کی آیت میں جو فعل کو امر فرمایا ہے ”وہ مجاز ہے اور اگر بالفرض ہم یہ مان لیں کہ فعل پر امر کا اطلاق حقیقتاً ہے، تب بھی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ امر قولی وجوب کے لیے ہوتا ہے نہ کہ فعل، کیونکہ جو دلائل اس پر پیش کیے گئے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، وہ سب امر قولی سے متعلق ہیں۔ خلاصہ آئندہ

قَلْبٌ حَذِرَ الْفَوْنِ بِحَالِ الْفَوْنِ عَنْ أَمِيرٍ (سورہ: ۳۳) وہ لوگ ڈر رہے جو رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے

(النور: ۳۳) ہیں۔

اس آیت میں امر سے مراد امر قولی ہے اور اس کو امر فعلی پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور امر قولی مقصود (ایجاب) کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے اور لزوم خلاف اصل ہے، اور نبی ﷺ نے جو فرمایا: ”صلوا کما راہتمونی اصلی“ اس حدیث میں ایجاب آپ کے قول صلوا سے مستقل ہوا ہے۔ علاوہ ازیں جب

آپ نے وصل کے روزے رکھے اور آپ کو دیکھ کر صحابہ نے وصل کے روزے رکھ لیے اور جب آپ نے نماز میں طہن اتاریں اور آپ کو دیکھ کر آپ کے اصحاب نے بھی اپنی طہن اتاریں تو آپ نے من کو منع فرمایا، مگر وہ دونوں صورتوں میں آپ کے اصحاب نے آپ کے فعل کی اتباع کی تھی۔ ان حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ فعل وجوب کے لیے نہیں ہوتا۔

(توضیح مع تنقیح، ج ۱، ص ۲۷۸-۲۷۹، مکتبہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قسطلانی متوفی ۷۷۰ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے کوئی فعل منقول ہو، پس اگر وہ فعل سو ہو یا طہی ہو یا آپ کا خاصہ ہو تو اس سے اجتناب واجب ثابت نہیں ہوتا اور اگر وہ فعل قرآن مجید کی کسی جمل آیت کا بیان ہو تو اس سے اجتناب واجب ثابت ہوتا ہے اور اگر وہ فعل ان کے ماسوا ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ کما جائز ہے کہ نبی ﷺ نے حقیقتاً ہم کو اس فعل کا امر فرمایا ہے اور ہم پر اس فعل کی اتباع واجب ہے یا نہیں؟ سو بعض نے کہا ہاں اور اکثر نے کہا نہیں اور یہی مختار ہے۔

(توضیح مع تنقیح، ج ۱، ص ۲۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

علامہ عبدالعزیز بن احمد بخاری متوفی ۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے آپ نے اپنی طہن اتاریں اور ان کو اپنی بائیں جانب رکھ دیا، جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کر لی تو آپ نے فرمایا تم لوگوں کے جوتیاں اتارنے کا کیا سبب تھا؟ صحابہ نے کہا ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو ہم نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ ان جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھٹاؤنی چیز ہے اور فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اچھی طرح دیکھ لے۔ اگر اس کی جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھٹاؤنی چیز ہو تو اس کو کھرج کر صاف کر لے پھر ان جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ (سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم وصل کے روزے نہ رکھو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ وصل کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔ یا فرمایا میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، کھلایا اور پلایا جاتا ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۶۱)

ان حدیثوں میں اس پر واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ کا فعل کسی چیز کو واجب نہیں کرتا، کیونکہ اگر آپ کا فعل آپ کے امر کی طرح موجب ہو تا تو پھر آپ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی، جیسے اگر آپ کسی چیز کا امر فرمائیں اور صحابہ اس پر عمل کریں۔

(کشف الاسرار، ج ۱، ص ۲۴۹-۲۵۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت)

نبی ﷺ کے افعال کے سنت، مستحب اور واجب ہونے کا ضابطہ

جس فعل کو آپ نے احیاناً (بکمی بکمی) کیا ہو اور غالب اوقات میں ترک کیا ہو وہ سنت غیر مؤکدہ یا سنت مستحب ہے اور جس کو آپ نے غالب اوقات میں کیا ہو اور احیاناً ترک کیا ہو وہ سنت مؤکدہ ہے اور جس پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو وہ فعل واجب ہے۔

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۷۱۳ھ لکھتے ہیں: ”صحیح یہ ہے کہ احکام سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ نبی

نے رمضان کے آخری عشرہ میں اس پر مواظبت (دوام) فرمائی ہے اور مواظبت سنت کی دلیل ہے۔

(حدایہ اولین، ص ۲۲۹، مطبوعہ شرکت طبع لبنان)

علامہ محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں "ایک قول یہ ہے کہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مواظبت سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور یہ وجوب کی قوت میں ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ چونکہ کہا جائے کہ آپ نے احکام ترک کرنے والے پر انکار نہیں فرمایا اگر احکام واجب ہوتا تو آپ اس کے ترک پر انکار فرماتے۔"

(الہدایہ، ج ۳، ص ۷۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ جس فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس فعل کے تارک پر انکار نہ فرمائیں تو وہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر آپ کسی فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس کے تارک پر انکار فرمائیں تو وہ فعل واجب ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الہمام حنفی متوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں "نبی ﷺ نے احکام پر بلا ترک مواظبت فرمائی ہے، لیکن جن صحابہ نے احکام نہیں کیا، آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا، تو یہ احکام کے سنت ہونے کی دلیل ہے اور اگر آپ ترک کرتے والوں پر انکار فرماتے تو یہ وجوب کی دلیل ہوتا۔"

(فتح القدیر، ج ۲، ص ۳۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سعدی چلی متوفی ۷۴۵ھ لکھتے ہیں:

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو، حالانکہ سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہے کہ آپ نے کسی فعل پر مواظبت فرمائی ہو اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے اس کے ترک پر انکار نہیں فرمایا، تو یہ احیاناً ترک کرنے کے حکم میں ہے۔ کیونکہ آپ کا احیاناً ترک کرنا جواز ترک کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے اور آپ کا تارک پر انکار نہ فرمنا بھی تعلیم جواز کے لیے تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کی تعریف میں جو احیاناً ترک کرنا ملحوظ ہے، وہ اس سے عام ہے کہ احیاناً ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً اور اب سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہوگی کہ جس فعل پر نبی ﷺ مواظبت فرمائیں اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی فرمادیں، خواہ ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً، اور جس فعل پر نبی ﷺ بلا ترک مواظبت فرمائیں اور تارک پر انکار فرمائیں، وہ فعل واجب ہو گا۔ (حاشیہ سعدی چلی مع فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۹۳، مطبوعہ بیروت)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

"سنت مؤکدہ میں شرط یہ ہے کہ مواظبت ہو اور اس کے ساتھ ترک بھی ہو، خواہ حکماً ہو، لیکن تعریف میں عموماً شروط کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ (تذکرۃ الفقہاء مع رد المحتار، ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی مصری متوفی ۷۹۰ھ لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلا ترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ کیا ہو، وہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر کبھی کبھی اس فعل کو ترک بھی کیا ہو تو وہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو، وہ وجوب کی دلیل ہے۔ (البحر الرائق، ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ ماہدیہ لکھنؤ)

علامہ سید احمد ظہوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

"البحر الرائق" میں سنت مؤکدہ کی دو تعریفوں کو اختیار کیا گیا ہے۔ ایک تعریف یہ ہے کہ:

الطريقة المملوكة في الدين من غير لزوم على سبيل المواظبة۔ وہ طریقہ جس پر دین میں بغیر لزوم کے پیش عمل کیا گیا ہو۔

اور دوسری تعریف یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلا ترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ فرمایا ہو اور اگر آپ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا ہو تو وہ وجوب کی دلیل ہے۔

(حاشیہ المصنف علی الدر المختار، ج ۱، ص ۶۶، مطبوعہ بیروت ۱۳۹۵ھ)

نیز علامہ لطیفی لکھتے ہیں:

سنت اس طریقہ مسلوکہ فی الدین کو کہتے ہیں جو کسی قول یا فعل سے حقیق ہو۔ وہ قول یا فعل لازم نہ ہو اور نہ اس کے تارک پر انکار ہو اور نہ وہ خصوصیت ہو۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ لازم نہ ہو اس قید سے فرض، سنت کی تعریف سے خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا اس کے تارک پر انکار نہ ہو اس قید سے واجب خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا ہے کہ وہ خصوصیت نہ ہو اس قید سے صوم و صل خارج ہو گئے۔ پھر اگر نبی ﷺ نے غالب اوقات میں اس فعل پر مواظبت نہ کی ہو تو وہ سنت مستحبہ ہے۔ اس کو سنت زائدہ، مستحب، مندوب اور لوب و غیرہ بھی کہتے ہیں اور اگر آپ نے اس فعل کے تارک پر وعید فرمائی ہو تو پھر یہ واجب ہے۔ (ہینا مراقی الفلاح) سنت مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں۔ لایق، اجاست، جماعت، پانچ نمازوں کی سختیں، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔ اس سنت کو سنت الہدی بھی کہتے ہیں، یعنی اس سنت پر عمل کرنا ہدایت اور دین کی تکمیل کے لیے ہے اور اس کو ترک کرنا کراہت اور اسماوت ہے۔

علامہ فہرستی نے کہا ہے کہ دنیا میں مطلبہ فعل کے لحاظ سے سنت مؤکدہ واجب کی مثل ہے، مگر واجب کے ترک پر آخرت میں عذاب کا مستحق ہو گا اور سنت مؤکدہ کے ترک پر آخرت میں عذاب کا مستحق ہو گا اور سنت غیر مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں: تنہا غصص کا اڑان دینا، وضو میں گردن پر مسح کرنا اور دائیں جانب سے ابتداء کرنا اور نقلی نماز، نقلی روزہ اور نقلی صدقہ۔

(حاشیہ مراقی الفلاح، ص ۳۸-۳۹، مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

”للمعرا لرائق“ میں مذکور ہے ”سنت وہ فعل ہے جس پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو“ پھر اگر یہ مواظبت بغیر ترک کے ہے تو یہ سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور اگر آپ نے اس فعل کو کبھی کبھی ترک کیا ہو تو وہ اس فعل کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے اور اگر آپ نے اس فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا ہو تو یہ اس فعل کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور التمر الفائق کے مصنف نے یہ کہا ہے کہ یہاں پر یہ قید بھی ملحوظ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہے اس کا وجوب آپ کے ساتھ مختص نہ ہو۔ مثلاً صلوٰۃ الضعیف (پہاشت کی نماز) اس میں آپ کا دوسروں کے ترک پر انکار نہ فرماتا، آپ کے حق میں اس کے واجب ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ نیز ترک میں یہ قید بھی لگنی چاہیے کہ وہ ترک بلا عذر ہو، کیونکہ عذر کی وجہ سے تو فرض کا ترک بھی جائز ہے۔ مثلاً نماز میں قیام فرض ہے، لیکن اگر کوئی شخص بیماری یا کمزوری کی وجہ سے نماز میں قیام پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (در المختار، ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

کتنی مقدار ڈاڑھی رکھنا سنت ہے؟

اس تمام تفصیل سے واضح ہو گیا کہ وجوب صرف نبی ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے، آپ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ پس جس فعل پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو تو یہ بھی اس فعل کے واجب ہونے

کی دلیل ہے۔ ڈاڑھی رکھنے کا معاملہ ایسا ہے۔ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے، اس لیے نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ڈاڑھی منڈانا مکروہ تحریمی ہے اور حرام ظنی ہے۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مجوسی آیا، در آنحضرت اس نے ڈاڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ ہمارے دین میں ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کرائیں اور ڈاڑھی بڑھائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۸، ص ۳۷۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۰۶ھ)

چونکہ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے اس لیے ڈاڑھی منڈانا حرام (ظنی) ہو اور ڈاڑھی رکھنا واجب ہوا۔ رہا اس کی مقدار کا معاملہ تو نبی ﷺ نے اس کی تحدید نہیں فرمائی۔ البتہ آپ کی ڈاڑھی مبارک بہت دراز اور گھنی تھی جو سینہ مبارک کو بھر لیتی تھی۔ (المنہاج، ج ۱، ص ۳۸، مطبوعہ مکتبہ) اور اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی رکھنا جو سینہ کو یا کم از کم سینہ کے بلائی حصہ کو بھرے، سنت کے مطابق ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت اور کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی ہی رکھنی چاہیے۔ بالعموم فقہاء کرام نے قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنے کو سنت کہا ہے اور بعض فقہاء (مثلاً ملا علی قاری اور علامہ زبیری) نے قبضہ کو مستحب لکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک بہر حال قبضہ سے زائد تھی، کیونکہ آپ کو تہ گردن نہیں تھے۔ آپ کی گردن لمبی تھی اور یہی حسن کا تقاضا ہے۔ پھر سینہ مبارک کے بلائی حصہ کو بھرنے کے لیے بھی دو ڈھائی مشت ڈاڑھی ہونی چاہیے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت قبضہ بھر ڈاڑھی نہیں، بلکہ قبضہ سے زائد مقدار رکھنا ہے۔ اور فقہاء نے جو قبضہ کو سنت لکھا ہے، اس سے رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سنت سے مراد لغوی معنی ہے، یعنی وہ طریقہ جو ان کے دور کے مسلمانوں میں عروج تھا۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کو سنت غیر موکدہ لکھا ہے، یہ بھی لغوی معنی میں ہے، کیونکہ کسی حدیث میں آپ نے قبضہ کی تاکید نہیں فرمائی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد میں قبضہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ سے قبضہ کے بعد ڈاڑھی کا تقاضا ثابت ہے، لیکن صحابی کے فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ وجوب رسول اللہ ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے، یا رسول اللہ ﷺ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر وعید فرمائی ہو، تو یہ بھی وجوب کی دلیل ہے۔ لیکن قبضہ کے متعلق ان میں سے کسی چیز کا ثبوت نہیں ہے۔

ہر چند کہ قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے، لیکن ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس پر عرف میں ڈاڑھی کا اطلاق کیا جاتا ہو اور عرفی مقدار بھی دلیل شرعی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۵۴۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی مقدار کے متعلق دلیل شرعی نہ پائی جائے، اس کی مقدار کو اس میں جلاخص کے مکن غالب کی طرف منقوض کر دینا چاہیے۔ (ارد المحتاج، ج ۱، ص ۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

سو اگر کوئی شخص عشرت ڈاڑھی یا فرنج کٹ ڈاڑھی رکھتا ہے یا ایک یا دو انگل ڈاڑھی رکھتا ہے تو اس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی نہیں کہتے۔ بلکہ فرنج کٹ ڈاڑھی یا عشرت ڈاڑھی کہتے ہیں۔ لہذا ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی کہا جائے۔ خواہ وہ قبضہ سے ایک آدھ انگل کم ہو یا زائد ہو۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ڈاڑھی میں قبضہ کو واجب نہیں فرمایا اور آپ نے اس کی تحدید نہیں کی، اس لیے ہم اس کی حد قبضہ مقرر کرنے کا خود کو مجاز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ہم مبلغ ہیں شارع نہیں ہیں، اس بنا پر ہمیں کللی مطلقون بھی کیا گیا ہے اور

ہمارے خلاف کتابیں بھی لکھی گئیں۔ ہر حال اہم نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور انسانوں کی بھائی ہوئی شریعت کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کو پیش کیا ہے اور حق کو لوگ ہر دور میں شخصیت پرستوں اور غلی اور جلد لوگوں کے لعن طعن کا شکار ہوتے رہے ہیں، ہم ان کے سب دشمن پر صبر کرتے ہیں اور اللہ ہی سے جزاء کے طالب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس کے ساتھ اس پر نہ آکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آئے سے روک دیا تھا، تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو (المائدہ: ۲۴)

شہان کے معنی بغض ہیں اور آیت کا معنی یہ ہے کسی قوم کے ساتھ تمہارا بغض تمہیں اس کے ساتھ زیادتی پر نہ ابھارے، یعنی جس طرح مشرکین نے تمہیں عمرو کے لیے مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا، اسی طرح تم ان کو مسجد حرام میں جانے سے نہ روکنے۔

واضح رہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود مشرکوں کو مسجد حرام میں جانے سے منع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ
عَمَلِهِمْ هَذَا (توبہ: ۳۰)

اس خاص صورت کے علاوہ یہ حکم عام ہے اور کسی قوم کے ساتھ عداوت رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (المائدہ: ۲۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے برائی (نیکی) اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بر سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور تقویٰ سے مراد ہر اس کام سے اجتناب ہے جسکو کرنے سے شریعت نے روکا ہے اور فرمایا ہے: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ گناہ سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور ہر وہ کام جس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو انہیں پسند کرتا ہے اور ظلم کا معنی ہے دوسروں کے حقوق میں تعدی اور تصرف کرنا اور اثم اور عداوت سے مراد وہ تمام جرائم ہیں جن کی وجہ سے انسان اخروی سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کو کرو اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہو اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی اور خلاف ورزی کریں تو بے شک اللہ ان کو سخت سزا دینے والا ہے۔

یہ آیت جو اجمع الظہم میں سے ہے اور یہ ہر خیر اور شر اور ہر معروف اور منکر کے حکم کو شامل ہے۔

آیات مذکورہ سے استنباط شدہ احکام

قرآن مجید کی یہ دو آیتیں بہت سے فقہی احکام کو شامل ہیں۔

۱۔ اپنے عہد پورے کرو، یعنی اللہ تعالیٰ سے جن احکام شرعیہ کو بجالانے کا عہد کیا ہے ان کو پورا کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ جو عہد کیے ہیں ان کو پورا کرو۔ خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنا، بیویوں کا مہر ادا کرنا، ان کا خرچ اٹھانا، امانت، عاریت اور رہن رکھی ہوئی چیز کو حفاظت کے ساتھ ادا کرنا اور ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کرنا، ان عقود میں شامل ہے۔ اسی طرح

عبادت مقصود مثلاً نماز 'روزہ' حج' اشکاف اور صدقات کی نذر پوری کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ کسی غیر مقصودہ عبادت مثلاً وضو یا کسی مباح کام کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔ ان پڑھ عوام میں جو بیہوش 'فقیروں کی نذر' مشہور ہے 'یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔

۲۔ شرعی طریقہ سے ذبح کر کے حلال جانوروں کا کھانا کھانوں سے چھانڈنے والے درندوں اور پالتو گدھے کو اور بچوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو نبی کریم ﷺ نے حرام کر دیا ہے اور (المائدہ ۳) میں بھی ان جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے جن کو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو ان کے علاوہ خنزیر کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے۔

۳۔ حالت احرام میں شکار کرنے کی حرمت بیان کی گئی ہے 'اسی طرح حرمین میں شکار کرنا بھی منع ہے۔

۴۔ جو شخص محرم نہ ہو اس کے لیے حرمین کے علاوہ دوسری جگہوں پر شکار کا حلال ہوگا۔

۵۔ محرم کے لیے صرف خشکی کا شکار ممنوع ہے۔ سمندری جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔

۶۔ قربانی کے لیے بھیجے ہوئے جانوروں کو ضرر پہنچانے کی حرمت 'جو اونٹ قربانی کے لیے حرم میں بھیجا جاتا ہے' اس کے گلے میں قلابہ ڈال دیتے ہیں 'تاکہ معلوم ہو کہ یہ حدی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے کوہن پر معمولی سا اشکاف ڈالتے ہیں جس سے اس کے کوہن پر خون بہہ جاتا ہے 'اور یہ بھی اس کے حدی ہونے کی علامت ہے۔ اس کو اشعار کہتے ہیں 'یہ سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ انجلی لوگ جو اشعار کرنا نہیں جانتے 'ان کے حق میں یہ سنت نہیں ہے 'کیونکہ وہ زیادہ اشکاف ڈال دیتے ہیں جس سے بڑا زخم پڑ جاتا ہے 'ایسے لوگوں کو امام ابو حنیفہ اشعار کرنے سے منع کرتے ہیں۔

۷۔ شعائر اللہ میں حدی اور قلابہ کے علاوہ حرمت والے مہینے بھی داخل ہیں 'تحقیق یہ ہے کہ اب ہر مہینہ میں جملہ کرنا جائز ہے۔

۸۔ کسی کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے انسان اس کے ساتھ بے انصافی اور زیادتی نہ کرے۔

۹۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا 'اس میں ملک اور قوم کے اجتماعی مفاد میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور سماجی خدمت اور سوشل ورک داخل ہیں۔

۱۰۔ جرم اور گناہ میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ بیک اور بیرہ کہنی 'جوئے خانہ اور کسی بھی بدی کے لڑے میں ملازمت کرنا 'خواہ وہ ملازمت کلرکی کی ہو یا چرکیداری کی 'وہ ہر عمل اس برائی کے ساتھ ایک نوع کا تعلق ہے اور ناجائز ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ

تم پر حرام کیے گئے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ

اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيغَةُ وَمَا

کام پکڑا گیا ہو اور گلا گھٹ جانے والا، اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بندی سے گر کر مرا ہوا اور سینک گئے سے مرا ہوا اور جس

أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذُكِّرْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا

کو درنمے سے نہ کھایا ہو مگر اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا 'اور جوتوں کے تقریب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا اور

بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فَسُقُ الْيَوْمَ يَسِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ

قال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں، آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے،

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ

کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا، پس جو شخص بہوک کی شدت سے مجبور ہو کر کوئی حرام

غَيْرَ مَتَجَانِفٍ لِئَمْ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳ يَسْأَلُونَكَ

چیز کھانے (درال) حایکہ وہ اس کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بیشک اس پر بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے ۝ (سے رسول مکرّم) آپ کے

مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلْ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ

پرچھے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں، آپ کہیے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا

سدا یہی ہیں درال حایکہ تم انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے

أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ

سوا (شکار سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں (اور شکار چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ

سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۴ الْيَوْمَ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ

پر مہربان اللہ سے ڈرتے ہو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ۝ آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں، اور اہل کتاب کا ذبیحہ

أَوْتُوا الْكِتَابَ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلَّ لَكُمْ نَوَالُ الْمُحْصَنَاتِ

تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور آزاد پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ

مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی) تمہارے لیے حلال

خبیان القرآن جلد سوم

قَبْلَكُمْ إِذَا أَتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ

ہیں، جب تم ان کے مہر ان کو ادا کر دو، اور ان کا ایک تم ان کو نکاح کی قید میں لاسنے والے ہو نہ

وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

علانیہ بدکاری کرنے والے اور خفیہ طریقہ سے آٹا بٹانے والے اور جس نے ایمان دلاسنے کے بعد کفر کیا تو بیشک اس کا عمل

عَمَلُهُ ذُوهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَيْرِينَ ۝

ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے ۝

مردار کا معنی اور اس کے شرعی احکام

جو جانور طبعی موت مر جائے نہ اس کو ذبح کیا گیا ہو نہ شکار کیا گیا ہو اس کو میت (مردار) کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں جو جانور بغیر ذبح کے مر جائے اس کو میت کہتے ہیں۔ اس کو شریعت میں حرام کر دیا گیا ہے کیونکہ رگوں میں خون کے رک جانے یا کسی بیماری کی وجہ سے جسم میں ذہریلے لمبے پید ہو جاتے ہیں جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں اور اگر اس جانور کو ذبح کر لیا جائے تو اس کے جسم سے سارا خون بہ جاتا ہے اور خون کے ساتھ ذہریلے اور نقصان دہ اجزاء جسم سے نکل جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں طہارے طہارے سلیقہ مواد جانور کا گوشت کھانے سے خطر ہوتی ہے سو مواد جانور صحت کے اعتبار سے بھی مضر ہے اور دین کے اعتبار سے بھی کیونکہ اللہ کے نام سے اس کی جان نہیں نکلی۔ لہذا مواد جانور کو کھانا بلا حلال حرام ہے۔ البتہ انقصاء احتلف کے نزدیک اس کے ہل اور اس کی ہڈیاں پاک ہیں اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ (ابواب المسئع ج ۱ ص ۳۳) مطبوعہ کراچی) علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ امام احمد امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مواد کی ہڈی نجس ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۵۶) اور امام شافعی کے نزدیک مواد کے پر اور ہل بھی نجس ہیں کیونکہ حیوان کی نشوونما سے وہ جڑتے ہیں اور باقی اعضاء کی طرح اس کی موت سے نجس ہو جاتے ہیں اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مواد کے پر اور ہل پاک ہیں۔ کیونکہ امام دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مواد کی ہڈی کوئی حرج نہیں ہے جب اسے رنگ لیا جائے اور اس کے لون اور بالوں میں کوئی حرج نہیں ہے جب انہیں دھو لیا جائے۔ نیز اس پر موت طاری نہیں ہوتی اس لیے جانور کی موت سے یہ نجس نہیں ہوں گے جیسے انڈا نجس نہیں ہوتا۔ (المغنی ج ۱ ص ۳۳) فقہرا مطبوعہ بیروت

مواد جانور حرام ہے لیکن اس کے عموم سے بلا حلق پھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں۔ امام ابن ماجہ متنی سے حد روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طارے لیے وہ مواد طلال کیے گئے ہیں۔ پھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۸۸ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ائمہ علماء کے نزدیک تمام قسم کے سمندری جانور بغیر ذبح کے طلال ہیں کن کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متنی سے حد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! ہم سمندر میں مٹر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے۔ اگر ہم اس سے دھو کر لیں تو پانی سے وہ جائیں گے تو کیا ہم سمندر کے پانی

سے وضو کر لیا کریں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مرا ہوا جانور حلال ہے۔

(سنن ترمذی 'رقم الحدیث: ۷۸' سنن ابوداؤد 'رقم الحدیث: ۸۳' سنن نسائی 'رقم الحدیث: ۵۵' سنن ابن ماجہ 'رقم الحدیث: ۳۸۶' مسوطا

امام مالک 'رقم الحدیث: ۴۳' مسند احمد 'ج ۳' ۷۳۷ 'المستدرک' ج ۱ ص ۱۳۰)

خون کے شرعی احکام

اس آیت میں خون کو حرام کیا گیا ہے۔ اس سے مراد بننے والا خون ہے 'کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں بننے والے خون کو حرام فرمایا ہے:

قُلْ لَا آٰحِذُ فِیْ مَا اَوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَٰعِمِمْ یَٰطَعُمُوْهُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مِیْثَاقًا وَّ دَمًا مَّسْفُوْرًا ۗ اِلَیْہِ (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہئے کہ مجھ پر جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے پر جو وہ کھاتا ہو 'صرف مردار' بننے والے خون اور خسر ہر کے گوشت کو میں حرام پاتا ہوں 'کیونکہ وہ نجس ہے'

یہاں فرمائی کی وجہ سے جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے بعد گوشت میں جو خون علوئاً باقی رہ جاتا ہے 'وہ حرام نہیں ہے اور جو خون جامد ہو جیسے کھجی اور تلی 'وہ بھی حرام نہیں ہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مودے حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ پئے ورنے تو وہ پھللی اور نڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کھجی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ 'ج ۳' 'رقم الحدیث: ۳۳۱۴' مطبوعہ دار العرفہ بیروت)

بننے والے خون کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خون نجس ہے اور اس میں جراثیم اور زہریلے اجزاء ہوتے ہیں اور اس کو ہضم کرنا مشکل ہے 'تمام قسم کی بیماریوں کے اجزاء اور جراثیم خون میں ہوتے ہیں۔ اس لیے مادی طور پر بھی خون کو کھانا صحت کے لیے سخت مضر ہے۔

خنزیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے تم پر مردار خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔ اسی طرح (الانعام: ۱۴۵) میں بھی خنزیر کے گوشت کو حرام فرمایا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال مکہ میں فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے غیر (شراب) مردار خنزیر اور بتوں کی بیج کو حرام فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری 'ج ۳' 'رقم الحدیث: ۲۳۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔ سلیمان بن بیدہ اپنے والد جابر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص زرد شیر کے ساتھ کھلا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیا۔

(صحیح مسلم 'ج ۳' 'رقم الحدیث: ۲۲۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث میں آپ نے خنزیر کے خون اور گوشت سے نفرت دلائی ہے۔ خنزیر کا خون گوشت اور اس کے تمام اجزاء حرام ہیں۔ قرآن مجید میں خنزیر کے گوشت کا ذکر کیا ہے 'کیونکہ کسی جانور کا ایم مقصود اس کا گوشت کھانا ہوتا ہے۔

خنزیر کے گوشت کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت گندہ اور نجس جانور ہے اور یہ بالعموم گندگی میں رہتا ہے۔ اس کے جسم اور بالوں میں کیڑے ہوتے ہیں۔ اس کا گوشت بہت ٹھیک اور دیر بھنم ہوتا ہے اور اس میں چربی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے خون میں کلشروں کی بہت زیادتی ہوتی ہے۔ جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے اوصاف کا انسان کی طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔ جانوروں میں خنزیر نہایت بے غیرت جانور ہے۔ اس کی مادہ سے ایک خنزیر جلتی کرتا ہے اور باقی کئی خنزیر اس کے قریب کھڑے اپنی باری کے منتظر رہتے ہیں جبکہ دوسرے جانور اپنی مادہ کے قریب دوسرے نہ آتے نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اقوام خنزیر کا گوشت کھاتی ہیں وہ بھی بے غیرت ہوتی ہیں جن میں بہت زیادہ فحاشی اور بد چلتی ہوتی ہے۔ ہر حال اس مسلمان کے لیے صرف یہ وجہ کافی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی کے ساتھ خنزیر کو حرام فرمادیا خواہ حرمت کی یہ وجہ ہوں یا نہ ہوں۔ ہم نے یہ وجہ صرف اس لیے بیان کی ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس نے جن تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے اس کی وجہ نہایت معقول ہیں۔

”ما اهل لغير الله به“ کا معنی اور اس کے شرعی احکام

علامہ حسین بن محمد رافع اصفہانی متوفی ۵۰۳ھ لکھتے ہیں وما اهل لغير الله به کا معنی ہے جس پر غیر اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اور یہ وہ جانور ہے جس کو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے۔ احلال کا معنی ہے چاند دیکھتے وقت بلند آواز سے چلانا پھر ہر بلند آواز کو احلال کہنا۔ لوزائیدہ سچے کے رونے کو بھی احلال کہتے ہیں۔

(المفردات ص ۵۴۳، مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ، ایران ۱۳۶۲ھ)

علامہ احمد جون پوری متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں: ”وما اهل لغير الله به“ کا معنی ہے جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو مثلاً لات، عزلی اور انبیاء علیہم السلام وغیرہم کے نام پر۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۴۴، مطبوعہ مکتبہ خفایہ، پشاور)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۸۰ھ لکھتے ہیں اس کا معنی ہے جانور کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند آواز سے پکارنا اور احلال کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے مثلاً لات اور عزلی اس کا ذبح کے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا (روح المعانی ج ۶ ص ۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ”و آنچه نام غیر خدا بوقت ذبح اویا کردہ شود۔“ عام ازیں کہ ذبح کے وقت صرف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً مسیح کا نام لے کر ذبح کیا جائے یا اللہ کے ساتھ بطریق عطف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً یوں کہے کہ اللہ اور مسیح کے نام سے ذبح کرتا ہوں تو یہ ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر غیر وقت ذبح میں غیر اللہ کے ساتھ جانور ہمزہ ہو مثلاً قربانی کے جانوروں کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ محمود کا بکرا ہے یہ اسلم کا بکرا ہے یہ نعیم کی گائے ہے یا کسی نے اپنے والد عبد الرحیم کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے کوئی بکرا موسوم کیا ہو اور کسی نے حضرت غوث اعظم کو ایصال ثواب کرنے کے لیے بکرا ہمزہ کیا ہو یا کسی نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بکرا یا بکرا ہمزہ کیا ہو یا کسی نے اپنے وقت میں صرف اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو یہ ذبح جائز ہے اور ان کا گوشت حلال ہے اور ان کا ایصال ثواب کرنا صحیح ہے۔

علامہ ملا اللہ دین محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں حاکم یا کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر جانور ذبح کیا گیا تو یہ حرام ہے (اور اس ذبح سے جانور کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو) صرف اس کا خون بھانا مطلوب ہو) کیونکہ یہ ”ما اهل لغير الله“ ہے خواہ اس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اگر مسلمان کے لیے ذبح کیا گیا تو یہ حرام نہیں ہے کیونکہ یہ حضرت خلیل

علیہ السلام کی سنت ہے اور مہمان کی مکرم اللہ تعالیٰ کی مکرم ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس نے جانور کو اس لیے ذبح کیا تاکہ یہ اس سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کے لیے ہوگا اور منفعت مہمان کے لیے یا دعوت کے لیے یا نفع کے لیے ہوگی اور اگر اس نے کھانے کے لیے نہیں ذبح کیا بلکہ اس لیے کہ کسی غیر کے آنے پر محض اس کو ذبح کرے (یعنی صرف خون بہائے) تو اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہوگی سو یہ حرام ہوگا کیونکہ محض کافر ہو جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں۔ (ابن ازیہ و صحابیہ) میں کہتا ہوں کہ منیہ کی کتب المعید میں ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے اور اس شخص کی عقیقہ نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب (بہ طور عیلت کیونکہ یہی مکفر ہے۔ شامی) حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ شرح الوصابیہ میں ذخیرہ سے اسی طرح مقول ہے۔

(در مختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۷-۱۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی رحمہ اللہ اس کی شرح میں وجہ فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ما اہل بہ لغیر اللہ" میں تعظیم اور غیر تعظیم کے لیے ذبح کا فرق یہ ہے کہ اگر دیوار پختہ وقت یا کسی مرض سے شفا کے حصول کے وقت جانور ذبح کیا جائے تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ اس ذبح کا مقصد صدقہ کرنا ہے (حموی) اسی طرح کسی نے سفر سے سلامتی کے ساتھ آنے پر قربانی کی تذکرہ ملی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (المحرر الرائق) اب اس پر لازم ہے کہ اس گوشت کو فقط فقرہ پر صدقہ کرے۔ (تذکرۃ الشلبی) اور جو شخص کسی کے آنے پر جانور کو ذبح کرے اور پھر اس کو پونہ بیچ دے یا اس میں سے کچھ یا بعض لے لے اور فرق کا دار ابتداء ذبح کے وقت ہے۔ اگر اس نے مہمان کے اکرام اور اس کو گوشت کھانے کے سبب سے جانور کو ذبح کیا ہے تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر اس نے کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے محض خون بہانے کے قصد سے جانور کو ذبح کیا ہے تو یہ حرام ہے اور یہ فرق اس طرح مزید ظاہر ہوگا کہ اگر اس نے حاکم کی خیانت کی اور اس کے آنے پر جانور کو ذبح کیا۔ اگر اس ذبح سے اس کی تعظیم کا قصد کیا تو یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے اور اگر اس ذبح سے اس کی مہمانی اور اس کے اکرام کا قصد کیا تو یہ ذبیحہ حلال ہے۔ خواہ یہ ذبیحہ مہمان کے علاوہ کسی اور کو کھلا دے۔ جو شخص کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے جانور کو ذبح کرتا ہے تو یہ ذبیحہ حرام ہے لیکن یہ کفر نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب علی وجہ العیلت حاصل کرے گا اور عقیقہ کا اسی پر مدار ہے اور یہ مسلمان کے حال سے مستبعد ہے۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ اس کا یہ فعل دنیا داری کے لیے ہے یا اس کے سامنے اعتماد محبت کر کے اس کا مقبول بنا چاہتا ہے لیکن جبکہ اس حاکم کی تعظیم کی وجہ سے ذبح کرنا تھا تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا حکم خالص اللہ کے لیے نہ تھا اور یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی شخص ذبح کے وقت کے اللہ کے نام سے اور فلاں کے نام سے اس لیے یہ ذبیحہ حرام ہوگا لیکن حرمت اور کفر میں غلام نہیں ہے۔

(در المختار ج ۵ ص ۱۹۷-۱۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

المنعقۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم

منعقۃ اس جانور کو کہتے ہیں جو گائے سے مر جائے عام ازیں کہ کسی نے قصد اس کا کھانا کھونٹ دیا یا کسی طریقہ سے اچانک اس کا کھانا کھٹ گیا ہو یہ موارد ہے اور شرعاً مذبح نہیں ہے اس کو موارد میں شامل نہیں کیا بلکہ الگ ذکر کیا ہے کیونکہ موارد وہ ہے جو بغیر کسی خارجی سبب کے طبی موت سے مر جائے اور گائے سے مرنے والا ایک خارجی سبب سے مرنا ہے لیکن یہ مذبح نہیں ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر حلال جانور کے گلے پر چھری پھیری جائے جس سے اس کی

چاروں رگیں کٹ جائیں اور جسم کا سارا خون بہہ جائے۔

الموقودۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس غیر دھار والی بھاری چیز سے کسی جانور پر ضرب یا چوٹ لگائی جائے خواہ دور سے پتھر مارا جائے یا ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ کر اس سے مارا جائے اس چوٹ کے نتیجہ میں وہ جانور مر جائے تو وہ بھی شرماعیوب نہیں ہے۔ یہ جانور بھی مردار کے حکم میں ہے اور زندہ جاہلیت میں اس کو کھلایا جاتا تھا۔

اسلام میں ٹھیک شے کی ضرب یا چوٹ سے جانور کو ہلاک کرنے سے منع کیا ہے اور کسی دھار والی چیز سے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ جانور کو اذیت نہ پہنچے اور آسانی سے اس کی جان نکل جائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا "منعنفہ" وہ ہے جس کا گلا گھونٹا جائے اور وہ مر جائے۔ "موقودہ" وہ ہے جس کو لکڑی سے ضرب لگائی جائے اور وہ چوٹ کھا کر مر جائے۔ "مترد یہ" وہ ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے اور "مطبحہ" وہ ہے جس کو دوسری بکری نے بے سنگہ مارا ہو اگر اس کی دم یا آنکھ ملی رہی ہو تو اس کو ذبح کر کے کھالو۔ (صحیح البخاری ج ۶، کتاب الصيد والذبیح ص ۷۷ باب ۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں حضرت شداد بن اوس جریڈی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو باتیں رسول اللہ ﷺ سے یاد رکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ نیکی کرنے کو فرض کر دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو درست طریقہ سے کرو اور جب تم ذبح کرو تو درست طریقہ سے ذبح کرو اور تم میں سے کسی شخص کو اپنی چھری تیز کر لینی چاہیے تاکہ ذبیحہ کو آسانی ہو۔ (صحیح مسلم ج ۳، رقم الحديث: ۴۵۵)

جب چھری تیز ہوگی تو جلدی سے جانور ذبح ہو جائے گا اور مستحب یہ ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے اور ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کیا جائے اور جانور کو گھسیٹ کر ذبح نہ لے جایا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس چیز میں روح ہو اس کو (مشرق کے لیے) نشانہ نہ بنانا۔ (صحیح مسلم ج ۳، رقم الحديث: ۴۵۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم جریڈی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے معراض (بغیر کاتیر جس کا درمیانی حصہ موتا ہو) کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جب جانور اس کی دھار سے زخمی ہو تو اس کو کھالو اور جب جانور کو اس کی چوڑائی کی جانب تیر گئے اور وہ مر جائے تو اس کو مت کھالو کیونکہ وہ وقیز (چوٹ سے مراد) ہے۔

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحديث: ۵۳۷۶)

موقودہ کی بحث میں بدوق سے کیے ہوئے شکار کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ ہم نے یہ بحث تفصیل کے ساتھ شرح صحیح مسلم جلد سولس میں لکھ دی ہے اور (المائدة: ۳) میں بھی انشاء اللہ اس پر گفتگو کریں گے۔

المترد یہ کا معنی اور اس کا شرعی مفہوم

جو جانور کسی پہاڑ سے یا کسی بلند جگہ سے خٹا چمت سے گر جائے یا کوئیں میں گرنے سے اس کی موت واقع ہو جائے اس کو مترد یہ کہتے ہیں۔ مردار کی طرح اس کا کھلا بھی جائز نہیں ہے۔ لہذا یہ کہ اس میں کچھ رقی حیات ہو تو اس کو ذبح کر لیا جائے۔

الطبیحہ کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس جانور کو دوسرے جانور نے سنگھ مارا ہو، اور وہ اس کے سنگھ مارنے سے مرگیا، خواہ اس کے سنگھ مارنے سے وہ زخمی ہوا ہو، اور اس کا خون بھی بہا ہو، اس کا حکم بھی مردار کی طرح ہے، اور اس کا کھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو، اس کا شرعی حکم

کسی درندے مثلاً شیر، چیتے یا بھیڑیے نے کسی حلال جانور کو چر پھاڑ کر زخمی کر دیا ہو اور اس کے کل یا بعض حصے کو کھالیا ہو، تو اس کا کھانا بلا حرج جائز نہیں ہے۔ خواہ اس کے جسم یا اس کے ذبح کی جگہ سے خون بہہ رہا ہو۔ زائد جاہلیت میں بعض عرب درندہ کے پھاڑے ہوئے جانور میں سے بقیہ کو کھالیا کرتے تھے، لیکن طبائع سلیمہ اس کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

”الاما ذکیتہم“ کے مستثنیٰ منہ کا بیان

مردار، خون، خنزیر اور ”ما اھل لغیر اللہ بہ“ کے علاوہ باقی جانوروں میں سے جو جانور زندہ مل جائیں اور ان کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے، ان کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا۔ اس مستثنیٰ منہ میں المنخفقہ، الموقودہ، المشرودہ، الطبیحہ اور جن کو درندہ نے کھالیا ہو، داخل ہیں۔ اور بعض علماء نے ”ما اھل لغیر اللہ بہ“ کو بھی اس میں داخل کر لیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جس جانور کے ذبح کا موقع تمہیں مل جائے، پھر اس کی دم بل رسی ہو، یا وہ آگ سے دیکھ رہا ہو، اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کر دو، وہ حلال ہے۔

قلوہ نے بیان کیا کہ لحم الغنیزہ کے سوا باقی تمام کو ”الاما ذکیتہم“ کا استثناء لاحق ہے۔ جب تم دیکھو کہ وہ جانور ہلک جھپکا رہا ہے، دم ہلا رہا ہے، یا اس کی ٹانگ مضطرب ہو رہی ہے، تو تم اس کو ذبح کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا جب تم موقودہ، مشرودہ، اور غلیظہ کو ہاتھ پیر ہلاتے دیکھو تو اس کو (ذبح کر کے) کھاؤ۔

ان اقوال کی بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ موقودہ، مشرودہ، غلیظہ اور جس کو درندہ نے کھالیا ہو، وہ تم پر حرام کر دیئے گئے ہیں، لیکن اگر تم ان میں زندگی کے آثار دیکھو اور ان کے مرنے سے پہلے تمہیں ان کو ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے لیے حلال ہیں، تم ان کو ذبح کر کے کھاؤ۔

بعض علماء اہل مدینہ نے یہ کہا کہ یہ استثناء ان عمرات میں سے نہیں ہے جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے، بلکہ یہ تحریم سے استثناء ہے، یعنی مردار، خون، خنزیر، ”وما اھل لغیر اللہ بہ“ اور باقی فہ کو وہ جانور تم پر حرام کر دیئے گئے۔ مگر جن حلال جانوروں کو تم شرعی طریقہ سے ذبح کر لو، وہ تم پر حلال ہیں۔ امام مالک کا یہی قول ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ ایک درندہ ایک بھیڑ پر حملہ کرتا ہے اور اس کی کمر توڑ ڈالتا ہے۔ تو اگر اس کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو کیا اس کو کھانا جائز ہے؟ امام مالک نے کہا اگر اس کی ضرب اس کے پیٹ، جگر اور دل تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اور اگر اس کے ہاتھ، پیر توڑے ہیں، تو پھر اس کو ذبح کر کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان سے پوچھا گیا، اگر وہ اس پر حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دے؟ امام مالک نے کہا اس کے بعد جانور زندہ نہیں رہتا۔ میرے نزدیک اس کا کھانا ہتر نہیں ہے، ان سے پوچھا گیا کہ بھیڑ یا بکری کا پیٹ پھاڑ دے، لیکن اس کی آنتیں باہر نہ نکلیں، امام مالک نے کہا جب اس کا پیٹ پھاڑ دیا جائے تو میری رائے میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس تقدیر پر یہ استثناء منقطع ہے۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ میری رائے میں ”وما اهل لغير الله به“ سے لے کر آخر آیت تک یہ استثناء لاحق ہے، کیونکہ ان تمام صورتوں میں موت سے پہلے وہ جانور ذبح کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مشرکین جب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان جانوروں کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں اور وہ غیر اللہ کی قربانی کہلاتی ہیں، اس لیے وہ حرام ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور گلا گھٹنے سے مر جاتا ہے، وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن جس جانور کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کیا گیا ہو، اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا جائے، یا جس جانور کا گلا گھونٹا گیا ہو، اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا گیا ہو تو وہ حلال ہو گا۔ لہذا جس حلال جانور یا پرندہ کی روح نکلنے سے پہلے اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے، وہ حلال ہو گا۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۹۹-۹۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا۔

نصب کا معنی اور اس کا شرعی حکم

قرآن مجید میں نصب کا لفظ ہے، یعنی جو جانور نصب پر ذبح کیا گیا، وہ بھی حرام ہے۔ کعبہ کے گرد زمین سو ساٹھ پتھر نصب کیے گئے تھے، اور زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پتھروں کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور بیت اللہ کے سامنے جو خون بہتا، اس کو ان پتھروں پر چھڑکتے تھے اور اس قربانی کو عبادت قرار دیتے تھے اور اس گوشت کے ٹکڑے ان پتھروں پر رکھ دیتے تھے، اس کو نصب اور انصاب کہا جاتا ہے۔ نصب، نصب کی جمع ہے۔ نصب اس پتھر کو کہتے ہیں جس کو کسی شے پر نصب کیا جاتا ہے۔ (الفردات، ص ۴۳) نصب جوں کو نہیں کہتے، نصب غیر منقوش پتھر ہوتے ہیں اور بت منقوش پتھر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس فعل سے منع فرمادیا اور جو جانور نصب پر ذبح کیے جاتے ہیں، ان کا کھانا ان پر حرام کر دیا۔ خواہ ان جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے، تاکہ اس شرک سے اجتناب ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فل کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کلام) فسق ہیں۔ (المائدہ: ۲)

ازلام کا معنی

ازلام زلم کی جمع ہے۔ یہ تیر کی شکل کا ٹکڑی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس کی نوک پر لوہے کا وہ پھل نہیں ہوتا جو شکار کو زخمی کرتا ہے، زمانہ جاہلیت میں مشرکین اس سے اپنی قسمت کا حل معلوم کرتے تھے۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ یہ تیر کاہنوں کے پاس ہوتے تھے، جن میں سے کسی پر لکھا ہوتا تھا، مجھے حکم دیا ہے اور کسی پر لکھا ہوتا تھا، مجھے منع کیا ہے اور کوئی تیر سادہ ہوتا تھا۔ جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا، یا شادی کا ارادہ کرتا، یا کسی نئے کام کا ارادہ کرتا تو وہ کاہن کے پاس جاتا اور تیر سے فل نکالتا، اگر اس کا تقاضا ہو تاکہ وہ اس کام کو کرے تو وہ کام کرتا، اور اگر اس کا تقاضا ہو تاکہ کام نہ کرے تو پھر وہ کام نہ کرتا اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو دوبارہ فل نکالتے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۱۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نجومیوں، کاہنوں اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت

جس طرح فل کے تیروں کے ذریعہ اپنی قسمت کا حل معلوم کرنا اور امور غیبیہ کو دریافت کرنا منوع اور حرام ہے۔ اسی طرح نجومیوں سے قسمت کا حل معلوم کرنا یا جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ دار ہیں، ان سے مستقبل کا حل معلوم کرنا بھی منوع اور حرام ہے۔ ہمارے بعض اخبارات اور رسائل میں اس عنوان سے کالم چھپتے ہیں آپ کا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا؟ اور انکل بچہ سے غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں، نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ طوطا، اپنی چونچ سے لغات نکالتا

ہے، بعض صوفی ہنما قسم کے لوگ قرآن سے قل نکالتے ہیں۔ یہ تمام امور باطل، ناجائز اور حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا، یا جن امور پر دینی کے ذریعہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کو مطلع فرماتا ہے، اس کے سوا اور کوئی غیب کو نہیں جانتا، لولہاء اللہ کو جو اللہ ہوتا ہے وہ ایک قطعی امر ہے، قطعی جڑ نہیں ہے۔ زندہ جاویدت میں کافر اور مشرک کاہنوں کے پاس جاتے تھے اور انہیں مستقبل میں جس کام کے متعلق تردد ہوتا وہ ان سے معلوم کرتے اور وہ قل کے حیلوں سے قل نکال کر اٹکل بک سے ان کو غیب کی باتیں بتاتے۔ اسلام نے اس طریقہ کی ممانعت کر دی، اب جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ داروں، نجومیوں اور طوطے والوں سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے اور مستقبل کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، طوائف (رہزنی) کے معوضہ اور کاہن کی مٹھائی دینے سے منع فرمایا۔
(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث ۲۳۳۷، صحیح مسلم ج ۳، رقم الحديث ۵۱۷۷، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث ۳۳۸۱، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث ۲۰۷۸، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحديث ۱۵۹۹، مسند احمد ج ۶، رقم الحديث ۱۷۰۶۹، سنن دارمی ج ۲، رقم الحديث ۲۵۶۸، شرح السنن ج ۳، رقم الحديث ۲۰۳۰، المعجم الکبیر ج ۷، رقم الحديث ۷۶، مسند امام مالک ج ۳، رقم الحديث ۳۳۳۳، مسند ابن ابی شیبہ ج ۶، ص ۲۳۳، سنن کبریٰ، اللیثی ج ۶، ص ۸)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی، یا جس شخص نے حلقہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا، یا جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ عمل سکوس کیا، تو وہ اس (دین) سے بری ہو گیا، جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث ۳۷۷۳)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۷۹ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حلقہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا، یا جس نے کسی عورت کے ساتھ عمل سکوس کیا، یا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا، اس نے اس (دین) کے ساتھ کفر کیا، جو سیدنا محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث تغلیب پر محمول ہے۔ (سنن ترمذی ج ۱، رقم الحديث ۳۷۵۵، مسند احمد ج ۳، رقم الحديث ۳۷۷۳، سنن کبریٰ، اللیثی ج ۷، ص ۱۹۸) امام بخاری نے کہا اس حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے۔ اثرم کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع معروف نہیں ہے اور اثرم منکر الحدیث ہے۔ (الدرر الخ وکبیر ج ۶، ص ۱۸) امام ابن ہدی نے اس کو مضطرب میں بیان کیا ہے۔ (الکامل فی الفضل ج ۲، ص ۷۷) تاہم اس حدیث کے شواہد ہیں۔

اس حدیث کا محل یہ ہے کہ جو شخص کسی آدمی کے متعلق یہ یقین رکھے کہ اس کو غیب کا علم ہے اور پھر حلال اور جائز سمجھ کر اس سے غیب کی باتیں دریافت کرے، وہ کافر ہو گیا اور اگر وہ ناجائز اور مکمل سمجھ کر یہ کام کرے، تو پھر یہ گناہ کبیرہ ہے۔ علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۸۸ھ کہتے ہیں:

عرب میں کاہن تھے اور وہ متحد امور کی معرفت کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ جن آکران کو خبریں دیتے ہیں، اور بعض یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ مستقبل کے امور کو اپنی عقل سے جان لیتے ہیں، اور بعض عرفاء کہاتے تھے جو قرآن اور اسباب سے مختلف چیزوں کا پتا چلا لیتے تھے۔ مثلاً بتاتے تھے کہ اس شخص نے چوری کی ہے اور فلاں شخص نے فلاں عورت

سے بدکاری کی ہے، اور بعض نبوی اور ستارہ شناس کو کلہن کہتے تھے۔ حدیث میں ابن تمام لوگوں کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے اور ابن کے اقوال اور ابن کی خبروں کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(معالم السنن، ج ۵ ص ۱۷۱-۱۷۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

کسی درپیش مہم کے متعلق استخارہ کرنے کی ہدایت

ہر حال میں جو شخص بھی غیب کی خبروں کے جاننے کا دعویٰ کرے، وہ کافر ہے۔ خواہ وہ کلہن ہو، نبوی ہو، یا دست شناس ہو، اور جو شخص اس کی خبر کی تصدیق کرے، وہ بھی کافر ہے۔ اور جن لوگوں کو مستقبل میں کسی کام کے حلق ترویج ہو، مثلاً کسی جگہ رشتہ کرنا ہے، کسی شخص کے ساتھ شراکت میں کوئی کاروبار کرنا ہے، کسی جگہ سفر پر جانا ہے اور اب وہ جانتا چاہتا ہے کہ یہ کام اس کے حق میں ہے یا نہیں، تو اس کے لیے کسی نبوی وغیرہ کے پاس نہ جائے، بلکہ شریعت نے اس کے لیے ہمیں استخارہ کی تعلیم دی ہے، سو وہ اس کے لیے استخارہ کرے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا قصد کرے تو وہ دو رکعت نفل پڑھے، پھر یہ دعا کرے: "اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو عالم ہے اور میں عالم نہیں ہوں اور تو غلام الخیوب ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور آخرت میں، میرے لیے خیر ہو تو اس کام کو میرے لیے مقدر کر دے، اور میرے لیے آسان کر دے، پھر اس کام میں میرے لیے برکت ڈال اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور میری آخرت میں میرے لیے شر ہو، تو اس کام کو مجھ سے دور کر دے، اور مجھے اس کام سے دور کر دے، اور میرے لیے خیر کو مقدر کر دے، جہاں کہیں بھی ہو اور مجھ سے راضی رہ۔ آپ نے فرمایا دعائیں اپنے اس کام کا ہم بھی لے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث ۵۷۳۷، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحديث ۳۷۹۷، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحديث ۳۸۸۳، مسند احمد، ج ۵،

رقم الحديث ۳۷۳۷)

استخارہ کرنے کا طریقہ

علامہ بدر الدین محمد بن احمد بنی حنفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں۔

اگر ایک بار دعا استخارہ کرنے کے بعد آدمی کا دل کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی طرف نہ جھکے تو آیا دوبارہ یہ عمل کرنا مشروع ہے یا نہیں، حتیٰ کہ اس کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے حلق شرح صدر ہو جائے۔ میں کتابوں کے صلاۃ استخارہ اور دعا کو بار بار کرنا مستحب ہے۔ امام ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! جب تم کسی کام کا قصد کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو، پھر یہ فوراً کہو کہ تمہارا دل کس جانب مائل ہوتا ہے، پس خیر اسی میں ہے۔ امام عقیلی اور امام ابن عدی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ساقط ہے اور اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے کہ جب نبی ﷺ کوئی دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے۔ علامہ لودی نے کتب اللذکار میں لکھا ہے کہ صلاۃ استخارہ کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد "قل یا ہیا

الکافرون" پڑھے اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد "قل هو اللہ احد" پڑھے۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اسی طرح لکھا ہے اور ہمارے شیخ زین الدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے "ملاۃ استکارہ میں کسی سورت کی قرأت کرنا معین نہیں ہے" اور کسی حدیث میں اس ضمن کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدة القاری 'ج ۷' ص ۲۲۴ مطبوعہ ادارۃ البیاض النیر یہ 'مصر' ۱۳۳۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شاہی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ دعا کے شروع اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی ﷺ پر صلوٰۃ پڑھے اور پہلی رکعت میں قرأت کے بعد یہ زیادہ پڑھے (اور بکثرت بخلق ما یشاء ویستأثر) اور اس کو مجلسوں تک پڑھے اور دوسری رکعت میں (و ما کان لمؤمن ولا مؤمنة الا یہ) پوری آیت پڑھے اور استکارہ کا مکمل سات مرتبہ کرے جیسا کہ امام ابن السنی نے (عمل الیوم واللیلہ میں) روایت کیا ہے اور شرح الشرح میں مذکور ہے کہ مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ نماز استکارہ پڑھ کر اور دعا مذکور کرنے کے بعد بلوضو قبلہ کی طرف منہ کر کے سوجائے اگر اسے خواب میں کوئی سفید یا سرخ چیز نظر آئے تو یہ کام اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو سیاہ یا سرخ چیز نظر آئے تو یہ کام اس کے لیے شر ہے اور اس کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(رد المحتار 'ج ۱' ص ۳۶۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

قرآن کی بناء پر مستقبل کے ظنی اور اک حاصل کرنے کا حکم

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں جب تیروں سے قسمت کامل معلوم کرنا فسق ہے تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ نبی ﷺ قل (نیک شگون) کو پسند کرتے تھے اور تیروں سے اپنے سزا مستقبل کے کسی کام کے متعلق معلومات حاصل کرنا بھی ایک قسم کی ظن ہے تو پھر تیروں کے ذریعہ قل نکالنے کو کیوں فسق فرمایا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ واللہ ہی نے کہا ہے کہ تیروں سے قل نکالنا یا قسمت کامل معلوم کرنا اس لیے حرام ہے کہ اس میں غیب کی معرفت کی طلب ہے اور یہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا تَذَرِي نَفْسٌ مَّا ذَاتُكَ يُبْ عَدَا
اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

(القمان: ۳۳)

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل: ۶۵)

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کلین کے پاس گیا یا جس شخص نے تیروں کے ذریعہ قسمت کو معلوم کیا یا کسی چیز سے جو قل نکال کر سفر سے واپس ہوا وہ قیامت کے دن جنت کے بلند درجات کو نہیں دیکھ سکے گا۔ (تفسیر کبیر 'ج ۳' ص ۲۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اور کوئی معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر علالت متعارفہ کے ذریعہ ظنی علم حاصل کرنا (مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ درجہ حرارت یا بارش کے ہونے یا نہ ہونے کا علم حاصل کرنا) یا جدید سائنسی آلات کے ذریعہ سورج اور چاند کے گمن گھٹنے کا علم حاصل کرنا) معرفت غیب کی طلب ہو تو پھر خواب کی تعبیر معلوم کرنے کا علم بھی کفر ہونا چاہیے کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے اور کسی چیز سے نیک قل نکالنا بھی کفر ہونا چاہیے کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے اور جو اصحاب کرامات اور اولیاء اللہ الہام کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی کافر ہونے چاہئیں اور یہ بدعت معلوم ہے کہ ان امور کا کفر ہونا باطل ہے کیونکہ یہ تمام امور شریعت

سے ثابت ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی چیز میں بد شکونی نہیں ہے اور سب سے عمدہ چیز قل ہے۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ اقل کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی شخص سنتا ہے۔ (صحیح البخاری ۵۷۵۵، صحیح مسلم ۲۲۲۳) کسی پسندیدہ قول یا فعل سے برا معنی لینا بد شکونی ہے۔ عرب جب کہیں جلتا چاہتے تو وہ پرندہ یا کسی جانور کو ڈرا کر اڑاتے یا بھاگاتے۔ اگر وہ دائیں جانب بھاگتا تو اس کو مبارک جانتے اور سفر پر چلے جاتے اور اگر وہ بائیں جانب جاتا تو اس کو منحوس جانتے اور سفر نہ جاتے یا جو کام کرنا ہوتا نہ کرتے اور قل کا معنی نیک اور اچھی بات ہے جس سے طبیعت میں خوشی ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ جب کسی کام کے لیے جلتے تو آپ یہ سن کر خوش ہوتے تھے ہاراشد (اے ہدایت یافتہ) یا نہ حبیب (اے کامیاب)۔ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث ۳۷۲)

عبداللہ بن عیادہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کسی چیز سے بد شکونی نہیں لیتے تھے۔ آپ جب کسی شخص کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے جب آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام پسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی اور جب آپ کسی ہستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے۔ اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام پسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث ۳۹۲۰، مسند احمد ج ۱، ص ۱۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، طبع قدیم) سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں غیب کے جس علم کی طلب سے منع فرمایا ہے اس سے مراد غیب کا یقینی اور قطعی علم ہے اور علامات، آلات اور علم تعبیر اور قل سے جو غیب کا اور اک حاصل ہوتا ہے وہ محض قن ہے۔ بعض صورتوں میں یہ قن قوی ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ قن ضعیف ہوتا ہے۔ اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار کا عقیدہ یہ تھا کہ تیروں کے ذریعہ جو ان کو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ جنوں کے تصرف سے حاصل ہوتی ہیں اور ان کا یہ عقیدہ فسق تھا اس لیے فرمایا کہ یہ فسق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”آج کفار تمہارے دین (کی بات) سے بائوس ہو گئے“ سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے

ڈرو۔“ (المائدہ: ۲)

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تکفیر مسلمین پر بحث و نظر

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند محرمات کے کھانے سے منع فرمایا جن کا ذکر اس آیت کے شروع میں ہے اور تیروں سے قسمت کامل دریافت کرنے سے منع فرمایا۔ اور آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں احکام شرعیہ کے عمل پر برائگیختہ فرمایا اور ان کو غلبہ کی بشارت دی تاکہ شریعت پر عمل کرنے کا حزم اور قوی ہو اور ان کی شجاعت اور زیادہ ہو۔ یہ آیت دس بھری جتہ الوداع کے سال عرفہ کے دن نازل ہوئی وہ دن جمعہ کا تھا اور اس میں فرمایا کفار تمہارے دین کو باطل کرنے اور تم پر غلبہ پانے سے اور اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف تمہارے لوٹ جانے سے بائوس ہو چکے ہیں اور شیطان بھی بائوس ہو گیا ہے کہ تمہاری سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں یہ یوم عرفہ تھا اور اس دن جمعہ تھا جب نبی

ﷺ نے میدانِ حرقت پر نظر ڈالی تو آپ کو موحّدین کے سوا کوئی نظر نہیں آیا، اور آپ نے کسی شرک کو نہیں دیکھا، تب آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔

(جامع البیان، ۶/۲، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار الکتب بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قصیدی حنفی ۷۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان جزیرہ عرب میں اپنی عیادت کیے جانے سے باز رہے ہو گیا ہے، لیکن وہ ان (مسلمانوں) کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے گا۔

(صحیح مسلم، ج ۲، رقم الحديث: ۲۸۱۳، سنن احمد، ج ۳، ص ۳۸۳-۳۸۴، ج ۳، ص ۱۲۶)

اس آیت اور ان احادیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ جزیرہ عرب اور خصوصاً حرمین طبعاً میں شیطان کی عیادت نہیں ہو سکتی، نہ بت پرستی ہوگی اور اس سے یہ واضح ہوا کہ ترکوں کے دور میں حرمین شریفین میں جو اہل ملت کے معمولات تھے۔ مسلمان روضہ انور کی جلیوں کو چوتے تھے اور نبی ﷺ سے استمداد اور استعاذہ کرتے تھے، اسی طرح افاضل صحابہ اور اہل بیت کرام کی قبور سے استمداد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں تھی، اور نہ شیطان کی عیادت تھی، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان جزیرہ عرب میں اپنی عیادت کیے جانے سے باز رہ چکا ہے۔

بارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا تصور ہوا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے، وہ کافر ہے، اور اس کو قتل کرنا مباح ہے۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب حنفی ۱۱۰۶ھ نے لکھا ہے:

تم یہ جان چکے ہو کہ لوگ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کی وجہ سے اسلام میں داخل نہیں ہوتے، اور فرشتوں اور نبیوں کی شفاعت کا ارادہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے وسیلہ سے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو قتل کرنا اور ان کا قتل کرنا مباح ہو گیا ہے۔ (کشف المشبات، ص ۹، مطبوعہ مکتبہ سفیہ، مدینہ منورہ)

شیخ مذکور کے بھائی شیخ سلیمان بن عبد الوہاب نے شیخ مذکور کے رد میں مسطور القدر حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جس قدر چاہا، اپنے فیہ سے مطلع فرمایا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، اس کی خبر دے دی، اور رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جزیرہ عرب میں شیطان اپنی عیادت سے باز رہ چکا ہے، اور شداد کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ جزیرہ عرب میں بت پرستی نہیں ہوگی اور تمہارا مذہب ان حدیثوں کے برخلاف ہے، کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بصرہ اور اس کے گرد و نواح اور عراق میں دجلہ سے لے کر اس جگہ تک جہاں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں، اسی طرح سارے یمن اور حجاز میں شیطان کی پرستش اور بت پرستی ہوتی ہے، اور یہاں کے مسلمان بت پرست اور کفار ہیں۔ حالانکہ یہ تمام جگہیں سرزمین عرب کے وہ تمام علاقے ہیں جن کی سلامتی ایمان اور کفر سے برکت کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے، اور تم کہتے ہو کہ یہاں کے لوگ کافر ہیں اور یمن کو کافر نہ کہے، وہ بھی کافر ہے۔ سو یہ تمام احادیث تمہارے مذہب کا رد کرتی ہیں۔ نیز امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا: شیطان ہمیشہ کے لیے اس سے باز رہ چکا ہے کہ تمہارے اس شر (مذہب کفر) میں اس کی پرستش کی جائے۔ البتہ تمہاری آپس کی لڑائیوں میں اس کی پیروی ہوتی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ کسی خلاف واقع خبر نہیں دیتے اور جن چیزوں (توسل اور طلب شفاعت) کا نام تم شرک اکبر رکھتے ہو، یمن کے مرتکبین کو بت پرست کہتے ہو، ان

تمام امور پر تمام اہل مکہ، فن کے عوام، امراء اور علماء چھ سو سال سے زیادہ عرصہ سے عمل پیرا ہیں، اور تمہارا اگلیں ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں اور یہ اطلوت تمہارے زعم کا سد کار د کرتی ہیں۔ (المواہل الاہیہ، ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتبہ المصطفیٰ، استنبول)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی ص ۵۹۷ لکھتے ہیں: ہمارے زمانہ میں محمد بن عبد الوہاب کے جیسے نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہو گئے۔ یہ خود کو خلیفہ مہرب کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن فن کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کے مخالف ہوں وہ مشرک ہیں۔ انہوں نے اہل سنت کے قتل اور فن کے علماء کے قتل کو جائز قرار دیا۔

(رد المحتار، ج ۲، ص ۳۰۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

شیخ محمد انور شاہ کشمیری حنفی ص ۵۹۷ لکھتے ہیں: محمد بن عبد الوہاب نجدی تو وہ پلید شخص تھا، حکم علم تھا، اور وہ بہت جلد کفر کا حکم لگاتا تھا۔ ملائکہ تکفیر اس شخص کو کرنی چاہیے جس کا ظم بہت بڑا ہو، اور وہ حاضر مدعا ہو، اور کفر کی وجہ اور اس کے اسباب کا جاننے والا ہو۔ (فیض الباری، ج ۳، ص ۱۷۱، مطبوعہ مطبعہ المجازی، القاہرہ، ۱۳۵۵ھ)

سید احمد بن زینی دحلان کی شافعی حنفی ص ۵۹۷ لکھتے ہیں: اور شیخ نجدی بہ صراحت کہا کرتا تھا کہ چھ سو سال سے تمام امت کافر ہے، اور وہ ہر اس شخص کی تکفیر کرتا تھا جو اس کی اتباع نہ کرے۔ خود وہ انتہائی پرہیزگار شخص ہی کیوں نہ ہو، وہ ایسے تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان کو قتل کراتا، اور ان کے مل و متاع کو لوٹنے کا حکم دیتا، اور جو شخص اس کی اتباع کر لیتا، اس کو مومن قرار دیتا۔ خود وہ شخص بدترین فاسق ہو۔ (خلاصۃ الکلام فی امر الجہلہ الحرام، ص ۳۲۳، مطبوعہ مکتبہ المصطفیٰ، استنبول)

سید حسین احمد مدنی لکھتے ہیں: محمد بن عبد الوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا۔ (یہ ۱۱۷۵ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۵۶ھ میں مر گیا۔ سعیدی غفرلہ) اور چونکہ یہ خیالات بالکلہ طور عقائد کا سد کار د کرتا تھا، اس لیے اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل و قتل کیا، ان کو پلیر اپنے خیالات کی تکلیف دینا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا، اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً تکلیف شاذ پہنچائیں، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے، بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا، اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوجوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ (الحاصل، ص ۱۷۱، ایک عالم دہانی و خوشنوا، شخص تھا) (شلب، قائب، ص ۳۲، مطبوعہ کتب خانہ امرازیہ، دیوبند، مطبع سدن پورا)

نیز حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

۱۔ محمد بن عبد الوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمان دیار مشرک و کافر ہیں، اور ان سے قتل و قتل کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے۔

۲۔ نجدی اور اس کے اتباع کا لب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء عظیم اسلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے، بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ (شلب، قائب، ص ۳۳)

۳۔ زیارت رسول مقبول ﷺ و حضوری آستانہ شریفہ و ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت، حرام وغیرہ لکھتا ہے، اس طرف اس نیت سے سفر کرنا منظور و ممنوع جانتا ہے۔ بعض فن میں کے سفر زیارت کو مطلقاً زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں، اگر مسجد نبوی میں جلتے ہیں تو صلوة و سلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے، اور نہ اس طرف توجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔ (شلب، قائب، ص ۳۵)

۴۔ شان نبوت و حضرت رسالت علیٰ صاہمہما الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زندہ تبلیغ کی جاتے ہیں، اور اپنی شعلوت قلبی و ضعف اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق اب ہم پر نہیں، اور نہ کوئی احسان اور فائدہ ان کی ذات پاک سے بعد وفات ہے، اور اسی وجہ سے توسل و دعائیں آپ کی ذات پاک سے بعد وفات ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں کا مقولہ ہے: نقل کفر، کفر نہ باشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاشی ذات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے، ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں، اور ذات نضر عالم چھوڑ تو یہ بھی نہیں کر سکتے (شلب ماقب، ص ۷۷)۔

۵۔ وہابیہ اشغال باطنیہ و اہل صوفیہ مراقبہ ذکر و فکر و ارادت و مشہخت و ربط القلب بالشیخ و فنا و بقا و خلوت وغیرہ اعمال کو فضول و لغو بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں، اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک و فحش کہتے ہیں، اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ و مستحب، بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں۔ (شلب ماقب، ص ۵۹)۔

۶۔ وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالت جانتے ہیں اور ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ وہابیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت و الجماعت کے مخالف ہو گئے، چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شیعہ کے ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقت انکسار دعویٰ ضعیف ہوئے، مگر اقرار کرتے ہیں، لیکن عمل و درآمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے، بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ حنابلہ خیال کرتے ہیں، اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (شلب ماقب، ص ۷۳-۷۴)۔

۷۔ مثلاً علیٰ العرض استوی وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استواء ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے نبوت، جمہیت وغیرہ لازم آتا ہے۔ مسئلہ نداء رسول پیغمبر میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں۔ (الی قولہ) چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا مانا گیا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے کو سخت منع کرتے ہیں، اور اہل حرمین پر سخت نفرت اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں، اور کلمات بشارتہ استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مقدس بزرگن دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ ہمیشہ نداء و خطاب کیوں نہ ہو، مستحب و مستحسن جانتے ہیں، اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔ (الی قولہ) وہابیہ نجد یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور بر ملا کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں استعانت بغیر اللہ ہے اور وہ شرک ہے، اور یہ بھی ان کے نزدیک سب مخالفت کی ہے، حالانکہ یہ اکابر مقدسین دین متین اس کو ان اقسام استعانت میں سے شمار نہیں کرتے جو کہ مستوجب شرک یا باعث ممانعت ہو۔ (شلب ماقب، ص ۶۵-۶۶، ملخصاً)

۸۔ وہابیہ خبیثہ کثرت صلوٰۃ و سلام و درود پر خیر الایام علیہ السلام اور قرأت و تلاکل الخیرات و قصیدہ بردہ و قصیدہ ہمزہ وغیرہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے و درود پڑھنے کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں، اور بعض اشعار کو قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً

یا اشرف۔ العلق ما لی من الذی بہ

سواک عند حلول الحادث العمم

”اے افضل مخلوقات! میرا کوئی نہیں جس کی ہڈ پکڑوں، بجز تیرے، بروقت نزول حوادث“۔ (شلب ماقب، ص ۶۶)

۹۔ وہابیہ امر شفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلہ عدم کو پہنچا دیتے ہیں۔ (شلب ماقب، ص ۶۷)

۱۰۔ وہابیہ سوائے علم احکام الشرائع جملہ علوم اسرار حقیقی وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خالی

جانتے ہیں۔ (شباب ماقب، ص ۶۷)

۱۱۔ وہابیہ نفس ذکر وادوات حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبیح بدعت کہتے ہیں اور علیٰ هذا القیاس ازکار اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں۔ (شباب ماقب، ص ۶۷)

وہابیہ نے علماء حرمین شریفین کے خلاف کیا تھا اور کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے جبکہ وہ غلبہ کر کے حرمین شریفین پر حاکم ہو گئے تھے ہزاروں کو تیغ کر کے شہید کیا اور ہزاروں کو سخت ایذائیں پہنچائیں بار بار ان سے مباہلے ہوئے۔ ان سب امور میں ہمارے اکابر ان کے سخت مخالف ہیں۔ (شباب ماقب، ص ۶۸-۶۷) مطبوعہ کتب خانہ امرازیہ، دیوبند، ضلع سوات پور)

شیخ خلیل ابیشہوی نے ایک کتاب لکھی ہے "اتصافات لمفع التلبسات" اس میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک محمد بن عبد الوہاب کا وہی حکم ہے جو صاحب الدر المختار نے خوارج کا لکھا ہے۔ اور جو علامہ شامی نے محمد بن عبد الوہاب کے متعلق لکھا ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی، شیخ شبیر احمد عثمانی، شیخ حبیب الرحمن اور دیگر اکابر دیوبند نے اس کی تصدیق کی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

حرمین شریفین کے لوگ شیخ نجدی کے نام سے بھی ناراض ہوتے ہیں، کیونکہ شیخ نجدی ان کے لیے شدید تکلیف اور مصائب کا سبب بنا تھا۔ پس جو شخص بھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ہو کر آتا ہے وہ اپنے دل میں محمد بن عبد الوہاب کے خلاف سخت غم و غصہ لے کر آتا ہے۔ (سوانح السوانح من عیون الاخبار والفوائد، ص ۳۸)

حضرت علی کی خلافت کا غیر منصوص ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار آج تمہارے دین (کی ناکامی) سے ہایوس ہو گئے۔ پھر اس کو موکد فرمایا، تم ان سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منصوص اور واجب الاطاعت نہیں تھی، ورنہ جو شخص اس نص کو چھپانے کا ارادہ کرتا یا اس میں تغیر اور تحریف کا ارادہ کرتا وہ اس دین کی ناکامی سے ہایوس ہو جاتا، جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور صحابہ میں سے کوئی شخص بھی اس نص کو چھپانے پر فکر نہ ہوتا۔ اور جب اس نص کا کہیں کوئی ذکر نہیں آیا کسی حدیث اور کسی اثر میں اس کا بیان نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ شیعہ اور رافضیوں کا یہ پردہ پیچنا باطل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت اور خلافت کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے نص صریح تھی اور صحابہ نے اس کو چھپالیا۔ کیونکہ اگر اس نص کا تعلق دین کی کامیابی اور اس کے غلبہ سے ہوتا، جیسا کہ شیعہ کا دعویٰ ہے تو پھر اس کے چھپانے سے دین کے مخالف ہایوس ہو چکے تھے اور شیعہ صحابہ کو دین کا مخالف اور کافر ہی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے

لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا (المائدہ: ۳)

تدریجاً احکام کا نزول دین کے کامل ہونے کے منافی نہیں

یہ آیت حجتہ الوداع کے سال دس ہجری کو عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اور اس دن دین کامل ہوا ہے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا اس سے پہلے دس سال تک دین ناقص رہا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں فرائض اور واجبات اور محرمات اور مکروہات پر مشتمل احکام کا نزول تدریجاً ہوا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا نزول بھی تدریجاً ہوا ہے اور اس آیت میں دین کے کامل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اصول اور فروع، عقائد اور احکام شرعیہ کے متعلق جتنی آیات نازل ہوئی تھیں وہ تمام آیات اللہ تعالیٰ نے نازل کر دی ہیں۔ عقائد کے باب میں تمام آیات نازل کر دی گئیں۔ اسی طرح قیامت تک پیش آنے والے مسائل اور

حوادث کے متعلق تمام احکام کے متعلق آیات نازل کر دی گئیں اور ان کی تشریح زبان رسالت سے کر دی گئی ہے۔ دین اسلام تو ہمیشہ سے کامل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بندوں کی آسانی کے لیے اس کا بیان تدریجاً فرمایا، کیونکہ جو لوگ کفر اور برائی میں سر سے چرتک ڈوبے ہوئے تھے، اگر ان کو یک لخت ان تمام احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا جاتا تو یہ ان کی طبیعت پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی سہولت کی خاطر اس کا بیان رفتہ رفتہ اور تدریجاً فرمایا اور آج یہ بیان اپنے تمام و کمال کو پہنچ گیا۔

اسلام کا کامل دین ہونا ادیان سابقہ کے کامل ہونے کے منافی نہیں

اس آیت پر دو سو سو سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اسلام کو کامل دین فرمایا ہے، تو کیا حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء سابقین کا دین کامل نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام ادیان سابقہ اپنے اپنے زمانوں کے لحاظ سے کامل تھے۔ ان کے زمانوں میں تہذیب و تمدن کے جو تقاضے تھے اور ان کی رعایت سے جس طرح کے شرعی احکام ہونے چاہئیں تھے، اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی احکام نازل فرمائے، پھر حالات کے بدلنے اور تہذیب و ثقافت کی ترقی سے تقاضے بدلنے لگے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر بعد کی شریعت میں پہلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کر دیئے اور نئے احکام کا یہ سلسلہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک جاری رہا، بلکہ آپ کی شریعت میں بھی بعض احکام منسوخ کیے گئے۔ لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی حکم منسوخ نہیں ہو گا اور اب جس قدر احکام ہیں، وہ سب محکم ہیں اور ناقابل تنسیخ ہیں، اور قیامت تک یہ تمام احکام بغیر العمل رہیں گے، الا یہ کہ جس حکم کی مدت خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادی ہے۔ مثلاً جزیہ کی مدت نزول عیسیٰ علیہ السلام تک ہے، اور اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس وقت سب مسلمان ہو جائیں گے۔ لہذا کسی سے جزیہ لینے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ادیان سابقہ میں سے ہر دین کامل تھا، لیکن اس کا مکمل اضالی تھا، وہ دین جس زمانہ اور جس قوم اور جس علاقہ کے لیے تھا، اس کے لحاظ سے وہ دین کامل تھا اور اسلام بھی دین کامل ہے اور اس کا مکمل حقیقی ہے، یہ اپنے زمانہ نزول سے لے کر قیامت تک کے لیے کامل ہے، تمام لوگوں کے لیے اور تمام دنیا کے لیے اب یہی دین ہے اور یہی مکمل حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلْعَالَمِينَ بَشِيرًا
وَنَذِيرًا (سبا: ۲۸) رسول بنایا در آنحالیکہ آپ خوشخبری دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں۔

تَبَرَّكَ الَّذِي تَرَى الْعُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ
لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (العنقران: ۱) وہ برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندہ پر کتاب فیصل نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔
وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينَ سَأَلَ يَفْضَلْ مِنْهُ
(آل عمران: ۸۵) جس شخص نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا، تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر چودہ سو سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع العلم (ایسا کلام جس میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ ہوں) عطا کیے گئے اور رعب سے میری مدد کی گئی اور غصہ غصہ میرے لیے حلال کر دی گئیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی (آلہ تمہم) اور مسجد بنادیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا اور حضرت جابر کی روایت میں ہے ہر نبی کو بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث

کیا جاتا تھا اور مجھے ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۲۱-۵۲۳، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۹)
قرآن مجید کی آیات اور اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ کو قیامت تک تمام لوگوں کیلئے رسول بنایا گیا ہے اور اسکا معنی یہ ہے کہ آپ کی شریعت قیامت تک کیلئے ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ سو واضح ہو گیا کہ باقی ادیان اپنے اپنے زمانوں کے اعتبار سے کال تھے اور اسلام قیامت تک کیلئے کال دین ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اسلام کے متعلق فرمایا کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کال کر دیا۔
یوم میلاد النبی ﷺ کا عید ہونا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ بیان کرتے ہیں: یہ آیت جتہ الوداع کے سال یوم عرفہ کو ہمز جمعہ نازل ہوئی اس کے بعد فرائض سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی نہ طہال بعد حرام سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف اکیس روز زندہ رہے۔ ابن جریر سے اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں: عمار بن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی: "الیوم اکملت لکم دینکم" الا یہ تو اس یہودی نے کہا اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوئی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے، یوم الجمعہ اور یوم عرفہ کو۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید ہے اور عرفہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کی صرف دو عیدیں ہیں انہوں نے اس حدیث پر غور نہیں کیا۔ البتہ ایہ کہا جاسکتا ہے کہ مشہور عیدیں صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں جن کے مخصوص احکام شریعہ ہیں۔ عید الفطر میں صبح اظہار کیا جاتا ہے، اس کے بعد دو رکعت نماز عید گاہ میں پڑھی جاتی ہے اور اس کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے اور عید الاضحیٰ میں پہلے نماز اور خطبہ ہے اور اس کے بعد صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے۔ جمعہ کا دن مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے اور اس میں ظہر کے بدلہ میں نماز اور خطبہ فرض کیا گیا ہے اور عرفہ کے دن غیر حجاج کے لیے روزہ رکھنے میں جزی فیصلت ہے اور اس سے دو سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

علامہ رافع اصلمانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عید اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے اور شریعت میں عید کا دن یوم الفطر اور یوم النحر (قربانی کا دن) کے ساتھ مخصوص ہے اور جبکہ شریعت میں یہ دن خوشی کے لیے بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں متنبہ فرمایا ہے یہ کھانے پینے اور ازدواجی عمل کے دن ہیں اور عید کا لفظ ہر اس دن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں کوئی خوشی حاصل ہو اور اس پر قرآن مجید کی اس آیت میں دلیل ہے:

قَالَ عَبَّاسُ ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ (المائدہ ۱۱۳)
یعنی ابن مریم نے عرض کیا: اے اللہ! ہمارے رب! آسمان سے ہم پر کھانے کا خوان نازل فرما جو ہمارے انگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی۔

(المفردات، ص ۲۵۲، مطبوعہ المکتبۃ المرقسویہ، ایران، ۱۳۶۳ھ)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شرعی اور اصطلاحی عید تو صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں اور یوم عرفہ اور یوم جمعہ عرفہ عید ہیں اور جس دن کوئی نعمت اور خوشی حاصل ہو وہ بھی عرفہ عید کا دن ہے اور تمام نعمتوں کی اصل سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ سو جس دن یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی وہ تمام عیدوں سے بڑھ کر عید ہے اور یہ بھی عرفہ عید ہے، شرعاً عید نہیں ہے، اس لیے مسلمان ہمیشہ سے اپنے نبی ﷺ کی ولادت کے دن بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی مناتے ہیں۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ بارہ ربیع الاول نبی ﷺ کا یوم ولادت ہے اور بعض اقوال کے مطابق آپ کا یوم وفات بھی یہی ہے۔ تم اس دن نبی ﷺ کی ولادت پر خوشی مناتے ہو۔ اس دن آپ کی وفات پر سوگ کیوں نہیں مناتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ہمیں نعمت پر خوشی منانے، اس کا اظہار اور بیان کرنے کا تو حکم دیا ہے اور کسی نعمت کے چلے جانے پر سوگ منانے سے منع کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم غم اور سوگ کیوں کریں؟ نبی ﷺ جس طرح پہلے زندہ تھے، اب بھی زندہ ہیں۔ پہلے دارالخلیق میں زندہ تھے، اب دارالجزاء اور جنت میں زندہ ہیں، آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، نیک اعمال پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور برے اعمال پر آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ آپ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں، طالبین شفاعت کے لیے شفاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مطالعہ اور مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں اور آپ کے مراتب اور درجات میں ہر آن اور ہر لمحہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اس میں غم کرنے کی کون سی وجہ ہے؟ جبکہ آپ نے خود یہ فرمایا ہے میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری ممات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔ (الوفاء باحوال الصوفی، ص ۸۰)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید میلاد منائی، ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسول کریم ﷺ کی پیدائش پر عید میلاد النبی کے نام سے ایک عید بتادی، اس روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات میں چراغوں کو عجلت سمجھ کر کرنے لگے۔ جس کی کوئی اصل صحابہ و تابعین اور اسلاف امت کے عمل میں نہیں ملتی۔ (معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۵، مطبوعہ دارالعارف، کراچی، ۱۳۹۷ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۶ھ نے ایک انٹرویو کے دوران ایک سوال کے جواب میں کہا سب سے پہلے تو آپ کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ اسلام میں عید میلاد النبی کا تصور بھی ہے یا نہیں۔ اس سوال کو، جس کو حادی اسلام ﷺ سے منسوب کیا جاتا ہے حقیقت میں اسلامی سوال ہی نہیں۔ اس کا کوئی ثبوت اسلام میں نہیں ملتا، حتیٰ کہ صحابہ کرام نے بھی اس دن کو نہیں منایا۔ افسوس اس سوال کو دیوبالی اور دسروں کی شکل دے دی گئی ہے، لاکھوں روپیہ برباد کیا جاتا ہے۔

(نعت روزہ قدیل، لاہور، ۳ جولائی ۱۹۶۶ء)

عام طور پر شیخ محمد بن عبد الوہاب کے متبعین اور علماء دیوبند یہ تاثر دیتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا اہل سنت و جماعت کا طریقہ ہے اور ان کی ایجاب و اخراج ہے۔ جیسا کہ مذکور الصدر اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ سے اہل اسلام بارہ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں، اور ان ایام کو عید مناتے رہے ہیں۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۱۲۷۱ھ لکھتے ہیں:

ہمیشہ سے اہل اسلام رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے رہے ہیں اور دعوتیں کرتے رہے ہیں، اور اس مہینہ کی راتوں میں مختلف قسم کے صدقات کرتے ہیں، خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اور نیک اعمال زیادہ کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس کی برکت سے ان پر فضل عام ظاہر ہوتا ہے۔ میلاد شریف منعقد کرنے سے یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ انسان کو اپنا نیک مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جس

نے مولود مبارک کے مہینہ کی راتوں کو عیدیں بنادیا۔ (الروایب اللہ نیہ 'ج ۸' ص ۷۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)
علامہ قسطلانی نے علامہ محمد بن محمد ابن الجزری متوفی ۸۳۳ھ کی اس عبارت کو ابن کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ علامہ محمد بن عبد الباقی زرقلی مالکی متوفی ۱۱۲۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ قرون ثلاثہ میں اس محفل کے انعقاد کا اہتمام نہیں ہوتا تھا، لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔ اس عمل میں بعض دنیا دار لوگوں نے جو منکرات شامل کر لیے ہیں، علامہ ابن الخلیج مالکی نے بد عمل میں ان کا رد کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اس مہینہ میں نیکی کے کام زیادہ کرنے چاہئیں اور صدقات، خیرات اور دیگر عبادات کو بہ کثرت کرنا چاہیے اور یہی مولود منانے کا مستحسن عمل ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ارمل کے پادشاہ ملک مظفر ابو سعید متوفی ۶۳۰ھ نے سب سے پہلے میلاد النبی کی محفل منعقد کی۔ یہ بہت بے باور عالم، عاقل، نیک اور صالح پادشاہ تھا، یہ تین سو دینار خرچ کر کے بہت عظیم دعوت کا اہتمام کرتا تھا۔ (شرح الروایب اللہ نیہ 'ج ۸' ص ۷۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں ہم نے بہت تفصیل سے میلاد النبی منانے پر بحث کی ہے اور علامہ سیوطی، ملا علی قاری اور دیگر علماء نے کتب و سنت سے جو میلاد النبی کی اصل نکل ہے اور معتزین کے جوابات دیئے ہیں اور اس پر دلائل فراہم کیے ہیں، ان کو تفصیل سے لکھا ہے۔ بعض شہوس میں میلاد النبی کے جلوس میں بعض لوگ باجے گاجے اور غیر شرعی کام کرتے ہیں اور ہمارے علماء ہمیشہ اس سے منع کرتے ہیں۔ تاہم اکثر شہروں میں بالکل پاکیزگی کے ساتھ جلوس نکالا جاتا ہے۔ میں دو مرتبہ برطانیہ گیا اور میں نے وہاں اس مہینہ میں متعدد جلوسوں میں شرکت کی۔ ان جلوسوں میں نعت خوانی اور ذکر اذکار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، کوئی غیر شرعی کام نہیں ہوتا اور تمام شرکاء جلوس باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور بعد ازاں جلسہ ہوتا ہے جس میں نئی چیزوں کے فضائل اور محملہ بیان کیے جاتے ہیں۔

پہلے دیوبند اور جماعت اسلامی کے علماء عید میلاد النبی منانے اور جلوس نکالنے پر انکار کرتے تھے، لیکن اب تقریباً پندرہ بیس سال کے عرصہ سے دیوبند اور جماعت اسلامی کے مقتدر علماء میلاد النبی منانے کا جلوس نکالنے اور اس میں شرکت کرنے لگے ہیں اور سپاہ صحابہ کے اکابر علماء حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ایام بھی منانے لگے ہیں۔ ان دنوں میں جلوس نکالتے ہیں اور حکومت سے ان ایام میں سرکاری تعطیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ عید میلاد النبی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کا یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے اور کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا جس کا حاصل اشخاص خاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں ہے اس نے ان تمام رسوم جاہلیت اور شخصیات یا گادوں کو چھوڑ کر اصولی اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنادیا۔

(معارف القرآن 'ج ۳' ص ۳۴، مطبوعہ ادارہ المعارف، کراچی ۱۳۹۷ھ)

لیکن اب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء دیوبند کی طرف سے نہ صرف ایام صحابہ منائے جلتے ہیں، بلکہ وہ اپنے اکابرین مثلاً شیخ اشرف علی تھانوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی کے ایام بھی مناتے ہیں اور دیوبند کا صد سالہ جشن بھی منایا گیا۔ ہم پہلے میلاد النبی کے جلوسوں اور جلوسوں میں مقتدر علماء دیوبند کی شرکت کو باحوالہ بیان کریں گے۔ پھر ایام صحابہ اور ایام اکابرین دیوبند کو ان حضرات کا منانا بیان کریں گے۔ جماعت اسلامی کا ترجمان روزنامہ جسارت لکھتا ہے:

پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے کہا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کے بعد قومی اتحاد نے وہ مثبت مقصد

حاصل کر لیا ہے جس کے لیے اس نے ان تحکیم اور مسلسل تحریک چلائی تھی۔ وہ آج یہاں مسجد نیلا گنبد پر نماز ظہر کے بعد قومی اتھلو کے زیر اہتمام عید میلاد النبی کے عظیم الشان جلوس کے شرکاء سے خطاب کر رہے تھے۔ اس موقع پر قومی اتھلو کے نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں، امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں محمد طفیل، وفاق وزیر قدرتی وسائل چودھری رحمت الہی اور مسلم لیگ ق کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم نے بھی خطاب کیا۔ تقریروں کے بعد مفتی محمود اور دیگر رہنماؤں نے مسجد نیلا گنبد میں ہی نماز عصر ادا کی، جس کے بعد ان رہنماؤں کی قیادت میں یہ عظیم الشان جلوس مختلف راستوں سے مسجد شہداء پہنچ کر ختم ہوا، جہاں شرکاء جلوس نے مولانا مفتی محمود کی قیادت میں نماز مغرب ادا کی۔ (روزنامہ جسارت، ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

جماعت اسلامی اور دیوبندی ارکان پر مشتمل قومی اتھلو کی حکومت کے دور میں عید میلاد النبی کے موقع پر روزنامہ جنگ کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیے۔

جشن عید میلاد النبی آج جوش و خروش سے منایا جائے گا، تقریبات کا آغاز ۱۱ توپوں کی سلامی سے ہوگا گورنر کی صدارت میں جلسہ ہوگا، شہر بھر میں جلوس نکالے جائیں گے، نشتہ پارک آرام باغ اور دیگر علاقوں میں جلسے ہوں گے۔

(روزنامہ جنگ کراچی، ۹ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ حریت کی ایک خبر ملاحظہ فرمائیں:

اسلامی قوانین کے خلاف کے بعد قومی اتھلو کی تحریک کا مثبت مقصد حاصل ہوگا۔ مفتی محمود نے کہا، معاشرے کو مکمل طور پر اسلامی بنانے میں کچھ وقت لگے گا، عید میلاد کے موقع پر مفتی محمود کی قیادت میں عظیم الشان جلوس۔

(روزنامہ حریت، ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ مشرق کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

لاہور ۹ فروری (پ پ ا) قومی اتھلو کے صدر مولانا مفتی محمود اور نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں کل یہاں عید میلاد النبی کے جلوس کی قیادت کریں گے، یہ اجلاس نیلا گنبد سے نکل کر مسجد شہداء پر ختم ہوگا۔

(روزنامہ مشرق کراچی، ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء)

جمعیت علماء اسلام کے مولانا محمد اجمل خاں نے مطالبہ کیا ہے کہ خلفاء راشدین کے ایام سرکاری طور پر منائے جائیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۰ جون ۱۹۹۲ء)

سپاہ صحابہ کے سربراہ ضیاء الرحمن فاروقی نے اعلان کیا ہے کہ یکم محرم کو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت منایا جائے گا اور جلوس بھی نکالے جائیں گے۔ (نوائے وقت، لاہور، ۲۲ جون ۱۹۹۳ء)

سپاہ صحابہ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی نے یکم محرم الحرام کو یوم فاروق اعظم کی سرکاری تعطیل پر کہا ہے کہ آج کا دن عید کا دن ہے۔ (نوائے وقت، ۱۷ جون ۱۹۹۳ء)

سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام گزشتہ روز ۲۲ فروری کو پورے ملک میں مولانا حق نواز بھنگوی شہید کا یوم شہادت انتہائی عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ سپاہ صحابہ جمعہ کے زیر اہتمام احزاب پارک محلہ حق نواز شہید میں ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی۔

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سپاہ صحابہ کے قائم مقام سرپرست اعلیٰ مولانا محمد اعظم طارق ایم۔ این۔ اے نے کہا کہ ۲۲ فروری کی نسبت سے حضرت بھنگوی شہید کی شہادت کا دن ہے۔ اور ۲۱ رمضان المبارک کی نسبت کی وجہ سے یہی دن حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی شہادت کا دن ہے۔ (نوائے وقت، لاہور، ۲۳ فروری ۱۹۹۵ء)

سپاہ صحابہ کے بانی مولانا حق نواز جھنگوی کی دوسری برسی کے موقع پر ۲۲ فروری کو پاکستان سمیت دیگر ممالک میں مولانا جھنگوی کی یاد میں سپاہ صحابہ جلسے، سیمینار اور دیگر تقریبات منعقد کرے گی۔ سپاہ صحابہ کے تمام مراکز و دفاتر میں ایصالِ ثواب کے لیے صبح نو بجے قرآن خوانی ہوگی۔ مرکزی تقریب جھنگ میں مولانا جھنگوی کی مسجد میں قرآن خوانی سے شروع ہوگی اور بعد میں عظیم الشان جلسہ ہوگا جس میں قائدین خطاب کریں گے۔ (وائے وقت لاہور ۲۱ فروری ۱۹۹۳ء)

یوم فاروق اعظم جہیز پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کا مظاہرہ

خلفائے راشدین کے یوم سرکاری سطح پر نہ منانا قابلِ فہم ہے، محمد احمد مدنی کا مظاہرین سے خطاب۔

کراچی (پ ر) سپاہ صحابہ کے زیرِ اہتمام یوم شہادت فاروق اعظم جہیز عقیدت و احرام سے منایا گیا، اس سلسلے میں جامعہ صدیق اکبر ناگن چورنگی میں اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ڈویژنل رہنما علامہ محمد اویس نے حضرت عمر فاروق کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں یوم شہادت حضرت عمر فاروق پر عام تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کے تحت احتجاجی مظاہرہ کیا گیا، مظاہرین پلے کارڈ اور بینر اٹھائے ہوئے تھے، جن پر یوم خلفائے راشدین کو سرکاری سطح پر منانے، اس روز عام تعطیل کرنے، اصحاب رسول ﷺ کے خلاف لڑیچہ کی جھڑپ اور امیر رہنماؤں اور کارکنوں کی رہائی پر مشتمل مطالبات درج تھے۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے صوبائی سیکرٹری جنرل مولانا محمد احمد مدنی نے کہا کہ ملک میں ملکی اور علاقائی سطح کے رہنماؤں کے یوم منائے جاتے ہیں، لیکن اسلامی ملک میں خلفائے راشدین کے یوم پر تعطیل نہ کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ اس موقع پر ایک قرارداد کے ذریعے مولانا علی شیر حیدری، مولانا اعظم طارق، حافظ احمد بخش اینڈ وکیٹ، مولانا غفور ندیم اور دیگر کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ دریں اثناء سپاہ صحابہ اسٹوڈنٹس کراچی ڈویژن کے جنرل سیکرٹری حافظ سفیان عباسی، شفیق الرحمن، ابو حمزہ، جی۔ اے قادری اور ایم۔ اے کشمیری نے مظاہرہ میں شرکت پر طلبہ کا شکریہ ادا کیا۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ مئی ۱۹۹۷ء)

عشرہ حکیم الامت منایا جائے گا، مفتی نعیم

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے کہا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تعلیمی، تصنیفی اور اصلاحی خدمات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں، جسے کوئی بھی عاشقِ رسول اور محبِ پاکستانی فراموش نہیں کر سکتا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہزار یزیدگوں کے ساتھ لگاؤ اور تعلق اظہارِ من الشمس ہے۔ اجلاس میں سنی مجلس عمل پاکستان کے زیرِ اہتمام عشرہ حکیم الامت منانے کا اعلان کرتے ہوئے مفتی محمد نعیم نے کہا کہ کراچی کے تمام اضلاع میں مولانا اشرف علی تھانوی کی یاد میں مختلف پروگرام منعقد کیے جائیں گے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ جون ۱۹۹۷ء)

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے جامع مسجد صدیق اور گنجی ٹاؤن میں عشرہ حضرت حکیم الامت کے سلسلہ میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف کا مطالعہ کر کے اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مذہب کسی پر بلا تحقیق بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے جھوٹ، فریب اور غیبت سے پرہیز کیا جائے۔ اجتماع سے مولانا غلام رسول، مولانا انصر محمود اور مولانا محمد صدیق نے بھی خطاب کیا۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۳ جولائی ۱۹۹۷ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر (کوئی حرام چیز کھالے) در آنحالیکہ وہ اس کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (المائدہ: ۳)

ضرورت کی بنا پر حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا کھانا مسلمانوں پر حلال حالات میں حرام کر دیا ہے، اس سے ضرورت کے احوال مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً بھوک کی شدت سے کسی شخص کی جان نکل رہی ہو اور اس کے پاس کوئی حلال چیز کھانے کے لیے نہ ہو تو وہ رقی حیات برقرار رکھنے کے لیے حرام چیز کھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے اس حرام چیز کھانے کا شوق اور میلان نہ ہو اور وہ بے طاعتی کی طرف راغب نہ ہو اور جس چیز کو کسی ضرورت کی بناء پر لیا جائے اس کو بہ قدر ضرورت لیا جاتا ہے۔ اس لیے صرف اتنی مقدار میں حرام چیز کھائی جائے جتنی مقدار میں کھانے سے اس کی جان بچ جائے اور لذت اندوزی کے لیے اس حد سے تجاوز نہ کرے، ان چیزوں کا کھانا ہر جہہ کہ بندوں پر حرام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان اور رحیم و کریم ہے اور وہ ضرورت کی وجہ سے اتنی مقدار کھانے کو معاف کر دے گا۔ اسی اصول پر ہمارے فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ جان بچانے کے لیے حرام دوا کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی مسلمان معالج یہ بتائے کہ اس کے علم اور اس کی دسترس میں اس کے سوا اور کوئی حلال چیز ذریعہ علاج نہیں ہے۔ لہذا جان بچانے کے لیے کسی انسان کو خون دیا جاسکتا ہے اور جن دواؤں میں الکحل ہوتی ہے ان کو بھی علاج کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ قلیل الکحل حرام اور نجس نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ نمکیات سے مخلوط ہو۔ اس کی مکمل اور باحوالہ بحث (البقرہ ۱۷۳) میں گزر چکی ہے اور شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں بھی ہم نے اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ سے پوچھتے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہتے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں، اور تمہاریک تم انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔ سو اس (شکار) سے کھاؤ، جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لئے روک رکھیں اور شکار چھوڑتے وقت ہاں شکاری جانور پر بسم اللہ پڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ خدا کا مالک ہے (امائدہ ۱)۔

زیر بحث آیت کا معنی اور شان نزول

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے رسول معظم! آپ سے آپ کے اصحاب یہ سوال کرتے ہیں کہ ان کے کھانے کے لیے کون سے جانور حلال ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہنے کہ جن جانوروں کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے، ان کو ذبح کرنے کے بعد تم کھا سکتے ہو اور تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں نے جن جانوروں کو زخمی کر کے شکار کر لیا ہے، ان کو بھی تم کھا سکتے ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے تمہارے لیے طہیات کو حلال کر دیا ہے، طہیات کا معنی ہے وہ چیزیں جن سے طہایع سلیمہ تھمن نہ کھاتی ہوں اور غمظ اور متوحش نہ ہوں۔ یہ ملحق کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ طہیات وہ چیزیں ہیں جن کی تحریم میں نص وارد نہ ہو، نہ ان کی حرمت پر اجماع ہو اور نہ قیاس سے ان کی حرمت ثابت ہو۔ پہلے قول کی بناء پر اس سے مراد لذیذ اشیاء ہیں اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد حلال اشیاء ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حلال اور لذیذ چیزیں ہیں۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۵۵ھ نے یہ روایت ذکر کی ہے:

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اجازت دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے کہا، لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتاب ہو۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینہ کے ہر گھر کو قتل

کردوں اس میں نے کتوں کو قتل کر دیا۔ پھر میں ایک عورت کے پاس پہنچا جس کے پاس کتا بھوک رہا تھا میں نے اس پر رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیا پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے مجھے اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا پھر میں نے اس کو بھی قتل کر دیا پھر مسلمانوں نے آکر آپ سے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں ان کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کی کوئی چیز حلال ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہتے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں اور آنحالیہ تم انہیں شکار کے طریقہ سکھانے والے ہو۔ (الایہ۔)

(جامع البیان ج ۶ ص ۱۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ سن کبریٰ ۱۳۵۵ھ ج ۲ ص ۲۳۵ المستدرک ج ۲ ص ۳۱۱)
شکار کی اقسام اور ان کے شرعی احکام
علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں۔

شکار کرنا مباح ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کتاب سنت اور اجماع سے اس پر بکثرت دلائل ہیں۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ جو شخص کسب معاش کے لیے شکار کرے یا ضرورت کی بناء پر شکار کرے یا شکار یا اس کی قیمت سے نفع حاصل کرنے کے لیے شکار کرے تو ان تمام صورتوں میں شکار کرنا جائز ہے۔ البتہ جو شخص بطور لہو و لعب کے شکار کھیلے لیکن اس کا قصد اس شکار کو ذبح کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہو اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور یسٹ اور ابن عبدالحکم نے اس کو جائز کہا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ذبح کی نیت کے بغیر شکار کھیلے تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ زمین میں نسل کرنا ہے اور ایک جاندار کو بے مقصد ضائع کرنا ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ مطبوعہ کراچی)

علامہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں۔

علامہ نعمی نے شکار کے حکم کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) زندگی برقرار رکھنے کے لیے یعنی کھانے پینے کے لیے شکار کرنا مباح ہے (۲) اہل و عیال کی تنگی کے وقت یا سواحل سے بچنے کے لیے شکار کرنا مستحب ہے (۳) اپنے آپ کو بھوک کی ہلاکت سے بچانے کے لیے شکار کرنا واجب ہے (۴) لہو و لعب کے لیے شکار کرنا مکروہ ہے جبکہ شکار کے بعد جانور کو ذبح کر کے کھا یا جائے۔ (۵) ذبح کرنے اور کھانے کی نیت کے بغیر شکار کرنا حرام ہے۔

علامہ ابی مالکی فرماتے ہیں بلا ضرورت محض لہو و لعب کے لیے شکار کرنے میں بہت مفاسد ہیں۔ اس میں گھوڑے کو کتے کے پیچھے بھاگ کر تھکنا ہے اور اگر باز سے شکار کیا جائے تو نظر کو اس کے پیچھے لگا کر تھکنا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھوڑا اس کو کسی کھائی یا کنوئیں میں گرا دے۔ (الکمال الکمل اعظم ج ۵ ص ۲۶۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شکار کی شرائط کا بیان

شمس الائمہ علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

۱۔ جس جانور کے ساتھ شکار کھلیا جائے وہ سدھایا ہوا ہو۔

۲۔ جس جانور کے ساتھ شکار کیا جائے وہ زخمی کرنے والا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَمَا عَلَّمْنَاهُ مِنَ

الحيوان مَكْلَسِينَ تَعْلَمُونَهُنَّ مَعَآلِمَهُنَّ" اور جن شکاری جانوروں (زخمی کرنے والے) کو تم نے سدھالیا ہے جن کو خدا کے دیئے ہوئے علم کے مطابق تم شکار کی تعلیم دیتے ہو جو ارجح (زخمی کرنے والے) کے متعلق دو قوس

ہیں۔ (۱) وہ جانور اپنے دانتوں اور پنجوں سے حقیقتاً زخم ڈالے (۲) وہ شکار کو پکڑ کر لانے والے جانور ہوں، کیونکہ جرح کا معنی کسب بھی ہے۔

۳۔ شکاری جانور کو بھیجا جائے، کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم جہنی سے فرمایا: جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بھیجا اور اس پر بسم اللہ پڑھ لی تو اس کو کھالو اور اگر تمہارے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا شریک ہو گیا تو پھر اس (شکار) کو مت کھاؤ اور جب دو کتوں میں سے ایک کتا بھیجا ہو انہ ہو تو کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتے کو بھیجنا شرط ہے۔ نیز زکاة حلت کا سبب اس وقت ہوتی ہے جب اس کا حصول کسی آدمی سے ہوا ہو اس لیے شکار کے آگے کو آدمی کا قائم مقام بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں آدمی کا فعل داخل ہو اور یہ صرف شکاری جانور کو بھیجنے سے ہو سکتا ہے اور کتے کے لیے سدھائے ہونے کی شرط بھی اس میں بھیجنے کے تحقق کے لیے لگائی گئی ہے۔

۴۔ بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور کو بھیجے۔

۵۔ اس کے بھیجے ہوئے جانور کے ساتھ دوسرا جانور شریک نہ ہو۔

۶۔ جس جانور کا شکار کیا جائے وہ فی نفسه حلال ہو۔

شکار کرنے والے جانوروں کا بیان

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الرضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

سدھائے ہوئے کتے، چیتے، تمام زخمی کرنے والے اور سدھائے ہوئے جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ تمام سدھائے ہوئے اور پھاڑنے والے درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں سے شکار کرنا جائز ہے۔ اور سدھائے ہوئے جانور کے سوا کسی اور جانور سے شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ الایہ کہ اس کو ذبح کر لیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”و ما علمتم من الحیوان مکتلبس“ تم نے جو (شکار کا) کسب معاش کرنے والے جانور سدھائے ہیں، اور آنحالیکہ وہ شکار پر مسلط ہونے والے ہیں، یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے تمام شکار کرنے والے جانوروں کو شامل ہے۔ اور حضرت عدی بن حاتم جہنی کی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ہر چند کہ حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں کلب کا ذکر ہے۔ لیکن لغت کے اعتبار سے ہر درندے پر کلب کا اطلاق ہوتا ہے، حتیٰ کہ شیر پر بھی کلب کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے ابن جانوروں سے شیر اور ریچھ کا استثناء کیا ہے۔ کیونکہ یہ جانور دوسروں کے لیے کام نہیں کرتے۔ شیر اپنی بلند ہمت کی وجہ سے اور ریچھ اپنی خستگی کی وجہ سے۔ بعض علماء نے چیل کا بھی اس کی خستگی کی وجہ سے استثناء کیا ہے۔ خنزیر بھی ابن جانوروں سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ نجس الحین ہے اس لیے اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر ان شکاری جانوروں کو تعلیم دینا اور سدھانا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی نص صریح (و ما علمتم) میں تعلیم کی شرط کا ذکر ہے اور حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں بھی تعلیم کی شرط کا ذکر ہے۔ اور جانور کو چھوڑنا بھی ضروری ہے کیونکہ یہی تعلیم کا معیار ہے کہ جب جانور کو چھوڑا جائے تو وہ چلا جائے اور اپنے مالک کے لیے شکار کو پکڑ کر رکھے۔

(حدایہ اخیرین، ص ۵۰۲، مطبوعہ شرکت علیہ لبنان)

شکاری کتے کے معلم (سدھائے ہوئے) ہوئے کا معیار اور شرائط

شمس الائمہ سرفی نے کلب معلم (سدھائے ہوئے کتے) کی حسب ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

۱۔ اپنے مالک کے پیچھے حملہ کرنے کے لیے نہ دوڑے۔

۲۔ مارے نہ کھائے بلکہ شکاری دوسرے کتے کو شکار کھانے پر مارے تاکہ اس سے وہ کتا سیکھ لے کہ شکار کو نہیں کھانا چاہیے۔

جس شکار یا ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ

اورائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

علامہ ابو بکر صاں الحنفی متوفی ۷۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) امام مالک اور حسن بن صالح نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمان (شکار یا ذبیحہ پر) بسم اللہ ترک کر دے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا اور اگر نسیاناً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو پھر اس کو کھایا جائے گا۔ امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں ذبیحہ کو کھایا جائے گا۔ امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہدؓ، عطاء بن ابی رباحؓ، سعید بن مسیبؓ، ابن شلب اور طاؤس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ کو نسیاناً ترک کر دیا جائے اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا مسلمان کے دل میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ جس طرح مشرک کا ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا سود مند نہیں ہے اسی طرح مسلمان کا بھولے سے نام نہ لینا مضر نہیں ہے۔ ابن سیرین نے کہا اگر مسلمان نسیاناً بھی بسم اللہ کو ترک کر دے تو وہ ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ ابراہیم نے کہا ایسے ذبیحہ کو نہ کھانا مستحب ہے۔

علامہ ابو بکر صاں حنفی لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا كُنْتُمْ بِغَيْرِ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَىٰ تَمَتُّعًا وَلَا بِلَهْوٍ (الاعمال ۶-۱۲)

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ بلکہ شبہ اس کو کھانا مکنا ہے۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس (شکار یا ذبیحہ) پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کا کھانا حرام ہے۔ خواہ اللہ کا نام صرف اترک کیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن دلائل سے یہ ثابت ہے کہ یہاں نسیان مراد نہیں ہے۔ البتہ اس فحش کا قول اس آیت کے خلاف ہے جس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ کو ترک کر دیا گیا اس کا کھانا بھی جائز ہے اور اس فحش کا یہ قول بکثرت آثار اور اطلوٹ کے بھی خلاف ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں مشرکین کے ذبیحہ کو کھانے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ مشرکوں نے کہا جس جانور کو تمہارے رب نے قتل کیا اور وہ مر گیا تو تم اس کو نہیں کھاتے اور جس جانور کو تم نے قتل کیا یعنی ذبح کیا اس کو تم کھا لیتے ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یعنی مردار پر اور جب اس آیت میں مردار اور مشرکین کا ذبیحہ مراد ہے تو اس میں مسلمانوں کا ذبیحہ داخل نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ قاعدہ معروف ہے کہ جب کسی آیت کا مورد نزول خاص ہو اور اس کے الفاظ عام ہوں تو پھر خصوصیت مورد اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے اور خصوصیت مورد لحاظ نہیں ہے اور اگر یہاں مشرکین کے ذبح مراد ہوتے تو اللہ تعالیٰ کن کا ذکر فرماتا اور صرف بسم اللہ کے ترک کرنے پر اقتصار نہ فرماتا اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ مشرکین اگر اپنے ذبیحوں پر بسم اللہ پڑھ بھی لیں تب بھی ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہو گا۔

اس آیت میں مشرکین کے ذبح مراد نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ مشرکوں کا ذبیحہ کسی صورت میں حلال نہیں ہے۔ خواہ وہ

بسم اللہ پڑھیں یا نہ پڑھیں اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں شرکوں کے ذبحوں کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔ وہ ہے ”و ما دبح علی النصب“ اور جس جانور کو بتوں کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو ”اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں شرکوں کا ذبح مراد نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وان الشیاطین لیوحون الی اولیائہم لیجادلوکم (الانعام: ۳۱) بلاشبہ شیطان تم سے جھگڑا کرنے کے لیے اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو مت کھاؤ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو کھا لو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”ولا تأکلوا مما مالہم بذر کرام اللہ علیہ“ (الانعام: ۱۴۱) جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ اس حدیث میں حضرت ابن عباس نے یہ بتایا ہے کہ شرکوں کا جھگڑا بسم اللہ کے ترک کرنے میں تھا اور یہ آیت بسم اللہ کو واجب کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ شرکوں کے ذبحوں کے متعلق نازل ہوئی ہے نہ کہ مردار کے بارے میں۔ نیز بسم اللہ کو عہد اترک کرنے سے ذبیحہ یا شکار کے حرام ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

یَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْنَاهُ مِنَ الْحَيَوانِ مَكْلَبٍ نَّعْلِمُونَهُمْ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَاَكْلُوا مِمَّا امْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (المائدہ ۳)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں آپ فرمادیجئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور تم نے جو شکاری جانور سدھالے ہیں در آنھمایکہ تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق انھیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو سو وہ (شکاری جانور) جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھیں اس کو کھاؤ اور (شکار پر چھوڑ دینے کے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو۔

اس آیت میں بسم اللہ پڑھنے کا امر کیا گیا ہے اور امر واجب کے لیے آتا ہے اور یہ بدایت معلوم ہے کہ کھانا کھانے والے پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکار پر جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کی تائید حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اپنا سدھالیا ہوا کتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھ لو تو اس کو کھالیا کرو۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس چیز کا کھانا ممنوع ہو جس پر اللہ کا نام نہیں پیا گیا اور اس آیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ بسم اللہ کو ترک کرنا ممنوع ہو اور اس ممانعت کی یہ تاکید آیت کے اس جزو سے ہوتی ہے و امہ لفسق جس پر اللہ کا نام نہ پیا گیا ہو اس کا کھانا گنہ ہے یا بسم اللہ کو ترک کرنا گنہ ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بسم اللہ کو عہد اترک کرنا گنہ ہے۔ کیونکہ بھول کر کوئی کلام کرنا یا نہ کرنا گنہ نہیں ہوتا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں۔ اور وہ نئے نئے کفر سے نکلتے ہیں۔ ہم کو پتا نہیں کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم اس پر اللہ کا نام لو اور کھاؤ اگر بسم اللہ کو پڑھنا ذبح کی شرط نہ ہو تا تو آپ یہ فرماتے کہ اگر انہوں نے بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو پھر کیا ہوا لیکن آپ نے فرمایا تم اس کو بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے افعال کو جواز اور صحت پر محمول کیا جاتا ہے اور بغیر کسی دلیل کے مسلمانوں کے امور اور افعال کو فسور پر محمول نہیں کیا جاتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہ مراد ہو کہ بسم اللہ کو نہ پڑھنا گنہ ہے تو جو شخص ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھے وہ گنہگار ہوگا

حلال تکہ اس پر اجماع ہے کہ وہ گنہ گار نہیں ہوتا۔ اس لیے اس آیت میں مشرکین کے ذبحے یا مردار مراد ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ اجماع تسلیم نہیں ہے اور جو شخص ذبیحہ پر محمد اسم اللہ کو ترک کرے گا وہ بہر حال گنہ گار ہوگا۔

باقی رہا یہ کہ جو مسلمان بھول کر بسم اللہ ترک کر دے اس کا ذبیحہ جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ اور اس کو گنہ فرمایا ہے۔ اور یہ گنہ اسی وقت ہو تا جب وہ محمد اسم اللہ کی خلاف ورزی کرے گا۔ کیونکہ یہ چیز انسان کی قدرت اور استطاعت میں نہیں ہے کہ وہ بھول کر بھی کوئی غلط کام نہ کرے اور انسان اپنی قدرت کے مطابق ہی ملکوت ہوتا ہے۔ اور امام اوزاعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا نسیان اور جبر سے درگزر فرمایا ہے اور جب وہ نسیان کی حالت میں بسم اللہ پڑھنے کا ملکوت نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔ حالت نسیان میں بسم اللہ ترک کرنے کو حالت نسیان میں شرائط نماز (مثلاً تکبیر اور وضو وغیرہ) ترک کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب انسان کو یاد آجائے کہ اس نے بغیر وضو کے نماز پڑھی ہے تو اس پر اس کا تدارک فرض ہے۔ اسی طور کہ وہ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے اور جب اس نے بھول کر بسم اللہ پڑھے بغیر جانور کو ذبح کر دیا تو اب اس کا تدارک نہیں ہو سکتا اس لیے اس کا ذبیحہ درست قرار پائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بھولے سے روزہ میں کچھ کھا یا پی لیا تو اس کا روزہ صحیح اور برقرار رہے گا۔ کیونکہ وہ اس کا ملکوت ہے کہ وہ اپنے قصد اور ارادے سے روزہ میں کھانے پینے سے اجتناب کرے اور حالت نسیان میں بھی کھانے پینے سے اجتناب کرنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے اسی طرح حالت نسیان میں ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۵۰۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

غلبل، کمان اور دیگر آلات سے شکار کرنے کا حکم

جن آلات سے شکار کیا جاتا ہے ان تمام آلات کے لیے قلعہ کلیہ یہ ہے کہ اگر جانور اس آلہ کی ضرب سے دب کر یا چوٹ کھا کر مر گیا یا گلا گھٹنے سے مر گیا تو وہ حرام ہو گیا اور اگر جانور اس آلہ سے کٹ کر یا چھد کر مرا اس کے زخم آیا اور خون بہا تو پھر وہ جانور حلال ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ایسا آلہ پھینکنا جس سے جانور کا جسم کٹے اور خون بے 'ذکاۃ اضطراری' ہے۔ اختیاری ذکاۃ یہ ہے کہ جانور کو پکڑ کر بسم اللہ اکبر کہتے ہوئے اس کے گلے پر اس طرح چھری پھیریں کہ اس کی چاروں رگیں کٹ جائیں اور جب جانور دور بیٹھا ہو یا بھاگ رہا ہو یا اڑ رہا ہو اور اس کو پکڑ کر معروف طریقہ سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو بسم اللہ پڑھ کر اس پر تیریا کوئی اور آلہ جارح پھینک دیا جائے جس سے زخمی ہو کر وہ جانور مرجائے تو وہ حلال ہو گا اور یہ ذکاۃ اضطراری ہے۔ اور اگر اس جانور پر لاشی پھریا کسی اور وزنی چیز کی ضرب لگائی جائے جس سے وہ دب کر مرجائے یا اس کے گلے میں کوئی پھندا ڈالا جائے جس سے وہ گلا گھٹنے سے مرجائے تو پھر یہ جانور حرام ہے۔ یہ قلعہ کلیہ قرآن مجید کی اس آیت سے مستقلا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
الْخَيْْرِ بِرَوْمًا اَوْ لَعَبًا لِّلْذِي يَبِيْهٍ وَالْمُنْحَنِقَةُ
الْمَوْقُوْدَةُ وَالْمَنْزُوْدَةُ وَالْمُسْتَطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ
السُّعْمُ اِلَّا مَا دَغَبْنٰكُمْ (المائدہ: ۳)

تم پر یہ حرام کیے گئے ہیں۔ مردار، خون، خسربر کا گوشت، جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، جس کا گلا گھوٹا گیا ہو، جو کسی ضرب سے دب کر مرا ہو، اوپر سے گرا ہو، سینک مارا ہو اور جس کو درد نہ دے کھایا ہو، البتہ ان میں سے جس کو

تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا وہ حلال ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ موقوۃ (جو کسی چیز کی ضرب سے دب کر اور چوٹ کھا کر مرا ہو) اور مستحقہ

(جو گلا گھٹ کر مرا ہو) حرام ہے اس لیے اگر کسی ایسے آلہ سے شکار کیا جائے جس سے دب کر جانور مر جائے یا گلا گھٹنے سے مر جائے تو پھر وہ جانور حرام ہو گا۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

موقوفہ وہ جانور جو بغیر ذکاۃ کے لاشی یا پتھر مارنے سے مر جائے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح جانور کو مار کر کھا لیتے تھے صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے جب تم "معراض" کو بھیج دو اور وہ جانور کے آر پار ہو جائے تو اس کو کھانو اور اگر جانور اس کے عرض سے مرے تو پھر اس کو مت کھاؤ اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ وقیزہ (موقوفہ) ہے۔ علامہ ابو عمرو نے کہا کہ حنفیہ میں اور متاخرین علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ بندق (یعنی مٹی کی خشک کی ہوئی گولی جس کو غلیل یا کلن سے پھینکا جاتا ہے) عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۹۱ رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۷ تفسیر المنار ج ۶ ص ۳۸۸ نیل الدوار ج ۱۰ ص ۸۳ سے شکار کیا ہوا آیا حلال ہے یا نہیں؟

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی تفسیر میں علامہ قرطبی کی اس عبارت کا خلاصہ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے

"جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک ہو گیا اس کو بھی فقہاء نے موقوفہ میں داخل کیا ہے اور اس دلیل میں علامہ جصاص کی یہ عبارت نقل کی ہے المقتولة بالسدفۃ نلک الموقودۃ "امام اعظم امام شافعی امام مالک وغیرہ سب اسی پر متفق ہیں (معارف القرآن ج ۳ ص ۲۹) عرب میں سدوقہ کا معنی ہے مٹی کی خشک کی ہوئی گولی۔ جیسا کہ ہم نے بحوالہ بیان کیا ہے اور بندوق کی گولی کو عربی میں سدوقۃ الرصاص کہتے ہیں۔ نیز بندوق کی ایہلو آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے اور امام ابو حنیفہ ۱۵۰ھ امام مالک ۱۷۹ھ امام شافعی ۲۰۴ھ علامہ جصاص ۳۷۰ھ اور علامہ قرطبی ۲۶۸ھ میں فوت ہوئے۔ سو یہ ائمہ اور علماء بندوق کی گولی کے شکار کے متعلق کیسے رائے دے سکتے ہیں جو ان کے بہت بعد کی ایہلو ہے۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بندوق کا معنی بندوق کی گولی کرنے میں بہت سخت مغالطہ کھایا ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم (ج ۲ ص ۹۵۵) میں بھی انہوں نے یہی مغالطہ کھایا ہے۔ ۱۲ منہ

اور آج کل کی متعارف بندوق کی گولی جو سیسہ کی ہوتی ہے اور اس میں بارود بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو عربی میں سدوقۃ الرصاص کہتے ہیں۔۔۔۔۔ سعیدی غفرلہ پتھر اور معراض سے جس جانور کو مار دیا جائے آیا وہ حلال ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ موقوفہ ہے اگر یہ مر گیا تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر امام مالک امام ابو حنیفہ امام شافعی اور ثوری کا یہی نظریہ ہے۔ فقہاء شام اور امام اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ معراض سے مارا ہوا جانور حلال ہے۔ خواہ وہ جانور کے آر پار گزرے یا نہیں۔ حضرت ابوالدرداء حضرت نضال بن عبید اور انہوں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے لیکن اس مسئلہ میں قول فیصل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ اگر جانور معراض کے عرض سے مرے تو اس کو مت کھاؤ کیونکہ وہ وقیزہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۳۸)

علامہ ابوالحسن الرضیانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

جس جانور کو معراض کے عرض سے مارا گیا ہو اس کو کھانا جائز نہیں ہے اور اگر معراض نے اس جانور کو زخمی کر دیا تو پھر اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جانور معراض کی دھار سے مرا اس کو کھاؤ اور جو جانور معراض کے عرض سے مرا اس کو مت کھاؤ۔ نیز شکار کے حلال ہونے کے لیے اس کا زخمی ہونا ضروری ہے تاکہ اس میں ذکاۃ کا معنی متحقق ہو سکے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ الرضیانی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق شکار میں

زخم کرنا ضروری ہے، تاکہ ذکاۃ اضطراری متحقق ہو اور ذکاۃ اضطراری کی تعریف یہ ہے کہ شکاری کے اکہ استعمال کرنے کی وجہ سے شکار کے بدن کے کسی حصہ میں بھی زخم آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”و ما علمتم من الحیوان“ اور تم نے زخمی کرنے والے شکاری جانور سدھائے ہیں۔ اس آیت میں شکار کو زخمی کرنے کی شرط کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ جو ارج جرح سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے ”زخمی کرنے والے“ (بدلیہ اخیرین، ص ۵۰۳) اور جو جانور ظلیل یا کلن کی گولی سے مرا ہو اس کو بھی کھانا جائز نہیں، کیونکہ یہ گولی شکار کے جسم کو کوئی ہے اور توڑتی ہے اور اس کو زخمی نہیں کرتی۔ سو یہ معراض کی طرح ہے جو شکار کے آر پار نہ ہو۔ اسی طرح اگر پتھر سے شکار کو مار ڈالا تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر پتھر بھلے اور دھار والا ہو تو اس سے مرنے والے جانور کو کھانا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ جانور کو زخمی کر دے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ جانور اس پتھر کے ثقل کی وجہ سے مرا ہو، اور اگر وہ پتھر خفیف ہو اور اس میں دھار ہو اور جانور زخمی ہو جائے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب یہ متعین ہو گیا کہ جانور کی موت زخم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اور اگر پتھر خفیف ہو اور وہ اس کو تیرکی طرح لہا کرے اور اس میں دھار ہو تو اس سے کیا ہوا شکار حلال ہے، کیونکہ اس پتھر سے جانور زخمی ہو کر مرے گا اگر شکاری نے دھار والی سنگ مرمر کو پھینکا اور اس نے جانور کو کانا نہیں تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ اب جانور اس کے کونے سے مرا ہے۔ اسی طرح اگر اس پتھر کے پھینکنے سے اس کا سر الگ ہو گیا یا اس کی گردن کی رگیں الگ ہو گئیں، تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح پتھر کی دھار سے رگیں نکلتی ہیں، اسی طرح پتھر کے ثقل سے بھی رگیں کٹ جاتی ہیں۔ اس لیے اب شک واقع ہو گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رگوں کے کٹنے سے پہلے وہ جانور مر گیا ہو، اور اگر جانور کو لاشی یا لکڑی سے مار ڈالا تو وہ حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ لاشی یا لکڑی کے ثقل سے مرا ہے۔ ہاں اگر اس لکڑی یا لاشی کی دھار ہو اور اس سے جانور کٹ جائے تو اب اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ لاشی کھوار اور نیزے کے حکم میں ہے اور لن تمام مسائل میں قلعہ کلیہ یہ ہے کہ جب یہ یقین ہو جائے کہ شکار کی موت زخم کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حلال ہے اور جب یہ یقین ہو کہ موت ثقل کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حرام ہے اور جب یہ شک ہو اور یہ پتا نہ چلے کہ موت زخم سے ہوئی ہے یا ثقل سے تو پھر شکار کا حرام ہونا احتیاطاً ہے۔

(بدلیہ اخیرین، ص ۵۱۲-۵۱۱، مطبوعہ شرکت مطبعہ ملتان)

بندوق سے مارے ہوئے شکار کی تحقیق

آٹھویں صدی ہجری سے پہلے دنیا بارودی بندوق سے متعارف نہیں ہوئی تھی۔ دائرۃ المعارف میں لکھا ہے دستی بندوق کا استعمال یورپ میں ۱۳۶۵ء میں شروع ہوا تھا، اور سلطان مملک میں اس کی ابتداء سلطان قانہ بیاتی کے عہد میں ۵۸۹۵/۱۳۹۰ء میں ہوئی۔ (اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۳، ص ۸۸، مطبوعہ لاہور)

بہر حال اوسویں صدی تک بندوق کا استعمال عام نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بارہویں صدی سے پہلے علماء نے بندوق سے کیے ہوئے شکار کے حکم پر بحث نہیں کی۔ بارہویں صدی میں علماء نے اس مسئلہ پر بحث کی اور یہ بحث ہنوز جاری ہے۔ بعض علماء بندوق سے کیے ہوئے شکار کو اس بناء پر ناجائز کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار ٹوٹا ہے، کھٹا نہیں اور جانور اس کے ثقل سے مرنے لگا ہے۔ اس لیے یہ موقوفہ ہے اور حرام ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار زخمی ہوتا ہے، اس کا خون بہتا ہے اور بعض اوقات گولی شکار کے آر پار ہو جاتی ہے اور ذکاۃ اضطراری کا دار زخم نکلے اور خون بہنے پر ہے اور وہ بندوق کے شکار سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے بندوق سے کیا ہوا شکار جائز ہے۔ ہم پہلے ماہین کے دلائل پیش کریں گے۔ اس کے بعد مجوزین کے دلائل پیش کریں گے اور آخر میں اپنی رائے کا

ذکر کریں گے۔ فسقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

بندوق کے شکار کو حرام کہنے والے علماء کے دلائل

علامہ ابن عابدین شافعی متوفی ۲۴۵ھ لکھتے ہیں:

یہ بات واضح ہے کہ بندوق کی گولی پر شر سے نکلنے کی بنا پر جلاتی ہے اور اس کے بوجھ کی وجہ سے زخم پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں دھار نہیں ہوتی اس بنا پر بندوق سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(رد المحتار، ج ۵، ص ۳۱۷، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، اشنبول، ۱۳۲۷ھ)

مولانا امجد علی لکھتے ہیں بندوق کا شکار مرجائے یہ بھی حرام ہے کہ گولی یا چھرا آگے جارہے نہیں بلکہ اپنی قوت و افعت کی وجہ سے توڑا کرتا ہے۔ (بہار شریعت، ج ۱، ص ۲۳، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں بندوق کا شکار اگر زخم کرنے سے پہلے مرجائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ کھانا اس کا حل نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج ۲، ص ۹۵۵، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)

بندوق کے شکار کو حلال قرار دینے والے علماء کے دلائل

علامہ ابو البرکات احمد بن درودیر مالکی لکھتے ہیں:

بندوق کی گولی سے کیے ہوئے شکار کو کھایا جائے گا کیونکہ وہ ہتھیاروں سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ بعض فتناء نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور بعض نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ (شرح الصغیر علی اقرب السالک، مطبوعہ دارالعارف، مصر، ۱۹۳۷ء)

علامہ صلاوی مالکی متوفی ۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے شکار کے متعلق حقد میں کی تصانیف میں کوئی تصریح نہیں ہے کیونکہ بارودی بندوق کی ایجاد آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے غلیل کی (مٹی کی خشک) گولی پر قیاس کر کے اس کو ناجائز کہا ہے اور بعض علماء نے جائز کہا۔ چنانچہ ابو عبد اللہ القروی، ابن عازی اور سید عبد الرحمن فاسی نے اس کو جائز کہا ہے کیونکہ بندوق کے ذریعے خون بہایا جاتا ہے اور بہت سرعت کے ساتھ شکار کا کلم تمام کر دیا جاتا ہے جس کے سبب سے ذکاۃ مشروع کیا گیا ہے۔ (ماشبہ الصلاوی علی الشرح الصغیر، مصر)

بندوق کے شکار کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر

قرآن مجید، احادیث مجیدہ اور فقہاء احناف کے قواعد کی روشنی میں مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ قرآن مجید نے شکار کی حلت کا ذکر شکار کو زخمی کرنا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكْتَئِبِينَ (المائدہ: ۱۳)

اور جو تم نے زخمی کرنے والے جانور سے کھالے ہیں۔

الجوارح جارح کی جمع ہے اور جارح زخمی کرنے والے جانور کو کہتے ہیں اور شکاری جانور کا کیا ہوا شکار اسی وقت حلال ہوتا ہے جب وہ شکار کو زخمی کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جوارح کے لیے ہونے شکار کو کھانے کا حکم دیا ہے اور جب مشتق پر حکم لگایا جائے تو مشتق کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے اس لیے شکار کے حلال ہونے کی علت اس کو زخمی کرنا ہے اور بندوق کی گولی یا اس کے چھروں سے بھی چونکہ شکار زخمی ہوتا ہے اس لیے آیت کی تصریح کے مطابق بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور یہ موقوف نہیں ہے کیونکہ موقوف وہ ہوتا ہے جو چوٹ سے مرے اس کو زخم آئے اور نہ اس سے خون سے۔

احادیث صحیحہ کی روشنی میں بھی بدوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ امام مسلم، حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت کرتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَحِزْ قِيْفَكَ وَادَا
اَصَابَهُ بِعَرْضِهِ فَلَا تَاْكُلْهُ
جب تم شکار پر معراض پھینکو اور معراض شکار میں نفوذ کر جائے تو اس کو کھاؤ اور اگر شکار معراض کے عرض سے مرے تو اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۵، مطبوعہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

اور بدوق کی گولی اور چھرے بھی شکار میں نفوذ کر جاتے ہیں اس لیے بدوق سے مارا ہوا شکار جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ لفظ معرق ("ر" کے ساتھ) ہے تو اس کا معنی ہے جانور میں سوراخ کرنا۔

(فتح الباری، ج ۹، ص ۶۰۰، طبع لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ "ز" کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے نفوذ کرنا اور بدوق کی گولی شکار میں نفوذ کر جاتی ہے اور اگر یہ لفظ (ر) کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے سوراخ کرنا اور پھاڑنا اور بدوق کی گولی شکار کو پھاڑ دیتی ہے اور اس میں سوراخ کر دیتی ہے۔ لہذا اس حدیث کے مطابق ہر شے پر بدوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے جس آیت سے بھی جانور کا خون بہہ جائے وہ جائز ہے اور ذبیحہ اور شکار حلال ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیجؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کل ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا جلدی کرنا۔ یا فرمایا اس کو جلدی نزع کرنا (تاکہ وہ طبیعتاً موت نہ مر جائے) جس چیز کا خون بہلایا جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھاؤ، مگر دانت اور ہڈی نہ ہوں۔ دانت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہڈی ہے اور ناخن حبشہ کی چھری ہے۔ (اس غزوہ میں) ہم کو مل غنیمت میں بہریاں اور اونٹ ملے۔ ان میں سے ایک اونٹ بھاگ لکھا، ایک شخص نے اس کو تیر مارا (اللہ نے) اس اونٹ کو روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان اونٹوں میں سے بعض اونٹ وحشی جانوروں کی طرح ہیں، جب ان میں سے کوئی تم پر غالب آجائے تو اسی طرح کیا کرو۔

(صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۲۸، مطبوعہ کراچی)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیجؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دانت اور ناخن کے سوا جو چیز بھی خون بہارے اس (کے مارے ہوئے) کو کھاؤ۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۲۸، مطبوعہ کراچی)

بدوق کی گولی ناخن اور ہڈی نہیں ہے اور جانور کا خون بہا دیتی ہے۔ لہذا اس حدیث کے مطابق اس کا مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ بدوق سے مارے ہوئے شکار کے حلال ہونے پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حدیث میں ہے جب جانور "معراض" کی دھار سے مرے تو اس کو کھاؤ اور جب وہ معراض کے عرض سے مرے تو وہ وقیعہ ہے اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۳۵، مطبوعہ کراچی)

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بدوق کی گولی اور چھروں میں چونکہ دھار نہیں ہوتی اس لیے بدوق سے مارا ہوا جانور وقیعہ ہے

لور حلال نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفہ کی یہ تفسیر نقل کی ہے موقوفہ وہ جانور ہے جس کو لکڑیوں کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳ مطبوعہ کراچی) لور جو جانور معراض کے عرض سے مارا جائے وہ وقیفہ ہے۔ اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: کیونکہ اس صورت میں وہ معراض بھاری لکڑی پتھر اور بھاری چیز کے حکم میں ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۰ مطبوعہ لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ موقوفہ وہ جانور ہے جس کو کسی بھاری لور و زنی چیز کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے اور بندوق کی گولی یا چمچے بھاری لور و زنی نہیں ہوتے اس لیے ان سے مارا ہوا جانور موقوفہ نہیں۔ بندوق کی گولی تو کھار ہوتی ہے اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ البتہ بندوق کے چمچوں میں لوک نہیں ہوتی لیکن چونکہ وہ گوشت کو پھاڑتے ہیں اور خون بہاتے ہیں اس لیے وہ دھار والی چیز کے حکم میں ہیں۔ اس لیے بندوق کی گولی یا چمچوں سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی جائز اور حلال کہتے ہیں۔ جبکہ غلیل کی گولی سے جانور کے زخم آتا ہے نہ خون بہتا ہے اور ہمارے نزدیک اس کے وقیفہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جب غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کی حرمت حلق علیہ نہیں ہے تو بندوق کی گولی یا چمچوں سے مارے ہوئے شکار کو حرام کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۰۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابن مسیب کہتے ہیں کہ جس وحشی جانور کو تم نے پتھر، غلیل کی گولی یا پتھر سے مارا اس کو کھاؤ۔

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر نے کہا جب تم پتھر یا غلیل کی گولی مارو اور ہم اللہ پڑھ لو تو پھر کھاؤ۔

ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کے بھائی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے غلیل کے ساتھ ایک پرندہ یا شکار مارا پھر میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے اس کے متعلق سوال کیا انہوں نے مجھے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

ابن طاووس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے معراض کے شکار کے متعلق یہ کہا:

جب معراض شکار میں نفوذ کر جائے تو پھر اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر تم نے ایسا تیر مارا جس میں لوبا یا

دھار نہیں تھا اور شکار گر گیا تو اس کو کھاؤ۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۷۷، ۷۸، ۷۹ مطبوعہ بیروت)

ان آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی اور بغیر لوہے کے تیر سے مارے ہوئے شکار کو حلال اور جائز کہتے تھے۔ لور اس سے یہ معلوم ہوا کہ غلیل کی گولی اور بغیر دھار کے تیر سے مارے ہوئے شکار کی حرمت بھی قطعی یعنی اور اطلاق نہیں ہے۔ لور بندوق کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی اگرچہ بعض متاخرین فقہاء نے موقوفہ قرار دے کر حرام کہا ہے لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے مارا ہوا شکار قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں حلال اور طیب ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے بندوق سے مارے ہوئے شکار کا حکم واضح کرنے کے بعد اب ہم فقہاء احناف کے اصول اور قواعد کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں:

شمس الامام محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۵۴۰ھ لکھتے ہیں:

ذکاة (ذبح) کا معنی ہے قاصد اور نجس خون کو بہا اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری۔ ذبح اختیاری یہ ہے کہ قدرت اور اختیار کے وقت حیوان کے گلے پر چھری پھیرنا اور جب گردن پر چھری پھیرنا ممکن نہ ہو تو جانور کے جسم کے کسی حصہ پر بھی ذخم ڈال دینا ذبح اضطراری ہے کیونکہ انسان اپنی قدرت کے اعتبار سے ملکوت ہوتا ہے۔ سو جس صورت میں وہ حیوان کے گلے پر چھری پھیر سکتا ہو تو اس کے گلے پر چھری پھیرے بغیر ذکاة حاصل نہیں ہوگی اور جس اس پر قدرت نہ ہو وہاں جانور کے جسم میں کہیں پر بھی ذخم ڈالنا اس ذکاة کے قائم مقام ہے۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ بیروت)

لا غمی اور پتھر سے مارے ہوئے شکار کو اسی لیے ناجائز کہا گیا ہے کہ علامہ لا غمی اور پتھر سے اس وقت مارا جاتا ہے جب جانور قریب ہو۔ اور جب جانور قریب ہو تو اس کے گلے پر چھری پھیر کر ذبح کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے یہاں ذبح اختیاری ہے اضطراری نہیں ہے اور جب جانور دور ہو اور اس کو پکڑ کر اس کے گلے پر چھری پھیرنا قدرت میں نہ ہو مثلاً کسی درخت پر بیٹھا ہو یا اڑ رہا ہو یا بھاگ رہا ہو اور بندوق سے قتل کر کے ان جانوروں کو شکار کر لیا جائے اور گولی یا چھرے لگنے سے وہ جانور زخمی ہو جائیں اور ان کے جسم سے خون بہہ جائے تو ان کا زخمی ہونا اور خون بہنا ذکاة اضطراری ہے۔ اور فقہاء کے اس بیان کردہ قاعدہ کے مطابق حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

نیز علامہ سرخسی حنفی متونی ۸۳ ص ۸۳ لکھتے ہیں:

ابراہیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب معراض شکار کو پھاڑ دے تو کھال اور جب نہ پھاڑے تو نہ کھال۔ معراض اس تیر کو کہتے ہیں جس کا پیکان نہ ہو لایہ کہ اس کا سرد حار والا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بغیر کا تیر ہے۔ بسا اوقات تیر عرض کی جانب سے لگتا ہے اور شکار کو پھاڑتا نہیں تو زدیتا ہے۔ اسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اگر شکار تیر کی دھار سے مرے اور زخمی ہو تو کھال اور اگر تیر کے عرض سے مرے تو مت کھال اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حلت کا دھار نجس خون کے بہنے پر ہے اور یہ اسی وقت ہو گا جب معراض شکار کو پھاڑ دے اور اگر شکار کو پھاڑے بغیر تو زدے تو خون نہ بے لگے۔ (مثلاً اس ضرب سے بڑی یا ٹانگ ٹوٹ جائے) اور یہ حکم موقوفہ ہے اور یہ نص قطعی سے حرام ہے۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ بیروت)

علامہ سرخسی کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ موقوفہ وہ جانور ہے جو کسی بھاری اور دھنی چیز سے ٹوٹ جائے (یعنی اس کی بڑی ٹوٹ جائے) اس کے جسم میں ذخم آئے اور نہ خون بے اور اگر کوئی تالہ جانور کے جسم کو پھاڑ دے اور اس کا خون بہائے تو یہ حلال ہے اور بندوق سے مارا ہوا شکار ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں ذخم آئے نہ خون بے۔ اس لیے وہ موقوفہ نہیں ہے بلکہ بندوق کی گولی اس کے جسم کو پھاڑ دیتی ہے۔ اس کے جسم میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات گولی آر پار ہو جاتی ہے اس کے جسم میں ذخم آتا ہے اور خون بہتا ہے۔ (یاد رہے کہ ذکاة اضطراری میں پورے جسم سے خون بہنا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ کتب کے مارے ہوئے شکار کے جسم میں بسا اوقات سارا خون نہیں بہتا) اس لیے بندوق سے مارا ہوا شکار حلال اور طیب ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

الحمد للہ علی احسنہ قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ اس زمانہ میں بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ بندوق سے مارا ہوا شکار موقوفہ ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ ان علماء نے نیک نیتی سے یہ فتویٰ دیا ہے لیکن یہ علماء اس مسئلہ میں زیادہ گہرائی اور گیرائی میں نہیں گئے اور ان کو اس مسئلہ میں اجتہادی غلطی لاحق ہوئی۔ آج کل بندوق سے شکار عام ہو گیا ہے اور بکثرت لوگ اس میں مبتلا ہیں اور اگر گولی یا چھرو لگنے سے جانور مر جائے تو اس کو اسی فتویٰ کی بناء پر حرام قرار دیا جاتا

عبدالرزاق ۸۷۴، المسلم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث ۵۲۱-۵۲۹، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث ۵۷۷۷، شیخ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث ۲۳۱، ص ۲۵۸، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ ۱۳۱۱ھ)

بھاڑنے والے درندوں سے حملہ آور جنگی جانور مراد ہیں، لہذا اس حدیث سے ہاتھی، لومڑی اور بچو بھی حرام ہیں۔ نیز ہاتھی کی کچیلیں بھی ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس برتن کو دھونے کا حکم دیا ہے جس میں کتابتہ ذال دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا حلب نجس ہے۔ اور حلب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اس کا گوشت بھی نجس ہو اور ہر نجس حرام ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ کتے کا کھانا بھی حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں کتابتہ ذال دے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث ۲۵۴، صحیح مسلم ج ۲، رقم الحدیث ۲۹، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۷۷، سنن ترمذی ج ۲، رقم الحدیث ۷، سنن کبریٰ للسیوطی ج ۱، ص ۲۳۰، قدیم مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث ۸۳۳)

احمد محمد شاکر نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ مطبوعہ دار الحدیث، القاہرہ ۱۳۱۱ھ)

رسول اللہ ﷺ نے کتے کی بیج کو حرام فرمایا ہے اس سے بھی واضح ہوا کہ کتابتہ نجس ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، قاحش کی اجرت اور کاهن کی شیرینی سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث ۲۲۳، صحیح مسلم ج ۲، رقم الحدیث ۱۵۶۸، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۳۳۲۸، سنن ترمذی ج ۲، رقم الحدیث ۳۶، سنن نسائی ج ۲، رقم الحدیث ۳۳۰۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث ۳۱۵۹)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتے کی قیمت، کاهن کی شیرینی اور قاحش کی اجرت حلال نہیں ہے۔ (سنن نسائی ج ۲، رقم الحدیث ۳۳۰۳، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۳۳۸۳)

رسول اللہ ﷺ نے سیاہ کتے کو قتل کرنے کا حکم دیا اور شکاری کتے، کھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کے سوا اور کسی کتے کو رکھنے کی اجازت نہیں دی اگر کتے کو کھانا حلال ہو تا تو مطلقاً کتے کو رکھنے کی اجازت ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتے اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق نہ ہوتے تو میں ان (سب) کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ پس تم ان میں سے کالے سیاہ کتے کو قتل کرو اور جن لوگوں نے کھیت، شکار اور مویشیوں کے بغیر کتار کھا کھان کے اجر میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

(سنن نسائی ج ۲، رقم الحدیث ۲۲۹، سنن ترمذی ج ۲، رقم الحدیث ۳۹۴۳، صحیح مسلم ج ۲، رقم الحدیث ۱۵۷۳، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۲۸۳۵، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث ۲۲۰۵، مسند امام مالک ج ۱، ص ۱۸۰، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث ۲۳۷۹، صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث ۵۳۸۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اگر کتے کا کھانا حلال ہو تا تو فرشتے

اس سے نفرت نہ کرتے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ بہت پریشان تھے۔ حضرت میمونہ نے کہا 'آج صبح سے میں آپ کو بہت مغموم دیکھ رہی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے جبرائیل نے رات کو ملاقات کا وعدہ کیا تھا وہ نہیں آئے۔ یہ خدا انہوں نے مجھ سے کبھی وعدہ خلافت نہیں کی 'پھر سارا دن رسول اللہ ﷺ کی یہی کیفیت رہی 'پھر رسول اللہ ﷺ کو ایک کتے کے پلے کا خیال آیا جو ہارے پردے کے پیچھے تھا 'آپ نے اس کو گھر سے نکالنے کا حکم دیا تو اس کو نکل دیا گیا 'پھر آپ نے پانی سے اس جگہ کو دھویا جہاں کتا تھا 'جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے ان سے کہا 'تم نے گزشتہ رات مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا 'ہاں لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ پھر اس دن رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا 'حتیٰ کہ چھوٹے باغ (کی حفاظت) کے کتے کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا اور بڑے باغ کی حفاظت کے کتے کو چھوڑ دیا۔

(صحیح مسلم 'ج ۲' رقم الحديث ۲۸۰۵ سنن ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحديث ۴۱۵۷ سنن ترمذی 'ج ۲' رقم الحديث ۲۸۱۵ مسند احمد 'ج ۲' رقم الحديث ۱۳۸۷ سنن کبریٰ للسیفی 'ج ۷' ص ۲۷۰ قدیم)

عبارت انص کے ساتھ آپ نے کتا کھانے کو حرام نہیں فرمایا 'لیکن ان احادیث سے دلالت انص کے ساتھ کتا کھانے کی حرمت ثابت ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کتا کھانے کی حرمت حدیث سے ثابت نہیں ہے 'اس لیے ہم نے اس مسئلہ میں اس قدر تفصیل کی ہے۔ نبی ﷺ نے پانچ گدھوں کے کھانے کو بھی حرام فرمادیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ خیبر کے دن عورتوں سے حد کرنے کو اور پانچ گدھوں کے کھانے کو حرام فرمادیا ' (یہ حدیث حضرت جابر اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے) (صحیح البخاری 'ج ۵' رقم الحديث ۲۲۱۱ صحیح مسلم 'ج ۲' رقم الحديث ۴۱۰۷ سنن ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحديث ۳۸۰۸ سنن دارقطنی 'ج ۲' رقم الحديث ۲۷۲۳ سنن کبریٰ للسیفی 'الجزء ۲' ج ۲' رقم الحديث ۱۳۸۵)

نبی ﷺ نے چوہے 'چھو' 'چیل' 'گوسے' اور بولے کتے کے متعلق فرمایا: ان کو حرام میں بھی قتل کر دیا جائے گا اور ان کو فاسق فرمایا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پانچ (جانور) فاسق ہیں 'جن کو حرام میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ چوہا 'چھو' 'چیل' 'گوسے' اور بولے لاکھ (بعض روایات میں چھو کی جگہ سانپ کا ذکر ہے) (صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحديث ۲۲۱۳ صحیح مسلم 'ج ۲' رقم الحديث ۳۸۱۸ سنن نسائی 'ج ۵' رقم الحديث ۲۸۲۹ سنن ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحديث ۳۸۱۸ سنن ترمذی 'ج ۲' رقم الحديث ۳۸۱۸ سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحديث ۳۰۸۷ مسند احمد 'ج ۹' رقم الحديث ۲۳۷۵)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کواکون شخص کھائے گا 'ملا نکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو فاسق فرمایا

ہے۔ یہ خدا پاک جانوروں میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۲۸)
 نبی ﷺ نے چھیل کو بھی حلال فرمایا اور اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھیل کو بھی کھانا حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری حنفی ۵۶۱ھ روایت کرتے ہیں:
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھیل کو فوسق فرمایا۔ ام شریک رضی اللہ عنہا
 بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھیلیں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۰۶، ۲۳۰۷، صحیح مسلم ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۳۹)

امام احمد بن حنبل حنفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:
 ابو للاحص جشی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن مسعود خطبہ دے رہے تھے۔ اسیثناء میں دیوار پر ایک سانپ گزر
 رہا تھا، حضرت ابن مسعود نے اپنا خطبہ منقطع کیا اور اس کو لافھی سے مار کر قتل کر دیا۔ پھر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ
 فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی سانپ کو قتل کیا اس نے گویا اس شرک کو قتل کیا، جس کا خون مباح تھا۔ احمد محمد شاکر
 نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد شرح احمد شاکر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۹۵، مطبوعہ قاہرہ ۱۴۱۶ھ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چھیل، سانپ، چھیل اور کچھو حرام ہیں۔ فقہاء نے ان پر قیاس کر کے باقی حشرات الارض کو بھی
 حرام قرار دیا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يَنْهَى عَنْ غَيْرِهَا عَلَيْهِمْ
 الْحَبْسُ (الاعراف: ۱۵)

اور طہیت سیرہ حشرات الارض سے نفرت کرتی ہے اور گھمن کھاتی ہے۔ اس لیے تمام حشرات الارض حرام ہیں۔ امام
 ابو بکر احمد بن حسین بیہقی حنفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

ہم نے نبی ﷺ سے وہ احادیث روایت کی ہیں جو سانپ اور کچھو کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور ان کے
 حکم میں ہیں جن کو عرب غبیث قرار دیتے ہیں اور ان کو بلا خطر انہیں کھاتے۔

(السنن الکبریٰ ج ۳، ص ۳۸، البدیع، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

نیز نبی ﷺ نے کہہ کر حرام فرمایا ہے کہ وہ حشرات الارض میں سے ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث مجتبیٰ حنفی ۵۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن شبل روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کہہ کر گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۹۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ کچھو اور بجز بھی حشرات الارض میں سے ہیں اس لیے وہ بھی حرام ہیں۔ امام شافعی بیہقی اور گوہ کو حلال کہتے ہیں، نبی
 ﷺ نے کچھو کو حرام فرمایا ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث حنفی ۵۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خالد بن ولید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں، غمڑوں اور پانچو گدھوں کے گوشت کو کھانے

سے منع فرمایا ہے اور حیوة نے یہ اضافہ کیا ہر کچیلوں والے درندے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۹۰، مطبوعہ بیروت)

نیا چھپر نے لومڑی، بھیڑیے اور بچو کے متعلق خصوصیت کے ساتھ پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزیہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ سے جنگلی جانوروں کے متعلق پوچھنے کے لیے آیا ہوں، آپ لومڑی کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا لومڑی کو کون کھائے گا؟ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ بھیڑیے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جس میں کوئی خیر ہوگی، وہ بھیڑیے کو کھائے گا؟

(سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵-۳۳، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۷۹۹، سنن کبریٰ، للصحیح ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۴۳)

مختصر البدیہ)

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزیہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بچو کھانے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص بچو کھائے گا؟ پھر میں نے بھیڑیے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا جس شخص میں کوئی خیر ہو وہ بھیڑیا کھائے گا؟ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۷۹۹، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۷۹۹)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اسماعیل بن مسلم، بعض محدثین نے جرح کی ہے، لیکن کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال کرنا بھی اس کی تقویت کا سبب ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کچیلوں اور مائٹوں سے پھاڑنے، چیرنے والے درندے اور پرندے، بچر اور پالتو گدھے، کتا اور خنزیر، سانپ، کچھو، بچو، گدھ اور دیگر حشرات الارض کو کھانا قرآن اور حدیث سے حرام ہے۔

سمندری جانوروں کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک تمام مواد سمندری جانور حلال ہیں، خواہ بٹھا مرے ہوں یا شکار سے۔ امام احمد کے نزدیک جو سمندری جانور خشکی میں رہتے ہیں، وہ بغیر ذبح کے حلال نہیں جیسے کچھوا اور جن سمندری جانوروں میں بننے والا خون نہیں ہے۔ وہ بغیر ذبح کے حلال ہیں اور جن میں بننے والا خون ہو، ان کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ آیت ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ ۹۷)

اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

فقہاء اختلاف کے نزدیک اس سے مراد سمندر کا شکار کرنا ہے اور حرام جانوروں کا بھی دیگر فائدوں کے لیے شکار کرنا جائز ہے۔ اس سے مراد شکار کھانا نہیں ہے اور طعام سے مراد پھل ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی تھوڑا سا ہوتا ہے، اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں گے۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مواد حلال ہے۔ (فقہاء اختلاف اس مواد کو پھل پر محمول کرتے ہیں)

(سنن ترمذی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۶۸، سنن ابوداؤد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۸۳، سنن نسائی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۵۰، سنن ابن ماجہ 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۳۸۶، السوطی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳، مسند احمد 'ج' ۳، رقم الحدیث: ۷۳، المستدرک 'ج' ۱، ص ۳۰) فقہاء احناف اس حدیث میں بھی مردار کو مچھلی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر قریب یہ حدیث ہے:

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں 'مچھلی اور ٹڈی'۔ (سنن ابن ماجہ 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۲۲۸، مسند احمد 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۵۷۷)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور نجس ہیں، یعنی غیر مرغوب ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

وَيُحَرِّمُ عَلَيْكُمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف: ۱۵) اور مٹاک اور غرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔ جو مچھلی طبعی موت سے مر کر سلاخ آب پر آجائے 'ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی حلال ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہے' امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو سمندر پھینک دے یا جس سے سمندر کاپانی مٹ جائے 'اس کو کھالو' اور جو پانی میں مر کر اوپر آجائے 'سو تم اس کو نہ کھاتے۔'

(سنن ابوداؤد 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۳۸۱۵، سنن ابن ماجہ 'ج' ۲، رقم الحدیث: ۳۲۳)

محدثین نے کہا ہے اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیم الطائفی ہے 'اور یہ ضعیف راوی ہے۔ لیکن امام بیہقی نے اس کو دیگر متعدد اسناد کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ 'ج' ۳، ص ۵۹-۶۰، البدیعہ) علاوہ ازیں جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہذا حلت کی روایات پر یہ حدیث راجح ہے۔

فحکلی اور سمندری حرام جانوروں کی یہ تفصیل ہے 'ان کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ بشرطیکہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اس کی تفصیل (المائدہ: ۳) میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے۔

اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق

جسور فقہاء اسلام کے نزدیک اس آیت میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ غلہ، پھل اور میوہ جات وغیرہ مراد نہیں ہیں کیونکہ ذبیحہ وہ ہے جس کے طعام ہونے میں انسان کا دخل ہے۔ باقی کھانے پینے کی چیزیں تمام لوگوں کے لیے مباح ہیں۔ اس لیے ان کی اہل کتاب کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ غریب ہم بعض آثار نقل کریں گے جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہاں طعام سے مراد ذبیحہ ہیں۔

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جن کے انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ کیونکہ زمانہ نزول قرآن میں یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے تھے 'اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اہل کتاب فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِيسَى ابْنُ الْاَلُو وَ قَالَتِ
النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ الْاَلُو (التوبہ: ۳۰) کج اللہ کا بیٹا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
ابن شلب سے نصاریٰ عرب کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: کن کا ذبیحہ کھلایا جائے گا کیونکہ وہ دین میں
اہل کتب ہیں اور نذیح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)
حضرت علی چرٹو نے نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کے متعلق فرمایا: ”وہ حلال نہیں ہے۔“

عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی چرٹو نے فرمایا نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کو نہ کھلو کیونکہ وہ شراب پینے کے سوا
ضرائیت کی اور کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۳۷، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

لیکن اکثر فقہاء تابعین مثلاً حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، سعید بن المسیب، شعبی اور ابن شلب وغیرہ نصاریٰ بنو تغلب کے
ذبیحہ کو کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۳۷، مطبوعہ بیروت)

ابن زید سے سوال کیا گیا کہ عیسائیوں نے بسم اللہ پڑھ کر جانور کو گر جا کے لیے ذبح کیا کیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟
انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اہل کتب کے طعام کو حلال کیا ہے اور اس میں سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہیں کیا۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۳۷، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شافعی متوفی ۵۴۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ زہلی نے کہا ہے کہ جو شخص آسمانی دین کا مستحق ہو اور اس کے پاس کتب ہو، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
صحابہ یا حضرت شیث کے یا حضرت داؤد کی زور ہو، وہ اہل کتب میں سے ہے اور ان کے ذبیحہ کو کھانا جائز ہے۔

مستثنیٰ میں مذکور ہے کہ ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں یہ قید ہے کہ وہ مسیح کی الوہیت کا عقیدہ نہ رکھتے ہوں اور اسی
کے موافق شیخ الاسلام کی مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر وہ مسیح کی الوہیت یا عزیر کی الوہیت کا عقیدہ رکھیں تو واجب ہے کہ ان کا
ذبیحہ نہ کھلایا جائے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن دلیل کے اعتبار سے ان کا
ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ البحر الرائق میں مذکور ہے کہ مذہب یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں
سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ شمس اللائمہ برنسی نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے خواہ وہ تین
میں کے تیسرے کا قول کریں یا نہیں کیونکہ قرآن مجید نے ان کے طعام کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی مطلقاً
اجازت دی ہے۔ علامہ ابن حام نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور یہی دلیل کاغذ ہے۔ کیونکہ اہل کتب پر مشرکین کا
اطلاق نہیں کیا جاتا اور مشرک اس کو کہتے ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور کسی نبی کی اتباع کا مدعی نہ ہو۔

(رد المحتار، ج ۲، ص ۲۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ ابن حام نے لکھا ہے کہ لوطی یہ ہے کہ بلا ضرورت ان کا ذبیحہ کھائے نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرے۔

(رد المحتار، ج ۵، ص ۱۸۸، مطبوعہ بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اگر کوئی شخص کسی عیسائی سے نذیح کے وقت یہ سنے کہ وہ مسیح کا نام لے کر نذیح کر رہا ہے تو اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے
اور اگر وہ اللہ کا نام لے کر نذیح کرے اور اس سے اولاد مسیح کا کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ذبیحہ کھالیا جائے گا۔ پس اگر وہ
صراحتاً کہے اللہ کے نام سے جو تین میں کا تیسرا ہے تو پھر اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ) اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ

جب عیسائی ذبح کر کے لے آئے تو اس کا ذبیحہ کھالیا جائے گا۔ (مصلیٰ) جیسا کہ اس نے صرف اللہ کا نام لیکر سامنے ذبح کیا ہو۔
(رد المحتار، ج ۵، ص ۱۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۸۸۴ھ لکھتے ہیں:
غیر اہل کتاب کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ بت پرست ہو، مجوسی ہو، مرتد ہو، جنی ہو یا جبری ہو۔ اگر یہودی یا عیسائی، مجوسی ہو جائے تو اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہو گا اور اگر مجوسی یہودی یا عیسائی ہو تو اس کا ذبیحہ جائز ہو جائے گا۔
(در مختار مع رد المحتار، ج ۵، ص ۱۸۹، مطبوعہ بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ
اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ کے بیان میں جانبین سے حکم فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے، اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے، اور نکاح کے متعلق فرمایا اور اہل کتاب کی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اور تمہاری عورتیں ان کے لیے حلال ہیں۔ سو نکاح میں صرف ایک جانب سے طہت ہے اور وجہ فرق ظاہر ہے، کیونکہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں دونوں طرف سے طہام کا حلال ہونا کسی شرعی خرابی کو مستلزم نہیں ہے اور اگر نکاح میں بھی دونوں جانب سے جواز ہوتا اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب سے نکاح جائز ہوتا اور شوہر بیوی پر حاکم ہوتا ہے تو مسلمان عورت پر کافر مرد کا غلبہ ہوتا اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنْ تَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (النساء: ۷۶)
اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔
دیگر کفار کے برعکس اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ

دیگر کفار کے برعکس صرف اہل کتاب کے ذبیحہ کو اسلام میں حلال کیا گیا ہے۔ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں متعدد امور مشترک ہیں، یہ دونوں آسمانی مذہب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتے، انبیاء، علیم، اسلام، آسمانی کتابیں، قیامت، مرنے کے بعد الھنا، جزا، سزا اور جنت و دوزخ کے دونوں قائل ہیں۔ اس کے علاوہ جانور کی طہت اور حرمت میں بھی ان میں کئی امور مشترک ہیں۔ اسلام میں مواد جانور، جس کا گھٹا گھونٹا گیا ہو، جس کو درندے نے پھاڑا ہو، جو جنوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو اور خون اور غصہ حرام ہیں اور موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس (بائبل) میں بھی ان کی حرمت بیان کی ہے۔ جو جانور خود بخود مر گیا ہو اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو، کن کی چربی اور کلام میں لاؤ، پر اسے تم کسی حل میں نہ کھلاؤ۔

(پرانامہ نامہ، احبار، باب: ۷، آیت ۲۳، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

اور سور کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں، پر وہ جھل نہیں کرتا، وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے، تم ان کا گوشت نہ کھلاؤ۔ (پرانامہ نامہ، احبار، باب: ۷، آیت ۷، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)
مگر غیر قوموں میں سے جو ایمان لائے، ان کی بابت ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف جنوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

(پرانامہ نامہ، رسولوں کے اعمال، باب: ۲۱، آیت ۲۵، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ
اس تخصیص کی بھی یہ وجہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں بنیادی امور مشترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کو

آپنی کتابوں کو انبیاء عظیم اسلام کو مرنے کے بعد اٹھنے کو 'بزا و سزا کو اور جنت و دوزخ کو یہ سب مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ جن رشتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے 'اہل کتاب کے نزدیک بھی ان سے نکاح حرام ہے۔ موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس میں لکھا ہوا ہے:

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے 'بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے' تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے O تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو 'چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو 'خواہ اور کہیں' بے پردہ نہ کرنا O تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو حیرا ہی بدن ہے O تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے O تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے O تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا وہ تیری بیٹی ہے O تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے' سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا O تو اپنی بھولج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا 'کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ یہ بڑی خبیثت ہے O تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سو کن نہ بلانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے O اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب سے نپاک ہے 'اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لیے نہ جانا O

(پرانامہ نمبر ۱۴ جہاز 'باب: ۱۸' آیت ۱۹-۷ 'مطبوعہ ہائیکل موسائی' لاہور)

آزاد اور پاک دامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)

اس آیت کا معنی یہ ہے اے مسلمانو! تمہارے لیے آزاد مسلمان عورتیں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی عورتیں خواہ ذمی ہوں یا حنبلی ہوں 'حلال کر دی گئی ہیں۔ جب تم ان کے مراد کر دو "مرکا ذکر اس لیے کیا ہے" تاکہ اس کا جو ب اور سوکد ہونا ظاہر ہو۔ یہ نکاح کے حلال ہونے کی شرط نہیں ہے اور آزاد عورتوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنے کی بہ نسبت آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا بولی اور رائج ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آنحضرتؐ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو 'نہ اعلانہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا ہونے والے اور جس نے ایمان (لانے) سے انکار کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ (المائدہ ۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے جبکہ تم آزاد عورتوں سے نکاح کر کے اپنے آپ کو زنا سے بچاؤ 'نہ ظاہر بدکاری کرو اور نہ خفیہ طریقہ سے بدکاری کرو۔ یعنی گھج اور قانونی طریقہ سے خواہش نفس پوری کرو اور اعلانہ اور خفیہ طریقہ سے بدکاری سے اجتناب کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ان احکام شریعہ کی جائز سمجھ کر مخالفت کی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ دنیا میں اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہو گا 'اس آیت میں ایمان لانے کے بعد کفر کرنے سے بھی مراد ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ اور تلو سے تمام اعمال ضائع ہو

جلتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (اور تم بے وضو ہو) تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں

وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

کو کہنیوں سے دست دھو کر اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو تختوں سے

إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى

دھو کر، اور اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح پاکیزہ کر لو، اور اگر تم بیمار ہو

أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَايَةِ أَوْ لَمْ تَمْسُوا السَّاءَ

یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ

پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو، سو تم اپنے چہروں اور ہاتھوں

وَأَيْدِيَكُمْ مِنْهُ مَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

پر اس پاک مٹی سے مسح کرو، اللہ تم پر تسکین کرنا نہیں چاہتا، لیکن

وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

وہ تم کو خوب پاک کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ تم پر اپنی نعمت کو پورا کرے تاکہ تم

تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾

شکر ادا کرو ۵

آیت وضو کی سابقہ آیات سے مناسبت

انسان کے طبی تقاضے وہ چیزوں میں تھک رہے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور عمل ازدواج۔ اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اس کے لیے کیا چیزیں حلال ہیں اور کیا چیزیں حرام ہیں اور جنسی خواہشوں کی تکمیل کے لیے کون سی عورتیں اس کے لیے حلال ہیں اور کون سی عورتیں حرام ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لیے اس پر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرض ہیں اور ان عبادت میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کی شرط طہارت ہے اور

طہارت غسل اور وضو سے حاصل ہوتی ہے اور اگر پانی نہ مل سکے تو طہارت نيم سے حاصل ہوتی ہے اس لیے اس آیت میں وضو، غسل اور نیم کا بیان فرمایا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۷۸۷ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت کے مال (مل حرام) سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ یہ حدیث اصح الاسانید ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحديث: ۱۸۷۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۲۷۴، مسند احمد، ج ۱، رقم الحديث: ۲۷۰۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۲، ص ۱۴)

نیز امام احمد بن حنبل حنفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی پہلی نماز ہے اور نماز کی پہلی طہارت ہے۔

علامہ احمد محمد شاکر متوفی ۷۷ھ نے کہا 'اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(مسند احمد متفقين احمد شاكر، ج ۱۱، رقم الحديث ۱۳۵۹۷، مطبوعه القاهرة)

آیت و ضو کا شان نزول

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مقام بیداد میں میرا ہار کر گیا اس وقت ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اونٹنی کو بٹھایا اور اونٹنی سے اتر گئے، آپ نے میری گود میں سر رکھا اور سو گئے۔ حضرت ابو بکر آئے اور انہوں نے زور سے مجھے گھونسنے مارے اور کہا تم نے تمام لوگوں کو ہار کی وجہ سے ٹھہرا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل پڑنے سے مجھے موت کی طرح لگ رہا تھا، ملائکہ حضرت ابو بکر نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی تھی، پھر نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے، اس وقت صبح ہو چکی تھی، پانی کو تلاش کیا گیا تو پانی نہیں ملا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ”یا ایہا الدین امسوا اذا قمتم الی الصلوۃ“ (الہائد: ۶) حضرت اسید بن خضیر نے کہا اے آل ابو بکر اللہ نے لوگوں کے لیے تم میں برکت رکھی ہے تمہارا وجود ان کے لیے محض برکت ہے۔

(صحیح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس آیت میں وضو اور تیمم دونوں کا ذکر ہے۔ تیمم کا ذکر سورۃ النساء میں بھی ہے اور اس آیت میں بھی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہارم ہونے کے موقع پر سورۃ النساء کی آیت نازل ہوئی تھی یا سورۃ المائدہ کی زیر تفسیر آیت۔ محققین کے نزدیک ہارم ہونے کے موقع پر سورۃ المائدہ کی آیت نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری کی اس روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

امام بخاری نے حدیث ۳۳۴ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، پھر اللہ نے فہم کی آیت نازل کر دی اور اس آیت کی تصحیح نہیں کی اور مذکورہ روایت میں تصریح کر دی کہ یہ سورۃ المائدہ کی آیت ہے۔

(فتح الباری، ج ۱، ص ۳۲، مطبوعہ لاہور، عمدة القاری، ج ۴، ص ۵، مطبوعہ مصر)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۳۳۴ھ لکھتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر غزوہ بدر میں

میں ہوا تھا جو بنو معطل بن خزاعہ کے خلاف تھا یہ واقعہ چھ ہجری کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔

(الاسناد کاراج ص ۱۳۱ مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

آیت وضو کے نزول سے پہلے فرضیت وضو کا بیان

اس جگہ ایک بحث یہ ہے کہ آیت وضو تو پانچ یا چھ ہجری میں نازل ہوئی اور نماز بہتہ اودجی کے ساتھ کہ میں فرض ہو گئی تھی تو ابتداء میں نماز وضو کے ساتھ پڑھی جاتی تھی یا بلا وضو؟

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے: ”پھر اللہ نے تمہم کی آیت نازل کر دی“ اس سے مراد وہ آیت وضو ہے جو سورۃ

المائدہ میں ہے۔ یا وہ آیت ہے جو سورۃ النساء میں ہے۔ ان دو آیتوں کے سوال اور کسی آیت میں تمہم کا ذکر نہیں ہے اور یہ دونوں منی سور تھیں اور یہ بات معلوم ہے کہ غسل جبکہ وضو سے پہلے فرض نہیں ہوا تھا۔ پس جس طرح مستغنی سیرت کے نزدیک یہ امر متحقق ہے کہ نبی ﷺ پر مکہ میں نماز فرض ہوئی ہے اور غسل جبکہ بھی مکہ میں فرض ہوا ہے اور یہ کہ آپ نے مکہ میں کوئی نماز بھی بغیر وضو کے نہیں پڑھی اور آپ اسی طرح وضو کرتے تھے جس طرح مینہ میں آپ نے وضو کیا یا جس طرح اب ہم وضو کرتے ہیں اور یہ وہ امر ہے کہ اس سے کوئی عالم بھی عداوت نہیں ہے اور سوائے ہٹ و حریم کے اس کی کوئی بھی مخالفت نہیں کرے گا۔ (الاسناد کاراج ص ۱۳۱ مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد بخاری متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ سفاقی نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو کرنا ان پر لازم تھا اور تمہم کی آیت سورۃ المائدہ میں ہے اور سورۃ النساء میں ہے اور یہ دونوں منی سور تھیں اور اس سے پہلے کوئی نماز بغیر وضو کے شروع نہیں تھی۔ اس لیے جب تمہم کی آیت نازل ہوئی تو وضو کا ذکر نہیں کیا کیونکہ تمہم کا حکم وضو کے حکم کی فرع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے اس آیت کا وہ حصہ نازل ہوا جس میں وضو کا ذکر ہے اور پھر اس آیت کا وہ سراسر حصہ نازل ہوا جس میں تمہم کا ذکر ہے۔ پھر یہ آیت پوری ہو گئی اور یہ بھی اشکل ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے شروع ہوا نہ کہ قرآن سے پھر بعد میں ان دونوں کا حکم اکٹھے نازل ہوا اور حضرت عائشہ نے اس کو تمہم سے اس لیے تعبیر کیا کہ اس موقع پر یہی مقصود تھا (علامہ بخاری فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ امام حیدری کی اس روایت پر مطلع ہو جاتے جس میں حضرت عائشہ نے فرمایا ہے پھر یہ آیت نازل ہوئی ”یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهکم وابدیکم۔ الا یہ (المائدہ: ۶) تو ان تلویحات میں نہ پڑتے۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۵ مطبوعہ ادارہ المدینہ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے ثابت تھا اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

آیت وضو اجملاً منی ہے اور تمام اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل مکہ میں نماز کے ساتھ فرض ہو گئے تھے اور نبی ﷺ نے کبھی بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھی بلکہ ہم سے پہلے شریعت میں بھی وضو فرض تھا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے اور اصول فقہ میں یہ مقرر ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول بغیر انکار کے کوئی قصہ بیان کریں اور اس کا صحیح ظاہر نہ ہو تو وہ بھی ہماری شریعت ہے اور اس آیت کے نزول کا یہ قاعدہ ہے کہ جو حکم پہلے ثابت ہو چکا تھا اس کو مقرر اور ثابت کیا جائے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

شرائع سابقہ اور مکی دور میں فرضیت وضو کے متعلق احادیث

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوا یا اور ایک ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا پھر فرمایا: یہ وضو کا وہ طریقہ ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا۔ آپ نے پھر پانی منگوا یا اور دو مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا پھر فرمایا: جس نے اس طرح وضو کیا اس کے لیے دگنا اجر ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پانی منگوا یا اور اس سے اعضاء وضو کو تین تین بار دھویا اور فرمایا: یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے۔

(سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحديث: ۲۵۷، ۲۵۵، ۲۵۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۲۰، المعجم الاوسط، رقم الحديث: ۳۶۷۳،

سنن کبریٰ للبخاری، ج ۱، ص ۸۰)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے، ہر چند کہ اس حدیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے وہ حسن فقہ ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بھی وضو مشروع تھا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے صرف تین (ظاہری اور صوری) جھوٹ بولے، جب انہیں باطل خداؤں کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کہا اسی سقیم میں بیمار ہوں اور انہوں نے کہا "فعلہ کسبر ہم هذا ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہے" اور انہوں نے (حضرت) سارہ کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے، حضرت ابراہیم ایک بہتی میں گئے جس میں ایک جابر پوشہ تھا اس کو بتلایا گیا کہ آج رات ابراہیم (علیہ السلام) سب سے حسین عورت کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوئے ہیں، اس پوشہ نے ان کے پاس اپنا ہر کارہ بھیجا اور پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا یہ میری بہن ہے۔ اس نے کہا اس کو بھیج دو۔ آپ نے ان کو اس کے ساتھ روانہ کیا اور فرمایا: میری بات کو جھٹلانا نہیں میں نے اس کو یہ خبر دی ہے کہ تم میری بہن ہو اور اس سر زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔

جب حضرت سارہ اس کے پاس پہنچیں تو وہ آپ کی طرف انھما حضرت سارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور اللہ سے دعا کی اے اللہ! بے شک تجھے علم ہے کہ میں تجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائی ہوں۔ اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔ سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ سو اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی۔ حضرت سارہ نے کہا یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کیسے گے کہ اس نے مار دیا۔ پھر اس کو زمین نے چھوڑ دیا وہ پھر حضرت سارہ کی طرف بڑھا، حضرت سارہ نے وضو کیا، نماز پڑھی اور دعا کی اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے، سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ پس اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی، پھر حضرت سارہ نے کہا یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے اس کو قتل کر دیا، پھر اس کو چھوڑ دیا گیا، پھر تیسری یا چوتھی مرتبہ اس پوشہ نے کہا تم نے میرے پاس کس جنی کو بھیجا ہے۔ اسے ابراہیم کو واپس کر دو اور اس عورت کو ہاجرہ دے دو، وہ واپس گئیں اور حضرت ابراہیم سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ نے اس کافر کے منہ کو باطل کر دیا اور خدا مت کے لیے ایک بانڈی دے دی۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۴۰۳، طبع قدیم، بیروت، احمد شاکر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم،

سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، نور مسند ابوہریرہ میں بھی یہ حدیث انحصار سے مروی ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۹، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مطبوعہ دارالحدیث، قاہرہ، ۱۳۶۱ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا، کیونکہ حضرت سارہ نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کو جریج کہا جاتا تھا، وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس کی ماں نے آکر اس کو بلایا، وہ اس کے بلانے پر نہیں گیا اور کہا کیا نماز کی حالت میں میں اس کو جواب دوں؟ اس کی ماں آئی اور اس نے کہا: اے اللہ! اس پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا، جب تک یہ بدکار عورتوں کو نہ دیکھ لے۔ جریج اپنے گرجا میں عبادت کرتا تھا، ایک عورت نے کہا: میں جریج کو فتنہ میں ڈالوں گی، اس عورت نے اس کو گنہگار کی دعوت دی، جریج نے انکار کیا۔ اس نے ایک چمدا سے اپنی خواہش پوری کر لی، اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، اس نے لوگوں سے کہا: یہ جریج کا بچہ ہے۔ لوگ آئے اور انہوں نے اس کا گر جاتوڑ دیا اور اس کو گر جاسے نکل دیا اور اس کو برا کہا، جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر اس نوزائیدہ بچہ سے کہا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا: چمدا۔ لوگوں نے کہا: ہم تمہارا گر جاسوئے کا بتادیں، اس نے کہا: نہیں صرف مٹی کا ہی بتا دو۔

(صحیح بخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا، کیونکہ جریج نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام عبداللہ بن ہشام متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا: مجھے بعض اہل علم نے یہ حدیث بیان کی کہ جب رسول اللہ ﷺ پر نماز فرض ہوئی تو آپ کے پاس جبرائیل آئے وہ اس وقت مکہ کی بلند وادی پر تھے۔ انہوں نے ولوی پر اپنی اڑی ماری تو اس سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا، پھر جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور نبی ﷺ کو دیکھتے رہے کہ وہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں؟ پھر نبی ﷺ نے اس طرح وضو کیا جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا تھا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور نبی ﷺ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر جبرائیل علیہ السلام لوٹ گئے اور نبی ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس آئے، پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو وضو کر کے دکھایا کہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں، جس طرح آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دکھایا تھا، پھر حضرت خدیجہ نے وضو کیا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ کو اس طرح نماز پڑھائی جس طرح حضرت جبرائیل نے نماز پڑھائی تھی۔ (السيرة النبوية مع الروض الناف، ج ۱، ص ۱۷۳-۱۷۴، مطبوعہ مکتب)

علامہ مہلبی متوفی ۵۸۱ھ نے اس حدیث کی سند کو مقطوع لکھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ایسی حدیث احکام شرعیہ کی اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، لیکن ان کے استاد قاضی ابوبکر محمد بن العربی متوفی ۵۴۳ھ نے اس حدیث کی توثیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ ہر چند کہ اس کو اہل صحیح نے روایت نہیں کیا، لیکن انہوں نے اس حدیث کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان کو اس کی ضرورت نہیں تھی اور صحابہ اور علماء اس حدیث سے تعاضل کرتے تھے، جس کی ان کو ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۲۸-۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تایم علامہ عبدالرحمن بن عبد اللہ سیہلی متوفی ۵۸۱ھ نے اپنے استاذ حافظ ابن العربی کی سند سے روایت کیا ہے۔
حضرت زید بن عارضہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کے پاس حضرت
جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ کو وضو سکھایا اور جب وضو سے فارغ ہوئے تو چلو میں پانی لے کر اپنی شرم گاہ پر چھڑکا اس
حدیث کی بناء پر وضو مکہ میں فرض ہوا اور اس کی تلاوت مکہ میں ہوئی۔

(الرد عن الشافعی ج ۱ ص ۱۶۳-۱۶۴ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ لبنان)

وضو کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کو قیامت کے دن
عمر محصل (جس کا منہ پور ہوتا ہو) اور ہاتھ پیر سفید ہوں) کہہ کر پکارا جائے گا اس کا سبب وضو کے آثار ہیں۔ سو تم میں سے جو شخص
اپنی سفیدی زیادہ کرنا چاہتا ہو (وہ اعصاب وضو کو مقررہ حد سے زیادہ دھو کر اپنی سفیدی کو زیادہ کر لے۔

(صحیح بخاری ج ۱ رقم الحدیث: ۳۶ صحیح مسلم ج ۱ رقم الحدیث: ۲۳۶ سنن ابوداؤد ج ۱ رقم الحدیث: ۲۲۳ سنن نسائی ج ۱ رقم
الحدیث: ۵۵۸ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۲۸۳)

امام ابو یوسف یحییٰ بن محمد بن یحییٰ متوفی ۲۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ مسلم (یا مومن) وضو کرتا ہے تو وہ جب
چہرے کو دھو تا ہے تو پانی کے قطرہوں کے ساتھ اس کے چہرے سے ہر وہ گندہ حل جاتا ہے جو اس نے آنکھوں سے کیا تھا اور جب
وہ ہاتھوں کو دھو تا ہے تو پانی کے قطرہوں کے ساتھ اس کا ہر وہ گندہ حل جاتا ہے جو اس نے ہاتھوں سے کیا تھا حتیٰ کہ وہ گناہوں سے
صاف ہو جاتا ہے۔

(سنن ترمذی ج ۱ رقم الحدیث: ۲ صحیح مسلم ج ۱ رقم الحدیث: ۲۳۳ التلویح ج ۱ رقم الحدیث: ۲۳ سنن دارمی ج ۱ رقم الحدیث: ۱۸۳
مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۸۰۳۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۸۸ صحیح ابن خزیمرہ ج ۱ رقم الحدیث: ۳)

امام عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اچھی طرح وضو کر
کے مسجد میں جائے اور اس کا مسجد میں جانا صرف نماز کے لیے ہو تو اس کے ہر قدم سے اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا
ایک گندہ مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۲۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام ابو یوسف یحییٰ بن محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا پھر کہا
"اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمدا عبده ورسوله اللهم اجعلنی
من التوابین واجعلنی من المسطہرین" اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ
جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

(سنن ترمذی ج ۱ رقم الحدیث: ۵۵ صحیح مسلم ج ۱ رقم الحدیث: ۲۳۳ سنن ابوداؤد ج ۱ رقم الحدیث: ۲۶۹ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم

الحديث: ۳۷۰، مسند احمد، ج ۶، رقم الحديث: ۱۷۳۱۱

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں سلیمان کے ساتھ تھا، انہوں نے ایک درخت کی خشک شاخ کو پکڑ کر ہلایا اور کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ (المصنف، ج ۲، ص ۸۷، مطبوعہ دار الفکر، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۳۵۶ھ لکھتے ہیں:

سلم بن عبد اللہ بن عمر کعب اخبار سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ لوگوں کو حسلپ کے لیے جمع کیا گیا، پھر انبیاء عظیم السلام کو بلایا گیا۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی امت تھی اور اس نے دیکھا کہ ہر نبی کے ساتھ دو نور ہیں جو ان کے درمیان چل رہے ہیں اور ان کی امت میں سے جو ان کے متبعین تھے، ان کے لیے ایک نور تھا، حتیٰ کہ سیدنا محمد ﷺ کو بلایا گیا۔ آپ کے سر کے باؤں نور آپ کے پورے چہرے پر نور تھا، جو ہر دیکھنے والے کو نظر آ رہا تھا، اور آپ کی امت میں سے آپ کے متبعین کے لیے دو نور تھے، جس طرح انبیاء عظیم السلام کے لیے نور تھے۔ کعب بیان کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں یہ خواب نہیں تھا، انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ اور تم کو اس کا علم کس طرح ہوا تو اس نے بتایا کہ اس نے یہ خواب دیکھا تھا۔ پھر کعب نے اسے اللہ کی قسم دے کر کہا، کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا تھا؟ اس نے کہا ہاں، میں نے یہی خواب دیکھا تھا۔ کعب نے کہا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، یا کما، اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا، یہ سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی امت کی صفت ہے، اور اللہ کی کتاب تورات میں انبیاء کی صفت ہے، جس طرح میں نے تورات میں پڑھا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں نے تمہید (ج ۲، ص ۲۵۹) میں بیان کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام امتیں وضو کرتی تھیں اور یہ چیز میرے نزدیک کسی سند سے ثابت نہیں ہے۔ (الاستاذ کا، ج ۲، ص ۱۸۰، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو اور اس وقت تم بے وضو ہو تو تم پر وضو کرنا فرض ہے، اور جب کوئی شخص بے وضو ہو تو اس پر نماز پڑھنے کے لیے دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں ہے، وہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ البتہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کرتے تھے۔ راوی نے پوچھا آپ کیا کرتے تھے حضرت انس نے کہا، ہم میں سے کسی ایک شخص کے لیے وضو کافی ہوتا تھا، جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۲۱۳، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحديث: ۱۷۱، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحديث: ۵۸)

سید بن فضل بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام صہبہ پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر آپ نے جب طعام منگوایا تو صرف ستولائے گئے، ہم نے ان کو کھلایا اور پیا، پھر نبی ﷺ مغرب کے لیے اٹھے، آپ نے گل کی اور ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۲۱۵)

غزوہ خیبر، غزوہ فتح مکہ سے پہلے سبت جبری میں ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ فتح مکہ سے پہلے بھی ایک وضو

سے کئی نمازیں پڑھتے تھے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک وضو کے ساتھ پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا "آج آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جو آپ (پہلے) نہیں کرتے تھے" آپ نے فرمایا میں نے عمر کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱، رقم الحدیث: ۴۷۷)

امام ابو یسٰی محمد بن یسٰی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے جس میں فتح مکہ ہوا آپ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا "میں نے عمر کیا ہے"۔ (سنن ترمذی ج ۱، رقم الحدیث: ۷۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس سے پہلے صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۴۱۵) کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ خیبر کے سال بھی دو نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جو شخص بے وضو ہو اور وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

وضو کے متعلق علیہ فرائض

وضو کے فرائض میں سے پورے چہرے کو دھونا فرض ہے۔ سر کے بل جمل سے اگنے شروع ہوتے ہیں وہاں سے ٹھوڑی کے نچلے حصہ تک چہرہ کی لمبائی ہے اور دو کانوں کا درمیانی حصہ چوڑائی ہے۔ جس آدمی کی چھدری داڑھی ہو اس پر بالوں کو اور بالوں کے نیچے کھال کو دھونا ضروری ہے اور جس کی گھنٹی داڑھی ہو وہ صرف بالوں میں خلال کرے داڑھی کو دھونا اس پر واجب نہیں ہے۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ ہم فقہ ربیع بیان کریں گے۔

وضو میں ہاتھوں کا دھونا بھی فرض ہے انگلیوں کے سروں سے لے کر کہنیوں تک ہاتھ ہیں اور کہنیاں بھی ہاتھوں میں داخل ہیں۔

سر کے مسح کی مقدار میں مذہب ائمہ

وضو میں تیسرا فرض سر کا مسح کرنا ہے مسح کی مقدار میں اختلاف ہے امام شافعی نے کہا مسح کی اتنی مقدار ہے جس سے کم سے کم مقدار پر مسح کا اطلاق آئے۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بخاری شافعی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ کم از کم تین بالوں یا لن سے زائد پر مسح کیا جائے یہ مقدار فرض ہے۔ کیونکہ "وامسحوا برءوسکم" میں با کا معنی جمیعہ ہے اور آیت کا معنی ہے اپنے سر کے بعض حصہ پر مسح کرو۔ اور حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن سیرین نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی پیشانی پر یا سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: المسلسل ص ۲۰ رقم الحدیث: الکلب ۸۸۸) اور ابو یسٰی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وضو کر رہے تھے اور آپ کے سر پر قطری علامہ تھا آپ نے اپنا ہاتھ علامہ کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور علامہ کو نہیں کھولا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۰ سنن کبریٰ لکھنوی ج ۱ ص ۶۶) البتہ امام شافعی کے

نزدیک پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پورے سر کا مسح کیا تھا۔

(الحادی الکبیر، ج ۱، ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام شافعی کی اس دلیل پر دودھ سے غسل ہے۔ ایک قویہ کہ باء کا شق علیہ معنی الصاق ہے۔ تبخیط نہیں ہے۔ دو سرا یہ کہ اگر تین بالوں پر مسح کرنا فرض ہوتا تو نبی ﷺ بیان جواز کے لیے بھی تو صرف تین بالوں پر مسح کرتے یا پھر اس مقدار کا صراحتاً بیان فرماتے۔

امام مالک کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ علامہ ابو بکر محمد بن عبداللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں۔
چہرہ اس عضو کا نام ہے جس پر آنکھیں، ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر اس عضو کا نام جس پر بل ہیں، سو جس طرح چہرہ دھونے کا معنی یہ ہے اس تمام عضو کو دھویا جائے جس پر آنکھیں، ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر پر مسح کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کے تمام بالوں پر مسح کیا جائے۔ امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وضو کرے اور سر کے بعض حصہ پر مسح کرے اور بعض کو ترک کر دے تو آیا یہ صحیح ہے؟ امام مالک نے جواب دیا، اگر کوئی شخص وضو کرے اور چہرے کے بعض حصہ کو دھوئے اور بعض کو ترک کر دے تو آیا یہ جائز ہو گا؟ (احکام القرآن، ج ۲، ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن العربی نے امام مالک کے موقف پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن زید جو پیش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ آپ اپنے ہاتھوں کو سر کے ابتدائی حصہ سے پیچھے اپنی گدی کی طرف لے گئے اور پھر گدی سے سر کے اگلے حصے تک لائے۔ جہاں سے آپ نے ابتداء کی تھی۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۸۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن ابوداؤد، ۹۸، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۲۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۸-۲۹، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۵۹، کتاب السنن، ج ۱، ص ۲۲)

حضرت مقدم بن معدی کرب جو پیش بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جب آپ سر کے مسح پر پہنچے تو آپ نے سر کے اگلے حصہ پر دونوں ہتھیلیاں رکھیں، پھر آپ ان ہتھیلیوں سے مسح کرتے ہوئے ان کو گدی تک لائے، پھر ان سے مسح کرتے ہوئے ان کو واپس اسی جگہ لے گئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۲۳-۱۲۴، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۵۹)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۷۴۰ھ نے لکھا ہے کہ سر کے مسح کے متعلق امام احمد کے تین قول ہیں۔ (۱) پورے سر کا مسح فرض ہے (۲) پیشانی کے برابر یعنی جو قاعی سر کا مسح فرض ہے (۳) سر کے اکثر حصہ کا مسح کرنا فرض ہے۔

(المنی، ج ۱، ص ۸۶-۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

پورے سر کا مسح کرنے یا اکثر حصہ کا مسح کرنے کا قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے سر پر پیشانی کی مقدار کے برابر بھی مسح کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد کے حوالوں سے گزر چکا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو قاعی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور بعض مشائخ اختلاف کے نزدیک تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔

علامہ علی بن ابی بکر الرضی اللہ عنہ متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

پیشانی کی مقدار چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ لوگوں کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آئے پھر پیشاب کیا اور پیشانی کی مقدار (پہ) مسح کیا اور سوزنوں پر مسح کیا اور قرآن مجید میں مسح کی مقدار مجمل ہے اور یہ حدیث اس کا بیان ہے اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف دلیل ہے جو تین ہاتھوں کی مقدار کا قول کرتے ہیں اور امام مالک پر بھی حجت ہے جو پورے سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنے کو فرض کہا ہے کیونکہ مسح کرنے کا آگہ ہاتھ ہے اور اس کی اکثر مقدار تین انگلیاں ہیں۔

(حدایہ اولین، ص ۱۷۱، مطبوعہ شرکت طبعہ لبنان)

سر پر مسح کرنا فرض قطعی ہے اور اس کی مقدار فرض قطعی ہے فرض قطعی میں اختلاف یا اس کا انکار جائز نہیں ہے اور فرض قطعی میں مجتہد دلائل سے اختلاف کر سکتا ہے اسی طرح رخصت کی حرمت بھی قطعی ہے اور اس کی حرمت کی علت میں بھی مجتہدین کا اختلاف ہے۔

پیروں کے دھونے پر دلائل

قرآن مجید، احادیث اور اجماع علماء سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور وضو میں پیروں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں پیروں پر مسح کیا جائے ان کو دھویا نہ جائے۔ بھاری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے وارجلکم اور لام پر نصب ہے اور اس کا مضاف "وجوہکم وایداکم" پر ہے یعنی اپنے چہروں، ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔ صحابہ میں سے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ جڑی کی یہی قرائت ہے اور قراء میں سے ابن عمرؓ، نافعؓ اور کسائی کی یہی قرائت ہے اور عامم سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (الکلبی، ج ۱، ص ۳۹) اور اس قرائت کا یہ تقاضا ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہو اور حسب ذیل احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہم سے آگے آئے اور انہیں کہہ ہم نے عصر کی نماز میں دیر کر دی تھی سو ہم وضو کرنے لگے اور پیروں پر مسح کرنے لگے تو آپ نے ہڈیوں کو بلند دویا تین بار فرمایا: ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن ایڑیوں کو دھویا نہ گیا ہو ان کو آگ کا عذاب ہو۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۱۵۰-۱۵۱، صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحديث: ۲۳۰-۲۳۱، سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحديث: ۳۱، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحديث: ۷۰، سنن نسائی، ج ۱، رقم الحديث: ۱۱، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحديث: ۲۵۰، مسند احمد، رقم الحديث: ۲۳۵۷۰)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مغیرہ بن حنین بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دیکھا ایک شخص وضو کر رہا تھا اور وہ اپنے پیروں کو دھو رہا تھا آپ نے فرمایا مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جڑی نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے ہر میں ناخن جتنی جگہ کو دھونے سے چھوڑ دیا تھا آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے وضو اور نماز کو دہرائے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۱۷۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

پیروں کے دھونے پر علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات

شیعہ کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کی دو قرائتیں ہیں۔ نصب کی قرائت (ارجلکم) سے دھونا ثابت ہوتا ہے اور جر کی قرائت (ارجلکم) سے مسح ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف ہرؤسکم پر ہوگا۔ اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ جر کی تقدیر پر بھی ارجلکم کا عطف ایدہ یکم پر ہے اور اس پر جوار کی وجہ سے جر ہے اس کی نظیر آیت ہے:

رَأَيْتِي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ (ہود: ۳۶) ہوں۔

اس آیت میں الیم عذاب کی صفت ہے اس اعتبار سے اس پر نصب (ذمما) ہونی چاہیے تھی لیکن چونکہ اس کے جوار میں یوم پر جر ہے اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ اس کو جر جوار کہتے ہیں۔ اسی طرح ارجلکم کا عطف وجوہ حکم اور ایدہ یکم پر ہے۔ اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے جوار میں ہرؤسکم چو نکہ مجرور ہے اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ لہذا یہ جر جوار ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم کا عطف ہرؤسکم پر ہے اور اس سے پہلے و امسحوا مقدر ہے لیکن و امسحوا ہرؤسکم میں مسح کا معنی حقیقی مراد ہے۔ یعنی گیلانچہ پھیرنا اور و امسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے یعنی دھونے کا معنی عرب کہتے ہیں مسح المطر الارض بارش نے زمین کو دھو ڈالا۔ سو مسح مجازاً دھونے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ معطوف علیہ میں حقیقت اور معطوف میں مجاز مراد ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا (نساء: ۴۳)

اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ سمجھ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مسجد کے قریب جاؤ حتیٰ کہ تم غسل کر لو (الا یہ کہ تم نے مسجد میں صرف) اور عابری سبیل نہ ہو۔

اس آیت میں ولا حسباً کا عطف لا تقربوا الصلوة پر ہے اور اس سے پہلے بھی لا تقربوا الصلوة مقدر ہے لیکن معطوف علیہ میں الصلوة کا معنی حقیقی مراد ہے یعنی نماز اور معطوف میں الصلوة کا معنی مجاز مراد ہے یعنی مسجد اور محل صلوة۔ اسی طرح آیت وضو میں و امسحوا ہرؤسکم میں مسح کا حقیقی معنی مراد ہے اور و امسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے یعنی دھونے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم اور ارجلکم دو متواتر قرائتیں ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی آیات میں باہم تعارض نہیں ہے اسی طرح قرآن مجید کی قرائت میں بھی باہم تعارض نہیں ہے اور ارجلکم کا معنی ہے پیروں کا دھونا اور ارجلکم کا معنی ہے پیروں پر مسح کرنا۔ اسی لیے ارجلکم کی قرائت اس محل پر محمول ہے جب وضو کرنے والے نے موزے نہ پہنے ہوں اور ارجلکم کی قرائت اس محل پر محمول ہے جب اس نے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ یعنی جب موزے پہنے ہوں تو پیروں پر مسح کر لو اور جب موزے نہ پہنے ہوں تو پیروں کو دھو لو۔ اس طرح ان دونوں قرائتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

علماء شیعہ نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ وضو میں ان اعضاء کو دھویا جاتا ہے جن پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضاء کو تیمم میں ترک کر دیا جاتا ہے ان پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے۔ اگر وضو میں پیروں کو دھونے کا حکم ہو تا تو تیمم میں پیروں پر مسح کیا جاتا اور جبکہ تیمم میں پیروں کو ترک کر دیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا حکم مسح کرنا ہے نہ کہ دھونا۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ حدیث میں یہ محض ان کی ذہنی اختراع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے اور وہ چہرہ ہاتھ اور پیروں تو ان کو دھویا جائے اور جس عضو پر مسح کا کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ سر ہے تو اس پر مسح کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے تیمم یا وضو کے لیے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دونوں کے الگ الگ صراحۃً احکام بیان فرمائے اور ان دونوں کا تفصیلی حکم اسی آیت میں ہے۔ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی چیز کا صراحۃً حکم بیان نہ کیا گیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس اور قاعدہ غسل سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ تیمم جس طرح وضو کی فرع ہے اسی طرح غسل کی فرع ہے اور جب تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اور باقی بدن کو ترک کر دیا جاتا ہے تو چاہیے کہ غسل میں صرف چہرے اور ہاتھوں کو دھویا جائے اور باقی بدن پر صرف مسح کر لیا جائے اور جب کہ بلا تعلق غسل میں ایسا نہیں کیا جاتا تو معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ اور قیاس ناسد ہے۔

وضو کے مختلف فیہ فرائض

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو سے پہلے وضو کی نیت کرنا بھی فرض ہے۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بخاری شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

غسل اور وضو سے اس وقت تک طہارت حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ نیت نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۱) نیز تیمم بغیر نیت کے جائز نہیں ہے اور یہ دونوں طہارتیں ہیں تو دونوں کا حکم مختلف کیسے ہو گا امام مالک اور امام احمد کے نزدیک نیت طہارت کی شرط ہے۔

(معنی 'امین قداسہ' ج ۱ ص ۷۸ 'الحادی الکبیر' ج ۱ ص ۱۰۰ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ)

اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ بیع، شراء، نکاح، طلاق، رد اور قبول کوئی چیز بھی نیت کے بغیر صحیح نہ ہو۔ اس لیے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ لہذا اگر طہارت کے قصد کے بغیر کوئی شخص بارش میں نہالیا تو اس کا غسل اور وضو صحیح ہو گا اور اس سے نماز صحیح ہوگی اگرچہ طہارت کا ثواب اس کی نیت سے ملے گا۔

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل جویش کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وضو، غسل اور تیمم سب میں پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے کیونکہ امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے حضرت ابو ہریرہ جویش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوگی اور جو شخص بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہوگا۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ رقم الحدیث ۱۶ سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹) علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے اس کی اسناد جید حسن ہے (پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ وضو طہارت ہے اور باقی طہارتوں کی طرح اس میں بھی بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے اور اس حدیث میں وضو کی فنی فنی کمال پر محمول ہے جیسے آپ نے فرمایا مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی اور دوسری روایت اس حدیث کے ظاہر معنی پر محمول ہے۔ اگر اس نے عہد بسم اللہ کو ترک کیا تو وضو نہیں ہو گا اور

اگر بھول گیا تو وضو ہو جائے گا۔ (المنہج 'ج' ۱ ص ۷۳-۷۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام شافعی کے نزدیک اعضاء وضو میں وہ ترتیب بھی فرض ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے، یعنی پہلے چہرہ دھوئے، پھر ہاتھ، پھر سر کا مسح کرے اور پھر پیروں کو دھوئے۔

ابو الحسن علی بن محمد باوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

بخاری دلیل اس آیت میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فَاعْسِلْوا وُجُوهَکُمْ وَاَيْدِیَکُمْ" (الایہ) اور "فَا"

مختصیب اور تاخیر کا تقاضا کرتی ہے۔ امام احمد کا بھی یہی موقف ہے۔ (الکلبی 'ج' ۱ ص ۱۲۸)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وضو میں ترتیب فرض نہیں ہے، کیونکہ ان کے درمیان حرف واؤ کے ساتھ عطف کیا گیا ہے اور واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے۔ نیز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ میں خواہ کسی عضو کے ساتھ وضو کی ابتداء کروں۔ (سنن کبریٰ، للصحیح 'ج' ۱ ص ۸۷) نیز حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر تم وضو میں ہاتھوں سے پہلے پیروں کو دھوؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 'ج' ۱ ص ۳۹) امام بیہقی نے بھی اس اثر کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ 'ج' ۱ ص ۸۷) نیز جب بے وضو آدمی وضو کی نیت سے سر یا دریا میں غسل کرے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی اور بلا تعلق اس کا وضو ہو جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے، یعنی ایک عضو کے فوراً بعد دوسرے عضو کو دھونا بشرطیکہ اس کو یاد رہے۔ علامہ احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متوفی ۵۴۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے، بشرطیکہ اس کو یاد ہو اور کوئی عذر نہ ہو اور امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک موالات فرض نہیں ہے۔ امام مالک کا استدلال اس آیت میں لفظ "فَا" سے ہے۔ کیونکہ "فَا" ترتیب علی الفور کے لیے آتی ہے (ہدایت الجہد 'ج' ۱ ص ۳) اور جمہور کا استدلال لفظ "واؤ" سے ہے، کیونکہ "واؤ" مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے اور ان اعضاء کے درمیان "واؤ" کے ساتھ عطف کیا گیا ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے، امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی پیچھے نے اس طرح وضو کیا جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں مگر پیروں کو نہیں دھویا، آپ نے استنجاء کیا اور جو ناکوار چیز لگی تھی اس کو صاف کیا، پھر تمام جسم پر پانی ڈالا۔ اس کے بعد ایک طرف ہو کر اپنے پیروں کو دھویا، یہ آپ کا غسل جنابت تھا۔ (صحیح البخاری 'ج' ۱ رقم الحدیث ۲۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے پیروں کے دھونے کو باقی اعضاء سے موخر کر دیا، اس سے واضح ہو گیا کہ وضو میں

موالات فرض نہیں ہے۔

وضو کی سنتیں

پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھو لے، کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کمال گزار دی ہے؟ صحیح مسلم کی روایت میں تین دفعہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۳، صحیح مسلم، ۲۷۸، سنن ابوداؤد، ۱۳، سنن ترمذی، ۲۳، سنن ابن ماجہ، ۲۴۳، سنن دارقطنی، ۲، مسند احمد، ۲، ص ۵۰۰، ۴۵۵، ۲۸۳، ۲۸۵، طبع قدیم)

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ امام ابوداؤد، بخاری، ترمذی، سنن ابن ماجہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا وضو نہ ہو اس کی نماز نہیں ہے اور جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۰۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۹۹، سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۲۲۰، المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۶) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! جب تم وضو کرو تو کہو: بسم اللہ والحمد للہ پھر تمہارے کرنا کتابین اس وقت تک تمہاری نیکیاں گنتے رہیں گے جب تک تم اس وضو پر قائم رہو گے۔ (المعجم الصغیر، رقم الحدیث: ۱۸۶) اس حدیث کی سند میں ایراقہ بن محمد مضروب ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا اس کی روایات منکر ہیں۔ (میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۱۸۸) امام ابن عدی نے کہا اس کی روایات ضعیف ہیں (کنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۸۰) حافظ الحاشی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (المجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۲۰)

سواک کئی چاہیے، لکڑی کی معروف سواک نہ ہو تو انگلی سے یا برش سے دانت صاف کرنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ رات کو اٹھتے تو سواک کرتے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۵۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۸۶، سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۲۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت سواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۸۸۷، مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۶، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۸۷، سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۲۸۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۳، طبع قدیم)

بعض روایات میں ہر وضو کے وقت سواک کا حکم دینے کا ذکر ہے، امام بخاری نے علقاً روایت کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر وضو کے وقت سواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری، باب السواک، الطب والیاس، للعائم، سنن کبریٰ، للصحیح، ج ۱، ص ۳۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۷۱-۵۷۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ﷺ آپ نے ہمیں سواک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے وضو کے وقت تمہاری دو انگلیاں سواک ہیں جن کو تم دائیں پر پھیرتے ہو، بغیر نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، اور ثواب کی نیت کے بغیر کوئی اجر نہیں ہوتا۔ امام بخاری نے کہا اس حدیث کی سند محفوظ ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۳۶، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، مکتبۃ المدینہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسواک کے ساتھ نماز کی فضیلت بغیر مسواک کے ساتھ نماز پر ستر درجہ زیادہ ہے۔

(اعلام احمد شاکر، متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۳۱۸، صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، ص ۷، رقم ۳۷، حاکم نے کہا یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی گئی ہو، اس کو نبی ﷺ اس نماز پر ستر درجہ فضیلت دیتے تھے جو مسواک کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہو۔

(مسند ابویعلیٰ ج ۸، رقم الحدیث: ۴۷۳۸، مطبوعہ داراللمعات، بیروت، مسند البیہاق، ج ۱، ص ۲۳۴، رقم ۵۱، سنن کبریٰ ج ۱، ص ۱۳۸) کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔

عمرو بن ابی حسن نے حضرت عبد اللہ بن زید جریر سے نبی ﷺ کے وضو کے متعلق سوال کیا؟ انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوا لیا اور انہیں نبی ﷺ کی طرح وضو کر کے دکھایا۔ انہوں نے اس برتن سے پانی انڈیل کر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے، پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، پھر ہاتھ سے پانی لے کر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو کھینچ کر سمیت دو مرتبہ دھویا، پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر سر کا مسح کیا۔ ایک مرتبہ ہاتھوں کو سر کے اگلے حصے سے پچھلے حصے تک اور ایک مرتبہ پچھلے حصے سے اگلے حصے تک پھیرا۔ پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۸۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۹۰۸، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۸۰۳۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۵، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۳۸۸)

کالوں کا مسح کرنا سنت ہے۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کالوں کا مسح کیا، کالوں کے اندر اپنی انگلیاں (سبابہ) ڈالیں اور کالوں کی پشت پر اپنے انگوٹھے رکھے اور کالوں کے ظاہر اور باطن پر مسح کیا۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۳۹، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۳۰، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۱۰۱)

داڑھی میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ داڑھی میں خلال کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۱، المستدرک، ج ۱، ص ۱۵۰-۱۴۹)

ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی

انگلیوں میں خلال کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۳۷)

ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنت ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

عمو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! وضو کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا پھر اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی دو (سبابہ) انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کیا اور اپنے انگوٹھوں سے اپنے کانوں کی پشت پر مسح کیا اور انگلیوں سے کان کے باطن پر مسح کیا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو تین تین بار دھویا پھر فرمایا: اس طرح وضو ہوتا ہے جس نے اس پر زیادتی کی یا کمی کی اس نے یر اکام کیا اور عظم کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۵)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے ناگفتی جان کر زیادتی کی اس نے عظم کیا۔ ورنہ اگر مزید مغتسل کے قصد سے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے تین بار سے زیادہ دھویا تو وہ مباح ہے۔ اور یا جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے زائد جان کر کمی کی اس نے عظم کیا ورنہ ایک یا دو بار دھونا بھی آپ سے عیبت ہے۔

وضو کے مستحبات

وضو میں نیت کرنا علامہ ابوالحسن احمد قدوری متوفی ۱۲۸۸ھ کے نزدیک مستحب ہے اور علامہ الرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ حنفی کے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ وضو کرنا عبادت ہے اور ہر عبادت میں ثواب کی شرط اخلاص ہے اور اخلاص کا معنی نیت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
الِدِينَ (البینہ: ۵)

اور ان کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں
در آنجا کہ وہ صرف اسی کے لیے اخلاص سے اطاعت کرنے
والے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ تمہارے سنا ہے کہ اہل کافہ اور صرف نيات پر ہے ہر شخص کے لیے وہی صلہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔ سو جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جس کو وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف (محسوب ہوگی) جس کی طرف اس نے نیت کی ہے۔

اصح البخاری رقم الحدیث: ۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۶ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۵۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۲ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۳۳ طبع قدیم

وضو کو اس ترتیب سے کرنا جس ترتیب سے قرآن مجید میں اعضاء کو دھونے کا حکم ہے یہ بھی مستحب ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید میں اس ترتیب کا ذکر ہوتا ہے اور بکثرت احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا اس ترتیب سے وضو کرنا لکھا ہے۔ علامہ قدوری کے نزدیک یہ مستحب ہے اور علامہ الرغینانی کے نزدیک سنت ہے۔

دائیں عضو کو بائیں عضو سے پہلے دھونا مستحب ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر کام میں دائیں طرف سے ابتدا کرنا پسند تھا حتیٰ کہ جوتی پہننے میں، کنگھی کرنے میں وضو کرنے میں اور تمام کاموں میں۔

(اصح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۸)

سنن نسائی، رقم الحديث ۳۳، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحديث ۲۵۸۷، مطبوعہ دار الفکر ۱۴۳۳ھ
وضو کے آداب

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد سکھری حنفی متوفی ۸۷۷ھ لکھتے ہیں: وضو کے حسب ذیل آداب ہیں:

- (۱) اسراف کو ترک کرنا (۲) ہمت کم پانی لینے کو ترک کرنا (۳) اس کپڑے سے اعضاء وضو کو نہ پونچھنا جن سے استنجا کی جگہ کو پونچھا ہو (۴) لوگوں سے باتیں نہ کرنا (۵) بلا ضرورت وضو میں لوگوں سے مدد نہ لینا ویری نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کو وضو کراتے تھے۔ (۶) وضو کے لیے خود پانی لانا (۷) استنجا کے وقت اس انگوٹھی کو اتار لینا جس پر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کا نام ہو۔ (۸) وقت سے پہلے وضو کی تیاری کرنا (۹) ہر عضو دھوئے وقت کلمہ شہادت پڑھنا (۱۰) قبلہ رو ہو کر وضو کرنا (۱۱) انگوٹھی کے نیچے سے پانی گزارنا (۱۲) چہرے پر پانی سے چھپکے نہ مارنا۔ (۱۳) جن اعضاء کو دھوئے ان پر ہاتھ پھیرے (۱۴) اطمینان سے وضو کرنا (۱۵) دل کر دھونا، خصوصاً سر دیوں میں (۱۶) چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو مقررہ حدود سے زیادہ دھونا، تاکہ قیامت کے دن زیادہ سے زیادہ اعضاء سفید ہوں (۱۷) وضو کے بعد یہ پڑھنا سبحانک اللہم اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبیدہ ورسولہ اللہم اجعلنی من التوابین (الحج)
- (۱۸) قبلہ رو کھڑے ہو کر وضو کا پانی پینا ایک قول یہ ہے کہ اگر چاہے تو بیٹھ کر اسی طرح آب زمزم قبلہ رو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے "ومن بعظم شعائر اللہ فامسها من تقوی القلوب" (الحج ۳۲)
- "اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالایا تو یہ دلوں کے تقوی سے ہے" علامہ شامی نے لکھا ہے یہ مستحب نہیں، مباح ہے۔ افضل ان پانیوں کو بیٹھ کر پینا ہے۔ لیکن شاید انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا۔ سعیدی، غفرلہ (۱۹) وضو کے بعد دو رکعت نماز سنت الوضو پڑھنا (۲۰) اپنے کپڑوں کو وضو کے قطروں سے بھلانا (۲۱) ہاتھیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔ (۲۲) وضو کے پانی میں نہ تھوکتا (۲۳) تین دفعہ سے زیادہ نہ دھونا (۲۴) دھوپ میں گرم شدہ پانی سے وضو نہ کرنا۔

(فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

وضو توڑنے والے امور

سبیل یعنی اگلے عرج اور پچھلے عرج سے جو چیز نکلے مثلاً بول اور براز اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں وضو ٹوٹنے کے اسباب میں بیان فرمایا ہے:

اَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ (المائدہ ۶)

یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے۔

جسم سے خون یا پیپ نکلے یا منہ بھر کرتے آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت فاطمہ بنت ابی حیش رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں جس کو مسلسل حیض آتا رہتا ہے اور میں بالکل پاک نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں، یا یہ صرف رگ (سے خون نکلتا ہے) رگ سے نہیں نکلتا ہے۔ سو جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو تم خون دھو لو اور نماز پڑھو۔ پھر ہر نماز کے لیے ایک بار وضو کر لو حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۲۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۲۹۷-۲۹۸، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۷۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۷۳، الموطاء، رقم الحدیث: ۳۷، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۵۶۷۹، طبع دار الفکر، ۱۳۷۳ھ، ج ۶، ص ۳۳-۳۴-۳۵، طبع قدیم)

اس حدیث میں رگ سے نکلنے والے خون کو وضو ٹوٹنے کی علت فرمایا۔ سو جس میں بھی یہ علت پائی جائیگی، وضو ٹوٹ جائیگا۔
امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قسیم داری جوڑے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر بنے والے خون سے وضو (لازم) ہے۔

اس حدیث کی سند منقطع ہے کیونکہ عمر بن عبد العزیز کا قسیم داری سے سماع نہیں ہے اور اس کی سند میں یزید بن خالد اور یزید بن محمد ضعیف ہیں۔ (سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ جوڑے سے روایت کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا خون کے ایک قطرہ یا دو قطروں سے وضو نہیں ہے، سوال کیا کہ بنے والا خون نکلے۔ (سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۵۷۳-۵۷۴)

امام دار قطنی نے ان دونوں سندوں کو بھی ضعیف کہا ہے، لیکن تعدد اسناد سے حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہے اور وہ لائق استدلال ہوتی ہے۔ ابن جریج اپنے والد جوڑے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے منہ بھر کرے کی یا اس کی ٹکیر پھوٹ گئی، وہ دایں لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز پوری کرے۔

(سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۵۵۸، سنن ابن ماجہ، ۱۲۲۱، سنن کبریٰ، للسیوطی، ج ۱، ص ۱۵۳، کمال ابن عدی، ج ۱، ص ۲۹۳)
امام دار قطنی نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تین سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱) نیز امام دار قطنی نے اس حدیث کو ابن جریج کے والد سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۶۳) دو سندوں کے ساتھ حضرت علی جوڑے سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۶۵-۵۶۶) نیز اور کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۸، ۵۷۹)

ہر چند کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہیں، لیکن تعدد اسناد کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، اور لائق استدلال ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قے کرنے سے اور غیر خمر جین سے خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (الکلیبی، ج ۱، ص ۲۳۳)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ جوڑے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وضو صرف پلو نکلنے سے یا ہوا خارج ہونے سے لازم آتا ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۷۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۵۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳، دار الفکر، سنن کبریٰ، للسیوطی، ج ۱، ص ۱۷۷)

اس حدیث سے استدلال درست نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ بول و دیراز نکلنے سے غیند سے اور جماع سے بھی وضو نہ ٹوٹے۔ جب کہ شوافع کے نزدیک عورت کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس حدیث میں ان میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اس لیے اسی حدیث میں غیر خمر جین سے خون نکلنے اور منہ بھر کے قے کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث اس شخص کو سنائی ہے جس کو ہوا خارج ہونے کا شک ہو تا رہا تھا اس لیے انہوں نے کہا جب تک آواز نہ نکلے یا بدو نہ آئے، وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام شافعی نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ امام ابو داؤد متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں گئے ایک شخص نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا اس مشرک نے قسم کھائی میں اس وقت تک کہ میں کا بیچا کرتا رہوں گا جب تک کہ اصحاب محمد ﷺ میں سے کسی کا خون نہ بہا دوں۔ وہ نبی ﷺ کا بیچا کرتا رہا حتیٰ کہ نبی ﷺ نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ آپ نے فرمایا ہمارا پہرہ کون دے گا؟ ایک مہاجر اور ایک انصار نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم دونوں کھٹی کے منہ پر کھڑے رہتا جب وہ دونوں کھٹی کے منہ پر پہنچے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہا۔ اس مشرک نے اس انصاری کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہ مسلمانوں کی حفاظت کر رہا ہے اس نے اپنا تیر نکل کر کھن میں رکھا اور لگاتار تین تیر مارے۔ وہ انصاری اسی طرح نماز میں رکوع اور سجود کرتا رہا حتیٰ کہ مہاجر بیدار ہو گیا۔ جب اس مشرک کو اندازہ ہوا کہ یہ لوگ چہ کئے ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا جب مہاجر نے انصاری کے جسم سے خون بہتا ہوا دیکھا تو کہا بھلا اللہ! جب تمہیں پہلا تیر لگا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟ انصاری نے کہا میں قرآن مجید کی جس سورت کو پڑھ رہا تھا میں نے اس کو منقطع کرنا پسند نہیں کیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۸۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳-۳۳۴، طبع قدیم، سنن کبریٰ للبخاری ج ۱ ص ۳۰، صحیح ابن خزمہ رقم الحدیث: ۳۶، سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۸۵۸، المستدرک ج ۱ ص ۱۵۶)

امام شافعی رحمہ اللہ کا اس حدیث سے استدلال اس وقت صحیح ہوتا جب نبی ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا جاتا اور آپ اس نماز کو دہرائے کا حکم نہ دیتے۔ ثانیاً: حافظ منذری نے لکھا ہے کہ جب کہ تیر لگ کر پہنچے والا خون اس انصاری کے بدن اس کی کھل اور اس کے کپڑوں پر بھی پھینکا گیا ہو گا اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں نماز صحیح نہیں ہوتی خواہ خون تھوڑا ہی ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ خون کی دھار اس طرح بھی تھی کہ اس کے کپڑوں اور بدن پر خون نہیں لگا تو یہ بہت تعجب خیز بات اور بہت بعید احتمال ہے۔ (مختصر سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۳۳)

علامہ بلوردی شافعی نے بعض آثار صحابہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ لیکن وہ سب ضعیف ہیں۔

اگر کسی شخص کو لپٹے ہوئے نیند آ جائے یا کسی چیز سے اس طرح ٹک لگائے ہوئے نیند آ جائے کہ اگر اس چیز کو ہٹایا جائے تو وہ گر جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مسجد میں سوئے ہوئے تھے حتیٰ کہ آپ نے غرائے لیے پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو سو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا وضو اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے۔ کیونکہ جب انسان لیٹ جاتا ہے تو اس کے اصحاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۲، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۲۱، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۶، طبع قدیم)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے سند صحیح سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سوئے تھے پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھیں سے مل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے مجھے گود میں بھر لیا میں نے دیکھا تو وہ نبی ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھ پر وضو واجب ہو گیا؟ آپ نے

فرمایا نہیں جب تک تم اپنا پلو زمین پر نہ رکھو۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۵۰ کمال ابن عدی ج ۲ ص ۵۵)
امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے یہ حسن
نظیر ہے اور استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے۔

امام دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت معلویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قنمہ لگانے
سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ آنکہ سرن کی رسی ہے جب آنکہ سو جاتی ہے تو یہ رسی ڈھلی ہو جاتی ہے۔ امام طبرانی کی روایت میں یہ
اضافہ ہے سو جو شخص وضو کرے۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث ۵۸۷، المعجم الکبیر ج ۱۹، رقم الحدیث ۸۷۵، مسند احمد ج ۳ ص ۹۶۷، مسند ابو حلی ج ۱۳، رقم
الحدیث ۷۳۷، سنن دارمی ج ۱، رقم الحدیث ۷۲۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث ۳۷۷، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۸، سنن ابوداؤد، رقم
الحدیث ۲۰۳، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث ۵۷۹، الجامع الکبیر ج ۱، رقم الحدیث ۱۳۵۳)

اس حدیث کی سند میں ابوبکر بن عبد اللہ بن ابی مریم ضعیف راوی ہے اور بقیہ بن الولید مدلس ہے۔ امام ابن حبان نے
اس کی توثیق کی ہے۔ حافظ المیشی اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، تاہم یہ حدیث دیگر احادیث صحیحہ اور
حسنہ کی موید ہے۔

نماز میں قنمہ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے، کیونکہ بدن سے کوئی نجاست نہیں
نکلے، لیکن حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قیاس پر حدیث کو مقدم رکھتے
ہیں۔ ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

طیلع بن اسامہ اپنے والد جریر سے روایت کرتے ہیں، ایک ملازم شخص آیا اور ایک گڑھے میں گر گیا، ہم اس سے ہنس
پڑے، رسول اللہ ﷺ نے ہم کو پورا وضو دوبارہ کرنے کا حکم دیا اور نماز کو شروع سے دہرانے کا حکم دیا۔

(سنن دارقطنی ج ۱، رقم الحدیث ۵۹۱)

اس حدیث کی سند میں حسن بن دینار متروک ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۴)

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جب مرد عورت کے یا عورت مرد کے بدن کو بلا حجاب چھوئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان
کی دلیل یہ ہے کہ زیر تفسیر آیت میں "اولسنم النساء فلم تحذوا ماء فیسیموا صعبدا طیباً"
(المائدہ ۶) وہ اس آیت میں لمس کا معنی چھونا کرتے ہیں، یعنی پاؤں نے عورتوں کو مس کیا ہو، پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تیمم کرو۔
امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس آیت میں لمس جماع سے کنایہ ہے، یعنی جماع اور مباشرت سے وضو ٹوٹتا ہے، صرف
چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں لمس، مس کے الفاظ جماع سے کنایہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۶۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوری تھی اور
میرے دونوں پیر آپ کے سامنے تھے۔ جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ میرے پیروں کو ہاتھ لگاتے، میں اپنے پیر کھینچ لیتی، جب

کیونکہ اولاً تو یہ دیگر اصحاء کی طرح ایک عضو ہے جس طرح دیگر اصحاء کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا اس کو چھونے سے بھی وضو واجب نہیں ہوتا۔ ثانیاً اس لیے کہ خون، پیپ اور بول، براز کو چھونے سے وضو نہیں ہوتا جو نجس العین ہیں تو جو عضو فی نفسہ طاهر ہے اس کو چھونے سے وضو کیسے ٹوٹے گا؟

نیم کی شرط "طریقہ اور دیگر احکام

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں:

جو شخص سفر کے دوران پانی نہ پائے یا وہ شخص شر سے باہر ہو اور شر اس سے ایک میل (انگریزی ڈیڑھ میل) یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو وہ پاک مٹی سے نیم کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلم تجدوا ماء فتيمموا صعبا طيبا" (المائدہ: ۶۰) پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے نیم کرو۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ خواہ اس کو دس میل تک پانی نہ ملے، سو جب اس کو پانی مل جائے تو وہ اس سے اپنی کھل ترک کرے، یعنی وضو کرے، یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ محمود کی روایت میں ہے کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحديث: ۷۳، سنن ابو داؤد، رقم الحديث: ۳۲، سنن نسائی، رقم الحديث: ۳۱، سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحديث: ۱۷۱،

سنن احمد، ج ۸، رقم الحديث: ۲۳۳، المستدرک، ج ۱، ص ۷۷، سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۲۲۰-۲۲۱)

ایک (شرعی) میل کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ ایک میل کی مسافت سے وضو کے لیے شر میں جانے سے ضرر ہو گا، اعتبار مسافت کا ہے، بجلی وقت یا نماز فوت ہونے کے خوف کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ یہ تقصیر اس کی طرف سے ہے اور اگر اس کو پانی دستیاب ہو لیکن وہ بیمار ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے پانی استعمال کیا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ نیم کرے۔ اگر جیسی کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو وہ سردی سے مر جائے گا یا بیمار ہو جائے گا تو وہ نیم کرے، خواہ وہ شر میں ہو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سردی کی رات میں جیسی ہو گئے۔ انہوں نے نیم کیا اور یہ آیت پڑھی ولا تفتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً (النساء: ۲۹) تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے، پھر انہوں نے اس کا نبی ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے ان کو طاعت نہیں کی۔ (صحیح بخاری، مکتب التیم، باب: ۷)

نیم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک مٹی پر دو بار ہاتھ مارے۔ ایک بار ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملے اور دوسری بار کھینچ کر سمیت ہاتھوں پر ملے، ہاتھوں سے مٹی کو جھاڑے، تاکہ چہرہ خراب نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زمین کی جنس سے ہر چیز کے ساتھ نیم کرنا جائز ہے۔ مثلاً مٹی، ریت، پتھر، چونا اور بڑتل (ایک قسم کی زرد اور زہریلی رحلت) وغیرہ سے۔ نیم ہر اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جس سے وضو ہوتا ہے۔ نیز جب انسان کو پانی مل جائے اور وہ اس کے استعمال پر قادر ہو تو اس سے بھی نیم ٹوٹ جاتا ہے۔ نیم سے فرائض اور نوافل سب کچھ پڑھ سکتا ہے، اگر نماز جنازہ یا عید کی نماز کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو شر میں بلا عذر بھی نیم کرنا جائز ہے۔

(بدایہ اولین، ص ۵۶-۵۹، مطبوعہ مطبوعہ شرکت طبعہ، لبنان)

نیم سے متعلق دیگر مباحث ہم نے (المائدہ: ۳۳) میں بیان کر دیے ہیں۔ وہیں مطالعہ فرمائیں۔

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِثْلَ مَا لَدَىٰ ذٰلِكُمْ

اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، اور اس جلد و پیمان کو جو اس نے پھل کے ساتھ

بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ

تم سے یا ہے، جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتوں

يَذَاتِ الصُّدُورِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ

کو جاننے والا ہے ۝ اے ایمان دار! اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم

بِاللَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ

رہنے والے ہر جاؤ اوراں حاکم تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو، کسی قوم کی عداوت

أَلَّا تَعْدِلُوا ۖ اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ

نہیں بے انصافی پر نہ اجماع ہے، تم عدل کرتے رہو وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو،

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

بیشک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے ۝ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان سے

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے ۝ اور جن لوگوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اور ہماری آیتوں کو بھلایا وہ لوگ دوزخی ہیں ۝ اے ایمان دارو!

آمَنُوا إِذْ ذُكِّرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ لَّا يَسْطُرُونَ إِلَيْكُمْ

تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا

أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَىٰ اللَّهِ

ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور ایمان داروں کو

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے۔ جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

(المائدہ ۷)

اللہ کی نعمت اور اس کے عہد و میثاق کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی اور اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ تمہیں خوشی ہو یا رنج، سہولت ہو یا تنگی، ہر حال میں تم اللہ کے احکام من کر قبول کرو گے اور اس کی اطاعت کرو گے اور تم نے یہ کہا تھا کہ آپ ہمیں جس چیز کا حکم دیں گے ہم اس کو بجالائیں گے اور جس کام سے منع کریں گے اس سے باز رہیں گے اور تم پر یہ بھی اللہ کا انعام تھا کہ تم نے یہ عہد کیا سو اے مسلمانو! تم اپنے اس عہد کو پورا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں دائمی نعمتیں عطا فرمائے۔

تم اس عہد کو توڑنے یا پورا نہ کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو ایسا نہ کرنا کہ زبان سے اطاعت کا اقرار کرو اور دل میں اس کے خلاف ہو اور اپنے ظاہر اور باطن میں اس عہد کی خلاف ورزی کرنے سے اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی معین نعمت کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ جس نعمت کا ذکر فرمایا ہے اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں پر غور کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہیں۔ اللہ نے بندوں کو جو نعمتیں دی ہیں ان کا شمار کون کر سکتا ہے۔ اس نے حیات عطا فرمائی، صحت دی، عقل اور ہدایت دی۔ آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھا اور دنیا میں بہت اچھائیاں عطا فرمائیں، بندوں کو چاہیے کہ اللہ کی ان نعمتوں پر غور کریں اس کا شکر بجالائیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم ان نعمتوں کو یاد کرو اور یاد کرنا بھولنے کی فراموشی ہے یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں اور نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تک وہ دھوکا دیتا ہے اور جب کوئی نعمت چلی جاتی ہے تو پھر اس نعمت کو یاد کرتا ہے حالانکہ اسے چاہیے کہ وہ نعمت کی حالت میں اپنے منعم کو یاد رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ کرنے کا ایک سبب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور اس کی طرف متنبہ کرنے کا دوسرا سبب اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد و میثاق ہے۔ اس میثاق کی ایک تفسیر وہ ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کے وقت آپ کی اطاعت کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لیا کہ وہ تورات پر ایمان لائیں اور تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی بشارت ہے تو انہوں نے تورات کے ضمن میں آپ کی نبوت پر ایمان لائے کا بھی اقرار کیا تھا سو اس سے یہ میثاق مراد ہے اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے نکالا تو ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور جو تھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور شریعت پر جو عقلی دلائل اور شرعی براہین قائم کی ہیں عہد اور میثاق سے وہ دلائل اور براہین مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ در آنحالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو۔ (المائدہ ۸)

صحیح اور سچی شہادت کی اہمیت

یہ آیت بھی سابقہ آیت سے متصل ہے اور اس سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر برکتیختہ کرتا ہے۔ اس آیت میں دو حکم ہیں (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنا اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا خلاصہ بھی دو چیزیں ہیں۔ اللہ کی تعظیم اور بندوں پر شفقت کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا اس کا تعلق اللہ کی تعظیم کے ساتھ ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا اس کا تعلق بندوں پر شفقت کے ساتھ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے قرابت داروں اور دوستوں کی محبت کی وجہ سے شہادت دینے میں کوتاہی یا کمی نہ کرو اور اپنے مخالفوں اور دشمنوں سے بغض کی وجہ سے شہادت میں کوئی رد و بدل نہ کرو صرف انصاف کی رو سے شہادت دو خواہ اس سے تمہارے دوستوں کو نقصان پہنچے یا تمہارے دشمنوں کو فائدہ پہنچے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی قوم کی عدالت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر عام ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کسی قوم کے ساتھ بغض تمہیں اس کے ساتھ بے انصافی کرنے پر نہ ابھارے یا اس طور کہ تم حد سے تجاوز کرو بلکہ تم ان کے ساتھ انصاف کرو خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہو اور ان کے ساتھ نیکی اور اچھائی کے ساتھ پیش آؤ خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ بدی اور برائی کی ہو اور غلوں میں سے ہر ایک کے ساتھ عدل اور انصاف کرو اور کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرو اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت کفار مکہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو چھ بھری میں مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے آگے نہیں جانے دیا تھا۔ سو اس وجہ سے تم ان پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسلمانوں کو کفار پر ظلم اور زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے حلا نکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ مشرکوں کو جہاں پائیں قتل کر دیں اور میدان جنگ میں آنے والے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر لیں اور ان کے اموال لوٹ لیں تو پھر نور ظلم اور زیادتی کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم یہ ہے کہ جب وہ اسلام لائیں تو ان کا اسلام قبول نہ کیا جائے ان کے بچوں کو قتل کیا جائے بڑوں کا مثلہ کیا جائے اور ان سے کیے ہوئے معاملہوں کو توڑ دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا تم عدل کرتے رہو وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے۔

عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ تقویٰ کے معنی ہیں خوف خدا کی وجہ سے گناہوں سے اجتناب کرنا اور جو شخص عدل کرتا ہے وہ گناہوں سے اجتناب کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص عدل کرتا ہے وہ عذاب اخروی سے بچنے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

اس آیت میں اس پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے حلا نکہ وہ اللہ کے دشمن ہیں اور جب اللہ کے دشمنوں کے ساتھ عدل کرنا واجب ہے تو اللہ کے دوستوں کے ساتھ عدل کرنا کس قدر زیادہ مطلوب ہو گا اس کے بعد فرمایا اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے (المائدہ: ۸)

یعنی اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور وہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے سو اگر تم نے کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دی یا کسی کے حق میں جھوٹی گواہی دی اور بے انصافی کی تو وہ اللہ سے مخفی نہیں ہے۔ پھر صحیح اور سچی گواہی پر اجر و ثواب کی بشارت دی اور جھوٹی گواہی پر عذاب کی وعید سنائی اور فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (المائدہ: ۹) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ لوگ دوزخی ہیں۔

نا اہل کو سند یا لائسنس دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر
مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۸۱ھ لکھتے ہیں:

آخر میں ایک اور اہم بات بھی یہاں جانا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ لفظ شلوت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عرف میں مشہور ہو گیا ہے وہ تو صرف مقدمات و خصوصیات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شلوت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کرنے کے قابل نہیں یہ بھی ایک شلوت ہے۔ اگر اس میں واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شلوت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔

اسی طرح احتمالات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شلوت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پردائی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو وہ بھی جھوٹی شلوت ہے اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

(معارف القرآن، ج ۲، ص ۷۰-۷۱، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی)
ہمارے نزدیک اگر کوئی ڈاکٹر کسی صحت مند شخص کو کسی تعلق کی بنا پر یا رشوت لے کر بیماری کا سرٹیفکیٹ دے دیتا ہے تو اس کے سر پر ایک گناہ تو رشوت لینے کا ہے اور اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا گناہ ہے۔ اور دو سر گناہ اس کا جھوٹ ہے اور جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے:

أَنْ لَعَنَتِ اللّٰهُ عَالِبُوْنَ كَذِبٍ ۝۱۱۱
اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو بے شک اس پر اللہ کی لعنت (السورہ ۸)

اور جھوٹ پر عذاب کی وعید سنائی ہے:
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۱۲
اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ (البقرہ: ۱۱۲) بولتے تھے۔

اگر کوئی متحج کسی طالب علم کے پرچہ میں رشوت لے کر یا سفارش یا تعلق کی بنا پر زیادہ نمبر لگاتا ہے یا دشمنی اور عداوت کی بنا پر اس کے نمبر کم لگاتا ہے تو یہ ظلم ہے کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۱۸۸۱ھ لکھتے ہیں:

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔ اور اس کا شرعی معنی ہے حق سے باطل کی طرف تہلوز کرنا اور اس کو جوہر کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف کرنا ظلم ہے اور حد سے تہلوز کرنا ظلم ہے۔

(کتاب احصیاءات، ص ۶۲، مطبوعہ ایران، التہایہ، ج ۲، ص ۶۱، المفردات، ص ۳۱۶-۳۱۵)
اور ظلم بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر لعنت فرمائی ہے:

أَلَا لَعَنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ (ہود: ۱۸)

اس لیے کسی ڈاکٹر کا صحت مند کو بیماری کا سرٹیفکیٹ دینا یا کسی افسر کا انارڈی کو ڈرائیونگ لائسنس دینا یا کسی جیکسی ڈرائیور کے غلط میٹر کی صحیح میٹر کا سند دینا یا رشوت لے کر کسی غیر محل کو قوی شناختی کارڈ دینا یا کسی یونیورسٹی یا ادارہ کی جعلی سند جاری کر دینا اور اس نوع کی تمام جھوٹی اور جعلی دستاویزات، جھوٹ اور ظلم پر متحج ہیں، اور گناہ کبیرہ ہیں۔ تاہم ان کو جھوٹی شلوت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے، خصوصاً متحج کے نمبر لگانے کا معاملہ کسی طور پر شلوت نہیں ہے۔ اس کے لگائے ہوئے نمبر شلوت

نہیں بلکہ ایک قسم کا فیصلہ ہیں اگر وہ غلط نمبر لگائے گا تو یہ اس کی عداوت کے خلاف ہو گا اور قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَحْزَنُ مَنكُمْ شَيْئًا قَوْمٌ عَلَيَّ أَنْ لَا تَعْدُوا
إِعْدَائِي وَأَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (المائدہ: ۸۰)

کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔ تم عدل کرتے رہو، وہ خوفِ ختم کے زیادہ قریب ہے۔

طالب علم کا پرچہ چیک کر کے جو نمبر لگاتا ہے وہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے۔ اسی طرح جو افسر گاڑی کی فٹ نہیں کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے یا میٹر کو صحیح قرار دیتا ہے یہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے اور ڈاکٹر جو سرٹیفکیٹ دیتا ہے یہ اس کی ماہرانہ رائے ہے۔ یہ تمام امور مشابہ بالقضاء ہیں شہادت نہیں۔ پس شہادت دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسے میں شہادت دیتا ہوں جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے۔ اس لیے اگر یہ لوگ غلط فیصلہ کریں گے اور خلاف واقع تحریر کریں گے تو عدل کے خلاف ہو گا اور ظلم اور جھوٹ ہو گا اور یہ کام تو خوب لعنت ہیں اور گنہ گیرہ ہیں لیکن یہ شہادت کی تعریف میں نہیں آتے۔ اب ہم آپ کے سامنے شہادت کی تعریف اور ارکان بیان کر رہے ہیں۔

شہادت کی تعریف

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں قاضی کے سامنے ایک شخص کے دوسرے شخص پر حق کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینا (مثلاً کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں آدمی کا فلاں شخص پر فلاں حق ہے) شریعت میں شہادت ہے۔ (کتاب التعلیقات ص ۵۷ مطبوعہ ایران)

علامہ حسین بن محمد رافع اسماعیلی متوفی ۵۰۶ھ لکھتے ہیں:

شہادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ظلم اور یقین کے قائم مقام ہے اس میں یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ دوسری قسم وہ ہے جو قسم کے قائم مقام ہے اس میں مثلاً یہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ زید چلنے والا ہے۔ (الفردات ص ۳۸)

علامہ محمد بن محمود ہمدانی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

جب گواہ مسوعات کی جنس سے کوئی بات سنے مثلاً بیع اقرار یا حاکم کے حکم کو سنے یا مہجرات میں سے کسی چیز کو دیکھے مثلاً کسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھے یا کسی کو غصب کرتے ہوئے دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ گواہی دے کہ میں گواہی دیتا ہوں فلاں شخص نے بیع کی یا حاکم نے فیصلہ کیا خواہ اس کو گواہ نہ بنایا گیا ہو۔

(مناہج مع فتح القدر ج ۷ ص ۳۵۷ طبع بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۷۶ھ نے لکھا ہے کہ شہادت میں لفظ شہادت (مثلاً میں شہادت دیتا ہوں) کہنا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسی لفظ کے ساتھ شہادت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

وَأَشْهِدُوا ذَوِيَّ بَعْدِلِ مَنكُمْ (الطلاق: ۴)
وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ: ۲۸۲)
وَأَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ (البقرہ: ۲۸۲)

اور تم میں سے دو نیک شخص شہادت دیں۔
جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو شاہد (گواہ) بنائو۔
اور تم اپنے مردوں میں سے دو شاہد طلب کرو۔

اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو۔

وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق: ۴)

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم سے شہادت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا ہاں یا آپ نے فرمایا اس کی مثل ہو تو شہادت دو، ورنہ چھوڑ دو۔

(المستدرک ج ۳ ص ۱۹۸ سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۵۶)

ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی سنی ہوئی بات یا کسی وقوع پذیر ہونے والے حلوٰۃ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ اور ڈاکٹر جو کسی مریض کے متعلق اپنی رائے لکھتا ہے یا مستحق کسی پرچہ پر نمبر لگاتا ہے اس میں کسی واقعہ یا حلوٰۃ کی خبر نہیں دی جاتی بلکہ اپنی طرف سے ایک رائے دی جاتی ہے یا ایک حکم لگایا جاتا ہے۔ اس لیے ان امور کو شہادت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر بدعتی کی وجہ سے صحیح رائے نہ لکھی جائے یا صحیح حکم نہ لگایا جائے تو یہ عدل کے خلاف ہے اور ظلم ہے اور اگر اس نے دانت اپنی فی الواقعہ رائے کے خلاف لکھا تو یہ جھوٹ ہے اور سرغل گنہ کبیرہ ہے۔

نا اہل شخص کو ووٹ دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلباء کو سند یا سرٹیفکیٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر وہ شخص واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس سرٹیفکیٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادت کا ذکر کے مجرم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے۔ جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی قوی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔

اب غور کیجئے کہ ہمارے نمائندوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جن کے حق میں یہ گواہی سچی اور صحیح ثابت ہو سکے مگر ہمارے عوام ہیں کہ انہوں نے اس کو شخص ہار جیت کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ اس لیے ووٹ کا حق کبھی پیسوں کے عوض میں فروخت ہوتا ہے، کبھی کسی دہانے کے تحت استعمال کیا جاتا ہے، کبھی پٹا دار دوستوں اور ذلیل و خواروں کے بھروسے پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور تو اور، لکھے پڑھے و پندار مسلمان بھی نا اہل لوگوں کو ووٹ دیتے وقت کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ جھوٹی گواہی دے کر مستحق لعنت و عذاب بن رہے ہیں۔

نمائندوں کے انتخاب کے لیے ووٹ دینے کی از روئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے۔ اس کا حکم قرآن کریم کے الفاظ میں پہلے بیان ہو چکا ہے:

وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ
نَصِيبٌ مِّمَّا رَزَقْنَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً
يَّكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا۔

یعنی جو شخص اچھی اور سچی سفارش کرے گا تو جس کے حق میں سفارش کی ہے اس کے نیک عمل کا حصہ اس کو بھی ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرتا ہے یعنی کسی نا اہل اور برے شخص کو کامیاب بنانے کی سعی کرتا ہے اس کو اس کے برے اعمال کا حصہ ملے گا۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ امیدوار اپنی کارکردگی کے بیچ سالہ دور میں غلط اور ناجائز کام کرے گا، ان سب کا وہل ووٹ دینے

والے کو بھی پہنچے گا۔

دوٹ کی ایک تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ دوٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنی نمائندگی کیلئے وکیل بناتا ہے۔ لیکن اگر یہ وکالت اسکے کسی شخص حق کے متعلق ہوتی اور اسکا نفع نقصان صرف اسکی ذات کو پہنچتا تو اسکا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اسکے ساتھ پوری قوم شریک ہے۔ اس لیے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کے لیے دوٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اسکی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا دوٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے۔ ایک شلوت، دوسرے شفاعت اور تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت۔ تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صلح قتل آدمی کو دوٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو دوٹ دینا بھونٹی شلوت بھی ہے اور بری شفاعت بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے بدلہ کن ثمرات بھی اس کے ہمارے اعمال میں لکھے جائیں گے۔

اس لیے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ دوٹ دینے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کر لے کہ جس کو دوٹ دے رہا ہے وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں، اور دیانت دار ہے یا نہیں، شخص غفلت دے پر وہی سے بلا وجہ ان عظیم گناہوں کا مرتکب نہ بنے۔ (محارف القرآن، ج ۳، ص ۷۲، ۷۳، مطبوعہ ادارہ المعارف کراچی)

جو شخص علم اور عمل کے اعتبار سے نا اہل ہو، اس کو دوٹ دینا ہمارے نزدیک بھی ناجائز اور گناہ ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دوٹ کسی کے حق میں شلوت ہے، یا وکالت ہے، یا شفاعت ہے، اس کا شلوت نہ ہونا تو ہماری پہلی تقریر سے واضح ہو گیا۔ شلوت میں کسی دیکھے ہوئے یا نئے ہوئے واقعہ کی لفظ شلوت کے ساتھ خبر دی جاتی ہے، اور دوٹ دینے کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ شفاعت اس لیے نہیں ہے کہ شفاعت میں کسی تیسرے شخص کے پاس کسی منصب کے لیے سفارش کی جاتی ہے، اور اس تیسرے شخص کے اختیار میں یہ معاملہ ہوتا ہے کہ خواہ اس شفاعت کو قبول کرے خواہ رد کر دے، جبکہ دوٹ کی حیثیت اس طرح نہیں ہے۔ جس نمائندہ کے دوٹ ڈالے گئے ہیں، اگر اس کے دوٹ اپنے مقاتل سے زیادہ ہوں تو وہ اسمبلی کا ممبر بن جائے گا۔ اس میں کسی کے قبول کرنے نہ کرنے کا کوئی معاملہ نہیں ہے، اس طرح دوٹ وکالت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وکالت میں موکل کسی شخص کو وکیل بنانے کے بعد اس کو معزول بھی کر سکتا ہے۔ (حدیث اخیرین، ص ۱۹۹) اور ووٹر کسی امیدوار کو دوٹ ڈالنے کے بعد اپنے دوٹ کو کینسل نہیں کر سکتا، اور نہ ہی منتخب ہونے کے بعد اس امیدوار کو معزول کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی تعلق یا لالچ یا دھوکے کی وجہ سے کسی نا اہل شخص کو دوٹ ڈال رہا ہے، تو اس عمل کے ناجائز ہونے کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک منصب کے لیے نا اہل شخص کو مقرر کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ اور اسلام میں کسی نا اہل کو منصب دینے سے منع کیا گیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اپنی بات مکمل کر کے فرمایا: جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی منصب کسی نا اہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۵۸، سند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۸، رقم الحديث: ۸۷۳۳، الجامع الصغیر، رقم الحديث: ۸۸۷، الجامع

الکبیر، ج ۱، رقم الحديث: ۱۸۹۵)

جو کسی ایسے شخص کو قوی یا صوبائی اسمبلی کے لیے ووٹ ڈالتا ہے، جو دینی اور دنیوی علوم سے بہرہ مند نہ ہو اور اس کا بد چلن اور بد کردار ہو یا بالکل واضح ہو تو وہ اس نمائندگی کے لیے نا اہل شخص کو منتخب کر رہا ہے اور نا اہل کو منصب کے لیے منتخب کرنا اس حدیث کے مطابق قیامت آجانے کے حروف ہے۔ نیز اس سلسلہ میں مزید احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا، ملائکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ اللہ کا فرمایا ہوا اور پھر تھا تو بتانے والے نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور جماعت مسلمین سے خیانت کی۔ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک، ج ۳، ص ۹۳-۹۴، مطبوعہ دار الباز، مکہ المکرمہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل بنایا، ملائکہ وہ جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتب اللہ اور سنت رسول کا زیادہ جاننے والا ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی۔ (کنز العمال، ج ۹، ص ۹۷، مطبوعہ موسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ایوب جوینوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جب کوئی اہل شخص دین کا والی ہو تو دین پر نہ رہنا اور جب نا اہل والی ہو تو پھر دین پر رہنا۔ علامہ احمد شاکر متوفی ۱۲۷۷ھ نے لکھا ہے، اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۳۷۱، امام حاکم اور امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ المستدرک، ج ۳، ص ۵۵، نیز امام طبرانی، متوفی ۳۲۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ المعجم الاوسط، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۸۶۱، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۴۹۹۹)

اہل احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ جو شخص بیسویں کے لالچ، برہم کاری کے تعلق یا کسی ہاٹر آدمی کے دھڑکی وجہ سے نا اہل کو ووٹ ڈالتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کرنا ہے۔ نیز اہل شخص کے ہوتے ہوئے نا اہل شخص کو ووٹ ڈالنا، ظلم ہے، کیونکہ ظلم کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور ظالموں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے، اور ظلم مکمل کبیرہ ہے۔

نیز جب کوئی بد کردار اور فاسق و فاجر یا بد مذہب شخص اسمبلی میں پہنچے گا اور اس کو قانون سازی کا اختیار ملے گا تو یہ ممکن ہے کہ وہ خلاف شرع قانون بنائے یا اس کے حق میں ووٹ دے۔ جیسے ابوب خلن کے دور میں عائلی قوانین بن گئے جو سراسر غیر اسلامی ہیں اور ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۷ء کی وفاق کابینہ نے یہ مسودہ قانون منظور کیا کہ عورت خلوہ قاتل ہو، اس کو موت کی سزا نہیں دی جائے گی اور یہ صریح قرآن کے خلاف ہے۔ جن لوگوں نے ایسے بے دین لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچایا، یا جنہوں نے خلاف شرع قانون سازی کی، وہ بھی برابر کے مجرم ہیں۔ اس لیے جو لوگ غیر متدین اور غیر صالح لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچائیں گے، وہ بھی برابر کے مجرم ہوں گے۔ اس لیے نا اہل شخص کو ووٹ دینا بالکل جائز نہیں ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہے، ظلم ہے، اور خلاف شرع قانون بنانے کا ذریعہ ہے۔

طلب منصب کی تحقیق

ہمارے ملک میں طریق انتخاب کی یہ بہت بڑی خالی ہے کہ قوی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے ہر امیدوار از خود کھڑا ہوتا ہے، ملائکہ اسلام میں از خود عہدہ کی طلب کرنا ممنوع ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو عم زاونی پیچھے کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک

مفص نے کہا یا رسول اللہ اللہ نے جن چیزوں پر آپ کو ولایت دی ہے ان میں سے بعض پر ہمیں امیر بنادیں۔ دوسرے نے بھی اسی طرح کہا آپ نے فرمایا بخیر اہم اس مفص کو کسی منصب پر امیر نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا اور نہ اس کو جو اس کی حرم کرے گا۔ (صحیح مسلم ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

طالب منصب کو منصب نہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ طالب منصب کے ساتھ اللہ کی توفیق اور تائید شامل نہیں ہوتی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ منصب کو طلب کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے اپنے لیے حکومت کا عہدہ طلب کیا تھا قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا (یوسف: ۵۵) میرے پردہ کر دیجئے میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے۔ ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخیر اہم اس مفص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس مفص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرم کرے گا جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی طور پر یقینی ہوتا ہے، نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے افضل کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی طور پر یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا جو ان کو وحی سے حاصل ہوئی اور عام آدمی کے حق میں یہ تصور نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو مفص اہل ہو اس کا مفص خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے لیکن جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز کی گئی ہو اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے۔ اس کو عام رواج اور معمول بنالینا صحیح نہیں ہے مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر شراب اور خمر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی مفص ضرورت کے حوالے سے بخلاص اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنالے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے اپنے لیے کنوینسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں غیبت، افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ اور یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بنا پر کھڑا ہوا ہے بڑا بہت باطل ہے۔ کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہو گئے ہیں۔

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج

در حقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت و بنانی غیر اسلامی دفعہ ہے۔ جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں ان ہی میں سے منتخب افراد آگے چل کر وزیر اعظم، صدر مملکت اور وزراء اعلیٰ کا انتخاب کرتے ہیں اور یہی لوگ

اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ملک کے سربراہ اور وہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے، لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیکی اور تقویٰ کی مبہم شرائط رکھی گئی ہیں اور ان کا دیانت داری سے متعلقہ امیدواروں پر اطلاق بھی نہیں کیا جاتا۔ حال ہی میں صدر مملکت چیف ایگیشن کمشنر اور بالواسطہ طور پر عدلیہ یہ کہہ چکے ہیں کہ ان کا اطلاق کون کرے گا؟ اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ ایسے کڑے معیار پر کون اترے گا؟ گویا وہ بالواسطہ طور پر کہہ رہے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعات ۳۳ اور ۳۳ تا قتل اطلاق اور ناقابل عمل ہیں۔ نیز سیاسی تجربہ اور تدبیر کی حتیٰ کہ مرد ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کی شرط ہوتی ہے۔ بس چلانے والے ڈرائیور کے لیے بھی تجربہ کی شرط ہوتی ہے لیکن اس ملک کو چلانے کے لیے امیدواروں کے علم اور تجربہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہر فاسق و فاجر، جاہل اور ناتجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت، انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیسہ اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ یا کسی بھی محکمہ کا وزیر بن سکتا ہے۔ اور وہ دینی علم، تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ (المائدہ ۱۱)

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۳۰ھ نے اس آیت کے حسب ذیل دو شان نزول بیان کیے ہیں۔

یزید بن ابی زیاد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو نضیر کے پاس ایک ریت کے معاملہ میں گئے (دو عامری مسلمانوں کو عمرو بن امیہ خمری نے قتل کر دیا تھا۔ آپ یہودیوں سے ان کی ریت وصول کرنے تشریف لے گئے تھے) آپ نے ان یہودیوں سے فرمایا اس ریت (کی وصول پالی میں) میری مدد کرو۔ انہوں نے کہا ہاں! اسے اہل القاسم! آپ کو ہم سے کام درپیش ہوا ہے۔ آپ بیٹھے ہم آپ کو کچھ کھاتے ہیں اور آپ کا مطلوب مہیا کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب بیٹھ گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ آپ سے یہ گفتگو گھنٹی بن انتخاب نے کی تھی وہ یہودیوں کا سردار تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا جس قدر اب یہ تمہارے قریب ہیں اس سے زیادہ قریب تم ان کو کبھی نہ پاؤ گے۔ ان کو پتھروں سے مار کر قتل کر دو، پھر اس کے بعد تم کو کبھی مصیبت کا سامنا نہیں ہو گا۔ وہ چکی کا ایک بہت بڑا پاٹ لے کر آئے، تاکہ اس کو آپ پر گرا دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے آپ کو بچالیا اور جبرائیل آپ کو وہاں سے اٹھ کر لے گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا۔ (جامع البیان ج ۶، ص ۹۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت جابر جونیڈی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک منزل پر ٹھہرے اور مسلمان مختلف درختوں کے نیچے ان کے ساتھیوں میں لیٹ گئے، نبی ﷺ نے بھی اپنے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے، ایک اعرابی آیا اس نے آپ کی تلوار درخت سے اتار لی اور وہ آپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ! اس اعرابی نے تلوار میان میں ڈال لی۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور ان کو اعرابی کے واقعہ کی خبر دی، در آنحالیہ وہ آپ کے

پلو میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ قلم نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض دشمن آپ کی غفلت میں آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس اعرابی کو بھیجا تھا۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۳۰۱-۳۰۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۳-۲۹۱۰ مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث: ۱۲۳۲۱)

علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے پہلی روایت میں بیان کیا ہوا شان نزول راجح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے کافروں کے ہاتھ کو روک لیا اور پہلی روایت میں نبی ﷺ اور مسلمان دونوں سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں صرف نبی ﷺ سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور بیشک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد کیا اور ان میں سے ہم نے بارہ نگران

اَثْنَى عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ

مقرر کیے اور اللہ نے فرمایا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، البتہ اگر تم نے نماز قائم

الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّيْتُمْهُمْ

رکھی اور زکوٰۃ ادا کی اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تنظیم کے ساتھ مدد کی

وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّا كُفْرًا عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا،

وَلَا دُخْلُكُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ

اور میں تم کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں سو تم میں سے جس

بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝۱۳ فَبِمَا نَقُصُّهُمْ

نے اس کے بعد کفر کیا تو وہ بیشک سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا ○ تو ان کے عہد توڑنے

مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ

کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر دیا، وہ (اللہ کے) کلام کو اس کے

عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

مقامات سے بدل جیتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کی نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصے کو انہی نے بھلا دیا اور آپ ان کی خیانت

عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ

پر ہمیشہ صلیح ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے، آپ ان کو معاف کیجیے اور درگزر کیجیے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي

بیشک اللہ نیک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ۱۳ اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا ہم

أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

نصاری میں تو اس کے برے حصے کو انہوں نے بھلا دیا جس کے ساتھ ان کو نصیت کی گئی تھی تو ہم نے ان

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ

کے درمیان عداوت اور بغض کو روز قیامت تک لازم کر دیا اور مقترب اللہ انہیں ان کاموں

اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۴﴾

کی غبر سے گا جن کو وہ کرتے تھے ۱۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے بے شک بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ مہاجر مقرر کیے۔
(المائدہ: ۱۲)

سابقہ آیات سے ارتباط

یہ آیت سابقہ آیتوں کے ساتھ تین وجہوں سے مرتبط ہے:

۱۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پہنچی کے ساتھ تم سے لیا ہے (المائدہ: ۹) اور اب یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی پختہ عہد لیا تھا، لیکن انہوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا اور پورا نہیں کیا تو اے مسلمانو! تم اس برائی میں یہود کی مثل نہ ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عہد شکنی کی پاداش میں تم بھی اللہ کے غضب اس کی نعمت کا حصہ بن جاؤ اور تم پر بھی ذلت اور مستحقی ذل دی جائے۔

۲۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھائے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا (المائدہ: ۱۱) اور ہم نے اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ یہ آیت یہود کے حلق ہے، جب انہوں نے نبی بھیجے اور آپ کے بعض اصحاب کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ سو اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی مزید شرارتیں اور خباثتیں بیان کیں کہ انہوں نے صرف اللہ کے نبی کے ساتھ ہی خباثت نہیں کی، بلکہ انہوں نے خود اللہ کے ساتھ کچے ہوئے عہد و میثاق کو بھی توڑ ڈالا تھا۔

۳۔ اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اس کی مانگ لیں اور سرکشی سے باز رہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے لیے کوئی نیا حکم نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کو بھی

یہی حکم دیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور سرکشی نہ کریں۔
حل لغات

دیوار یا کھڑی میں سوراخ کو نقب کہتے ہیں۔ پہاڑوں میں جو سرنگ بنائی جائے اس کو منقبت کہتے ہیں کسی نیک انسان کے افضل کو بھی منقبت کہتے ہیں کیونکہ جس طرح کھڑی یا دیوار میں سوراخ موثر ہوتا ہے اسی طرح نیک آدمی کے افضل بھی دوسرے لوگوں میں ناظر کرتے ہیں۔ قوم کا رئیس جو قوم کے احوال کی تحقیق کرتا ہے اور ان میں موثر ہوتا ہے اس کو نقیب کہتے ہیں۔ اس کی جمع قبلاء ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہم نے بنو اسرائیل کے بارہ قبلاء مقرر کیے ہیں یعنی ان کو بارہ گروہوں میں بانٹ دیا اور ہر گروہ کا ایک سردار مقرر کیا۔ (المائدہ ص ۳۳ مطبوعہ امیران)

اس آیت میں فرمایا ہے "وعدنا موعدهم" تم نے رسولوں کی تصویر کی۔ تصویر کا معنی ہے تقسیم کے ساتھ مدد کرنا تصویر حد سے کم درجہ کی سزا کو بھی کہتے ہیں اور یہ بھی ایک قسم کی نصرت ہے کیونکہ جس شخص میں کوئی ایسی خصلت ہو جس سے اس کو دنیا یا آخرت میں ضرر پہنچے تصویر کے ذریعہ اس خصلت کو مٹا کر اس کی نصرت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تلویب ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی تقسیم کے ساتھ مدد کرنا ہے۔

(المائدہ ص ۳۳ مطبوعہ امیران)

قامتہ کا معنی ہے سخت جلد جو کسی قسم کی خبر کو قبول نہ کرے تحریف کا معنی ہے کسی شے کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا۔

بنو اسرائیل کی عہد شکنی کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری حوالہ ۱۰۳۷ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم بنو اسرائیل کے بارہ سرداروں کو نقب کر کے جہلمہ کی سرزمین شام میں بھیجیں تاکہ وہ اس قوم کے احوال کی تحقیق کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کریں اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو اس قوم کا وارث بنائے اور اس سرزمین میں آباد کرے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو قوم فرعون سے نجات دی تھی اور ان کو مصر سے نکال لیا تھا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق بارہ خیموں کو بچھایا یہ بارہ نقیب جہلمہ کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ ہو گئے ان کو راستہ میں ایک شخص ملا جس کا نام علیج تھا۔ (عروج بن حنی) وہ اس قدر لمبا اور جسیم تھا کہ اس نے ان بارہ خیموں کو بچھا کر اپنے نیچے میں اڑس لیا اس کے سر پر کھڑیوں کا گٹھا تھا وہ ان کو لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا دیکھو یہ لوگ اپنے زعم میں ہم سے لڑنے آئے تھے۔ پھر اس نے ان سب کو اپنے نیچے سے نکل کر زمین پر پھیٹک دیا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کیا خیال ہے میں ان سب کو اپنے قدموں سے روند کر نہیں ڈالوں؟ اس کی بیوی نے کہا نہیں بلکہ ان کو چھوڑ دو تاکہ یہ اپنی قوم کو جا کر ہماری قوت اور طاقت کا حال بتائیں۔ جب یہ لوگ وہاں سے واپس ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا اگر تم نے بنو اسرائیل کو اس قوم کا حال بیان کر دیا تو وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ جائیں گے اور مرتد ہو جائیں گے اس لیے تم صرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اس خبر سے مطلع کرنا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے اس پر عہد و پیمان لیا لیکن ان میں سے صرف دو اس عہد پر قائم رہے۔ وہ یوشع بن نون اور کلاب بن یوشع تھے اور باقی دس نے اس عہد کو توڑ کر تمام بنو اسرائیل سے علیج کا واقعہ بیان کر دیا۔ بنو اسرائیل کو جب جہلمہ کی قوت اور طاقت کا علم ہوا تو انہوں نے ان کے خلاف جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا

قَادُحَبِّ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَابِلَا اِتَاهُمَا
(المائدہ: ۴۳) یہاں بیٹھنے والے ہیں۔
آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں، سو وہ جنگ کریں، ہم
قائِدُوں۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۲۰۶-۲۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ، نویسط، ج ۲، ص ۱۶۶، طبع بیروت)
تمام غزالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ نقیبوں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ جبارہ کے جو بہت بڑے بڑے جسم دیکھ کر
آئے تھے اس کی بنو اسرائیل کو خبر نہ دیں، لیکن انہوں نے ان کو یہ خبر دے دی، اور یہی کن کا عہد توڑنا تھا۔

(تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۹ھ لکھتے ہیں:

ابو العالیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ بیعت لیا تھا کہ وہ اس کی اخلاص کے ساتھ عہد کریں اور اس کے علاوہ کسی کی
عہد نہ کریں اور مقاتل نے کہا ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ تورات کے احکام پر عمل کریں۔

(زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے فرمایا ہے شک میں تمہارے ساتھ ہوں، البتہ اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ ادا
کی، اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تعظیم کی ساتھ مدد کی اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے
تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا۔ (المائدہ: ۳)

بعض رسولوں کے انکار کی وجہ سے نجات نہیں ہوگی، خواہ نیک عمل کیے ہوں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں تمہارے ساتھ ہوں“ اس کا معنی ہے میں علم اور قدرت سے تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ یہ بارہ نقیبوں سے خطاب ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بنو اسرائیل کے ہر فرد سے خطاب ہو، یعنی میں تمہارا کلام سن رہا
ہوں اور تمہارے افعال دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو میں تم کو اس کی جزا دینے پر قادر ہوں اور اگر تم اس عہد
کو پورا نہیں کرو گے تو اس کی سزا دینے پر قادر ہوں۔ پھر جزا کا ذکر فرمایا، میں تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا اور تم کو جنتوں
میں داخل کروں گا، پھر سزا کا ذکر فرمایا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر
دیا۔

اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو پہلے ذکر کیا اور رسولوں پر ایمان لانے کو بعد میں ذکر کیا، جبکہ یہ ظاہر
رسولوں پر ایمان لانے کا پہلے اور نماز اور زکوٰۃ کی لواحقیت کا بعد میں ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود اس کا اقرار
کرتے تھے کہ نجات کے لیے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، اس کے باوجود وہ بعض رسولوں کے انکار پر اصرار کرتے
تھے۔ اس لیے ان سے فرمایا کہ تم میرے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ، ورنہ اس کے بغیر کھن نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے
تمہاری نجات نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اللہ کو اچھا قرض دینے کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ زکوٰۃ سے مراد صدقات واجبہ ہیں اور اللہ کو اچھا قرض
دینے سے مراد نفلی صدقات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ہم نے ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت
کر دیا۔ (المائدہ: ۳)

اس آیت میں یہود کے عہد توڑنے کا ذکر فرمایا ہے 'ان کے عہد توڑنے کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بعض نبیوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کو قتل کرتے تھے۔ اور دوسری یہ کہ وہ تورات میں مذکور نبی پیچہ کی صفات کو چھپاتے تھے۔
 اللہ تعالیٰ کے لعنت کرنے کی بھی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ دوسری یہ کہ ان کو مسیح کر کے بندر اور خنزیر بنادیا اور تیسری یہ کہ ان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ نیز فرمایا: ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں کو ایسا کر دیا کہ وہ دلائل دیکھنے کے باوجود حق کو قبول نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ کے کلام کو اس کے مقلات سے بدل دیتے ہیں (المائدہ: ۱۳)

تورات کی تحریف میں علماء کے نظریات

یہود نے تورات میں جو تحریف کی ہے اس کے متعلق کئی اقوال ہیں:

۱۔ یہود تورات کی آیتوں میں رد و بدل کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے عبارات بنا کر آیات میں شامل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ حسب ذیل آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

قَوْلِهِمْ لِمَنْ يَكْتُبُ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ
 نَمْ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ (البقرہ: ۷۹)
 ان لوگوں کے لیے براہِ مذاب ہے جو اللہ کی کتاب میں (اپنی طرف سے) لکھیں پھر کہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

۲۔ تحریف کے متعلق دو سرائق یہ ہے کہ وہ تورات کی آیتوں کی اپنی طرف سے باطل تویل کرتے تھے۔ امام رازی کا یہی مختار ہے۔ وہ لفظی تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کتاب تواتر سے منقول ہو اس میں لفظی تغیر نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۳۸۳)

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ تورات کی جن آیات میں سیدنا محمد پیچہ کی صفات ہیں وہ ان کو چھپا لیتے تھے۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۲۱۲، مطبوعہ بیروت)

ڈاکٹر وجہ زحلی لکھتے ہیں:

تاریخ میں یہ معروف ہے اور یہود و نصاریٰ نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جس کی حفاظت کائناتوں نے حکم دیا تھا اس کا صرف ایک نسخہ تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اہل بابل نے یہودیوں کو قید کیا اور ان میں لوٹ مار کی اس وقت وہ نسخہ گم ہو گیا اور ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نسخہ نہیں تھا۔ اور جب اہل بابل نے ان کے جیل کو جلادیا تو وہ اس نسخہ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

اور وہ پانچ سو تیس جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں جن میں حضرت موسیٰ کی حیات اور وفات کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہو گا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کلن عرصہ گزر جانے کے بعد بلکہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہیں۔ ان کو ہذا را کاہن نے لکھا تھا جو بنو اسرائیل کے قید ہونے والے بوڑھوں میں سے بچ گیا تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلن زمانہ بعد لکھی گئی تھی۔

(التفسیر المنیر، ج ۶، ص ۱۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ تورات اور انجیل کلیتہً ساقط الاعتبار نہیں ہیں۔ موجودہ تورات اور انجیل خواہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بعد لکھی گئی ہوں، لیکن ان میں بہر حال اصل تورات اور انجیل کی بہت آیات موجود ہیں اور بعد کی بطلانی ہوئی آیات بھی ان میں موجود ہیں کیونکہ قرآن مجید نے ان کتابوں کا اعتبار کیا ہے اور قرآن مجید کو ان کا مصدق قرار دیا ہے۔ اور

ان کتابوں کے حاملین کو اہل کتب فرمایا ہے اور ہمارے نزدیک ان کتابوں میں ہر طرح سے تحریف کی گئی ہے۔ اصل آیات نکل کر اور اپنی طرف سے آیات بنا کر ان میں داخل کی گئی ہیں اور اصل آیات کی باطل تلوٹات بھی کی گئی ہیں اور جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور آپ کی آمد کی بشارت پر مشتمل تھیں ان کو چھپایا اور نکالا بھی گیا ہے۔ حدود کی آیات میں حسب فشاء تفسیر بھی کیا گیا اور بعض الفاظ کو توڑ مروڑ کر بھی پڑھا گیا ہے تاکہ معنی کچھ سے کچھ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصہ کو انہوں نے بھلا دیا۔

(المائدہ ۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے تو رات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی وساطت سے ان سے جو عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اس عہد کو انہوں نے پورا نہیں کیا۔

اس کے بعد فرمایا اور آپ ان کی خیانت پر بیش مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہود بنو نضیر ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس دن قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جب آپ عامروں کی دیت وصول کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے کر سے آگاہ کر دیا اور آپ وہاں سے بحفاظت سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۲۱۴ مطبوعہ بیروت)

اس آیت میں فرمایا ہے ماسوا چند لوگوں کے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب آپ ان سے خیانت کا خوف نہ کریں۔

اس کے بعد فرمایا آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ بے شک اللہ نیک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہودیوں کے تین گروہ بنو نضیر اور بنو لوطیہ کے ساتھ نبی ﷺ نے نیک سلوک کیا۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد آپ نے ان سے صلح کی اور یہ معاہدہ کیا کہ وہ نہ خود آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے اور وہ نبی ﷺ کی طرف سے مہمان رہیں گے اور ان کے اسوا ل اور ان کی جانیں محفوظ رہیں گی اور وہ مکمل آزادی کے ساتھ مدینہ میں رہیں گے یہ معاہدہ پیش مدینہ مکمل تھا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہود نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور نبی ﷺ کے ساتھ خیانت کی اور کفار قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے باوجود نبی ﷺ نے ان کو صرف حجاز سے جلا وطن کرنے پر اکتفاء کیا اور ان کے اس جرم پر ان کو قرار واقعی سزا نہیں دی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہودیوں کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم آیت سیف سے منسوخ ہو گیا۔ وہ آیت یہ ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَجَدْتُمُوهُمْ تَوْتُمْ مُشْرِكِينَ كَوْتُمْ قُلُوبَهُمْ جَمَاعًا۔

(الشوبہ: ۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں تو اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان کے درمیان عدالت اور بغض کو روز قیامت تک لازم کر دیا۔ (الایہ) (المائدہ ۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے نصاریٰ سے بھی اس بات کا پختہ عہد لیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور

آپ کی پیروی کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے، لیکن انہوں نے بھی یہودی کی طرح اس عہد کو توڑ دیا اور انہوں نے اپنے دین کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا یہ دی کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف عداوت اور بغض کو ڈال دیا اور وہ قیامت تک اسی کائنات میں برقرار رہیں گے۔ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور عنقریب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو ان کے کام کی خبر دے گا جو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر انفرادہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کو منسوب کیا اور اس کا شریک بنایا اور آخرت میں ان کو ان کے اس شرک کی سزا دے گا۔

استخراج مسائل

- ۱۔ یہود نے اللہ سے کبے ہوئے عہد کو توڑا تو اللہ نے ان پر لعنت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے کبے ہوئے عہد کو توڑنے کی سزا لعنت ہے۔
- ۲۔ احکام شریعہ کی تبلیغ کے لیے بنو اسرائیل میں بارہ نقیب مقرر کیے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد محبت ہے۔
- ۳۔ بارہ نقیبوں کو جہاد کے احوال کی تفتیش کے لیے شام بھیجا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے علاقہ میں جاسوس بھیجا جائز ہے۔
- ۴۔ اللہ کے سب رسولوں پر ایمان لانا، نماز پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور نفل صدقات دینا گناہوں کی مغفرت اور دخول جنت کا سبب ہے۔
- ۵۔ یہود اور نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں نقلی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا

۱۔ اہل کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرے گا

كُنْتُمْ تَخْفَوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ

جن کو تم کتاب میں سے پھپھاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، بیشک آگیا تمہارے

مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ

پاس اللہ کی روشنی اور روشن کتاب ۵ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں

رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

کو پھلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف

بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ

لانا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے ۵ بیشک ان لوگوں نے کفر کیا

قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ

جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے ، آپ کہیے کہ اگر اللہ مسیح ابن

مَنْ اللَّهَ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ

مریم ، اس کی ماں اور تمام روئے زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو

أُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے ؛ اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور

وَمَا يَنْهَاهُمَا يُخْلِقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۵﴾

جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں

بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے دور گزر کرتا ہے (المائدہ: ۱۵)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ سے کہے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور ان پر

نازل کی ہوئی کتابوں کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام کی دعوت دے رہا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ

ہمارا نبی تم کو تمہاری کتاب کی وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے۔ حالانکہ ہمارے نبی ای ہیں انہوں نے کسی درس میں تعلیم

حاصل نہیں کی اس کے باوجود ان کا تمہاری کتاب کی باتوں کو بتانا ان کے معجزات میں سے ہے۔

یہود و جم کی آیت کو چھپاتے تھے اور جن یہودیوں نے منع کرنے کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کیا اس کی پاداش میں ان کو

بند بنا دیا گیا اس کو بھی وہ چھپاتے تھے اور سیدنا محمد ﷺ نے ان امور کو بیان فرمادیا اور بہت سی ایسی باتیں جن کو یہود چھپاتے

تھے ان کو نبی ﷺ نے نہیں بیان فرمایا کیونکہ ان کے بیان سے دین کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک آگیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔ (المائدہ: ۱۵)

رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے متعلق علماء کے نظریات

جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے مراد

قرآن مجید ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اہل تورات اور اہل انجیل کو چاہل کر کے فرمایا: تمہارے پاس نور اور کتاب مبین آگئی۔ نور سے مراد سیدنا

محمد ﷺ ہیں جنہوں نے حق کو روشن کیا اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو مٹایا۔ اسی نور کی وجہ سے آپ وہ باتیں بیان فرمادیے تھے جن

کو یہودی چھپاتے تھے نور کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس نے ان چیزوں کو بیان فرمادیا جس میں ان کا اختلاف تھا۔ خدا اللہ کی

توحید حلال اور حرام اور شریعت کا بیان اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا

جس میں دین سے متعلق احکام کو بیان فرمایا۔ (جامع البیان ج ۶، ص ۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور ہدایت یعنی اسلام۔ قلوہ نے کہا اس سے نئی چیزیں مراد ہیں۔ یہی زجاج کا مختار ہے۔ اس نے کہا نور سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے جس چیز میں اہل کتاب اختلاف کرتے ہیں۔ اس میں قرآن مجید قول فیصل بیان کرتا ہے۔ (الوسیط ج ۲، ص ۲۱۸-۲۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت) حسب ذیل تفسیر میں بھی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قلوہ نے کہا ہے کہ نور سے مراد نئی چیزیں ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد اسلام ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳، ص ۷۸، مطبوعہ بیروت، فتح القدیر ج ۲، ص ۲۳، الدر المستور ج ۲، ص ۲۷۸، نظم الدرر ج ۶، ص ۲۳)

زاد المسیر ج ۲، ص ۳۲۱)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۵۳۷ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں اور قرآن اور نور وہ ہے جس سے اشیاء ظاہر ہوتی ہیں اور آنکھیں اس کی حقیقت کو دیکھتی ہیں۔ قرآن کو نور فرمایا ہے کیونکہ وہ لوگوں میں نور کی طرح واقع ہوتا ہے کیونکہ جب قرآن دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو اس سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر سمرقندی ج ۱، ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ) امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

۱۔ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

۲۔ نور سے مراد اسلام ہے اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

۳۔ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ عطف تفسیر کو چاہتا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ اور اسلام اور قرآن پر نور کا اطلاق بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ نور ظاہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آنکھ اشیاء ظاہرہ کا ادراک قوت سے کرتی ہے اور نور باطن اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بصیرت حقائق اور معقولات کا ادراک قوت سے کرتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳، ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۸ھ)

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن مریم بیلوی شافعی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے قرآن جو شک کے اندھیوں کو دور کرتا ہے اور کتاب مبین سے مراد ہے جس کا آغاز واضح ہو اور ایک قول یہ ہے کہ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ (علامہ بیلوی کی پہلی تفسیر مغسوری سے مستفاد ہے کشاف ج ۱، ص ۶۷)

علامہ شلب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کے مطابق نور اور کتاب دونوں سے مراد واحد ہے۔ قرآن مجید کو نور اس لیے فرمایا ہے کہ یہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو ظاہر فرماتا ہے۔ دوسری تفسیر جس کے مطابق نئی چیزیں کو نور فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نئی چیزیں اپنے معجزات کے سبب سے ظاہر تھے اور آپ حق کو ظاہر کرنے والے تھے۔ (اور نور وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کر دے)

(علائقہ القاضی ج ۳، ص ۲۲۶، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد نور عظیم ہے جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مکار ﷺ ہیں۔ لہذا کاہی مذہب ہے اور یہی زجاج کا مختار ہے۔ ابو علی جبلی (معتزلی) نے کہا نور سے مراد قرآن ہے۔ کیونکہ وہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو منکشف کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور زمخشوی نے اسی تفسیر پر اقتدار کیا ہے اور اس صورت میں نور پر کتب مبین کے عطف پر یہ اعتراض ہو گا کہ عطف مختار کو چاہتا ہے اور جب دونوں سے مراد قرآن ہے تو مختار کس طرح ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عنوان کا مختار کافی ہے۔ معطوف علیہ میں قرآن کو نور سے تعبیر کیا ہے اور معطوف میں اس کو کتب مبین سے تعبیر کیا ہے اور عنوان کے مختار کو مختار بالذات کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ نور اور کتب مبین دونوں سے مراد نبی ﷺ ہوں اور یہاں بھی صحت عطف کے لیے عنوان کا مختار کافی ہو گا اور نبی ﷺ پر نور اور کتب مبین دونوں کے اطلاق کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا کیونکہ آپ اندھیروں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نور اور کتب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ دونوں قرآن کے وصف ہیں اور عطف کے لیے لفظی مختار کافی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی ﷺ کی نعت اور صفت ہوں۔ آپ نور عظیم ہیں کیونکہ انوار میں آپ کا کامل تصور ہے اور آپ کتب مبین ہیں کیونکہ آپ اسرار کے جامع ہیں اور احکام احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ (شرح الشفاء علی حاشیہ نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۸۵ھ لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر و رذیلہ اور راد حق واضح ہوئی۔

(عزائن العربیہ ص ۱۷۶ مطبوعہ تاج کمپنی لینڈ کراچی)

اکثر مفسرین کا مختار یہی ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد نور ہدایت اور نور معنوی ہے یا اس سے مراد نور حسی ہے۔ جیسے چاند اور سورج کا نور ہے۔ امام ابن جریر علامہ سمرقندی حنفی، قاضی بیضاوی شافعی، علامہ احمد غفرانی حنفی، ملا علی قاری حنفی، اور علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور علامہ آلوسی اور بعض دیگر علماء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نور حسی ہیں۔

نبی ﷺ کے نور حسی ہونے پر دلائل

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد القاسمی المالکی الشافعی بن الحاج المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابو عبد الرحمن الصفی رحمہ اللہ نے کتاب الصفات میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے اللہ عزوجل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کو اس امت سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اس امت کے نبی سے زیادہ کوئی عزت والا پیدا کیا ہے اور ان کے بعد نبیوں کا مرتبہ ہے پھر صدیقین کا اور پھر اولیاء کرام کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے سیدنا محمد ﷺ کا نور پیدا کیا اور وہ نور عرش کے ستون کے سامنے اللہ کی تسبیح اور تقدیس کرتا رہا پھر سیدنا محمد ﷺ کے نور سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کے نور سے باقی انبیاء علیہم السلام کے نور کو پیدا کیا۔ (یہاں علامہ صفی کی عبارت ختم ہوئی) اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں: قیامہ خطیب ابو الریح نے اپنی کتاب شفاء الصدور میں چند عظیم باتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے یہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کو پیدا کرنا چاہا

تو اللہ سبحانہ نے جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے قلب سے مٹی لے کر آئیں۔ جبرائیل علیہ السلام نور جنت کے فرشتے اور رفیع اعلیٰ کے فرشتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید نورانی مٹی لائے۔ اس کو جنت کی نسوں کے پانی سے گوندھا گیا حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہو گئی۔ اس مٹی کا نور تھا اور اس کی شعاع عظیم تھی۔ حتیٰ کہ فرشتوں نے اس مٹی کے ساتھ عرش 'کری' آسمانوں 'زمینوں' پہاڑوں اور سمندروں کے گرد طواف کیا اور فرشتوں نے اور تمام مخلوق نے سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی فضیلت کو پہچان لیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت میں رسول اللہ ﷺ کے لہو خلقت کی مٹی رکھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت میں پرندوں کی آواز کی مانند اس کی آواز سنی۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کیسی آواز ہے؟ فرمایا: یہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی تسبیح ہے، وہ خاتم الانبیاء ہیں، اللہ ان کو تمہاری پشت سے نکلے گا، تم میرے عہد اور ميثاق پر قائم رہنا اور ان کو صرف پاکیزہ رحموں میں رکھنا۔ حضرت آدم نے کہا میں تیرے عہد اور ميثاق پر قائم ہوں اور ان کو صرف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں میں رکھوں گا۔ حضرت سیدنا محمد ﷺ کا نور حضرت آدم کی پشت میں چمکتا تھا اور فرشتے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر صف باندھے ہوئے حضور ﷺ کے نور کو دیکھتے تھے اور سبحان اللہ کہتے تھے۔

علامہ ابن الجلیج اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا اور یہ نور اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عرش کو پیدا کیا، دوسرے حصہ سے قلم کو پیدا کیا اور تیسرے حصہ سے لوح کو پیدا کیا۔ پھر قلم سے فرمایا جل لکھ اس نے کہا اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا میں قیامت تک جو کچھ پیدا کرنے والا ہوں، پھر قلم لوح پر چلنے لگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ لکھ دیا۔ پھر چوتھا حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عقل کو پیدا کیا، دوسرے حصہ سے معرفت کو پیدا کیا اور اس کو لوگوں کے دلوں میں رکھا اور تیسرے حصہ سے سورج اور چاند کے نور کو پیدا کیا اور آنگھوں کے نور کو پیدا کیا اور چوتھے حصہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے گرد رکھا حتیٰ کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں رکھا۔ پس عرش کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور قلم کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور لوح کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور دن کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور عقل کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور معرفت کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور سورج، چاند اور آنگھوں کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے۔ (اس روایت کی عبارت ختم ہوئی)

اس کے بعد علامہ ابن الجلیج لکھتے ہیں:

اس معنی میں بکثرت روایات ہیں۔ جو ابن پر مطلع ہونا چاہیے وہ ابوالریح کی کتب الشفاء کا مطالعہ کرے۔ اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ سے کہا اے دعا جو معنی میرے باپ ہیں اور صورت میرے بیٹے ہیں اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (البدل ج ۲ ص ۳۳-۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۱۱۸۵ھ لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے جیسا کہ صریح حدیث میں وارد ہے۔ بعض علماء نے کہا اس حدیث اور دوسری دو حدیثوں میں مطابقت ہے۔ وہ حدیثیں یہ ہیں۔ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اللہ نے سب

سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور مطابقت اس طرح ہے کہ معلول اول اس لحاظ سے کہ صرف اس کی ذات کا یہ حیثیت مبداء تعقل کیا جائے تو وہ عقل ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ باقی موجودات اور نفوس علوم کے صدور میں واسطہ ہے تو وہ قلم ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ انوار نبوت کے لٹافہ میں واسطہ ہے وہ سید الانبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا نور ہے۔

(شرح مواقف، ج ۷، ص ۲۵۳، مطبوعہ ایران ۱۳۲۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام احمد اور امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے فرمایا: لکھ! تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ دیا۔ حسن عطاء اور مجاہد کا یہی عقار ہے اور ابن جریر اور ابن جوزی کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے نور اور خلقت کو پیدا کیا پھر ان کو ممتاز کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے سیدنا محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا۔ تو ان مختلف روایات میں کس طرح موافقت ہوگی؟ میں کہتا ہوں کہ ان میں موافقت اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر چیز اپنے بعد والوں کے اعتبار سے اول ہے۔

(محرم القاری، ج ۱۵، ص ۱۰۹، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سب کے لیے اس اعتبار سے رحمت ہیں کہ آپ ممکنات پر ان کی صلاحیت کے اعتبار سے اللہ کے فیضان کا واسطہ ہیں اسی وجہ سے حضور ﷺ کا نور اول المخلوقات ہے کیونکہ حدیث میں ہے: اے جاہل سب سے پہلے اللہ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ (روح المعانی، ج ۱۵، ص ۱۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت ملکی ہے جس سے آپ فیض لیتے ہیں اور ایک حیثیت بشری ہے جس سے آپ فیض دیتے ہیں اور قرآن مجید آپ ﷺ کی روح پر نازل کیا جاتا ہے کیونکہ آپ کی روح صفات ملکیت کے ساتھ متصف ہے جن کی وجہ سے آپ روح امین سے فیض لیتے ہیں۔

(روح المعانی، ج ۱۹، ص ۱۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نواب وحید الزمان (غیر مقلدین کے مشہور عالم) متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ابتداء نور محمدی سے کی پھر عرش کو پیدا کیا پھر پانی کو پھر ہوا کو پھر روایات، قلم اور لوح کو پیدا کیا پھر عقل کو پیدا کیا۔ پس آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان کی پیدائش کا مادہ اولیٰ نور محمدی ہے۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اس سے مراد اولیت اضافی ہے۔ (حدیث البدی، ص ۵۶، مطبوعہ سیالکوٹ)

جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا بعض علماء نے کہا اس حدیث میں نور سے مراد روح ہے۔ ماعلیٰ قاری متوفی ۱۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے سب سے پہلے میری روح کو

پیدا کیا، ان دونوں روایتوں سے مراد واحد ہے، کیونکہ ارواح روحانی ہوتی ہیں۔

(مرآۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۱۶۷، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، مکان ۱۳۹۰ھ)

نہی پیچھے کے نور ہدایت ہونے پر دلائل

نہی پیچھے کے نور حسی ہونے کے متعلق علماء کے یہ نظریات ہیں، جن کو ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ البتہ ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہی پیچھے انسان اور بشر ہیں، لیکن آپ انسان کامل اور افضل البشر ہیں۔ اور نہی انسان اور بشر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نہی پیچھے کو ہماری جنس سے مبعوث کیا ہے اور اسی کو ہمارے لیے وجہ احسان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ (آل عمران: ۱۴۴) اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمائے کہ ہمارا تم پر یہ احسان ہے کہ ہم نے رسول کو تم میں سے بھیجا اور ہم یہ کہیں کہ نہیں رسول ہماری جنس سے نہیں ہیں، ان کی حقیقت کچھ اور ہے۔ رسول اللہ پیچھے کا ہم میں سے ہونا ہمارے لیے اس وجہ سے احسان ہے، تاکہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہمارے لیے نمونہ اور حجت ہوں، اگر آپ کسی اور جنس سے مبعوث ہوتے تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہم پر حجت نہیں ہیں، کیونکہ آپ کی حقیقت اور ہے اور ہماری حقیقت اور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ افعال اور عبادات کر سکتے ہوں اور ہم نہ کر سکیں۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

(الشوبہ: ۳۸)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْهِمْ (الانبیاء: ۷) ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں ہی کو رسول بنا دیا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

کفار یہ کہتے تھے کہ کسی فرشتہ کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلْنَسَا عَلَيْهِمْ ثِقَالٌ يُسْئَلُونَ (الانعام: ۹) صورت میں (یعنی) بناتے اور ان پر وہی شہ زائل دیتے جو شہ وہ (آپ) کر رہے ہیں۔

ان تمام آیات میں تصریح ہے کہ نہی پیچھے بشر انسان اور مرد ہیں، لیکن آپ افضل البشر انسان کامل اور سب سے اعلیٰ مرد ہیں، اور اگر نور سے مراد نور ہدایت لیا جائے تو ان آیتوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے اور اکثر مفسرین نے نور ہدایت ہی مراد لیا ہے۔ اور اگر آپ کو چاند اور سورج کی طرح نور حسی ملتا جائے اور یہ کہا جائے کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے، تو قرآن مجید کی ان صریح آیات کو ان اقوال کے تابع کرنا لازم آئے گا اور کیا قرآن مجید کی ان نصوص صریحہ کے مقابلہ میں ان اقوال کو عقیدہ کی اساس بنانا صحیح ہوگا؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بشریت اور نورانیت میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس بشری شکل میں آئے تھے، لیکن اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا فرشتے اور حضرت جبرائیل چاند اور سورج کی طرح نور حسی ہیں؟ کیا رات کے وقت ہمارے ساتھ منکر نکیر نہیں ہوتے؟ پھر کیا ان کے ساتھ ہونے سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے؟ کیا جب رات کو نہی پیچھے کے پاس حضرت جبرائیل آتے تھے تو روشنی ہو جاتی تھی، فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں، اللہ ہی جانتا ہے وہ

کس قسم کے نور سے بنائے گئے؟ لیکن یہ سمرمل مشاہدہ سے ثابت ہے کہ وہ چاند نور سورج کی طرح نور حسی نہیں ہیں، کیونکہ دنیا میں ہر جگہ ہر وقت فرشتے موجود ہوتے ہیں، اس کے باوجود دنیا میں رات کو اندھیرا بھی ہوتا ہے۔

البتہ معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو نور حسی سے بھی واخر حصہ عنایت فرمایا تھا۔ امام ابو بکر احمر بن حسین یسعی متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور رنگ سب سے زیادہ روشن تھا۔ جو شخص بھی آپ کے چہرہ مبارک کے جمل کو بیان کرتا، اس کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ آپ ہماری نظر میں چاند سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ کا رنگ چمکدار اور چہرہ منور تھا اور چاند کی طرح چمکتا تھا۔ (دلائل النبوة، ج ۱، ص ۳۰۰، مطبوعہ بیروت، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۷، مطبوعہ دہلی پور)

امام ابو یسعی محمد بن یسعی ترمذی متوفی ۳۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

(شمال محمدیہ، رقم الحديث: ۱۵، المعجم الکبیر، ج ۱، رقم الحديث: ۱۷۸، المعجم للاوسط، ج ۱، رقم الحديث: ۷، دلائل النبوة للسیوطی، ج ۱، ص ۲۱۵، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۷۹، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحديث: ۵۸)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی شخص کو سخی دیکھا، نہ پہلور نہ روشن چہرے والا۔ (سنن دارمی، ج ۱، رقم الحديث: ۵۹، حجة الله على العالمين، ص ۲۸۹)

امام ابو یسعی محمد بن یسعی ترمذی متوفی ۳۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک چاندنی رات میں دیکھا۔ میں بھی آپ کی طرف دیکھا اور بھی چاند کی طرف۔ بخدا! آپ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔

(شمال محمدیہ، رقم الحديث: ۱۰، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحديث: ۵۷، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۳۲، المستدرک، ج ۳، ص ۱۸۶، حاکم نور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے ریح بنت معوذ بن عفرہ سے کہا: ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا: میرے بیٹے! اگر تم آپ ﷺ کو دیکھتے تو تم ظلوغ ہونے والے آفتاب کو دیکھتے۔

(سنن دارمی، ج ۱، رقم الحديث: ۶۰، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحديث: ۲۳، حجة الله على العالمين، ص ۲۸۶، اس حدیث کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۳۸۰)

نبی ﷺ کے حسن و جمال اور آپ کی حسی نورانیت سے متعلق ہم نے یہ احادیث تلاش کر کے نقل کی ہیں۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ چاند اور سورج سے زیادہ حسین تھے۔ آپ کا چہرہ بہت منور اور روشن تھا اور آپ کے دانتوں کی جھری میں سے نور کی مانند کوئی چیز نکلتی تھی، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کا خیر مٹی سے بنایا گیا تھا اور آپ انسان اور بشر تھے، لیکن آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہر بچے کے ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے اور میں نور ابو بکر و عمر ایک مٹی سے بنے اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقیہ، ص ۹۹-۱۰۰، مطبوعہ مکتبہ مجلس تہذیب کراچی)

نیز امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی لٹی کرے، وہ کافر ہے۔ قال تعالیٰ: قل سبحان ربی هل کت الالبشرا رسولاً (فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۶۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اور صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے آپ کے نور ہدایت ہونے کی تصریح کی ہے۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر و دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں، کائنات میں سب سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ نور ہدایت ہیں اور نور حسی سے بھی آپ کو غلظہ و افرطہ ہے۔ جو آپ کو اپنی مثل بشریت میں وہ بد عقیدگی کا شکار ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے اور صورت بشر ہے یا آپ لباس بشری میں جلوہ گر ہوئے اور حقیقت اس سے باوراء ہے، سودا گار شرمیہ کی روشنی میں اس قول کا برحق ہونا ہم پر واضح نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے، جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں، اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف لاتا ہے، نور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

(المائدہ: ۱۶)

قرآن مجید کے نواکھ اور مقاصد

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے پر چلاتا ہے جن کا مقصد محض دین کی پیروی کے لیے اللہ کے پسندیدہ دین پر عمل کرنا ہو اور جو بغیر غور و فکر کے صرف اپنے باپ دلو کے طریقہ پر چلنا چاہتے ہوں، وہ اللہ کی رضا کے طالب نہیں ہیں۔

اللہ عز و جل کی رضا کا معنی کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ کی رضا کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی عمل کو قبول کرے اور اس کی مدح و ثناء فرمائے۔ بعض علماء نے کہا اللہ جس کے ایمان کو قبول کرے اور اس کے باطن کو پاکیزہ کرے، وہ اس سے راضی ہے اور بعض نے کہا اللہ جس پر ناراض نہ ہو، وہ اس سے راضی ہے۔

سلامتی کے راستوں سے مراد وہ راستے ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیے ہیں اور جن پر چلنے کی بندوں کو دعوت دی ہے اور جن راستوں کی اس کے رسولوں نے پیروی کی ہے اور اس کا مقصد اقل دین اسلام ہے۔ اللہ اسلام کے سوا اور کسی طریقہ کو قبول نہیں کرے گا۔ نہ یہودیت کو نہ عیسائیت کو اور نہ مجوسیت کو۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ سلامتی کے راستوں سے

مراد سلامتی کے رستوں کا گھر ہے اور وہ جنت ہے۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہو گا کہ اللہ اس کتب کے ذریعہ جنت کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں۔

اللہ ان کو اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو کفر کے اندھیروں سے نکل کر نور ایمان کی طرف لاتا ہے۔ کفر کے اندھیرے اس لیے فرمایا کہ جس طرح انسان اندھیرے میں حیران اور پریشان ہو جاتا ہے اسی طرح کافر بھی اپنے کفر میں حیران ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے 'وہ اپنے لڑن سے اندھیروں سے نکالتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے وہ اپنی توفیق سے انہیں کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔ پھر فرمایا: انہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ صراطِ مستقیم سے مراد دین حق ہے کیونکہ دین حق واحد راستہ ہے اور اس کی تمام جہات متفق ہیں۔ اس کے برخلاف دین باطل میں متعدد جہات ہوتی ہیں اور اس کے راستے میں کجی ہوتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین قاعدے بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص اللہ کی رضا کی پیروی کرے اس کو قرآن مجید اخروی عذاب سے سلامتی اور نجات کے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مومنوں کو کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکل کر ایمان اور توحید کی روشنی میں لاتا ہے اور تیسرا یہ کہ وہ دین کے احکام پر عمل کرنے کے لیے صبح اور سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ آپ کہنے کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم اس کی ماں اور تمام روئے زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے؟ (المائدہ ۷۷)

حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کا رد

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننے ہیں اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ موجودہ جیسی ہوئی انجیل کے مطابق پر یہ لکھا ہوا ہے انجیل مقدس یعنی ہمارے خداوند اور منجی یسوع مسیح کا نیا مہم نامہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعمِ فاسد کا رد کیا اور فرمایا اے نبی! آپ ان عیسائیوں سے یہ کہنے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں سے موت کو دور کرنے پر کون قادر ہے؟ بلکہ اگر وہ تمام مخلوق کو فنا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو کون روک سکتا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ کوئی اس کے فیصلے کو رد کر سکتا ہے؟ نہ اس کے حکم کو چیل سکتا ہے۔ اس کی مشیت اور ارادہ کے مقابلہ میں کسی کا زور نہیں اور جب مسیح اپنے نفس سے اور اپنی ماں سے ہلاکت اور موت کو دور نہیں کر سکتے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کے بعد فرمایا:

اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ ۷۸)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ حقیقت میں وہ ہے جو مالک علی الاطلاق ہو اور اس کا تصرف آسمانوں اور زمینوں میں نافذ ہو اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو انسان، جن، فرشتے اور جس قدر بھی مخلوقات ہیں ان سب پر اسکی سلطنت اور حکومت ہو اور اللہ ہی اپنی حکمت اور ارادہ سے مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ اس نے انسان کی پیدائش کیلئے مرد اور عورت کے اختلاط کو ظاہری سبب بتایا، لیکن اس نے چاہا تو مرد اور عورت دونوں کے بغیر حضرت آدم کو پیدا کر دیا اور اس نے چاہا تو عورت کے

بغیر حضرت حوا کو پیدا کر دیا اور اس نے پہلا آدمی کے بغیر حضرت عیسیٰ کو پیدا کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ ہر چیز پر طرح قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ

اور یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، آپ کہیے

فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلَ خَلْقٍ يُغْفَرُ

پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا بلکہ تم ان میں سے بشر جیسا کہ اللہ نے پیدا کیا ہے، اللہ جس کو

لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ

چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں تمام آسمان اور

الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ذَٰلِكُمُ الْمَصِيرُ ۝۱۸ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ

زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور اسی کی طرف تمہارا ہے ۝۱۸ اے اہل کتاب!

قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُلِ أَنْ

بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو انتظامِ رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکامِ شریعہ) بیان

تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ

کہتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پاس کوئی بشارت نہیں دلائی گئی اور نہ نذیر دلائی گئی، پس بیشک تمہارے پاس

وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۹

بشارت دینے والا اور نذیر دلا دینے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ آپ کہئے: پھر تمہارے

گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا۔ (المائدہ: ۱۸)

یہود کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں

عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے پاس (یہود میں سے) نعمان بن رضاء

بحری بن عمرو اور شاہ بن عدی آئے اور آپ سے گفتگو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بات کی اور ان کو اللہ عزوجل کی

طرف دعوت دی اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ انہوں نے کہا اے محمد آپ ہمیں کیوں ڈرا رہے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور

اس کے محبوب ہیں جس طرح عیسائیوں نے کہا تھا تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ

تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اے جو لوگو! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ کیونکہ کوئی

فخص اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا اور تم خود اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمہیں عذاب دے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ جتنے دن انہوں نے پھڑے کی عبادت کی تھی اتنے دن ان کو عذاب ہو گا اور یہ مدت چالیس دن تھی۔ حالانکہ باپ اپنے بیٹے کو اور کوئی شخص اپنے دوست کو عذاب نہیں دیتا۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۲۲۵-۲۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: آپ ان سے کہئے کہ جس طرح تم نے گمان کیا ہے اس طرح نہیں ہے بلکہ امر واقعی یہ ہے کہ تم عام لوگوں کی طرح بشر ہو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو تو تم کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر ایمان نہیں لائے تو سزا پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے عدل سے سزا دیتا ہے۔ پھر فرمایا: اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے تو تم بھی اللہ کے مملوک اور اس کے بندے ہو اس کے بیٹے اور اس کے محبوب نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آیا جو اصطلاحِ رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شرعیہ) بیان کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ تمہارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا پس تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۴۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقیب بن وحسب رضی اللہ عنہم نے یہودیوں سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو۔ بخیر اتم کو یقیناً معلوم ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کی بعثت سے پہلے تم ہم سے آپ کے مبعوث ہونے کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپ کی صفات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ وحسب بن یسودا اور رافع نے کہا ہم نے تم سے یہ نہیں کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد کوئی کتاب نازل کی اور نہ کسی رسول کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا تب ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (ذوالسیر ج ۲ ص ۳۸۹ الدر المنثور ج ۲ ص ۲۲۹)

فترت کالفوی اور اصطلاحی معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب فترت کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آیا جب کسی چیز کی حدت اور تیزی ختم ہو جائے اور اس کا پہلا اثر منقطع ہو جائے تو اس کو فترت کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں دو عیوں کے درمیان اس زمانہ کو فترت کہتے ہیں جس میں کوئی رسول نہ آیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان کوئی رسول نہیں آیا اس لیے یہ زمانہ فترت تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! فترت رسل کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آیا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں تمام انبیاء علیائی (باپ شریک) بھائی ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے

(صحیح البخاری ج ۳ رقم الحدیث: ۳۲۲۲ صحیح مسلم ج ۳ رقم الحدیث: ۳۲۶۵ طبع بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ساک بن حرب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے خالد بن سنان کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا وہ نبی ہیں ان کی قوم نے ان کو ضائع کر دیا۔ نیز حضرت ساک بن حرب نے کہا کہ خالد بن سنان گیلیلیائی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا میرے بھتیجے مرحبہ امام حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰-۵۹۹)

علامہ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کی اس (مذکور الصدر) حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف ہمارے نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر پر یہ اعتراض ہے کہ سورہ انجیل میں جب تین رسولوں کا ذکر ہے جن کو ہستی والوں کی طرف بھیجا گیا تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جنسین میں سے تھے اور جرجیس، زائد بن سنان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مقابلہ میں بلا تردد ضعیف ہے یا پھر اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مستقل شریعت کے ساتھ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

(فتح الباری ج ۶، ص ۳۸۹، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ دمشقی ابی مالک متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کے قول کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان رسول اور انبیاء ہیں اور حواریین بھی نبی تھے جو حضرت عیسیٰ کے بعد لوگوں کی طرف بھیجے گئے اور یہ اکثر نصاریٰ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے مسلمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔ (اکمل اکمل المصنوع ج ۸، ص ۱۶، مطبوعہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک کا زمانہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں۔

فقہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔

(جامع البیان ج ۶، ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۵۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو امامہ جوہر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ فرمایا: ہاں! اس نے پوچھا ان کے اور حضرت نوح کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: میں صدیاں۔ اس نے پوچھا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا دس صدیاں اس نے پوچھا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو پندرہ۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲، ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۳ھ)

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان سترہ صدیاں ہیں۔

(تفسیر خازن ج ۶، ص ۱۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۱ھ)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک چھ ہزار تین سو سال کا زمانہ ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمُوا ذُكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

(اور یاد کیجیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے اس کو یاد کرو

إِذْ جَعَلْ فِيكُمْ أَنْبِيََاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ

جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں

أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

کسی کو نہیں دیا تھا ۝ اے میری قوم اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ

الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا

جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پشت نہ دکھانا ورنہ تم نقصان پائے

خَسِرِينَ ۝ قَالُوا يَمُوسَى إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا

دستے ہر جاؤ گے ۝ انہوں نے کہا اے موسیٰ اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جموں والے لوگ ہیں، اور ہم اس زمین

لَنُتَدْخِلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا

میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں، پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور

دَاخِلُونَ ۝ قَالَ رَجُلَيْنِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنَّ اللَّهَ

اس میں داخل ہوں گے ۝ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا، جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۝

تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بیشک تم ہی غالب رہو گے

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ قَالُوا يَمُوسَى

اور اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم مومن ہو ۝ انہوں نے کہا اے موسیٰ!

إِنَّا لَنُتَدْخِلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَادْهَبْ أَنْتَ وَرِثِكَ

بیشک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں، سو آپ اور آپ کا رب جائیں

فَقَاتِلْ إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا

اور دونوں (ان سے) جگ کریں بیشک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے ۝ موسیٰ نے کہا اے میرے رب: بیشک میں صرف اپنے آپ کا

نَفْسِي وَآخِي فَأَفْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝

اور اپنے بھائی کا ملک ہوں تو ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے ۝

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي

(اللہ نے) فرمایا یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی، یہ زمین میں بھٹکے

الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۶﴾

پھریں گئے، سو آپ ان نافرمان رُتوں پر افسوس نہ کریں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد رکھئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے اس کو یاد کرو جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بٹایا اور تم کو بلا شلو بٹایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جناتوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔ (المائدہ ۳۰) آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت کی سابقہ آیات سے مناسبت اس طرح ہے کہ اس سے پہلے (المائدہ ۳۰) میں فرمایا تھا اور ہے شک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے بارہ مگر ان مقرر کیے۔ اس آیت میں بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لینے کا ذکر تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور اس کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی سرکشی کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین سے جملہ کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے رکوع میں سیدنا محمدؐ کی رسالت اور نبوت پر دلائل قائم کیے تھے اور یہ بتایا تھا کہ یہود آپ کی نبوت کو نہیں مانتے۔ اس رکوع میں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں جو یہود کے منکر پر دلائل کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بکھرت نعمتوں کا انکار کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین کے خلاف لڑنے سے انکار کیا۔ ان آیتوں سے نبیؐ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ اگر یہود منکر کے جب آپ کی رسالت کو نہیں مانتے تو آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں۔ منکر تو ان کی سرشت ہے یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کر چکے ہیں۔ بنو اسرائیل کے انبیاء کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنی نعمتیں انعام فرمائیں وہ قوم فرعون کی غلامی کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون سے نجات دی ان میں انبیاء کو مبعوث فرمایا جو وحی سے ان کے پاس اللہ کے احکام لاتے اور ان کو فیب کی خبریں دیتے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبوت کا معنی ہے وحی کے ذریعہ غیب کی خبریں بیان کرنا۔

اس آیت میں ایک نعمت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بٹایا۔

علامہ محمود آلوسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں نبیوں سے مراد ہیں حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ علیہم السلام کی تمام اولاد۔ جو ایک قول کے مطابق نبی ہیں اور ایک قول کے مطابق وہ ستر افراد جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے میثاق کے لیے چنا تھا ابن السبب اور مقاتل نے کہا یہ نبی تھے۔ اور علامہ بخاری و دیلمی نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ انبیاء ہیں جو اس کے بعد بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے۔ اور تھقف وقوع کے لیے ان کی بشت کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ تم میں نبیوں کو بٹایا اس سے مراد عام ہے۔ خواہ وہ انبیاء مقدم ہوں یا مؤخر اور کسی امت میں اتنے انبیاء مبعوث نہیں کیے

گئے، جتنے انبیاء بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے تھے۔ (روح المعانی، ج ۶، ص ۸۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)
بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کا بیان

اس آیت میں بنو اسرائیل پر دوسری نعمت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملوک (بادشاہ) بنایا۔
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم کو ایسا بنادیا کہ تم اپنے معاملات کے مالک تھے اور تم پر کوئی غالب نہیں تھا، جبکہ اس سے پہلے تم فرعون کے ملوک اور غلام تھے، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے تم کو اس کی غلامی سے نجات دی۔ حسن بصری اور سدی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے اہل اپنی جان اور اپنے مال کا مالک تھا، وہ اس اعتبار سے ملوک تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب کسی شخص کے گھر میں کوئی انسان اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو سکے، تو وہ ملک (بادشاہ) ہے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا کیا ہم قراء اور مجازین میں سے نہیں ہیں؟ حضرت عبد اللہ نے اس سے پوچھا کیا تمہاری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں پھر پوچھا کیا تمہاری رہائش کے لیے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں فرمایا: تم اغنیاء میں سے ہو۔ اس نے کہا میرا ایک غلام بھی ہے۔ فرمایا پھر تم بادشاہوں میں سے ہو۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا ان کو اس لیے ملوک فرمایا کیونکہ ان پر من و سلویٰ نازل ہوا۔ ایک پتھر سے ان کے لیے بارہ چٹے پھوٹ پڑے اور ان پر بادل سلیہ کرتا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۲، ص ۸۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

بنو اسرائیل کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا

نیز اس آیت کے آخر میں فرمایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔

یہ حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سے خطاب ہے۔ اس کو جو کچھ دیا، اس سے مراد من و سلویٰ، پتھر سے پانی نکالنا اور بادل کا ان پر سلیہ کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے ان میں بہ کثرت انبیاء کا مبعوث ہونا مراد ہے اور اللہ کی طرف سے جو ان کے پاس نکالیاں آئیں۔ مثلاً سمندر کو چیر دینا اور ان کے دشمن کو غرق کر دینا وغیرہ جو نشانیاں ان کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو سیدنا محمد ﷺ کی امت سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں، کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں ان کو سب سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں، جو اس زمانہ میں اور کسی کو نہیں دی گئیں تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت موسیٰ نے کہا) اے میری قوم! اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پشت نہ دکھانا ورنہ تم نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔ (المائدہ: ۲۶)

ارض مقدسہ کا مصداق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ارض مقدسہ کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد طور اور اس کے ارد گرد کی زمین ہے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد شام ہے۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد ارمینا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دمشق، فلسطین اور اردن کا بعض علاقہ ہے۔

امام ابو جعفر طبری نے کہا ہے کہ ارض مقدسہ کو عموم اور اطلاق پر رکھنا چاہیے اور اس کو کسی علاقہ کے ساتھ خاص نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ بغیر کسی حدیث کے ارض مقدسہ کی تعین جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ ڈاکٹر ذہبی نے کہا ہے کہ اس سے مراد سرزمین فلسطین ہے۔ اس کو مقدس اس لیے فرمایا ہے کہ یہ جگہ شرک سے پاک ہے، کیونکہ یہ جگہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن ہے، یا اس لیے کہ اس جگہ عبادت کرنے سے انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: کہ اللہ نے تمہارے لیے یہ زمین لکھ دی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سورت کی آیت ۲۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی تو جب اللہ تعالیٰ نے یہ سرزمین ان کے لیے لکھ دی تھی تو وہ چالیس سال تک ان پر حرام کیسے ہو گئی؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جواب ہیں:

- ۱- اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انجیل کا یہ سرزمین بنو اسرائیل کے لیے لکھ دی گئی ہے۔
- ۲- اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جن یہودیوں کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا ان کے لیے یہ سرزمین لکھ دی گئی ہے اور چالیس سال تک ان ہی لوگوں پر اس میں داخل ہونا حرام فرمایا۔
- ۳- اس آیت میں اگرچہ عمومی طور پر بنو اسرائیل کا ذکر ہے، مگر اس سے مراد خاص شخص ہیں۔ یوشع اور کلب جو ارض مقدسہ میں داخل ہو گئے تھے اور باقی بنو اسرائیل جو یزدی کی وجہ سے اس سرزمین میں داخل نہیں ہوئے۔ ان پر چالیس سال تک اس میں داخل کو حرام قرار دے دیا۔

۴- بنو اسرائیل کے لیے لکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان پر اس میں داخل ہونے کو فرض کر دیا تھا اور جب وہ داخل نہیں ہوئے تو بطور سزا ان پر چالیس سال تک اس میں داخل کو حرام فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جسموں والے لوگ ہیں اور ہم اس زمین میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور اس میں داخل ہوں گے۔ (المائدہ: ۲۲)

جبارین کا بیان .

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس کی یہ وجہ بیان کی اس جگہ جبارین رہتے ہیں جن سے ہم لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کو جبارین اس لیے کہا کہ ان کے جسم بہت بڑے بڑے تھے۔ اصل میں جبار اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اور دوسروں کے معاملات کی اصلاح کرنے والا ہو۔ پھر اس کے استعمال میں وسعت ہوئی اور ہر اس شخص کو جبار کہا جانے لگا جو زور اور طاقت سے نفع حاصل کرے خواہ وہ اس کا حق ہو یا نہ ہو۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبارین کے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس شہر کے قریب پہنچ گئے اس شہر کا نام اریحا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل کے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو چن لیا اور ان بارہ آدمیوں کو جبارین کی جاسوسی کے لیے ان کے شہر بھیجا جب وہ لوگ اس شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے غیر معمولی حساست والے انسان دیکھے۔ وہ ان میں سے کسی کے باغ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ باغ وانا اپنے باغ سے پھل توڑ رہا ہے اس نے ان جاسوسوں کو دیکھ لیا۔ اس نے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر اپنی آستین میں ڈال لیا پھر ان کو اپنے باغ کے پاس لے گیا اور آستین سے نکل کر ان کو زمین پر ڈال دیا۔ باغشلہ نے ان سے کہا تم نے ہماری حساست اور طاقت کا حال دیکھ لیا ہے جاؤ جا کر اپنے سردار کو مطلع کر دو۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۲۳۸-۲۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم اس زمین میں داخل ہوں گے اور ان لوگوں پر

غالب ہوں گے۔ پھر ان جاسوسوں نے آکر بیان کیا کہ ابن جبارین کے بہت بڑے بڑے جسم ہیں اور وہ بہت زور والے ہیں، ہم تو ان کی نظروں میں غڈوں کی طرح ہیں، یہ سن کر بنو اسرائیل آہ دہکا کرنے لگے، نفوس اہم یہاں کیوں آ گئے۔ کاش! ہم مصری میں رہتے اور انہوں نے جبارین کے ساتھ لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔

(جامع البیان ج ۶، ص ۲۳۹، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا تین ہزار سال پہلے انعام فرمایا تھا کہ تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ، جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بے شک تم ہی غالب رہو گے۔ (المائدہ: ۲۳)

جہاد نے بیان کیا ہے یہ دو آدمی یوشع بن نون اور کلاب بن یو قاتھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ جاسوسوں سے عہد لیا تھا کہ جبارین کا صل صرف مجھے بتانا، قوم کو نہ بتانا، تو اس عہد کو ان دو نے پورا کیا تھا۔ باقی نے نہیں کیا، اور قوم کے سامنے جبارین کی غیر معمولی جسامت کو بیان کر دیا۔ اسی وجہ سے قوم نے بزدلی دکھائی اور یہی دو شخص اللہ سے ڈرنے والے تھے، اور حضرت موسیٰ پر کمال ایمان لانے والے تھے۔ انہوں نے قوم کو حضرت موسیٰ کی اطاعت کرنے اور جبارین کے خلاف حرا کرنے کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ تم اللہ پر توکل کر کے ان پر حملہ کر دو، اور دروازہ سے داخل ہو جاؤ، تم ہی کامیاب رہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے، جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں، بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

(المائدہ: ۲۴)

فاذہب انت وربک میں بنو اسرائیل کے کفر اور فسق کی وجوہات

بنو اسرائیل کا یہ کہنا کہ جب تک کہ جبارین اس زمین میں ہیں، ہم اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے۔ جہاد کے حکم سے حلوٰۃ انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے باز رہتا ہے، اور انہوں نے جو یہ کہا کہ تم لوہہ تھماؤ، آپ جاؤ اور جا کر لڑو، یہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے صریح جہالت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ آنے والے اور نکلنے والے سے منزہ ہے، اور ان کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہد کی طرح اللہ کی جہیت کے قائل تھے۔ حسن بصری نے کہا اس وجہ سے ان کا یہ قول کفر ہے اور اگر ان کے قول کا یہ مطلب ہو کہ اگر آپ رسول برحق ہیں، تو ہماری بہ نسبت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس لیے اللہ کی نصرت پر توکل کر کے آپ ہی جا کر ان سے لڑیں، تب بھی یہ قول کفر ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں شک کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے قول میں رب سے مراد حضرت ہارون ہیں۔ کیونکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے بڑے تھے، اور حضرت موسیٰ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ تب بھی ان کے اس قول کے فسق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت میں ان کو قاسیٰ فرمایا ہے۔ یہ یہودیوں کا اپنے نبی کے ساتھ سلوک تھا، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ معاملہ دیکھئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود جو بیڑ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن حضرت مقداد نے کہا یا رسول اللہ! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں، بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے لیکن آپ چلئے، ہم آپ کے ساتھ رہیں گے، تو گویا رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے پریشانی کا بادل

جھٹ گیا۔ (ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت مقداد سے سن کر دوسرے صحابہ بھی اسی طرح کہنے لگے)

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۶۰۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۹۸، جامع البیان، ج ۶، ص ۲۳۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بے شک میں صرف اپنے آپ کا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو

ہمارے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ (المائدہ: ۲۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کی دعا کی تھی اس کے دو محمل ہیں:

۱۔ چونکہ وہ حق سے دور چلے گئے تھے اور نافرمانی کر کے راہ راست سے ہٹ گئے تھے اور اسی وجہ سے ان کو میدان تیبہ میں بھٹکنے کی سزا دی گئی تھی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ ان کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے۔

۲۔ ان کو ہم سے الگ اور حقیر کر دیا جائے اور ان کو دی جانے والی سزا کے ساتھ ہمیں لاحق نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ نے) فرمایا: یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی، یہ زمین میں بھٹکتے

پھر اس کے سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ۳۶)

میدان تیبہ میں بنو اسرائیل کا بھٹکنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان نافرمان یودیوں کو چالیس سال تک میدان تیبہ میں بھٹکنے کی

سزا دی۔ تیبہ کالغوی معنی ہے حیرت، وہ میدان چھ فرسخ کا تھا، یعنی اٹھارہ شرعی میل اور ستائیس انگریزی میل کا۔ وہ دن رات چلتے

رہتے تھے، لیکن اس میدان کو قطع نہیں کر پاتے تھے، وہ صبح کو جہاں سے چلنا شروع کرتے، شام کو پھر وہیں پہنچ جاتے تھے اور شام

کو جہاں سے چلتے تھے، صبح پھر وہیں پہنچ جاتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ان کے

ساتھ تھے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں تھے، کیونکہ میدان تیبہ میں ہونا ان کیلئے سزا تھا۔ انہوں نے چالیس دن

گھڑے کی مہلوت کی تھی، تو ایک دن کے مقابلہ میں ایک سال ان کی سزا مقرر کی گئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی

کہ ہم میں اور ان فاسقوں میں فیصلہ یا علیحدگی کر دے۔ اس کا بھی تقاضا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہ ہوتے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ

ان کے ساتھ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ امر آسان کر دیا تھا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی کر دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں داخلہ کو ان لوگوں پر حرام کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ لوگ ارض مقدسہ میں

داخل نہیں ہو سکے۔ البتہ ان کی اولاد داخل ہوئی اور یوشع اور کالب داخل ہوئے، کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تھا، اور وہ جبارین سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ حضرت یوشع ان کی اولاد کو ساتھ لے کر ارض

مقدسہ میں داخل ہوئے اور اس کو فتح کر لیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہیں سل سے زیادہ عمر کا جو شخص بھی میدان تیبہ میں داخل ہوا، وہ مر گیا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بھی تیبہ میں فوت ہو گئے۔ پہلے حضرت ہارون فوت ہوئے، حضرت یوشع ان یودیوں کی اولاد کے

ساتھ ارض مقدسہ پر حملہ آور ہوئے، جبارین سے مقابلہ کیا اور اس شر کو فتح کر لیا۔

(جامع البیان، ج ۲، ص ۲۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت یوشع کے لیے سورج کو ٹھہرانا

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۷۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو نبوت عطا کی اور ان کو جبارین سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اسی مقابلہ میں سورج کو ٹھہرا دیا گیا، حتیٰ کہ وہ شہر میں داخل ہو گئے اور اسی جنگ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص کی خیانت کی وجہ سے آگ نے بل غنیمت کو نہیں جلایا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء (سابقین) میں سے ایک نبی نے جہلو کیا اور اپنی قوم سے یہ کہا کہ جس شخص نے ابھی نکاح کیا ہو اور اس نے ہنوز شب زفاف نہ گزاری ہو اور وہ یہ عمل کرنا چاہتا ہو، وہ میرے ساتھ نہ جائے اور نہ وہ شخص جائے جس نے مکان بنایا ہو اور اس نے ہنوز چھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکریاں اور گائےں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ دینے کا منتظر ہو۔ پھر اس نبی (علیہ السلام) نے جہلو کیا اور عصر کی نماز کے وقت آیا اس کے قریب وہ ایک دیہات میں پہنچے تو انہوں نے سورج سے کہا تم بھی حکم الہی کے ماتحت ہو اور میں بھی حکم الہی کے ماتحت ہوں۔ اے اللہ! اس سورج کو تھوڑی دیر میری خاطر روک دے، پھر سورج روک دیا گیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کی۔ آپ نے فرمایا پھر انہوں نے بل غنیمت جمع کیا، پھر اس بل کو کھانے کے لیے ایک آگ آئی، لیکن اس نے بل کو نہ کھایا۔ اس نبی نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے خیانت کی ہے، سو ہر قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے بیعت کرے، پھر سب نے بیعت کی اور ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چٹ گیا۔ نبی نے فرمایا خیانت کرنے والا تمہارے قبیلہ میں ہے۔ لہذا اب تمہارا ہر قبیلہ میری بیعت کرے، انہوں نے بیعت کی، آپ نے فرمایا پھر دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ پیغبر کے ہاتھ سے چٹ گیا۔ نبی نے فرمایا تمہارے اندر خیانت ہے۔ بلا خروہ گائے کے سر کے برابر سونا نکال کر لائے۔ نبی نے فرمایا اس کو بل غنیمت میں اونچی جگہ پر رکھ دو۔ پھر آگ نے آکر اس بل کو کھالیا (آپ نے فرمایا) سو ہم سے پہلے کسی کے لیے بھی بل غنیمت حلال نہیں تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف اور مجزذیکہا تو ہمارے لیے بل غنیمت کو حلال کر دیا۔

(صحیح مسلم، ج ۳، رقم الحدیث ۱۷۴۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نبی پیغبر کا سورج کو لوٹانا

اس حدیث میں حضرت یوشع بن نون کے لیے غروب سے پہلے سورج کے ٹھہرانے کا ذکر ہے اور نبی پیغبر نے غروب کے بعد سورج کو لوٹا دیا تھا۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی جاری تھی اور ان کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی، حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! بے شک علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے، تو ان پر سورج لوٹا دے۔ حضرت اسماء نے کہا: میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا اور پھر غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔

(المعجم الکبیر، ج ۲۳، رقم الحدیث ۳۹۰، ص ۱۵۲-۱۵۱، مشکل الآثار للعلوی، ج ۳، رقم الحدیث ۳۸۵۰، ص ۲۷۸، مختصر تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۷۸، سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۹، ص ۲۳۹-۲۳۵، اندک، ص ۷۱، شرح مشکل الآثار للعلوی، ج ۳، رقم الحدیث ۱۰۶-۱۰۶۸)

امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ہے۔ کیونکہ حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے اپنے آپ کو پابند

ظہیان القرآن

رکھا۔ اس لیے آپ نے ان کے لیے سورج لوٹانے کی دعا کی۔ اس سے نماز عصر کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔
(شرح مشکل الآثار ج ۳، ص ۹۸-۹۷، مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت)

حدیث رد شمس کی سند کی تحقیق

ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ابن حمیہ، ابن القیم، ذہبی، ابن کثیر اور ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابو سعید خدری سے بھی مروی ہے۔ امام ابوالحسن فضلی متوفی ۳۷۰ھ نے اس حدیث کی تمام اسانید کو جمع کیا ہے اور ایک رسالہ لکھا ہے "تصحیح حدیث رد الشمس" اور امام سیوطی نے ایک رسالہ لکھا ہے "كشف اللبس عن حدیث الشمس" اور امام محمد بن یوسف دمشقی نے ایک رسالہ لکھا ہے "مریبل اللبس عن حدیث رد الشمس"۔ علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن ستاد متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے متعلق امام احمد نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے ان کی پیروی کر کے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔ لیکن امام طحاوی اور صاحب الشفاء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن مندہ اور امام ابن شاپین نے اس کو اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے اور امام ابن مردیہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے اس دن سورج کو بولایا جس دن آپ نے اس قافلہ کے آنے کی خبر دی تھی۔ جس کو آپ نے شب معراج دیکھا تھا اس روز دن غروب ہو رہا تھا اور ابھی تک قافلہ نہیں آیا تھا تو نبی ﷺ کیلئے ایک ساعت سورج کو روک دیا گیا (الح)۔

(القاصد الحسن، ص ۲۳۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حافظ شامی شامی ابن احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ نبی ﷺ نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ نے انکا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آجائے گا پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی 'حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج ٹھہرا رہا۔ یہ حدیث منقطع ہے، لیکن امام طبرانی کی اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور سند احمد میں جو روایت ہے کہ حضرت یوشع کے سوا اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا، اسکا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع کے بعد نبی ﷺ کیلئے سورج ٹھہرایا گیا ہو اور امام طحاوی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر نبی ﷺ سو گئے اور حضرت علی کی نماز عصر فوت ہو گئی تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی نے نماز پڑھ لی اور اسکے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپکا بہت عظیم معجزہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ابن جوزی اور ابن حمیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے میں خطا کی ہے۔ واللہ اعلم۔

البتہ اقاضی عیاض نے جو یہ نقل کیا ہے کہ یوم خندق کو بھی نبی ﷺ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ کے لیے رد شمس کا تیسرا واقعہ ہے۔

(فتح الباری ج ۶، ص ۲۲۲-۲۲۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ابن جوزی کا رد کیا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۵، ص ۳۳، مطبوعہ ادارہ الطباعة والنشر، مصر، ۱۳۳۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ شہاب الدین احمد خٹکائی متوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

خاتم الحفاظ حافظ سیوطی اور علامہ طہوی نے کہا ہے کہ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات کا اکثر حصہ مردود ہے، حتیٰ کہ انہوں نے بکثرت احادیث صحیحہ کو بھی موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ امام ابن الصلاح نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی متعدد اسنادیں ہیں جو اس کی صحت اور صدق پر شاہد ہیں اور ان سے پہلے بکثرت ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً امام طہوی، امام ابن شامین اور امام ابن مندہ اور انہوں نے اس کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے اس کو اپنی معجم میں روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔

(نسیم الرياض، ج ۳، ص ۱۱) «مطبوعہ دارالفکر، بیروت»

امام طبرانی نے اس حدیث کو کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حنفی مشنری ۸۰۷ھ نے لکھا ہے امام طبرانی نے بیہم
اوسط میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ ایک ساعت ٹھہر گیا۔ (البیہم
الاوسط ج ۵، رقم الحدیث ۳۰۵۹) اس حدیث کی سند حسن ہے اور ایک حدیث کی سند صحیح ہے۔ وہ امیر ایم بن حسن سے مروی ہے
اور وہ ثقہ راوی ہے۔ امام ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (انہم نے اس روایت کو درج کیا ہے)

(العلم الكبير، ج ٢٣، رقم الحديث ٢٩٠، مجمع الزوائد، ج ٨، ص ٢٩٤-٢٩٦، مطبوعه دار الكتاب العربي، بيروت، ١٤٠٢هـ)

علامہ اسماعیل بن عمر مجاہدونی متوفی ۱۷۷ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور علامہ ابن الجوزی نے کہا یہ موضوع ہے لیکن ان کی خطا ہے۔ اسی وجہ سے حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کو امام ابن مندہ اور امام ابن شامین نے حضرت اسماء بنت مہیس سے روایت کیا ہے اور امام ابن مہدیہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور ابن دونوں حدیثوں کی سند حسن ہے اور امام طحاوی اور قاضی عیاض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام حاکم نے اور امام بیہقی نے دلائل اثبوت میں روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا امام احمد بن حنبل کہتے تھے کہ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو حضرت اسماء بنت مہیس کی اس حدیث کو نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ وہ نبوت کی بہت بڑی علامت ہے۔ یہ حدیث متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن جوزی نے جو اس پر کلام کیا ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(كتف الحناء ومزمل الالباس' ج' ١، ص ٢٢٠ مطبوعه مكتبة الغزالي دمشق)

اس حدیث پر مزید بحث و تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد خامس میں بیان کر دی ہے۔

وَإِذْ عَلَّمْنَا نَبِيَّ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

اور آپ ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ تلاوت کیجیے، جب (ان) دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی (قربانی)

مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ

قبول کی گئی اور دوسرے کی نہیں قبول کی گئی ، اس (دوسرے) نے کہا میں تجھ کو قتل کر دوں گا کہیں

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۲﴾ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَىٰ يَدِكَ

نے کہ اللہ صرف متقین رگوں سے قبول فرماتا ہے ۵ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری

لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسٍ بِيَدَيْكَ إِلَيْكَ لَأَقْتُلَنَّكَ إِنِّي أَخَافُ

مرگ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں ، میں اللہ سے ڈرتا

اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ

ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے ۵ میں چاہتا ہوں کہ میرا اللہ تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ ہو اور

فَتَكُونُ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۳۴﴾ فَطَوَّعَتْ

تو جہنمیوں سے ہر جائے اللہ یہی ظالموں کی سزا ہے ۵ تو اس نے اپنے

لَهُ نَفْسُهُ قَتَلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۵﴾

بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا مگر اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ۵

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي

پھر اللہ نے ایک کراہیجا جو زمین کو یہ رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی

سَوْءَةَ أَخِيهِ ۖ قَالَ يُوَيَّلَتِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا

کی لاش چھپائے ، اس نے کہا ہائے افسوس ! میں اس کو تو بھیا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی

الْغُرَابِ فَأُوَارِي سَوْءَةَ أَخِي ۚ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿۳۶﴾

لاش چھپا دیتا ، پس وہ پھٹانے والوں میں سے ہو گیا ۵

رابطہ آیات اور مناسبت

یہود اپنے حسد اور بغض کی وجہ سے نبی ﷺ کے ساتھ جو ظلمہ کارروائی کرتے تھے اور موقع بہ موقع آپ کو آزار پہنچانے کی تکدیں لگے رہتے تھے اور توریت کے ضمن میں انہوں نے آپ پر ایسا ملالانے کا جو عہد و میثاق کیا تھا اس کو توڑ

چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو قتل دینے کے لیے اس سے پہلی آیتوں میں یہودی عہد شکنیوں کو بیان فرمایا کہ یہود نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے توڑ دیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کر کے اس کو توڑا۔ اب اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرما رہا ہے کہ جس طرح یہود نے حسد کی وجہ سے آپ کی نبوت کو نہیں مانا اور آپ کی مخالفت کی اس طرح آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے قاتل نے حسد کی وجہ سے ان کے دوسرے بیٹے ہابیل کو قتل کر دیا۔

قاتل کے ہابیل کو قتل کرنے کی تفصیل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم کے ہاں جب اولاد ہوتی تو ایک ساتھ ایک بچہ اور بچی پیدا ہوتی۔ ایک حمل سے جوڑا پیدا ہوتا اس کا نکاح وہ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ کر دیتے اور اس حمل کی لڑکی سے دوسرے حمل کے لڑکے کا نکاح کر دیتے، حتیٰ کہ ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے، قاتل اور ہابیل۔ قاتل زراعت کرتا تھا اور ہابیل مویشی پالتا تھا۔ قاتل کے ساتھ جوڑی پیدا ہوئی تھی وہ اس لڑکی سے بست خوبصورت تھی جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی، قاتل بڑا تھا اور ہابیل چھوٹے تھے۔ قاتل کے مطابق ہابیل نے قاتل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا، لیکن قاتل نے انکار کیا۔ اس نے کہا یہ میری بہن ہے اور میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور یہ تمہاری بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس سے نکاح کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے، قاتل نے کہا ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور تم دونوں زمین پر پیدا ہوئے ہو اور میں اپنی بہن کا زیادہ حقدار ہوں۔ حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹے یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے، قاتل نے حضرت آدم کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تب حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹو! تم دونوں قربانی پیش کرو، تم میں سے جس کی قربانی قبول ہو گئی وہ اس کے ساتھ نکاح کا حقدار ہو گا؟ ہابیل نے ایک کنواری بکری کی قربانی پیش کی اور قاتل نے گندم کی قربانی پیش کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک سفید آگ کو بھیجا اس نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا اور قاتل کی قربانی کو ترک کر دیا۔ اس پر قاتل غضب ناک ہو گیا اور ہابیل سے کہا میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا۔ ورنہ تم میری بہن سے نکاح نہ کرنا، ہابیل نے کہا اللہ تعالیٰ متعین سے قربانی کو قبول کرتا ہے۔ (جامع البیان، ج ۶، ص ۲۵۷-۲۵۸)

متعین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈر کر ان فرائض کو ادا کرتے ہیں جن کا اللہ نے ان کو مکلف کیا ہے اور جن کاموں سے اللہ نے منع کیا ہے ان سے باز رہتے ہیں۔

ہابیل نے کہا اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو اور جمہور مفسرین نے کہا ہے کہ ہابیل، قاتل سے زیادہ طاقتور تھے، لیکن انہوں نے گناہ سے بچنے کے لیے مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی موحد سے قتل کرنے میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے تاکہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا تھا جب کہ کسی انسان کا اپنے نفس کے لیے رافت کرنا جائز ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ قاتل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ہابیل نے کہا) میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ لگے (المائدہ: ۲۹)

ہاتل کے اس قول کی توجیہ کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

اصنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی) کی مدد کے لیے روانہ ہوا میری حضرت ابو بکر سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا کہ اس کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا میں اس شخص کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا واپس جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان کھادوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۱)

گویا کہ ہاتل نے یہ ارادہ کیا کہ میں تمہارے قتل پر حریص نہیں ہوں۔ پس وہ گناہ جو میرے حریص ہونے کی صورت میں مجھے لاحق ہوتا میرا ارادہ ہے کہ وہ بھی تم کو لاحق ہو کیونکہ صرف تم میرے قتل پر حریص ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مطلق کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے کہا ہم میں مطلق وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سلک ہو۔ آپ نے فرمایا میری امت میں مطلق وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے کسی کو گالی دی ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو اور کسی کا مل کھایا ہو اور کسی کا خون بہلایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اس کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث المسلسل ۲۵۸۱، رقم الحدیث الکتاب ۵۹)

اس حدیث کے اعتبار سے ہاتل کے قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم مجھے قتل کیو گے تو تمہاری نیکیاں مجھے مل جائیں گی اور پھر بھی حق پورا نہ ہو تو میرے گناہ تم پر ڈال دیئے جائیں گے سو تم میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹو گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ نیز قرآن مجید میں ہے

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَنْتَ لَا تَعْتَابُهُمْ (العنکبوت: ۳۳) اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ گئی اور بوجھ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی غلام قتل کیا جائے گا تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہو گا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۲۲۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۷۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۸۲، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۲۷۸۱)

سنن ابن ماجہ: ۲۷۸۱، مسند احمد: ج ۲، رقم الحدیث: ۲۷۳۰، مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: ۱۷۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱، ص ۳۷۳، سنن کبریٰ: ج ۸، ص ۱۵۱

ابو الحسن بن کیسان سے سوال کیا گیا ایک مسلمان یہ ارادہ کس طرح کر سکتا ہے کہ اس کا بھائی گناہ گار ہو اور دوزخ میں داخل ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہاتل نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا جب قاتل ان کی طرف قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ پھر ان سے سوال کیا گیا ہاتل نے یہ کیسے کہا میرے گناہ اور تمہارے گناہ، جبکہ انہیں غلام قتل کیا گیا تھا اور انہوں نے گناہ نہیں کیا تھا؟ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرے قتل کا گناہ اور تمہارا گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی، تم

ان دونوں گناہوں کا بوجھ اٹھو گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تم مجھ کو قتل کرنے کا کلمہ اٹھو گے اور مجھ پر زیادتی کرنے کا کلمہ اٹھو گے۔ (المایع الاحکام القرآن ج ۳، ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۸۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو اس نے اپنے بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا، سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا (المائدہ: ۳۰)

قاتل کے قتل کرنے کی کیفیت

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ جس وقت ہاتل بکراں چارہ ہے تھے تو قاتل نے ہاتل کو قتل کر دیا۔ قاتل، ہاتل کے پاس گیا اور اس کو یہ سمجھ نہیں آ سکا کہ وہ اس کو کس طرح قتل کرے۔ اس نے ہاتل کی گردن موڑی اور اس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا، تب شیطان آیا، اس نے کسی جانور یا پرندے کو پکڑا، اس کا سر ایک پتھر پر رکھا، پھر دوسرا پتھر اس کے سر پر دے مارا، قاتل دیکھ رہا تھا، اس نے بھی اسی طرح ہاتل کو قتل کر دیا۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خبر ہمیں دی کہ اس نے کس کیفیت سے قتل کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کیفیت کا بیان فرمایا، سو ہمیں اتنا ہی یقین رکھنا چاہیے جتنا رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے۔ (جامع البیان ج ۲، ص ۳۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۸۵ھ)

ہر نیک اور بد کام کے ایجاب کرنے والوں کو بعد والوں کے عمل سے حصہ ملتا رہتا ہے

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی قتل کیا جائے گا تو اس کے خون (کے گندہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہو گا، کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاب کیا۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو شخص کسی برائی کا موجد ہو تو قیامت تک اس برائی کرنے والوں کے گندہ میں اس کا بھی حصہ ہو گا، اسی طرح شیطان وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضرت آدم پر حسد کیا اور اللہ کے سامنے تکبر کیا، تو قیامت تک نافرمانی کرنے والوں اور حسد اور تکبر کرنے والوں کے گناہوں میں شیطان کا بھی حصہ ہو گا۔ اسی طرح جو شخص دین میں کسی بدعت میں کو نکالے، جیسے راقیوں نے صحابہ کو برا کہنے اور ماتم کرنے کو ایجاب کیا اور اس کو دین میں داخل کر لیا اور کارِ ثواب قرار دیا، ان کا بھی یہی حال ہے اور جس نے اسلام میں کسی اچھے اور پسندیدہ طریقہ کی ابتداء کی تو قیامت تک اس نیک کام کرنے والوں کی نیکیوں میں اس کا حصہ ہو گا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی تمام راتوں میں بجماعت تلاوت کی ابتداء کی اور اس میں قرآن مجید پڑھوانے کا اہتمام کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان سے پہلے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد میں عراب بنانے کی ابتداء کی۔ حجاج بن یوسف نے قرآن مجید پر اعراب لگائے۔ موجد محفل میلاد کی ابتداء ارسل کے بلا شہ ابو سعید مظفر متوفی ۳۳۰ھ نے کی اور اذانوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی ابتداء ۸۷ھ میں سلطان صلاح الدین ابو الطغر یوسف بن ایوب کے امر سے ہوئی۔ اس سے پہلے ایک بلا شہ کے بھانجے پر سلام پڑھا جاتا تھا، السلام علی الامام الظاہر۔ سلطان ابو الطغر نے یہ سلسلہ موقوف کر دیا اور نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے طریقہ کو شہداء کرایا، علامہ ابن حجر مکی، علامہ علاء الدین حصکفی، علامہ طحاوی اور شافعی نے اس کو بدعت حسن قرار دیا۔ یہ تمام نیکی کے کام ہیں اور ہر نیکی ایجاب کرنے والوں کو قیامت تک کی جانے والی نیکیوں اور ہر برائی ایجاب کرنے والے کو قیامت تک کی جانے والی برائیوں میں سے اپنا اپنا حصہ ملتا رہے گا حدیث میں ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں نیک طریقہ ایبیلو کیا اور اس کے بعد اس طریقہ چلایا گیا اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل اجر لکھا جائے گا اور ان کے اجر میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایبیلو کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل گناہ لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اصحیح مسلم ج ۲، رقم الحديث: ۲۶۷۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۶۶۹، سنن ترمذی، رقم الحديث: ۲۷۸۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحديث: ۲۰، موطا امام مالک، رقم الحديث: ۵۰، مسند احمد، ج ۳، رقم الحديث: ۱۸۰۵۷، ج ۹، رقم الحديث: ۱۰۵۰۳، تحقیق احمد شاکر، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحديث: ۵۳۳۰

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہ نصیحت کی مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ گمراہ کرنے والے اندر ہیں۔

اسند احمد، ص ۳۸، طبع قدیم، بیروت، علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۸، رقم الحديث: ۲۷۵۸، مطبوعہ دار الحديث، قاہرہ

تاہم ہر برائی کی ابتداء کرنے والے کو بعد کے عمل کرنے والوں کی مثل گناہ اس وقت ہو گا جب وہ اس گناہ سے توبہ نہ کرے اور اگر وہ اس گناہ سے توبہ کر لے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود انسانوں میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی، کیونکہ قرآن مجید نے خود شہادت دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے۔ ”ففسی ولم نجد له عرما“ (اللہ: ۱۱۵) ”سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی نافرمانی کا قصہ نہیں پایا اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کر لی تھی اور بھولنے والے اور توبہ کرنے والے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے توبہ کرنے والے ہیں اور بعد کے تائبین کے عمل سے ان کو حصہ ملتا رہے گا۔“

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث عکین فضلی مرض ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے قاتل نے ہاتھل کے ساتھ خونِ رشتہ کا لٹاٹ نہیں کیا اور اپنے گئے بھائی کو قتل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اللہ نے ایک کو ابھیہا جو زمین کرید رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ اس نے کہا ہائے افسوس! میں اس کو بے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ چھپاتے والوں میں سے ہو گیا۔ (المائدہ: ۳۱)

قاتل کا انجام

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قاتل ہاتھل کو ایک جراب (چربی تھیلا) میں ڈال کر ایک سال تک اپنے کندھے پر اٹھائے پھر تار پھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لاش سے کس طرح گلو خلاصی حاصل کرے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ابھیہا جو زمین کرید رہا تھا پھر اس نے زمین میں اس مردہ کو بے کو دفن کر دیا۔ تب اس نے کہا

ہائے افسوس! میں اس کو بے جیسا بھی نہیں ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ بچھٹکنے والوں میں سے ہو گیا۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۲۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

قاتل کا بچھٹانا اس کی توبہ نہیں تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اس پر افسوس کر رہا تھا کہ اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا تھا اس کے قتل کرنے پر افسوس نہیں کیا تھا حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر وہ اس کے قتل پر علوم ہوتا تو یہ عداوت توبہ ہو جاتی وہ اس وجہ سے علوم تھا کہ اس قتل سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا اس باب میں اور بھائی ناراض ہوئے اور مقصود حاصل نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ ایک سال تک بھائی کی لاش دفن نہ ہو سکی۔

روایت ہے کہ حضرت آدم اور حواء ہاتل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے پھر قاتل ایک پہاڑ کی چوٹی پر گیا وہاں ایک ہاتل نے اس کو بیگ مار کر پیچھے کر دیا اور وہ مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ہاتل کو قتل کرنے کے بعد جنگلوں میں چلا گیا وہ کسی جانور کو بلندی سے زمین پر گرا دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کو کھا لیتا چوتھ کھانے سے مراد جانور اس دن سے حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا بنو آدم میں سے سب سے پہلے جہنم میں جانے والا قاتل ہے۔ اس ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو آدم میں جو شخص سب سے پہلے فوت ہوا وہ ہاتل تھا اسی وجہ سے قاتل اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۹۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حد سب سے بڑی خرابی اور بدست بڑا جرم ہے۔ قاتل نے اس حد کی آگ کی وجہ سے اپنے گھر بھائی ہاتل کو قتل کر دیا۔ (آیت ۲۹) میں ہے 'ہاتل نے قاتل سے کہا اور تو جہنمیوں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قاتل معذب ہو گا۔ لیکن گنج یہ ہے کہ وہ ظالم تھا کافر نہیں تھا۔ آیت ۲۷-۲۸ میں 'ہاتل نے قاتل کو قتل کرنے سے باز رہنے کے تین محرکات بیان کیے۔ اول یہ کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں 'ثانی یہ کہ قتل کرنے سے پہلے اور قتل کے گناہ قاتل کے ذمہ تھیں اور وہ دونوں کا سزاوار ہو 'تور ثالث یہ کہ وہ ظلم کرنا نہیں چاہتے۔ سو جو شخص بھی کسی گناہ سے باز رہنا چاہے اس کو گناہ سے باز رکھنے کے ہی تین محرکات ہوں گے۔ خوف خدا، خوف کی سزا اور ارثاب ظلم سے بچنا۔

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَنْ

اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا

قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا

زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو

قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ

کو قتل کیا اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچایا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو

جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ انْ كَثُرُوا مِنْهُمْ

بجایا ، اور بیشک ان کے پاس ہمارے رسول روشن معجزات سے کر آئے ۔ پھر اس کے باوجود ان میں سے

بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَكُسْرُ فُؤَادٍ ۝۳۲ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ

بہت سے زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے تھے ۵ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول

يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا

سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر

أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يَصَلَّبُوا أَوْ تُنَقَّعَ أَيْدِيُهُمْ وَأَسْرُجُلُهُمْ مِّنْ

قتل کی جائے یا ان کو سری دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے

خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ جِزَاؤُهُمْ فِي الدُّنْيَا

کٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے ، یہ ان کے لیے دنیا میں سزائی ہے اور

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۳۳ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن

آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے ۵ مگر ان لوگوں کے جنہوں نے تہارے

قَبْلِ أَنْ تَقْدَرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۳۴

ان پر قابو پانے سے پہلے تو جانتے تھے کہ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا بغیر زمین میں لٹوا پھیلانے کے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچالیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔ (المائدہ: ۳۲)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قاتل اور ہاتل کے قصہ میں اور بنو اسرائیل پر قصاص کے وجوب میں کیا مناسبت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل اور ہاتل کے قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ قتل کے فعل میں اللہ تعالیٰ کی شدید نافرمانی اور اس کی ناراضگی ہے۔ نیز اس قصہ سے معلوم ہوا کہ قتل کرنے والا دزدی ہے۔ قصاص اٹھانے والا ہے اور بچھٹانے والا ہے تو جو لکھ قتل کرنا ان خرابیوں کا سبب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر قتل میں قصاص (بدلہ لینے) کو واجب کر دیا تاکہ لوگ قتل کرنے سے باز رہیں۔

تبیان القرآن جلد سوم

اس آیت پر دو سرا سوال یہ ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل سے پہلی امتوں پر بھی قتل کرنا حرام تھا اور ان پر قصاص واجب تھا۔ پھر اس آیت میں بنو اسرائیل کا خصوصیت سے کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں ان کے انبیاء علیہم السلام زبانی وجوب قصاص کا ذکر فرماتے تھے اور بنو اسرائیل میں سب سے پہلے اس حکم کو کتب میں نازل کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قاتل نے ہاتل کو حسد کی وجہ سے قتل کیا تھا اور بنو اسرائیل میں بھی حسد بہت زیادہ تھا اور انہوں نے بیشتر قتل حسد کی بناء پر کیے تھے۔ انہوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور دو مرتبہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ ایک مرتبہ مدینہ میں جب آپ بنو قریظہ کے پاس ایک مسلمان کی دست وصول کرنے کے سلسلہ میں گئے تھے اور دوسری مرتبہ خیبر میں جب ایک یہودی بڑھیا نے آپ کو زہر آلود گوشت کھانے کے لیے دیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عموماً قتل کا سبب قسوت قلبی یعنی سنگ دلی اور عدوان اور سرکشی ہوتا ہے اور بنو اسرائیل میں یہ سبب بہ درجہ اتم موجود تھا حتیٰ کہ انہوں نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے برابر کس طرح ہو گا؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد کے قتل کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل کرنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک وجہ قصاص ہے دوسری وجہ کسی کافر کا مسلمان سے جنگ کرنا ہے تیسری وجہ ارتداد ہے چوتھی وجہ شادی شدہ کا زنا کرنا ہے اور پانچویں وجہ زمین میں ڈاکہ ڈالنا ہے۔ پہلی وجہ کا اس آیت میں صراحتاً ذکر ہے اور پانچویں وجہ یعنی ڈاکہ کا اس آیت کے بعد والے حصہ میں تفصیلی بیان آ رہا ہے۔ باقی ماندہ تین وجوہات زمین میں فساد پھیلانے کے ضمن میں آ گئیں۔ اس لیے فرمایا: جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔ اس آیت پر یہ سوال ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کو قتل کرنے کے کیسے مساوی ہو سکتا ہے؟ حتیٰ کہ اس آیت میں ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مقصود ہے کہ ایک بے قصور انسان کو عداوت اور قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے جتنا تمام انسانوں کو قتل کرنا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو عداوت اور قتل کرنے کی سزا جہنم مقرر کی۔ اس پر اپنا غضب نازل کیا اور لعنت کی اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار کیا اور اگر کوئی شخص تمام انسانوں کو قتل کر دیتا تب بھی اس کی یہی سزا ہوتی۔ نیز اگر تمام انسان کسی ایک بے قصور انسان کے قتل میں عداوت شریک ہوں تو ان سب کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک بے قصور انسان کو عداوت اور قتل کرنا اتنا سنگین جرم ہے جو تمام انسانوں کو قتل کرنے کے برابر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص کسی بے قصور انسان کو عداوت اور قتل کرتا ہے اس کی طبیعت پر غضب کا غلبہ ہے اور جو اپنے جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک شخص کو قتل کر سکتا ہے وہ اس کے بعد دوسرے شخص کو پھر تیسرے شخص کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض اس کے لیے ممکن ہو تو وہ اپنے جوش غضب میں تمام انسانوں کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ امریکہ کے ایک صدر کے فیصلہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے جس سے لاکھوں انسان ہلاک ہو گئے۔ اس طرح اب بھی اگر جوش غضب سے مغلوب ہونے والا کوئی امریکی صدر ہو تو اس کے پاس اب ایسے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہیں جن سے پوری دنیا کو ہلاک اور تباہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک انسان کا تمام انسانوں کو ہلاک کرنا ممکن ہے۔ سو جو شخص جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک بے قصور انسان کو ہلاک کر سکتا ہے اگر اس کے بس میں ہو تو وہ تمام انسانوں کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا: جس شخص نے ایک انسان کو مرنے سے بچا لیا اس نے گویا تمام انسانوں کو بچا لیا۔ مثلاً کوئی شخص آگ میں جل رہا

تھا یا دریا میں ڈوب رہا تھا یا بھوک سے مر رہا تھا یا شدید سردی میں غلغلہ کر مرنے والا تھا اور کسی انسان نے اس کو اس مصیبت سے نکال کر اس کی جان بچالی تو اللہ کے نزدیک اس کی یہ نیکی اتنی عظیم ہے جیسے کسی شخص نے تمام انسانوں کو موت کے چنگل سے آزاد کرالیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو جن جن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکل دیا جائے“

شان نزول

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آئے انہیں وہاں کی آب و ہوا موافق نہیں آئی رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو صدقہ کی لونٹوں کی چراگاہ میں جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو انہوں نے اسی طرح کیا اور تندرست ہو گئے۔ پھر انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر دیا اور دین اسلام سے مرتد ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے لونٹ لے کر بھاگ گئے نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیجا ان کو پکڑ کر لایا گیا آپ نے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کٹوا دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں اور ان کو پتے ہوئے میدان میں چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۱۷۷۱، صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۱۵۰۹، سنن ترمذی: رقم الحدیث: ۷۷، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۳۶۷، سنن نسائی: رقم الحدیث: ۴۰۳۶، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۲۵۷۸، مسند احمد: ج ۳، رقم الحدیث: ۱۰۷۳-۱۰۷۷)

امام رازی شافعی نے اسی آیت کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت ہر انسان کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابورزہ اسلمی کی قوم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کا رسول اللہ ﷺ سے معاملہ تھا لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بنو اسرائیل کے قاتلوں اور مفسدوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آیت مسلمان ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اکثر فقہائے اسلام کا یہی نظریہ ہے اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل ہیں:

(الف) مرتد کو قتل کرنا زمین میں فساد کرنے اور اللہ اور رسول سے جنگ کرنے پر موقوف نہیں ہے جبکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول سے جنگ کرے اور زمین میں فساد کرے اس کو قتل کیا جائے گا۔

(ب) مرتد کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور اس کو شہید کرنے پر اقتصار کرنا کافی نہیں ہے جبکہ اس آیت کی رو سے یہ جائز ہے۔

(ج) مرتد کو سولی پر چڑھنا مشروع نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مرتد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

(د) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہوں اور زمین میں فساد کرتے ہوں ان کو یہ سزائیں دی جائیں۔ خواہ وہ لوگ کافر ہوں یا مسلمان زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اہل علم سے عقلی نہیں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۹۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

حزابہ (ڈاکہ) کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں 'حرب کا معنی ہے جنگ۔ صلح کی ضد' اور حرب کا معنی ہے کسی انسان کا سارا مال لوٹ لینا اور اس کو بالکل قبی دست چھوڑ دینا۔

(تاج العروس 'ج ۳' ص ۳۹۶)

ڈاکہ کی اصطلاحی تعریف

ڈاکٹر ذبیہ زحیلی لکھتے ہیں 'باغیوں اور محاربین (ڈاکوؤں) میں فرق یہ ہے کہ باغی کسی توہیل سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی توہیل کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔

فقہاء احناف نے حزابہ (ڈاکہ) کی تعریف کو مرقہ (چوری) کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے 'مگر یہ مطلقاً چوری نہیں ہے' کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے۔ چور 'محفوظ' امام یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو اعلانیہ طور پر چاڑھ کر کے لوٹتا ہے 'اس لیے ڈاکہ کا ضرر چوری سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔

ڈاکو (قاطع الطريق یا محارب) ہر وہ مسلمان یا ذی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون ہو اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر حد قائم کرنا واجب ہے اور ولی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور ڈاکہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ علوانا اس مال کو بچانا مشکل ہو۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ 'ج ۶' ص ۳۸-۳۹)

ڈاکہ کا رکن

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں کہ ڈاکہ کا رکن یہ ہے کہ کوئی شخص غلبہ سے مسافروں کا مال لوٹنے کے لیے اس طرح نکلے کہ مسافروں کا اس راستہ پر سفر کرنا مشکل ہو جائے۔ خواہ ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت 'جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے کی قوت ہو' خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا لاشی یا اینٹ یا پتھر ہوں 'کیونکہ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالنا جاسکتا ہے' خواہ سب حملہ کریں یا بعض حملہ کریں اور بعض معطل ہوں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ ڈاکو اس فرد یا گروہ کو کہتے ہیں جس کے پاس ایسی قوت ہو جس کا مقابلہ کرنا مسافروں کے لیے مشکل ہو 'اور وہ اپنی قوت سے مسافروں کا مال لوٹنے کا قصد کریں۔ (بدائع الصنائع 'ج ۷' ص ۱۹۰)

ڈاکہ کی شرائط

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی نے ڈاکہ کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

۱۔ ڈاکہ ڈالنے والا عاقل اور بالغ ہو۔ اگر وہ بچہ یا مجنون ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

۲۔ ڈاکو مرد ہو 'اگر عورت نے ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد نہیں ہے' لیکن امام طحاوی کے نزدیک اس میں عورت اور مرد برابر

ہیں 'اور دونوں پر حد ہوگی۔ روایت مشہورہ کی وجہ یہ ہے کہ غلبہ سے مال لوٹنا علوانا عورتوں سے متصور نہیں ہے 'اور امام طحاوی کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح باقی حدود میں مردوں کی تخصیص نہیں ہے 'عورتوں پر بھی حد جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈاکہ میں بھی مردوں کی تخصیص نہیں ہوگی۔

۳۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ مسلمان یا ذی ہوں 'اگر ان غیر مسلموں پر ڈاکہ ڈالا ہے جو پاسپورٹ کے ذریعہ دارالاسلام میں

آئے ہوں تو ڈاکوؤں پر حد نہیں ہے (بلکہ تعزیر ہے)

۴۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ ڈاکوؤں کے محرم نہ ہوں۔

۵۔ جس چیز پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ قیمت و لٹا مل ہو اور محفوظ ہو اس میں کسی اور کا حق نہ ہو نہ اس میں لینے کی کوئی تاویل ہو اور نہ تاویل کا کوئی شبہ ہو نہ اس میں ڈاکو کی ملکیت ہو نہ ملکیت کی تاویل یا شبہ ہو اور وہ مل دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہو (یعنی ۲۲۵ تولا چاندی ہو جو ۳۶۸ گرام چاندی کے برابر ہے) اگر متحدہ ڈاکو ہوں تو ہر ڈاکو کے حصہ دس درہم کی مالیت کامل ہو اور ہر ڈاکو کے حصہ میں اتنا مل نہ آئے تو حد واجب نہیں ہوگی۔

۶۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ جگہ دارالاسلام ہو اگر دارالحرب میں ڈاکہ ڈالا ہے تو حد واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حد کو حاکم اسلام جاری کرتا ہے اور دارالحرب حاکم اسلام کی ولایت اور تصرف میں نہیں ہے۔ اس لیے وہ دارالحرب میں حد جاری کرنے پر قادر نہیں ہے۔ (علامہ کاشانی نے جو وجہ بیان کی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دارالحرب میں جا کر ڈاکہ ڈالیں اور لوٹ مار کریں اور یہ کہ ناجائز طریق سے کفار کامل لینا بصر حال گنہ ہے خواہ ان کامل سود کے ذریعہ لیں یا قمار کے یا رشوت کے۔ (مسجدی غفرلہ)

۷۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ جگہ شہر نہ ہو۔ اگر کسی نے شہر میں ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ خواہ دن میں ڈاکہ ڈالا ہو یا رات میں اور خواہ ہتھیاروں کے ذریعہ ڈاکہ ڈالا ہو یا بغیر ہتھیاروں کے یہ اتھمن ہے اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی اور یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ حد واجب ہونے کا سبب ڈاکہ ہے اور جب ڈاکہ ثابت ہو گیا تو حد واجب ہوگی۔ خواہ شہر میں ڈاکہ ڈالا ہو اور اتھمن کی وجہ یہ ہے کہ قطع الطريق (ڈاکہ) سفر میں ہی متحقق ہو سکتا ہے۔ شہر میں راستے منقطع نہیں ہوتے کیونکہ اگر شہر میں ڈاکہ پڑے تو اس سے راستے منقطع نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے غیر شہر کی قید اپنے زمانہ کے اعتبار سے لگائی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں شہروں کے ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے اس لیے ڈاکوؤں کو شہر میں ڈاکہ ڈالنے کی قدرت نہیں تھی اور اب شہر کے لوگوں نے ہتھیار رکھنے کی عادت چھوڑ دی ہے۔ اس لیے اب شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی۔

۸۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا ہے اس جگہ اور شہر کے درمیان مسافت سفر ہو (یعنی اکٹھ میل چھ سو چالیس گز) یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول پر شرط ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

ڈاکہ کے جرم کی تفصیل

ڈاکو کی سزاؤں میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ آیا یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں یا یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں ڈاکو کے جرم کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ صرف لوگوں یا مسافروں کو ڈالنا اور دھمکانا کسی کو قتل کرنا نہ مل لوٹنا۔

۲۔ صرف مل لوٹنا۔ ۳۔ صرف قتل کرنا۔ ۴۔ مل لوٹنا اور قتل کرنا۔

ان میں سے ہر جرم کی ائمہ کے نزدیک ایک الگ سزا ہے۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ڈاکو نے قتل نہیں کیا ہے تو قاضی قتل اور پھانسی کی سزا میں سے کوئی بھی سزا اپنے اجتہاد سے دے سکتا ہے۔ اس کی سزا قتل بھی ہو سکتی ہے اور قتل اور پھانسی بھی ہو سکتی ہے۔ ان سزاؤں میں قاضی کو اختیار ہے اور باقی سزاؤں میں اس کو اختیار نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کا یہ نظریہ ہے کہ ڈاکو کا جو بھی جرم ہو قرآن مجید کی بیان کردہ سزاؤں میں سے قاضی اپنے اجتہاد سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔

مذہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف ڈرانے کی سزا

جب ڈاکو صرف ڈرائے اور دھمکائے نہ مل لوئے اور نہ قتل کرے تو امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس کی سزا شریدر کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اوبیسفوا من الارض "یا من کو شریدر کر دیا جائے"

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں جب ڈاکو راستہ میں ڈرائے اور دھمکائے نہ قتل کریں اور نہ مل لوئے تو ان کو زمین سے نکل دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اوبیسفوا من الارض (مائدہ ۳۲) اس حالت میں جلا وطن کرنا حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور یہی نفعی قتلہ اور عطاء غراسل کا قول ہے اور زمین سے نکلنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام شہروں اور قصبوں سے نکل دیا جائے اور ان کے لیے کسی شہر میں رہنے کا ٹھکانہ ہو۔ اس طرح کی تفسیر حسن اور زہری سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیج دیا جائے جس طرح زانی کو شریدر کیا جاتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس شہر میں اس کو بھیجا جائے اس میں اس کو قید کر دیا جائے جس طرح زانی کے متعلق ان کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اس کو زمین سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے حتیٰ کہ وہ توبہ کرے۔ امام شافعی کا بھی اسی قسم کا قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں امام اس کو تعزیر لگائے اور اگر اس کی رائے ڈاکو کو قید کرنا ہو تو اس کو قید کر دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نفی کا معنی یہ ہے کہ امام ڈاکوؤں پر حدود جاری کرنے کے لیے ان کو طلب کرے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے۔ ابن شریح نے کہا ڈاکوؤں کو ان کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں قید کر دے۔ یہ قول امام مالک کے قول کی مثل ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اگر ان کو کسی اور شہر میں بھیجیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکہ ڈالیں گے اور لوگوں کو ایذا پہنچائیں گے۔ اس لیے ان کو قید کرنا بہتر ہے۔

نیز علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں "ہماری دلیل ظاہر آیت ہے کیونکہ نفی کا معنی نکالنا دور کرنا اور بھگانا ہے اور قید کا معنی روکنا ہے۔ اگر ان کو کسی غیر معین جگہ کی طرف نکل دیا جائے تو اس کی دلیل "اوبیسفوا من الارض" (المائدہ ۳۲) ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام زمینوں سے نکل دیا جائے باقی ہمارے اصحاب نے یہ نہیں لکھا کہ اسے کتنی مدت کے لیے شریدر کیا جائے؟ تاہم اس کو اتنی مدت کے لیے شریدر کرنا چاہیے جس میں اس کی توبہ ظاہر ہو جائے اور اس کا چال چلن ٹھیک ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایک سال کے لیے شریدر کیا جائے۔

(المعنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۰۸-۳۰۷)

علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں زمین سے نکلنے کی تین صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ ڈاکو کو تمام زمینوں سے نکل دیا جائے۔

دوسری یہ کہ جس شہر میں اس نے ڈاکہ ڈالا وہاں سے نکل دیا جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو دارالاسلام سے نکل دیا جائے۔

پہلی صورت مراد لینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ تمام زمینوں سے نکل دینا اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب اس کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے کا ذکر اس آیت میں پہلے آچکا ہے۔ دوسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر ڈاکو کو دوسرے شہر کی طرف نکالیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکے ڈالے گا اور لوگوں کو ضرر پہنچائے گا اور تیسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں بھیجا جائے۔ پس ثابت ہوا کہ پہلی نفی من الارض کا معنی یہ ہے کہ اس کو تمام زمینوں سے نکل کر اس زمین میں رکھا جائے جس میں اس کو قید کیا جائے جہاں پر اس کا قتلہ کرنا متصور نہ ہو۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳)

میں لائمہ سرخی خفی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو صرف راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو تعزیر لگانے کے بعد اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لیں اور اللہ کے قول ”وینفقوا من الارض“ سے بھی مراد ہے۔ یعنی ان کو قید کر لیا جائے۔ اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ سرخی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے قتل کیا نہ مال لوٹا صرف ڈرایا اور دھمکایا یا اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور قتل کرنا ہاتھ پیر کاٹنا انتہائی سزائیں ہیں اور جس شخص نے معصیت کا صرف ارادہ کیا ہو اس کو یہ سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ جس طرح چوری میں چوری کا صرف ارادہ کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ اسی طرح یہاں بھی صرف ڈرانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر نہیں کاٹے جائیں گے۔ (بسوط للشرعی ج ۹ ص ۱۸۵) اور یہ امام شافعی کی تفسیر سے بہتر ہے۔ یعنی ان کو طلب کرنا تاکہ ان کو ہر جگہ سے بھگادیا جائے کیونکہ قید کر کے سزا دینے کی شریعت میں نظیر ہے اور جس چیز کی شریعت میں نظیر ہو اس پر عمل کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہے جس کی شریعت میں نظیر نہ ہو۔ (البسوط ج ۹ ص ۱۸۶)

نہ اہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف مال لوٹنے کی سزا

اگر ڈاکو نے صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ڈاکو کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا۔ یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر اس سے زیادہ سزائیں دی جائیں گی۔ اگر اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر پہلے کٹا ہوا تھا تو اب اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو تعزیر اقلہ کیا جائے گا اور اگر اس کا پہلے ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا تو اب صرف پیر کاٹا جائے گا اور اگر پہلے ایک پیر کٹا ہوا تھا تو اب صرف ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک اس صورت میں امام کو اختیار ہے کہ وہ ڈاکو کو قتل کر دے یا سولی دے۔ یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔ البتہ اس صورت میں اس کو شریعت میں اس کو اختیار نہیں ہے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی دوبارہ ڈاکہ ڈالنے پر اس کے بقیہ ہاتھ اور پیر کو کاٹ دیا جائے گا

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو مال لوٹے اور قتل نہ کرے تو امام کو اسے قید یا شریعت میں اس کو اختیار نہیں ہے۔ البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو قتل کرے یا سولی دے یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔

علامہ عینون مالکی لکھتے ہیں کہ امام ابن قاسم نے کہا ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ جس ڈاکو کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹا جا چکا ہے اور وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کا دوسرا ہاتھ اور پیر بھی کاٹ دے۔ (بدایہ البتد ج ۲ ص ۳۳۱)

ملک العلماء علامہ کاسانی خفی لکھتے ہیں ”جس ڈاکو نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو اس کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا“۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں ”اگر ڈاکو نے چوری کے نصاب کے مطابق مال لیا ہو تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو اس کا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر نصاب سے کم مال لیا تو اس کے ہاتھ اور پیر کو نہیں کاٹا جائے گا“۔ (رد منہ الطالیین ج ۱۰ ص ۱۵۶)

نہ اہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا

ملک العلماء علامہ کاسانی خفی لکھتے ہیں جس ڈاکو نے مال لوٹا اور قتل کیا اس کے متعلق امام ابو حنیفہ جرح فرماتے ہیں امام کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے پھر اس کو قتل کر دے یا سولی دے دے اور اگر چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر نہ کاٹے اور اس کو قتل کرے یا سولی دے دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قطع اور قتل کو اس طرح جمع کرے کہ وہ اس کا ہاتھ اور

پیر کٹ دے پھر اس جگہ کو داغ نہ لگائے پونہ چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ مرجائے۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۹۳)

علامہ ابو الحسن مرفیانی حنفی لکھتے ہیں کہ امام محمد نے یہ کہا ہے کہ ڈاکو کو قتل کیا جائے یا سولہ دی جائے اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ یہ ایک جرم ہے اس سے دو حدیں واجب نہیں ہوں گی۔ نیز قتل سے کم سزا قتل میں داخل ہو جاتی ہے جیسا کہ حد سرقہ حد رجم میں داخل ہو جاتی ہے۔ (مثلاً کسی نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو تو اس کو صرف رجم کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔۔۔۔۔ سعیدی غفرلہ) امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اور پیر کاٹنا اور قتل کرنا ایک سزا ہے اور چونکہ ڈاکہ کا جرم زیادہ ہے اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ ہے کیونکہ جو ڈاکو لوگوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا مال لوٹتا ہے وہ امن میں ظلم ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ میں ہاتھ اور پیر دونوں کاٹنا ایک حد ہے جبکہ چوری میں دونوں کو کاٹنا دو سزائیں ہیں اور امام محمد نے جو حد رجم اور حد سرقہ کی مثل دی ہے وہاں دو حدوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا گیا ہے اور یہاں ایک حد میں بحث ہو رہی ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ سولی میں اختیار نہیں ہے اس کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ اس کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس سزا کو شہرت دی جائے تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں اور امام ابو حنیفہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ اصل شہرت قتل سے حاصل ہو جاتی ہے اور سولی پر چڑھانے میں مبالغہ ہے لہذا اس میں اختیار دیا جائے گا۔ (ادلیہ لولیع ص ۵۳۶)

علامہ سخون مالکی لکھتے ہیں میں نے امام ابن قاسم مالکی سے پوچھا اگر ڈاکو قتل کرے اور مال لے لے تو کیا اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور اس کو قتل کیا جائے گا یا اس کو صرف قتل کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا؟ اس میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اس کو ہر صورت میں قتل کیا جائے گا۔ (خواہ قاضی کی رائے میں اس کا ہاتھ اور پیر کاٹنا ضروری ہو یا نہ ہو)۔ (المبدونہ الکبریٰ ج ۳ ص ۳۲۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں اگر ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کو سولہ دی جائے گی اور یہ اس وقت ہے جب مال نسلب کے برابر ہو اور مذہب یہی ہے۔ ابن سلمہ کا قول یہ ہے کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے اور اس کو سولہ دی جائے گی اور صاحب تقریب نے کہا کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دی جائے گی۔ (روضۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۵۷-۱۵۸)

علامہ ابو القاسم غزالی حنبلی لکھتے ہیں جس ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا اس کو قتل کیا جائے گا۔ خواہ صاحب مال معاف کر دے اور اس کو سولہ دی جائے گی حتیٰ کہ اس کی شہرت ہو جائے اور اس کی لاش ڈاکوؤں کے حوالے کر دی جائے گی۔

(المفتی مع المنہج والشرح ج ۱۰ ص ۲۹۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے" ماسوائے ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان پر گھبرپانے سے پہلے توبہ کر لی سو جن لوگ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

(المائدہ ۳۳-۳۲)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا نظریہ

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا میں سزا پانے کے بعد بھی مجرموں کو آخرت میں عذاب عظیم ہو گا البتہ جو لوگ توبہ کر لیں گے ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا فقہاء احناف نے اسی آیت کے پیش نظریہ کہا ہے کہ حدود بغیر توبہ کے کفارہ نہیں ہوتیں اور حدیث میں جو ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں وہ توبہ کے ساتھ مقید ہے تاکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں موافقت

رہے۔

علامہ ابو بکر جصاص حنفی متوفی ۷۰۰ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلقاً حدود کفارہ نہیں ہوتیں بلکہ اگر مسلمان مجرم اجراء حد سے پہلے توبہ کر لے تو پھر حد اس کے لیے اخروی عذاب سے کفارہ ہو جاتی ہے اور اگر اس نے اجراء حد سے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ عذاب اخروی کا مستحق ہو گا۔ (الحکام القرآن ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ لاہور)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۷۱۸ھ نے لکھا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ اور احناف کا جواب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی گنہ کار تکلیف کیا پھر اس پر حد لگادی گئی تو وہ حد اس کے گنہ کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۷۳ مطبوعہ کراچی)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبید بن صامت رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور وہ شب عتبہ کے قبواء میں سے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے (ان امور پر) بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور نہ تم چوری کرو گے اور نہ تم زنا کرو گے اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ تم کسی بے قصور پر بہتان بانڈو گے اور نہ کسی نیکی میں نافرمانی کرو گے۔ سو تم میں سے جو شخص اس حد کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمہ (اکرم) ہے اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کر لیا اور اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ سزا اس کا کفارہ ہے اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کر لیا پھر اللہ نے اس کا پردہ رکھا تو وہ اللہ کی طرف منوف ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔ سو ہم نے (ان امور پر) آپ سے بیعت کر لی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۳، ۱۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۹، ۲۳۸۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۳۳، مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۲۲۷۵، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۸۷، سنن دارمی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۳۳۱)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستقل ہوتا ہے کہ حد قائم کرنا مجرم کے گنہ کا کفارہ ہے۔ خواہ اس نے توبہ نہ کی ہو۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۶۸ مطبوعہ لاہور)

علامہ علاء الدین منصور بن الحسن الترمذی الکازرونی الشافعی المتوفی ۸۶۰ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام نووی نے اپنے فتاویٰ اور شرح صحیح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ جب کوئی شخص قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے اخروی عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ تو اس شخص کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کس طرح ہو گا؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ ڈاکو جب قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے قتل کا گنہ ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت کو ڈرانے، دھمکانے کا گنہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کی جماعت کو ضرر پہنچتا ہے سو اس کو ڈرانے کی وجہ سے آخرت میں عذاب عظیم ہو گا اور یہ سزا ہر ڈاکو کے لیے عام ہے۔ لیکن یہ امر حدیث صحیح کے خلاف ہے جس

میں نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اس کو اس جرم کی سزا دے دی گئی تو اس کے لیے آخرت میں یہ سزا کفارہ ہو جائے گی کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو نے فقط ڈیر لیا دھمکیا اور اس کو سزا کے طور پر جلا وطن کر دیا گیا تو اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا لیکن آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو آخرت میں عذاب ہوگا اور اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سزا ملنے سے وہ عذاب ساقط ہو جائے گا جس کا تعلق اللہ کے حق سے ہے اور بندہ کا حق باقی رہے گا اور اس کی آخرت میں سزا ہوگی کیونکہ جس ڈاکو نے لوگوں کو ڈیر لیا دھمکیا اس نے اللہ کی حکم عدولی بھی کی اور بندوں کو بھی نقصان پہنچایا اور حد جاری کرنے سے اللہ کے حق ضائع کرنے کی طمانی ہوگی بندوں کے حق کی طمانی نہیں ہوگی۔ سو اس بنا پر آخرت میں عذاب ہوگا (حاشیہ الکازرونی علی البضاوی ج ۲ ص ۳۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ کازرونی نے نہایت عمدہ توجیہ کی ہے لیکن فقہاء شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد مطلقاً عذاب نہیں ہوگا جیسا کہ ہم علامہ نووی اور علامہ عسقلانی سے نقل کر چکے ہیں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۷۷۰ھ امام شافعی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد توبہ کے بغیر آیا کوئی شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں سے پاک کرنا حد کے احکام میں سے نہیں ہے۔ پس جب ایک شخص پر حد قائم کی گئی اور اس نے توبہ نہیں کی تو ہمارے نزدیک اس سے وہ گناہ ساقط نہیں ہوگا ہمارے علماء نے قرآن مجید میں قطع الطریق کی آیت پر عمل کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لکم من الدنیا والہم فی الاخرة عذاب عظیم الا اللہ یشاہد ان (ڈاکوؤں) کے لیے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے سو ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے عذاب کو توبہ سے ساقط کیا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے دنیا کی حد ساقط نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ استثناء عذاب آخرت ہی کی طرف راجع ہے اور وہ جو بخاری کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے ان میں سے کوئی گناہ کیا اور اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے تو اس حدیث کو اس صورت پر محمول کرنا واجب ہے جب اس نے سزا کے وقت توبہ کر لی ہو کیونکہ حدیث ظنی ہے اور قرآن مجید قطعی ہے اور جب ظنی اور قطعی میں تعارض ہو تو ظنی کو قطعی کے موافق کرنا واجب ہے اور اس کے برعکس کرنا جائز نہیں ہے۔

(المحرار النقی ج ۵ ص ۲۰۳ مطبوعہ مطبعہ مطبعہ مصر ۱۳۱۱ھ)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابوالفرج عبد الرحمن بن علی القرشی الجوزی النبی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مسلمان ڈاکوؤں کی سزا میں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ کی حدود ساقط ہو جاتی ہیں مثلاً قتل کرنا سولی دینا ہاتھ پیر کاٹنا اور شریہ کرنا توبہ کے بعد یہ حدود نافذ نہیں ہوں گی لیکن انسان کے حقوق توبہ سے ساقط نہیں ہوں گے مثلاً مال لوٹا ہے تو واپس لیا جائے گا اور کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کو بھی زخمی کیا جائے گا اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۳۴۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ بخاری شافعی متوفی ۲۵۵ھ نے بھی امام شافعی کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔

(الکتب والعیون ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ شہلی متوفی ۵۳۰ھ لکھتے ہیں:

اگر ڈاکوؤں نے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لی تو ان سے اللہ کی حدود ساقط ہو جائیں گی لیکن اگر انہوں نے کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے یا مال لوٹا ہے تو ان سے بدلہ لیا جائے گا، مگر اس کے کہ صاحب حق اس کو معاف کر دے۔

اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام مالک، امام شافعی، اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور ابو ثور کا بھی یہی مذہب ہے، اس وجہ سے ڈاکوؤں سے 'حق قتل'، 'سولی'، ہاتھ پیر کاٹنے اور سر در کرنے کی حدود ساقط ہو جائے گی، اور ان پر قتل کرنے کی 'زخمی' کرنے اور مال لوٹنے کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر انہوں نے پکڑے جانے کے بعد توبہ کی ہے تو ان سے کوئی حد ساقط نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مگر ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان کو پکڑنے سے پہلے توبہ کر لی۔ (المائدہ: ۳۴) سو پکڑے جانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے حد واجب کر دی۔

(المعنی ج ۹ ص ۱۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حدود کے کفارہ ہونے کے متعلق دو حدیثوں میں تطبیق

ہم اس سے پہلے کتب صحاح کے حوالے سے حضرت عبید بن الصامت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کر چکے ہیں کہ جب مجرم پر حد لگادی جائے تو وہ اس کے جرم کا کفارہ ہو جاتی ہے، لیکن ایک روایت اس کے خلاف ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں (از خود) نہیں جانتا کہ بیعت نبی تھے یا نہیں اور میں از خود نہیں جانتا کہ ذو القرنین نبی تھے یا نہیں اور میں از خود نہیں جانتا کہ حدود ان کے اصحاب کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور مجھے اس کی کسی علت (ضعف) کا پتا نہیں اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے)

(المستدرک ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۲۹، لبنان)

اس تعارض کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت عبید بن الصامت کی حدیث، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے، اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے، مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ پہلے کا واقعہ ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ سات ہجری میں فتح خیبر کے وقت اسلام لائے تھے اور حضرت عبید بن الصامت کی حدیث جس میں مذکور ہے حدود کفارہ ہوتی ہیں، یہ بعد کا واقعہ ہے، کیونکہ یہ بیعت فتح مکہ کے بعد لی گئی تھی۔ کیونکہ امام مسلم نے اس کے بعد دو سری حدیث (رقم الحدیث: ۴۳۸۴) جو ذکر کی ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم پر عورتوں کی آیت عطا کی "ان لا ینسرو کس باللہ شیفا" (المستمنہ: ۵۰) اور عجم طبرانی میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے اس طرح بیعت لی جس طرح فتح مکہ کے موقع پر بیعت لی تھی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مقدم ہے اور حضرت عبید بن الصامت کی حدیث موخر ہے۔ نیز تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عبید سے جب عقبہ لڑائی کے موقع پر آپ نے بیعت لی تھی، اس وقت تو حدود نازل ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے آپ کا یہ فرمایا جس پر حد جاری ہو گئی وہ اس کا کفارہ ہے، اس موقع کا نہیں ہو سکتا۔ لا محالہ یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے، جب آپ نے دو سری مرتبہ بیعت لی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ پہلے کا واقعہ ہے اور بعد میں آپ کو اللہ نے علم عطا فرمادیا اور آپ نے فرمایا حدود کفارہ ہیں، (یعنی بشرط توبہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَ

اسے لیجان والو ! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو ، اور

جَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کو ہواب ہو ○ بیگ جن لوگوں نے کفر کیا

لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّثْلَ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهٖ

اگر ان کے قبضہ میں رہنے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تاکہ قیامت کے دن

مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

عذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں، تو وہ (فدیہ) ان کی قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے

أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ

بنایت وہ فناک عذاب ○ وہ (دورخ کی) آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے

مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا

اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے ○ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ

أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾

کوتاہ دو ، یہ ان کے لیے جو سے کی سزا ہے اور ان کی طرف سے جہت تک تعزیر ہے اور نہایت عذاب بنایت سخت لانا ○

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَحْدَلَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ط

پھر جس نے اپنے ظلم کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بیشک اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا ،

إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

بیشک اللہ بہت بخشنے والا ہے اور نہ فراموش والا ہے ○ (اے مخاطب) کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ملک

وَالْأَرْضِ مِنْ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى

اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز

ظہان القرآن جلد سوم

کُلُّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ③

پُر تار ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو۔“ (النح)
(انمائہ: ۳۵)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے یسود کی سرکشی اور عتلا اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر ان کی جسارت اور دیدہ دلیری کو بیان فرمایا تھا اور اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے ان کے بعد اور دوری کا ذکر فرمایا تھا۔ اللہ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ اس کے خوف سے گناہوں کا ترک کرنا اور عبادت کا بجالانا ہے۔ یسود نے اس وسیلہ کو حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا طریقہ یسود کے برعکس ہونا چاہیے تم اللہ کے خوف سے گناہوں کو ترک کر کے اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کے قرب کا وسیلہ تلاش کرو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ یسود کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور اپنے باپ دادا کے اعمال پر فخر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ تمہیں اپنے اکابر اور اسلاف پر فخر کرنے کے بجائے نیک اعمال میں کوشش کرنی چاہیے اور عبادت کے ذریعہ اس کے قرب اور نجات کے وسیلہ کو تلاش کرنا چاہیے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کا ذکر فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ قبول توبہ کے لیے اس کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو۔
وسیلہ بہ معنی ذریعہ تقرب

علامہ حسین بن محمد راغب اسلمانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں

کسی چیز کی طرف رغبت سے پہنچنا وسیلہ ہے اور اللہ کی طرف وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ علم اور عبادت کے ساتھ اسکے راست کی رعایت کرنا اور شریعت پر عمل کرنا اور اللہ کا وسیلہ اللہ کا قرب ہے۔ (المفردات، ص ۵۲۳-۵۲۴، مطبوعہ ایران ۱۳۶۲ھ)
علامہ ابن اثیر جزیری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جس چیز سے کسی شے تک رسائی حاصل کی جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

(نہایہ، ج ۵، ص ۱۸۵، مطبوعہ ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ محمد بن مکرّم بن منکور افریقی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

امام لغت علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

(صحاح جوہری، ج ۵، ص ۱۸۲، لسان العرب، ج ۱۱، ص ۷۲۵-۷۲۴، مطبوعہ ایران ۱۳۰۵ھ)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کا جواز

امام محمد بن محمد جزیری متوفی ۸۳۳ھ آداب دعا میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔

(حسن صحیح مع تحت الذکرین، ص ۳۳، مطبوعہ مطبع مصلیٰ البانی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

شیخ ابو العباس تقی الدین احمد بن حمید متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے فلاں کے حق اور فلاں فرشتے اور انبیاء اور صالحین وغیرہم کے حق میں سوال کرتا ہوں یا فلاں کی حرمت اور فلاں کی وجاہت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں تو اس دعا کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت ہو اور یہ دعا صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت اور حرمت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی قدر افزائی کرے اور جب یہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کرے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کون اس سے شفاعت کر سکتا ہے۔

(فتاویٰ ابن حمید ج ۱ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار الفکر بن عبد العزیز)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوالی متوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سائلین کے حق سے مراد یہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ (تحتہ الذاکرین ص ۶۹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۰ھ)

امام ابو حاتم محمد بن حبان متوفی ۳۵۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ قسم کے آدمیوں پر میں نے لعنت کی ہے اور ان پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول کی جائے گی۔ (الحدیث)

۱ صحیح ابن حبان ج ۳ رقم الحدیث: ۵۷۴۹ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور میرے علم میں اس کی کوئی علت نہیں ہے اور ذہبی نے اس کو برقرار رکھا المستدرک ج ۱ ص ۳۶ ج ۲ ص ۵۵ ج ۳ ص ۹۰ الجامع الکبیر ج ۳ رقم الحدیث: ۱۳۸۸۵ ج ۱ ص ۱۳۳۱ ج ۲ ص ۱۳۳۱ ج ۳ ص ۲۰۵ الجامع الکبیر ج ۴ ص ۳۳ سواد الثمین رقم الحدیث: ۵۲ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۵

اس صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام کی وجاہت ان کی حرمت اور ان کے حق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی بارگاہ میں یہ عزت عطا فرمائی ہے کہ وہ ان کے سوال اور ان کی دعا کو مسترد نہیں فرماتا ہر چند کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ ان کی دعا کو مسترد فرمادے لیکن ایسا کرنا ان کو دی ہوئی عزت اور وجاہت کے خلاف ہے۔ ان کا اللہ پر حق ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جیسے اجیر کا آجر پر حق ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کی دعا کو قبول کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے اس وعدہ کی جست سے ان کا حق ہے فی ذاتہ کوئی استحقاق نہیں ہے یا حق بمعنی وجاہت اور حرمت ہے استحقاق کے معنی میں نہیں ہے۔

اس پر ایک دلیل مذکور المصدر حدیث ہے اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب بندہ فرائض ادا کر کے نوافل کو بیٹھ پڑھتا ہے تو اللہ اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے اور جب وہ اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اللہ اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھیں ہو جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے اور فرماتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے ہتھ طلب کرے تو میں ضرور اس کو اپنی ہتھ میں لوں گا۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری ج ۷ رقم الحدیث: ۶۵۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۰۳ مسند احمد تحقیق)

احمد شاکر رقم الحديث: ۲۸۷۱ 'مسند ابو حنیفہ' ج ۱ 'صحیح ابن حبان' رقم الحديث: ۳۳۷۷ 'مجمع الزوائد' ج ۲ 'ص ۲۸۹' 'الخطاب العلیہ' ج ۱ 'ص ۳۹'

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ولی اور نبی سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا اور ان کی دعا رد نہیں فرمائے گا اور ان کا اللہ پر بھی حق ہے اور بھی ان کی اللہ کی بارگاہ میں وجاہت اور حرمت ہے۔ اس لیے انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے دعا کرنا یا ان سے دعا کرنے کی درخواست کرنا صحیح ہے اور اب ہم اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یہ عرض کرتے اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے تو تو ہم پر بارش برساتا تھا (اب) ہم اپنے نبی کے عم (محترم) کو تیری طرف وسیلہ پیش کرتے ہیں تو تو ہم پر بارش نازل فرما حضرت انس نے کہا پھر لوگوں پر بارش ہوتی۔

(صحیح البخاری ج ۱ رقم الحديث: ۱۰۰۰ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۳ھ 'المجمع الکبیر' ج ۱ رقم الحديث: ۸۳ 'کتب اللہ' للطبوعہ رقم الحديث: ۹۱۵ 'شرح السنہ للبیہقی' ج ۲ رقم الحديث: ۳۲۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک ایسا شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اس نے نبی ﷺ سے عرض کیا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ٹھیک کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں اور اگر تم چاہو تو میں اس کو موخر کر دوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا۔ اس نے کہا آپ دعا کر دیجئے آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اچھی طرح سے وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے اے اللہ! میں تیرے نبی (سیدنا) محمد رضی اللہ عنہ نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو اے اللہ! میرے متعلق آپ کی شفاعت قبول فرما۔ (امام ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ ابو اسحاق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)

علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد تحقیق احمد شاکر ج ۳ رقم الحديث: ۱۷۱۷۳ 'طبع قاہرہ' سنن ترمذی ج ۵ رقم الحديث: ۳۵۸۹ 'سنن ابن ماجہ' ج ۱ رقم الحديث: ۳۸۵ 'سنن کبریٰ للنسائی' ج ۱ رقم الحديث: ۱۰۳۹۱ 'مغل الیوم واللیلہ للنسائی' رقم الحديث: ۶۳۳ 'مغل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحديث: ۳۳۳ 'السنن رک ج ۱' ص ۵۹ 'دلائل النبوة' ج ۶ ص ۱۷۷ امام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کر کے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ 'المجمع الصغیر' ج ۱ رقم الحديث: ۵۰۸ 'المجمع الکبیر' ج ۱ رقم الحديث: ۸۳۱ 'حافظ منذری' نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ 'الترغیب والترہیب' ج ۱ ص ۴۷۷ 'حافظ البیہقی' نے بھی لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ 'مجمع الزوائد' ج ۲ ص ۲۷۹ 'مختصر تاریخ دمشق' ج ۳ ص ۳۰۳)

شیخ ابن تیمیہ 'قاضی شوکانی' علامہ نووی اور امام محمد جزیری وغیرہم نے امام ترمذی کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس میں یا محمد کے الفاظ ہیں لیکن ہمیں جو ترمذی کے پاکستانی اور بیروت کے نسخے دستیاب ہیں ان میں یا محمد کے الفاظ نہیں

ہیں۔ سنن ترمذی کے علاوہ ہم نے باقی جن کتب حدیث کے حوالے دیئے ہیں ان سب میں یا محمد کے الفاظ ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلا اور اس نے یہ دعا کی "اے اللہ! تجھ پر سائلین کا جو حق ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں" اور میرے اس (نماز کے لیے) جانے کا جو حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں" کیونکہ میں بغیر اگزائے اور اترائے اور بغیر دکھانے اور سنانے کے (محض) تیری ناراضگی کے ڈر اور تیری رضا کی طلب میں نکلا ہوں" سو میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو جہنم سے مجھے اپنی پند میں رکھنا اور میرے گناہوں کو بخش دینا اور بلاشبہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ (سو جو شخص یہ دعا کرے گا) اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۷۸، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۸۵، الترغیب والترہیب، ج ۲، ص ۲۵۲، صحیح ابن خزمہ، ج ۲، ص ۲۵۸، علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۵۰۹۹) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن یزید روایت کرتے ہیں کہ (سیدنا) محمد ﷺ کے اصحاب کو خوب علم تھا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان میں سب سے زیادہ قریب اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ تھے۔

(مسند احمد، ج ۵، ص ۲۹۵، دارالذکر، حدیث، طبع قدیم، علامہ احمد شاکر، متوفی ۷۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۳۲۹، طبع قاہرہ) وسیلہ یہ معنی درجہ جنت

علامہ ابن اثیر جزیری متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

وسیلہ کا ایک معنی جنت کے درجات میں سے ایک (مخصوص) درجہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (نمایہ، ج ۵، ص ۱۸۵)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم موزن (کی ازان) کو سنو تو اس کے کلمات کی مثل کو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس شخص نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا، اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک ایسا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو حاصل ہو گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سو جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا، اس کے حق میں میری شفاعت جائز ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۸۲۱ (۳۸۳)، سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۲۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۴۳۳، صحیح ابوالخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۶۷۷، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۲۵، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۵۵۶۸، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۱۰۹۳، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۳۲۲، ۳۳۲۳، ۳۳۲۴، ۳۳۲۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۳۰۱، ۳۰۲، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۲۸۸، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، بیروت)

دعاء اذان میں حدیث شفاعت کی تحقیق

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الدرداء جو بیڑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو دعا کرتے "اے اللہ! اس دعوت کلمہ اور (اس کے نتیجہ میں) کھڑی ہونے والی نماز کے رب! اپنے بندے اور اپنے رسول محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے۔" (المجموع للحدیث ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۷۵، مکتبہ الطریف الریاض، ۱۴۰۵ھ)
حافظ البیہقی لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں صدق بن عبد اللہ السکینی ہے۔ امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور وحیم اور ابو حاتم اور احمد بن صالح مصری نے اس کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حافظ جمال الدین یوسف مزی متوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

صدق بن عبد اللہ السکینی کی روایات سے امام ترمذی، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے استدلال کیا ہے۔ ہر چند کہ امام احمد اور شیخین نے اس کو ضعیف کہا ہے، لیکن سعید بن عبد العزیز اور امام ابو داؤد نے اس کو ثقہ کہا۔ عبد الرحمن بن ابراہیم نے کہا: صدق ہمارے شیوخ میں سے ہیں اور ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ احمد بن صالح مصری نے کہا اس کی روایت صحیح اور مقبول ہے۔ وحیم نے کہا اگرچہ یہ قدریہ کی طرف مائل تھا، لیکن روایت میں صلاح تھا۔ ولید بن مسلم نے کہا یہ ۳۶۱ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ (تذیب الکمال ج ۹، ص ۸۰۸، "ملخصاً" میزان الاعتدال ج ۱، ص ۳۲۵-۳۲۶، تذیب التذیب ج ۲، ص ۱۳۸)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبده ورسوله" اے اللہ! آپ پر صلوٰۃ نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو تیرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں داخل کر دے، سو جو شخص یہ دعا کرے گا اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المجموع للحدیث ج ۱۲، رقم الحدیث: ۴۵۵۳، الجامع الکبیر ج ۷، رقم الحدیث: ۲۲۱۱۸، عمدة القاری ج ۵، ص ۱۱۴)

حافظ البیہقی متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں اسحاق بن عبد اللہ بن کیمان ہے۔ حاکم اور ابن حبان نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۴ھ)

حافظ جمال الدین ابو النجاشی یوسف مزی متوفی ۷۷۲ھ نے متعدد ائمہ حدیث کے حوالوں سے اسحاق بن عبد اللہ کا ضعف نقل کیا ہے۔ امام ابو داؤد نے اسحاق بن عبد اللہ کی صرف ایک حدیث صحیحہ درج کی ہے اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس کی روایات کو درج کیا ہے۔ اسحاق بن عبد اللہ بن کیمان ۳۴۳ھ میں فوت ہوا تھا۔

(تذیب الکمال ج ۱، ص ۶۲-۵۷، میزان الاعتدال ج ۱، ص ۳۳۶، کتاب الجرح والتعلیل ج ۲، ص ۲۲۸)

ہر چند کہ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

دعائے اذان کے بعض دیگر کلمات کی تحقیق

اس بحث کے اخیر میں ہم ایک اور حدیث بیان کرنا چاہتے ہیں جس میں "انک لا تحلف بالمعبود" کا ذکر ہے۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اے اللہ! میں تجھ سے اس دعوت کلمہ اور اس کے نتیجہ میں کھڑی ہونے والی نماز کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ سیدنا محمد

پیغمبر کو جنت میں وہ مقام عطا فرما جو آپ کے لیے مخصوص ہے، اور آپ کو فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، بے شک تو وعدہ کی مخالفت نہیں کرتا، اس حدیث کو امام بخاری نے اپنے صحیح میں علی بن عیاش سے روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۴۴۰، مطبوعہ شریعتہ، ملتان)

اس دعا میں الوسيلة اور العفيلة کے بعد والدرجة الرفیعة کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اس کی اصل یہ حدیث ہے:

انام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۰۰ھ روایت کرتے ہیں:

ایوب اور جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اقامت کے وقت کلمہ ۱۳۷ اے اللہ! اس دعوت تاملہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب سیدنا محمد ﷺ کو جنت میں وہ مقام عطا فرما جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے درجات بلند فرما، تو اس کے حق میں نبی ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المصنف ج ۱ ص ۴۹۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

وسیلہ بہ معنی مرشد کامل

ایمان، اعمال صالحہ، فرائض کی ادائیگی، اتباع سنت، اور محرمات اور مکرمات سے بچنا، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور جس موصلاً اور مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک مسلمان گناہوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کا عہد کرتا ہے، جو اس کو مسلسل نیکی کی تلقین کرتا ہے، اور اس کی روحانی تربیت کرتا ہے، اس شیخ کے وسیلہ اور قرب الہی کے ذریعہ میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی قول جیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ اور شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۶۱ھ لکھتے ہیں:

السلوک اس آیت کو راہ حقیقت کے سلوک کی طرف اشارہ گردانتے ہیں اور مرشد کو وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اس بناء پر حقیقی کامیابی اور مجاہدہ سے پہلے مرشد کو تلاش کرنا ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سالکان حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر کیا ہے، اس لیے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس راہ کا ملنا مشاؤد و غور ہے۔ (اصول مستقیم افکاری) ص ۵۰، مطبوعہ مکتبہ سفیہ لاہور)

اسلام میں بیعت کا تصور، شیخ طریقت کی شرائط، بیعت برکت، بیعت ارباب، تہذیبی بیعت، اور تجرید بیعت کا حکم، کیا ہر شخص پر بیعت ہونا فرض ہے، ان تمام عنوانات پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع کے اخیر میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ جو حضرات ان مباحث سے دلچسپی رکھتے ہوں، وہ اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اگر ان کے قبضہ میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تاکہ قیامت کے دن عذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں، تو وہ (فدیہ) ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے ندامت دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ ۳۶)

آیا اللہ نے کافر کے کفر کا ارادہ کیا تھا یا اس کے ایمان کا؟

اللہ عزوجل نے یہ بتایا ہے کہ جن یہودیوں نے اللہ کی ربوبیت کا انکار کیا اور پھڑے کی عبادت کی، اور جن مشرکوں نے بتوں، انسانوں یا عناصر کی عبادت کی اور وہ توبہ کرنے سے پہلے مر گئے، تو وہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اگر تمام روئے زمین کے برابر فدیہ بھی دے دیں، تب بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو دامنِ درد دینے والے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس آیت میں جن یہودیوں کا رد فرمایا ہے، جنہوں نے کہا تھا، ہم کو صرف چند دن عذاب ہو گا اور اسی طرح بت پرست

کافروں کو عذاب کی وعید سنائی ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم اپنے آباء و اجداد کے وسیلہ سے دوزخ کے دانگی درودینے والے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کافر سے کہا جائے گا 'یہ بتا اگر تیرے پاس روئے زمین جتنا سونا ہو تو کیا تو اس کو فہ یہ میں دے دے گا؟ وہ کہے گا 'ہاں پھر اس سے کہا جائے گا (دنیا میں) تجھ سے اس کی بہ نسبت بہت آسان سوال کیا گیا تھا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۵۳۸، صحیح مسلم، ص ۵۳، ۵۴، (۳۸۰۵) ۴۵۰)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابی عمران کی روایت میں ہے 'اللہ فرمائے گا جس وقت تو آدم کی پشت میں تھا میں نے تجھ سے اس کی بہ نسبت آسان چیز کا سوال کیا تھا یہ کہ تو میرے ساتھ شرک نہ کرنا مگر تو شرک کے بغیر نہیں ملتا اور ثابت کی روایت میں ہے 'ہم نے تجھ سے اس کی بہ نسبت کم چیز کا سوال کیا تھا۔ پس تو نے نہیں کیا پھر اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔ حاضی عیاض نے کہا اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَاِذْ اٰخَذَ رَبُّكَ مِنْ نَبِيِّ اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۔
اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے اوپر انہیں گواہ بنایا کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا 'کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی تہا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

(الاعراف: ۱۷۲)

یہ وہ حمد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان کی اولاد سے لیا تھا۔ جس نے بعد میں آکر دنیا میں اس حمد کو پورا کیا وہ مومن ہے اور جس نے اس حمد کو پورا نہیں کیا وہ کافر ہے۔ سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم سے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں جب تم کو دنیا میں نکالوں گا تو تم اس حمد کو پورا کرنا لیکن تم نے اس کا انکار کر کے شرک کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارادہ سے مراد طلب ہو۔ یعنی میں نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا تھا اور تم ایمان نہیں لائے ہو تو تک اس کائنات میں رہی ہو تا ہے جس کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ معززہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا حکم دے جس کا وہ ارادہ نہ کرے؟ اسی کا جواب یہ ہے کہ یہ محال نہیں ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور کافر کے کفر کا 'نور' اگر اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان کا ارادہ کرتا تو وہ ایمان لے آتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان کو مقدر کرتا تو وہ ایمان لے آتا اس کے برخلاف معززہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے ایمان کا ارادہ کیا۔ مومن نے اس پر لبیک کہا اور کافر نے انکار کیا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کفر شر اور برائی ہے اور اللہ تعالیٰ شر اور برائی سے منزہ ہے۔ اس لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ کسی کے کفر کا ارادہ کرے۔ اہل سنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مخلوق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر ہے۔ خالق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے مخلوق کے لیے شر کا ارادہ کرنا اس لیے شر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس سے منع کیا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے جو اس کو امر کرے۔ اس لیے مخلوق کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز مخلوق جب کسی

چیز کا ارادہ کرے اور وہ نہ ہو تو یہ مخلوق کے ضعف اور اس کے مجزئی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضعف اور مجزے پاک ہے۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کافر کے ایمان کا ارادہ کرے اور وہ ایمان نہ لائے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر: ۷)

اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر راضی نہیں ہوتا۔

تو جب اللہ کفر سے راضی نہیں ہے تو وہ کافر کے کفر کا ارادہ کیسے کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ رضا کا معنی ہے ثواب دینا یعنی وہ کفر پر ثواب نہیں دیتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ارادہ عام ہے اور رضا خاص ہے، رضا کا معنی ہے خیر کا ارادہ کرنا جس طرح ہر انسانی اور غضب کا معنی ہے شر کا ارادہ کرنا۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۰۳-۳۰۴، مطبوعہ دار الفکر لکھنؤ، لاہور ۱۳۹۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اہل سنت و جماعت کا جو مذہب نقل کیا ہے اس کے دلائل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن قنولہ السلمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پشت سے ایک مخلوق کو نکالا۔ پھر فرمایا: یہ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ دوزخ میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر ہم کس پر عمل کریں؟ آپ نے فرمایا تقدیر پر۔

(صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحديث ۲۳۸، المستدرک ج ۱ ص ۳۷، مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۶، فتح قدیم، علامہ البیہقی نے کہا اس

حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۶)

امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے بن کی اولاد کو نکالا (الاعراف: ۱۷۲) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور اس سے اولاد کو نکالا۔ پھر فرمایا: میں نے بن لوگوں کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں کے عمل کریں گے پھر بن کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے اولاد کو نکالا۔ پھر فرمایا: میں نے بن لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر عمل کس لیے کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں کے عمل کراتا ہے، حتیٰ کہ وہ اہل جنت کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے عمل کراتا ہے، حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحديث ۳۰۸۶، سنن ابو داؤد، رقم الحديث ۴۷۴۳، سنن کبریٰ للبخاری ج ۶، رقم الحديث ۵۸۰، موطا امام مالک،

رقم الحديث ۳۷۶، مسند احمد ج ۱، رقم الحديث ۶۸، صحیح ابن حبان، رقم الحديث ۷۷۱، المستدرک ج ۱ ص ۱۸۶، فتح قدیم ج ۲ ص ۵۳۳)

امام ذہبی نے تینوں حدیثوں میں حاکم کی موافقت کی ہے)

امام ابو عبد اللہ محمد بن حنفیہ ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابن دہلی بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شک پیدا ہوا اور مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں اس سے میرا

دین فاسد نہ ہو جائے اور ایمان نہ جاتا رہے۔ پس میں حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس گیا اور میں نے عرض کیا اے ابو المنذر! اس تقدیر کے متعلق میرے دل میں ایک شک پیدا ہوا ہے اور مجھے خدشہ ہوا ہے کہ اس سے میرا دین اور ایمان فاسد نہ ہو جائے۔ آپ میری تسلی کے لیے کوئی حدیث بیان کیجئے۔ شاید اللہ اس سے مجھے نفع پہنچائے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کہہ اگے اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔ (کیونکہ وہ ان سب کا مالک ہے اور سب اس کی مملوک ہیں) اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو وہ تم سے اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ۔ پس تم یہ یقین رکھو کہ تم کو جو مصیبت پہنچی ہے وہ تم سے ملنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے مل گئی ہے وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی اور اگر تم اس کے علاوہ کسی دوسرے عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے اور تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے تم جا کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھ لو میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سوال کیا تو انہوں نے بھی حضرت ابی بن کعبؓ کی طرح جواب دیا اور فرمایا تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے تم جا کر حضرت حذیفہ سے سوال کرو۔ میں نے حضرت حذیفہ سے سوال کیا تو انہوں نے بھی ان دونوں کی طرح جواب دیا اور کہا اب تم جا کر حضرت زید بن ثابتؓ سے سوال کرو میں نے حضرت زید بن ثابت سے سوال کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمینوں والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو وہ اس وقت تک تم سے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم ہر تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور یہ یقین نہ رکھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچی ہے وہ تم سے ملنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے مل گئی ہے وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی اور اگر تم اس کے سوا کسی اور عقیدہ پر مر گئے تو تم دوزخ میں داخل ہو گے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث ۱۷۷۱، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۳۷۸۱، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث ۲۲۱۷، طبع دار الفکر بیروت، علامہ احمد شاکر حنفی ۱۷۷۱ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر ج ۱، رقم الحدیث ۲۲۱۷، ۲۲۱۸، ۲۲۱۹، طبع دار الحدیث، قاہرہ ۱۳۸۱ھ)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کافر کافر اور مومن کا ایمان اللہ کے ارادہ سے ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں۔ اس نے جس کو جنت کے لیے پیدا کیا اس کے لیے جنت کے اعمال آسان کر دیے اور جس کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس کے لیے دوزخ کے اعمال آسان کر دیئے۔ اللہ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے ہم کو ایمان اور اعمال صالحہ سے نوازا۔ اے اللہ اہل ایمان اور اعمال صالحہ پر کرنا اور اسی عقیدہ پر اہل احشر کرنا ہم دوزخ سے اور دوزخیوں کے اعمال سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

مکملین نے اس کی توجیہ میں یوں کہا ہے کہ چونکہ کافر کفر کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں کفر کو پیدا کر دیا اور مومن نے ایمان کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس میں ایمان کو پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر اور شر کا اختیار دیا جو خیر کا ارادہ کرتا ہے اس میں خیر پیدا کر دیتا ہے اور جو شر کا ارادہ کرتا ہے اس میں شر کو پیدا کر دیتا ہے۔ بندہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں۔ کسب کا تعلق بندہ سے ہے اور خلق کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور انسان کو جزا اور سزا اس کے کسب اور ارادہ کی وجہ سے ملتی ہے اور اگر بندہ کے افعال میں اس کے کسب اور ارادہ کا دخل نہ ملتا جائے تو پھر دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل کو بھیجا اور

آسمانی کتابوں کو نازل کرنا اور آخرت میں جزاء اور سزا کا نظام قائم کرنا سب بے معنی اور خلاف حکمت ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو، یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے اور اللہ بہت غالب اور نہایت حکمت والا ہے (المائدہ: ۳۹)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتلایا تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں اور اس آیت میں چور کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور حدیث میں ہے کہ دوسری چوری پر اس کا پیر کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا جب کسی شخص نے چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا۔

(کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی ص ۱۳۸)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کی اہمیت بیان کی تھی کہ ایک انسان کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک گویا تمام انسانوں کو قتل کرنا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر یہی انسان ڈاکہ ڈالے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور یہاں فرمایا کہ اگر انسان چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

سرقۃ کا لغوی معنی

علامہ جمل الدین ابن منظور افریقی متونی ۷: ۷۷۷ لکھتے ہیں:

اہل عرب چور اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور مل غیر لے کر چلا جائے۔ اگر وہ چھپ کر لینے کے بجائے کھلم کھلا لے تو وہ اچکا اور لٹیرا (مخلس اور مستہب) ہے اور اگر زبردستی چھینے تو ماصب ہے۔

(لسان العرب، ج ۱۰، ص ۱۵۶، مطبوعہ نثر ادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۳۰۵ھ)

سرقۃ کا اصطلاحی معنی

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن ہمام حنفی متونی ۸: ۷۸۷ لکھتے ہیں:

عائل یا نفع کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم (یا اس سے زیادہ) یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر بغیر کسی شبہ اور تاویل کے اٹھالے، جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو، در آنجا کہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو تو وہ سرقۃ (چوری) ہے۔

(فتح القدیر، ج ۵، ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

شان نزول

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متونی ۳۷۸ لکھتے ہیں:

یہ آیت طلحہ بن امیق کے متعلق نازل ہوئی ہے، جس نے ذرہ کی چوری کی تھی۔ اس کی تفصیل ہم انشاء: ۱۰۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ (اسباب النزول، ص ۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جاہلیت اور اسلام میں جن کے ہاتھ کاٹے گئے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متونی ۲۷۸ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں بھی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا، لہذا جاہلیت میں جس کا سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا، وہ ولید بن مغیرہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اسلام میں جس چور کا سب سے پہلے مردوں میں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا، وہ خیابن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھے، مگر عورتوں میں جس چور کے سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے گئے، وہ مرہ بنت

سفیان بن عبد اللہ تھیں۔ ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابو بکر نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے ہار چرایا تھا۔ حضرت عمر نے عبد الرحمن بن سمرہ کے بھائی کا ہاتھ کاٹا تھا ان واقعات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص اچک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کرے تو اس پر حد مقرر نہیں (ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گو کوئی قائم کیے جاسکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف چور چھپ کر مل لے جاتا ہے لہذا اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے اس لیے اس کی سزا سخت رکھی تاکہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔

بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کو فوراً جوڑ دیا جائے تو یہ جائز ہے لیکن یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کو فرمایا ہے یہ اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے اگر چور کا ہاتھ جوڑ دیا گیا تو پھر یہ عبرت نہیں رہے گا اور یہ قرآن مجید کے صریح خلاف ہے اس کی مکمل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع میں کی ہے۔ ایک بحث یہ ہے کہ چور ہاتھ سے چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کا آلہ قاتل کیوں نہیں کاٹا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور کا جب ایک ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے تو اس کا دوسرا ہاتھ موجود ہوتا ہے جس سے وہ کام کاج کر سکتا ہے جبکہ زانی کے پاس دوسرا آلہ نہیں ہوتا۔ دو سرا جواب یہ ہے کہ حدود اس لیے مقرر کی گئی ہیں کہ لوگ دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ کتا ہوا ہاتھ تو دکھائی دیتا ہے اور آلہ مستور ہوتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آلہ قاتل کاٹ دینے سے فروغ نسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور ہاتھ کاٹنے میں یہ خطرہ نہیں ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ زانی سزا میں جرم تو صرف ایک جز نے کیا ہے اور کوڑوں یا رجم کی شکل میں سزا پورے جسم کو ملتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کرنے سے پورا جسم لذت حاصل کرتا ہے اس لیے پورے جسم کو سزا دی جاتی ہے۔

محبت حدیث پر دلیل

اس آیت میں کئی وجوہ سے اجمل ہے۔ اول یہ کہ مطلقاً چوری کرنے پر حد واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک پیسہ یا روپیہ چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ ایک معین مقدار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس آیت میں اس مقدار کا بیان نہیں ہے۔ ثانیاً اس آیت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور ہاتھ کا اطلاق انگلیوں پر، پٹیل پر، پہنچے تک، کلائی کے وسط تک، کہنی تک اور بازو تک پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ثالثاً اس آیت میں یہ بیان نہیں ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا حکم امت کے عام افراد کو دیا گیا ہے یا یہ حکم صرف مسلمان حاکم کے لیے ہے۔ ان تمام امور کا بیان نبی کریم ﷺ کی سنت اور احادیث میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ احادیث کے بغیر قرآن مجید کے معنی کو سمجھنا اور اس کے حکم پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

حد سرقہ کے نصاب میں امام شافعی کا نظریہ

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ لکھتے ہیں:

جب چور کسی چیز کو چرائے تو اس چیز کی قیمت کا اس دن سے لحاظ کیا جائے گا جس دن اس نے چوری کی تھی۔ اگر اس کی قیمت چوٹھائی دنار کو پہنچ گئی تو اس کا ہاتھ کٹ دیا جائے گا ورنہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(الامام ج ۶، ص ۱۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۳ھ)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چوٹھائی دنار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری ج ۷، رقم الحديث: ۷۷۸، صحیح مسلم حدود: ۱۷۸۶، سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۴۳۸۳، سنن نسائی ج ۸،

رقم الحديث: ۴۳۹۹، مسند احمد ج ۹، رقم الحديث: ۲۳۳۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸، ص ۲۵۳، موطا امام مالک: رقم الحديث: ۵۷۷۵، مصنف

ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۴۷۰، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۳۴، مسند حمیدی: رقم الحديث: ۲۷۹، مسند الشافعی ج ۲، رقم الحديث: ۸۳،

شرح السنن للبخاری: رقم الحديث: ۲۵۹۵)

واضح رہے کہ چوٹھائی دنار تین درہم کے مساوی ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چوٹھائی دنار میں ہاتھ کاٹو اور اس سے کم میں نہ کاٹو اور ان دونوں میں چوٹھائی دنار تین درہم کے برابر تھا اور درہم کا تھا اور اگر چوری چوٹھائی درہم سے کم ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا نہ کہتی۔

(علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر ج ۱، رقم الحديث: ۲۳۳۹۶-۲۳۹۶۰، طبع قاہرہ)

حد سرقہ کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ

امام حنون بن سعید السنونی مالکی متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

میں نے امام مالک سے پوچھا یہ بتائیے کہ اگر کوئی شخص آج تین درہم کی چوری کرے اور وہ چوٹھائی دنار کے برابر آج نہ ہوں، کیونکہ دنار کی قیمت بڑھ گئی ہو تو کیا آپ کے قول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟ امام مالک نے فرمایا ہاں اس کا ہاتھ کٹ دیا جائے گا، جبکہ اس نے اس دن تین درہم کی مالیت کی چوری کی ہو۔ کیونکہ نبی ﷺ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا۔

(البدیع الکبریٰ ج ۶، ص ۲۶۵، مطبوعہ مطبع الطاعة مصر ۱۳۲۳ھ)

امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک بن انس ابی موسیٰ متوفی ۲۴۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ذاعل کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

(الموطا امام مالک: رقم الحديث: ۵۷۷۵، مسند الشافعی ج ۲، رقم الحديث: ۸۳، صحیح البخاری ج ۷، رقم الحديث: ۷۷۸، صحیح مسلم حدود:

۱۷۸۶، سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۴۳۸۵، سنن ترمذی: رقم الحديث: ۳۵۵۱، سنن نسائی ج ۸، رقم الحديث: ۴۳۹۹، مسند احمد ج ۹،

رقم الحديث: ۵۳۳۴، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۳۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸، ص ۲۵۳، سنن دار قطنی ج ۲، رقم الحديث: ۲۵۹۵،

سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸، ص ۲۵۹، شرح السنن للبخاری: رقم الحديث: ۲۵۹۵)

حد سرقہ کے نصاب میں امام احمد بن حنبل کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

تمام نقصان کے نزدیک نصاب سے کم چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ثبوت حسن ہری، داؤد ظاہری، امام شافعی کے لئے اور خوارج کا قول یہ ہے کہ قلیل چیز کی چوری ہو یا کثیر کی چور کا ہاتھ کٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً ارشاد ہے السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما (المائدہ: ۳۸) چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کٹ دو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے وہ رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کٹ دیا جاتا ہے اور وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کٹ دیا جاتا ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) نیز قلیل چیز کی چوری کرنے والا بھی حرز (جس جگہ کی حفاظت ہو) سے چیز چراتا ہے تو کثیر چیز کی چوری کی طرح اس پر بھی اس کا ہاتھ کٹ دیا جائے گا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف تین چو تھلی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس پر صاحب کا ارجاع ہے اور ارجاع کی وجہ سے آیت کے عموم میں تخصیص کی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس رسی پر ہاتھ کاٹا جائے جس کی مالیت ربع دینار ہو (جیسے جھانڈوں کی رسی، سعیدی) اور بیضہ سے مراد مرثی کا اٹھانا ہو، بلکہ لوہے کا بیضہ یعنی "خود" مراد ہو۔

امام احمد سے نصاب سرقہ میں مختلف روایات ہیں۔ ابو اسحاق جوزجانی سے ربع ظلالی دینار یا تین چاندی کے درہموں کی روایت ہے، یا جو ان کی مالیت ہو۔ امام مالک اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور اثرم سے یہ روایت ہے کہ اگر سولے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کی ہے تو چو تھلی دینار یا تین درہم کی مالیت نصاب ہے، اور ان میں سے کم تر مالیت کو نصاب ملتا جائے گا، لیث اور ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا صرف چو تھلی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے۔ عمر بن عبد العزیز، نو زامی، امام شافعی اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے اور عثمان بنی نے کہا کہ ایک درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چار درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور حضرت عمر سے ایک روایت ہے کہ صرف پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ سلیمان بن یسار، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ جوزجانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے اس اُحل کے عوض ہاتھ کٹ دیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ عطاء، امام ابو حنیفہ اور ابن کے اصحاب کا یہ قول ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ قبل بن ارقطاع نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں قطع یہ نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک اُحل کے عوض ایک توی کا ہاتھ کٹ دیا، اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی اور نخی سے روایت ہے کہ چالیس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس اُحل کی چوری میں ہاتھ کٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) علامہ ابن عبد البر نے کہا یہ حدیث اس باب میں صحیح ترین حدیث ہے اور اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کی جو پہلی حدیث (جس میں ایک دینار یا دس درہم کی اُحل پر قطع یہ کا ذکر ہے) اس پر دلالت نہیں کرتی کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹا جائے نہیں کیونکہ جو تین

درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹتے ہیں، وہ دس درہم کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹتے ہیں۔

(المفنی 'ج ۹' ص ۹۵-۹۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

حد سرقہ کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے جوابات

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متونی ۸۳ ص ۴۸۳ لکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُحِلَّ کی قیمت کے مساوی ہاتھ نہیں کاٹا جائے، اور ان دونوں اس کی قیمت دس درہم کے برابر تھی، مگر اس میں یہ دلیل ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے سرقہ میں نصاب معتبر ہے۔

پھر نصاب کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا یہ نصاب دس درہم یا ایک دینار ہے۔ امام شافعی نے کہا چوتھائی دینار ہے۔ امام مالک نے کہا تین درہم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری نے کہا چالیس درہم ہے۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: چوتھائی درہم یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس لیے کہ ان کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف اُحِلَّ کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور اُحِلَّ کی قیمت میں اختلاف ہے اور اختلاف کے وقت اس کی کم سے کم قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اور کم سے کم قیمت جو محمول ہے، وہ تین درہم ہے۔ اس لیے امام مالک نے سرقہ کا نصاب تین درہم قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دینار کی قیمت بارہ درہم تھی، تو تین درہم چوتھائی دینار ہو گئے اور ہمارے علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از عمرو بن شعیب از والدہ خود از جد خود روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفہ اور مرفوعہ مروی ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حدیث مشہور میں ہے کہ دس درہم سے کم میں حد نہیں ہے، اور دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور ایمن بن ابی ایمن، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جس اُحِلَّ کی چوری میں ہاتھ کاٹا گیا تھا، وہ دس درہم کی تھی، اور ان صحابہ کرام کے قول کی طرف رجوع کرنا زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ وہ مجاہدین میں سے تھے اور ہتھیاروں کی قیمت اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے، اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اُحِلَّ کی اس قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے جو کم سے کم ہو، کیونکہ چوری شدہ مال کی کم قیمت اس لیے لگائی جاتی ہے، تاکہ حد کو ساقط کیا جاسکے، اور یہاں حد کو ساقط کرنا اس وقت مستحق ہو گا جب اُحِلَّ کی قیمت زیادہ سے زیادہ لگائی جائے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا۔ حضرت عمر نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اس کی چوری دس درہم کے مساوی نہیں ہے، پھر اس کپڑے کی قیمت معلوم کی گئی تو اس کی قیمت آٹھ درہم ڈالی گئی تو اس شخص سے حد ساقط کر دی گئی۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نصاب سرقہ کا دس درہم ہونا صحابہ کے درمیان معروف اور مشہور تھا۔ نیز نصاب حد کو نصاب مہر قیاس کیا گیا ہے اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہے، اور نکل اور ہاتھ کاٹنے دونوں میں ایک عضو پر تعزیر کیا جاتا ہے، جو شریعت میں تعزیر کرنے سے محفوظ اور مامون ہے۔ اس لیے اس تعزیر کا تحقیق مل کثیر کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عشار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبد الرزاق، ج ۱۰، ص ۴۲۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عشار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبد الرزاق، ج ۱۰، ص ۴۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۹، ص ۴۵۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۴۰، مکتب الآثار، امام محمد،

ص ۳۷۷، سنن دار قطنی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۹۸-۳۳۹۹)

امام محمد بن حسن شیبلی متوفی ۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے کہا کہ اُحعل سے کم قیمت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت اُحعل کی قیمت دس درہم تھی اور

اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مکتب الآثار، ص ۱۳۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ)

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب چور اس قدر (مال کی) چوری کرے جو اُحعل کی قیمت کو پہنچ جائے

تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس وقت اُحعل کی قیمت دس درہم تھی۔

(مصنف عبد الرزاق، ج ۱۰، ص ۴۲۳، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ تین درہم یا چوتھائی دینار کو ہاتھ کاٹنے کا نصاب قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اور ان کے

اصحاب دس درہم یا ایک دینار کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ دس درہم دو اعشاریہ چھ دوپانچ (۲۵۷۵) تولا اور تیس اعشاریہ چھ ایک

آٹھ (۳۷۸) گرام چاندی کے برابر ہے۔ اور تین درہم صفر اعشاریہ سات آٹھ ساتپانچ (۸۷۵) تولا اور نو اعشاریہ ایک

آٹھ پانچ چار (۳۷۸) گرام چاندی کے برابر ہے۔

کون سا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے ؟

چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ امام بیہقی نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ ہماری قرائت میں ہے "فأقطعوا

ایمساہما" چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے دائیں ہاتھ کو کاٹ دو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۷۰، مطبوعہ نثرانیہ، لبنان)

دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا۔

امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

از عمرو بن شعیب از والدہ خود از جد خود، حضرت صفوان بن امیہ بن خلف مسجد میں سوئے ہوئے تھے، ان کے سر پہنے ان

کے کپڑے تھے، ایک چور آکر، کپڑے لے گیا وہ اس چور کو پکڑ کر نبی ﷺ کے پاس لے آئے، اس نے چوری کا اقرار کر لیا۔

نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت صفوان نے کہا یا رسول اللہ! کیا عرب کے ایک شخص کا میرے کپڑوں کے عوض

ہاتھ کاٹا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میرے پاس پکڑ کر لانے سے پہلے یہ عرب نہیں تھا؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

جب تک مجرم حاکم کے پاس نہ پہنچے، تم شفاعت کر سکتے ہو۔ اور جب وہ حاکم تک پہنچ گیا، پھر اس کو معاف کیا تو اللہ اس کو معاف نہ

کے، پھر آپ نے حکم دیا کہ پہنچے (پھیل اور کلائی کا جوڑا) سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

(سنن دار قطنی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

عدی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چور کا ہاتھ پھٹلی کے جوڑ سے کٹ دیا۔
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک چور کا ہاتھ پھٹلی کے جوڑ سے کٹ دیا۔ عمرو بن دینار
بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چور کا ہاتھ پھٹلی کے جوڑ سے کٹ دیتے تھے۔

(سنن کبریٰ، ج ۸، ص ۲۷۱، مطبوعہ نثر السنہ، لبنان)

جن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا

فقہی عالمگیری میں ہاتھ کاٹنے کی حسب ذیل شرائط بیان کی گئی ہیں:

۱۔ جو چیز دارالاسلام میں مباح یا نجس اور حقیر ہو اس کے چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسے اقلہ کلزی، گھاس پھوس،
سرکنڈا، پھلی، ہڑتل اور چوٹا وغیرہ۔ (ہدایہ کلنی، نور اختیار)

۲۔ سونا، چاندی اگر مٹی یا پتھر میں مخلوط ہو اور اس کو اس شکل میں چرایا جائے تو اس پر حد سرقہ نہیں ہے۔ (ظاہر الروایہ)

۳۔ جو چیز جلد خراب ہو جاتی ہے، جیسے دلدہ، گوشت، لور، تازہ پھل، کن کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (ہدایہ)

۴۔ جو پھل درخت پر لگے ہوں یا گندم کھیت میں ہو اس کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)

۵۔ قحط کے ایام میں طعام کی چوری پر حد نہیں ہے۔ خواہ طعام جلد خراب ہونے والا ہو یا نہ ہو، حفاظت میں رکھا گیا ہو یا نہ
ہو، قحط کا سال نہ ہو لیکن جس طعام کو چرایا ہے وہ جلد خراب ہونے والا ہے، پھر بھی حد نہیں ہے اور اگر طعام جلد خراب
ہونے والا نہ ہو، لیکن غیر محفوظ ہو، پھر بھی حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)

۶۔ مٹی کی دہی کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (تبیین)

۷۔ درخت کو باغ سے جڑ سمیت چرانے پر حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)

۸۔ ہاتھی کے دانت کی چوری میں حد نہیں ہے، بشرطیکہ اس سے کوئی چیز بٹل نہ گئی ہو۔ (امین)

۹۔ شیشہ کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (فتح اللہ)

۱۰۔ جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے، کن کے چرانے پر حد نہیں ہے، خواہ وہ وحشی ہوں یا فیرو وحشی، بری ہوں یا بحری۔

(تارخانہ)

۱۱۔ مندی، سبزیوں، تازہ پھلوں، گھاس، پانی، پھٹلی اور جانوروں کی کھالوں کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ لہذا یہ کہ کھال سے

مصلیٰ یا کوئی اور چیز بٹل نہ گئی ہو۔ (مکاسب)

۱۲۔ خمر، خنزیر، بلی، پرندوں، وحشی جانوروں، کتے، بچے، مرغی، بٹخ اور کبوتر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ترغیب)

۱۳۔ ظہور، دف، مزار اور باقی لگانے بجلانے کے آلات کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)

۱۴۔ طبل، لور، بھٹا، اگر لہو و لعب کے لیے ہوں، تو ان کے چرانے میں حد نہیں ہے، اور اگر جملہ کا طبل ہے تو اس میں اختلاف

ہے۔ (محیط)

۱۵۔ بنیر اور روٹی کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)

۱۶۔ شلج اور چو سر خواہ سونے کی بنی ہوئی ہوں، کن کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (محیط)

۱۷۔ مصحف (قرآن مجید) کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)

۱۸۔ نقد، نحو، لغت اور شعر و ادب کی کتابوں کے چرانے میں بھی حد نہیں ہے۔ (المرآۃ الوہاب)

۱۹- تیر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (آخر)

۲۰- سونے یا چاندی کی صلیب یا بت کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ البتہ اسونے اور چاندی کے جن سکوں پر تصویریں ہوں ان پر حد ہے۔ (مکابیا)

۲۱- بڑی عمر یا کچھ دار غلام کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ہزقاتی)

۲۲- جس شخص نے اپنے مقروض سے دس درہم غیر موہل قرض لینا ہو اور وہ اس سے اتنی مالیت کی چیز چالے تو حد نہیں ہے اور اگر قرض موہل ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حد ہو اور اتھمان کا تقاضا ہے کہ حد نہیں ہے۔ (المراج الوہاج)

۲۳- اگر مبلغ بیٹے کے مقروض کے مال سے چوری کی تو حد نہیں ہے۔ (مجا)

۲۴- اگر چاندی کے برتن میں نیشہ یا جلد خراب ہونے والی کوئی چیز (مثلاً دودھ) تھی اس کو چرایا تو حد نہیں ہے۔

۲۵- جس برتن میں خمر (شراب) تھی اس کو چرایا تو اس میں حد نہیں ہے۔ (مجا)

۲۶- اگر قبر سے درہم دس یا کفن کے علاوہ کوئی اور چیز چالی تو اس پر حد نہیں ہے۔ (المراج الوہاج)

۲۷- کفن چرانے پر حد نہیں ہے۔ (کفانی)

۲۸- مال غنیمت یا مسلمانوں کے بیت المال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (نہلیہ)

۲۹- جس چیز پر ایک بار حد لگ چکی ہو اس کو دوبارہ چرانے پر حد نہیں ہے۔ (شرح المجلدی، طبرانی)

۳۰- حربی مستامن کے مال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (مبسوط)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

۳۱- مسجد کا سالن مثلاً چٹائیاں اور قدیل چرانے پر حد نہیں ہے۔

۳۲- کعبہ کے پردوں کو چرانے پر حد نہیں ہے۔

۳۳- جن کاغذوں پر کچھ لکھا ہو یا چھپا ہو ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔

۳۴- اگر کسی شخص نے امانت میں خیانت کی تو اس پر حد نہیں ہے۔

۳۵- شیرے اور اچکے پر حد نہیں ہے۔

۳۶- اگر کوئی شخص اپنے شریک کے مال سے چوری کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔

۳۷- مال، باپ، اولاد یا دیگر محارم کے مال سے چوری پر حد نہیں ہے۔

۳۸- اگر محرم کے گھر سے کسی اور کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۳۹- اگر دو جہین میں سے کسی ایک نے دوسرے کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۴۰- غلام یا لونڈی نے اپنے مالک کا مال چرایا یا لونڈی نے اپنی مالک کے خلوہ کامل چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۴۱- اگر مالک نے اپنے مکاتب کامل چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۴۲- حمام یا جس گھر میں جانے کا اذن عام ہو اس میں چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔

افنادی مائتبیہ ج ۲ ص ۱۷۹-۱۷۵، مطبوعہ مطبعہ امیر، کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں جانتا کہ بلاشبہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہی کا ہے وہ

نئے چاہے غداں دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۳۰)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر چہ نے توبہ نہ کی اور وہ پکڑا گیا تو اس پر حد بھی جاری ہوگی اور آخرت میں عذاب بھی ہوگا اور اگر اس نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو اللہ آخرت کی سزا معاف فرمادے گا۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب دینا یا معاف فرمانا اس وجہ سے ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اس کا عذاب دینا بھی حسن اور حکمت پر مبنی ہے اور اس کا معاف فرمانا بھی حسن اور کرم پر مبنی ہے۔ اہل سنت کا مذہب ہے عذاب دینا اس کا عدل ہے اور معاف فرمانا اور ثواب عطا فرمانا اس کا کرم ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے ہم اس کے عذاب سے اس کی پناہ طلب کرتے ہیں اور اس کے غم و درگزر اور رحم و کرم کو طلب کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ

اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں، ان میں سے

الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِمَا فُتِنُوا بِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ

بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے رسول سے کہا ہم ایمان لے آئے، حالانکہ ان کے دل یمن نہیں ہیں اور بعض

الَّذِينَ هَادُوا أَشَاطِسُ السُّعُونَ لِلْكَذِبِ سَاعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ

یہودی ہیں جو جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور ان لوگوں کی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں جو آپ کے

لَمْ يَأْتُواكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَا وَضَعَهُ يَقُولُونَ إِنْ

ہاں نہیں آئے، (لاندہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ

أَوْتِيْتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتُوهُ فَاخْذَرُوا وَمَنْ يُرِدْ

(حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو، اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو، اور اسے قتل نہ کرو

اللَّهُ فِتْنَتُهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ الَّذِينَ

اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے تو، تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے

لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَظْهِرْ قُلُوبَهُمْ طَلَمٌ فِي الدُّنْيَا خَذَى وَلَهُمْ

دلروں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ نہیں فرمایا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں

فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ③ سَاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ

ان کے لیے بڑا عذاب ہے ③ (یہ) جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ

ضیاء القرآن جلد سوم

لِلشُّحِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ

کھاتے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں خواہ ان سے اعراض فرمائیں

وَأِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ

اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝۴۳ وَكَيْفَ

ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ۵ اور وہ آپ

يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ

کو کیسے انصاف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے باوجود وہ

بَعْدَ ذَلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝۴۴

روگردان کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں (المائدہ ۴۱) اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے ذکر اور چوری سے متعلق احکام شریفہ ارشاد فرمائے اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ منافقین بہت گرم جوشی کے ساتھ کفر کا اظہار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر کی تلقین کی۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفر میں ان کی سرگرمیوں کی پروا نہ کریں، ان میں سے بعض منافقین ہیں جو کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، آپ ان کو اہمیت نہ دیں۔ اللہ عزوجل آپ کے لیے کافی ہے اور ان کے عکرو فریب کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا۔ اسی طرح آپ یہودی ریشہ وادوں کی بھی فکر نہ فرمائیں، یہ دونوں فرق یہود کے احبار اور رہبان سے دین اسلام کے متعلق جھوٹی باتیں بہت سنتے ہیں۔ آپ کی نبوت میں شبہات اور تورات میں تحریف پر مشتمل باتیں خوب سنتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو یہودی آپ کے پاس نہیں آتے یہ ان کے جاسوس ہیں، آپ پر جھوٹ باندھنے کے لیے یہ آپ کی باتیں سنتے ہیں تاکہ جو کچھ آپ سے سنیں اس میں تغیر اور تبدل کر کے پور اپنے پاس سے جھوٹ ملا کر یہودیوں کو پہنچائیں۔

قرآن مجید میں دو جگہ آپ کو یا ایہا الرسول کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ ایک یہ جگہ ہے (المائدہ ۴۱) اور دوسری آیت یہ ہے یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک (المائدہ ۶۷) ان کے علاوہ بھی ہر جگہ آپ کو یا ایہا السبی کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت مہتمم باشندگان آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں نہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو (المائدہ ۴۱)

یسود کا تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا

یسود تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی بھی۔ لفظی تحریف یہ تھی کہ کسی لفظ کو درمیان سے چھوڑ دیتے تھے یا کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیتے تھے یا اس لفظ کو زبان موڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ اس کا معنی بدل جاتا تھا اور معنوی تحریف یہ تھی کہ کسی آیت کی الٹ تفسیر بیان کرتے یا باطل بتویل کرتے اگر ان سے آخری نبی کی مخالفت پر بھی جاتیں تو دجل کی مخالفت پڑھ کر سنا دیتے۔

امام ابو جعفر ابن جریر طبری متوفی ۲۵۵ھ نے بیان کیا ہے کہ یسود بنو قریظہ اپنے آپ کو بنو نضیر سے افضل کہتے تھے۔ اگر بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ قصاص کے لیے تیار نہ ہوتے صرف دیت دیتے تھے اور اگر بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو پھر اس سے قصاص لیتے تھے۔ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو وہ اسی طریقہ پر کاربند تھے۔ بنو قریظہ نے بنو نضیر کے کسی آدمی کو عمو اقل کر دیا۔ اس وقت منافقوں نے کہا کہ اگر یہ (نبی ﷺ) دیت ادا کرنے کا حکم دیں تو ہم لینا ورنہ ان کے حکم سے اجتناب کرنا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۳۲۳)

امام ابن جریر نے یسود کی تحریف کی یہ مثال دی ہے کہ تورات میں یہ حکم تھا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دیا جائے۔ انہوں نے اس حکم میں یہ تحریف کر دی کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں اور ان کا منہ کالا کیا جائے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۳۲۱)

نبی ﷺ کا یسودی زانیوں کو رجم کرانا

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یسودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یسود کے پاس تشریف لے گئے آپ نے فرمایا جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مختلف جانب میں کرتے ہیں پھر ان کا پکر لگایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام جو بیٹھ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے پیچھے رجم کی آیت تھی پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔ (صحیح مسلم حدیث ۲۱۱۱، ۲۱۱۲، ۲۱۵۷)

امام مسلم نے اس حدیث کو اس کی مثل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

صحیح مسلم حدیث ۲۱۵۷، ۲۱۵۸، صحیح ابوداؤد ج ۸، رقم الحدیث ۵۸۳۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۴۲۳۶، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث ۳۴۱، صحیح ابن حبان ج ۱۰، رقم الحدیث ۲۳۳۵، صحیف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۳۲۲۱، ۳۲۲۲، سنن دارمی ج ۲، رقم الحدیث ۲۲۲۱، شرح السنن للبغوی، رقم الحدیث ۲۵۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۳

نیز امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براہین عازب جو بیٹھ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک یسودی گزارا گیا جس کا منہ کالا تھا اور اس کو کوڑے لگائے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا تم اپنی کلب میں ذاتی کی حد اسی طرح پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پھر آپ نے ان کے منہ میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات کو

نازل کیا۔ کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ اور اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا۔ ہم اس حد کو رجم پاتے ہیں، لیکن ہمارے معزز لوگوں میں زنا بکثرت ہونے لگا۔ سو جب ہم کسی معزز آدمی کو پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ہم کسی معمولی آدمی کو پکڑتے تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ ہم نے سوچا کہ چلو ہم ایسی سزا پر اتفاق کر لیں جس کو ہم معزز اور غیر معزز دونوں پر لاگو کر سکیں تو پھر ہم نے رجم (سنگسار کرنے) کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کو مقرر کر دیا۔ سو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں پسلاؤہ شخص ہوں جس نے تیرے اس حکم کو زندہ کیا جس کو لوگوں نے مٹا دیا تھا۔ پھر آپ کے حکم سے اس کو رجم کیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مار لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو۔ (المائدہ: ۳۱) (یعنی) وہ کہتے ہیں کہ (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جولو اگر وہ تم کو منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دیں تو اس کو قبول کر لو اور اگر تم کو رجم کرنے کا حکم دیں تو اس سے اجتناب کرو۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سودی لوگ کافر ہیں۔ (المائدہ: ۴۳)

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سودی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۴۵)

اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سودی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۷)

یہ تمام کافروں کے متعلق ہیں۔

(صحیح مسلم، حدیث ۲۸۰۰، ۱۷۰۰، ۴۳۹۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۴۴۴۸، ۴۴۴۷، سنن ابن ماجہ، ۲۵۵۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جسے اللہ قتل میں ڈالنا چاہے، تو تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی

چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ (المائدہ: ۴۱)

یودیوں کے ایمان نہ لانے پر نبی ﷺ کو تسلی دینا

جس کو اللہ قتل میں ڈالنا چاہے، اس کا معنی ہے جس کو اللہ دنیا میں گمراہ اور رسوا کرنا چاہے اور آخرت میں عذاب دینا چاہے، تو اے مخاطب! تو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور اس کے عذاب کو اس شخص سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ نے بندہ کو گمراہ کر دیا تو پھر اس کو دنیا میں ملامت کیوں کی جاتی ہے؟ اور آخرت میں اس کو عذاب کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ جب کوئی ایسا بڑا جرم کر لیتا ہے جس کی اللہ کے نزدیک معافی نہیں ہے، تو وہ اس کے دل پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے۔ اب کوئی خواہ کتنی کوشش کیوں نہ کرے، وہ اس کو راہ پر نہیں لاسکتا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ سے کسی معجزہ کو طلب کرے اور معجزہ دیکھنے کے بعد پھر ایمان نہ لائے، یا نبی ﷺ کی اہانت اور گستاخی کرے، تو پھر دنیا میں گمراہی اور رسوائی اور آخرت کا عذاب اس کا حقد رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے، یعنی ان پر جزیہ مسلط کیا جائے گا اور وہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہیں گے۔ نیز فرمایا: اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے، یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یودیوں اور منافقوں کے ایمان نہ لانے اور اخلاص سے اطاعت نہ کرنے پر آپ مفہوم نہ ہوں اور آپ یہ خیال نہ کریں کہ آپ کی تبلیغ اور پیغام رسانی میں کوئی کمی ہے جو یہ ایمان نہیں لارہے اور اخلاص سے اطاعت نہیں کر رہے، آپ کی تبلیغ کمال ہے اور آپ کی پیغام رسانی مکمل ہے۔ دراصل ان کی پیہم اہانتوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اور اللہ نے ان کو اس قابل نہیں بنایا کہ ان کو آپ کے قلعین اور اطاعت گزاروں میں شامل کرے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ آپ پر ایمان نہیں لارہے، اور آپ کو منصب

نبوت کا اہل نہیں سمجھتے اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو آپ کی غلامی اور آپ پر ایمان لانے کے لائق نہیں جلا۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں (المائدہ: ۴۲)
 سحت کا معنی اور اس کا حکم

یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اس کو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا وہ سحت بہت زیادہ کھاتے ہیں۔ لغت میں سحت کا معنی حلاک کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيٰٓاَيُّكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ
 كَذِبًا فَيُسْحِتْكُمْ بِعَذَابٍ (طہ ۷۴)
 موسیٰ نے ان سے کہا: تم پر افسوس ہے جھوٹ بول کر اللہ پر
 . بہتان نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے۔

اور سحت کا معنی کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑنا ہوتا ہے۔ عرب سر موڑنے والے کے متعلق کہتے ہیں اسحت اس نے
 ہل جڑ سے اکھاڑ دیئے۔ ہل حرام کو بھی سحت کہتے ہیں کیونکہ وہ عبادات کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور ملیا میٹ کر دیتا ہے۔
 حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سحت رشوت ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا حاکم کو رشوت دینا سحت
 ہے۔

امام احمد بن علی بن حنبل جسی متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

مسوق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے ان سے پوچھا سحت بکے
 کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا فیصلہ کرنے میں رشوت لینا فرمایا یہ کفر ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اٰمَرَ اللّٰهُ
 فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (المائدہ: ۴۴) اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ 'ج ۹' رقم الحدیث: ۵۳۶۶، المعجم الکبیر 'ج ۹' رقم الحدیث: ۹۰۰، حاشیہ البیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے 'مجمع الزوائد'
 ج ۴ ص ۲۰۰، المطالب العالیہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۲' ص ۱۳۹)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مسوق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سحت کے متعلق پوچھا انہوں نے فرمایا ایک
 شخص کسی سے اپنی حاجت طلب کرے وہ اس کی حاجت پوری کرے پھر وہ اس کو دے دے جس کو وہ قبول کر لے۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا زانیہ کی اجرت سحت ہے 'زکی جفتی کی اجرت سحت ہے' نقد لگوانے (رگ
 کاٹنے) والے کی اجرت سحت ہے 'اور کتے کی قیمت سحت ہے۔

نقد لگوانے (رگ کاٹنے) کی اجرت جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نقد لگوا کر اجرت دی ہے 'اس لیے حدیث کا
 یہ جز منسوخ ہے۔ امام مسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بنو یاسر کے ایک غلام نے نبی ﷺ کو
 نقد لگائی اور نبی ﷺ نے اس غلام کو اجرت دی 'اور اس کے مالک سے اس کے خراج میں کمی کرنے کی سفارش کی۔ اگر یہ
 اجرت سحت (حرام) ہوتی تو آپ ﷺ عطاء نہ کرتے۔

(صحیح مسلم '۱۴۰۲' ۳۹۷۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۴۲۳، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۶۳۹۸، ۶۳۹۹، ۶۴۰۰، ۶۴۰۱، مطبوعہ دار الحدیث
 قاہرہ، نیز امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے نقد لگوائی۔ حجام کو اجرت دی اور ناک میں دو اذالے۔ صحیح
 بخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۰-۵۷۸۱، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی رقم الحدیث: ۷۵۸۰، مسند احمد 'ج ۱' رقم
 الحدیث: ۳۰۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مسلم بن صبیح بیان کرتے ہیں کہ مسوق نے کسی شخص کی کسی کام میں شفاعت کی، اس شخص نے ہدیہ میں انہیں باندی پیش کی، تو مسوق بہت سخت غضبناک ہوئے اور کہا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے کام میں سفارش نہ کرتا، اور آئندہ کسی کام میں تمہاری سفارش نہیں کروں گا۔ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے کے لیے سفارش کرے، یا کسی سے ظلم دور کرنے کے لیے سفارش کرے، پھر اس کو ہدیہ دیا جائے جس کو وہ قبول کر لے تو یہ سحت ہے۔ ان سے کہا گیا اے ابو عبد الرحمن! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ فیصلہ کرنے پر کچھ لینا سحت ہے، آپ نے فرمایا: فیصلہ کرنے پر لینا کفر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، 'رگ کاٹنے والے کی اجرت، زانیہ کی اجرت، کتے کی قیمت، جلد فیصلہ کرانے کی اجرت، نبوی کی مصلحتی، نزکی، جنتی کی اجرت، حکم میں رشوت، شراب کی قیمت اور مہوار کی قیمت سحت ہے۔'

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر وہ گوشت جس کو سحت (ہل حرام) نے پھلایا ہو، اس کے ساتھ دوزخ کی آگ زیادہ لائق ہے۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! سحت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا حکم میں رشوت و ہل (جامع البیان، ج ۶، ص ۲۲۸-۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)۔

رشوت کی اقسام اور اس کا شرعی حکم

علامہ حسن بن منصور نو زجندی (السرور، بہ قاضی خاں) متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

رشوت کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں:

- ۱۔ منصب قضا کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا، اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔
- ۲۔ کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے، یہ رشوت جابین سے حرام ہے، خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو، کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہے اور اس پر فرض ہے۔ (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا، یہ بھی جابین سے حرام ہے، کیونکہ وہ کام اس افسر کی ذمہ داری ہے۔) (سعیدی غفرلہ)۔
- ۳۔ اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا، یہ رشوت صرف لینے والے پر حرام ہے، دینے والے پر حرام نہیں ہے، اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

- ۴۔ کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو ہلاک یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے، اور لینا حرام ہے۔

(اللدائی قاضی خاں علی حاشی اللندیہ، ج ۲، ص ۳۳-۳۴، بیانیہ علی الحدایہ، ج ۸، ص ۷، فتح اللہ، ج ۷، ص ۲۳۶، البحر الرائق، ج ۶، ص ۳۷-۳۸، رد المحتار، ج ۳، ص ۳۴، احکام القرآن، ج ۲، ص ۳۳۳)۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۱۰، ص ۳۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث ۹۴۳۳)۔

و حسب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے، یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں رشوت دینے والا اس وقت گنہگار ہوتا ہے جب تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۱۰، ص ۳۹، مطبوعہ نشر المیزان، لبنان)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں، خواہ ان

سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (المائدہ: ۴۲)

اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۷۸ھ لکھتے ہیں:

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے، یہ مدینہ کے وہ یہود تھے جن سے نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد معاہدہ کیا تھا، یہ اہل ذمہ نہیں تھے اور جب کفار اہل ذمہ نہ ہوں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا ہم پر واجب نہیں ہے۔

اہل ذمہ جب ہمارے پاس اپنا مقدمہ پیش کریں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں اور اگر مسلمان اور ذی کے درمیان نزاع ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ علامہ محدوی نے کہا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ مسلمان اور ذی کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ البتہ ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس میں حاکم کو اختیار ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمہ ہے۔ البتہ امام مالک اہل ذمہ پر حد قائم کرنے کے قائل نہیں ہیں، اگر مسلمان کتابیہ کے ساتھ زنا کرے تو مسلمان پر حد لگائی جائے گی اور کتابیہ پر حد نہیں لگے گی۔ اگر زنا کرنے والے دونوں ذی ہوں تو کسی پر حد نہیں لگے گی۔ امام ابو حنیفہ، امام محمد بن حسن شیبانی اور دیگر کامی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف وغیرہ جاتے یہ کہا ہے کہ اگر وہ ہمارے فیصلہ پر راضی ہوں تو ان پر حد لگائی جائے گی۔

ابن خویر منداد نے کہا ہے کہ جب ذی ایک دوسرے پر زیادتی کریں تو امام ان کو طلب نہیں کرے گا، ہاں اگر وہ ایسی کارروائی کریں جس سے ملک میں فساد اور افراتفری ہو، مثلاً وہ لوگوں کو قتل کریں اور لوٹ مار کریں، تو پھر امام اس کا سدباب کرے گا۔ لیکن ان کے تجارتی قرضوں، طلاق اور دیگر نجی معاملات میں امام ان کی مرضی کے بغیر فیصلہ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر وہ علی الاعلان شراب فروخت کریں یا زنا کریں یا اور کوئی برا کام کریں، تو ان کو اس سے روکا جائے گا، تاکہ اس سے مسلمانوں کے اخلاق نہ بگڑنے پائیں۔

عمر بن عبد العزیز اور قسطنطین نے یہ کہا ہے کہ زیر بحث آیت و سری آیت سے منسوخ ہو گئی ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ

اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے

(المائدہ: ۴۹) — (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔

امام زہری نے کہا ہے اس پر عمل ہوتا ہے کہ اہل کتاب کو ان کے حقوق اور ذراعت کے معاملات میں ان کے دینی احکام کی طرف لوٹایا جائے گا، ہاں اگر وہ اللہ کے حکم سے اعراض کریں تو انہیں اللہ کے حکم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ علامہ سمرقندی نے کہا یہ قول امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق ہے کہ جب تک وہ ہمارے فیصلہ پر راضی نہ ہوں، ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور امام نحاس نے التلخیص والمنسوخ میں زیر تفسیر آیت کے متعلق کہا ہے کہ یہ (المائدہ: ۴۹) سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی ﷺ ابتدائے مدینہ میں آئے تھے۔ اس وقت مدینہ میں یہودی بہت زیادہ تھے اور اس وقت کے حالات کے یہی مناسب تھا کہ انہیں ان کے احکام کی طرف لوٹایا جائے، اور جب اسلام قوی ہو گیا تو اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل کی اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، زہری،

عمر بن عبد العزیز اور سدی کا یہی قول ہے 'اور یہی امام شافعی کا صحیح قول ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حَتَّىٰ يُمِطُوا الصَّاعِرِينَ عَنْ بَيْتِهِمْ صَاعِرُونَ
 حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں 'اور آٹھ ایکہ وہ ذلیل
 (المائدہ: ۴۹) ہوں۔

ان کے ذیل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جائیں اور ان کو ان کے احکام کی طرف نہ لوٹایا جائے 'اور جب یہ واجب ہے تو زیر تفسیر آیت کا منسوخ ہونا واجب ہوا۔ امام ابو حنیفہ 'امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب اہل کتب امام کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کریں 'تو امام کے لیے اس کا فیصلہ کرنے سے اعراض کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جب عورت اور اس کا خلوہ آئے 'تو امام ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے اور اگر صرف عورت آئے اور اس کا خلوہ راضی نہ ہو تو فیصلہ نہ کرے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'ج ۳' ص ۱۳۳-۱۳۱ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متونی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

جب قاضی کے پاس اہل کتب (ذی) مقدمہ دائر کریں تو اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے یا اس کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے 'کیونکہ ہم نے جزیہ لے کر ان سے ظلم کو دور کرنے کا التزام کیا ہے 'اور یہ آیت اہل ذمہ کے متعلق نہیں ہے۔

(انوار التوزیل مع حاشیۃ الکازر دہلی 'ج ۲' ص ۳۶۶ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متونی ۵۵۹ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ آیت سورۃ المائدہ ۴۷ سے منسوخ ہے اور اب حاکم پر لازم ہے کہ جب اس کے پاس اہل ذمہ مقدمہ لائیں 'تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ حضرت ابن عباس 'عطاء' مجاہد 'حکرم' اور سدی کا یہی قول ہے۔

(ازاد المسیر 'ج ۲' ص ۳۶۱ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متونی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

زیر بحث آیت فان جاء وکث فاحکم بینہم او اعرض عنہم (المائدہ: ۴۲) سے ظاہر ہے کہ اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا حاکم کو اختیار ہے۔ لیکن یہ اختیار اس کے بعد نازل ہونے والی آیت وان احکم بینہم بما انزل اللہ (المائدہ: ۴۹) سے منسوخ ہو گیا۔ نیز اختیار کے منسوخ ہونے پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
 الْكَافِرُونَ (المائدہ: ۴۴)

لوگ کافر ہیں۔

سو جس نے اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ نہیں کیا 'وہ اس وحید کا ضد ہوا۔

یہ بھی احمک ہے کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی فان جاء وکث فاحکم بینہم او اعرض عنہم (المائدہ: ۴۲) اس وقت یہودیوں کو ذی نہیں قرار دیا تھا 'اور نہ ان پر جزیہ فرض کیا گیا تھا 'اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جزیہ لینے کا حکم دیا اور ان پر اسلام کے احکام جاری کیے 'تو پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔

(احکام القرآن 'ج ۲' ص ۴۳۵ 'مطبوعہ مکتب اکیڈمی' لاہور ۱۴۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک زیر بحث آیت (المائدہ: ۴۲) سے منسوخ ہو گئی ہے 'اور ابتداء اسلام میں

حاکم کو یہ اختیار تھا کہ جب اہل کتاب اپنا مقدمہ پیش کریں تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے، لیکن اب یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا اور اب حاکم پر ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ لیکن ان کے عائلی، کاروباری اور نجی معاملات میں مسلمان حاکم مداخلت نہیں کرے گا اور وہ ان معاملات میں اپنے مذہب کے مطابق اپنے علماء سے فیصلہ کرائیں گے۔ البتہ اگر وہ کھلے عام ایسے کام کریں جس سے ملک کے امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو یا بے حیائی اور بد چلتی کو فروغ ہو تو پھر مسلمان حاکم ان کو اس سے روک دے گا اور جب وہ از خود اپنا کوئی مقدمہ مسلمان حاکم کے سامنے پیش کریں تو اس پر ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے ملائکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے باوجود وہ روگردانی کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (المائدہ: ۴۴)

موجودہ تورات میں آیت رجم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ زنا کرنے والوں کے لیے رجم (سنگسار) کرنے کا حکم تورات میں موجود ہے اور اس سے پہلے ہم صحیح مسلم حدیث نمبر (۱۷۹۹) ۴۳: ۷۵ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ جب نبی ﷺ کے پاس یہودی دو زنانوں (مرد اور عورت) کا مقدمہ لے کر آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا تورات کو پڑھو جب یہودی عالم نے تورات کو پڑھا شروع کیا تو اس نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اس سے فرمائیں یہ اپنا ہاتھ ہٹائے ہاتھ ہٹایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اب ۱۷: ۳۱ اس عرصہ میں تورات میں بہت تحریفات کی گئیں، لیکن یہ قرآن کا مجزہ ہے کہ تورات میں آج بھی یہ آیت اسی طرح موجود ہے۔

پھر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکل لائیں اور اس کے شر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیل۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا اگر کوئی مرد کسی شوہر دانی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی دفع کرنا۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دو سرا اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھانگ پر نکل لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(کتاب مقدس (پراچین و جدید نامہ) استثناء باب ۲۲: آیت ۲۳-۲۴ آیت ۱۸: مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ

بیشک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے اللہ کے نبی جو ہمارے پیغمبر تھے

الَّذِينَ اسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا

اس کے مطابق یہود کا فیصلہ کرتے رہے، اور اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیوں کہ ان سے

اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا

کتاب اللہ کی حفاظت کرائی گئی تھی ، اور وہ اس پر گواہ تھے ، سو تم لوگوں سے نہ ڈرو

النَّاسَ وَآخِشُونَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ

لوگوں سے ڈرے ، اور میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی قیمت نہ لو ، اور جو اللہ کے نازل

يَحْكُمُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۳۳﴾ وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ

کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں ○ اور ہم نے ان پر تورات

فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ، اور ناک کا بدلہ ناک

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ

اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں بدلہ

قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ

ہے ، تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے ، اور جو اللہ کے نازل کیے

بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۴﴾

ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ ظالم ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے۔ (المائدہ: ۳۳)
شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا

اس آیت میں ہدایت سے مراد احکام شریعہ ہیں اور نور سے مراد اصول اور عقائد ہیں۔ وہ ساقول یہ ہے کہ ہدایت سے مراد دین حق کی طرف رہنمائی ہے اور نور سے مراد حق احکام کو کھول کر بیان کرنا ہے جو حق پر مبنی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ہدایت سے مراد وہ مسائل ہیں جن کو وہ نبی ﷺ سے پوچھتے تھے اور نور سے مراد اس بات کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر حق نازل ہوا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ہم سے پہلی شریعت بھی ہم پر لازم ہے۔ تو فقہاء اس کا منسوخ ہونا ہم کو معلوم ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تورات میں ہدایت اور نور ہے" اگر تورات کے احکام حجت نہ ہوں تو وہ ہدایت اور نور نہیں رہے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ زانیوں کا جو مقدمہ لے کر یہ ہمارے نبی ﷺ کے پاس آئے ہیں انبیاء سابقین جو اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار تھے وہ ایسے مقدمات کا تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں اور انبیاء اور علماء بھی اس کے

مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے ان ذاتوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ کیا ہے وہ بھی تورات کے مطابق ہے اور ان علماء سے تورات کی حفاظت کرائی گئی ہے اور یہ علماء اس کی شہادت دیتے تھے کہ نبیوں نے جو یہودیوں کے مقدمات میں تورات کے مطابق فیصلہ کیا ہے وہ صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ والے اور علماء نبی ﷺ کے متعلق شہادت دیتے تھے کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں آپ پر اللہ کی طرف سے کلام نازل ہوا ہے اور یہودیوں کے اس مقدمہ میں آپ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح ہے اور تورات کے مطابق ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہود کے علماء اور راہبوں سے فرمایا: سو تم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو یعنی امیر لوگوں پر اللہ کی حدود نافذ کرنے کے سلسلہ میں تم یہ خوف نہ کرو کہ پھر تمہارے نذرانے اور وظیفے جو امیروں سے ملتے تھے وہ بند ہو جائیں گے بلکہ اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ کی حدود کو نافذ نہ کیا اور امیروں کے نذرانوں کے لالچ میں تورات کی آیتوں کا لفظ مطلب بیان کیا تو پھر آخرت میں تم کو موت ہو لٹاک اور دائمی عذاب ہو گا۔ اس آیت کے اس حصہ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ تورات کے جو احکام قرآن اور حدیث میں بغیر انکار کے بیان کیے گئے ہیں وہ بھی ہم پر مجت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سودی لوگ کافر ہیں۔

(المائدہ: ۴۴)

قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا کفر ہونا

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق حکم نہ کرنا مکنا کبیرہ ہے کفر نہیں ہے۔ اور اس آیت میں اس کو کفر قرار دیا ہے اور اس سے یہ ظاہر خوارج کے مذہب کی تائید ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جائز اور حلال سمجھتے ہوئے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے اور اس آیت سے بھی مراد ہے اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن کا انکار کرتے ہوئے یا قرآن کا رد کرتے ہوئے یا قرآن مجید کی توہین کرتے ہوئے اس کے موافق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔ یا اس سے مراد ہے کہ جو شخص اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے وہ کافر کے مشابہ ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق و سباق یہود کے متعلق ہے سو یہ وعید یہود کے بارے میں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سودی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۴۵)

اور اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سودی لوگ فاسق ہیں۔

(المائدہ: ۴۷)

اور ان آیتوں کا مضمون عام ہے کیونکہ قرآن مجید کے موافق فیصلہ نہ کرنا ظلم اور فسق ہے خواہ فیصلہ نہ کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی ہو یا عیسائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکام پر تین باتیں فرض کی ہیں:

- ۱۔ فیصلہ کرنے میں اپنی نفسانی خواہشات کی ابتلا نہ کریں بلکہ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔
- ۲۔ فیصلہ کرنے میں لوگوں سے نہ ڈریں اللہ سے ڈریں۔
- ۳۔ اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ رشوت یا نذرانہ لے کر عدل کو ترک کر کے بے انصافی سے فیصلہ نہ کریں اس سلسلہ میں یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے:

امام احمد بن علی التمیمی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو لوگوں کا خوف حق گوئی یا عظیم نصیحت کرنے سے باز نہ رکھے۔ جب اس کا علم ہو گیا تو تک یہ خوف نہ موت کو نزدیک کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۱، المعجم للاوسط ج ۳، رقم الحديث: ۲۸۲۵، المطالب العالیہ ۲۵۳۶، حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷، ص ۴۷۳-۴۷۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے۔ (المائدہ: ۴۵)

قصاص کے حکم کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریر بیان کرتے ہیں جب بنو قریظہ نے یہ دیکھا کہ یہود اپنی کتاب میں رجم کو چھپاتے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے درمیان رجم کا فیصلہ کر دیا تو بنو قریظہ نے کہا اے محمد ﷺ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائی بنو نضیر کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ نبی ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے بنو نضیر اپنے آپ کو بنو قریظہ سے افضل برتر اور عزت دار سمجھتے تھے۔ اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ اسے آدمی مت دیتے تھے اور اگر ان کے کسی فرد کو بنو قریظہ کا کوئی شخص قتل کر دیتا تو اس سے پوری مت لیتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا قریظہ کا خون نضیری کے برابر ہے۔ یہ سن کر بنو نضیر غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے کہا ہم رجم کے معاملہ میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور ہم اپنی ہی حدود کو جاری کریں گے جن پر پہلے عمل کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کیا تم جاہلیت کے حکم کو طلب کر رہے ہو؟ (المائدہ: ۵۰) اور یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ (الایہ)

ذی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مذاہب فقہاء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی قید نہیں لگائی۔ اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذی کافر کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ اس آیت کے عموم اور اطلاق سے واضح ہوتا ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ذی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

ابو حنیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ حضرت علی نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور روح کو پیدا کیا ہمارے پاس قرآن کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ماسوا اس قسم کے جو قرآن کو سمجھنے کے لیے دی گئی ہے اور ماسوا اس کے جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا وصیت اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکام اور یہ حکم کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث: ۳، رقم الحديث: ۳۰۳۷، ج ۸، رقم الحديث: ۶۹۳، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۱۳۱، سنن نسائی، رقم الحديث: ۳۷۵۸، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۲۵۸، مسند احمد ج ۱، رقم الحديث: ۴۴۳-۴۴۴)

امام اعظم اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کافر سے مراد کافر حلی ہے یعنی کافر حلی کے بدلہ میں

مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا، تاکہ قرآن مجید اور حدیث میں تضاد نہ ہو اور قرآن کے عموم کو متعین کرنے کے بجائے حدیث کو متعین کر کے قرآن مجید کے تابع کرنا اصول کے مطابق ہے۔ امام اعظم کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک معابد (جس کافر سے معابد ہوا) کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے معابد کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۳۰)

عبدالرحمن بن ابیہاشم بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس مسلمان سے قصاص لیا جس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا۔ یہودی نے کہا: مسلمان سے ذی کف قصاص لیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کریں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۳)

عبدالرحمن بن ابیہاشم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ذی کے بدلہ میں اہل قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۴)

ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں، لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن فیروہ ہیں اور لائق استدلال ہیں، جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اصل استدلال قرآن مجید سے ہے، اور یہ احادیث تائید کے مرتبہ میں ہیں۔

تورات میں قرآن مجید کی صداقت

قرآن مجید نے تورات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جن کا بدلہ جن ہے۔ (الخ) یہ آیات اب بھی تورات میں موجود ہیں: اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالے وہ ضرور جن سے مارا جائے اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنادے تو جیسا اس نے کیا ویسا ہی اس سے کیا جائے۔ یعنی عضو توڑنے کے بدلہ میں عضو توڑنا ہو اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے۔

(پرانامہ نامہ، اخبار، باب ۲۳، آیت ۲۱-۲۰-۱۸، کتاب مقدس، ص ۱۱۸، مطبوعہ لاہور)

اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے۔ جن کا بدلہ جن، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو۔ (پرانامہ نامہ، استثناء، باب ۲۱، آیت ۲۱، کتاب مقدس، ص ۱۱۵، مطبوعہ لاہور)

سینکڑوں سال گزر گئے، تورات میں بہت زیادہ تحریضات کی گئی ہیں۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے تورات کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے، وہ آج بھی تورات میں اسی طرح موجود ہے، اور یہ قرآن مجید کے صلوق اور برحق ہونے کی بہت قوی دلیل ہے، حالانکہ یہودی اس آیت کو تورات سے نکل سکتے تھے اور پھر مسلمانوں سے کہتے کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ تورات میں یہ حکم ہے، حالانکہ تورات میں یہ حکم نہیں ہے، لیکن وہ ایسا نہ کر سکے، اور اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے ہاتھوں سے اس آیت کی حفاظت کرائی جو قرآن مجید کی صدق ہے۔

اعضاء کے قصاص کی کیفیت میں مذہب اربعہ

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی، جصاص خفی متوفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے، ہمارے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ ایک آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے اور شیشہ گرم کر کے دوسری آنکھ

پر رکھ دیا جائے، حتیٰ کہ اس کی روشنی چلی جائے۔ کیونکہ جس شخص نے کسی کی آنکھ نکالی ہے، اس کی آنکھ اور جس کی آنکھ نکالی گئی ہے، اس کی آنکھ دونوں بالکل مساوی نہیں ہیں، اس لیے اگر جہنمی علیہ کی آنکھ کے بدلہ میں جہنمی کی آنکھ نکال دی جائے، تو پورا بدلہ نہیں ہوگا، اور قیاس کا تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ کیونکہ قصاص کا معنی ہے کسی شے کی مثل لینا۔ اسی طرح پوری ناک میں بھی قصاص متصور نہیں ہے، کیونکہ ہڈی میں قصاص نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ناک کا صرف نرم حصہ کاٹا ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ اگر ناک جڑ سے کاٹ دی گئی ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح آنکھ نکال دی اور زبان میں بھی قصاص لیا جائے گا، اور امام محمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کی ناک، زبان یا آنکھ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے تو اس میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (کیونکہ یہ اعضاء دوسرے اعضاء کی مثل اور مساوی نہیں ہوتے) اگر کلن کاٹ دیا جائے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح دانت میں بھی قصاص لیا جائے گا، اور دانت کے علاوہ اور کسی ہڈی میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۳۳۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بن خطاب شافعی متوفی ۲۸۵ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کلن کے بدلہ کلن اور دانت کے بدلہ دانت کو نکال دیا جائے گا۔

(انوار التنزیل مع انوار الدی، ج ۲، ص ۳۲۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی ان اعضاء میں قصاص لیا جائے گا۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، ج ۳، ص ۲۶۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے کہ ان اعضاء کے قصاص میں ظاہر قرآن پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

(المجامع لاحکام القرآن، جز خاص، ص ۱۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بدلہ نہ لینے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے۔ (المائدہ: ۴۵)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اگر جہنمیت (جرم) کرنے والے نے تائب ہو کر خود کو خوشی کے ساتھ حد کے لیے پیش کر دیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ امام مسلم حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں اور کسی کو ناحق قتل نہ کریں۔ جس نے یہ عہد پورا کیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ (اکرم) پر ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا اور اس پر حد جاری ہوئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث ۴۱، صحیح بخاری، حدیث ۱۷۴۳) اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر بدلہ لینے والے نے جہنمیت (جرم) کرنے والے کو معاف کر دیا اور اس سے بدلہ نہ لیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں اس کی تائید میں یہ آیت ہے:

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ

(الشوری: ۴۰) ذمہ (اکرم) پر ہے۔

اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو یحییٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابو السمر بیان کرتے ہیں کہ قریش کے ایک شخص نے انصار کے ایک شخص کا دانت توڑ دیا، انصاری نے حضرت معلویہؓ کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ حضرت معلویہ نے اس سے کہا ہم تمہیں راضی کریں گے۔ اس قریشی نے حضرت معلویہ سے بہت منت سماجت کی کہ اس سے بدلہ نہ لیا جائے، حضرت معلویہ نے اس انصاری کو بہت سمجھایا، لیکن اس کو بدلہ نہ لینے پر راضی نہ کر سکے۔ پھر حضرت معلویہ نے اس سے کہا تم اس سے بدلہ لے لو۔ اس مجلس میں حضرت ابوالدرداءؓ، جہنمؓ، یحییٰؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، جس کو میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ آپ نے فرمایا: جس شخص کو جسم میں کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ انصاری نے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خود یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ تب انصاری نے کہا میں اس کا بدلہ چھوڑتا ہوں۔ حضرت معلویہ نے کہا ہم تمہیں کبھی محروم نہیں کریں گے، پھر اس کو بل دینے کا حکم دیا۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۵۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۶۸۳، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۷۴۰۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۵۵، جامع البیان، ج ۶، ص ۳۵۳)

نیز امام احمد بن حنبل متونی ۲۴۱۱ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامتؓ، جہنمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے برابر اس کے گناہ مٹا دے گا۔ (علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۲، رقم الحدیث: ۲۲۸۰۰-۲۲۸۰۱، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ)

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے

يَدَّيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۝

جو ان کے سامنے تھی، اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا، اور وہ

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ

اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو ان کے سامنے تھی، اور وہ (انجیل) متین کے لیے ہدایت اور

لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنجِيلِ إِنَّمَا أُنْزِلَ اللَّهُ فِيهِ ذُ

لیمیت تھی ○ اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے، اور

مَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں ○ اور

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ

(یہ رسول مکرّم) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے یہ اس

الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ

کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے، تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجیے

أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً

اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے

وَمِنْهَا جَاءًا وَكَوْشَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ

اللہ ایک شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے

فِي مَا أَنْتُمْ فَاستَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

(اللہ، اللہ) احکام دیے، سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو، تم سب اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی

بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ ۴۸ وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

غیر تمہے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۝ اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا

موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا

أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ

نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں، پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جانیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گنہگاروں کی وجہ سے

بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝ ۴۹

سزا دینا چاہتا ہے اور یہ شک بہت سے لوگ فاسق ہیں ۝

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا

کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور

لِقَوْلِهِمْ يُوقِنُونَ ﴿۵۰﴾

کس کا حکم ہو سکتا ہے ۵۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا اور وہ اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو اس کے سامنے تھی اور وہ (انجیل) مستحق کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ (المائدہ: ۴۶)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے دو قسم کے اعراض بیان فرمائے تھے۔ ایک یہ کہ انہوں نے زنا کی حد میں تحریف کر دی پھر وہ حرج میں مبتلا ہوئے اور اس معاملہ میں نئی چیزیں کو حاکم بنایا۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے قصاص کے حکم میں تحریف کر دی اور بنو نضیر کے خون کی پوری دیت اور بنو لویہ کے خون کی آدمی دیت مقرر کی۔ اب اللہ تعالیٰ ان کے تیسرے اعراض کو بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے نبیوں، رہنماؤں اور علماء کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت عیسیٰ حضرت زکریا کے بعد مبعوث کیے گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ تورات کے مصدق تھے کیونکہ بنو اسرائیل نے تورات کے جن احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان احکام کو زندہ کیا۔ یہ حقیقی تصدیق ہے اور انجیل نے جو تورات کی تصدیق کی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انجیل کے احکام تورات کے موافق ہیں، اسوا ان احکام کے جن کو انجیل نے منسوخ کر دیا۔ نیز فرمایا: انجیل مستغن کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے یعنی وہ پسندیدہ عمل سے منع کرتی ہے اور پسندیدہ عمل کی طرف ہدایت دیتی ہے۔ مستغن سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور ان کاموں سے اجتناب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا موجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں سودی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۷)

نزول قرآن کے بعد انجیل پر عمل کے حکم کی توجیہ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ہم نے عیسائیوں کو انجیل عطا کی اس وقت ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان احکام پر عمل کریں جو انجیل میں مذکور ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد انجیل پر عمل کرنے کے حکم کی کیا توجیہ ہوگی؟ اس کے چند جوابات ہیں۔ اول یہ کہ انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل موجود ہیں اہل انجیل کو چاہیے کہ ان دلائل کے مطابق آپ پر ایمان لے آئیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل انجیل ان احکام پر عمل کریں جن کو قرآن نے منسوخ نہیں کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ انجیل کے احکام پر عمل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انجیل میں تحریف نہ کریں جس طرح یہود نے تورات میں تحریف کر دی ہے۔ لیکن حقیقی یہی ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے انجیل کو نازل کیا تھا اور نزول قرآن کے بعد قرآن مجید کے علاوہ کسی آسمانی کتب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اسلام کے علاوہ اور کوئی دین مقبول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول کرم!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے یہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے۔ تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ (المائدہ: ۴۸)

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا محافظ ہونا

اس آیت میں قرآن مجید کو سابقہ کتب سلویہ کا محافظ اور نگہبان فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات، زبور اور انجیل میں کی بیشی اور تحریف ہوئی رہی۔ اس لیے ان کتابوں کا آسمانی اور الہامی کتب ہونا منطوق ہو گیا۔ اس لیے کسی ایسی مستحکم دلیل کی ضرورت تھی جس سے ان کا آسمانی کتب ہونا ثابت ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۵۰﴾

بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی (الحجر: ۵۰) حفاظت کرنے والے ہیں۔

نیز قرآن مجید نے دعویٰ کیا کہ اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاسکے فرمایا:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

اس میں باطل نہیں آسکتا نہ اس کے سامنے سے نہ ان کے (الحج السجدہ: ۳۲) پیچھے سے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے چیلنج فرمایا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی یا اس کی کسی ایک سورت کی مثل نہیں لاسکے

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَإِذْعُوا شَهَادَةً كُمْ تَمِيزُ

دُونِ الْكُلُوبِ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرہ: ۲۳)

چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور دن بہ دن علم و فن میں ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالف بھی بہت زیادہ ہیں، لیکن آج

تک کوئی شخص قرآن مجید میں کسی کلمہ کی زیادتی نہ لے سکا نہ کسی اور نہ اس کی کسی سورت کی کوئی مثل لاسکا۔ اس لیے ہر دور میں

قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا ثابت ہو رہا اور چونکہ قرآن مجید نے تورات، انجیل اور زبور کو آسمانی کتابیں قرار دیا ہے اس

لیے ان کا وجود بھی ثابت ہو گیا۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید سابقہ آسمانی کتابوں کا صدق اور محافظ ہے کیونکہ اگر قرآن

مجید نہ ہوتا تو محض ان کتابوں سے تو ان کا آسمانی کتابیں ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر دور میں ان میں تغیر اور تبدل ہوتا رہا ہے

حتیٰ کہ اب وہ عبرانی نسخے بھی موجود نہیں ہیں جس عبرانی زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔

اس سے پہلے فرمایا تھا اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے کہ) آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے

امراض کریں۔ (المائدہ: ۴۷) اور اس آیت میں فرمایا ہے تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ

کیجئے۔ (المائدہ: ۴۷) اس آیت سے پہلی آیت منسوخ ہو گئی ہے یا پہلی آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے اور دوسری

آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کی ہے۔ یا پہلی آیت ان اہل کتب کے متعلق ہے جن سے ابتداء ہجرت میں سابقہ پڑا تھا اور

دوسری آیت اہل ذمہ کے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بتائی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم

سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے (الگ الگ) احکام دیئے۔ سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو

تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (المائدہ: ۴۸)

شرائع سابقہ کے حجت ہونے کی وضاحت

اس آیت میں منسلج ہے مراد دین ہے اور دین سے مراد وہ عقائد اور اصول ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک

رہے۔ مثلاً توحید، اللہ تعالیٰ کی صفات، نبوت، آسمانی کتابوں، فرشتوں، مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر ایمان لانا اور جو احکام سب میں مشترک رہے، مثلاً قتل، جھوٹ اور زنا کا حرام ہونا اور شریعت سے مراد ہر نبی کے بیان کیے ہوئے عبادات اور معاملات کے مخصوص طریقے ہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے، 'شرائع سابقہ ہم پر حجت نہیں ہیں اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہر نبی کی الگ الگ شریعت ہوتی ہے۔ اگر سابقہ شریعت ہم پر حجت ہو تو پھر ہمارے نبی کی الگ شریعت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سابقہ شرائع کے جو احکام بغیر الکفار کے ہم سے بیان فرمائے، وہ دراصل ہماری ہی شریعت ہیں، کیونکہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ ہم ان احکام پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ وہ پچھلی شریعتوں کے احکام ہیں، بلکہ ہم ان پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً حج کے اکثر و بیشتر اعمال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار ہیں، قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اسی طرح وضو میں کلی کرنا، ٹاک میں پانی ڈالنا اور طہارت کی دیگر دس سنتیں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں، رجم اور قصاص کے احکام تورات میں بھی تھے اور شروع میں نبی ﷺ نے زناکار یودیوں کو تورات کے فیصلہ کے مطابق رجم کرنے کا حکم دیا اور ہم ان تمام احکام پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹانہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں۔ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتا ہے، اور بے شک بہت سے لوگ ضرور قاصق ہیں۔ (المائدہ: ۴۹)

شان نزول

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۳۳۵ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ کعب بن اسد، ابن صلوٰۃ عبد اللہ بن صوری اور شام بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا چلو (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جائیں۔ شاید ہم ان کو ان کے دین سے ورغلائے میں کامیاب ہوں۔ کیونکہ وہ بشر ہیں، وہ گئے اور آپ سے کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یود کے معزز علماء اور سردار ہیں اور اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو تمام یود آپ کی پیروی کریں گے اور ہماری مخالفت نہیں کریں گے، ہمارا اپنی قوم کے بعض لوگوں سے جھگڑا ہے، ہم آپ کو اس مقدمہ میں حاکم بنائیں گے۔ آپ ہمارے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ کر دیں، تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(المائدہ: ۵۰-۴۹)

(السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۸۰-۱۷۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جامع البیان، ج ۶، ص ۱۵۳، دار الفکر، بیروت، اسباب النزول

للواحدی، ص ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں جزیہ، جلا وطن کرنے اور قتل کرنے کی سزا دینا چاہتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب

—

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور کس کا حکم

ہو سکتا ہے؟ (طحاوی ۵۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ یہود جنہوں نے اپنے مقدمہ میں آپ کو حاکم بنایا اور آپ نے ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کر دیا، پھر یہ آپ کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوئے تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے تھے، یعنی بت پرستوں اور مشرکوں کا فیصلہ چاہتے تھے۔ مگر ان کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس میں وہی فیصلہ مذکور ہے جو آپ نے ان کے درمیان کیا تھا اور یہی حق ہے اور اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں سے فرمایا: جو شخص اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہو اور اس کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہو اس کے نزدیک اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ سے بہتر اور کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے

بعضہم أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ مِّنْ يَّتَوَلَّاهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ط

کے دوست ہیں، تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے (شمار) ہو گا،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝۵۱ فَتَرَى الَّذِينَ فِي

بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۵۱ اور آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں

قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ

میں اتفاق کی بیماری ہے وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گروہ

تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۖ فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ وَأَمْرٍ مِّنْ

بر آ جائے پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے فتح کی کوئی

عِنْدَهُ فَيُصِيبُكُمْ أَوْ يَنْصُرْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِي أَفْسَاهُمْ يُدْمِنُونَ ۝۵۲ ط

حکومت تو انہوں نے جو کہ اپنے دلوں میں چھپایا ہے وہ اس پر پھٹانے والے ہو جائیں گے اور

يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلُ الْأَرْضِ الَّذِينَ اقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدًا

ایمان والے یہ کہیں کہ کیا یہی ہیں جنہوں نے اللہ کی ہمتیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور

أَيُّمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَبَعْلَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأُصْبِحُوا خِسرِينَ ۝۵۳

تباہی سے ساتھ ہیں، ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے ۵۳

وقف الزمر
وقف غفران
وقف مہر عبدالمعص

الزمر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے رتد ہو جائے گا، تو عنقریب اللہ ایسی

اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ

قوم کرے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گا، وہ کمزوروں پر نرم ہوں گے اور کافروں

عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ

پر سختی ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی عتاب کو لے دلہ کی عتاب سے نہیں ڈریں گے

لَا يَمُذِّكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۶﴾

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے ۵۶

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ

تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۵۷﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ

زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے راجع ہیں ۵۷ اور جو اللہ اور اس کے رسول

وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۵۸﴾

اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے ۵۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنو، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں

سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ سو آپ دیکھیں گے کہ

جن لوگوں کے دلوں میں (خلق کی) بیماری ہے وہ ان کی طرف سے کہتے ہوئے دوزیوں کے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ

آجائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت تو انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہے

وہ اس پر بچھٹانے والے ہو جائیں۔ اور ایمان والے یہ کہیں کہ جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور

تمہارے ساتھ ہیں ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳-۵۱)

شان نزول

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ولید بن عبادہ بن الصامت نے بیان کیا کہ جب جو یمنقل لے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی امیہ سلول

نے بنو قینقاع کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت میں کھڑا ہوا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور وہ بھی بنو قینقاع کے ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عبد اللہ بن ابی کی طرف سے ان کی حمایت کرنے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے اس حلف کو توڑ دیا اور اللہ عز و جل اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر ان کے حلف سے بری ہو گئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اللہ اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھتا ہوں اور ان کافروں کے حلف اور ان کی دوستی سے بری ہوتا ہوں۔ سو حضرت عبادہ بن الصامت اور عبد اللہ بن ابی کے متعلق سورۃ المائدہ ۵۳-۵۴ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

(السيرة النبوية ج ۳ ص ۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت جامع البیان ج ۶ ص ۳۷۳ مطبوعہ دار الفکر سبب نزول القرآن للواحدی ص ۲۰۰-۲۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قطعی طور پر مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمادیا ہے اور حسب ذیل آیتوں میں بھی اس پر دلیل ہے۔

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ هُمْ عَدُوٌّ فَتَمْسَكَكُمْ
النَّارُ (هود: ۸۳)

لَا تَتَّبِعُوا الْمُؤْمِنِينَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ
دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران ۶۸)

لَا تَتَّبِعُوا أَوْلِيَاءَ الَّذِينَ هُمْ عَدُوٌّ
لَكُمْ وَالَّذِينَ هُمْ عَدُوٌّ لَكُمْ فَتَعْدُوهُمْ
وَلَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ هُمْ عَدُوٌّ لَكُمْ
وَالَّذِينَ هُمْ عَدُوٌّ لَكُمْ فَتَعْدُوهُمْ
وَلَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ هُمْ عَدُوٌّ لَكُمْ
وَالَّذِينَ هُمْ عَدُوٌّ لَكُمْ فَتَعْدُوهُمْ

اپنے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔
اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ
تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجے ہو، حالانکہ انہوں نے اس حق کا
انکار کیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔
جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ
انہیں اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھنے والوں کے
ساتھ محبت کرنے والا نہ پائیں گے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا
بیٹے یا ان کے بھائی ہوں یا قریبی رشتہ دار۔

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج القشیری حنفی ص ۳۷۷ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودی اور نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو، جب تم ان میں
سے کسی سے راستہ میں ملو تو اسے ٹھکراستے چلنے میں مجبور کرو۔

(صحیح مسلم، السلام ص ۳۸ (۳۱۶۷) ۵۵۵۷ سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث ۲۳۸ صحیح ابن حبان ۵۰۰ مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث ۷۳۱
مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۴۳۵۷ اللآب المفرد رقم الحدیث ۵۸ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۴۰۳)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی حنفی ص ۳۷۷ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے سوا کسی کو ساتھی نہ بناؤ اور متقی کے علاوہ

اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۴۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۳۲، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۶، شعب الایمان، رقم الحدیث: ۳۳۸۲)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی حنفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ کلبیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مشرکین کے ساتھ ٹھہرا، اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (شعب الایمان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنی انگوٹھیوں میں عہلی کو نقش نہ کرو، اور مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ حضرت انسؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اپنی انگوٹھیوں میں محمدؐ نہ لکھو، اور اپنے معاملات میں مشرکین سے مشورہ نہ کرو۔ (شعب الایمان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۷۵)

میاں اشعری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس ایک نصرانی کتاب تھا۔ حضرت عمرؓ جیٹو اس کی کتابت سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا، نصرانی ہے تو حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا حضرت عمرؓ نے مجھے اٹھا لیا اور میری ران پر ضرب لگائی اور فرمایا: اس کو نکل دو اور یہ آیت پڑھی اے ایمان والو! اپنے اور میرے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنہ: ۱) اور یہ آیت پڑھی:

اے ایمان والو! یسود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا، وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۵۱)

حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا یہ خدا میں اس سے دوستی نہیں رکھتا، یہ صرف کتابت کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تمہیں مسلمانوں میں کوئی کتاب نہیں ملتا تھا؟ جب اللہ نے ان کو دور کر دیا ہے تو تم ان کو قریب نہ کرو، اور جب اللہ نے ان کو غائب قرار دیا ہے تو تم ان کو امن نہ بناؤ؟ اور جب اللہ نے ان کو ذلیل کیا ہے تو تم ان کو عزت مت دو۔ سنن کبریٰ کی کتب القضاہ میں ہم نے اس حدیث کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (شعب الایمان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸۳)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا اللہ کے دشمنوں یسود اور نصاریٰ سے ان کی عید اور ان کے اجتماع کے دنوں میں ان سے اجتناب کرو، کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے، مجھے خدشہ ہے کہ تم پر بھی وہ غضب نہ آ جائے، اور ان کو اپنے راز نہ بتاؤ۔ ورنہ تم بھی ان کے اخلاق اختیار کر لو گے۔ (شعب الایمان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے غیہوں کے ملک میں نشوونما پائی، اور ان کے نو روز اور مہرجان کو منایا اور ان کی مشابہت اختیار کی اور اسی طریقہ پر مر گیا تو وہ قیامت کے دن اسی طرح اٹھایا جائے گا۔

(شعب الایمان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸۷)

امام ابو یوسفؒ محمد بن یحییٰ ترمذی حنفی ۳۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شتم کی طرف ایک لشکر بھیجا، وہاں کے لوگوں نے مسجدوں میں پتھریں شعلہ کر دی۔ لشکر نے ان کو جلدی جلدی قتل کرنا شروع کر دیا، جب نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے ان کے لیے آدمی رحمت کا حکم فرمایا اور فرمایا میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کس لیے؟ آپؐ نے فرمایا ان دونوں کے (جہلوں کی) آگ اکٹھی نہ دکھائی دے۔

حضرت سرور بن جندب جو بیٹھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرکین کے ساتھ سکونت نہ کرو نہ ان کے ساتھ جمع ہو جس نے ان کے ساتھ سکونت رکھی یا ان کے ساتھ جمع ہوا وہ ان کی مثل ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۱۱، ۱۶۱۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۶۳۵، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۴۷۹۳) علامہ تفتازانی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایک قوم اسلام لانے کے بعد مکہ میں مشرکین کے ساتھ رہتی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرک کے ساتھ رہتا ہو۔ پوچھا گیا کیوں؟ تو آپ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک ساتھ دکھائی نہ دے، یعنی یہ واجب ہے کہ جب ایک آگ جلائے تو دوسرا نظر نہ آئے، وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنی دور رہیں۔ علامہ ابن اثیر جزیری نے کہا ہے کہ واجب ہے کہ مسلمان کافر مشرک کے گھر سے دور ہو اور جب اس کے گھر آگ جلتے تو اس سے مشرک کا گھر نظر نہ آئے، مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہے۔ کفار سے دوستی کے حق میں منافقوں کے بہانوں کا بطلان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہو گا۔ (المائدہ: ۵۱)

اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے دور اور الگ رہنے پر تنبیہ کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منع کرنے کے باوجود جو شخص کافروں سے دوستی رکھے گا وہ کافروں کی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ لہذا کافروں کی طرح اس سے عداوت رکھنا بھی واجب ہے اور وہ بھی دوزخ کا مستحق ہو گا جیسے کافر دوزخ کے مستحق ہیں اور وہ کافروں کے اصحاب سے شمار کیا جائے گا اور یا اس لیے کہ کافروں اور یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنے والے منافق تھے اور ان کا شمار بھی کافروں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن کے دلوں میں (غفلت کی) بیماری ہے، وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ غم شہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ (المائدہ: ۵۲)

منافق یہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ کا ساتھ دینے کی وجہ سے کہیں ان پر قحط نہ طاری ہو جائے۔ اور کہیں حالات بدل گئے اور یہود غالب آگئے اور (سیدنا) محمد ﷺ کی حکومت نہ رہی تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت جو بیٹھ نے نبی ﷺ سے عرض کیا میں نے بہ کثرت یہودیوں سے دوستی اور حمایت کا وعدہ کیا ہوا تھا، لیکن میں اللہ اور رسول کی خاطر اس وعدہ کو توڑتا ہوں، عبداللہ بن ابی نے کہا میں گردش ایام سے ڈرتا ہوں اور اپنے دوستوں سے کیے ہوئے وعدہ کو نہیں توڑ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت، تو جو کچھ انہوں نے اپنے دلوں میں چھپایا ہے، وہ اس پر پھٹکنے والے ہو جائیں۔ (المائدہ: ۵۳)

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو اپنے دشمنوں پر فتح عطا فرمائے اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے۔ یا رسول اللہ ﷺ کو منافقوں کی سازشوں سے مطلع فرمادے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فتح یہ تھی کہ بنو قریظہ کے جوانوں کو قتل کیا گیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا گیا اور بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مشرکین کے شہروں پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور فتح کی علامت سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ منافقوں کی سازشوں سے مطلع کیا گیا، ان کے نام بتائے گئے اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی اور مل غنیمت کی کثرت سے وہ خوش حال ہو گئے اور جب منافقوں نے مسلمانوں کا غلبہ، خوش حالی اور ان پر اللہ کی نصرت دیکھی، تب وہ کفار سے دوستی رکھنے پر غم ہوئے اور اس وقت غم ہوئے جب انہیں موت کے وقت عذاب دکھایا

کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والے یہ کہیں کہ کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں مگر سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳)

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں پر غلبہ عطا فرمایا اور یہودیوں کو قتل کرنے اور جلا وطن کرنے کا حکم دیا گیا تو مسلمانوں نے یہودیوں کو جھڑکتے ہوئے منافقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے لیے پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کے خلاف تمہاری مدد کریں گے یا مسلمانوں نے ایک دوسرے سے کہا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ اب اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کا پرہ چاک کر دیا اور یہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے کیونکہ انہیں ثواب کے بدلہ عذاب ہو گا اور دنیا میں یہودیوں کے قتل اور جلا وطن ہونے کے بعد ان کا کوئی سہارا نہ رہا اور یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے۔ (المائدہ: ۵۴)

محمد رسالت اور بعد کے مرتدین کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جو کافروں کے ساتھ دوستی رکھے گا اس کا ان ہی میں شمار ہو گا اور اس آیت میں صراحتاً فرمادیا جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے گا اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ نبی ﷺ کے عہد میں بھی کچھ لوگ مرتد ہوئے اور کچھ آپ کے بعد مرتد ہوئے۔ علامہ زمخشری نے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علامہ جبار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

مرتدین کے گیارہ فرقے تھے تین رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے۔

ایک فرقہ بنو عدی تھا ان کا رئیس ذوالنہار تھا اور یہی اسود حسی تھا۔ یہ شخص کاہن تھا اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ان شہدوں پر غلبہ پالیا اس نے رسول اللہ ﷺ کے بعض غلاموں کو قتل دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سرداروں کے ہم خط لکھ کر اللہ تعالیٰ نے فیروز دہلی کے ہاتھوں اس کو ہلاک کر دیا انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جس رات وہ قتل ہوا اسی رات رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کی خبر مسلمانوں کو دے دی تھی جس سے مسلمان خوش ہوئے پھر اس کے دوسرے روز رسول اللہ ﷺ رفتی اعلیٰ سے واصل ہو گئے اور وہاں سے اس کی خبر ربیع الاول کے آخر میں پہنچی تھی۔

دوسرا فرقہ بنو خنیفہ ہے۔ یہ مسیلہ کی قوم تھی اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مکتوب لکھا "از مسیلہ رسول اللہ برائے محمد رسول اللہ بعد ازیں یہ کہتا ہے کہ یہ زمین آدمی آپ کی ہے اور آدمی میری ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب دیا "از محمد رسول اللہ برائے مسیلہ کذاب بعد ازیں یہ کہتا ہے کہ تمام زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام متقین کے لیے ہے۔" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ساتھ اس سے جنگ کی اور یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت وحشی کہتے تھے میں نے

اپنی جاہلیت کے زمانہ میں سب سے نیک شخص کو قتل کیا اور اپنے اسلام کے زمانہ میں سب سے بدتر شخص کو قتل کیا۔ تیسرا فرقہ بنو اسد تھا یہ طلحہ بن خویلد کی قوم تھی اس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس سے جنگ کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا یہ شکست کھانے کے بعد شام ہجاک گیا پھر مسلمان ہو گیا اور اس نے نیک عمل کیے۔ حضرت ابو بکر جیٹو کے عہد میں مرتدین کے سات فرتے تھے۔ (۱) عینہ بن صحن کی قوم هزارہ (۲) قرہ بن قنصوی کی قوم غطفان (۳) لہہ بن عبدالمیل کی قوم بنو سلیم (۴) ملک بن نویرہ کی قوم بنو یرویج (۵) سہل بنت المنذر۔ یہ وہ عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور میلہ کذاب سے نکاح کیا اور اس کی قوم تمیم کے بعض لوگ۔ (۶) اشعث بن قیس کی قوم کنندہ (۷) حکیم بن زید کی قوم بنو بکر بن وائل یہ بحرین میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر جیٹو کے ہاتھوں ان ساتوں مرتد فرقوں کا مکمل استیصال کرا دیا۔ اور حضرت عمر جیٹو کے عہد میں ایک شخص مرتد ہوا تھا یہ حسان کی قوم کاجلہ بن اسم تھا اس کو ایک تھپڑ نے نصرانی بنادیا اور یہ اسلام سے مرتد ہو کر روم کے شہروں کی طرف نکل گیا جیلہ کی چادر پر ایک شخص کا پیر پڑ گیا اس نے اس کے تھپڑ مارا اس شخص نے حضرت عمر سے شکایت کی حضرت عمر نے فرمایا اب یہ تمہارے تھپڑ مارے گا اس نے تھپڑ کے بدلہ میں دس ہزار درہم کی جنگل کی گروہ شخص نہ ملا۔ جیلہ نے سہل طلب کی اور روم جا کر مرتد ہو گیا۔

(۱) کتاب 'ج' ۱ ص ۶۳۶-۶۳۷ مطبوعہ نشر ابلاغ ایران ۱۳۱۳ھ

اللہ کی محبوب قوم کے مصداق میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو معترقب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی (طہ ۸۴)

اس آیت کے مصداق کے حلقہ کلی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابو بکر اور ان کے اصحاب ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کے وصال کے بعد 'قل مدینہ' اہل مکہ اور اہل بحرین کے سوا علم عرب اسلام سے مرتد ہو گئے۔ انہوں نے کہا ہم نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا اللہ کی قسم جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرض کیا ہے اگر اس میں سے یہ ایک رسی بھی نہ دیں تو میں من سے جنگ کروں گا۔ پھر حضرت ابو بکر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے قتل کیا حتیٰ کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے کا اقرار کر لیا۔

(جامع البیان ۶۲ ص ۳۸۳-۳۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابو موسیٰ اشعری جیٹو کی جماعت ہے۔

عیاض اشعری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری جیٹو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ قوم یہ ہیں۔ (جامع البیان ۶۲ ص ۳۸۳ المستدرک ج ۲ ص ۳۳)

تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق اہل یمن ہیں۔

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے یمن کے پاس ایک پیغام بھیجا وہ ان دنوں مدینہ کے امیر تھے ان سے اس آیت کا مصداق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا اس سے مراد اہل یمن ہیں۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا کاش یمن میں اس قوم سے

ہو تاکہ (جامع البیان ۶۲ ص ۳۸۴ مطبوعہ بیروت)

امام ابن جریر نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد اہل یمن ہیں اور وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی قوم ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق نبی ﷺ کی حدیث موجود ہے۔ اور امام رازی نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر جونیڈی اور ان کے اصحاب ہیں۔

حضرت ابو بکر کی خلافت پر دلائل

ردافض اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کی خلافت اور امامت کا اقرار کیا وہ سب کافر اور مرتد ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کی نص صریح کا انکار کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ بات صحیح ہو تو لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک محبوب قوم کو لاتا جو ان سب سے جدا کر دے اور ان کو حضرت علی کی امامت اور خلافت ماننے پر مجبور کر دیتی جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ ردافض اور شیعہ کا مضمون قاسد ہے۔

ثانیاً ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر جونیڈی کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ آیت ان کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ کی اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام میں مرتدین کے ساتھ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے جنگ کی اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کا صدیق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ لہذا اس لیے کہ آپ کے عہد میں مرتدین کے ساتھ جنگ کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ ثانیاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا اس سے معلوم ہوا کہ وہ قوم اس وقت موجود نہیں تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابو بکر تو اس وقت موجود تھے تو پھر وہ بھی مراد نہیں ہونے چاہئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر اس وقت موجود تھے لیکن یہ حیثیت سرمد موجود نہیں تھی اور ان کی حیثیت اس وقت ایسی نہیں تھی کہ مسلمانوں کو کسی پر حملہ کرنے کا حکم دیتے اور اس آیت کے صدیق حضرت علی بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کو مرتدین کے ساتھ قتل کرنے کا اتفاق پیش نہیں آیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس نے ان کی امامت کا انکار کیا وہ مرتد ہو گیا اور امامت کے منکرین کے خلاف انہوں نے جنگ کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا معنی یہ ہے جو شریعت اسلام سے مرتد ہو جائے اور اگر مرتد کا یہی معنی کیا جائے جو حضرت علی کی امامت سے مرتد ہو؟ تو پھر خلفاء ثلاثہ اور ان کے ماننے والے تمام مسلمان مرتد تھے کیونکہ انہوں نے اس وقت میں حضرت علی کی امامت کو نہیں مانا تو چاہیے تھا کہ حضرت علی ان سے جنگ کرتے اور جب حضرت علی نے ان سے جنگ نہیں بلکہ اس کے برعکس ان کی بیعت کی اور ان سے تعاون کیا۔ اور اہل یمن بھی اس آیت کا صدیق نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ نہیں کی اور حدیث کا عمل یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی اس قوم میں سے ہیں کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری جونیڈی بھی حضرت ابو بکر جونیڈی کے اصحاب میں سے ہیں اور اسی طرح دیگر اہل یمن بھی اور اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر جونیڈی کے ساتھ مختص ہے۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے بھی مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی تب بھی حضرت ابو بکر جونیڈی نے جو مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی وہ بہت اعلیٰ اور افضل تھی اور اسلام میں بہت دور رس جنگ کی حامل تھی کیونکہ حضرت ابو بکر کی جنگ اسلام کے لیے تھی اور حضرت علی کی جنگ اپنی خلافت کی جاکے لیے تھی۔ کیونکہ یہ امر تو اتار سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بعد اعراب مرتد ہو گئے تو نبوت کے مدعیوں اور زکوٰۃ کے منکروں کے خلاف حضرت ابو بکر صدیق جونیڈی نے فکوار اٹھائی اور مرتدین کے ساتوں فرقوں کا مکمل استیصال کیا اور حضرت ابو بکر کی جدوجہد کے نتیجہ میں اسلام کو استقامت ملی اور شرق و غرب میں اسلام پھیلنے لگا اور تمام حمول دنیا کے حکمران مغلوب ہوئے لگے اور اسلام کے علاوہ باقی ادیان اور ملل کے چراغ بجھنے

گئے اور آفتاب اسلام پوری آب و تاب سے جنگ لگانے لگا اور حضرت علیؓ کی خلافت کے وقت تک اسلام پوری دنیا میں ایک غالب دین کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی مرتدین کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں وہ صرف اسلام کی نصرت اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے ہوئیں۔ اس کے برعکس حضرت علیؓ کی جو جنگیں ہوئیں، لکن کی خلافت کے منکرین کے ساتھ تھیں۔ اگر بتول شیعہ جن کو باغرض مرتدین بھی لیا جائے تب بھی حضرت ابو بکرؓ کی جنگیں ان سے بہر حال افضل اور اعلیٰ تھیں۔

اس آیت میں حضرت ابو بکرؓ کی امامت پر یہ دلیل بھی ہے کہ مرتدین کے ساتھ جنگ کر لے والی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ اللہ کے محبوب اور اللہ کے محبوب ہیں اور جو اللہ کا محبوب اور محبوب ہو وہی خلافت کا زیادہ مستحق ہے۔

یہاں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت یہ ذکر کی کہ وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے اور پوری امت میں سب سے زیادہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت حضرت ابو بکرؓ ہیں۔

امام ابو یوسفؒ، محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے اور اللہ کا حکم نافذ کرنے میں سب سے زیادہ سخت ابو بکرؓ ہیں اللہ صحت حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی ج ۵، رقم الحديث: ۳۸۶، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحديث: ۱۵۳۰، صحیح ابن حبان ج ۱، رقم الحديث: ۷۳۸-۷۳۹، المستدرک ج ۳، ص ۳۲۳۔ یہ حدیث گھمن کی شرط پر ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ مسند الیاسی، رقم الحديث: ۲۰۹۱، مسند احمد ج ۳، رقم الحديث: ۵۴۳۳، فضائل الصحابة للنسائی، رقم الحديث: ۱۸۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۲۸، طبعہ بلاد بام، ج ۳، ص ۱۳۲)

حضرت ابو بکرؓ مومنوں پر امت پر نرم تھے۔ نبوت کی ابتداء میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے اس وقت مسلمان بہت کم تھے اور حضرت ابو بکرؓ مسلمانوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔ ہر وقت حضور کے پاس رہتے تھے اور آپ کی خدمت کرتے تھے اور بڑے بڑے کافر سرداروں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ امام بخاری حضرت عمرو بن العاصؓ جو روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو مشرکین سے سب سے سخت تکلیف پہنچی وہ یہ تھی کہ ایک دن نبی ﷺ عظیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے اپنا کپڑا رسول اللہ ﷺ کی گردن میں ڈالا اور آپ کا گلا بہت سختی سے گھونٹا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ آئے اور اس کو کندھے سے پکڑ کر نبی ﷺ سے پرے دھکیلا اور کہا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے۔ (بخاری ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۵۶) اور مسلمانوں کے ساتھ رحمت کی واضح مثال یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے سات ایسے غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا جن کو اسلام لانے کی پاداش میں مکہ میں سخت عذاب دیا جاتا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں: حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن نفیرہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت نمدیہ اور لکن کی بیٹی، بنو مول کی باندی اور ام حبیبہ۔ (الاصابہ ج ۲، ص ۲۴۳) اور جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بہت جرات اور دلیری کے ساتھ تمام مرتدین سے جنگ کی اور صحابہ کرام کے منع کرنے کے باوجود شام کی طرف لشکر روانہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت میں فرمایا: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ ہر چند کہ دوسرے خلفاء اور ائمہ نے بھی جہاد کیا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جس نے سب سے

پہلے جملو کیا وہ حضرت ابو بکر تھے اور حضرت ابو بکر چڑھنے سے پہلے اس وقت جملو کیا جب ملک کے اندر ماہین زکوٰۃ اور مرتدین کے فتنے کھڑے ہو چکے تھے اور اس وقت ملک سے باہر فوج بھیجنے کی سب نے مخالفت کی تھی لیکن حضرت ابو بکر نے کماشام کے خلاف فوج کشی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا اور میں کسی حالت میں بھی اس حکم کو موخر نہیں کروں گا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے (المائدہ: ۵۴)

حضرت ابو بکر چڑھنے کے فضائل

یہ آیت بھی حضرت ابو بکر چڑھنے کے صل کے مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی آیت میں بھی حضرت ابو بکر چڑھنے کو صاحب فضل فرمایا ہے۔ کیونکہ صلح چڑھنے حضرت ابو بکر چڑھنے کے خلاف (ابو بکر چڑھنے) یہ بخوار مہاجر تھے اور بدری صحابی تھے اور حضرت ابو بکر ان کی ملی امداد لو کیا کرتے تھے لیکن انہوں نے بھی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر حسرت لگنے والوں کی موافقت کی جس سے حضرت ابو بکر کو بہت رنج ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین کی برائیت بیان کر دی تو حضرت ابو بکر چڑھنے نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ صلح کی ملی امداد نہیں کریں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَ الْمَسَاكِينَ وَ الْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ لْيَصْطَفُوا لَالْتَحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (السورۃ: ۸۲)

اور تم میں سے صاحب فضل اور صاحب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے مدد رحم فرمائے

والا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو حضرت ابو بکر صدیق چڑھنے نے کہا ہے شک میری آرزو ہے کہ اللہ مجھے بخش دے اور میں صلح کے ساتھ جو حسن سلوک کرتا تھا اس کو بھی موقوف نہیں کروں گا۔

حضرت بلال چڑھنے امیہ بن خلف کے غلام تھے وہ حضرت بلال کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو بہت ایذا نہیں پہنچاتا تھا ان کو گرم زمین پر ڈال کر ان کے لوہے بھاری پتھر رکھ دیتا تھا۔ حضرت ابو بکر نے امیہ بن خلف کو اس ظلم و ستم سے منع کیا اس نے کہا اگر تم کو اس کی تکلیف ناگوار لگتی ہے تو اس کو خرید لو۔ حضرت ابو بکر نے امیہ بن خلف سے ایک گراں قیمت پر حضرت بلال کو خرید اور آزاد کر دیا اتنی بڑی قیمت پر حضرت بلال کو خریدنے سے مشرکین کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا ضرور بلال کا ابو بکر پر کوئی احسان ہو گا۔ اس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابو بکر نے اتنی بھاری قیمت پر بلال کو خریدا ہے اللہ تعالیٰ نے اس ظلم کے جواب میں حضرت ابو بکر کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَسَوْفَ نَجْتَبِهَا لَكَ نَفْسًا ۖ الَّتِي مِثْلُهَا ۖ وَ مِمَّا لَدَيْكَ مِنْ مِّمَّةٍ تَخْشَى ۖ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۖ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۖ (اللیل: ۱۷-۱۸)

اور جو سب سے زیادہ تمہیں پسند ہے وہ اس (آگ) سے دور رکھا جائے گا جو پاکیزہ ہونے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے۔ وہ صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے (مال خرچ کرتا ہے) اور وہ ضرور مغرب راضی ہو گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ اے مشرک! بلال کے احسان کی بات کرتے ہو ابو بکر پر اس کا عذاب میں کسی کا کوئی

دنیلوی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے اس نے صرف اپنے رب اعلیٰ کو راضی کرنے کے لیے جہل کو خرید کر آزاد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو راضی کر دے گا۔

حضرت ابو بکر چیتو کو اللہ تعالیٰ نے یہ امر ازاد کر ام اپنے فضل سے عطا کیا ہے اسی طرح نبی ﷺ نے بھی حضرت ابو بکر چیتو کو اخلاص سے نوازا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری چیتو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ خبر تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا کی تروتازگی میں جو وہ چاہے اسے دینے کا اور آخرت میں اس کے پاس جو اجر ہے اسے دینے کا اختیار دیا اس بندہ نے اللہ کے پاس جانے کو اختیار کر لیا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رونے لگے اور کہنے لگے 'ہماری مائیں اور ہمارے باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ ہمیں امن پر تعجب ہوا' اور لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو رسول اللہ ﷺ ایک ایسے بندہ کے متعلق خبر دے رہے ہیں جس کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی تروتازگی لے یا اللہ کے پاس آجائے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ پر ہمارے باپ اور ہماری مائیں فدا ہو جائیں اور دراصل یہ اختیار رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا اور اس ہفت کو ہم میں سے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت ابو بکر تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی رفاقت اور اپنے دل کے ذریعہ میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے ابو بکر ہیں اور میں اپنی امت میں سے اگر کسی کو ظلیل مانتا تو ابو بکر کو ظلیل مانتا لیکن امن کے ساتھ اسلام کی ملت (دستی) ہے سمجھاؤ (یہی) میں ابو بکر کی کمزری کے سوا اور کوئی کمزری باقی نہ رکھی جائے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم المصنف: ۳۶۰۳، صحیح مسلم، رقم المصنف: ۲۳۸۵، سنن ترمذی ج ۵، رقم المصنف: ۳۶۷۹، صحیح ابن حبان ج ۱۵، رقم المصنف: ۳۸۷۸)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ چیتو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بھی ہمارے ساتھ کوئی نیکی کی ہم نے اس کا بدلہ دے دیا، ماسوا ابو بکر کے کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ ایک ایسی نیکی کی ہے جس کا بدلہ انہیں اللہ قیامت کے دن دے گا اور کسی شخص کے دل نے مجھے ہرگز نہ قطع نہیں پہنچایا جو ابو بکر کے دل نے قطع پہنچایا اور اگر میں کسی کو ظلیل مانتا تو ابو بکر کو ظلیل مانتا اور سنو! تمہارے خلیفہ اللہ کے ظلیل ہیں۔ اس سند کے ساتھ یہ حدیث حسن فریب ہے۔

(سنن ترمذی ج ۵، رقم المصنف: ۳۶۸۱، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم المصنف: ۹۴)

امام ابو حاتم محمد بن ابی اسحق الترمذی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ چیتو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایک نوع کی دعا چاہے اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کو جنت میں بلایا جائے گا۔ اے اللہ کے بندے! یہ خیر ہے سو جو نمازی ہو گا اس کو باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو نماز ہو گا اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو صدقہ دینے والا ہو گا اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو روزہ دار ہو گا اس کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے دل باپ فدا ہوں کیا کوئی ایسا شخص ہو گا جس کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم امن لوگوں میں سے ہو۔

(صحیح ابن حبان ج ۱۵، رقم المصنف: ۶۸۶۶، صحیح مسلم، ذکر: ۸۵۶، سنن نسائی ج ۳، رقم المصنف: ۲۲۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا شخص داخل ہو گا جس

کے متعلق جنت کے ہر گھر والے اور ہر ملا خانہ والے یہ کہیں گے اگرچہ 'مرحبا' ہمارے پاس آئیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص کو اس دن کوئی نقصان نہیں ہو گا آپ نے فرمایا ہاں اے ابو بکر! شخص تم ہو گے۔

صحیح ابن حبان 'ج ۵' رقم الحدیث ۶۸۶۱، المعجم الکبیر 'ج ۹' رقم الحدیث ۱۳۲۱۱، المعجم الصغیر 'ج ۱' رقم الحدیث ۴۸۵، حنفی الشیخ نے لکھا ہے اس حدیث کے دہلوی صحیح حدیث کے دہلوی ہیں 'سوا احمد بن علی بکر سالی کے 'نورہ' بھی شدہ ہیں۔ مجمع الزوائد 'ج ۹' ص ۴۸۶) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق ہم نے شرح مسلم 'جلد سولس (۱۱) میں بہت تفصیل سے دلائل بیان کیے ہیں 'اہل علم اور اربابِ دین کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابو بکر کے فضائل میں موضوع احادیث

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بعض علماء نے موضوع اور بے اصل احادیث کو بھی درج کر دیا ہے۔ اسی قبیل سے امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ احادیث ذکر کی ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا ہے 'وہ سب میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

(تفسیر کبیر 'ج ۳' ص ۴۱۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۳۳ھ لکھتے ہیں:

جو جہل خود کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں 'انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں یہ حدیثیں وضع کر لی ہیں 'اللہ قیامت کے دن لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور حدیث جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا ہے 'وہ سب میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا اور حدیث "رسول اللہ ﷺ کو جب جنت کا شوق ہوتا تو وہ ابو بکر کے سفید بالوں کو بوسہ دیتے اور حدیث "میں اور ابو بکر گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح ہیں" (یہ ضرب المثل ہے) اس کا معنی ہے دونوں مسلول ہیں اور حدیث "جب اللہ نے دو حوں کو پسند کیا تو ابو بکر کی روح کو پسند کیا"

(موضوعات کبیر ص ۱۰۶، مطبوعہ مطبع جیبائی، دہلی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ابنِ احادیث کے حلق لکھتے ہیں:

یہ وہ احادیث ہیں جن کو محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق شیرازی نے سطر المسطرة میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابنِ احادیث کا باطل ہو جاوے اس وقت عقل سے معلوم ہے۔ (شیخ عبدالحق فرماتے ہیں) غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ابنِ احادیث سے حضرت ابو بکر کی تمام مخلوق پر فضیلت لازم آتی ہے۔ جس میں انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں اور حضرت ابو بکر کی سید المرسلین رضی اللہ عنہ سے مسلولت لازم آتی ہے۔ اگرچہ ابنِ حدیثوں کی تحویل معتبر نہیں ہے اور حدیث اللہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اس کو "تزیہ الشریعہ" میں حضرت انس سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کو خطیب نور ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور ابنِ حبان نے اس کا ضعف میں ذکر کیا ہے 'ذہبی نے اس کو موضوع کہا ہے اور بعض نے اس کو حسن کہا ہے 'حاکم نے اس کو مسند رک میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں درج کیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات 'ج ۴' ص ۶۳۴، مطبوعہ حج کمار، لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں

اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں 'نورہ' اللہ کے سامنے (عاجزی سے) چمکنے والے ہیں۔ (المائدہ ۵۵)

آیت مذکورہ کے شان نزول میں متعدد اقوال

امام ابو محمد عبد الملک بن بشام متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی بنی سلول نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت عمارہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بنو عوف سے تھے اور انہوں نے بھی عبد اللہ بن ابی کی طرح قینقاع کا ساتھ دینے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت عمارہ نے یہ حلف توڑ دیا اور بنو قینقاع سے بری ہو گئے اور کہا میں اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بناتا ہوں تو ان کے متعلق سورہ مائدہ کی آیت ۵۵ اور آیت ۵۶ نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں۔ (الایہ

(السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۵۶-۵۵ جامع البیان ج ۶ ص ۳۸۸-۳۸۹)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ اور فقیر نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم سے الگ ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا کریں گے اور ہم آپ کے اصحاب کے ساتھ مجلس کی استطاعت نہیں رکھتے کیونکہ ان کے گھر ہم سے دور ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر یہ آیت تلاوت کی تو انہوں نے کہا ہم اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بنانے پر راضی ہو گئے۔

(اسباب نزول القرآن ص ۲۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز امام واحدی لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن سلام اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ آئے جو اسی دوران ایمان لائی تھی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر دور ہیں اور ہماری کوئی مجلس اور ہمت کرنے کی جگہ نہیں ہے اور ہماری قوم جب یہ دیکھے گی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور ان کی تصدیق کر چکے ہیں تو وہ ہم کو چھوڑ دیں گے اور ہمارے ساتھ نشست و برخاست نہ کریں گے اور کھانے پینے کو ترک کرنے کی قسم کھائیں گے اور یہ ہم پر بہت دشوار ہو گا تو نبی ﷺ نے ان پر یہ آیت پڑھی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں پھر نبی ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہیں مسلمان قیام اور رکوع میں تھے۔ آپ نے ایک سائل کو دیکھ کر پوچھا کیا کسی نے تم کو کچھ دیا ہے اس نے کہا ہاں سونے کی ایک انگوٹھی۔ آپ نے پوچھا تم کو وہ انگوٹھی کس نے دی ہے؟ اس نے حضرت علی بن ابی طالب کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ جو نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا انہوں نے تم کو یہ کس حل میں دی ہے؟ اس نے کہا انہوں نے حالت رکوع میں مجھ کو یہ انگوٹھی دی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر! پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔

(المائدہ ۵۶ اسباب نزول القرآن ص ۲۰۲ جامع البیان ج ۶ ص ۳۹)

امام طبرانی نے سائل کو حضرت علی کی انگوٹھی دینے کا واقعہ حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۷ رقم الحدیث: ۶۲۲۸)

حضرت علی کے مستحق خلافت ہونے پر علماء شیعہ کی دلیل

شیخ طوسی متوفی ۴۸۰ھ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت اور

امامت کے مستحق تھے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے تمہارا ولی اللہ ہے اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں اور مومنین سے مراد اس آیت میں حضرت علیؓ ہیں، کیونکہ یہاں مومنین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور مذکور المصدر شان نزول کے مطابق حضرت علیؓ ہی اس آیت کے صدائق ہیں، کیونکہ آپؓ ہی نے حالت رکوع میں سائل کو سونے کی انگوٹھی دی تھی۔ لہذا حضرت علیؓ جہیز مسلمانوں کے ولی ہوئے اور ولی کا معنی اولیٰ اور احق ہے۔ سو حضرت علیؓ جہیز مسلمانوں پر متصرف اور ان کے حاکم ہوئے اور یہی خلافت اور امامت کا معنی ہے۔ لہذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علیؓ جہیز مسلمانوں کے ولی یعنی ان کے امام اور خلیفہ ہیں۔

(التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۵۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علماء شیعہ کی دلیل کا جواب

شیخ طوسی کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ ولی کا معنی اولیٰ اور احق نہیں ہے، بلکہ ولی کا معنی محب اور ناصر ہے۔

علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۱۱۰۵ھ لکھتے ہیں:

ولی جب اسم ہو تو اس کا معنی محب، صدیق (دوست) اور نصیر ہے اور مصدر ہو تو اس کا معنی المارۃ اور سلطان ہے۔

(القاموس المحیط، ج ۴، ص ۵۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

۲۔ اس آیت میں ولی محب، دوست اور مددگار ہی کے معنی میں ہے، کیونکہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اولیاء نہ بناؤ یعنی ان کو دوست نہ بناؤ۔ سو اس آیت میں فرمایا تمہارا ولی یعنی دوست اللہ ہے۔ اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں۔

۳۔ اگر اس آیت میں ولی کا معنی اولیٰ بلا امت ہو اور مومنین سے مراد حضرت علیؓ ہوں تو یہ لازم آئے گا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت مسلمانوں کی امامت کے زیادہ لائق حضرت علیؓ ہوں، حالانکہ اس وقت تو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں موجود اور تشریف فرما تھے اور آپؐ کے ہوتے ہوئے کسی اور کا امامت اور حکومت کے زیادہ لائق اور حقدار ہونا قطعاً باطل اور مردود ہے۔

۴۔ اگر یہ آیت حضرت علیؓ کی امامت کے حقدار ہونے پر دلالت کرتی تو حضرت علیؓ جہیز ضرور کسی نہ کسی محل میں اس آیت سے استدلال کرتے، حالانکہ آپؓ نے کبھی بھی اس آیت سے اپنی امامت پر استدلال نہیں کیا۔ آپؓ نے شوریٰ کے دن حدیث غدیر اور آیت میلہ سے اپنے فضائل پر استدلال کیا، لیکن اس آیت کو آپؓ نے کبھی پیش نہیں کیا۔

۵۔ شیخ طوسی اور دیگر علماء شیعہ کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس آیت میں مومنین سے مراد حضرت علیؓ ہوں۔ ہر چند کہ تفسیر جامع کا واحد پر اطلاق جائز ہے، لیکن یہ مجاز ہے، اور بلا ضرورت شرعی کسی آیت کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

۶۔ نیز ایہ استدلال اس پر موقوف ہے کہ حضرت علیؓ جہیز نماز کی حالت میں سائل کی طرف متوجہ ہوں اور حالت رکوع میں سونے کی انگوٹھی سائل کو دینے کی نیت سے گرائیں اور نماز میں نماز کے علاوہ کوئی اور عمل کریں۔ حالانکہ حضرت علیؓ جہیز جس طرح انصاف اور استغراق اور خضوع و خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، یہ کمالی اس کے سراسر خلاف ہے۔

۷۔ حدیث رسالت میں حضرت علیؓ جہیز بہت تنگ دست تھے، بعض اوقات آپؓ اپنے حصہ کی روٹی سائل کو دے کر خود بھوکے رات گزارتے تھے۔ ایسے شخص کے متعلق یہ فرض کرنا کہ وہ صاحب زکوٰۃ تھے اور ان کے پاس سونے کی انگوٹھی تھی۔ یہ

بہت بید معلوم ہوتا ہے بلکہ اس روایت کے ساتھ لا اعتبار ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

۸۔ نبی ﷺ نے مسودوں پر سونا حرام کر دیا تھا اور سورۃ مائدہ احکام سے متعلق آخری سورت ہے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سونے کی انگوٹھی پہننا بھی اس روایت کے غیر معتبر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ہمارے نزدیک اس آیت میں را کہعون اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے، اس کا معنی ہے جھکنے والے، یعنی ایمان والے نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔ (المائدہ ۵۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے من تمام بندوں کو خبر دی ہے جو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی رضا جوئی کے لیے یود کی دوستی اور من کے حلف سے بیزار ہو گئے تھے اور من کو بھی خبر دی ہے جنہوں نے یود کی دوستی اور من کے حلف کو برقرار رکھا اور گردش ایام کے خوف سے من کی دوستی کی طرف دوڑے۔ من سب کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جو اللہ پر بھروسہ رکھے اور اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی رکھے تو من ہی کو غلبہ ہو گا کیونکہ یہ اللہ کی جماعت ہے اور من کی جماعت ہی کو غلبہ ہو گا نہ کہ شیطان کی جماعت کو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِيْنَكُمْ هُزُوًا

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے

وَلِعِبَاءٍ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ

جہاں سے دین کو اپنی اور کھیل بنا رکھا ہے، دوست نہ بناؤ، اور

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ

اللہ سے ڈرتے رہو، اگر تم مومن ہو ۵ اور جب تم نماز کے لیے ندا کرتے ہو

اتَّخِذُوا هَٰؤُلَاءِ وَلِعِبَاءَ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۵۸﴾

وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ۵

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ

آپ کیجیے کہ اے اہل کتاب تم کو صرف یہ ناگوار لگتا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور

مَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِن قَبْلِ ۚ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿۵۹﴾

اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور جبکہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ۵

قُلْ هَلْ أَنْتُمْ بِشِرِّ مِمَّنْ ذَلِكُمْ مَثُوبَةٌ عِنْدَ اللَّهِ طَمَنُ

آپ کیسے کہیں ہیں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے، جن پر اللہ

لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ

نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا

وَعِبَادَ الطَّاغُوتِ أُولَئِكَ شَرُّ مَكَانٍ وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ

اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی، ان کا ٹھکانا بدترین ہے اور یہ سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے

السَّبِيلِ ۝ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ خَلَوْنَا بِالْكَفْرِ

ہیں ۝ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۝ ۶۱

ہوئے تھے اور کفر ہی اس کے ساتھ خارج ہوئے، اور اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بنو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔ (المائدہ: ۵۷)

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا تھا۔ اسی سباق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے اور اس میں مزید یہ فرمایا ہے کہ کافروں کو بھی دوست نہ بنو۔ امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۳۸۵ھ لکھتے ہیں:

رفقہ بن لہب بن الکعبہ اور سید بن الحارث دونوں نے اسلام کا ہر کیا اور دراصل یہ دونوں منافق تھے اور بعد سے مسلمان بن کر محبت رکھتے تھے تو اللہ نے ان دونوں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بنو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ لایہ

(السيرة النبوية، ج ۶، ص ۱۸۱، جامع البیان، ج ۶، ص ۳۹۱، اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۲)

یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں سے متعلق قرآن مجید کی اصطلاح

اس آیت میں کفار سے مراد مشرکین ہیں، ہر جہہ کہ یہود و نصاریٰ اور بت پرست سب کافر ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا اطلاق کرتا ہے اور بت پرستوں پر کفار اور مشرکین کا اطلاق کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مسلمان سب سے کہتے تو یہود اور مشرکین ان کا لفظ اڑاتے تھے اور جب مسلمان ان کو دیتے تو وہ کہتے یہ اس طرح بتا رہے ہیں جیسے قاتلے والے چلاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین کو دوست بنانے

سے مسلمانوں کو منع فرمادیا۔

ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذہب
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف گئے، جب آپ حرۃ البوہد (مدینہ سے چار میل ایک جگہ) پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا، جس کی جرأت اور بملوری کا بہت بڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کی ابتلا کدوں اور مال غنیمت حاصل کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا واپس جاؤ، میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا وہ چلا گیا، حتیٰ کہ جب ہم ایک درخت کے پاس پہنچے تو اس نے پھر اپنی پیشکش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر بھی جواب دیا کہ میں مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا وہ چلا گیا، پھر مقام بیداء پر ملا، اور اس نے پھر وہ پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو۔ اس نے کہا ہاں، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چلو۔

(صحیح مسلم، البدو، ۱۵۱، ۱۸۱، ۲۳۹، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحديث: ۲۵۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۲۷۳۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۲۸۳۲، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۹۱، مسند احمد، ج ۹، رقم الحديث: ۲۵۲۳، طبع دار الفکر، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱، رقم الحديث: ۲۳۹۱، طبع دار الحديث، قاہرہ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعیؒ اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے: اگر مسلمانوں کے متعلق کفر کی رائے اچھی ہو اور اس کی مدد کی ضرورت ہو تو اس سے مدد لی جائے، ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے اور یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے، اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر سے خدمت لی جائے تو اسے کچھ مغلوطہ دے دیا جائے اور اس کا حصہ نہ لگایا جائے۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم نماز کے لیے نہ اکرے ہو تو وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (طہ ۵۸)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے عمومی طور پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ کفار دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس آیت میں دین اسلام کے ایک خاص شعار اذان کے متعلق ان کا استہزاء بیان فرمایا ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد واسطی متوفی ۳۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

کفار نے جب اذان کو سنا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے حسد کیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے دین میں ایک نئی چیز نکالی ہے، جس کا ذکر ہم نے اس سے پہلے امتوں میں نہیں سنا۔ اگر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ نے اس اذان کو ایجاد کر کے انبیاء سابقین کے طریقہ کی مخالفت کی ہے، اور اگر اس دین میں کوئی خیر ہوتی تو آپ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کا طریقہ ہی بہتر تھا، جس طرح قافلے والے چلاتے ہیں آپ نے اس طرح چلانے کو اپنا شعار بنا لیا ہے، یہ کس قدر بری آواز ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور درج ذیل آیت نازل کی:

وَمَنْ أَحْسَرَ مَقُولًا قَسَّ دَعَا إِلَى الْكُفْرِ وَغِيْلٍ
صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝
(احسن السجده: ۳۳) فرمانبرداروں میں سے ہوں۔
اور اس سے انہی بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی
طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک میں

(اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابتداء اذان کی کیفیت

اس آیت میں اذان کا ذکر فرمایا ہے "اس لیے ہم اذان کی ابتداء" اذان کے کلمات "اذان اور اقامت کے کلمات" اذان کا جواب اور اذان کے بعد دعا اور اذان کی فضیلت کے متعلق اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔ فسقوں وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

مکہ میں اذان شروع نہیں ہوئی تھی "اس وقت نماز کے لیے یوں نداء کرتے تھے "المصلوة جامعة"۔ جب نبی ﷺ نے ہجرت کی اور کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا تو آپ کو پانچ فرض نمازوں کے لیے اذان کا حکم دیا گیا اور نماز جنازہ نماز عید اور نماز کسوف وغیرہ کے لیے "المصلوة جامعة" سے نداء کا طریقہ برقرار رہا۔ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے خواب میں فرشتے سے اذان کے کلمات سنے اور اس سے پہلے نبی ﷺ نے شب معراج کے موقع پر فرشتے سے اذان کے کلمات سنے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے معجم الاوسط میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر جعفی نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا اور امام غزالی نے وسیط میں لکھا ہے کہ دس سے زیادہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا اور علامہ جلی نے شرح التنبیہ میں لکھا ہے کہ چودہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا لیکن حافظ ابن صلاح اور علامہ نووی نے اس کا انکار کیا ہے۔ ثابت صرف حضرت عبداللہ بن زید کے لیے ہے اور بعض روایات میں حضرت عمر جعفی کا بھی ذکر ہے۔ (فتح البدی ج ۲ ص ۷۸، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۰ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات میں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو آپ کی طرف اذان کی دہائی گئی اور جب آپ واپس آئے تو جبرائیل نے آپ کو اذان کی تعلیم دی۔

(المعجم الاوسط ج ۱۰ رقم الحدیث ۷۲۳۳، حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اسکی سند میں ایک راوی طلحہ بن زید وضع کی طرف منسوب ہے)

امام احمد بن عمرو بن متوفی ۲۴۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی جعفی بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اذان کی تعلیم دینے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرائیل آپ کے پاس ایک جانور لے کر آئے جس کو براہق کہتے تھے جب آپ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ کچھ دشوار ہوا۔ جبرائیل نے کہا پر سکون رہو بخدا (سیدنا) محمد ﷺ سے زیادہ معزز شخص کبھی تم پر سوار نہیں ہوا۔ آپ اس پر سوار ہوئے حتیٰ کہ آپ رحمن تبارک و تعالیٰ کے حجاب تک پہنچے اسی دوران حجاب سے ایک فرشتہ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبرائیل یہ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں مخلوق میں سب سے مقرب ہوں لیکن میں جب سے پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتے کو اس سے پہلے نہیں دیکھا پھر فرشتہ نے کہا "اللہ اکبر" اللہ اکبر! تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی میرے بندہ نے سچ کہا میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں۔ پھر فرشتہ نے کہا لا الہ الا

اللہ تو حجاب کی لوٹ سے آواز آئی میرے بندہ نے سچ کہا۔ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ (الحديث)
 (كشف الاستار عن زوائد البراء 'ج' ۸ ص ۸۷) حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی زیاد بن النضر ہے اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے، مجمع الزوائد 'ج' ۸ ص ۳۲۹

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بمستثنیٰ متونی ۵۷ ص ۵۷ روایت کرتے ہیں:

ابو حمیر بن انس اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہ مشورہ کیا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟ آپ سے کہا گیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے، جب لوگ اس جھنڈے کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو نماز کی اطلاع دیں گے۔ نبی ﷺ کو یہ بات پسند نہیں آئی پھر آپ کو بوق (ہلک 'ترسنگا) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ یہ یسود کا طریقہ ہے۔ پھر آپ کو ناقوس (لوہے کا گلا جو گڑی سے بچلایا جاتا ہے گھڑیاں کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو بھی پسند نہیں کیا اور فرمایا یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید جریر سے اٹھ کر گئے وہ اسی فکر میں تھے۔ پھر انہیں خواب میں اذان دکھائی گئی وہ صبح رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس خواب کی خبر دی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں غمناک اور بیداری کی حالت میں تھا میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان دکھائی۔ اس سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا، لیکن انہوں نے میں دن تک اس خواب کو قہقہہ پھر رہی تھی کہ اس کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا تم کو مجھے خبر دینے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا عبداللہ بن زید مجھ پر سبقت لے گئے اور مجھے حیا آئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال! تم گھڑے ہو اور عبداللہ بن زید تم کو جو کلمات بتائیں وہ پڑھو پھر حضرت بلال نے اذان دی ابو حمیر یہ کہتے تھے کہ اگر اس دن حضرت عبداللہ بن زید بھارتہ ہوتے تو وہ اذان کہتے۔

(سنن ابو داؤد 'ج' ۱ رقم الحديث: ۴۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متونی ۵۶ ص ۵۶ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان عینہ میں آئے تو وہ نماز کے اوقات میں جمع ہوتے تھے اور ان کو نرا نہیں کی جاتی تھی۔ ایک دن انہوں نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا بعض نے کمانصارعی کی طرح ناقوس بٹاؤ۔ بعض نے کہا یسود کے ہلک کی طرح ہلک بٹاؤ۔ حضرت عمر جریر نے کہا تم ایک آدمی کو کیوں نہیں بھیجتے جو نماز کی ندا کرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۳ اے بلال! تم گھڑے ہو کر نماز کی ندا کرو۔

(صحیح ابوداؤد 'ج' ۲ رقم الحديث: ۴۹۳، صحیح مسلم 'لاؤن' (۳۷۷) ۸۳، سنن ترمذی 'ج' ۲ رقم الحديث: ۸۰، سنن نسائی 'ج' ۲ رقم الحديث: ۷۵، سنن ابی داؤد 'ج' ۲ رقم الحديث: ۳۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)
 کلمات اذان میں ندا حب اکبر

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور ان میں ترجیع نہیں ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے، یعنی دو مرتبہ شلاقین کو پست آواز سے کہا جائے اور دو مرتبہ شلاقین کو بلند آواز سے کہا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو مخنف جریر کی روایت میں ہے۔

(المنی 'ج' ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، الجہد 'ج' ۱ ص ۷۶، مطبوعہ دار الفکر)

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا استدلال اس سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید جریر نے خواب میں فرشتے سے اذان کے جو کلمات سنے تھے ان میں ترجیع نہیں تھی۔ انہوں نے یہی کلمات حضرت بلال جریر کو بتائے اور انہوں نے ان ہی

کلمات کے ساتھ اذان دی۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث جستن حنفی سے روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زید جریر بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے باتوں بجانے کا حکم دیا، تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جائے، میں اسی سوچ بچار میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی باتوں اٹھائے ہوئے جا رہا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے! کیا تم باتوں فروخت کر گئے؟ اس نے پوچھا تم اس کا کیا کر گئے؟ میں نے کہا ہم لوگوں کو نماز کے لیے جمع کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو اس سے ابھی چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟

اس نے کہا تم کہا کرو "اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر" اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمد رسول اللہ، اشہد ان محمد رسول اللہ، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔ اس کے بعد فرشتے نے اقامت کے کلمات تلائے۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ان شاء اللہ برحق خواب ہے، تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو اور خواب میں جو کلمات سنے ہیں، وہ ان کو بتاؤ، تاکہ وہ اذان دیں، کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے۔ میں میں حضرت بلال جریر کے ساتھ کھڑا ہوا۔ میں ان کو اذان کے کلمات بتاتا گیا اور وہ اذان دیتے گئے۔ حضرت عمر جریر نے اپنے گھر میں اذان سنی تو وہ اپنی چادر کھینچتے ہوئے آئے اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ الحمد۔

(سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحديث ۴۹۹، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحديث ۷۷۷، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحديث ۷۰۶، مصنف عبد الرزاق، ج ۱، رقم الحديث ۷۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۳۱، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۳، رقم الحديث ۱۳۲۹، طبع دار الحديث قاہرہ، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۳، طبع قدیم، مجمع ابن خزمہ، ج ۱، رقم الحديث ۷۷۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۳۹۰، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ج ۲، ص ۳۳-۳۲، طبع دار احیاء التراث العربی، سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحديث ۷۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، مجمع ابن حبان، ج ۳، رقم الحديث ۱۷۷۹، مطبوعہ مکتبۃ الرسالہ، بیروت، ۱۳۳۳ھ)

حضرت ابو مخذومہ کی روایت کا محل

حضرت ابو مخذومہ کی روایت میں جو ترجیح کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو مخذومہ اسلام لانے سے پہلے اپنے لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ مسلمانوں کی اذان کی نقل اتار رہے تھے۔ انہی نے حنین سے واپسی پر انہیں دیکھ لیا۔ آپ نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا اذان پڑھو۔ انہوں نے اذان پڑھی تو اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ کو آہستہ آہستہ پڑھا۔ آپ نے ان شلواتیں کو دوبارہ زور سے پڑھنے کا حکم دیا، تو انہوں نے دوبارہ زور سے پڑھا اور آپ کے اذان دلوانے کی حرکت سے یہ مسلمان ہو گئے، تو شلواتیں کو پہلے دوبارہ آہستہ اور پھر دوبارہ زور سے پڑھنے کا یہ خاص واقعہ ہے، انہی نے اس طرح اذان دینے کی عام ہدایت نہیں دی۔ اس کا بیان اس حدیث میں ہے:

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی الترمذی سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مخذومہ جریر بیان کرتے ہیں کہ ہم بعض ساتھیوں کے ساتھ حنین کے راستہ میں تھے، جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے موزن نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے نماز کے لیے اذان دی، ہم نے اذان

الحديث ۵۴۹: سنن نسائي ج ۲، رقم الحديث ۶۷۷، سنن ابن ماجه ج ۱، رقم الحديث ۳۳، مسند احمد ج ۵، رقم الحديث ۱۳۸۳، طبع دار الفکر، مسند احمد ج ۳، ص ۳۵۳، طبع قدیم، عمل اليوم والليلة للسبسي، رقم الحديث ۳۶، عمل اليوم والليلة لاس السبسي، رقم الحديث ۳۰، طبع کراچی، المعجم الصغير للبراني ج ۱، ص ۲۳۰، طبع المدينة المنورة، مصنف عبد الرزاق ج ۱، رقم الحديث ۱۸۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۳۱۰، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحديث ۲۸۸، شرح السنه للبخاری ج ۲، رقم الحديث ۳۲۱، صحیح ابن خزيمة ج ۱، رقم الحديث ۳۳۰

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب لڑائی سے توجہ دے کر اے اللہ! اس غلام کا اور اس کے بعد قائم ہونے والی نماز کے رب! اپنے بندہ کو اپنے رسول محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے۔ (رسول اللہ ﷺ کا یہ دعا فرمایا طبری تعلیم کے لیے ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحديث ۳۶۷۵، مجمع الزوائد ج ۱، ص ۳۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله" اے اللہ! آپ پر صلوٰۃ نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو میرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے سو جو شخص یہ دعا کرے گا اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المعجم الكبير ج ۲، رقم الحديث ۲۵۵۳، مجمع الزوائد ج ۱، ص ۳۳۳، الجامع الكبير ج ۲، رقم الحديث ۲۲۸، عمدة القاری ج ۵، ص ۳۳) اذان کی فضیلت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد الرحمن بن ابی معمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو پس جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو تو نماز کے لیے لڑائی دیا کرو اور یہ آواز بلند لڑائی کہنا کیونکہ موزن کی آواز کو جو بھی جن یا انسان سنتا ہے اور جو چیز بھی سنتی ہے وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گی۔ حضرت ابو سعید نے کہا میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث ۶۰۹، سنن نسائي ج ۲، رقم الحديث ۳۳، سنن ابن ماجه ج ۱، رقم الحديث ۳۳، مسند احمد ج ۵، رقم الحديث ۱۳۸۳، مسند احمد ج ۳، ص ۳۵۳، مسند حیدری ج ۱، رقم الحديث ۳۶، مصنف عبد الرزاق ج ۱، رقم الحديث ۱۸۸، صحیح ابن خزيمة ج ۱، رقم الحديث ۳۲۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۳۱۰-۳۱۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان جب لڑائی کی آواز سنتا ہے تو روحاؤ ایک مقام پر بھاگ جاتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ روحاؤ کتنی دور ہے؟ تو حضرت جابر نے کہا وہ میرے چھتیس میل ہے۔

(صحیح مسلم، صلاۃ ۵، ۸۸۱ (۳۸۸)، صحیح ابن خزيمة ج ۱، رقم الحديث ۳۳، مسند احمد ج ۳، ص ۳۳، شرح السنه ج ۲، رقم الحديث ۳۲۱، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحديث ۲۸۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۳۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا شیطان جب نماز کی غائت سے پلنگاتا ہے تاکہ

اذن کی آواز نہ سن سکے اور جب مؤذن خاموش ہو جاتا ہے تو پھر واپس آکر دوسرے ڈالنا ہے۔

(صحیح مسلم، صلوٰۃ ۱۱، ۳۸۸، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم المسند: ۱۲۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۳، طبع قدیم، صحیح ابن خزیمہ، ج ۲، رقم المسند: ۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۲۲۲، شرح السنہ، ج ۲، رقم المسند: ۴۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ مانگو اور لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۵۹)

مناسبت اور شان نزول
اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے دین اسلام کو ہنسی مذاق بنالیا ہے اور اب اس آیت میں بتایا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کو عزت اور احترام سے جو قبول نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟
امام ابو محمد عبد الملک بن بشام حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت آئی، جس میں ابو یاسر بن اخطب، بلغ بن ابی بلغ، عازر بن ابی عازر وغیرہم تھے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ رسولوں میں سے کس پر ایمان لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لیے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں، جب آپ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کا ذکر کیا تو انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور کہا ہم عیسیٰ ابن مریم پر ایمان نہیں لائے اور نہ اس شخص پر جو ان پر ایمان لایا ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

آپ کہئے اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ مانگو اور لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ (الایہ)

(السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۸۰، جامع البیان، ج ۶، ص ۳۹۳، اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۳)

یہود کا بعض جمیوں پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا نکاحاً باطل ہے کیونکہ معجزہ کی دلالت کی وجہ سے نبی پر ایمان لایا جاتا ہے اور جب یہود معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو پھر معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیوں ایمان نہیں لائے؟ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ جبکہ آپ نے بکثرت حسی اور معنوی معجزات پیش کیے۔

آیت مذکورہ کی ترکیب پر شبہات کے جوابات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود تو تمام کفار اور فسق ہیں، یہاں اکثر کو فاسق کیوں فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر یہود دنیا کی عزت اور روپے پیسے کے لالچ میں حق کو چھپاتے تھے۔ اس لیے فرمایا تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں لہذا تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی نیک نہیں ہو، فاسق اور بدکار ہو۔ کیونکہ کافر اور بدعتی بھی بعض اوقات اپنے دین کے اعتبار سے سچا اور دیانت دار ہوتا ہے، جبکہ تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی مجھوٹے اور خائن ہو اور ظاہر ہے کہ سب یہودی اس طرح نہیں تھے۔ اس لیے فرمایا: تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض یہودی ایمان لے آئے تھے۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ کل یہودی فاسق ہیں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق بھی فسق کا وہم کرتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں اس کا عطف اس جملہ پر ہے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اب اس کا معنی اس طرح ہو گا تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں جبکہ یہودیوں کے نزدیک ان کا فسق ناگوار نہیں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ یہ ان سے تعریضاً خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم مسلمان فاسق نہیں ہیں بلکہ نیک اور صالح ہیں اور مسلمانوں کا نیک اور صالح ہونا ان کو ناگوار گزرنا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اعتقاد کا لفظ محذوف ہے یعنی تم کو اپنے فسق کا اعتقاد ناگوار گزرنا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں سبب کا لفظ محذوف ہے یعنی تم کو ہمارا اللہ پر ایمان لانا اس لیے ناگوار گزرنا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنادیا اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی ان کا ٹھکانہ بدترین ہے اور یہ سیدھے راستے سے ہٹکے ہوئے ہیں۔ (المائدہ: ۶۰)

یہود کو علم تھا کہ ان کے اسلاف میں ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور ان پر اللہ نے لعنت کی۔ یہود میں سے جنہوں نے ممانعت کے بلوجود ہفتہ کے دن شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی ان کو بندر بنادیا گیا اور جن عیسائیوں نے مائدہ (دستر خوان) کے معاملہ میں نافرمانی کی تھی ان کو خنزیر بنادیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن جن یہودیوں نے نافرمانی کی تھی ان میں سے جو انوں کو بندر بنادیا گیا اور جو خنزیر بنادیا گیا۔ موجودہ بندر اور خنزیر ان کی نسل سے نہیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بندروں اور خنزیروں کے متعلق سوال کیا گیا کیا یہ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا مسخ کر کے پھر اس کی نسل نہیں چلائی۔ بندر اور خنزیر اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم قدّر ۳۲-۳۳ (۲۶۷۳) ۲۷۷۶ مسند احمد تحقیق احمد شاکر ج ۳ رقم الحدیث ۳۷۰۰ مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۰ طبع قدیم) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر (اسی) کے ساتھ خارج ہوئے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے تھے۔ (المائدہ: ۶۱)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یہودیوں نے دین اسلام کو نبی اور کھیل بنالیا تھا اور وہ اوزان کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو مسلمانوں کا ایمان اور تقویٰ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ان کے کرتوتوں کی جو سزا آخرت میں ملے گی وہ ان کو اس سے زیادہ ناگوار ہوگی اور اب اس آیت میں دین اسلام کے صدق اور برحق ہونے کی ایک اور دلیل بیان فرمائی کہ جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے اس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمادیا۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے بیان کیا ہے کہ بعض یہودی نبی پیچھے کے پاس آکر یہ بیان کرتے کہ وہ مومن ہیں اور اسلام کے تمام احکام پر راضی ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے کفر اور گمراہی پر ڈٹے رہتے تھے۔ اور اسی کافرانہ عقیدہ پر نبی پیچھے کی خدمت میں آتے اور اسی کفریہ عقیدہ پر رخصت ہوتے۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۳۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی ان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا وہ کفر کے جس حال میں آپ کے پاس آئے تھے اسی حال میں لوٹ گئے۔ کیونکہ ان کے دل سخت تھے اور ان کا یہ قول کہ ہم ایمان لائے بالکل خلاف واقع اور جھوٹ ہے اور اس جھوٹ سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ مکرو فریب کرنے کی بست کو شش اور جدوجہد کریں کیونکہ وہ مسلمانوں سے بہت بغض اور بدولت رکھتے تھے۔

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ

آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ، سرکشی اور حرام خوری میں تیزی سے بڑھتے

السُّحْتِ لِبَيْسٍ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّائِيُّونَ

ہیں، یہ بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں ۵ ان کے راہب اور پادری انہیں

وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمْ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ لِبَيْسٍ مَا كَانُوا

گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے، یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بہت

يَصْنَعُونَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ

بُرائے کام ہیں ۵ اور یہودیوں نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، خدا ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

وَلَعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ

اور ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے،

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا

اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور

وَكُفْرًا وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

سرکشی کو زیادہ کرے گا، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے،

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ

وہ جب ہی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے، وہ زمین میں فساد پھیلانے کی لگ جاتا ہے

فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ

کر رہے ہیں اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۵ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور

آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَآ دُخْلُهُمْ جَنَّةٍ

اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو معذور مٹا دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنوں میں معذور داخل

بھیان القرآن جلد سوم

التَّعِيمِ ۶۵) وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ

کرتے ۵ اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف

إِلَيْهِمْ مِّنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ

ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے تو ان کے اوپر سے بھی ان پر رزق برتا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق

مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝۶۶

ابتدا ان میں سے کچھ لوگ میانہ روی پر ہیں اور ان میں سے زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ سرکشی اور حرام خوردی میں تیزی سے پڑتے ہیں۔ یہ بہت ہی حرکتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ۳۳)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہودی ہر قسم کے گناہ بے دھڑک کرتے ہیں اور وہ کسی قسم کے گناہ میں جبکہ محسوس نہیں کرتے۔ خواہ وہ گناہ کفری کیوں نہ ہو۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں اثم سے مراد کفر ہے اور عدوان کے معنی اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھنا ہے۔

اللہ نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے یہودی حکام مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن یہودیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے اور حلال و حرام میں اس کی حدود سے تجاوز کرنے اور رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرنے میں بہت تیزی سے دوں دوں ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل کام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں کے راہب اور پادری انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے ایہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بہت برے کام ہیں۔ (المائدہ: ۳۳)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت

گناہ کی بات کہنے سے مراد بھوٹ بولنا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے ہم ایمان لائے ہیں اور یہ بھوٹ ہے اور تورات میں بھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرتے تھے اور اس سے بھی تورات میں منع کیا گیا ہے اور ان کے علماء اس سے بھی منع نہیں کرتے تھے اور گناہ کرنے کی بہ نسبت گناہ سے منع نہ کرنا زیادہ مذموم ہے کیونکہ گناہ کرنے والا گناہ سے لذت حاصل کرتا ہے اس لیے گناہ کرتا ہے اور گناہ سے منع نہ کرنا محض گناہ ہے لذت ہے اس لیے اس کی زیادہ مذمت ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کے ان علماء کی مذمت کی ہے جو ان کو گناہوں سے نہیں روکتے تھے۔

حسن بھری نے کہا ہے کہ رہائشیوں سے مراد عیسائیوں کے علماء ہیں اور اجہلو سے مراد یہود کے علماء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں قسموں سے مراد یہودی ہیں کیونکہ یہ آیات یہودیوں کے حلقہ میں ہیں۔ ایک نقطہ سے مراد یہود کے درویش ہیں اور دوسرے نقطہ سے مراد یہود کے علماء ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا علماء کی حبیہ کے باپ میں یہ سب سے سخت آیت ہے۔ ضحاک نے کہا کہ قرآن مجید کی جس آیت سے سب سے زیادہ خوف پیدا ہوتا

ہے وہی آیت ہے۔ کیونکہ جو شخص نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکنے میں سستی اور کوتاہی کرے اس کو اور برے کام کرنے والے شخص دونوں کی مذمت کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جمع فرمادیا ہے۔ (زاوالمیہ ج ۲ ص ۳۹)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر جریڈی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے ایک فرشتہ کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں بستی والوں پر ان کی بستی کو الٹ دو۔ اس نے کہا اس بستی میں ایک بندہ ہے جس نے ایک بی بی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا اس بستی کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو کیونکہ میری وجہ سے اس شخص کا چہرہ ایک دن بھی غصہ سے متغیر نہیں ہوا۔ اس حدیث کے دو راویوں کی شخصیت کی گئی ہے۔ لیکن ابن المبارک اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۰ رقم الحدیث: ۶۶۵۷ مطبوعہ مکتبہ المطارف ریاض ۱۴۱۵ھ)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق جریڈی نے فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو "اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو" جب تم ہدایت پر ہو گے تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی (المائدہ: ۴۵) اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۲۱۷۷ سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۴۴۳۸ سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۴۰۰۵ مسند

احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۱۱۳۰ طبع دار الفکر بیروت و دار الحدیث قاہرہ مسند احمد ج ۷ ص ۲۰۵ طبع قدیم صحیح ابن حبان ج ۱ رقم الحدیث: ۳۰۳۳۰ سنن کبریٰ للسیوطی ج ۲ ص ۹۰)

حضرت حذیفہ بن یمان جریڈی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکنے رہنا ورنہ عنقریب اللہ تم پر عذاب بھیج دے گا پھر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۲۱۷۷ سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۴۴۳۸ سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۴۰۰۵)

حضرت طارق بن شہاب جریڈی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے بدلے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ اس کو دل سے بدلے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

(صحیح مسلم ایمان ۷۸ ص ۳۹۱ سنن ابوداؤد ج ۱ رقم الحدیث: ۳۰ سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۲۱۷۷ سنن نسائی رقم

الحدیث: ۵۰۲۳ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۳۰۳۳۰ مسند احمد ج ۳ ص ۵۵۷ طبع قدیم سنن کبریٰ للسیوطی ج ۲ ص ۹۰)

حضرت نعمان بن بشیر جریڈی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترمذی کی روایت میں ہے اور اللہ کی حدود میں ممانعت یعنی سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثال اس طرح ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی بعض لوگوں کے نام لوہر کی حنظل کا قرعہ نکلا اور بعض لوگوں کے نام چلی حنظل کا چلی حنظل والے پانی لینے کے لیے لوہر کی حنظل پر گئے۔ پھر انہوں نے کہا اگر ہم کشتی کے پینڈے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو لوہر کی حنظل والوں کو زحمت نہیں ہوگی۔ اگر لوہر کی حنظل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے

چھوڑ دیا تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک لیا تو وہ بھی نجات پائیں گے اور جہنم میں داخل ہوں گے۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحديث: ۲۳۴۳، سنن ترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۲۸۰۰، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحديث: ۲۹۷۰، مسند احمد ج ۱، رقم الحديث: ۱۸۳۸۹، طبع دار الفکر ج ۲، ص ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، طبع قدیم، سنن کبریٰ للشیخ ج ۱۰، ص ۲۸۸، ۲۸۹) حضرت جریر بن جہش بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جا رہے ہوں اور وہ ان گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں، اور پھر نہ مٹائیں تو اللہ ان کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور اس کی سند حسن ہے۔

(صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۰، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۳۹، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۰۰، مسند احمد ج ۲، ص ۳۶۸-۳۶۹، قدیم، المعجم الکبیر للبخاری ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۸۳، ۲۳۸۴) ایک روایت میں ہے جس قوم میں گناہ کیے جائیں وہ قوم زیادہ اور غالب ہو پھر بھی ممانعت کرے اور خاموش رہے اور برائی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۸۵-۲۳۸۶-۲۳۸۷، مسند احمد ج ۲، ص ۳۶۸-۳۶۹، طبع قدیم، سنن کبریٰ للشیخ ج ۱۰، ص ۲۸۹) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات بیان کی جائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۲۸۸۱، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۳۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۰۰، مسند احمد ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۰۰، ۳۰۰۱) امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا اے شخص اللہ سے ڈر اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے، کیونکہ یہ کام حیرے کے لئے جائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا، جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ بہت برا کام تھا (المائدہ ۶۵-۶۸) پھر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں ایچہ اتم ضرورت کی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لئے مجبور کرنا، ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا، پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی تھی۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۳۶-۳۳۳۷، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے، سنن ترمذی ج ۵، رقم الحديث: ۳۰۵۸-۳۰۵۹، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۰۰، مسند احمد ج ۲، ص ۳۶۸، طبع قدیم، امام احمد کی سند میں اختلاف ہے اس لئے یہ سند ضعیف ہے، مسند احمد تحقیق احمد شاہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۷۷۳، طبع دار الحديث قاہرہ، المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحديث: ۵۲۳، حلیۃ البیہقی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۲۸۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں 'خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں 'وہ جس طرح چاہتا ہے' خرچ کرتا ہے۔ (الآیہ)
(المائدہ: ۶۴)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کی برائیاں اور ان کے گناہ ذکر فرمائے تھے کہ وہ گناہ اور سرکشی میں تیزی سے دوڑتے ہیں 'حرام کھاتے ہیں اور حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مل حاصل کر کے جمع کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا کفر بیان کیا کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی طرف بخل کو منسوب کیا 'اور یہ ایسی جرات ہے جس کا ارتکاب کوئی صاحب عقل نہیں کر سکتا' ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں 'اللہ تعالیٰ ایسی نسبت سے پاک' بلند اور برتر ہے۔
امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی 'متوفی ۳۲۰ھ' روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص نہاش بن قیس تھلجی نے کہا آپ کا رب بخیل ہے 'خرچ نہیں کرتا' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

(المکرم الکبیر ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۲۳۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ہر چند کہ کسی ایک یہودی نے یہ خبیث قول کہا تھا 'لیکن چونکہ باقی یہود میں سے کسی نے اس قول سے برائت کا اظہار نہیں کیا اور اس کا رد نہیں کیا' اس لیے پوری قوم یہود کی طرف اس قول کی نسبت فرمائی۔
امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے کہا ہے کہ یہ آیت تمہارا یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(جامع البیان ج ۶، ص ۳۰۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

ایک قول یہ ہے کہ جب یہود نے دیکھا کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے پاس دنیاوی مال نہیں ہے اور اکثر مسلمان فقر اور فاقہ میں مبتلا ہیں 'اور انہوں نے یہ آیت سنی:

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا

کوئی ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے۔

(الحديد ۱۱)

تو انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد ﷺ کا خدا فقیر ہے اور بسا اوقات کہا بخیل ہے 'اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کا یہی معنی ہے 'کیونکہ جو شخص خرچ نہ کرے اس کے متعلق کہا جاتا ہے اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَحْمِلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ

اور نہ رکھ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا۔

(الاسراء: ۳۹)

ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق کے ذرائع بند کر دیئے ہیں 'اللہ تعالیٰ نے ان کے اس انزواء کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس آیت میں ہماری زبانوں سے ان کے خلاف دعا ضرر فرمائی ہے 'یعنی ان کے ہاتھ بندھے دیئے جائیں۔ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی 'یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا 'وہ اس بخل کی وجہ سے ہر خیر سے محروم ہیں۔ ان سے کسی کو خیر حاصل نہیں ہو سکتا اور وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ غل کا معنی طوق بھی ہے 'سو اس کا یہ

معنی ہے کہ دنیا میں بن پر قید و بند کا طوق ڈال دیا گیا اور آخرت میں بن پر جہنم میں طوق ڈال دیا جائے گا۔
یہ اللہ (اللہ کا ہاتھ) کا معنی

الگوں سے لے کر بچے تک کے عضو کو یہ کہتے ہیں 'بلکہ کدھے تک کے عضو کو بھی یہ (ہاتھ) کہا جاتا ہے اور مجازاً یہ کا اطلاق نعمت پر بھی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کا ہاتھ پر ہاتھ ہے 'یعنی اس کا احسان اور نعمت ہے اور عطا کرنے اور خرچ کرنے پر بھی یہ کا اطلاق ہوتا ہے 'جیسے کہتے ہیں فلاں کا ہاتھ بہت کشادہ ہے اور یہ کا اطلاق قدرت پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اولی الابدی والابصار (ص: ۳۵) وہ قدرت والے اور بصیرت والے ہیں۔ انہوں نے جو کہا تھا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ نے بن پر عطا کرنے اور خرچ کرنے کے دروازے بند کیے ہوئے ہیں اور ان کو رزق نہیں دیا۔ ان کا یہ قول کل سے کنایہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خود بن کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں 'یعنی وہ نیکی اور کار خیر سے روکے ہوئے ہیں 'اور وہ کائنات میں سب سے زیادہ بخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں 'یعنی اللہ تعالیٰ بہت عطا فرماتا ہے 'وہ بہت جواد اور فیاض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کا ذکر فرمایا 'کیونکہ دونوں ہاتھوں سے خرچ کرنا بہت زیادہ سہولت پر دلالت کرتا ہے 'تمام چیزوں کے خزانے اور ہر قسم کی نعمتیں اس کے پاس ہیں 'اور وہ اپنی تمام مخلوق کو عطا فرما رہا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَنكُم مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعْدُوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (ابراہیم: ۳۴)

اور اس نے تم کو تمہاری ہر سوال کی ہوئی چیز عطا فرمائی اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرو تو ان کو شمار نہ کر سکو گے 'بے شک انسان بڑا ظالم ناشکر ہے۔

وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (القمان: ۳۰) اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے خرچ کرو 'میں تم پر خرچ کروں گا اور فرمایا اللہ کے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے ہیں 'رات اور دن میں بیٹھ خرچ کرنے سے اس کے خزانے میں کمی نہیں ہوتی اور فرمایا یہ بتاؤ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے 'وہ خرچ کر رہا ہے اور اس سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے ہاتھ میں میزان ہے 'جس کو وہ پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

اصح البیہقی ج ۵: رقم الحدیث ۳۷۸۳، صحیح مسلم، زکوٰۃ ۳: ۱۳۱ (۱۳۱) ۲۲، سنن ترمذی ج ۵: رقم الحدیث ۳۰۵۶، سنن ابن ماجہ ج ۱: رقم الحدیث ۱۹، صحیح ابن حبان ج ۲: رقم الحدیث ۴۵، مسند احمد ج ۲: ص ۵۰۰، ص ۳۳-۳۴، طبع قدیم، مسند احمد ج ۳: رقم الحدیث ۲۵۰۵، تاج العلوٰں للکرام، الاسماء والمصطلح، لکھنؤ، ص ۲۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

اور اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو جو رزق کم عطا کیا ہے یا بن پر نیکی کی ہے تو وہ اس کی حکمت کے مطابق ہے 'اور وہ سب کا مالک علی الاطلاق ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے 'لیکن وہ اندازے کے مطابق

تَحْيِيْرُ بَشَرٍ (الشوریٰ: ۴۷)

جتنا چاہتا ہے رزق اتار دیتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے
خوب واقف ہے اور انہیں بہت دیکھنے والا ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ

اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس
(الرعد: ۳۳) کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

قرآن مجید کی جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ پیرے اور پندلی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، فرقہ مجسّمین آیات سے اللہ
تعالیٰ کے لیے مصیبت جبت کرتا تھا۔ اس فرقہ کا باطل ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ جسم اپنے ترکب میں اپنے اجزاء کا قلع ہوتا
ہے اور قلع خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم متغی ہوتا ہے اور ہر متغی حادث ہوتا ہے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم یا
متحرک ہو گا یا ساکن ہو گا اور حرکت و سکون دونوں حادث ہیں اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور جسم ہونے سے پاک اور خروہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے جو یہ وغیرہ کا اطلاق کیا گیا ہے
اس میں اہل اسلام کے حسب ذیل مذاہب ہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن مرتضیٰ متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں جن امور کا ذکر ہے، مثلاً استواء، یہ دج (چرواہا) میں (آنکھ) اور غیوہن میں حق یہ ہے کہ یہ مجازات اور تمثیلات
ہیں۔ یعنی جن امور کا ظاہر شرع میں ذکر ہے اور ان کو حقیقی معنی پر محمول کرنا مکمل ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا

الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی (طہ: ۵)

بَدُ الْاَلْوَقُوْٓىۡ اٰیٰتُہُمْ (الفتح: ۳۰)

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْحَدَ لِمَا عَمَلْتَ بِیْہِیۡ

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

وَبَشٰی وَّجْہُ رَبِّکَ (الرحمن: ۲۷)

وَلِنُصْصِعَ عَلٰی عَصٰی (طہ: ۲۹)

شیخ ابوالحسن اشعری نے کہا ہے کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی صفت زائدہ ہیں اور جمہور کے نزدیک یہ تمام اطلاق مجازی
ہیں۔ استواء سے مراد غلبہ ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تمثیل اور تصویر ہے اور یہ سے مراد قدرت ہے اور وجہ
(چرواہا) سے مراد ذات اور وجود ہے اور عین (آنکھ) سے مراد بصر ہے اور شیخ اشعری کا ایک قول بھی جمہور کے موافق ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بنی ہیں، پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق خصوصیت
سے کیوں فرمایا کہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے شرک اور مرتبہ کو ظاہر
کرنے کے لیے خصوصیت سے فرمایا کہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، جس طرح بیت اللہ میں بیت کی اخلاص بھی تشریف
اور تکریم کے لیے ہے یا وہیں پر کمال قدرت کا اظہار مراد ہے۔ نیز علامہ بیان نے یہ بھی کہا ہے کہ استواء سے مجازاً غلبہ اور یہ اور
عین سے مجازاً قدرت اور عین سے مجازاً بصر مراد لیتا اللہ تعالیٰ کی طرف تجسیم اور تشبیہ کے وہم کی نفی کرنے کے لیے ہے، ورنہ
ان الفاظ سے وہ معانی عقیدہ مراد ہیں جو ان کے مقابلہ میں صوریہ میں ہوتے ہیں۔

(شرح القاصد ج ۵ ص ۴۷۵-۴۷۶ مطبوعہ مشورات الرضیٰ ایران ۱۳۰۹ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۷۸۱ھ لکھتے ہیں:

ضمیمہ القرآن جلد سوم

شیخ ابو الحسن اشعری کا ایک قول یہ ہے کہ ان امور کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ کے حق میں محال ہے۔ اس لیے ان سے مراد اللہ کی صفات زائدہ ہیں اور ہمیں ان کی کسبہ معلوم نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اطلاقات مجازی ہیں۔
(شرح المواقف، ج ۸، ص ۱۱۰-۱۱۱، مطبوعہ منشورات الرضی، ایران)

امام غزالی محمد بن ضیاء الدین عمر رازی حنفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں جو یہ کالفاظ آیا ہے، اس کے متعلق جمہور مسلمین کے دوقول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کالفاظ آیا ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے، اور چونکہ عقل اس پر رمانت کرتی ہے کہ اللہ کے لیے جسم اور جسمانی اعضاء محال ہیں، سو ہمارا اس پر بھی ایمان ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کی حقیقت اور کسبہ ہم کو معلوم نہیں ہے، سلف صالحین کا یہی عقیدہ تھا۔ دوسرا قول متکلمین کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ کے کئی معانی ہیں۔ ایک معنی یہ عضو مخصوص ہے، یہ اللہ کے حق میں محال ہے۔ اس کا دوسرا معنی ہے نعمت۔ تیسرا معنی ہے قوت، چونکہ معنی ہے ملک، جیسے قرآن مجید میں ہے الہی بیدہ عقدہ الکاح جس کی ملک میں نکاح کی گروہ ہے۔ پانچواں معنی ہے خصوصی توبہ اور خصوصیت جیسے، لما خلقت بیدی (ص ۱۷۵) موخر الذکر چاروں معانی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس بحث میں ایک اور قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابو الحسن اشعری نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور یہ ایک صفت ہے جو قدرت کے علاوہ ہے۔ اس کی شان سے کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ پیدا کرنا ہے اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کالفاظ استعمال ہو تو اس سے قدرت اور نعمت مراد ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع قدیم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور سرکشی کو زیادہ کر دے گا، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے، وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اسے بھادیتا ہے۔ وہ زمین میں فساد پھیلانے کی ننگ دو کر رہے ہیں، اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا (المائدہ: ۶۴)

اس آیت کا تعلق علماء یسود سے ہے، کیونکہ ان کا موقف غلط اور باطل تھا۔ اس لیے اس کے رد میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں، اور ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد علماء یسود اس کا انکار کر دیتے، تو یوں قرآن مجید کے نازل ہونے سے ان کے کفر اور سرکشی میں زیادتی ہوتی رہی۔

علماء یسود حسد اور بغض کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور چونکہ یہ دنیاوی مل و دولت اور منصب اور عہدوں کے درپے تھے، اس لیے یسود اور نصاریٰ میں سے ہر فرقہ شد و مد کے ساتھ اپنے مذہب کا پرچار کرتا تھا اور دوسرے فرقہ کا رد کرتا تھا، تاکہ دنیاوی کامیابی صرف اسی کو حاصل ہو۔ اس لیے یسود اور نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض رکھتے تھے یا پھر ان کے اپنے اندر بہت فرقے تھے اور ہر فرقہ دوسرے سے بغض رکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ یسود جب بھی جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بھادیتا ہے۔ جب انہوں نے فساد پھیلایا اور تورات کی مخالفت کی، تو اللہ نے ان کے اوپر بخت نصر کو بھیج دیا، انہوں نے پھر فساد کیا، تو ان پر پطرس رومی کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نجوس کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلمانوں کو بھیج دیا۔

تکوہ نے کہا جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مبعوث کیا تو یہ محسوس کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے تھے۔
اس کے بعد فرمایا یہ زمین میں فسلو پھیلا رہے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ
زمین میں سب سے بڑا فسلا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو ضرور مٹا
دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنتوں میں ضرور داخل کرتے۔ (المائدہ: ۶۵)

اس آیت کا معنی ہے کہ اگر اہل کتاب اللہ اور اس کے رسول یعنی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لے آتے اور اللہ اور اس کے
رسول کا انکار کرنے اور منکرا کرنے اور سرکشی کرنے سے اللہ سے ڈرتے یعنی اللہ کی کتاب میں لفظی اور معنوی تحریف نہ کرتے
رشتہ لے کر حرام بل نہ کھاتے تو ہم نہ صرف یہ کہ ان کے گناہوں کو مٹا دیتے بلکہ ان کو جنت کی نعمتوں میں داخل کر دیتے۔
اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یسوعی خرابی اور ان کے مرض کا ذکر کیا تھا اور اس آیت میں اس کے تدارک اور علاج کا
ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے
رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے تو ان کے اوپر سے بھی ان پر رزق برستا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق ابلتا۔ ان میں سے
کچھ لوگ میانہ روی پر ہیں اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو بڑے کام کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ۶۶)

گناہوں کو ترک کرنے اور نیکیاں کرنے سے رزق میں وسعت اور فراخی
اس سے پہلے آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اگر اہل کتاب اللہ اور رسول پر ایمان لے آئیں اور کفر اور سرکشی میں اللہ سے
ڈرتے رہیں تو وہ احمودی عذاب سے محفوظ رہیں گے اور آخرت میں جنت کی نعمتوں کو حاصل کریں گے اور اس آیت میں یہ
فرمایا ہے کہ اگر یہ تورات اور انجیل کو قائم رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا کو بھی جنت بنا دے گا۔
تورات اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ:

- ۱۔ وہ تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں اور ان میں یہ عہد بھی ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ پر
ایمان لائیں گے اور تورات اور انجیل میں آپ کی نبوت پر جو دلائل ہیں اور آپ کی جو علامات مذکور ہیں ان کو ظاہر کریں گے۔
- ۲۔ تورات اور انجیل کے احکام پر عمل کریں گے اور اس میں مذکور حدود کو بگاڑ کریں گے۔

۳۔ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اگر وہ ظہور اسلام سے پہلے تورات اور انجیل کی شریعت کو قائم رکھتے اور اس کے احکام پر
عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہتے لیکن انہوں نے تورات کے احکام پر عمل نہیں کیا اور انجیل کا انکار کیا اس
لیے ان پر معاشی تنگی اور رزق میں کمی اور دنیا میں رسوائی اور خواری مسلط کر دی گئی۔

اس آیت میں فرمایا ہے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر
میں کئی قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے دوسرا قول یہ ہے اس سے مراد باقی انبیاء پر نازل کیے ہوئے
صحیفے ہیں مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام حضرت جبریل اور حضرت دانیال کے صحائف۔

نیز فرمایا تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یسوعی نے سیدنا
محمد ﷺ کی تکذیب پر اصرار کیا تو ان پر قحط اور تنگی مسلط کر دی گئی حتیٰ کہ انہوں نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا اگر یہ کفر کو چھوڑیں تو ان کے حالات بدل جائیں گے اور ان کی تنگی خوش حالی سے اور قحط غلہ کی فراوانی سے بدل

جائے گا اور یہ جو فرمایا تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱۔ اس سے مراد غلّی اجناس کی پیداوار میں مبالغہ اور وسعت ہے

۲۔ اوپر سے کھانے سے مراد ہے بارشوں کا ہونا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے زمین کا غلّہ اگانا

۳۔ اوپر سے کھانے سے مراد ہے درختوں کا پھلوں سے لد جانا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے کھیتوں کا اگنا

۴۔ اوپر سے مراد درختوں سے پھل اتارنا اور نیچے سے مراد ہے زمین پر پڑے ہوئے پھلوں کو چمنا

خلاصہ یہ ہے کہ خوف خدا سے گناہوں کو ترک کرنے اور عبادات اور نیکیوں کے کرنے سے آسمان سے بھی رزق برستا

ہے اور زمین بھی سونا نکلتی ہے۔ اس کی تائید اور نظیر میں سب ذیل آیات ہیں:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو
ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔

(الاعراف: ۳۱)

وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقِبْنَهُمْ
مَّاءً غَدَقًا (الحج: ۳۲)
اگر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم انہیں ضرور کثیر پانی
سے سیراب فرماتے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ وَيَرْزُقْهُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق: ۳)
جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کیلئے نجات کی راہ پیدا کر
دے گا اور اسکو وہاں سے روزی دے گا جہاں اسکا گمان بھی نہ
ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

لَا تَشْكُرُنَّ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ (المراہم: ۷)

اس کے بعد فرمایا: ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو میانہ روی پر ہیں۔ ان نے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے سلیم
الطہرت تھے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا جیسے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام اور عیسائیوں میں سے نجاشی اور یا
کنہا میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو معتدل تھے اور انہوں نے جلد یا بدیر اسلام قبول کر لیا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی مذمت
اس سے پہلے آجوں میں کی گئی ہے جو تورات اور انجیل میں تحریف کرتے تھے۔ حق کو چھپاتے تھے اور حرام کھاتے تھے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَّمْ

لے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر (بالفرض)

تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ

آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

بیٹھ اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا ۵ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب!

لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا

تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں جو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو

أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلِيُزِيدَكُمْ كَثِيرًا مِنْهُمَا مَّا أُنْزِلَ

جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے گمراہ اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ

إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا أَفَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ

کرنے والے گمراہ آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس

الْكَافِرِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ

نہ کریں ۝ بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی اور صابئین اور نصاریٰ جو بھی اللہ

وَالنَّصَارَى مِنْ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلْ صَالِحًا

اور قیامت پر (بیچ) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو نہ ان پر غم ہوگا

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝ بیشک ہم نے بنو اسرائیل

بَنِي إِسْرَءِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ رُسُلًا كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ

سے پہنچتا ہوا اور ان کی طرف رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا علم کے

بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ۝

آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا تو انہوں نے (رسولوں کے) ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا

وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

اللہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو کس کی کوئی سزا نہیں ہے گی، سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی

ثُمَّ عَمُوا وَصَمُوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝

تو بہرے اور پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اندھے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے ۝

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ مسیح نے

الْمَسِيحُ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ

کہا تھا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، بیشک جس نے

يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا فِيهَا النَّارُ

اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٤٢﴾

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا بے شک اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ ۶۷)

ایک آیت کی تبلیغ نہ کرنے سے مطلقاً تبلیغ رسالت کی نفی کس طرح درست ہے؟

اس سے پہلی آیتوں میں یود و نصاریٰ کے غیث عقائد اور ان کے باطل اقوال دین میں ان کی تحریکات اور ان کی بد اعمالیاں بیان کی گئی تھیں۔ اس طرح مشرکوں کی غریبوں کو بھی بیان کیا گیا تھا اور مشرکوں کے متعلق آیات نازل ہوئیں تھیں۔ اب آپ سے فرمایا ہے کہ آپ کے اوپر جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ سب کو پہنچا دیجئے اور اس تبلیغ میں یود و نصاریٰ اور مشرکوں اور کافروں کی مخالفت کی مطلقاً پروا نہ کیجئے۔ اللہ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور اگر یہ فرض محلی آپ نے ایسا نہ کیا اور کسی آیت کو بھی نہ پہنچایا تو آپ نے کار رسالت انجام نہیں دیا اور آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اس آیت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر اس آیت کا معنی یہ ہو کہ آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو یہ کلام غیر مفید ہے۔ کیونکہ شرط اور جزاء میں تغاّر ہوتا ہے اور یہاں تغاّر نہیں ہے اور اگر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ نے ایک آیت بھی نہیں پہنچی تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا تو یہ کلام مفید ہے۔ لیکن واقع کے خلاف ہے کیونکہ ایک آیت کے نہ پہنچانے سے اس ایک آیت کے پہنچانے کی نفی ہوتی چاہیے باقی تمام آیات جو پہنچائی جا چکی ہیں ان کی نفی کیسے صحیح ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معنی یہی ہے کہ اگر آپ نے بالفرض ایک آیت کو بھی نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا۔ کیونکہ ایک آیت کو بھی نہ پہنچانے سے باقی تمام آیات کا پہنچانا ضائع اور غیر معتبر ہو جائے گا یا جیسے کوئی شخص قرآن مجید کی ایک آیت پر ایمان نہ لائے تو اس کا باقی تمام قرآن پر ایمان لانا ضائع ہو گیا یا جیسے کوئی شخص نماز کا ایک رکن لو ا نہ کرے اور باقی تمام رکن لو ا کرے تو اس کی نماز ضائع ہوگی کیونکہ جب کسی ایک آیت کو چھپایا جائے

کا تو دعوت اسلام سے جو فرض اور مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا اس کی نظیر یہ آیت ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِتَغْيِيرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا
جس نے بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد کے کسی کو

(ماحق) قتل کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا۔

(المائدہ: ۳۲)

کیونکہ جس طرح ایک شخص کو باحق قتل کرنا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے اسی طرح سب لوگوں کو باحق قتل کرنا بھی اللہ کی نافرمانی ہے اور جو ایک شخص کے قتل باحق پر جرأت کر سکا ہے اگر اس کے بس میں ہو تو وہ سب لوگوں کے قتل باحق پر بھی جرأت کر سکا ہے۔ اسی طرح جو بالفرض ایک آیت کے چھپانے پر جرأت کر سکا ہے وہ سب آیتوں کے چھپانے پر بھی جرأت کر سکا ہے۔ اس لیے فرمایا: اگر آپ نے بالفرض ایک آیت کو بھی چھپایا تو آپ نے کار رسالت بالکل انجام نہیں دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں اس آیت کا معنی ہے آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو کچھ نازل ہوا ہے اگر (بالفرض) آپ نے اس میں سے ایک آیت بھی چھپالی تو آپ نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا

(جامع البیان ۶: ۲۷۲ ص ۳۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث

اہم مسلم بن حجاج لشعری متوفی ۲۶۶ھ روایت کرتے ہیں۔

مسوق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی اس نے اللہ پر بست بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا: جس نے یہ کہا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے اللہ پر بست بڑا جھوٹ باندھا میں سارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المؤمنین! مجھے سہمت دیں اور جلدی نہ کریں کیا اللہ عز و جل نے یہ نہیں فرمایا؟ اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا (انکو بر: ۲۳) اور فرمایا اور بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا (التیم: ۳) حضرت عائشہ نے فرمایا اس امت میں میں سب سے پہلی ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ جبرائیل ہیں جس صورت پر جبرائیل کو پیدا کیا ہے آپ نے اس صورت پر جبرائیل کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ آپ نے جبرائیل کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا ان کی عظیم خلقت (پلٹ اور حسامت) نے تمام آسمان اور زمین کو بھر لیا تھا۔ پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم نے اللہ عز و جل کا یہ قول نہیں سنا آئیں اللہ کا اور اک (احاطہ کرتے ہوئے) نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا اور اک کرتا ہے اور وہی باریکیوں کو جاننے والا اور ظاہر و باطن سے خبردار ہے (الانعام: ۱۰۳) اور کیا تم نے اللہ عز و جل کا یہ قول نہیں سنا اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے اس کو وہ پہنچا دے جو اللہ چاہے (الشوری: ۵۱) اور جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب سے کچھ چھپایا ہے تو اس نے اللہ پر بست بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا (المائدہ: ۶۷) اور جس نے یہ کہا کہ آپ کل کی بات کی (از خود) خبر دیتے ہیں تو اس نے اللہ پر بست بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ فرماتا ہے آپ کہتے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی (از خود) غیب کو نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ (النمل: ۶۵)

(صحیح مسلم 'الایمان' ۲۸۷، 'صحیح البخاری' ج ۱، رقم الحديث ۲۸۵۵، سنن ترمذی 'ج ۵'، رقم الحديث ۳۰۷۹، سنن کبریٰ للنسائی 'ج ۱'، رقم الحديث ۳۷۷۷، مسند احمد 'ج ۱۰'، رقم الحديث ۲۱۰۹۹، طبع دلو الفکر 'مسند احمد' ج ۱، ص ۲۳۱، طبع قدیم جامع البیان '۶/۲' ص ۳۱۱)

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا (المائدہ: ۱۷) تب رسول اللہ ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ۔ بے شک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ (سنن ترمذی 'ج ۵'، رقم الحديث ۳۰۵۷، المستدرک 'ج ۲' ص ۳۳۳)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری جوڑی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس جوڑی ان مسلمانوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا تو رسول اللہ ﷺ نے حفاظت کے انتظام کو ترک کر دیا۔

(المعجم الصغیر 'ج ۱'، رقم الحديث ۳۷۸، المعجم الاوسط 'ج ۳'، رقم الحديث ۳۵۳۳، حلفہ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند میں علیہ الصوفی ایک ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد 'ج ۷' ص ۱۷۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے اور جب رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ واپس آئے۔ ایک راوی جس میں خاردار درخت بہت زیادہ تھے اس میں انہوں نے دوپہر کے وقت قیام کیا، مسلمان درختوں کے سائے میں بکھر کر آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس میں تلواریں لٹکادی۔ حضرت جابر نے کہا ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلایا، ہم آپ کے پاس پہنچے تو وہیں ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا اس شخص نے میری تلوار نکال لی میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ میں سوختی ہوئی تھی اور وہ مجھ سے کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ الودہ یہ بیٹھا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔

(صحیح البخاری 'ج ۵'، رقم الحديث ۳۳۵، البیہقی لابن ہشام 'ج ۳' ص ۳۷، البیہقی الکبریٰ لابن سعد 'ج ۲' ص ۶، سنن الحدی والارشاد 'ج ۵' ص ۱۷۷)

علامہ علی بن برحان الدین حلبی متوفی ۴۳۳ھ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس شخص کا نام غویرث بن الحارث تھا اس نے اپنی قوم سے کہا کیا میں تمہارے لیے (سیدنا) محمد ﷺ کو قتل نہ کروں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ تم ان کو کیسے قتل کرو گے؟ اس نے کہا میں ان کی غفلت میں ان کے پاس جلوں گا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ اس وقت تلوار آپ کی گود میں تھی اس نے کہا اے محمد ﷺ ذرا اپنی تلوار مجھے دکھائیں۔ پھر تلوار آپ کی گود سے لے کر آپ پر سونت لی اور کہنے لگا اے محمد ﷺ آپ مجھ سے ڈرتے نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ اللہ مجھے تم سے بچائے گا پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو تلوار دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تلوار لے کر فرمایا اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ بہتر رہ لینے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں

اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے لڑوں گا نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلانے دیا وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

(انسان العیون ج ۲ ص ۵۷۴ حنفی حنفی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۸) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات نبی ﷺ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا! اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ کہا گیا یا رسول اللہ! میں سہ ہوں اور آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں۔ پھر نبی ﷺ سو گئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خزانوں کی آواز سنی۔

(صحیح البخاری ج ۳ رقم الحدیث: ۲۸۸۵ ج ۵ رقم الحدیث: ۲۷۳۱ صحیح مسلم فضائل اصحابہ ج ۴ ص ۲۳۱) سنن ترمذی ج ۵ رقم الحدیث: ۳۷۷۷ صحیح ابن حبان ج ۵ رقم الحدیث: ۲۸۸۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۸۸-۸۹ مسند احمد ج ۶ ص ۳۱ طبع قدیم مسند احمد ج ۹ رقم الحدیث: ۲۵۳۷ طبع دار الفکر مسند احمد (احمد شاہ ج ۲ رقم الحدیث: ۲۳۹۷ فضائل اصحابہ طبعی رقم الحدیث: ۳۳ المستدرک ج ۲ ص ۵۹۹ تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۲ ص ۲۰۰ کنز العمال ج ۳ رقم الحدیث: ۳۲۳۷) علامہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ نے اس حدیث کو صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

غیر صحیح میں یہ روایت ہے کہ ہم اسی محل میں تھے کہ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ انہوں نے کہا ہم سہ اور حذیفہ ہیں۔ آپ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں پھر آپ سو گئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خزانوں کی آواز سنی اور یہ آیت نازل ہوئی پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر خیمہ سے باہر نکالا اور فرمایا: اے لوگو! وہاں جاؤ بے شک اللہ نے میری حفاظت کر لی ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الفکر ۱۳۱۵ھ)

علامہ قرطبی نے جس طرح ان دونوں روایتوں کو ملا دیا ہے مجھے اس طرح حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا جبکہ میں نے اس حدیث کا بہت تتبع کیا ہے جیسا کہ مذکور الصدر حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر علماء شیعہ کا استدلال اور اس کا جواب مشہور شیعہ عالم شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الموسیٰ متوفی ۳۲۰ھ اس آیت کے شان نزول کے متعلق لکھتے ہیں:

ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہما السلام نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں تو نبی ﷺ کو یہ خوف تھا کہ یہ معاملہ آپ کے اصحاب کی جماعت پر دشوار ہو گا تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ہمت بڑھانے کے لیے یہ آیت نازل کی تاکہ آپ اللہ کے حکم پر عمل کریں۔

(التبایں ج ۳ ص ۵۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ روز جمعرات ۱۸ ذوالحجہ ۱۰ھ کو حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر غدير خم کے مقام پر نبی ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا تم تمام لوگوں میں مسلمانوں کے سب سے زیادہ لائق اور مستحق کون ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں مسلمانوں کا مولیٰ ہوں اور میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔ آپ نے اس جملہ کو تین چار بار دہرایا۔ پھر فرمایا اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے

عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔ اے اللہ! اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے بغض رکھ جو علی سے بغض رکھے۔ پھر آپ نے فرمایا تمام حاضرین یہ پیغام عائن کو پہنچادیں۔

(تفسیر نمونہ 'ج ۵' ص ۱۱-۱۲ 'مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ' طہران)

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہے، کیونکہ فن کی شرط کے موافق اس کی روایت نہیں ہے۔ دیگر کتب حدیث میں یہ روایت ہے۔ بعض میں صرف اس قدر ہے کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ ہیں اور بعض میں یہ الفاظ بھی ہیں اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے اور اس کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۷۳۳ 'سنن ابن ماجہ' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱ 'سنن کبریٰ للنسائی' 'ج ۵' رقم الحدیث: ۸۳۵ 'مسند احمد' 'ج ۱' ص ۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷-۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱۰-۱۶۱۱-۱۶۱۲-۱۶۱۳-۱۶۱۴-۱۶۱۵-۱۶۱۶-۱۶۱۷-۱۶۱۸-۱۶۱۹-۱۶۲۰-۱۶۲۱-۱۶۲۲-۱۶۲۳-۱۶۲۴-۱۶۲۵-۱۶۲۶-۱۶۲۷-۱۶۲۸-۱۶۲۹-۱۶۳۰-۱۶۳۱-۱۶۳۲-۱۶۳۳-۱۶۳۴-۱۶۳۵-۱۶۳۶-۱۶۳۷-۱۶۳۸-۱۶۳۹-۱۶۴۰-۱۶۴۱-۱۶۴۲-۱۶۴۳-۱۶۴۴-۱۶۴۵-۱۶۴۶-۱۶۴۷-۱۶۴۸-۱۶۴۹-۱۶۵۰-۱۶۵۱-۱۶۵۲-۱۶۵۳-۱۶۵۴-۱۶۵۵-۱۶۵۶-۱۶۵۷-۱۶۵۸-۱۶۵۹-۱۶۶۰-۱۶۶۱-۱۶۶۲-۱۶۶۳-۱۶۶۴-۱۶۶۵-۱۶۶۶-۱۶۶۷-۱۶۶۸-۱۶۶۹-۱۶۷۰-۱۶۷۱-۱۶۷۲-۱۶۷۳-۱۶۷۴-۱۶۷۵-۱۶۷۶-۱۶۷۷-۱۶۷۸-۱۶۷۹-۱۶۸۰-۱۶۸۱-۱۶۸۲-۱۶۸۳-۱۶۸۴-۱۶۸۵-۱۶۸۶-۱۶۸۷-۱۶۸۸-۱۶۸۹-۱۶۹۰-۱۶۹۱-۱۶۹۲-۱۶۹۳-۱۶۹۴-۱۶۹۵-۱۶۹۶-۱۶۹۷-۱۶۹۸-۱۶۹۹-۱۷۰۰-۱۷۰۱-۱۷۰۲-۱۷۰۳-۱۷۰۴-۱۷۰۵-۱۷۰۶-۱۷۰۷-۱۷۰۸-۱۷۰۹-۱۷۱۰-۱۷۱۱-۱۷۱۲-۱۷۱۳-۱۷۱۴-۱۷۱۵-۱۷۱۶-۱۷۱۷-۱۷۱۸-۱۷۱۹-۱۷۲۰-۱۷۲۱-۱۷۲۲-۱۷۲۳-۱۷۲۴-۱۷۲۵-۱۷۲۶-۱۷۲۷-۱۷۲۸-۱۷۲۹-۱۷۳۰-۱۷۳۱-۱۷۳۲-۱۷۳۳-۱۷۳۴-۱۷۳۵-۱۷۳۶-۱۷۳۷-۱۷۳۸-۱۷۳۹-۱۷۴۰-۱۷۴۱-۱۷۴۲-۱۷۴۳-۱۷۴۴-۱۷۴۵-۱۷۴۶-۱۷۴۷-۱۷۴۸-۱۷۴۹-۱۷۵۰-۱۷۵۱-۱۷۵۲-۱۷۵۳-۱۷۵۴-۱۷۵۵-۱۷۵۶-۱۷۵۷-۱۷۵۸-۱۷۵۹-۱۷۶۰-۱۷۶۱-۱۷۶۲-۱۷۶۳-۱۷۶۴-۱۷۶۵-۱۷۶۶-۱۷۶۷-۱۷۶۸-۱۷۶۹-۱۷۷۰-۱۷۷۱-۱۷۷۲-۱۷۷۳-۱۷۷۴-۱۷۷۵-۱۷۷۶-۱۷۷۷-۱۷۷۸-۱۷۷۹-۱۷۸۰-۱۷۸۱-۱۷۸۲-۱۷۸۳-۱۷۸۴-۱۷۸۵-۱۷۸۶-۱۷۸۷-۱۷۸۸-۱۷۸۹-۱۷۹۰-۱۷۹

حضرت علی کی خلافت کا موقع ہو گا اس وقت وہی اولیٰ بلائہ ہوں گے کور خلفاء ثلاثہ کا ان سے پہلے خلیفہ نور امیر ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

۴۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوئی تو حضرت علی اس سے حضرت ابو بکر کی خلافت کے خلاف اپنی خلافت پر استدلال کرتے، لیکن حضرت علی اور حضرت عباس میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

۵۔ مسند بزار میں ہے حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بتایا تو میں کسی کو کیسے اپنا خلیفہ بنا سکتا ہوں۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوئی تو حضرت علی اس طرح نہ فرماتے۔

۶۔ اس حدیث میں مولیٰ دوست محب اور ناصر کے معنی میں ہے، جیسا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں اے اللہ اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے یہ دعا اس پر قریب ہے کہ میں کنت مولاه علی مولاه کا معنی ہے میں جس کا دوست یا محب یا ناصر ہوں، علی اس کے دوست یا محب یا ناصر ہیں۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کے اور بھی متعدد جوابات ہیں، لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف انھی جوابات پر اکتفاء کیا ہے۔

آیا رسول اللہ ﷺ صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ پر مامور تھے، یا اپنے تمام علوم کی تبلیغ پر؟
علماء کرام نے اس مسئلہ پر بھی بحث و تحقیق کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بھی وحی کی تھی خواہ وہ وحی جلی ہو یا وحی غفی، رسول اللہ ﷺ نے وہ سب امت تک پہنچادی یا کچھ علوم ایسے تھے جو نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض صوفیاء سے منقول ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو احکام بندوں کی مصلحت سے متعلق ہیں، ان کی تبلیغ آپ پر ضروری ہے اور جن آیات سے مقصود بندوں کو اطلاع پہنچانا ضروری ہے، ان کو بندوں تک پہنچانا ضروری ہے اور جو فیہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور امت کی مصلحت کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اس کا امت تک پہنچانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کا ان سے چھپانا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَوْحٰی اِلَیْهِ عِبْدِہٖ مَا اَوْحٰی (النجم: ۱۰)
سو وحی فرمائی اپنے عہد مندوں کو جو وحی فرمائی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب پر بلا واسطہ ایک راز کی وحی فرمائی اور اس راز کو آپ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کا آخرت میں پتا چلے گا۔ جب آپ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے اور علامہ واسطی نے کہا اللہ نے اپنے عہد مکرم کی طرف اہتمام کیا جو اہتمام کیا اور اس کو بالکل ظاہر نہیں کیا، کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور جس چیز کو آپ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے وہ مستور ہے اور جس چیز کے ساتھ آپ کو خلوق کی طرف مبعوث کیا ہے وہ ظاہر ہے اور صوفیاء اس کو اسرار الہیہ اور حقیقت کا علم کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی اس نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفیاء نے اس مسئلہ میں بہت طویل کلام کیا ہے، لیکن میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس احکام شرعیہ اور اسرار الہیہ کا جو بھی علم تھا وہ سب قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ زَبْرًا مَّا تَکْمِلُ شَیْءً
ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان

(النحل: ۸۹) ہے۔

مَسَافَرٌ مَطَاوِسُ الْبِكْتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

اور امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غریب قتلے ہوں گے۔ آپ سے پوچھا گیا ان سے نکلنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے متعلق احکام ہیں اور امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور ہمارے متعلق ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے لیکن ان کو قرآن کریم سے حاصل کرنے سے ہمارا علم قاصر ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا نبی ﷺ نے جس قدر احکام دیئے ہیں آپ نے ان سب کو قرآن سے مستنبط کیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اسی چیز کو حلال کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور اسی چیز کو حرام کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ (المجموع للامام حنبل ج ۱، رقم الحديث: ۷۵۷، سنن کبریٰ للشیخ عیسیٰ بن جریج، ص ۷۷)

علامہ مری نے کہا کہ قرآن مجید میں تمام اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور اس کا حقیقی اصل اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، ماسوا ان علوم کے جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ پھر معظم سلوات صحابہ کرام ان علوم کے وارث ہوئے مثلاً خلفاء اربعہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم پھر صحابہ کرام کے بعد تابعین عظام ان علوم کے وارث ہوئے پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کی ہمتیں اور ان کے درجات کم ہوتے گئے اور افاضل صحابہ اور اخبار تابعین جن علوم کے حامل تھے بعد کے مسلمان وہ مقام حاصل نہ کر سکے۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام علوم اور معارف قرآن مجید میں موجود ہیں تو قرآن مجید کی تبلیغ ان تمام علوم و معارف کی تبلیغ ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ہر نکتہ ہر ہر رائے اور ہر ہر حکم تفصیل کے ساتھ ہر ہر شخص کے لیے قرآن مجید کی صریح عبارت سے ظاہر نہیں ہے اور جو شخص یہ ممکن کرتا ہے کہ کچھ ایسے اسرار ہیں جو قرآن مجید سے خارج ہیں اور ان کو صوفیہ نے براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ علامہ فسطاطی نے کہا کہ عالم دین کا اپنی فہم سے قرآن مجید سے اسرار اور حکمتوں اور احکام کا استخراج کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ اصول شریعت کے موافق ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ صوفیاء کا کلام بھی اسی اعتبار سے ہے۔ البتہ ان کی بعض عبارات ظاہر شریعت کے مخالف ہوتی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے لوگوں سے ان کے حرف کے مطابق بات کرو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث: ۲۷۷۷) ہمارے موقف کے قریب یہ حدیث ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ عترہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ہم سے لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی خاص علم ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے رسول! آپ پر جو آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پناہ دیجئے۔ بخ ۱۱، ہم کو رسول اللہ ﷺ نے (قرآن مجید کے سوا) کسی تحریر کا وارث نہیں کیا اور امام بخاری نے ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا نہیں! صرف کتاب اللہ ہے! یادہ فہم ہے جو ہر مسلمان شخص کو دی گئی ہے! یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: وصیت کے احکام ہیں اور قیدیوں کو چھڑانے کے اور یہ کہ مسلمانوں کو کافر (جہلی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث: ۱۱۱۱)

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کی جو عبارات قرآن و سنت کے موافق ہیں وہ مقبول ہیں اور جو عبارات کتب و سنت کے خلاف ہیں وہ مردود ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کتب و سنت سے ایسے اسرار اور احکام مستنبط کرنے کی نعم عطا فرمائے جو ان سے پہلے مفسرین، فقہاء اور مجتہدین نے مستنبط نہ کیے ہوں اور جب آیات اور احادیث سے ائمہ اربعہ کے اجتہاد اور استنباط کو مان لیا گیا ہے، حالانکہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں تو بعد کے علماء کے لیے یہ کیوں جائز نہیں ہے؟ کہ وہ کتب اور سنت سے ایسے مسائل اور حکمتیں مستنبط کریں جو ائمہ اربعہ نے نہ مستنبط کیے ہوں۔ البتہ ایہ ضروری ہے کہ یہ استخراج اجماع امت کے خلاف نہ ہو۔ (روح المعانی، ج ۶، ص ۱۸۹-۱۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نئی فقہ کے علم کی تین قسمیں

علامہ سید محمود آلوسی کے اس کلام کی صحت اور غلطی میں ہمیں کلام نہیں ہے، لیکن دلائل صحیحہ کی روشنی میں بعض محققین کا یہ نظریہ ہے کہ نیا فقہ پر صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ واجب تھی اور تمام علوم کی تبلیغ آپ پر واجب نہیں تھی۔ بعض علوم ایسے تھے جو آپ نے سب کو نہیں بتائے، بلکہ جو ان کے اہل تھے ان کو بتا دیے اور بعض علوم ایسے تھے جو آپ نے کسی کو نہیں بتائے وہ صرف آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ مختص تھے گویا آپ کے علوم کی تین قسمیں ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۱۵۵ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے میرے پروردگار نے کوئی چیز پوچھی جس کا جواب میں نہیں دے سکا تب اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین اور آخرین کا علم عطا فرمادیا اور مجھے کئی اقسام کا علم عطا فرمایا۔ ایک علم کی وہ قسم تھی جس کے حلقہ مجھ سے محدود تھا کہ میں کسی کو اس پر مطلع نہیں کروں گا اور میرے علاوہ اور کوئی شخص اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ دوسری علم کی وہ قسم تھی جس کو ظاہر کرنے یا پوشیدہ رکھنے کا مجھے اختیار عطا فرمایا اور تیسری علم کی وہ قسم تھی جس کے حلقہ مجھے حکم دیا کہ میں امت کے ہر خاص و عام کو اس کی تبلیغ کروں۔ (ادراج الثبوت، ج ۱، ص ۲۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکر، ۱۳۹۷ھ)

وہ علم جس کو تمام امت تک پہنچانا آپ پر فرض ہے

جن علوم کی امت کے ہر خاص و عام کو تبلیغ واجب ہے ان کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے اور زیر بحث آیت میں آپ کو ان ہی کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی تمام آیات کو پہنچایا اور احادیث میں ان کی وضاحت فرمائی۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں آپ کو احکام شرعیہ کی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔

قاضی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ہر جو چیز نازل ہوئی اس کی تبلیغ واجب ہے اور شاید اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ بندوں کی مصلحتیں متعلق ہوں اس کی تبلیغ واجب ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود ان کو مطلع کرنا ہو، کیونکہ بعض اسرار الہیہ کا افشاء کرنا حرام ہے۔ (الانوار التنزیل، الکافر دینی، ج ۲، ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ شمس الدین احمد خفاجی متوفی ۱۱۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت کے حکم کا تعلق دین اور بندوں کی مصلحتوں کے ساتھ ہے اور آپ کو انہیں مطلع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو اسرار نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم محفوظ کیے۔ ایک علم کو تو میں نے لوگوں میں پھیلا

دیا اور اگر دوسرے علم کو میں پھیلاؤں تو یہ نثر و کثرت دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۰۰) اور یہ علم الحقیقت اور حکمت ہے جس سے سکوت کیا گیا ہے۔ مصنف (علامہ بیضاوی) نے بھی اپنے قول میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(مناہج القاضی ج ۲، ص ۳۶۳-۳۶۴، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ پر جس قدر بھی احکام نازل کیے گئے ہیں ان کو پہنچا دیجئے، کیونکہ جن امور کا تعلق احکام سے بالکل نہیں ہے جیسے اسرار غیبیہ ان کی لوگوں کو تبلیغ کرنا مقصود نہیں ہے۔

(تفسیر ابی السعود علی حاشی الکبیر ج ۳، ص ۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ سلیمان بن عمر الجمل متوفی ۳۰۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو امور احکام سے متعلق ہیں ان کو پہنچا دیجئے۔ کیونکہ جو اسرار آپ کے ساتھ خاص کر دیئے گئے ہیں ان کی تبلیغ کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔ (حاشیہ الجمل علی الجلالین ج ۱، ص ۵۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

وہ علم جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار ہے

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نہی ﷺ کبھی بعض لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ بعض ایسے علوم سے مطلع فرماتے جن کا تعلق احکام شریعہ کے ساتھ نہیں ہوتا تھا اور بعض اصحاب کو کسی راز سے مطلع فرماتے تھے جیسے آپ نے صرف حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ راز بتلایا کہ نبی ﷺ کے الہ میں سے سب سے پہلے وہ آپ کے ساتھ آپ کے وصل کے بعد لاحق ہوں گی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳۳) اور حضرت ابو بکر جرحہ کو اس راز سے مطلع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی ہے (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۹۰۵) اور حضرت حذیفہ جرحہ کو اس راز سے مطلع کیا کہ خارجی حضرت عثمان جرحہ کو شہید کر دیں گے جیسا کہ حضرت حذیفہ نے حضرت عمر کو بتلایا تھا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۲۵) اور جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم حاصل کیے ہیں۔ ایک علم تو انہوں نے پھیلا دیا اور دوسرا علم اگر وہ پھیلا دیں تو ان کی رگ جل کٹ دی جائے گی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۰) اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں کچھ لکھوانا چاہا اور پھر لکھوانے سے اعراض کر لیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳) تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق احکام شریعہ سے نہیں تھا کیونکہ اگر اس کا تعلق احکام شریعہ سے ہوتا تو آپ اس کو لکھوانے سے کبھی اعراض نہ فرماتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالقرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔ (المائدہ ۱۷۷) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جو شخص تم سے یہ کہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ نے کسی ایسی چیز کو پھیلا لیا جو آپ پر نازل کی گئی تھی تو اس نے جھوٹ بولا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۸۵۵، تقریر و اشہر، جز سادس، ص ۲۶۰)

جن علوم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ جس کو چاہیں مطلع فرمائیں اور جس کو چاہیں نہ مطلع فرمائیں ان میں سے بعض کا ذکر احادیث کے حوالہ سے علامہ ابن عاشور کی تحریر میں آگیا ہے اور اسی سلسلہ میں ایک حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک جرحہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سواری پر حضرت معاذ جرحہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے

تھے۔ آپ نے فرمایا اے معاذ بن جبل! انہوں نے کہا بیک یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں (یہ منکر تین بار ہوا) آپ نے فرمایا جو شخص بھی صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا۔ حضرت معاذ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ خبر سنلوں کہ وہ خوش ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا پھر لوگ اسی پر ہنسی کر لیں گے۔ پھر حضرت معاذ جہیز نے موت کے وقت گنہ سے بچنے کے لیے (تاکہ علم کا چھپانا لازم نہ آئے) یہ حدیث بیان کر دی۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۸)

حضرت انس جہیز بیان کرتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ جہیز سے فرمایا جس شخص نے اللہ سے اس محل میں ملاقات کی کہ اس نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت معاذ نے پوچھا میں لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سناؤں؟ آپ نے فرمایا نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ اسی پر ہنسی کر لیں گے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۹)

قرآن مجید میں بھی اس سلسلہ کی ایک نظیر ہے:

وَاِذْ اَسْرَأَ النَّبِيُّ اِلٰى الَّذِي اَتٰهُ بِخَبَرِهِ حَدِيْثًا
فَلَمَّا بَيَّنَّاتُ لَهُ وَاَفْلَهِرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ
وَاعْتَرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَسَاهَا بِهٖ قَالَتْ مَرْ
اَنْبَاكَ هٰذَا قَالَ نَبَايْسِي الْعَوْلِيْمُ الْحَبِيْبُ ۝

(النحریم۔ ۳)

اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات فرمائی

پھر جب انہوں نے اس راز کا (کسی سے) ذکر کر دیا اور اللہ نے

نبی پر اس کا اظہار فرمادیا تو نبی نے انہیں کچھ بتادیا اور کچھ

ٹالتے سے اعراض فرمایا۔ پھر جب نبی نے انہیں اس کی خبر دی

تو وہ کہنے لگیں آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا

مجھے بہت علم والے نہایت خبر رکھنے والے نے خبر دی۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت صفہ رضی اللہ عنہا سے یہ راز بیان کیا کہ آپ نے اپنے اوپر حضرت ماریہ کو حرام کر لیا ہے۔ (بعض روایات میں شدہ کے حرام کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد شرعی حرام نہیں ہے بلکہ قسم کھانا مراد ہے) اور یہ فرمایا کہ آپ کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوں گے۔ حضرت صفہ نے یہ راز حضرت عائشہ کو بتادیا تب نبی ﷺ نے حضرت صفہ سے فرمایا کہ تم نے ماریہ کے حرام کرنے کو افشاء کر دیا ہے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے راز کو افشاء کرنے سے آپ نے اعراض فرمایا تاکہ وہ مزید شرمندہ نہ ہوں اور امام ابو نعیم اور امام ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تمہارے والد اور عائشہ کے والد میرے بعد خلیفہ ہوں گے سو تم یہ راز کسی کو بتانے سے اجتناب کرنا۔

(روح المعانی، ج ۲۸، ص ۱۵۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ہم نے باحوالہ دلائل سے یہ بیان کر دیا ہے کہ نبی ﷺ کے علم کی ایک وہ قسم تھی جس کی ہر خاص و عام پر تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا یہ قرآن مجید کی تمام آیات ہیں اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے اور آپ کے علم کی دوسری قسم وہ ہے جس میں آپ کو اختیار تھا کہ آپ جس کو چاہیں بیان فرمائیں۔ اس پر بھی ہم نے باحوالہ دلائل بیان کر دیے ہیں۔ اب رہی تیسری قسم یعنی وہ علم جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور جس کا انشاء آپ پر واجب ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

وہ علم جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مقدمات کا علم عطا فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو یہ علم عطا نہیں فرمایا۔ فقہاء احناف کا یہی مذہب ہے اور سلف صالحین کا بھی یہی مذہب تھا کہ آیات مقدمات کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی کو نہیں عطا فرمایا۔

ملاحیون مقابہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

مقابہ اس چیز کا اسم ہے جس کی معرفت کی امید منقطع ہو اور اس کے ظاہر ہونے کی املا امید نہ ہو۔ وہ غایت خفایں ہوتا ہے اور حکم کی ضد ہے جو غایت طور میں ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس لفظ سے جو مراد ہے وہ حق ہے۔ اگرچہ ہم کو قیامت سے پہلے یہ پتا نہیں چلے گا کہ اس لفظ مقابہ سے کیا مراد ہے اور قیامت کے بعد اس کی مراد ان شاء اللہ ہر شخص پر منکشف ہو جائے گی اور یہ حکم امت کے حق میں ہے اور نبی ﷺ کے حق میں یہ اعتقاد ہے کہ آپ کو لفظ مقابہ کی مراد قطعاً معلوم ہو اور نہ آپ سے اس کے ساتھ خطاب کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ ایسا ہو گا جیسے لفظ مہمل کے ساتھ خطاب کیا جائے یا کسی عربی کے ساتھ حبشی میں گفتگو کی جائے۔ (نور الانوار ص ۳۷، مطبوعہ سعید ایڈ کینی کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت کی کامل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ سے نہیں کہ آپ اللہ کے علم کی حکایت کریں۔ بلکہ مگر اللہ سبحانہ نے کسی حکمت کی وجہ سے آپ پر اس علم کا اخفاء واجب کر دیا ہے اور یہ علم آپ ﷺ کے خواص میں سے ہے، لیکن میرے نزدیک اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

(روح المعانی، ج ۲۱، ص ۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا، بلکہ یہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور آپ کو لوگوں کو اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو اور علم قیامت کے متعلق بھی انہوں نے اسی طرح کہا ہے۔

(فتح الباری، ج ۸، ص ۳۰۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۳۰۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو امور غیب (قیامت، بارش ہونے، ماں کے پیٹ، کل کیا ہو گا، اور کون کہاں مرے گا) کا علم دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے، لیکن آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(خصائص کبریٰ، ج ۳، ص ۱۶۰، طبع مصر، شرح الصدور، ص ۳۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کی آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حقیقت روح پر مطلع نہیں فرمایا، بلکہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور دوسروں کو بتلانے کا حکم نہ دیا ہو اور علماء نے قیامت کے علم کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ (الوابب اللہ فی مع الزرقانی، ج ۱، ص ۱۳۵)

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک خواب بیان کیا کہ حضرت ابوبکر

نے عرض کیا 'یا رسول اللہ! آپ مجھے اس خواب کی تعبیر کی اجازت دیں' پھر حضرت ابو بکر نے اس خواب کی تعبیر بیان کی 'بعد ازاں عرض کیا' آپ فرمائیں کہ میری تعبیر صحیح ہے یا غلط' آپ نے فرمایا 'بعض صحیح ہے' بعض غلط' حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! آپ ضرور بتلائیں میں نے کیا خطا کی ہے' آپ نے فرمایا قسم نہ دو۔

(صحیح البخاری 'ج ۸' رقم الحدیث: ۵۰۳۶، مختصر)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب کی تعبیر غیب کا علم ہے اس لیے جائز تھا کہ آپ اس غیب کو اپنے ساتھ خاص رکھتے اور دوسروں سے مخفی رکھتے۔

(صحیح البخاری 'ج ۱۲' ص ۳۳۶، مطبوعہ دار الفکر لکھنؤ، ۱۴۰۱ھ)

ہم نے تفصیل سے دلائل کے ساتھ بتا دیا ہے کہ نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں تھیں۔ ایک وہ علم جس کی تمام امت کو تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا۔ یہ تمام قرآن کریم ہے اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق قرآن مجید کی تفصیل اور بیان سے ہے اور دوسرا وہ علم ہے جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار تھا اور اس کا تعلق عموماً غیب کی خبروں سے ہے اور تیسرا وہ علم جس کا انشاء آپ پر واجب ہے۔ جیسے آیات مقدمات 'نقذیر' وقت وقوع قیامت اور مدح کا علم اور یہ وہ اسرار ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس نے صرف اپنے حبیب اکرم ﷺ کو ان پر مطلع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے کفر اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ کر دے گا جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ۶۸)

شان نزول

امام عبد الملک بن یحییٰ متوفی ۳۸۵ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے پاس رافع بن حارث 'سلام بن مشکم' ملک بن الحیص اور رافع بن حریز آئے اور کہنے لگے یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ آپ حضرت ابراہیم کی ملت اور ان کے دین پر ہیں اور آپ اس تورات پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے پاس ہے اور آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے برحق ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! لیکن تم نے دین میں کچھ نئی بدعت نکال لی ہیں اور اللہ نے تم سے جو عہد لے لیا تھا تم نے ان کا انکار کر دیا اور اللہ نے تم کو جن چیزوں کے بیان کرنے کا حکم دیا تھا تم نے ان کو چھپا لیا سو میں تمہاری بدعت سے بری ہوں۔ انہوں نے کہا ہم ان چیزوں پر عمل کرتے ہیں جو ہمارے پاس ہیں اور بے شک ہم ہدایت اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے نہ آپ کی اتباع کریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کہ اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ (الآئینہ)

(السیرۃ النبویہ 'ج ۲' ص ۱۸۱-۱۸۰، جامع البیان 'ج ۶' ص ۴۱۸-۴۱۷)

یسود و نصاریٰ کے کسی عمل کا لائق شمار نہ ہونا

اہل کتاب سے مراد یسود اور نصاریٰ ہیں 'یسود اس لیے ہیں کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تورات کے ان احکام پر عمل کریں جن کو منسوخ نہیں کیا گیا اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک انجیل پر ایمان لائیں اور آپ کی بعثت کے بعد قرآن کریم پر ایمان لائیں جو تورات اور انجیل دونوں کا محافظ ہے اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور نصاریٰ اس

لے مراد ہیں کہ انہوں نے انجیل کی ان بشارتوں سے اعراض کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق دی تھیں۔

تم کسی چیز پر نہیں ہو اس کا معنی یہ ہے کہ تم دین برحق کی کسی چیز کے حامل نہیں ہو۔ تم میں تقویٰ ہے نہ دیانت ہے نہ ہدایت ہے اور تم پر جو کتب نازل کی گئی تھی تم اس کی کسی چیز پر قائم نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کے اصل احکام پر عمل نہ کرو اور قرآن مجید پر ایمان لا کر اس کے احکام پر عمل نہ کرو۔ اس وقت تک تم میں دین داری اور ہدایت کا ایک شے بھی نہیں ہو گا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا کوئی عمل قابل ذکر اور لائق شمار نہیں ہے اور دین داری اور صاحب کتب ہونے کے تمہارے تمام دعوئی جھوٹے اور باطل ہیں خواہ تم دنیا میں اہل کتب کہلاتے رہو لیکن آخرت میں تمہارا کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔

نزول قرآن سے ان کے کفر اور سرکشی کا اور زیادہ ہونا

نیز یہ فرمایا کہ قرآن مجید کا نزول ان کے کفر اور سرکشی کو اور زیادہ کرے گا کیونکہ قرآن مجید نے ان کی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے اور ان کی بدعتیں گویں کو باطل کیا ہے اور ان کو کافر قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ قرآن مجید سے حسد اور بغض رکھتے ہیں اور جوں جوں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی ہیں ان کے حسد اور بغض میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ زیادہ شدت سے قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں۔ نیز ایہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کی ہر آیت آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور اسلام کے دین مستقیم ہونے پر مدعا ہے۔ اس لیے جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی ہے یہ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کا کفر اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ نیز اکتنے ہی تاریخی حقائق انہوں نے غلط بیان کیے تھے جن کی قرآن مجید نے تکذیب کر دی اس لیے یہ قرآن مجید کے خلاف اور زیادہ سرکشی کرتے ہیں۔

نیا ﷺ پر چونکہ رحمت غالب تھی اس لیے ان کے کفر اور سرکشی سے آپ کو رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کافروں کی (اس) قوم پر افسوس نہ کریں کیونکہ سرکشی ان کی سرشت بن چکی ہے یہ لوگ راہ راست پر آنے والے نہیں ہیں لہذا آپ ان کے انجام بد پر افسوس نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی صابئین اور نصاریٰ جو بھی اللہ اور قیامت پر (صحیح) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (المائدہ: ۶۸)

الصابئون کے رفعتی حالت میں ہونے کی توجیہ

اس آیت میں الصابئون حالت رفع میں ہے اور نحوی قاعدہ کے اعتبار سے اس کو حالت نصب میں الصابئین ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ الصابئون مبتداء ہے اور اس کی خبر مقدمہ ہے۔ کذا الکے جس پر ان کی خبرولات کرتی ہے اور ثقہ بر عبارت یوں ہے ان الذین امسوا والذین ہادوا والنصارى من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف علیہم ولا هم یحزنون والصابئون کذا الکے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "ان" فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے اس لیے عامل ضعیف ہے۔ اگر معطوف علیہ میں اس کا عمل ظاہر ہو (یعنی ظاہرا اسم پر نصب ہو) تو معطوف میں بھی اس کے عمل کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور اگر معطوف علیہ میں اس کے اسم پر ظاہر نصب نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے تو پھر معطوف میں بھی نصب کا عمل ضروری نہیں ہے اور اس کے اسم پر ابتداء کی وجہ سے رفع بھی جائز ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

کیا صرف نیک عمل کرنے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی!

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مبتداء اور خبر میں تغایر ہوتا ہے اور اس آیت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے۔۔۔ جو بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اس کو خوف اور غم نہیں ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان کے متعلق ہے جو صرف زبان سے ایمان لائے تھے۔ جیسے منافق، ان کے متعلق فرمایا جو بھی محض زبان سے ایمان لایا ہے، اگر وہ دل سے ایمان لایا تو اس کو خوف اور غم نہیں ہو گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جواب ایمان لایا ہے اگر وہ ایمان پر دائم اور برقرار رہا، مرتد نہ ہوا اور اس کا ایمان پر ہی خاتمہ ہوا تو اس کو خوف اور غم نہیں ہو گا۔

اس آیت پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے نجات کے لیے اسلام لانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہودی، نصرانی اور ستارہ پرست جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کو کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ صحیح ایمان لائیں اور یہودی جو عزیر کو خدا مانتے ہیں اور عیسائی جو حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے ہیں، اور صلیب پر سٹش کرتے ہیں ان کا ایمان صحیح نہیں ہے، ان کا ایمان اس وقت صحیح ہو گا جب وہ اپنی بد عقیدگیوں سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ یہ دونوں اعتراض ترجمہ سے ہی دور ہو جاتے ہیں۔ تاہم دوسرے اعتراض کے جواب کی مزید وضاحت کے لیے ابقرہ ۷۳ کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے۔ جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا تو انہوں نے (ار سووں کے) ایک گروہ کو جھٹایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا۔ (المائدہ: ۷۰)

اس آیت سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ بنو اسرائیل اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ سے کیے ہوئے پختہ عہد کو پورا نہیں کرتے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ اللہ کے تمام احکام کو سن کر قبول کریں گے، اور ان تمام احکام پر عمل کریں گے، لیکن انہوں نے ان پختہ عہد کو توڑ دیا اور اپنی آراء اور خواہشوں کو احکام شرعیہ پر مقدم کیا۔ شریعت کا جو حکم ان کی رائے اور خواہش کے موافق ہوتا، اس پر عمل کرتے اور جو اس کے خلاف ہوتا، اس کو رد کر دیتے۔ انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام اور کئی انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو (اس کی) کوئی سزا نہیں ملے گی، سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (المائدہ: ۷۱)

فتنہ کے معنی:

فتنہ کے کئی معانی ہیں۔ تفصیلات اور مصائب کو بھی فتنہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بد اعمالیوں کی جو سزا دیتا ہے اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں، اور اس آیت میں یہی معنی مرلو ہے اور اللہ کے نیک بندوں کو جس آزمائش میں ڈالا جاتا ہے اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔ اس فتنہ کی وجہ سے نیک لوگوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ہاروت اور ماروت کو بھی فتنہ فرمایا ہے، کیونکہ ان کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے، اور نبیؐ نے دجل کو فتنہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بنو اسرائیل کا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے اس کی دنیا میں ان کو کوئی سزا نہیں ملے گی اور اس وجہ سے ان پر مصائب طاری نہیں ہوں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور اگر ان کو عذاب ہو تو صرف چند دن عذاب ہو گا جتنے دن انہوں نے چھڑے کی پرستش کی تھی۔

بنو اسرائیل کا ہدایت سے دوبارہ اندھا اور بہرا ہونا

اس آیت میں بنو اسرائیل کے متعلق دو مرتبہ فرمایا ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے دیکھ کر ہدایت حاصل کی اور نہ سن کر ہدایت حاصل کی ان کی بد عملیوں کی وجہ سے ان پر قحط مسلط ہو گیا اور ان پر دباؤ طاری کی گئیں لیکن انہوں نے اس سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی۔ پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف حسد اور بغض پیدا کر دیا گیا وہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے لیکن انہوں نے اس سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

بنو اسرائیل ہدایت کو حاصل کرنے سے دو مرتبہ اندھے اور بہرے ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت زکریاؑ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان میں سے بعض کو ایمان لانے کی توفیق دی۔ ان میں سے پھر بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور سیدنا محمدؐ پیغمبر کے زمانہ میں انہوں نے آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور کم لوگ ایمان لائے جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں۔

اس آیت کا دوسرا عمل یہ ہے کہ پہلی بار یہ اندھے اور بہرے اس وقت ہوئے جب انہوں نے چھڑے کی پرستش کی پھر انہوں نے توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی پھر دوبارہ یہ اندھے اور بہرے ہو گئے جب انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کی اور یہ کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں۔

اور اس کا تیسرا عمل یہ ہے کہ جب ان کے پاس حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام بھیجے گئے تو یہ ہدایت حاصل کرنے سے اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور اس کے بعد پھر یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دو تاریخی عظیم مناظر کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کو پیش آئے۔ پہلا مناظرہ وہ تھا جب اشور کا بادشاہ کئی مرتبہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا یہ ۶۰۶، ۵۹۸، ۵۸۸ سال قبل مسیح کے واقعات ہیں وہ تیسری مرتبہ یروشلیم میں داخل ہوا۔ اس نے مسجد کو جلا دیا اور تمام بنو اسرائیل کو ہانک کر بابل لے گیا اور وہیں ان کو قید کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور فارس کا بادشاہ کورشؑ اشور و سن پر غالب آیا اور اس نے ۵۳۹ سال قبل مسیح بابل پر قبضہ کر لیا اور یہودیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں اور ان کو آباد کریں۔ سو وہ واپس گئے اور انہوں نے اپنی مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا اس کے بعد انہوں نے پھر نافرمانی اور سرکشی کی اور یہ پھر ہدایت اور راہ حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور تب دو سرا مناظرہ پیش آیا۔ جب قیطس بن ابیہر طور رومانی نے یروشلیم کا محاصرہ کر لیا حتیٰ کہ یہود بھوک سے مجبور ہو کر چمڑا کھانے لگے اور بعض اوقات بھوک سے بلبلہ کر ایک دوسرے کو کھا جاتے تھے۔ اس نے دس لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا اور ستائیس ہزار یہودیوں کو قید کر لیا یہ ۷۰ء کا واقعہ ہے۔ پھر ابن ابیہر طور رومانی ۷۰ء سے ۷۳۸ء تک اس کے بعد حکمران رہا اس نے ان کے شہر کو منہدم کر کے سپاٹ زمین بنا دیا اور اس وقت دنیا میں یہودیوں کی حکومت ختم ہو گئی تھی اور ان کا وطن ملیا میٹ ہو چکا تھا۔ (التحریر والاشہاد ج ۶ ص ۴۷۸، ۴۷۷، ۴۷۶)

یہ دونوں تاریخی حادثے جو بنو اسرائیل کی بد اعمالیوں کی پاداش میں رونما ہوئے تھے ان کی طرف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَقَصَّصْنَا فِي الْكِتَابِ
لَتُعْصِدَنَّ فِي الْأَرْضِ مَرْثَبِينَ
وَأَنْتَعِلْنَ غُلًّا
كَبِيرًا ۖ قِيَادًا جَاءَ وَعْدًا
أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَبْدًا
مِّنْ أَوْلِيَاءِنَا الَّذِي يَدْعُو
النَّاسَ إِلَى الْوَحْدَانِيَّةِ
الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لَكُمْ
وَعَدْنَا لَمُفْعُولٍ ۖ ثُمَّ
رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَفَّةَ
عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاهُمْ
بِأَمْوَالٍ قَوِيَّةٍ وَجَعَلْنَا
كُمُ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۚ إِنَّ
أَحْسَنُ لَأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنَّ
أَسَاسَكُمْ فَلَهَا قِيَادًا
جَاءَ وَعْدًا الْآخِرُ لِبَشَرٍ
وَأَخَوْتِكُمْ ۖ وَيَذْكُرُوا
الْمَسِيحَ كَمَا ذُكِّرُوا
أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَيُؤْتُوا مَا
عَلَوْا نَفِيرًا ۚ عَسَىٰ
رَبُّكُمْ أَنْ يُغْنِيَكُمْ
عَنِ الْحُمُرِ ۚ وَلَئِنْ
عُدْتُمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا
جَهَنَّمَ

لِلْكَافِرِينَ حَبِيرًا (بنو اسرائیل ۸۱-۸۴)

ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب میں قطعی طور پر یہ بتا دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ۝ تو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندے مسلط کر دیئے سو وہ تمہاری تلاش کے لیے شہروں میں پھیل گئے اور یہ ایسا وعدہ تھا جو ضرور پورا ہوتا تھا ۝ پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دوبارہ لوٹا دیا اور مال اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی اور تمہاری تعداد بڑھا دی ۝ اگر تم نے ایک کام کیے تو تم نے اپنی جانوں کے ساتھ بھلائی کی اور اگر تم نے برے کام کیے تو اپنے ساتھ برائی کی پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے دوسرے ظالموں کو تم پر مسلط کر دیا تاکہ وہ تمہارے چہروں کو مٹھل کر دیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسا کہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے بتا دو ورنہ کر دیں ۝ عنقریب تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے پھر سرکشی کی تو ہم پھر غنہ اب دیں گے اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں لکھ دیا تھا کہ بنو اسرائیل دوبارہ شرارت کریں گے۔ اس کی سزا میں دشمن ان کے ملک پر غلبہ ہو جائیں گے۔ پہلے وعدہ سے مراد بخت نصر کا حملہ ہے جو ولادت مسیح سے ۵۸۸ سال قبل ہوا اور دوسرے وعدہ سے قیطس (بیلوس) رومی کا حملہ ہے جو ۷۰ء میں ہوا۔ ان دونوں حملوں میں یہودیوں پر مکمل تباہی آئی اور مقدس یکل کو برباد کر دیا گیا۔

چونکہ یہودیوں نے یہ گمان کیا تھا کہ انہوں نے رسولوں کی جو تکذیب کی ہے اور ان کو قتل کیا ہے ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ملے گی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کا رد کرنے کے لیے فرمایا کہ انہوں نے دوبارہ سرکشی کی اور ہر بار اللہ نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی جس سے تمام یہودی ویران اور برباد ہو گئے اور ہر سزا کے بعد انہوں نے توبہ کی اور توبہ کے بعد وہ پھر اللہ سے اور ہرے ہو گئے۔ سو اب اگر انہوں نے ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو قتل کرنے کی سعی کی تو یہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے اور ایسا ہی ہوا انہوں نے آپ کی تکذیب بھی کی اور دوبارہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ آپ کو اللہ نے ان کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کو قتل کیا گیا اور جلاوطن کیا گیا اور دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا

تھا اسے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے (المائدہ ۴۲)

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد

یہ آیت ان عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام اور بنی آدم کی والدہ کو خدا کہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیرا قرار دیتے تھے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بد اعمالیوں کا بیان فرمایا اور بنی آدم کے ثبوت کا ابطال کیا اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا رد شروع کیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو ان کا الوہیت کا عقیدہ تھا اس کو باطل کیا ہے اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے ان کا رد کیا ہے اور یہ ان کے خلاف حجت قاطعہ ہے۔

نصاریٰ میں سے ایک فرقہ یعقوبیہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تین اقانیم (اصول) سے مرکب ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ باپ اللہ ہے اور بیٹا مسیح ہے اور باپ (اللہ) بیٹے (مسیح) میں حلوں کر کے اسکے ساتھ متحد ہو گیا اور وہ روح القدس بن گیا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے اور ان کے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے علائکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جو کلمہ سب سے پہلے کہا وہ یہ تھا "میں اللہ کا بندہ ہوں"۔

قَالَ رَبِّي عَبْدُ اللَّهِ وَابْنُ الْكَتَابِ وَحَلَّيْتُ
نَبِيًّا ۝ وَحَلَّيْتُ مُبَارَكًا آتَمَ مَا كُنْتُ وَ
أَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝
(میریم ۳۱-۳۰) کا حکم دیا۔
مسیح نے کہا) بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا اور میں جہاں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ

اور اس آیت میں حضرت مسیح کا یہ قول نقل فرمایا ہے جو اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمِمَّنْ إِلَهُ

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ سوا ایک ممبر کے

إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ

کوئی ستم جہاد نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے

كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ

ان کو نہایت دردناک عذاب فرود پڑے گا ۝ وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ

طلب کرتے حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ۝ مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت

خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ

رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت چچی ہیں وہ دونوں کھانا کھاتے تھے،

أَنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَكُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَنِّي يُؤْفِكُونَ ﴿۴۵﴾ قُلْ

دیکھیے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے وہ کیسی اوندرمی باتیں کر رہے ہیں ○ آپ کہیے کیا

أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْبِيْلُكُمْ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ

تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو جو تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کے مالک نہیں ہیں اور اللہ ہی سب

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۴۶﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ

کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ○ آپ کہیے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور

الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَصْلُوا كَثِيرًا

ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت زیادہ لوگوں

وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۴۷﴾

گمراہ کیا اور وہ خود راہِ راست سے بھٹک چکے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ ہم میں سے تیرا ہے 'علانکہ سوائے

ایک معبود کے کوئی مستحق عبادت نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو

نجات و رستگاری کا عذاب ضرور پہنچے گا۔ (المائدہ: ۴۳)

متقدمین اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد

قدیم عیسائی یہ کہتے تھے کہ اللہ 'مریم اور یحییٰ تین خدا ہیں اور قرآن مجید نے انہی لوگوں کا رد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتُ

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے

لِلسَّائِسِ أَنْ تَخْذُوْنِي وَأُتِيَّ الْهَيْبِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا

قَالَ مُبْحَكًا مَا يَكُوْنُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَمْ يَكُنْ

لو وہ عرض کریں گے تو پاک ہے 'میرے لیے یہ جائز نہیں کہ

لِيُؤْتِيَنِي (المائدہ: ۱۷۲)

میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔

اور متاخرین عیسائی یہ کہتے ہیں کہ جو ہر واحد تین اقسام (مطبیعیات) ہیں۔ باپ، بیٹا اور روح القدس کو وہ یہ تینوں ایک خدا ہیں

جیسے سورج تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ قرص، شعاع اور حرارت۔ اور باپ سے ان کی مراد ہے ذات اور بیٹے سے مراد ہے کلمہ،

اور روح سے مراد ہے حیات۔ وہ کہتے ہیں کہ کلمہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت عیسیٰ کے جسم میں مغلط ہو گیا جیسے پانی شراب میں

مخلوط ہو جاتا ہے، یا پانی دودھ میں مخلوط ہو جاتا ہے، اور ان کا زعم ہے کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے اور روح خدا ہے۔
عیسائیوں کا یہ قول بدیہی بطلان ہے، کیونکہ تین ایک نہیں ہوتا اور ایک تین نہیں ہوتا، اور عیسائیوں کے اس قول سے زیادہ فاسد اور باطل قول دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں طلب کرتے، حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے (المائدہ ۷۳)۔

یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم ہے اور اس کا بے حد لطف اور احسان ہے کہ عیسائیوں کے اس کذب اور افتراء اور ان کے شرک کے باوجود ان کو توبہ اور استغفار کی دعوت دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت عجبی ہیں، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھئے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر دیکھئے وہ کیسی لودھی باتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ ۷۵)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر دلائل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان رسولوں کی جنس میں سے ایک رسول ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معجزات پیش کیے۔ اس طرح ان رسولوں نے بھی معجزات پیش کیے تھے، اگر حضرت عیسیٰ نے باور زاد اندھے کو دیکھ کر ان کی کوڑھیوں کو شفا دی اور مردوں کو زندہ کیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاشی کو زندہ کیا اور اس کو دوڑتا ہوا اور چاہا ہوا دیا، اور سمندر کو چیر کر اس میں بارہ راستے بنادے اور لاشی کو زمین پر مارا تو اس سے چشے اٹھنے لگے اور اگر حضرت عیسیٰ بغیر مرد کے پیدا ہوئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، جب وہ سرے انبیاء معجزہ دکھانے سے خدا نہیں ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزہ دکھانے سے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے، اس سے مقصود حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کے متعلق عیسائیوں کے اس دعویٰ کو باطل کرنا ہے کہ وہ دونوں خدا ہیں، اور اس کی حسب ذیل وجہ ہیں:

۱۔ ہر وہ شخص جس کی ماں ہو، وہ حادث ہوتا ہے، یعنی وہ پہلے موجود نہیں تھا، اس کے بعد موجود ہوا اور جس شخص کی یہ صفت ہو، وہ مخلوق ہے خالق نہیں۔

۲۔ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے اور جو شخص اپنی نشوونما اور بڑھاپے میں کھانے کا محتاج ہو، وہ مخلوق ہے خدا نہیں ہے۔

۳۔ اگر حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں خدا ہوتے تو وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے اور جب وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے تو کھانے کے بغیر بھوک کی تکلیف کو مٹانے پر قادر ہوتے اور جب وہ ایسا نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ وہ خدا نہیں ہیں۔

موجودہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا اجماع و نسب لکھا ہوا ہے۔

یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ: ابراہام سے اسحاق پیدا ہوا اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یسوع اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ (الی قولہ) اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا، یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوئے، جو مسیح کہلاتا ہے۔

پس سب ہشتون ابراہام سے داؤد تک چودہ ہشتون ہوئیں اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بائبل جانے تک چودہ ہشتون

اور گرفتار ہو کر بیل جانے سے لیکر سچ تک چودہ ہفتی ہو گئیں۔ (متی کی انجیل 'باب' آیت ۷۷، 'مطالعہ' ص ۵، مطبوعہ لاہور)
اب یسوع کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی معقنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حملہ پائی گئی، پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستہ باز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا: اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے پاس لے آنے سے نہ ڈر۔ کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اس کے بیٹا ہو گا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔

(متی کی انجیل 'باب' آیت ۲۲-۱۸، ص ۵، مطبوعہ لاہور)

غور کیجئے! جس شخص کا پورا شجر و نسب موجود ہے، مگر اپنی ماں مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا، پیدائش سے پہلے موجود نہیں تھا، وہ اپنی پیدائش سے پہلے موجود سارے جہان کا خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس کو خدا لئی اور استحقاقِ مہلت کب زیبا ہے؟ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھانے پینے کا ذکر کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر وہ خدا ہوتے تو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوتے۔ ان کے کھانے پینے کا ذکر موجودہ بائبل میں بھی ہے۔

وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بچ آکر آہوا اور ان سے کہا: تمہاری سلامتی ہو! مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں، اس نے ان سے کہا: تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں، مجھے چھو کر دیکھو، کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی، جیسا مجھ میں دیکھتے ہو! اور یہ کہ اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے! جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا: میں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے! انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا دیا! اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔ (لوقا کی انجیل 'باب' آیت ۲۴-۲۳، ص ۸، مطبوعہ لاہور)

انجیل کے اس اقتباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو یقین دلارہے ہیں کہ وہ گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسان ہیں، روح نہیں ہیں اور وہ کھاتے بھی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یقین دلایا ہے کہ وہ مادی انسان ہیں، روح نہیں اور مادہ سے مجرد نہیں ہیں تو پھر وہ خدا کیونکر ہو سکتے ہیں؟ نیز انجیل میں ہے اور جب مہج کو پھر شہر کو جا رہا تھا اسے بھوک لگی (متی کی انجیل 'باب' آیت ۲۱، ص ۱۳، مطبوعہ لاہور)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگتی تھی اور وہ کھانے پینے کے محتاج تھے اور جو کسی چیز کا بھی محتاج ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

موجودہ بائبل کے مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح انسان تھے، ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، ان کا جسم انسانوں کی طرح گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنا ہوا تھا۔ ان میں تمام انسانی صفات تھیں، انہیں بھوک لگتی تھی، وہ کھاتے پیتے بھی تھے، سوتے جاتے بھی تھے، انہیں درد سے تکلیف بھی ہوتی تھی، کیونکہ انجیل میں مذکور ہے اور تیسرے پیر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا: ایلہی ایلہی لہما شفیقننی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا (متی 'باب' آیت ۲۷، ص ۳۳) اب ایسے شخص کے متعلق کوئی صاحب عقل انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسا شخص خدا ہے، تمام جہان کا پیدا کرنے والا ہے، بائبل کے متعلق حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے چانسی پر لٹکادیا اور تین دن تک وہ مردہ رہے، اسکے بعد جی اٹھے، سوال یہ ہے کہ اگر مسیح خدا تھے تو جب وہ تین دن مردہ رہے، تو انکے بغیر یہ کائنات کیسے چلتی رہی؟ انجیل میں ہے:

یاد کرو جب وہ گلیل میں تھا تو اس نے تم سے کہا تھا ضرور ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور مصلوب ہو اور تیسرے دن جی اٹھے۔ (لوقا کی انجیل، باب ۲۴، آیت ۸-۷، ص ۸۰، مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ابن آدم فرمایا تھا نہ کہ ابن اللہ اسوان کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھنا اور ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنا ان پر افتراء اور بہتان ہے اور اس مضمون کی آیات خود سائنس اور من گھڑت ہیں جو بعد کے عیسائی مصنفین نے وضع کر کے اللہ کے اصل کلام میں ملا دی ہیں، یہ بات انہی طرح دہن نشین کرنی چاہیے کہ موجودہ انجیل میں کچھ عبارات تو وہ ہیں جو دراصل اللہ کا کلام ہیں۔ ہم نے سورۃ آل عمران کی ابتداء میں ان کی مثالیں دی ہیں اور قرآن مجید ان ہی کا صدق ہے اور دوسری عبارات وہ ہیں جو عیسائی مصنفین نے بہ طور خود لکھی ہیں۔

حضرت مریم کے نبیہ نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے اور ان کی ماں بہت چچی ہیں، ابن کو صدیقہ اس لیے فرمایا کہ وہ گناہوں سے بہت پاک تھیں اور اللہ کی عبادت کرنے کی بہت جدوجہد کرتی تھیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کی تصدیق کی۔

شیخ ابن حزم محرمات کی نبوت کے قائل ہیں۔ وہ حضرت سارہ، حضرت موسیٰ کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی ماں سیدہ مریم کو نبیہ مانتے ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں ان کی طرف وحی کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔ جنسور علماء اسلام کے نزدیک یہ وحی بہ معنی الہام ہے اور نبی صرف مرد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْهِ
إِلَيْهِمْ قُلُوبُ أَهْلِ الْقُرَى (یوسف ۱۱۰)

ہم نے آپ سے پہلے سوائے مردوں کے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا، جن کی طرف ہم بستیوں کے رہنے والوں سے وحی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے ہیں کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو جو تمہارے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (المائدہ ۷۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت گزاری سے ان کے خدا نہ ہونے پر استدلال

اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر ایک اور دلیل قائم کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذاتی طور پر کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ انہوں نے جو پرندے بنا کر اڑائے، جن مردوں کو زندہ کیا، جن کوڑھیوں کو شفا دی اور جن مار زلو اندھوں کو دیکھا، یہ سب کام انہوں نے اللہ کی دی ہوئی قدرت سے کیے۔ وہ اپنی ذاتی طاقت اور قدرت سے کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تھے۔ موجودہ بائبل میں بہت جگہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا سے دعا کرتے تھے، اگر وہ خود خدا تھے اور نفع اور نقصان پہنچانے کے مالک تھے تو ان کو خدا سے دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر ان باتوں کے کوئی آئندہ روز بعد ایسا ہوا کہ وہ پطرس اور یوحنا اور یعقوب کو ہمراہ لے کر پہاڑ پر دعا کرنے گیا، جب وہ دعا کر رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی اور اس کی پوشاک سفید براق ہو گئی۔

(لوقا کی انجیل، باب ۹، آیت ۲۸-۲۹، ص ۶۳، مطبوعہ لاہور)

اور ان دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا کرنے کو نکلا اور خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گزار دی۔

(لوقا کی انجیل، باب ۶، آیت ۱۲، ص ۵۸، مطبوعہ لاہور)

پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا، جب کہ چکا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا اے خداوند! جیسا یوحنا

نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا تو بھی ہمیں سکھانے میں اس نے ان سے کہا جب تم دعا کرو تو کہو اے باپ تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے ہماری روز کی روشنی ہمیں ہر روز دیا کرو اور ہمارے گناہ معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔ (لوقا کی انجیل، باب ۱۱، آیت ۲-۴، ص ۱۵۸، مطبوعہ لاہور)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساری ساری رات دعا کرتا، یہ کثرت دعا کرنا اور اپنے پیروؤں کو بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تعلیم دینا اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے نفع اور نقصان کے مالک نہیں تھے، اور نہ ان کے پیروکار ان کو ایسا جانتے تھے، اور نہ ان کو خدا سمجھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی عبادت کرتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی، اور اس سے کہا اگر تو مجھے جھک کر سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا اے شیطان بادور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (متی کی انجیل، باب ۳، آیت ۸-۹، ص ۷۷، مطبوعہ لاہور)

پس رسول یسوع مسیح کے متعلق لکھتے ہیں:

اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا کر اس سے دعائیں اور التجائیں کیں، جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا، اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی، اور بلوغت میں ہونے کے اس نے دکھ اٹھا اٹھا کر فرما بیرواری کی۔

(مہرانیوں کے نام پر رسول کا خط، باب ۵، آیت ۸-۷، ص ۲۱۳، مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ پوسل رسول کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت عبادت گزار، فرما بیروار اور رورو کر اللہ سے دعائیں کرنے والے تھے، اور جو تمام جہان کا خدا ہو، اور اپنی قدرت سے نفع اور نقصان کا مالک ہو، وہ کسی کی عبادت اور فرما بیرواری کرنے اور کسی سے رورو کر دعائیں کرنے سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

نیز پوسل رسول لکھتے ہیں:

ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی حمد ہو، جو رحمتوں کا باپ اور ہر طرح کی تسلی کا خدا ہے۔

(کو تھنوں کے نام پر رسول کا دوسرا خط، باب ۱، آیت ۳، ص ۱۶۸، مطبوعہ لاہور)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ پوسل رسول کے نزدیک یسوع مسیح خدا نہ تھے، بلکہ یسوع مسیح خود خدا کو ماننے والے تھے۔ اسی کی وہ عبادت کرتے تھے، اسی کی فرما بیرواری کرتے تھے اور اسی سے رورو کر دعائیں کرتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کا پوسل رسول کا اور ہم سب کا خدا ہے۔ اس کو باپ کہنا اور حضرت عیسیٰ کو ان کا بیٹا اور خداوند کہنا، یہ سب عیسائی علماء کی بعد کی تحریفات ہیں۔ باپ ہونا اور بیٹا رکھنا مخلوق کی صفات ہیں، اللہ عز و جل اس سے بلند و برتر ہے، اس کی صفات وہی ہیں جو صرف اس کے شایان شان ہیں اور مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہیں، جیسے وہ عبادت کا مستحق ہے، اس کا کوئی شریک اور شیل نہیں، وہ واجب الوجود اور قدیم بلاذات ہے۔ اس کی ہر صفت مستقل اور غیر بے مستثنیٰ ہے، اور وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہنا اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں، اور انہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کیا، اور وہ خود راہ راست سے بھٹک چکے ہیں۔ (المائدہ ۷۷)

غلو حق اور غلو باطل کی تعریفیں

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد کیا، پھر نصاریٰ کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد فرمایا۔

اب دونوں فریقوں کو خطاب کر کے فرما رہا ہے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو غلو دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک حق اور ایک باطل۔ غلو حق یہ ہے کہ کسی صحیح اور حق چیز کے بیان میں مبالغہ کیا جائے جس سے اس کو سوکھ کرنا مقصود ہو۔ اور غلو باطل یہ ہے کہ کسی چیز کی تعریف میں زیادتی کی جائے یا کسی چیز کی تعظیم میں زیادتی کی جائے۔ یسوع نے انبیاء علیہم السلام کی شان میں کی 'حق' کہ ان کی طرف زنا کو منسوب کیا، ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا اور عیسائیوں نے انبیاء کی تعظیم میں غلو کیا، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: یہ خود بھی گمراہ ہیں اور انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس آیت میں اس زمانہ کے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم اپنے اہل اور رہبان کی پیروی نہ کرو وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور تم کو بھی گمراہ کر دیں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یسوع سے یہ فرمایا ہو کہ تم عزیر کی تعظیم میں غلو نہ کرو کہ ان کو خدا یا پڑاؤ اور عیسائیوں سے فرمایا تم عیسیٰ کی تعظیم میں غلو نہ کرو کہ ان کو خدا یا پڑاؤ۔

لَعْنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی

عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۵﴾

میں گمراہی کیوں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ○

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۶﴾

وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا وہ کب برا کام تھا جو وہ کرتے تھے ○

تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، وہ کبھی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنی

لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خِلْدُونَ ﴿۷﴾

آغزت کے لیے بھی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے ○

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ مَا اتَّخَذُوا

اللہ اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اللہ اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست

أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸﴾ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ

دہناتے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں ○ آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ ہے

عَدَاوَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ

زیادہ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں ۔ اور آپ بن لوگوں کو

أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةَ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَلِكَ

مسماؤں کا سب سے قریب دوست پائیں گے ، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم صیانی ہیں ، کیوں کہ ان

بِأَنَّ مِنْهُمْ قَتِيلِينَ وَرَهْبَانًا أَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۲﴾

میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی

کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے (المائدہ ۷۸)

تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: بنو اسرائیل پر ہر زبان میں لعنت کی گئی۔ حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے عہد میں ان پر تورات میں لعنت کی گئی، حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ان پر زبور میں لعنت کی گئی اور سیدنا

محمد ﷺ کے عہد میں ان پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی۔ (جامع البیان ۶: ۶۷، ص ۳۲۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے کوئی شخص جب

اپنے کسی بھائی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو سختی سے منع کرتا، اور دوسرے دن جب اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع

نہ کرتا اور اس کے ساتھ مل جل کر رہتا اور کھاتا پیتا، جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دل ایک دوسرے

کی طرح کر دیئے اور ان کے نبی حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانوں سے ان پر لعنت کی۔ پھر آپ نے فرمایا اس ذات

کی قسم جس کے بعد قدرت میں میری جان ہے اتم ضرور نیک کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور ضرور برائی کرنے

والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق پر عمل کرنے کے لیے مجبور کر دینا، ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کی طرح کر

دے گا اور تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی ہے۔

(جامع البیان ۶: ۶۷، ص ۳۲۸-۳۲۹، مسند ابویعلیٰ ۸: ۸، رقم الحدیث ۵۰۳۵، مسند احمد ۱: ۱، ص ۳۹، طبع قدیم)

المائدہ ۵: ۸۲ کی تفسیر میں ہم نے اس حدیث کی زیادہ تخریج کی ہے اور اس کو سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور

المعجم الاوسط کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

ابن زید اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر انجیل اور زبور میں لعنت کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا ایمان کی نیکی محکم رہی ہے۔ جس طرف قرآن پھرے، تم اس طرف پھر جاؤ۔ جن چیزوں کو فرض کرنا تھا اللہ تعالیٰ ان سے

قانع ہو چکا ہے۔ بے شک بنو اسرائیل میں سے ایک گروہ نیک لوگوں کا تھا، وہ نیک کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے، ان

کی قوم نے ان کو پکڑ کر آروں سے چیر دیا اور ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ باقی بچے جن کو بدشاہوں کے پاس جانے

نور ان کی مجالس میں بیٹھے بغیر قرار نہیں آیا پھر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے بغیر ان کو چین نہیں آیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ (جامع البیان '۶۲' ص ۳۲۹)

حافظ عبد اللہ بن یوسف زہلی متوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن الحارث سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ولیمہ میں بلایا۔ جب وہ گئے تو وہاں لھو (گائے بجانے) کو سنا تو حضرت ابن مسعود واپس آگئے۔ اس نے پوچھا آپ کیوں واپس آئے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا وہ بنی اسرائیل سے ہو گا اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہوا وہ اس عمل کے مرتکبین میں شریک ہو گا۔ اور امام ابن السہارک نے کتاب الزہد والرقائق میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا۔ انہوں نے وہاں (گائے بجانے کی) آواز سنی تو واپس آگئے بنی اسرائیل سے پوچھا گیا آپ کیوں نہیں گئے؟ تو فرمایا میں نے آواز سنی اور جس شخص نے کسی جماعت میں اضافہ کیا اس کا شمار بنی اسرائیل میں ہو گا اور جو کسی عمل سے راضی ہوا وہ اس عمل میں شریک ہو گا۔

(نصب الراية 'ج ۳' ص ۳۳۱-۳۳۲ اختلاف المسئلة المستقین 'ج ۶' ص ۷۸ مسند القردوس للذہبی 'ج ۲' رقم الحدیث ۵۳۱۱ المطالب العلیہ للعسقلانی 'ج ۲' رقم الحدیث ۳۱۰۵)

حافظ زہلی، حافظ عسقلانی اور علامہ زبیدی نے یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ کے حوالے سے بیان کی ہے، لیکن مجھے یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ کے مطلوبہ نسخوں میں نہیں ملی اور نہ ہی مجھے حضرت ابو ذر کی روایت امام ابن السہارک کی کتاب الزہد میں ملی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا وہ کیسا برا کام تھا جو وہ کرتے تھے (المائدہ: ۷۹)

بنو اسرائیل حرام کام اور گناہ کرنے والوں کو منع نہیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتا ہے کہ ان گناہوں سے نہ روکنا حرام کاموں کو کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا بہت برا کام تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی سے نہ روکنے کی تبلیغ میں وہ سب شریک تھے۔ نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مجرموں کے ساتھ ملنا جلنا اور سوشل اور سماجی روابط رکھنا بھی مجاز اور حرام ہے اور ان سے ترک تعلق کرنا واجب ہے۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں نور اس سے پہلے المائدہ: ۳۳ کی تفسیر میں جن احادیث اور آثار کا ذکر کیا ہے ان کا بھی یہی تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں وہ کیسی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنی آخرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہو اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے (المائدہ: ۸۰)

اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے یا یہ خطاب عام ہے اور ہر مخاطب مراد ہے اور ان میں سے اس سے مراد اہل کتاب ہیں یا بنو اسرائیل اور فرمایا ہے آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے اس سے مراد کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت مکہ گئی تھی تاکہ ان مشرکین مکہ کے ساتھ اشتراک کر کے نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں لیکن بات نہیں بنی۔ انہوں نے جو کام کیے ہیں یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کا موجب ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور اللہ کی مداخلت کے متعلق یہ حدیث نقل کی ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو! تم زنا سے بچ رہنا کیونکہ زنا پر چھ چیزیں حرام ہوتی ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں دنیا میں اس فعل سے رونق چلی جاتی ہے۔ تنگ دستی اور مفلسی آتی ہے اور عمر کم ہوتی ہے اور آخرت میں اس فعل کی وجہ سے رب تعالیٰ ملامت ہوتا ہے اور حساب سخت ہوتا ہے اور دوزخ میں دائمی عذاب ہوتا ہے (دوام سے مراد لمبا عرصہ ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا۔ امام ابن مردودہ نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن اس کی ہر سند ضعیف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲)

میں کہتا ہوں کہ تعدد اسناد کی وجہ سے یہ حدیث حسن فیروہ ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اور اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ منافقین ہیں۔ (المائدہ: ۸۱)
اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

- ۱۔ اگر یہ یہودی اللہ پر صحیح ایمان لاتے اور حضرت موسیٰ پر اور تورات پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے
 - ۲۔ اگر یہ یہودی اللہ پر کامل ایمان لاتے اور سیدنا محمد ﷺ پر اور قرآن مجید پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے
- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ جن لوگوں کو سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں اور آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کا سب سے قریب دوست پائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں کیونکہ ان میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ (المائدہ: ۸۲)
- نجاشی کا اسلام لانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبش بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے نبی ﷺ کے پاس ایک وفد بھیجا نبی ﷺ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا وہ مسلمان ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر وہ وفد نجاشی کے پاس گیا اور اس کو خبر دی تو نجاشی بھی مسلمان ہو گیا اور وہ تمام مرگ مسلمان رہا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو پھر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اس پر نماز پڑھی اور نجاشی (کا جنازہ) اس وقت حبشہ میں تھا۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں کا حبشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ کا ان کو واپس بلانے کی سعی کرنا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (رسول اللہ ﷺ کی زوجہ) بیان کرتی ہیں کہ جب ہم حبشہ میں پہنچے تو ہمیں نجاشی نے وہاں پناہ دی ہم نے اپنے دین کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ہم کو نہ کوئی ایذا دی جاتی تھی نہ ہم کوئی ناگوار بات سنتے تھے۔ جب یہ خبر قریش کو پہنچی تو انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہمارے متعلق نجاشی کے پاس دو قوی آدمی بھیجے جائیں اور مکہ کی عمدہ چیزوں میں سے نجاشی کے لیے دیے بھیجے جائیں۔ ان لوگوں کو جزا پسند تھا تو انہوں نے بہت سے چمڑے جمع کر لیے ان کے سرداروں میں سے ہر شخص کو انہوں نے چمڑے اور تحفے دینے کا فیصلہ کیا پھر انہوں نے عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو یہ دیے

دے کر روانہ کیا اور ان سے کہا مسلمانوں کے متعلق نجاشی سے بات کرنے سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیے دے دیئے جائیں۔ وہ جیش پہنچ گئے اور نجاشی کے ساتھ ملاقات سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیے دیئے اور ہر سردار سے یہ کہا تمہارے بادشاہ کے ملک میں ہمارے چند بلوچ لڑکوں نے آکر پناہ لی ہے، وہ اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور تمہارے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ تم جانتے ہو، اور ہماری قوم نے اپنے معزز لوگوں کو بھیجا ہے تاکہ وہ ان کو واپس لے جائیں۔ سو جب ہم بادشاہ سے اس معاملہ میں بات کریں تو تم بادشاہ کو یہ مشورہ دینا کہ وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں اور بادشاہ ان سے بات نہ کرے۔

کیونکہ ہماری قوم ان کے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ سرداروں نے کہا اچھا پھر انہوں نے نجاشی کو ہدیے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کر لیا۔ پھر انہوں نے کہا اے بادشاہ آپ کے ملک میں ہمارے کچھ بلوچ لوگ آگئے ہیں جو اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ آپ اور ہم کو آپ کی طرف ان کی قوم کے معزز لوگوں نے بھیجا ہے جو ان کے آباء و اجداد اور رشتہ دار ہیں تاکہ آپ انہیں واپس بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو اس سے زیادہ اور کوئی بات پسند نہیں تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سنے اس کے سرداروں نے کہا ان دو آدمیوں نے سچ کہا ہے۔ ان لوگوں کے کرتوتوں کو ان کی قوم ہی بہتر طور سے جانتی ہے سو آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیجئے تاکہ یہ ان کو ان کی قوم کے پاس واپس لے جائیں۔

حضرت ام سلمہ نے فرمایا یہ سن کر نجاشی غضبناک ہوا اس نے کہا نہیں باخدا کی قسم میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جن لوگوں نے میری پناہ لی ہے اور میرے ملک میں آئے ہیں اور جنہوں نے دوسروں کی بجائے مجھے اختیار کیا ہے جب تک میں ان سے سوالات کر کے تحقیق نہ کروں ان کو تم لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ اگر وہ ایسے ہی نکلے جیسا تم نے کہا ہے تو میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گا اور اگر ایسا نہ ہو تو میں ان کی حفاظت کروں گا اور جب تک یہ میری پناہ میں رہیں گے ان سے حسن سلوک کروں گا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو بلایا۔ جب مسلمان آگئے تو نجاشی نے اپنے علماء کو بھی بلایا اور وہ اس کے گرد اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئے۔

حضرت جعفر کا نجاشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرانا

پھر نجاشی نے مسلمانوں سے سوال کیا وہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور تم اس کی وجہ سے نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ان ادیان میں سے اور کسی دین میں داخل ہوئے؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا جس شخص نے ان کو جواب دیا وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ ہم جاہلوں کی قوم تھے بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، پڑوسیوں سے بد سلوکی کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، ہم اسی محل پر تھے کہ اللہ نے ہم میں سے ہی ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا۔ جن کے نسب ان کے صدق، ان کی امانت داری اور ان کی پاکیزگی کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔

انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی تاکہ ہم اس کو دادہ مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس سے پہلے ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے، اس کو چھوڑ دیں اور انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتوں کو ملانے، پڑوسیوں سے نیک سلوک کرنے، حرام کاموں اور خون ریزیوں سے باز رہنے کا حکم دیا اور بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں کو تمسک لگانے سے منع کیا اور ہم کو حکم دیا کہ ہم فقط اللہ کی عبادت

کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم کو نماز پڑھنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا انہوں نے اسلام کے تمام احکام گنوائے۔ سو ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور ہم اس پر ایمان لے آئے اور وہ اللہ کے پاس سے جو احکام لائے تھے ہم نے ان پر عمل کیا اور فقط اللہ وعدہ کی عہدت کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا اور جن چیزوں کو انہوں نے ہم پر حرام کیا تھا ان کو ہم نے حرام قرار دیا اور جن چیزوں کو انہوں نے ہمارے لیے حلال کیا تھا ان کو ہم نے حلال رکھا۔ اس بناء پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی۔

انہوں نے ہم کو عذاب میں مبتلا کیا اور ہم کو ہمارے دین سے چھڑانے کے لیے آزمائشوں میں مبتلا کیا تاکہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی عہدت سے چھڑا کر جنوں کی عہدت کی طرف لے آئیں اور پھر ان ہی بد کاریوں کو حلال کرنے لگیں جن کو ہم پہلے حلال سمجھ کر کرتے تھے۔ سو جب انہوں نے ہم پر قرار و ظلم کیا اور ہم پر ہماری معیشت کو تنگ کر دیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان مائل ہو گئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم نے دوسروں کی بجائے آپ کو پسند کر لیا اور آپ کی پناہ میں رغبت کی اور ہم نے یہ امید رکھی کہ اے بلا شدا آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر نباشی نے کہا کیا تم کو اللہ کے کلام کی کچھ آیتیں یاد ہیں؟ حضرت جعفر نے کہا ہاں نباشی نے کہا مجھے سناؤ۔ تو حضرت جعفر نے سورہ مہم کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ حضرت ام سلمہ نے کہا اے اکی قسم وہ آیتیں سن کر نباشی رونے لگا اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور اس کے علماء بھی رونے لگے اور ان کے مصاحف ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ پھر ان سے نباشی نے کہا بے شک یہ دین اور جس دین کو عیسٰی نے لے کر آئے تھے یہ دونوں دین ایک ہی مطلق سے نکلے ہیں پھر ان دونوں مشرکوں سے کہا جلاؤ تم واپس جاؤ! بخدا میں ان مسلمانوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔ کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا

حضرت ام سلمہ نے فرمایا جب وہ دونوں نباشی کے دربار سے نکل گئے تو عمرو بن العاص نے کہا بخدا میں کل پھر اس کے پاس جاؤں گا اور اس کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا جس سے ان کی جرأت جائے گی۔ عبد اللہ بن ربیعہ نے کہا ایسا نہ کرو اگرچہ یہ ہمارے مخالف ہیں لیکن ہماری ان کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں اس نے کہا میں نباشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسٰی اللہ کے بندے ہیں پھر اگلے دن وہ گیا اور نباشی سے کہا اے بلا شدا یہ عیسٰی ابن مریم کے متعلق بہت سخت بات کہتے ہیں۔ آپ ان کو بلا کر ان سے پوچھئے کہ یہ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر بلا شدا نے ہم کو بلوایا اور اس جیسی آزمائش ہم پر پہلے نہیں آئی تھی جب سب لوگ جمع ہو گئے تو بلا شدا نے پوچھا تم لوگ عیسٰی بن مریم کے متعلق کیا کہتے ہو؟ جب ان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کہتے ہیں۔ وہ اللہ کے بندے اس کے رسول اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہے جو اس نے کنواری پاک دامن مریم کی طرف القا کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر نباشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھایا۔ پھر کہا بخدا اتم نے جو کچھ بیان کیا ہے عیسٰی بن مریم اس سے ایک تنکے سے بھی زیادہ نہیں ہیں۔ جب نباشی نے عیسٰی بن مریم کے متعلق یہ کہا تو اس کے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں نے غصہ سے پھٹکارنا شروع کر دیا۔ نباشی نے کہا ہر چند کہ تم غصہ سے پھٹکار رہے ہو (اور مسلمانوں سے کہا) تم میری سر زمین میں مامون ہو جو شخص تم کو گالی دے گا اس پر جرم ملے گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور میں اس کے بدلہ میں تم میں سے کسی شخص کو ایذا پہنچاؤں۔ ان لوگوں کے ہدیے اور تحفے ان کو واپس کر دو۔ ہم کو ان کی ضرورت

نہیں ہے، بخدا جب اللہ نے مجھے میرا ملک واپس کیا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں ان سے کیسے رشوت لوں گا؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا تو وہ دونوں (عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ) نجاشی کے پاس سے ٹاکام اور نامراد ہو کر ہوئے اور ہم نجاشی کے ملک میں اچھے گھر اور اچھے پڑوسی کی حیثیت سے رہے۔ اسی اثنا میں نجاشی کے ملک پر کسی نے حملہ کیا، ہم نے اس کے غلبہ کے لیے اللہ سے دعا کی، حتیٰ کہ وہ کامیاب ہو گیا اور ہم اس کے ملک میں اچھی طرح رہے۔ حتیٰ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ واپس آ گئے۔ (علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۳۰، طبع دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۳۰، طبع دار الفکر، بیروت، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۰۳-۲۰۱، طبع قدیم، المسندۃ التبیان، ج ۱، ص ۲۷۳-۲۷۲، الرد فی اللائف، ج ۱، ص ۲۱۳-۲۱۰، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۷-۲۸، البدایہ النہایہ، ج ۳، ص ۷۵-۷۶)

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ

اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہنچنے کی وجہ سے آپ ان کی

مِنَ الدَّامِعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں حق

مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ

کی گواہی دینے والوں کے ساتھ نہ لے؟ اور ہمیں کیا برا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا

الْحَقِّ لَا نَظْمُهُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ۝

ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرے؟

فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَذَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

سو اللہ نے ان کے اس قول کے سلسلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

بیشک وہیں رہیں گے، اور یہی نیک کرنے والوں کی جزا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے

بیان القرآن جلد سوم

آپ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہمیں (حق کی) گواہی دیتے والوں کے ساتھ لکھ لے۔ (المائدہ: ۸۳)

شان نزول

امام ابن جریر طبری حنفی رحمہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
امام عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب نبی ﷺ کے اصحاب نجاشی کے پاس پہنچے اور انہوں نے قرآن کریم پڑھا اور ان کے علماء اور راہبوں نے قرآن مجید سنا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور سعید بن جبیر نے کہا کہ نجاشی نے اپنے ہمیں بہترین اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے۔ آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے انہوں نے کہا یہ خدا ہم اس کو پہچانتے ہیں اور وہ مسلمان ہو گئے اور نجاشی کو جا کر خبر دی تو وہ بھی مسلمان ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

”ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔“ اس کی تفسیر میں چار قول ہیں:

- ۱۔ علی بن ابی طلحہ نے کہا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی امت ہے۔
 - ۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب ہیں۔
 - ۳۔ حسن بصری نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔
 - ۴۔ زجاج نے کہا اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور مومنین ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۴۰۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)
- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرے۔ (المائدہ: ۸۳)
- نیک لوگوں کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ (۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں۔ (۲) ابن زید نے کہا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ (۳) مقاتل نے کہا اس سے مراد مہاجرین اولین ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۴۱۰ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوائے ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور یہی نیک کرنے والوں کی جزا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو تھکایا وہ دوزخی ہیں۔ (المائدہ: ۸۴-۸۵)

جن عیسائیوں نے دین حق کو پہچان لیا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے صلے میں جنتیں عطا فرمائیں اور جن عیسائیوں اور یہود اور مشرکین نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود کبر اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدانیت اور اس کے انبیاء کے صدق کا انکار کیا اللہ تعالیٰ ان کو اپنے بدل کے تقاضے سے دوزخ میں ڈال دے۔ مگر اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ ثواب اللہ کا فضل ہے اور عذاب اللہ کا بدل ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا حَبِيبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا

اسے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور

تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

موسے نے فرمایا، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۵ اور اللہ کے دیے ہوئے حلال پاکیزہ رزق

حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ لَا

کے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو ۵ اللہ

يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا

تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت

عَقَدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ

فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیان قسم کا کھانا کھانا ہے

أَوْ سِطْرًا مِمَّا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ

جیسا تم اپنے گمراہوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے،

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا

جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور

حَلَفْتُمْ ۖ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

توضیح) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۹﴾

تاکہ تم شکر ادا کرو ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا

ہے اور حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! جن حلال چیزوں کی طرف تمہارا دل مائل ہوتا ہے ان کی لذت حاصل کرنے سے

اپنے آپ کو منع نہ کرو، جس طرح عیسائیوں کے علماء اور راہبوں نے کھانے پینے کی عمدہ اور لذیذ چیزوں کو اور عورتوں کو اپنے

اوپر حرام کر لیا اور بعض نے اپنے آپ کو گرجوں میں مقید کر لیا اور بعض سیاحت کرنے لگے سو اے مسلمانو! تم ان کی طرح حد

سے نہ بڑھنا۔

اس مضمون کی قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ
مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ رَايَاءُ
تَعْبُدُونَ (البقرہ: ۱۷۲)

اے ایمان والو! ان حلال چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی
ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم اسی کی عبادت کرتے
ہو۔

قُلْ مَن حَرَّمَ زِينَةَ الثَّوَالِغِ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَ
الطَّيِّبَاتِ مِنَ الثَّرْوِ (الاعراف: ۳۲)

آپ کہئے کہ اللہ کی اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو
اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور حلال چیزوں کو
(کس نے حرام کیا ہے؟)

عبادات اور معاملات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَ
كَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا (المعرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے
ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی
سے ہوتا ہے۔

وَأَبِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْيَتَامَىٰ وَالْأَسْفَلَ
وَالْأَسْفَلَ وَلَا تَنسُوا نَصِيبَهُمْ (سورائیل: ۳۶)

اور (اے طالب!) رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور
مسکینوں اور مسافروں کو اور بے جا خرچ نہ کرو۔
اور اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو
پوری طرح کھول دے کہ جینا رہے ملامت زدہ، تھکا ہوا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ازواج کے مجروروں میں تین شخص آئے۔ (ان میں حضرت علی
بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بھی تھے۔ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۵۰۳۳) اور انہوں نے نبی ﷺ کی عیلت
کے متعلق سوال کیا۔ جب انہیں آپ کی عیلت کے معمول کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس عیلت کو کم سمجھا اور کہا کہ کیا
ہم اور کہیں نبی ﷺ؟ آپ کے تو ہر اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) زین کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ (مغفرت سے مراد آپ کے درجہ کی
کی بلندی ہے) تو ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور
کبھی افطار نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا تو رسول اللہ ﷺ
تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح کہا ہے۔ سنو! یہ خدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے
ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھانا پیتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی
ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۶۳، مصنف عبد الرزاق ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۳۳)

حضرت ابو یوسف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو آپس میں
بھائی بنایا۔ ایک دن حضرت سلمان، حضرت ابوالدرداء سے ملنے گئے تو انہوں نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو پیٹنے پر انے

کھڑے پئے دیکھا انہوں نے کیا یہ آپ نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا آپ کے بھائی ابو الدرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جب حضرت ابو الدرداء آئے تو انہوں نے ان کے لیے کھانا تیار کیا، حضرت سلمان نے کہا آپ بھی کھائیے۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان نے کہا جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ پھر حضرت ابو الدرداء نے کھانا کھایا، جب رات ہوئی تو حضرت ابو الدرداء نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت سلمان نے کہا سو جائیں، وہ سو گئے، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے پھر کھانا سو جائیں، جب رات کا آخری حصہ رہ گیا تو حضرت سلمان نے کہا اب کھڑے ہوں۔ پھر دونوں نے نماز (تہجد) پڑھی، پھر حضرت سلمان نے کہا آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے اور آپ کے الہ (بیوی) کا آپ پر حق ہے، ہر حق کو اس کا حق ادا کریں۔ حضرت ابو الدرداء نئی چھبیر کے پاس گئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۶۱۸، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۴۲۱، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۱۷۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس جوڑہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے چند نفوس نے نبی ﷺ کی ازواج سے غلو ت میں آپ کی جلالت کے متعلق سوال کیا۔ پھر بعض اصحاب نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور بعض نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ بعض نے کہا میں بستر نہیں سوؤں گا۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا فلاں فلاں لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو اس اس طرح کہتے ہیں، لیکن میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے (بطور پھنسیدگی) اعراض کیا، وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح مسلم، نکاح، ۵، (۱۳۰۱) ۳۳۳۳، سنن الترمذی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۲۱۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص جوڑہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون جوڑہ کو نکاح نہ کرنے کی اجازت نہیں دی، اگر آپ ان کو اجازت دیتے تو ہم غصی ہو جاتے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۷۷۷، صحیح مسلم، نکاح، ۶، (۱۳۰۲) ۳۳۴۳، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۸۳، سنن الترمذی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۲۱۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳۸، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۷۵، طبع قدیم، مصنف عبدالرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ خولہ بنت حکیم جو حضرت عثمان بن مظعون کے نکاح میں تھیں، وہ میرے پاس آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت اہتر حال میں دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا اے عائشہ! خولہ کس قدر اہتر حال میں ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ! جس عورت کا خلوند دن کو روزہ رکھتا ہو اور ساری رات نماز پڑھتا ہو، وہ اس عورت کی طرح ہے جس کا کوئی خلوند نہ ہو۔ سو اس نے اپنے آپ کو ضائع کرنے کے لیے چھوڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو بلوایا۔ جب حضرت عثمان بن مظعون آئے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تم میری سنت سے اعراض کرنے والے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں، ابہ خدا یا رسول اللہ! لیکن میں آپ کی ملت کو طلب کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں

سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھانا پیتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ اے عثمان! اللہ سے ڈرو، کیونکہ تمہارے اہل (بیوی) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ سو تم روزہ رکھو اور کھلاؤ پیو بھی اور نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔

(علامہ احمد شاکر متونی ۷/۳۷۷ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، سند احمد ج ۱۸ رقم الحدیث: ۳۷۸۶، طبع دار الحدیث قاہرہ، سند احمد ج ۱۰ رقم الحدیث: ۳۳۶۸، طبع دار الفکر، سند احمد ج ۶ ص ۲۷۸، طبع قدیم سنن ابوداؤد ج ۱ رقم الحدیث: ۳۶۹۹، سنن دارمی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۲۹۹، مصنف عبدالرزاق ج ۶ رقم الحدیث: ۴۳۷۵، صحیح ابن حبان ج ۱ رقم الحدیث: ۹، موارد الطحاوی ج ۱ رقم الحدیث: ۳۸۸۸، سند البیاض ج ۲ رقم الحدیث: ۳۵۷-۳۵۸، اس کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۹، طبع قدیم المعجم الکبیر ج ۹ رقم الحدیث: ۸۳۲۹، سند ابویعلیٰ ج ۳ رقم الحدیث: ۷۲۳۲)

سند ابویعلیٰ میں یہ روایت اس طرح ہے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے ملے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تمہارے لیے میری سیرت میں نمونہ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے مل باپ خدا ہوں اس ارشاد کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو، حالانکہ تمہارے اہل (زوجہ) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تم نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی اور روزہ بھی رکھو اور کھلاؤ پیو بھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ان کی بیوی نیا سہیچہ کی ازدواج مطہرات کے پاس اس طرح خوشبو میں بسی ہوئی آئیں کہ وہ دہن ہوں، ازدواج نے ان سے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ویسا ہی ہوا جس طرح وہ عورتیں ہوتی ہیں جن کی طرف ان کے خلوند رغبت کرتے ہیں۔

نور مصنف عبدالرزاق، سنن دارمی، صحیح ابن حبان اور المعجم الکبیر میں یہ روایت اس طرح ہے:

نیا سہیچہ حضرت عثمان بن مظعون سے ملے اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی، کیا تمہارے لیے میری سیرت میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کی حدود کی حفاظت کرنے والا ہوں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متونی ۱۰/۳۱۰ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نیا سہیچہ کے بعض صحابہ نے یہ ارادہ کیا کہ دنیا کو ترک کر دیں اور عورتوں کو چھوڑ دیں اور راہب ہو جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ناراض ہو کر فرمایا تم سے پہلے لوگ صرف (دین میں) سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سختی کی، ان کے بچے کھجے لوگ مندرہوں اور گرجوں میں ہیں۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، حج کرو اور عمرہ کرو، تم سیدھے رہو تو تمہارے لیے استقامت ہوگی اور ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔

فقہاء بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اچھے کپڑے اتار دیں، عورتوں کو چھوڑ دیں اور زاہد بن جائیں، ان میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما تھے۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۱۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متونی ۷/۳۷۷ روایت کرتے ہیں:

مجھ بلبلہ اپنے والد یا چچا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، پھر وہیں چلے آئے۔ پھر ایک سال کے بعد دوبارہ آپ سے ملنے گئے، اس وقت ان کا جسم کمزوری کی وجہ سے بہت متغیر ہو چکا تھا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: فلاں بلبلہ ہوں جو ایک سال پہلے آپ سے ملنے آیا تھا۔ آپ نے پوچھا: تم کس وجہ سے اس قدر بدل گئے تم تو بہت خوبصورت تھے؟ انہوں نے کہا: میں جب سے آپ کے پاس سے گیا ہوں، میں نے کبھی دن کو کھانا نہیں کھایا، صرف رات کو کھانا کھایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے اپنے نفس کو کیوں عذاب میں ڈالا؟ پھر آپ نے فرمایا: رمضان کے روزے رکھا کرو اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا: زیادہ کریں مجھ میں اس کی طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا: ہر ماہ دو روزے رکھ لو، انہوں نے پھر کہا: زیادہ کریں، آپ نے فرمایا: ہر ماہ تین روزے رکھ لو۔ انہوں نے پھر کہا: زیادہ کریں۔ فرمایا: حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو۔ پھر چھوڑ دو، حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو، پھر چھوڑ دو۔ آپ نے تین انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا، پھر چھوڑ دیا۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم کے مہینہ میں تین مسلسل روزے رکھو، پھر تین دن چھوڑ دو، اور اس طرح تین بار کرو، یعنی صرف حرم کے مہینہ میں نو نقلی روزے رکھنے کی اجازت دی۔) (حرم کے مہینہ سے مراد ایام حج کے مہینے ہیں۔)

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث ۲۳۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس نبی ﷺ تشریف لائے، اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا: یہ فلاں عورت ہے، اس کی نمازوں کا بڑا چرچا ہے۔ آپ نے فرمایا: چھوڑو، اتنا عمل کرو جو بیش کر سکو، بخیر اللہ اس وقت تک نہیں اتنا تا جب تک تم نہ اکتاؤ، اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر بندہ شکی کرے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث ۲۳، صحیح مسلم، مسافرن، ۲/۱، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۱، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۰۵۰، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۲۹، مطبوعہ دار الفکر، مسند احمد، ج ۶، ص ۵، مطبوعہ قدیم، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۳۶۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا: یہ رسی کیسی ہے؟ تو بتایا: یہ زینب کی رسی ہے جب وہ (نماز میں) تھک جاتی ہیں تو اس رسی کے سہارے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں! اس کو کھول دو، تم میں سے کوئی شخص جب تک خوشی سے نماز پڑھ سکتا ہے، پڑھے اور جب تھک جائے، تو بیٹھ جائے۔ (صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۵۰، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۱۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اچانک ایک شخص کو (دھوپ میں) کھڑے ہوئے دیکھا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ صحابہ نے کہا: یہ یہو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانگ ہے کہ یہ کھڑا رہے گا، بیٹھے گا نہیں، نہ سایہ میں آئے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اس سے کہو کہ بات کرے، سایہ میں آئے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۴۳، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۰۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۶، موطا امام

مالک: رقم الحديث: ۱۳۹، مسند احمد: ج ۲، ص ۲۸، طبع قدیم

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر لائی تھی کہ وہ پیدل چل کر بیت اللہ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سوچا کہ میں نئی بچھڑ سے اس کے حلقہ فحشی معلوم کروں، میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ حج کو جائے اور سوار ہو۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے نئی بچھڑ نے فرمایا اللہ اس کے پیدل چلنے سے مستغنی ہے اس سے کو سوار ہو۔

(مجمع البحاری: ج ۲، رقم الحديث: ۸۷۱، مجمع مسلم: نذر ۱، ۱۷۳۲) سنن ترمذی: ج ۲، رقم الحديث: ۱۵۳۱، سنن ابو داؤد: ج ۲، رقم الحديث: ۳۲۹۹، سنن النسائی: ج ۷، رقم الحديث: ۱۳۸۳

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نئی بچھڑ نے دیکھا ایک بوڑھا شخص جو چل نہیں سکتا تھا اسے اس کے دو بیٹے پکڑ کر چلا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ صحابہ نے کہا اس نے پیدل حج کرنے کی نذر لائی تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے کہ یہ اپنے نفس کو عذاب دے اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

(مجمع البحاری: ج ۲، رقم الحديث: ۸۷۵، مجمع مسلم: نذر ۱، ۱۷۳۲) سنن ابو داؤد: ج ۲، رقم الحديث: ۳۲۹۹، سنن ترمذی: ج ۲، رقم الحديث: ۱۵۳۲، سنن نسائی: ج ۷، رقم الحديث: ۳۸۷، ۳۸۸، مسند ابو یعلیٰ: ج ۶، رقم الحديث: ۳۵۳۲، مجمع ابن حبان: ج ۱۰، رقم الحديث: ۳۲۸۳، ابن الجارود: رقم الحديث: ۴۳۹، سنن کبریٰ للصبغی: ج ۱۰، ص ۷۸) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک لشکر میں گئے، ایک شخص ایک عار میں گیا جس میں پینے کے لیے پانی بھی تھا، اس شخص کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ اس عار میں رہے تو اس میں پانی بھی ہے اور اس کے ارد گرد سبزیاں بھی ہیں، وہ دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد ہو کر اس عار میں رہ کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ میں نئی بچھڑ کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں۔ اگر آپ نے اجازت دے دی تو میں اس عار میں رہوں گا، ورنہ نہیں رہوں گا۔ اس نے آپ سے عرض کیا یا نبی اللہ! میں ایک عار کے پاس سے گزرا، اس میں زندگی بسر کرنے کے لیے پانی بھی ہے اور سبزیاں بھی ہیں، میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس عار میں رہوں اور دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد ہو جاؤں۔ نئی بچھڑ نے فرمایا میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں مبعوث کیا گیا، میں ملت حنیفہ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، جو بہت آسان ہے اور اس ذات کی قسم جس کے بقدر قدرت میں میری جان ہے اللہ کی راہ میں ایک صبح کھانا یا ایک شام گزارنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور تم میں سے کسی ایک شخص کا جلو کے لیے صاف میں کھڑے ہوتا اس کی (تھا) ساتھ سال کی نمازوں سے بہتر ہے۔

(علامہ احمد شاکر متوفی ۷۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد: تحقیق احمد شاکر: ج ۱۷، رقم الحديث: ۲۲۱۴، طبع دار الحديث: قاہرہ۔ مسند احمد: ج ۵، ص ۳۱۹، طبع قدیم، المعجم الکبیر للبرہانی: ج ۸، رقم الحديث: ۷۸۷۸، مجمع الزوائد: ج ۵، ص ۴۷۹) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نئی بچھڑ نے فرمایا بلاشبہ دین آسان ہے جو شخص اس دین کو مشکل بنانے کی کوشش کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔ (الحديث)

(مجمع البحاری: ج ۱، رقم الحديث: ۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، مشکل میں ڈالنے

کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح بخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ
(البقرہ: ۱۸۵)
اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے، تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

اسلام معتدل، سہل اور دین فطرت ہے

ان آیات اور احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، وہ توسط اور اعتدال کا تقاضا کرتا ہے اور اس میں افراط اور تفريط ممنوع اور مذموم ہے، اسی طرح اسلام میں سخت اور مشکل عبادات مطلوب نہیں ہیں، بلکہ اسلامی احکام میں نرمی، ممانعت، سہولت اور آسانی مرقوب ہے۔ اسلام کا کوئی حکم خلاف فطرت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ہم میں رہبانیت نہیں ہے۔ (اعمال المتابعہ، ج ۲، ص ۱۵۲)

اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی۔ (مصنف عبد الرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۹) اسلام میں ترک لذائذ، سخت ریاضات اور عبادات شاذہ ممنوع ہیں، مصنوعی زہدوں اور جعلی صوفیوں نے جو خود ساختہ شریعت وضع کر لی ہے اس کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیکی اور فضیلت حاصل کرنے کا اصل اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا اور جو راستہ ہمارے لیے مقرر کیا اور جس طریقہ پر صحابہ کرام گھڑن رہے اور اختیار کیا ہیں، جس کو اپنایا۔

حضرت عرواض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بہت بلیغ نصیحت کی: جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور امیر کا حکم سننے اور اس پر عمل کرنے کی، خواہ وہ جشی غلام ہو، کیونکہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، اور تم بدعات (سینہ) سے بچتے رہنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں، تم میں سے جو شخص اس اختلاف کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے، اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو دواڑھوں سے پکڑ لے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۷۸۵، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۵، سند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۳۵)

سنن ترمذی کے علاوہ باقی کتب حدیث میں اس طرح مذکور ہے، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، سو تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر عمل کرو، اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرو اور اس کو دواڑھوں سے پکڑ لو۔

آیا حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اے ایمان والو! تم ان چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے، اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام کرنے کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ یہ قسم ہے اور نہ اس پر کفارہ لازم کیا ہے۔ اس وجہ سے امام مالک اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے، اور نہ اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ اس کے

برخلاف امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔
امام مالک کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

جو شخص اپنے نفس پر طعام کو یا مشروب کو یا اپنی باندی کو حرام کر لے یا کسی بھی حلال چیز کو حرام کر لے وہ اس پر حرام نہیں ہوگی اور نہ امام مالک کے نزدیک اس پر ان میں سے کسی چیز کے حرام کرنے کی وجہ سے کفارہ ہے۔ ہاں اگر وہ باندی کو حرام کر کے اس کو آزاد کرنے کی نیت کرے تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اس پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مباح کر دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے خواہ صراحتاً خواہ کنایتاً اور حرام کرنا کنایات طلاق میں سے ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جو شخص کسی چیز کو حرام کرے گا وہ چیز اس پر حرام ہو جائے گی اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کفارہ لازم آئے گا اور یہ آیت ان پر رد کرتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۱۹۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے یہ آیت امام ابو حنیفہ کے اس وقت خلاف ہوتی جب اس میں یہ مذکور ہو تا کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے یا اس میں کفارہ نہیں ہے کفارہ کا ذکر نہ کرنا عدم کفارہ کے ذکر کو کب مستلزم ہے؟
امام شافعی کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟
علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۷۲۷ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ اس قول سے طلاق کی نیت کرے تو یہ طلاق ہے اور اگر اس سے طہار کی نیت کرے تو یہ طہار ہے اور اگر طلاق اور طہار کے بغیر یہ نیت کرے کہ وہ بینہ اس پر حرام ہے تو یہ قسم نہیں ہے لیکن اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے اور اگر اس نے بغیر نیت کے یہ الفاظ کہے تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں کفارہ قسم لازم ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلام لغو ہے اور اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا یہ ہمارا مذہب ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی، ج ۶، ص ۳۰۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

امام مالک امام شافعی اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ طعام مجھ پر حرام ہے یا یہ پانی یا یہ کپڑا یا گھر میں داخل ہونا یا زید سے بات کرنا اور بیوی اور باندی کے علاوہ باقی چیزوں میں سے کسی بھی چیز کے متعلق یہ کہے کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو یہ کلام لغو ہوگا اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا اور نہ وہ چیز اس پر حرام ہوگی اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی، ج ۶، ص ۳۰۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۵۴۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کہا اگر میں نے فلاں کلام کیا تو اللہ نے جو مجھ پر حلال کیا ہے وہ حرام ہے۔ پھر اس نے اس کلام کو کر لیا تو اس کو اختیار ہے یا تو جن چیزوں کو اس نے اپنے نفس پر حرام کیا ہے ان کو ترک کر دے یا چاہے تو کفارہ دے۔ حضرت ابن مسعود حسن بصری جابر بن زید قتادہ اسحاق اور اہل عراق کا یہی مسلک ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا جس شخص نے کہا حلال مجھ پر

حرام ہے یہ قسم ہے۔ اور وہ اس کا کفارہ دے گا۔ اور حسن نے کہا یہ قسم ہے ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس سے اپنی بیوی کی طلاق کا ارادہ کرے۔ ابراہیم نخعی سے بھی اس کی مثل مروی ہے، اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو درست ہے، ورنہ یہ قول نحو ہے۔ ضحاک سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود سے یہ روایت ہے کہ حرام قسم ہے اور طلاق اس نے کہا یہ اس کی نیت پر موقوف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا حرام قسم نہیں ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے، کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنے کا قصد کرتا ہے، اس لیے اس کا قصد نحو ہے۔ ہماری دلیل یہ آیت ہے یا ایہا النبی لم تحرم ما أحل اللہ لک (الحج: ۱۰۲) اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم سے نکلنے کے لیے کفارہ کو مشروع فرمایا ہے۔ جیسا کہ شداد حضرت ماریہ کی تحریم کا واقعہ کتب احادیث میں مذکور ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بھی حلال کو حرام کرنے پر قسم کا اطلاق فرمایا ہے۔ (السنن: ج ۲، ص ۳۰۱، ۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ
تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَرْوَاحِكَ وَاللَّهُ عَفْوٌ
رَحِيمٌ ۝ قَدْ كَرِهَ اللَّهُ لَكُمْ تُحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ
(النحریم: ۱۰۲)

اے نبی! آپ (اپنے اوپر) اس چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضا جوئی کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے مدد و رحم فرمانے والا ہے۔ (اے ایمان والو!) بے شک اللہ نے تمہاری قسموں کا کھولا مقرر فرما دیا ہے۔ (یعنی کفارہ)

اس آیت کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ حضرت زینب بنت عیش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرا کرتے تھے وہ آپ کو شہد پلائی تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں پھر میں نے اور حضرت حفصہ نے اتفاق کیا کہ جس کے پاس بھی نبی ﷺ تشریف لائیں وہ یہ کہے کہ آپ سے مخالفت کی ہو آتی ہے کیا آپ نے مغایر (ایک قسم کا گوند) کھنڈا ہے؟ آپ ان دونوں میں سے کسی ایک (حضرت حفصہ) کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے یہی کہا۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں نے زینب بنت عیش کے پاس شہد پیا ہے اور میں اس کو دوبارہ ہرگز نہیں پیوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی لم تحرم ما أحل اللہ لک (الحج: ۱۰۲) (التمہید: ۱۰۲)

(صحیح ابوداؤد: ج ۲، رقم الحديث ۵۱۷۷، صحیح مسلم: طلاق ۲۰ (۳۷۳) سنن ابوداؤد: ج ۲، رقم الحديث ۵۱۷۷، سنن الترمذی: ج ۲، رقم الحديث ۵۵۵۵، ج ۲، رقم الحديث ۳۳۳۱)

قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم کی بدش کو کھولنے کے لیے کفارہ مقرر فرمایا ہے، بعض روایات میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبیلہ کو اپنے نفس پر حرام فرمایا تھا۔

امام سعید بن منصور غراسانی متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ ام المومنین ایک دن اپنے والد کی زیارت کے لیے گئیں اور اس دن حضور کی ان

ظہان القرآن

کے گھر میں باری تھی جب رسول اللہ ﷺ گھر آئے تو آپ نے من کو گھر میں نہیں دیکھا تب آپ نے اپنی باندی حضرت ماریہؓ کو بلایا اور حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں ان سے اپنی خواہش پوری کی اور اسی حالت میں حضرت حفصہؓ آپؐ سے کہنے لگیں 'یا رسول اللہ! آپ میرے گھر میں اور میری باری میں یہ عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے اور تم یہ کسی کو نہ بتانا' حضرت حفصہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور من کو یہ واقعہ بتایا۔ تب سورہ تحریم کی ایک تا چار آیتیں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ قسم کا کفارہ دیں اور اپنی باندی سے رجوع کریں۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۷، جامع البیان، ۲۸۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۵۳)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حرام کرنا قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں اچھا نمونہ ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۲۶۶-۵۲۶۷، صحیح مسلم، طلاق، ۱۸، (۱۳۷۳) سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۰۷۳)

امام سعید بن منصور غزالی متوفی ۲۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن بصریؒ سے سوال کیا گیا ایک شخص نے کہا طحال مجھ پر حرام ہے۔ انہوں نے کہا جب تک وہ اس سے اپنی بیوی کی نیت نہ کرے اس پر قسم کا کفارہ ہے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، سنن کبریٰ ج ۷، ص ۳۵۱)

عطاء نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر ہر طحال حرام ہے تو یہ قسم ہے وہ اس کا کفارہ ادا کرے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۸)

سعید بن جبیر نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ طحال اس پر حرام ہے تو یہ قسم ہے وہ اس کا کفارہ دے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹۲)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا حرام کرنے قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۱۶۹۳)

شماک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے کہا حرام قسم ہے۔

(سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۱۶۹۵)

ابراہیم نخعی نے کہا جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے، اگر اس نے اس قول سے تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور ایک طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹۹)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حرام قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۳)

ابراہیم نخعی اور عبیدہ نے کہا جس شخص نے اپنی باندی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۵)

سروق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کیلئے قسم کھائی کہ آپ اپنی باندی سے مقاربت نہیں کریں

گے اور فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے تب آپ کی قسم کیلئے کفارہ نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ کیلئے جو چیز اللہ نے حلال

کی ہے آپ اسکو حرام نہ کریں۔ (سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۵۳)

(مذکور الصدر احلیث اور آثار مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۹۹-۳۹۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۷۵-۷۴ سنن کبریٰ لمصنف ج ۷ ص ۳۵۳-۳۵۰ اور جامع البیان ج ۲۸ ص ۲۸۸-۲۸۷ میں بھی مذکور ہیں اور ان احلیث اور آثار میں اس پر صریح دلیل ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اپنے نفس پر کسی ایسی چیز کو حرام کر دیا جس کا وہ مالک نہیں ہے، مثلاً کہا مجھ پر یہ کپڑا یا یہ کھانا حرام ہے تو اس پر وہ چیز حرام نہیں ہوگی اور اس کے لیے اس کو نکال کرنا جائز ہے اور اگر اس نے وہ کپڑا پہن لیا یا وہ کھانا کھالیا تو اس پر کفارہ قسم ہے۔ امام شافعی نے کہا اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ بیوی اور باندی کے ماسوا میں یہ قسم نہیں ہے اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے (یہ علامہ یعنی کا تسلع ہے) امام احمد کا قول امام اعظم کے موافق ہے جیسا کہ ہم علامہ ابن قدامہ حنبلی سے نقل کر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ اور امام مالک نے کہا جس شخص نے بیوی کے سوا اپنے نفس پر کسی چیز کو حرام کیا تو یہ قسم نہیں ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنا ہے۔ لہذا اس سے ایک شرعی عقد (قسم) منعقد نہیں ہوگا، ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظ حرمت طہیت کرنے کی خبر دیتا ہے، ہر جہہ کہ اس سے بیحد حرمت طہیت نہیں ہوگی کیونکہ وہ تو نص قرآن سے طہیت ہوتی ہے لیکن اس سے حرمت لغیرہ طہیت ہو سکتی ہے جو کہ قسم کا تقاضا ہے تو جب ایک عاقل بالغ کے کلام کو صحت پر محمول کرنا ممکن ہے تو اس کلام کو صحت پر محمول کیا جائے گا اور اس سے قسم مراد لی جائے گی اور اس کلام کو نفی میں قرار دیا جائے گا اور قسم توڑنے سے اس پر کفارہ لازم ہوگا اور قرآن مجید کی سورہ تحریم کی آیت ۱-۲ سے صراحتاً طہیت ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے اور صریح آیت کے مقابلہ میں آراء کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(الہامیہ شرح الحدایہ ج ۶ ص ۲۹۴ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ فتح القدیر ج ۵ ص ۸۵-۸۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۷۵ھ)

بیوی سے کہا ”تو مجھ پر حرام ہے“ اس میں مفتی بہ قول

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ ”تو مجھ پر حرام ہے“ تو اس کے متعلق امام اعظم کا مذہب بیان کرتے ہوئے علامہ یعنی حنفی لکھتے ہیں:

اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر تین طلاقیں کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر دو طلاقیں کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام نفی ہے یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۲۸ صحیح مسلم مع شرح التلوی ج ۶ ص ۳۰۰)

علامہ محمد بن علی بن محمد صکنی حنفی متونی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اگر اس نے تحریم کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی تو یہ ایلاء ہے (ایلاء یہ ہے کہ ایک شخص یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا اگر اس نے قسم پوری کی تو چار ماہ بعد اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر قسم توڑ دی تو اس کو کفارہ قسم دینا ہوگا سعیدی غفرلہ) اور اگر اس نے طہار کی نیت کی تو یہ طہار ہے اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی ہے تو یہ کلام نفی ہے۔ یہ حکم دیا ہے ہے اور قضاء یہ ایلاء ہے۔ (یعنی اس کے جھوٹ کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس لیے یہ ایلاء پر محمول کیا جائے گا)

(در مختار علی رد المحتار ج ۲ ص ۵۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متونی ۳۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتاب الایمان میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے کہا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ ہدایہ میں مذکور ہے کہ عرف کی وجہ سے یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے، اگر اس نے کھلایا یا پیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، اور بغیر نیت کے اس کا یہ قول اس کی بیوی کو شامل نہیں ہو گا اور اگر وہ نیت کر لے تو پھر یہ ایلاء ہے۔ یہ جواب ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ پھر مشل متاخرین کا عقار یہ ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مقنن میں جو مذکور ہے کہ اس نے عورت کے حرام ہونے کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی تو یہ ایلاء ہے، اور اگر اس نے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے، اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام لغو ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس نے بالخصوص بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے، اس کے برخلاف جب اس نے عام لفظ بولا مثلاً اللہ کا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول عرف کی بنا پر کھانے پینے کے ساتھ خاص ہے، اور یہ کلام بیوی کو اس وقت شامل ہو گا جب وہ اس کلام سے بیوی کی نیت کرے، اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے کہ وہ عام لفظ بولے (مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے) یا خاص لفظ بولے (مثلاً بیوی سے کہے تو مجھ پر حرام ہے) ہر صورت میں اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ (کیونکہ یہ نیا عرف ہے، لوگ طلاق دینے کے لیے یہ کہتے ہیں) اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اس قول (تو مجھ پر حرام ہے) میں دو عرف ہیں، ایک عرف اصلی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ قول ایلاء کے معنی میں قسم ہے اور دوسرا عرف نیا ہے اور وہ اس قول سے طلاق کا ارادہ ہے اور فتویٰ نئے عرف پر ہے، کیونکہ ہر عقد کرنے والے اور قسم کھانے والے کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جاتا ہے، خواہ وہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہو۔ جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے کہ حاکم اور مفتی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ظاہر الروایہ پر فیصلہ کرے یا فتویٰ دے، اور عرف کو ترک کر دے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس قول کو طلاق پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ یہی عرف حلوٹ اور مفتی ہے۔ لہذا اس قول سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ کلام عام ہو، مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے، یا کلام خاص ہو مثلاً بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے اور یہ قسم نہیں ہے، نہ اس پر کفارہ ہے۔ (رد المحتار، ج ۲ ص ۵۵۳، مطبوعہ موضحہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

عالمگیری میں مذکور ہے فتویٰ اس پر ہے کہ اس کلام سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اب اس کلام کا غلبہ استعمال ارادہ طلاق میں ہے۔ (عالمگیری، ج ۲ ص ۵۶، مطبوعہ مبعہ امیرہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۳۰ھ)

امام احمد رضا قادری کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۵۶، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، پاکستان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے دیئے ہوئے حلال پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو۔ (المائدہ: ۸۸)

افضل یہ ہے کہ کبھی نفس کے جائز تقاضوں کو پورا کرے اور کبھی نہ کرے

ہر چند کہ اس آیت میں اللہ کے دیئے ہوئے حلال رزق سے کھانے کا ذکر ہے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو۔ اس میں کھانے پینے کے علاوہ لباس، مکان، سواری اور ازدواج کی نعمتیں شامل ہیں اور بالخصوص کھانے پینے کی نعمتوں کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ انسان کی اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ کھانے اور لباس میں لذائذ اور مرغوبات کے متعلق بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ ان کو ترک کرنا اور ان سے اعراض کرنا افضل ہے، تاکہ انسان نفسانی خواہشوں

کا غلام نہ بن جائے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب اللہ نے انسان کو وصحت دی ہو تو اس کو توسع اختیار کرنا چاہیے۔ لذیذ کھانے، عمدہ لباس، خوبصورت مکان اور اعلیٰ درجہ کی سواروں سے متبع ہونا چاہیے اور اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے اور حق داروں کے حقوق کو ادا کرتا رہے۔ تاہم توسع اور اعتدال زیادہ پسندیدہ ہے۔ کبھی مرغوبیت نفسی سے حظ حاصل کرے اور کبھی نفس کے فاضلوں کو پورا نہ کرے تاکہ فقر اور غنا کے دونوں مرتبوں کا جامع ہو جائے۔

نبی ﷺ کو گھر میں جو مل جاتا تھا وہ آپ کھا لیتے تھے۔ کبھی گوشت اور مٹھی چیزوں کی طرح عمدہ اور لذیذ طعام تناول فرماتے اور کبھی بست ملوہ کھانا کھاتے۔ آپ نمک، زیتون کے تیل یا سرکہ کے ساتھ جو کی روٹی کھا لیتے تھے۔ کبھی آپ بھوکے رہتے اور پیٹ پر دو دو پتھر باندھ لیتے اور کبھی سیر ہو کر کھانا تناول فرماتے۔ غرض آپ کی سیرت طیبہ میں تنگ دست اور خوش حل اور غنی اور فقیر سب کے لیے نمونہ ہے۔ آپ طعام سے زیادہ مشروبات کا اہتمام کرتے تھے اور آپ کو لٹنڈا اور میٹھا پانی بہت پسند تھا اور آپ ہر محل میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ خرچ کم کرتے تھے اور نہ فضول خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِيُثْمِرَ ذُرِّيَّتَهُ تَيْنِ سَعْيِهِ وَمَنْ قَدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُؤْنِقْ وَمَا أَنَّهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّمُ اللَّهُ تَعَالَى مَا أَتَاهَا (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ ہر شخص کو اس کے مطابق ملکت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھانا ہے جیسا تم اپنے گھروالوں کو کھاتے ہو یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (المائدہ: ۸۹)

مناسبت اور شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے (المائدہ: ۸۷) تو جن مسلمانوں نے اپنے اوپر عورتوں اور گوشت کو حرام کر لیا تھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اب ہماری ان قسموں کا کیا ہو گا جو ہم کھا چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ (الآیہ)

(جامع البیان ۷: ۱۸-۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے عورتیں گوشت اور رات کی غینہ ترک کرنے کی قسمیں کھائی تھیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان پر کفارہ لازم کر دیا یعنی وہ قسم توڑیں اور کفارہ ادا کریں۔

یہیمن کا لغوی اور اصطلاحی معنی

یہیمن کے از روئے لغت تین معنی ہیں۔ (۱) قوت (۲) دابنا ہاتھ (۳) قسم

یہیمن بہ معنی قوت ان آیت میں ہے:

وَكُونُوا مَعَ الْبَيْتِ ۝ (الحاقہ ۴۵-۴۴) لَوْ تَقُولُ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَابِلِ ۝ لَا أَخَذْنَا
اور اگر وہ (رسول) کوئی بھی بات ہم پر بنا کر اپنی طرف سے
کہتے تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے۔

بیمین کا معنی داہنا ہاتھ بھی اس وجہ سے ہے کہ اس میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔ بیمین بہ معنی داہاں ہاتھ اس آیت میں ہے۔
وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْبَيْتِ ۝ فَسَلِّمْ
اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں سے ہو (تو اس
سے کہا جائے گا) تجھ پر سلام ہو (تو) دائیں طرف والوں سے

ہے۔

بیمین کا تیسرا معنی قسم ہے جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اور قسم پر بیمین کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ جب لوگ ایک
دوسرے کے لیے حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ نیز اقسام کے ذریعہ سے قسم کھانے والا اپنے کلام کو قوی اور سوکھ
کرتا ہے۔

قسم کھانے کا جواز اور مشروعیت

قسم کھانا شروع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی قسم کھائی ہے اور نبی ﷺ کو بھی قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے
قسم کھانے کی یہ چند مثالیں ہیں۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ	(النجم: ۱)	روشن ستارے کی قسم اجب وہ غروب ہوا۔
لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ	(البلد: ۱)	میں اس شہر کی قسم فرماتا ہوں۔
وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا	(الشمس: ۱)	سورج اور اس کی ہلک کی قسم۔
وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ	(الضحیٰ: ۱-۲)	جاشت کی قسم اور رات کی قسم اجب وہ (نار کی) کا پردہ ڈالے۔

اور نبی ﷺ کو ان آیات میں قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔
وَيَسْتَفِيقُونَكَ أَحَقُّ هُوَ قُلُوبِي وَرَبِّي إِنَّهُ
لَحَقُّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ (یونس: ۵۴)

اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا واقعی وہ (دائمی عذاب) برحق
ہے؟ آپ کہتے ہیں ہاں میرے رب کی قسم اودہ برحق ہے اور تم
(میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِيَنَا السَّاعَةُ قُلْ
بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ (سبا: ۳)
زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَ
رَبِّي لَتُبْعَثُنَّ (التعاہن: ۷)

اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہتے
میرے رب عالم الغیب کی قسم اودہ ضرور تم پر آئے گی۔
کافروں نے اپنے فاسد گمان سے کہا اودہ مرنے کے بعد ہرگز
نہیں اٹھائے جائیں گے 'آپ کہتے ہیں میں میرے رب کی
قسم اتم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

احادیث میں نبی ﷺ کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو موسیٰ اشعری جو بیڑ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے سواری طلب کی۔ آپ نے
فرمایا تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس سواری نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں تم کو سوار نہیں کروں گا پھر رسول اللہ ﷺ نے
ہماری طرف چٹکبوسے کو ہاں والے تین اونٹ بھیجے۔ ہم نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری طلب کرنے گئے تھے تو

آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہم کو سواری نہیں دیں گے، ہم نے آپ کے پاس جا کر آپ کو اس قسم کی خبر دی، آپ نے فرمایا میں جب بھی کسی چیز کی قسم کھاتا ہوں پھر اس کے غیر کو بہتر سمجھتا ہوں تو میں وہی کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم، المائدہ: ۱۰، (۱۶۳۹) ج ۲، صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۲۸۵، ج ۷، رقم الحدیث: ۷۵۵۵، سنن نسائی، ج ۷، رقم

الحدیث: ۷۸۰، سنن ابی داؤد، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۵۳۹)

جھوٹ کا خدشہ نہ ہو تو زیادہ قسمیں کھانے کا جواز

فقہاء کے نزدیک ہر چند کہ قسم کھانا مباح ہے لیکن بہ کثرت قسم کھانا مکروہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ قسم کھانے کی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُطِيعُوا كُلَّ حَلَّافٍ مِّمَّ هَٰؤُلَاءِ (الفلم: ۴۰)

اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہے۔

لیکن اگر یہ افراط قسمیں نہ کھائی جائیں تو پھر قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بلا کراہت جائز ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قسم کھانا مطلقاً مکروہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَحْلِلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ

اور اللہ (کے نام) کو تم اپنی قسموں کے لیے ہمانہ نہ بناؤ۔

(البقرہ: ۲۲۳)

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ بہت قسم کھاتے تھے، بعض اوقات ایک حدیث میں کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

آپ نے خطبہ کوف میں فرمایا اے محمد کی امت! اللہ کی قسم! اللہ سے زیادہ اس پر کوئی غیرت دار نہیں ہے کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بدی زنا کرے، اے امت محمد! اللہ کی قسم! اگر تم وہ چیزیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہسو اور روؤ زیادہ۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

آپ نے ترک دنیا کرنے کا ارادہ کرنے والے صحابہ سے فرمایا سناؤ خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور انظار بھی کرتا ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰۶۳)

آپ نے ابو طالب سے اس کے مرتے وقت فرمایا سناؤ اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے تمہاری استغفار سے منع نہ کیا جائے (صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

عمرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا۔ پھر فرمایا ان شاء اللہ۔

(سنن ابی داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۴۸۵)

اس ایک حدیث میں نبی ﷺ نے تین بار قسم کھائی ہے۔

اور یہ افراط قسمیں کھانا اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں یہ خدشہ ہے کہ انسان کسی جھوٹ پر اللہ کی قسم کھالے اور مبالغہ کرنے جو آیت پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَلَا تَحْلِلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَسَرُّوا

اللہ کے نام کو اپنی ایسی قسموں کے لیے ہمانہ نہ بناؤ جن سے

متعدد نیک خد اخوتی اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے باز

تَقْفُوا أَوْ تَصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ (البقرہ: ۲۲۴)

رہتا ہو۔

یعنی کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ نیکی نہیں کرے گا خدا خوفی نہیں کرے گا اور لوگوں کے درمیان صلح نہیں کرائے گا۔ پھر اور نیک کاموں سے یہ کہہ کر باز رہے کہ میں تو یہ کام نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہوں، سو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ نیکی کر کے قسم توڑے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر وہ اس چیز کے خلاف کرنے کو مترجائے تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۱۱، (۱۶۵۰)، ۳۱۹۲)

فی نفسہ قسموں کی اقسام

فی نفسہ قسموں کی پانچ اقسام ہیں۔ واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام

واجب: اگر کسی بے قصور مسلمان کو قتل یا ہلاکت سے بچانا قسم کھانے پر موقوف ہو تو قسم کھانا واجب ہے۔

حضرت سید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ارادہ سے نکلے، ہمارے ساتھ حضرت واکل بن جحر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی اور میں نے قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں تو دشمن نے ان کو چھوڑ دیا۔ پس ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، میں نے بتایا کہ ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی تھی اور میں نے قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث ۳۲۵۶، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحديث ۲۱۹، مسند احمد، ج ۵، رقم الحديث ۱۹۷۶، طبع دار الفکر)

مسند احمد، ج ۳، ص ۷، طبع قدیم

مستحب: جب دو مسلمانوں میں رنجش ہو اور ان میں صلح کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو، یا کسی مسلمان کے دل سے کینہ کو زائل کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو، یا کسی شر کو رفع کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو، تو ان صورتوں میں قسم کھانا مستحب ہے۔ اسی طرح کسی عبادت کے کرنے یا کسی گناہ کے ترک کرنے پر قسم کھانا مستحب ہے۔

مباح: کسی مباح کام کے کرنے یا اس کو ترک کرنے پر قسم کھانا مباح ہے، جس خبر کے صلیق ہونے کا یقین ہو، یا اس کے صدق کا غلبہ ظن ہو، اس پر قسم کھانا بھی مباح ہے۔

مکروہ: کسی مکروہ کام کے کرنے پر، یا کسی مستحب کام کے ترک پر قسم کھائی جائے تو یہ قسم مکروہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت مسیح رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر قسمت لگانے والوں میں شامل تھے، حالانکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت مسیح کو خرچ دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس قسمت سے برأت بیان کر دی، تو حضرت ابو بکر نے قسم کھائی کہ وہ پہلے جو حضرت مسیح کو خرچ دے کر ان کی مدد کرتے تھے وہ اب بند کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتِلُ أُولَؤُا الْعَصْلِ مِنْكُمْ وَالشَّعْوَانُ
يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَ الْمُسْكِينِ وَ
الْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ لِيَعْمُوا وَ
لِيَصْفَحُوا أَلَمْ تَجِدُوا أَنَّ يَتَوَرَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ
عَفُورٌ رَّحِيمٌ (السورہ ۲۳)

اور تم میں سے جو لوگ صاحب وسعت اور خوش حال ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (بکھ) نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے۔

حدیث فرماتے والا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کار خیر کو ترک کرنے کی قسم کھانا پسندیدہ اور مکروہ ہے۔

حرام: جھوٹی قسم کھانا اور خلاف واقع قسم کھانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝
أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (المجادلہ: ۳۰-۳۱)

اور منافق جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ۝ اللہ نے
ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، بے شک وہ (دنیا میں)
بست یراکام کرتے تھے۔

اسی طرح مصیبت پر اور ترک واجب پر قسم کھانا حرام ہے۔ مثلاً کوئی شخص ناجائز کام کرنے کے لیے قسم کھائے تو یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ
ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ
لَا يَكَلِمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَلَا يُرْكَبُ فِيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض
تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ
نہیں اور نہ اللہ ان سے قیامت کے دن کلام فرمائے گا اور نہ
ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا

(آل عمران: ۷۷) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اپنا حق ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے متعلق فقہاء کے نظریات

جب حاکم کے سامنے اپنے حقوق پر قسم کھائی ہو تو اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنا حق ترک کر دیا جائے اور قسم نہ کھائی جائے اور یہ اولیٰ ہے اور دو سرا قول یہ ہے کہ اپنے حق پر قسم کھانا جائز ہے۔ پہلی رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت مقداد میں اس رقم کے متعلق اختلاف تھا جو حضرت عثمان سے قرض لی تھی۔ چونکہ حضرت عثمان کے پاس گولہ نہیں تھے اس لیے حضرت عمر نے حضرت مقداد پر قسم لازم کی۔ حضرت مقداد نے حضرت عثمان پر قسم لوٹا دی۔ حضرت عثمان نے قسم کھانے کی بجائے ان کے قول کے مطابق رقم لے لی اور خود قسم نہیں کھائی۔ اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ مقداد پر کوئی مصیبت آئے اور وہ کہے کہ یہ مصیبت عثمان کی قسم کی وجہ سے آئی ہے۔ سو دونوں صحابہ نے قسم پر اپنا حق چھوڑنے کو ترجیح دی اور دوسرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ محمد بن کعب القرظی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھل آپ نے فرمایا اے لوگو! قسم کھانے کی وجہ سے اپنے حقوق نہ چھوڑنا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اے شک میرے ہاتھ میں عصا ہے اور عمر بن شیبہ نے کتاب قضاء البعۃ میں اپنی سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابی رضی اللہ عنہما نے ایک کھجور کے درخت کے متعلق حضرت زید بن ثابت کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ حضرت ابی بن کعب کا اس درخت پر دعویٰ تھا تو حضرت عمر قسم لے گئے۔ حضرت زید نے کہا تم امیر المؤمنین سے قسم کو معاف کر دو حضرت عمر نے فرمایا امیر المؤمنین کو کیوں معاف کیا جائے؟ اگر مجھے معلوم ہو کہ کسی چیز پر میرا حق ہے اور قسم کھانے سے مجھے وہ حق مل جائے گا تو میں ضرور قسم کھاؤں گا ورنہ میں قسم کو ترک کر دوں گا اور اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے یہ کھجور کا درخت میرا درخت ہے اور اس پر ابی کا کوئی حق نہیں ہے۔ جب وہ دونوں عدالت سے نکلے تو حضرت عمر نے وہ درخت ابی کو بخش دیا۔ ان سے کہا کیا اے امیر المؤمنین! آپ نے قسم کھانے سے پہلے ابی کو درخت کیوں نہیں دے دیا؟ حضرت عمر نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں نے قسم نہیں کھائی تو لوگ میرے بعد اپنے حقوق پر قسم نہیں کھائیں گے اور یہی طریقہ مقرر ہو جائے گا اور یہ حق پر جی قسم ہے تو جس طرح یہ قسم حاکم کے علاوہ

دوسروں کے سامنے کھانا جائز ہے، وہ حاکم کے سامنے بھی جائز ہے۔ (المغنی ج ۹، ص ۳۸۸-۳۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۵۰ھ)
قسم کھانے کا طریقہ

قسم اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا اس کی صفت میں سے کسی صفت کی کھائی جاتی ہے۔ مثلاً اس طرح قسم کھائے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، یا اس ذات کی قسم جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
 نبی ﷺ اس طرح قسم کھاتے تھے، اس ذات کی قسم محمد کی جان جس کے بغیر قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مثلاً یہ ہیں اللہ، الرحمن، الرحیم، خالق، باری، رزاق، رب وغیرہ۔ ان اسماء کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے اور اللہ کی صفت یہ ہیں اللہ کی عظمت، اللہ کا جلال، اللہ کی قدرت، اللہ کا علم، اللہ کا کلام وغیرہ۔ نبی ﷺ یوں قسم کھاتے تھے "لا ومقلب القلوب" دلوں کے پلٹنے والے کی قسم۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳) اگر کسی شخص نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں، اس میں اگر وہ قسم کی نیت کرے گا تو قسم ہے، ورنہ نہیں۔
 غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی تحقیق
 امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سواروں کی ایک جماعت میں اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو نہ اکر کے فرمایا: سنا اللہ تمہیں تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ سو جس شخص نے قسم کھائی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۶۱۰۸، صحیح مسلم الايمان ۳، (۱۶۳۶) ۳۱۷۸)
 غیر اللہ کی قسم سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور حقیقی تعظیم اللہ عز و جل کے ساتھ خاص ہے، اس لیے غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہ نہیں کیا جائے گا۔ نیز جس کی قسم کھائی جائے اس کو گواہ بنایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی یہ شان نہیں کہ وہ ہر وقت ہر چیز کو گواہ ہو۔ اس لیے اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں سو مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اس کو توڑ دوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایک بار غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کروں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے، مثلاً فرمایا والطور (الطور) پہاڑ طور کی قسم اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکم کا پابند نہیں ہے۔ وہ مالک علی لا یراد ہے، جو چاہے کرے، اس پر کوئی سوال یا اعتراض نہیں ہے اور پہاڑ طور، درخت انجیر وغیرہ کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی نفیست ظاہر کی ہے۔ نیز یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی ذات پر گواہ ہیں۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں:

کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہاں، کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، اور عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے، اور ہمارے زمانہ میں فقہاء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور حدیث میں ممانعت اس پر محمول ہے جب اس قصد سے غیر اللہ کی قسم کھائے کہ اگر قسم پوری نہیں کی تو وہ مائت ہو گا اور اس کا کفارہ ادا کرے گا، اور جب یہ قصد نہ ہو تو پھر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے، جیسے کوئی کہے کہ تمہارے باپ کی قسم! یا تمہاری زندگی کی قسم!

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۳، ص ۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متونی ۳۵۴ھ لکھتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں چونکہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کرنے میں تسلل برتتے ہیں اس لیے لوگ تاکید اور توثیق کے لیے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تم طلاق کی قسم کھاؤ مثلاً اگر میں نے فلاں تاریخ کو فلاں کام نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق توثیق کے حصول کے لیے طلاق کی قسم کھائی جاتی ہے۔ اس میں حرف قسم نہیں ہوتا اور کبھی حرف قسم کے ساتھ باپ یا زندگی کی قسم کھائی جاتی ہے اس لیے توثیق مطلوب نہیں ہوتی اور نہ اس میں قسم پوری نہ کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ جس کی قسم کھائی جائے صرف اس کے ساتھ تعلق اور محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور اگر طلب توثیق کے لیے حرف قسم کے ساتھ غیر اللہ کی قسم کھائی جائے تو یہ بلا تعلق مکروہ ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کو تعظیم میں اللہ کے ساتھ مشابہ کرنا ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۴۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

یمین نغو کی تعریف

ازہری نے کہا ہے کہ لغو کے کلام عرب میں دو معنی ہیں۔ ایک معنی ہے فائدہ اور باطل کلام جس سے کوئی عقد نہ کیا جائے۔ دوسرا معنی ہے فحش اور بے ہودہ کلام جو گنہ کا موجب ہو۔ قرآن مجید میں ہے (لا یسمعون فیہا لغوا الا سلما) (مریم: ۳۳) وہ جنت میں کوئی فضول اور گنہ کی بات نہیں سنیں گے۔ بجز سلام کے۔

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متونی ۳۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا ارادہ قسم کھانے کا نہ ہو اور بلا قصد اس کی زبان پر قسم کے الفاظ آجائیں یا وہ شخص کسی چیز پر قسم کھانے کا ارادہ کرے اور اس کی زبان سے کوئی اور چیز نکل جائے تو یہ یمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور حضرت ابن عمرؓ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی قسم یا خدا کی قسم اور جو چیز زبان پر بلا قصد آجائے اس میں مواخذہ نہیں ہوتا جیسے سبقت لسان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ (المذہب ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متونی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کو گنہگار ہو کہ یقینی طور پر فلاں واقعہ ہو اور وہ اس پر قسم کھالے اور درحقیقت واقعہ اس کے خلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ اس میں نہ کفارہ ہے نہ گنہ ہے۔ (بدایہ الجہد ج ۲ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متونی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص اپنے گنہگار کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور وہ اس کے گنہگار کے مطابق نہ ہو تو یہ یمین لغو ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابومالکؓ حضرت زرارہ بن ابی وائی رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔ حسن بصریؒ بھی امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ امام اوزاعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت ہے۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متونی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص ماضی کے کسی واقعہ پر قسم کھائے اور اس کے گنہگار میں وہ واقعہ اسی طرح ہو اور درحقیقت واقعہ اس کے برخلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے مواخذہ نہیں فرمائے گا اور ایک شخص کے متعلق

قسم کھائے کہ یہ زید ہے اور اس کا بی گنا ہو اور وہ درحقیقت عمرو ہو تو یہ بھی یحییٰ بن زید ہے۔

(حدایہ اولین، ص ۷۹-۸۰، مطبوعہ مکتبہ شرکت طبعہ، لبنان)

یحییٰ منعقدہ کی تعریف

مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے تو یہ یحییٰ منعقدہ ہے۔ اس قسم کو پورا کرنا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ (المائدہ: ۸۹) اور جب اس قسم کو توڑ دے تو اس کا کفارہ دینا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اللہ تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھانا ہے۔ (الباقیہ: ۸۹) اس قسم میں کفارہ بلاخلف مقرر ہے، خواہ کسی طاعت پر قسم کھائی ہو یا کسی معصیت پر، لیکن اگر اس نے کسی معصیت پر قسم کھائی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ معصیت نہ کرے اور اس قسم کا کفارہ دے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے (صحیح مسلم، ایمان: ۲۱۵۰-۲۱۵۱) کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہے، خواہ اس نے عہدہ قسم توڑی ہو، یا بھول کر، یا خطا سے، یا جبر سے، کیونکہ قرآن مجید نے قسم توڑنے پر مطلقاً کفارہ لازم کیا ہے اور اس میں عہد اور نسیان کا فرق نہیں کیا۔

(حدایہ الجہد، ج ۱، ص ۳۰۲، بدائع الصنائع، ج ۳، ص ۱۷)

امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نسیان، خطا یا جبر سے قسم توڑ دی، تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

(المذنب، ج ۲، ص ۱۲۸، المغنی، ج ۹، ص ۳۹۱)

امام شافعی اور امام احمد کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت سے خطا، نسیان، اور جبر سے مواخذہ اٹھایا گیا ہے۔ (المجموع الاوسط، ج ۹، رقم الحدیث: ۸۳۶۹، مطبوعہ مکتبہ المعارف، ریاض: ۱۴۱۵ھ)

یحییٰ غموس کی تعریف

ماضی یا حال کے کسی واقعہ پر عہدہ اجماعی قسم کھائی جائے تو یہ یحییٰ غموس ہے اور اس کے ارتکاب پر جھوٹی قسم کھانے والا عذاب کا مستحق ہو گا۔ اس میں کفارہ نہیں ہے اس پر توبہ لازم ہے، کیونکہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ پر توبہ لازم ہے۔ فقہاء احناف، فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ کا یہی مذہب ہے۔

(بدائع الصنائع، ج ۳، ص ۱۵۰، الشرح الکبیر علی حاشیہ سوتی، ج ۲، ص ۱۲۸، المغنی، ج ۹، ص ۳۹۲)

حضرت ابو امامہ جونیڈ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قسم کھائی اور وہ اس میں جھوٹا تھا کہ کسی مسلمان شخص کے مال کو حاصل کرے تو اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔

(صحیح مسلم، ایمان: ۲۱۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۶۱، سنن الدارمی، رقم الحدیث: ۲۵۰۵، صحیح ابن حبان، رقم

الحدیث: ۵۰۸، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۶۰، سنن کبریٰ، ج ۲، ص ۱۷۹)

حضرت عمران بن حصین جونیڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کوئی فیصلہ

کر دیا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۲۳۲، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۶۳، سنن

امام محمد بن اسماعیل بخاری، متونی: ۲۵۶، روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص جونیڈ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کی

نافرمانی کرنا یا فرمایا: یسین غموس (جھوٹی قسم) اور شعبہ کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ ہیں اللہ کے ساتھ شریک کرنا یسین غموس میں باپ کی نافرمانی کرنا یا فرمایا: کسی کو قتل کرنا۔

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحديث ۶۸۷۰، سنن ترمذی، رقم الحديث ۲۰۴۲، سنن نسائی، رقم الحديث ۲۰۴۲، صحیح ابن حبان، رقم الحديث ۵۵۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۱۷۷)

امام شافعی کے نزدیک یسین غموس میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور یسین غموس میں جھوٹ کا گناہ کفارہ سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے یسین منعقدہ میں قسم توڑنے کا گناہ کفارہ سے ساقط ہوتا ہے۔ (المعذب ج ۲، ص ۳۸)

کفارہ قسم کی مشروعیت

کفارہ کا لفظ کفر سے مشتق ہے، کفر کا معنی ہے سزا اور ڈھانچا۔ سو قسم توڑنے کی وجہ سے جس گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے کفارہ اس گناہ کو ڈھانچ لیتا ہے۔ کفارہ کی مشروعیت سورہ مائدہ کی زیر تفسیر آیت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیاں قسم کا کھانا کھانا ہے جیسا تم اپنے گروالوں کو کھلاتے ہو یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (المائدہ: ۸۹) اور حسب ذیل حدیث سے بھی کفارہ کی مشروعیت ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی پھر وہ اس کے خلاف کرنے کو بہتر جانے تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم، ایمان ۱۱، (۱۶۵۰) (۳۱۹۲))

کفارہ قسم کے احکام میں مذاہب ائمہ

قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ کفارہ قسم میں دس مسکینوں کو کھانا کھانا ہے یا ان کو کپڑے پہنانا ہے اور یا غلام آزاد کرنا ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

فقہاء احناف کے نزدیک کھانا کھانا سے مراد یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا پیش کر دیا جائے اور ان کو کھانے کی اجازت دی جائے اس کو اصطلاح میں اباحت کہتے ہیں۔ اس سے مراد ان کو اس کھانے کا مالک بنانا نہیں ہے اور باقی فقہاء کے نزدیک اس طعام کا مالک بنانا ضروری ہے۔ کھانے کی مقدار میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ہر مسکین کو ایک کلو گرام گندم دی جائے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر مسکین کو دو کلو گرام یا چار کلو گرام یا جو دیئے جائیں یا ان کی قیمت دی جائے۔

اگر ایک مسکین کو دس روز صبح و شام کھانا کھلایا جائے یا دس دن تک ہر روز اس کو دو کلو گرام یا اس کی قیمت دی جائے تو یہ جائز ہے لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں بہ یک وقت دس آدمیوں کا کھانا دے دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دس مسکینوں کی بھوک مٹانے کا حکم دیا ہے، خواہ بہ یک وقت یا دس دنوں میں اور یہ مقصود اس صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا۔

جن مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے وہ مسلمان ہوں۔ فقہاء احناف کے نزدیک ذی کو بھی کھانا کھلایا جاسکتا ہے اور باقی فقہاء کے نزدیک کافر کو قسم کا کفارہ کھانا جائز نہیں ہے۔

اگر کفارہ میں کپڑے دیئے جائیں تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی ان کا مالک بنانا ضروری ہے، بخلاف کھانا کھلانے کے،

کیونکہ اس سے مقصود بھوک کو مٹانا ہے اور وہ نقطہ کھانے کی اجازت سے بھی مٹ جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اتنا کپڑا ہونا چاہیے جس سے عام بدن چھپ جائے اور امام احمد کے نزدیک جتنی مقدار سے نماز جائز ہو جائے اور امام مالک کے نزدیک جتنے کپڑے سے تمام بدن چھپ جائے اور امام شافعی کے نزدیک کپڑے کا اطلاق دو چادروں پر ہوتا ہے یہ مقدار ضروری ہے ورنہ مردوں کو قمیص، شلوار اور ٹوپی دی جائے اور عورتوں کو قمیص، شلوار اور روپے۔

اس دور میں غلامی کا رواج ختم ہو گیا ہے اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ضابطہ یہ ہے کہ ایسا غلام آزاد کیا جائے جو کامل الاعضاء ہو اور عیب دار نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ غلام عام ہے، مومن ہو یا کافر، کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے اور تحریر رقبۃ (المائدہ: ۸۹) اور اس کو کسی قید سے مقید نہیں کیا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے، کیونکہ کفارہ قتل غلام میں فرمایا ہے۔ فتحریر رقبۃ مؤمنۃ (النساء: ۳) ائمہ ثلاثہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا اصول یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید دو الگ الگ احکام میں ذکر کیے جائیں تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاتا اور جس حکم میں کوئی چیز مطلق ذکر کی گئی ہے وہیں اس کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا اور جہاں اس کو مقید ذکر کیا ہے وہیں اس کی مقید پر عمل ہوگا۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر قسم توڑنے والا دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا ان کو کپڑے پہنانے یا غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ضروری نہیں ہے، لیکن اگر اس نے لگاتار تین دن کے روزے رکھے تو یہ مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے فصیام ثلاثۃ ایام (المائدہ: ۸۹) اور امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک لگاتار تین روزے رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود کی قرات میں ہے فصیام ثلاثۃ ایام منسابات ہر چند کہ یہ قرات متواتر نہیں ہے، لیکن یہ آیت خبر واحد اور آپ سے روایت کے درجہ میں ہے اور خبر واحد محبت ہوتی ہے اور اس سے قرآن کے کسی حکم میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ جس طرح عہدِ اردوہ توڑنے کے کفارہ میں جو ساٹھ روزے لگاتار رکھے جاتے ہیں، ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور ان کا لگاتار رکھنا صرف حدیث سے ثابت ہے۔ سوائے طرح اس کا حکم ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، ج ۳، ص ۴۵-۴۳، الذب، ج ۲، ص ۳۲-۳۰، بدلیہ، الجہد، ج ۲، ص ۷۵-۷۴، رد المحتار، ج ۳، ص ۴۰-۳۹، فتح القدیر، ج ۵، ص ۹-۵۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ

لے ایمان دارو! شراب اور جوا اور تیروں کے پاس نصب شدہ پتھر اور قال کے تیر

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا

محض ناپاک ہی، شیطان کی کاموں سے ہیں سر تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۵ شیطان

يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ

مرث یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں

وَالْمَيْسِرِ وَيُصَدِّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ

اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے

مُنْتَهَوْنَ ﴿۹۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ

داسے ہو ۵ اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور محتاط رہو، پھر اگر تم نے

تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ عَلَى رَسُولِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى

حکم مدلول کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صریح احکام کو صاف طور سے پہنچا دیتا ہے ۵ ایمان والے اور

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا

بیک عمل کرنے والے جو کچھ (پیسے) کھاپی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ

وَأَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا

سے ڈرتے رہے اور ایمان پر برقرار رہے اور نیک عمل کرتے رہے، پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور بدستور ایمان پر قائم رہے پھر اللہ

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾

سے دیتے ہے اور اچھے کام کرتے ہے اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور قال کے تیر محض بھاپک

ہیں شیطان کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے

ذریعے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے

ہو؟ (المائدہ: ۹۰-۹۱)

مشکل الفاظ کے معانی

خمر: انگور کا کچا شیرہ، جو پڑے پڑے سڑ کر بدبودار ہو جائے اور بھاک چھوڑ دے تو وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، اس کو خمر کہتے

ہیں۔ خمر کا معنی ہے ڈھانپنا اور نشہ انسان کی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔

میسر: ہر وہ عقد جس کی رو سے ہارنے والا جیتنے والے کو ایک معین اور پہلے سے طے شدہ رقم ادا کرے، اس کو میسر

کہتے ہیں۔ میسر میسر سے بنتا ہے اور جوئے کے ذریعے جیتنے والے فریق کو ہارنے والے فریق کی رقم آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس

لیے اس کو میسر کہتے ہیں۔

ازلام: تیمروں کی ہیئت کی چلی چلی لکڑیاں، ان سے زمانہ جاہلیت میں قسمت کا مال اور شگون معلوم کرتے تھے اور فل

نکالتے تھے۔

انصاب: بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر جن کی عبادت کی جاتی تھی اور بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ (المفردات، ج ۲، ص ۱۳۸)

رجس: جو چیز حایا معانگندی اور ناپاک ہو، انسان کی طبیعت اس سے گمن کھائے یا عقل اس کو برا جانے یا شریعت نے اس کو ناپاک قرار دیا ہو۔

شراب کی تحریم کے متعلق احادیث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جو اٹھتے تھے۔ مسلمانوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہئے کہ اس میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (واقعی) فائدے ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے زیادہ بڑا ہے۔ (البقرہ: ۲۱۹) تو لوگوں نے کہا اس میں ہمارے لیے رخصت ہے، ہم شراب پئیں گے اور جو اٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں گے، حتیٰ کہ ایک شخص نے سورہ کافرون کی پہلی آیت اس طرح پڑھی ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اعْبُدُوا مَا تُعْبُدُونَ۔ آپ کہئے کہ اے کافرو! میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! تم نماز کے قریب مت جاؤ ورنہ تم انھیں کہ تم نشہ میں ہو۔ (النساء: ۴۳) پھر بھی لوگ شراب پیتے رہے اور جب نماز کا وقت آتا تو شراب پینا چھوڑ دیتے اور اس وقت نماز پڑھتے جب انہیں علم ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں وہ اسی معمول پر برقرار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی اے ایمان والو! شراب اور جو اور ریت اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں..... کیا تم باز آنے والے ہو، تو مسلمانوں نے کہا اے رب! ہم باز آگئے۔

(جامع البیان، ج ۲، ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری وجہ سے کئی آیت نازل ہوئی ہیں، ایک (النہل: ۱۵) ہے۔ دوسری (انفال: ۱۱) ہے۔ (حضرت سعد نے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ سعیدی غفرلہ) (اور ایک یہ آیت ہے اس کی تفصیل یہ ہے) میں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے پاس گیا، انہوں نے کہا چلو ہم تمہیں کچھ کھلائیں اور شراب پلائیں اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، میں ان کے ساتھ بلخ میں گیا۔ وہاں ان کے پاس ایک اونٹ کا بھٹا ہوا سر تھا اور ایک مشک میں شراب تھی۔ میں نے اس میں سے کھلیا اور شراب پی، پھر ان کے درمیان مہاجرین اور انصار کا ذکر چڑھ گیا۔ میں نے کہا مہاجرین انصار سے زیادہ اچھے ہیں، ایک شخص نے اونٹ کے جڑے کی ہڈی میری ناک پر ماری جس سے میری ناک زخمی ہو گئی، میں نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ تب اللہ عزوجل نے میری وجہ سے شراب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! شراب اور جو اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ (الآیہ۔

(صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، ۳۳، (۱۷۳۸) ۶۱۲۱، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵۶۲-۱۶۱۴، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۸۵)

امام محمد بن جعفر بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مجلس شراب میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے، اس وقت شراب حلال تھی۔ اچانک میں اٹھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام پیش کیا، اس وقت شراب کی تحریم کے متعلق یہ

آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور قفل کے تیر محض ٹپاک ہیں۔ (المائدہ: ۹۰) اور اس کے آخر میں تھا کیا تم باز آنے والے ہو؟ میں اپنے اصحاب کے پاس گیا اور ان پر یہ دو آیتیں پڑھیں۔ بعض کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا جس سے انہوں نے شراب پی لی تھی اور بعض کی شراب برتن میں تھی، انہوں نے گلاس سے شراب انڈیل دی اور برتن کی شراب بہا دی اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔ اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۷۳، المستدرک، ج ۹، ص ۳۶، السنن الکبریٰ، ج ۸، ص ۲۸۶-۲۸۵)

خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء

قرآن مجید، احادیث متواترہ اور اجماع فقہاء سے خمر حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حقیقت میں خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو پڑے پڑے سڑ کر جھاگ چھوڑ دے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں لغت میں خمر کا یہی معنی ہے اور یہی حقیقت ہے۔ البتہ! مجازاً ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا جاتا ہے۔ احادیث اور آثار میں جہاں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا گیا ہے وہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کے برعکس ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ خمر کا معنی ذہان پنا ہے۔ شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہر نشہ آور مشروب حقیقتاً خمر ہے۔ اب ہم لغت کے حوالوں سے خمر کا معنی بیان کرتے ہیں۔

علامہ جمال الدین محمد بن کرم بن منظور افریقی متوفی ۷۴۷ھ لکھتے ہیں:

خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو، کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ابو حنیفہ وغیرہ نے کہا کہ دانوں سے جو شراب بنائی جاتی ہے اس کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں یہ علامہ وغیرہ کا تسلیم ہے کیونکہ خمر کی حقیقتاً انگور ہیں نہ کہ دوسری اشیاء اور عرب انگوروں کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں انگوروں کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ خمر انگوروں سے بنائی جاتی ہے۔ ابو حنیفہ وغیرہ نے اس قول کی حکایت کی ہے اور کہا کہ یہ سخن کی لغت ہے۔ نیز انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے انسی ارانسی اعصر حمر میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر نچوڑ رہا ہوں، ہل خمر سے مراد انگور ہیں۔ ابن عرفہ نے کہا کہ خمر نچوڑنے کا معنی ہے انگور نچوڑ کر خمر حاصل کرنا اور جب انگور نچوڑ لیے جائیں تو اس سے خمر حاصل ہوتی ہے اس لیے اس نے کہا میں خمر نچوڑ رہا ہوں۔ ابو حنیفہ نے بعض راویوں سے نقل کیا کہ انہوں نے سخن کے ایک شخص کو دیکھا کہ انگور اٹھائے جا رہے تھے انہوں نے اس سے پوچھا تم نے کیا ٹھہرایا ہو اس نے اس نے کہا خمر اس نے انگوروں پر خمر کا اطلاق کیا۔

(لسان العرب، ج ۳، ص ۲۵۵، مطبوعہ ایران، تاج العروس، ج ۳، ص ۱۸۷-۱۸۶، مطبوعہ مطبعہ خیر، مصر، اقرب الموارد، ج ۹، ص ۳۰۹)

(مطبوعہ ایران)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی النسخی المتوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک خمر کی تعریف یہ ہے، انگور کا کچی پانی جب نشہ آور ہو جائے۔ اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک بھی خمر کا یہی معنی معروف ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔

(صحیح مسلم الاثریہ، ۱/۶۷۷-۱/۶۷۸، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۴۲۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۶۸۳، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۵۵۴۳) اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے خمران دودرختوں سے (بنائی جاتی ہے) یہ فرما کر آپ نے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔

(صحیح مسلم الاثریہ، ۳/۳۰۰-۳/۳۰۱، ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۶۸۷، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۵۵۷۳-۵۵۷۲-۵۵۷۳)

تبیان القرآن

نیز خمر کا لفظ خامرۃ العقل سے بنا ہے اور یہ وجہ اشتقاق ہر نشہ آور چیز میں پائی جاتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ انگور کے نشہ آور شیرہ کو خمر کہتے ہیں۔ اسی بناء پر خمر کا استعمال صرف اس معنی میں مشہور ہے۔ نیز خمر کی حرمت قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے۔ اور ان کی حرمت کے دلائل بھی ظنی ہیں اور باقی نشہ آور مشروبات کو جو خمر کہا جاتا ہے وہ خامرۃ العقل کی وجہ سے نہیں کہا جاتا بلکہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا زائقہ بھی خمر کی طرح کڑوا ہوتا ہے (یعنی یہ اطلاق بطور مجاز و استعارہ ہے) نیز اگر یہ مان لیا جائے کہ خمر کا لفظ خامرۃ العقل سے مشتق ہے تب بھی یہ وجہ اشتقاق اس بات کے متنی نہیں ہے کہ خمر انگور کے ساتھ مخصوص ہو کیونکہ لفظ نجوم سے ماخوذ ہے جس کا معنی ظہور ہے اس کے باوجود لفظ ثریا کے ساتھ مخصوص ہے اور ہر ظاہر چیز کو لفظ نجوم نہیں کہا جاتا۔ ائمہ ثلاثہ نے جو پہلی حدیث پیش کی ہے (ہر نشہ آور چیز خمر ہے) اس کو یحییٰ بن معین نے مطعون قرار دیا ہے۔ (یحییٰ بن معین نے کہا یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور یحییٰ بن معین امام حنفی اور ثقہ ہیں حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے کہا جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانتے ہوں وہ حدیث نہیں ہے۔ حلیہ) اور دوسری حدیث (خمر ان دو درختوں سے بنتی جاتی ہے) اس سے رسول اللہ ﷺ کا فشاء کھجور کی شراب کا حکم بیان کرنا تھا اور یہی بیان منصب رسالت کے لائق ہے۔ (یعنی جب کھجور کی شراب کی مقدار کثیر نشہ آور ہو تو وہ بھی خمر کی طرح ہے اور حرام ہے) اور اس سے مد لازم آتی ہے۔ حلیہ) (ہدایہ اخیرین ص ۳۴۲ مطبوعہ شرکت ملیہ ملتان) خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب مطلقاً حرام ہے خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں اس مقدار میں حرام ہیں اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس اور ان کا بیضا طہل ہے۔ امام ابو حنیفہ کا استدلال ان احادیث سے ہے:

امام ابو عبد الرحمن احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔

(سنن الترمذی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۷۹۹-۵۷۹۸-۵۷۹۷-۵۷۹۶، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۲۹۷، کتاب الاکار لابی یوسف ص ۲۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵، ص ۸، سنن دار قطنی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۷۹، المعجم الکبیر للبخاری ج ۱۰، رقم الحدیث: ۱۰۸۳۰-۱۰۸۳۱-۱۰۸۳۲-۱۰۸۳۳، رقم الحدیث: ۵۳۸۹-۵۳۸۸، مجمع الزوائد ج ۵، ص ۱۵۳)

جس مشروب کی تیزی سے نشہ کا خدشہ ہو اس میں پانی ملا کر پینے کا جواز جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار کے جائز ہونے پر فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب نبیذ میں شدت اور حدت ہو اور وہ اس شدت کی بناء پر نشہ آور ہو اس نبیذ میں پانی ملا کر اس کی شدت کو کم کر کے اور اس کی حدت کو توڑ کر بیجا جائز ہے اور یہ عمل خود رسول اللہ ﷺ اور بہ کثرت صحابہ اور فقہاء تابعین سے ثابت ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نشہ میں مدہوش اعرابی لایا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے عذر طلب کیا جب وہ اپنی مدہوشی کی وجہ سے کچھ نہ بتا سکا تو آپ نے فرمایا اس کو ہاندہ دو جب اس کو ہوش آجائے تو اس کو کوڑے لگانا پھر حضرت عمر نے اس اعرابی کے منگیزہ میں بچے ہوئے مشروب کو منگوایا پھر آپ نے اس کو چکھا تو وہ بہت تیز اور

نخت تلح نیز تھا آپ نے پانی منگوا کر اس کی شدت اور حدت کو توڑا پھر آپ نے اس کو پیا اور اپنے ساتھیوں کو پلایا پھر آپ نے فرمایا جب اس کی تیزی اور نشہ تم پر غالب آجائے تو اس کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ امام محمد فرماتے ہیں ہمارا اس پر عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

(کتاب الاطعمہ امام محمد ص ۱۸۳-۱۸۴ کتاب الاطعمہ امام ابی یوسف ص ۲۲۶ مصنف عبد الرزاق ج ۹ ص ۲۲۳)
امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ صنعانی متوفی ۲۴۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کبیل پر آئے اور فرمایا مجھے اس سے پانی پلاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہم آپ کو وہ چیز نہ پلائیں جس کو ہم اپنے گھر میں تیار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو وہ چیز پلاؤ جس کو لوگ پیتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک پیالہ لے کر آئے آپ نے اس کو چکھا پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا پانی لاؤ پھر آپ نے اس میں پانی ملا دیا تین بار فرمایا اور زیادہ ملاؤ اور فرمایا جب تم کو (نیز) تیز لگے تو اسی طرح کیا کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۳۰-۱۳۱ مصنف عبد الرزاق ج ۹ ص ۲۲۶ سنن کبریٰ للشیخ ج ۸ ص ۳۰۰-۳۰۵-۳۰۴)
حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ کعب کے گرد طواف کر رہے تھے آپ کو پیاس لگی اور آپ نے پانی مانگا آپ کے پاس ایک برتن سے نیز لایا گیا آپ نے اس کو سوکھا اور پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا میرے پاس زمزم کا ڈول لاؤ پھر آپ نے اس میں پانی ملا کر اس کو پی لیا ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۳۰ سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۰۴ سنن نسائی ج ۸ رقم الحدیث ۵۷۹۰)
جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار کے حلال ہونے پر
فقہاء احناف کے دلائل

شخص الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا خمر کو بے حد حرام کیا گیا ہے، خمر قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مشروب کا وہ آخری گھونٹ حرام ہے جس سے نشہ پیدا ہو اور خمر بے حد حرام ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر اور مثلث اور کشش اور چھوڑوں کے پکے ہوئے پانی (یعنی نیز) میں قلیل اور کثیر کا فرق ہے۔ اس کی قلیل مقدار حلال ہے اور جس گھونٹ کے بعد نشہ پیدا ہو وہ حرام ہے اور وہ کثیر مقدار کا آخری گھونٹ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جو پیالہ نشہ آور ہو صرف وہ حرام ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا اس کی مثل کپڑے میں خون کی طرح ہے۔ اگر کپڑے میں قلیل خون ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور اس کی مثل نفقہ کی طرح ہے اگر انسان اپنی کلائی سے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے تو جائز ہے اور اگر خرچ میں اسراف کرے (یعنی ناجائز محل پر خرچ کرے) تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح نیز ہے اگر اس کو کھانے کے بعد پیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اس کو بہ قدر نشہ پیا تو ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ اسراف ہے اس لیے جب نیز پیتے ہوئے نشہ ہونے لگے تو اس کو چھوڑ دے۔ دیکھئے! مثلاً دودھ حلال ہے لیکن اگر کسی شخص کو زیادہ دودھ پینے سے نشہ ہونے لگے تو وہ زیادتی ناجائز ہوگی اور اس تمام تفصیل سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حرمت کا دہار نشہ لانے والے جز پر ہے۔ البتہ! خمر مطلقاً حرام ہے نیز خمر کو تھوڑی مقدار میں پینا زیادہ پینے کا محرک ہوتا ہے اس لیے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اس کے برخلاف مثلث (انگور کا شیرہ) جب جوش دے کر پکایا جائے اس کا وہ تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو اگر وہ شیریں ہو تو سب کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور جب وہ جوش دینے سے گاڑھا ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو

یوسف کے نزدیک اس کا پناہ گاہ ہے اور امام محمد کے نزدیک اس کا پناہ گاہ نہیں اس کو مثلث کہتے ہیں۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۲۹۰) اس کی قلیل مقدار کثیر کی محرک نہیں ہوتی بلکہ اس کی قلیل مقدار کھانے کو ہضم کرتی ہے اور عبلت کرنے کی قوت دیتی ہے اور اس کی کثیر مقدار سر میں درد پیدا کرتی ہے۔ کیا یہ مشابہہ نہیں ہے کہ جو لوگ نشہ آور مشروبات کو پیتے ہیں وہ مثلث میں بالکل رعبت نہیں کرتے۔ (المبسوط ج ۲ ص ۸۰۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد بخاری متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نشہ آور چیز کی قلیل مقدار حرام نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ خمر اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے اور نشہ آور مشروب کو قلیل مقدار میں پینے سے یہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہم ظاہر آیت کا لحاظ کریں تو قلیل مقدار میں بھی خمر حرام نہیں ہونی چاہیے لیکن ہم نے خمر کی قلیل مقدار میں اس قیاس کو چھوڑ دیا کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ البتہ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات میں ظاہر آیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ان کی قلیل مقدار اللہ کے ذکر سے روکتی ہے نہ نماز سے اور نہ بغض و عداوت پیدا کرتی ہے۔ (المنہاج ج ۱ ص ۲۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

خمر کے علاوہ دیگر مشروبات جو کثیر مقدار میں نشہ آور ہوں اور قلیل مقدار میں نشہ آور نہ ہوں تو اگر ان کی قلیل مقدار پینے سے کھانے کو ہضم کرنے کا ارادہ کیا جائے اور قیام لیل پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے یا دن میں روزہ رکھنے پر قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے یا انداء اسلام سے قتل کی قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے یا مرض کو دور کرنے اور دوا کے قصد سے ان کو پیا جائے تو یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہیں اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً حرام ہیں۔ خواہ ان کی مقدار قلیل ہو یا کثیر اور چونکہ اب فلو عام ہو گیا ہے اور لوگ عیش و طرب اور لہو لعب کے لیے ہی ان مشروبات کو پیتے ہیں اس لیے متاخرین نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۲-۲۹۳ ملخصاً موفیاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

انگریزی دواؤں اور پرفیوم کا شرعی حکم

مصنف کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آج کل کی غیر خمر مروجہ شرابیں پیتا ہے تو یہ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے قول کے مطابق حرام ہے خواہ قلیل مقدار میں پئے یا کثیر مقدار میں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے لیکن اگر اسپرٹ یا الکوحل کی نہایت قلیل مقدار ملغ دواؤں میں شامل ہو یا پرفیوم میں شامل ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے فتویٰ کے مطابق ان کو جواز پر محمول کرنا چاہیے کیونکہ ان دواؤں کے استعمال سے یہ قول صلوٰۃ نہیں آئے گا کہ وہ شخص نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار کو پی رہا ہے بلکہ یہ کہنا جائے گا کہ وہ شخص ایک چھپو دوا پی رہا ہے جس میں ایک یا دو قطرے الکوحل کے شامل ہیں اور جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ خمر عینہ حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے اور جس طرح احادیث سے ثابت ہے کہ تیز اور تلخ مشروب میں پانی ملا دیا جائے تو وہ حلال ہے سو اگر الکوحل بالقرض تیز اور تلخ بھی ہو تو دوسری دوائیں اور کیمیکلز ملنے کے بعد اس کی تیزی اور سختی جاتی رہتی ہے اور جس طرح علامہ بخاری نے کہا ہے کہ خمر کے حرام ہونے کی علت اس کا نماز اور اللہ کے ذکر سے روکنا ہے اور مسلمانوں میں بغض اور عداوت کا پیدا کرنا ہے اور دوا کی ایک خوراک جو ایک یا دو چمچے ہوتی ہے اور اس میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے وہ الکوحل نہ تو خمر ہے نہ نماز اور نہ

اللہ کے ذکر سے روکتی ہے اور نہ بغض اور عدوت پیدا کرتی ہے۔ سو ان دلائل کے اعتبار سے دواؤں میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے وہ حرام نہیں ہے اور یہ مانع دوائیں حلال ہیں اور کسی بیماری کے علاج کے لیے یا طاقت حاصل کرنے کے لیے ان دواؤں کو پینا جائز اور حلال ہے۔ اسی طرح پرفوم میں جو سپرٹ اور الکوحل شامل ہوتی ہے وہ بھی ان دلائل کے اعتبار سے جائز اور پاک ہے۔

مفتی محمد مظفر اللہ دہلوی متوفی ۸۶ھ انگریزی دواؤں کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) اگر اسپرٹ خمر سے تیار ہوتی ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو یہ مطلقاً حرام ہے اس سے کسی قسم کا انتقال جائز نہیں مگر وقت اضطرار کہ وہ بنص "الاما اضطررتم الیہ" اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ پس اس کی بیع و شراء بھی جائز نہیں اور اس کا بذریعہ بچکے کے منظر کرنا اس کی حرمت کو زائل نہیں کرتا۔ ہدایہ شریف میں ہے: "والشاسع ان الطح لا یؤثر فیہا لانه للمنع من ثبوت الحرمة لا لرفعہا بعد ثبوتہا۔ استہسی" لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شراباً خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایسی شراب کا جو ہرے جو گئے وغیرہ سے بنائی گئی ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بضرر صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے یہی حکم اس تقدیر پر ہے جب کہ ہذا یا مصنف یا مفع ذیب و خمر سے بنائی گئی ہو اس لیے کہ اس میں جوش دے دیا گیا ہے۔ لہذا علامہ علاء کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں۔ کما صرححت من قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ کون سی شراب سے بنی ہے تب بھی یہی حکم ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہو اور وہ اپنی دیر میں حرکت محسوس کرے اور اس کو یہ اشکل ہو کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے یا نہیں ٹوٹا تو وہ اس وقت تک نماز نہ توڑے جب تک کہ آواز نہ سنے یا بدبو نہ محسوس کرے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور اصل اشیاء میں طہارت اور طہارت ہے۔

(۲) جن صورتوں میں اس کی بیع جائز ہے ان ہی صورتوں میں اس کی خرید بھی جائز ہے۔ فقط۔

(۳) اگر اسپرٹ علاوہ خمر کے کسی دوسری شراب سے بنائی گئی جیسا کہ بعض ڈاکٹروں کا بیان ہے تو اس کی خرید و فروخت جائز لیکن مکروہ ہے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ غیر خمر کی بیع ہر چند کہ صحیح ہے لیکن مکروہ ہے جیسا کہ غلیہ میں مذکور ہے۔ پس اس کا ترک اولیٰ ہے۔ فقط۔

(۴) جب ادویہ میں اسپرٹ شامل ہے تو جو حکم اسپرٹ کا ہے وہی ان ادویات کا بھی ہے۔ پس اگر اسپرٹ یقیناً خمر سے تیار ہوئی ہے تو دیکھا جائے کہ اس سے شفا کا صرف احتمال ہی ہے یا ظن غالب اگر صرف احتمال ہے تو جائز نہیں اور اگر ظن غالب ہے تو اگر دوسری جائز دوا اس مرض کے لیے پائی جاتی ہے تب بھی ناجائز ہے ورنہ اختلاف ہے۔ در مختار میں ہے:

حرام دوا کے ساتھ علاج میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب میں یہ ممنوع ہے جیسا کہ البحر الرائق کی کتاب الرضاع میں مذکور ہے۔ لیکن مصنف نے وہاں اور یہاں الخوی سے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جب حرام دوا سے شفا کا یقین ہو اور کسی دوسری دوا کا علم نہ ہو تو اس کے ساتھ علاج کی رخصت دی جائے گی جیسا کہ پیاسے کو خمر (شراب) پینے کی رخصت دی جاتی ہے۔

میں اس صورت میں اگر اس کا بطور دو استعمال کیا جائے 'تو گنجائش ہے' لیکن کوئی یہی ہے کہ اس سے بچا جائے 'اور اگر اس کی ساخت بطریق تقطیر سوائے شراب کے دوسری اشیاء سے ہے' تب بھی بہتر تو یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس چیز میں شک ہو اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کر جس میں شک نہ ہو' لیکن اگر زیادہ ضرورت دیکھی جائے تو اس کے استعمال میں بھی گنجائش ہے۔ لہذا اختلاف ولعموم البلوی چنانچہ علامہ شاہی نے احکام الیون کے بارے میں فرمایا:

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز نشہ آور ہو اس کی کثیر مقدار کو استعمال کرنا تو مطلقاً حرام ہے 'اور قلیل مقدار اگر بہ طور لہو و لعب ہو' تب بھی حرام ہے اور اگر علاج کے لیے ہو تو پھر حرام نہیں ہے۔

لیکن یہ حکم جب ہے کہ قلیل استعمال کیا جائے 'اور نہ قدر مسکر بجز اضرار کے بطور دوا بھی جائز نہیں۔ کما قالہ العلماء والشامی فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ ولوالدیہ امام مسجد فتح پوری دہلی)

نوٹ: مفتی مظہر اللہ دہلوی نے حدیث اور فقہ کی صرف عربی عبارات ذکر کی تھیں 'ہم نے ان عبارات کا اردو ترجمہ ذکر کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ (فتاویٰ مظہری) ص ۲۸۹-۲۹۰ مطبوعہ مکتبہ اشفاق کینی 'کراچی' شراب نوشی پر وعید کی احادیث

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت زانی زنا کرتا ہے 'وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شراب پینے والا خمر (شراب) پیتا ہے 'وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے 'وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت لٹیروں کے سامنے لوٹ مار کرتا ہے 'وہ مومن نہیں ہوتا۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحديث: ۵۶۷۵، صحیح البخاری، رقم الحديث: ۲۳۷۵، صحیح مسلم الامین، رقم الحديث: ۱۸۰۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۴۶۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص نشہ کرے تو اس کو کوڑے مارو 'پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو 'پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو 'اور چوتھی بار فرمایا اس کی گردن اڑا دو۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحديث: ۵۶۷۸، سنن ابو داؤد، رقم الحديث: ۴۳۸۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۲۵۷۲)

عروہ بن رویم بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی سلمیٰ سوار ہو کر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی تلاش میں گئے 'جب ان کے پاس پہنچے تو کہا اے عبد اللہ بن عمرو کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خمر (انگور کی شراب) کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص میری امت میں سے خمر پئے گا اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا۔ (سنن النسائی ج ۸، رقم الحديث: ۵۶۸۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۳۷۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا خمر سے اجتناب کرو 'یہ تمام گناہوں کی اصل ہے' تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص عبادت گزار تھا اس پر ایک بدکار عورت فریفت ہو گئی 'اس نے اپنی باندی بھیج کر اس کو گواہی کے بہانے سے بلایا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو دروازہ بند کر دیا 'اس نے دیکھا وہاں ایک حسین عورت ہے 'ایک غلام ہے اور ایک شراب کا برتن ہے۔ اس عورت نے کہا اے کما خدہ کی قسم میں نے تم کو گواہی کے لیے نہیں بلایا' لیکن میں نے تم کو اس لیے بلایا ہے کہ تم میری خواہش نفس پوری کرو۔ یا

اس شراب سے ایک پیالہ پیا اس غلام کو قتل کر دو۔ اس عابد نے کہا مجھے اس شراب سے ایک پیالہ پلا دو اس نے اس کو ایک پیالہ شراب پلائی اس نے کہا اور پلاؤ پھر اس نے اس عورت سے بدکاری کی اور اس غلام کو قتل بھی کر دیا۔ سو تم خمر سے اجتناب کرو کیونکہ خدا کی قسم اداغنا شراب نوشی کے ساتھ ایمان باقی نہیں رہتا۔ (سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۴)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے خمر کو پیا چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی پھر اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر اگر دوبارہ شراب پیے تو اللہ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں کرتا پھر اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر اگر وہ شراب پیے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو دو زنجیوں کی پیپ پلائے۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں شراب پی پھر اس سے توبہ نہیں کی تو وہ آخرت میں شراب (طہور) سے محروم رہے گا۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۷، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۵۷۵، صحیح مسلم، الاشریہ، رقم الحدیث: ۷۶۰۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا احسن جنازے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا نہ ماں باپ کا نافرمان اور نہ دائمی شراب نوش۔ (سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۸۸)

خمر کی حد کا بیان

خرپے والے پر حد لگائی جائے گی خواہ وہ ایک قطرہ خرپے اور خولہ اس کو نشہ نہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص خرپے اس کو کوڑے مارو اگر دوبارہ پئے تو پھر کوڑے مارو اگر سہ بارہ پئے تو پھر کوڑے مارو اور اگر چوتھی بار خرپے تو اس کو قتل کر دو۔ (ترمذی و ابوداؤد) البتہ قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور کوڑے مارنے کا حکم باقی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا خون صرف تین وجہ سے جائز ہے۔ قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے یا شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے یا جو شخص مرتد ہو کر دین بدل لے اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔ (مسلم) اور جو شخص خمر کے علاوہ اور کوئی نشہ آور مشروب پیے تو اس پر اس وقت حد واجب ہے جب اس کو نشہ ہو جائے اور خمر کی حد اجتماع صحابہ سے اسی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ نیز شراب کے نشہ میں انسان پاک دامن مسلمان کو تہمت لگا دیتا ہے اور تہمت لگانے کی سزا قرآن مجید نے اسی کوڑے مقرر کی ہے۔

بھنگ اور افیون کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شاہی حنفی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

المحرر الرافق کی کتاب الطلاق میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص لودھب کے قصد سے بھنگ پیے یا افیون کھائے اور اس کی عقل مفلوج ہو جائے تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ معصیت ہے اور اگر اس نے علاج کی غرض سے بھنگ پی تھی یا افیون کھائی تھی تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اب اس کا کھانا اور پینا معصیت نہیں ہے۔ فتح القدیر میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ بغیر غرض علاج کے بھنگ پینا یا افیون کھانا حرام ہے۔ اور بزاز یہ میں لکھا ہے کہ اس علت سے معلوم ہوا کہ علاج کی غرض سے بھنگ اور افیون کا استعمال جائز ہے۔ التمرین الفائق میں بھی اس تفصیل کو لکھنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (رد المحتار ج ۵، ص ۲۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

سکون آور دواؤں کا شرعی حکم

سکون آور ادویہ مثلاً اے۔ ٹی ون ڈائز، وایم، البریم اور تفرائل وغیرہ کو بھی انسومینیا، دل گرفتگی (ڈپریشن) اور بلعویا ایسے امراض میں باہر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کرنا جائز ہے، لیکن ان دواؤں کو بطور علوت یا نشہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے، یہ تمام دوائیں وقتی طور پر اعصابی تشنج (ٹینشن) کو دور کرتی ہیں، لیکن ان کے بعد اثرات زندگی اور صحت کے لیے بہت مضر ہیں، ان دواؤں کو بہ کثرت استعمال کرنے سے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اخیر عمر میں ریشہ طاری ہو جاتا ہے۔

تبہاکو نوشی کا شرعی حکم

اگر انسان کبھی کبھی تبہاکو پی لے تو یہ مباح ہے، لیکن تبہاکو نوشی کو علوت بنالینا اور مستقل تبہاکو پینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اب جدید میڈیکل سائنس کی اس تحقیق کو تمام دنیا میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ تبہاکو نوشی انسانی صحت کے لیے مضر ہے، تبہاکو پینے سے بالعموم لوگوں کو کھانسی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، تبہاکو سے سمجھوروں کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، خون کی شرانیں تنگ ہو جاتی ہیں، بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے، کینسر ہو جاتا ہے اور بہت امراض پیدا ہوتے ہیں۔ امارے پاس یہ جسم اللہ تعالیٰ کی امت ہے، ہمیں اس جسم کو نقصان پہنچانے کا کوئی حق نہیں ہے اور ہر وہ چیز جس سے اس جسم کو نقصان پہنچے اس سے احتراز لازم ہے اور اس کا ارتکاب کرنا منوع ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

جو چیزیں نقصان دہ ہوں ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً زہر، شیشہ، مٹی اور پتھر اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

ترجمہ: "اپنے آپ کو قتل نہ کرو" اور یہ ارشاد ہے "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" اور ان چیزوں کا کھانا

ہلاکت ہے، اس لیے ان کا حلال نہ ہو نا واجب ہے۔ (شرح المذنب، ج ۹، ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں جو اکھیلنے کو بھی حرام قرار دیا ہے، تو نہیں مطلق قمار کا معنی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب، مغلوب سے کوئی چیز لے لے گا، خواہ وہ چاندی ہو یا کوئی اور چیز۔

(المنہج، ص ۶۵۳، مطبوعہ المطبعہ الکاثولیکہ، بیروت، ۱۹۲۷ء)

میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی، قمار ہے۔

(التعریقات، ص ۷۷، مطبوعہ المطبعہ الخیر، مصر، ۱۳۰۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قمار، قمار سے ماخوذ ہے۔ جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جو اکھیلنے والوں میں سے ہر

ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے۔ اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور

اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔

(رد المحتار، ج ۵، ص ۲۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص خلی متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اہل علم کا جوئے کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی جوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ

غنائے فرمایا آپس میں شرط لگنا جوا ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مل اور بیوی کی شرط لگاتے تھے۔ پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس کی تحریم نازل ہو گئی، جب سورہ روم نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو، پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا اور جوئے کی حرمت نازل ہو گئی۔ اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر سواری، گھوڑے سواری اور نیزہ بازی میں سہابت کی شرط لگانے کی رخصت ہے، یعنی سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہنے والے کو انعام نہ دیا جائے۔ (یہ انعام کوئی تیسرا شخص یا مقابلہ کرانے والا دے گا) اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ شرط ناجائز ہے، اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں تو یہ جائز ہے اور اس کو نبی ﷺ نے محلل فرمایا ہے۔ (احکام القرآن، ج ۱، ص ۳۲۹، مطبوعہ اسماعیلیہ لاہور، ص ۳۳۵)

معمر، لاٹری اور سٹہ کا شرعی حکم

ہمارے زمانہ میں معمر اور لاٹری کا رواج ہے۔ معمر میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ فیس ہوا کر کے لوگ اس معمر کو حل کر کے صاحب معمر کے پاس قسمت آزمائی کے لیے بھیج دیتے ہیں اور لاکھوں شراکاء کی فیسوں کے ذریعہ جو رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے تین چار انعام مقرر کیے جاتے ہیں۔ علمی حیثیت سے تو اس معمر کے بہت سے حل بھیج ہو سکتے ہیں، لیکن انعام اس شخص کو ملتا ہے جس کا حل کسی معقول کوشش کی بناء پر نہیں، بلکہ محض اتفاق سے کھانلو کے حل کے مطابق ہو۔ چونکہ معمر میں بھی ٹلیک کا دار خطرہ (Risk) پر ہے اس لیے یہ بھی میسر اور قمار ہے اور شرعاً ناجائز ہے اور حرام ہے۔

اسی طرح لاٹری بھی جوا ہے۔ لاٹری میں بڑے بڑے انجمنیات کالاج دے کر لاکھوں ٹکٹ فروخت کیے جاتے ہیں اور ٹکٹوں کے ذریعہ جو رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے قریب اندازی کے ذریعہ چند لاکھ روپے تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہلال احمد اور قائمید فائونڈیشن کے رحل ٹکٹ کا کاروبار عام ہے، یہ کاروبار خالص جوا ہے، اگر کوئی شخص حق کے مریضوں کی مدد اور غریب بیماروں کے لیے خون میا کرتا ہے تو سیدھے اور صاف طریقہ سے آکر ان لوگوں میں عطیات جمع کرائے، لاٹری کے ٹکٹ خرید کر قسمت آزمائی کے راستہ سے غریب اور بیمار مریضوں کے لیے جوئے کی رقم میانہ کرے، اسی طرح وہ سارے کھیل اور کام جوئے میں داخل ہیں جن میں اشیاء کی تقسیم کا دار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں اور بین الاقوامی کھیلوں میں ہارجیت پر جانبین سے شرط لگانا، اسی طرح بارش ہونے یا نہ ہونے پر، یا کسی بھی اتفاق امر پر جانبین سے شرط لگانا صراحتاً سٹہ اور جوا ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر

جسمانی ورزش اور باہمی دلچسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو، تو ان کا کھیلنا جائز ہے۔ مثلاً بعض کھیل ایسے ہیں جن میں کھلاڑی گھٹنوں سے اونچا نیکر پہنتے ہیں، بعض کھیل ایسے ہیں جو صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت کھیل کے دوران آکر نکل جاتا ہے، اور کھلاڑی اور کھیل دیکھنے والے نماز کا کوئی خیال نہیں کرتے، کھانے اور چائے کا وقفہ کیا جاتا ہے، لیکن نماز کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا، بعض دفعہ کسی کھیل میں ہارجیت پر کوئی شرط رکھی جاتی ہے۔ یہ سب امور ناجائز ہیں۔

انسان کی صحت اور جسم کو ہلاک و چھینڈ رکھنے کے لیے کھیل اور ورزش دونوں بہت ضروری ہیں۔ بعض لوگ میز کری پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں، ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا، اس

کی وجہ سے ان لوگوں کی توجہ نکل آتی ہے اور خون میں کلیسٹرول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ ذیابیطس (خون میں شکر کا ہونا) ہائی بلڈ پریشر، دل کی بیماریوں، معدہ کا ضعف اور گیس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظانِ صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اسلام میں مختلف کھیلوں اور ورزشوں کی بھی مناسب حد تک حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے گھڑسواری کا مقابلہ کرایا، پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا، آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا، اسی طرح آپ نے کشتی بھی کی اس سلسلہ میں ہم نے تمام احادیث شرح صحیح مسلم، جلد سولہ میں بیان کر دی ہیں۔

جسم کو چاق و چوبند اور صحت کو قائم رکھنے کے لیے جو کھیل کھیلے جائیں اور جسمانی ورزشیں کی جائیں ان میں یہ نیت ہونی چاہیے کہ ایک صحت مند اور طاقتور جسم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر زیادہ اچھی طرح عمل کر سکا ہے اور حقوق العباد کی لوائی اور خلق خدا کی خدمت، سترست اور توانا جسم سے بہتر طور پر کی جاسکتی ہے۔ اس لیے اچھی صحت اور طاقت کے حصول کے لیے مناسب کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینا چاہیے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقاً جائز ہے اور نہ اس میں کسی معین جنس کے مقابلے کی قید ہے۔ خواہ پیادہ دوڑ کا مقابلہ ہو، کشتیوں کا ہو یا پرندوں، غجروں، گدھوں اور ہاتھیوں یا نیزوں کا مقابلہ ہو۔ اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے اور طاقت آزمائی کے لیے پتھر اٹھانا بھی جائز ہے، کیونکہ ایک سفر میں نبی ﷺ نے حضرت عائشہ سے دوڑ میں مقابلہ کیا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑ میں مقابلہ کیا، نبی ﷺ نے حضرت رکنہ سے کشتی لڑی اور نبی ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے، جو پتھر اٹھا کر طاقت آزمائی کر رہی تھی، آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ (المغنی، ج ۹، ص ۳۶۸، مطبوعہ بیروت)

ان تمام احادیث اور آثار میں اس کا ثبوت ہے کہ صحت اور قوت کو برقرار رکھنے کے لیے صحت مند کھیلوں اور جسمانی ورزشوں کو اختیار کرنا چاہیے اور ان کھیلوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے مقابلہ منعقد کرنا بھی جائز ہے۔ البتہ کسی بھی مقابلہ پر ہارجیت کی شرط رکھنا جائز ہے۔

چو سر اور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو، وہ حرام ہے اور جس کھیل میں کسی بھی جانب سے کسی عوض کی شرط نہ ہو، ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ حرام تو زہر شیر ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اکثر شافعیہ کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے کہا یہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ جریجو سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے زہر شیر (جو سہا کھیل) اس نے اللہ اور اس کے رسول کی مافرمائی کی اور حضرت بریدہ جریجو سے روایت کیا ہے کہ جس نے زہر شیر کو کھیلنا، اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں رنگ لیے اور سعید بن جبیر جب زہر شیر (جو سہا کھیلنے والوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام نہیں کرتے تھے۔

ان دلائل کی بناء پر جو شخص بار بار زہر شیر (جو سہا کھیل) اس کی گواہی مقبول نہیں، عام ازیں کہ وہ جوئے کے ساتھ کھیلے یا بغیر جوئے کے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا ظاہر مذہب ہے، شطرنج بھی جو سر کی طرح حرام ہے۔

البتہ اچھو سر کی حرمت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس کی حرمت میں صریح نص وارد ہے اور شطرنج کو چھو سر پر قیاس کر کے حرام کیا گیا ہے۔ قاضی ابوالحسن نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، قاسم، سالم، عروہ، محمد بن علی بن حسین، وراق اور امام مالک کے نزدیک شطرنج حرام ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ شطرنج مباح ہے۔ حضرت ابو ہریرہ، سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر کا بھی یہی مذہب ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور شطرنج کی تحریم میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی شطرنج اور زرد شیر میں کوئی علت مشترکہ ہے۔ لہذا یہ اپنی اصل پر مباح ہے نیز شطرنج سے جنگی چالوں کی مشق ہوتی ہے لہذا یہ نیزہ بازی، تیر اندازی اور گھوڑے سواری کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں 'ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میسر یعنی جوئے کو حرام کیا ہے۔ (المائدہ: ۹۰) اور حضرت علی نے شطرنج کو بھی میسر فرمایا اور شطرنج کھیلنے والے اس کھیل سے جنگی چالوں کی تربیت حاصل کرنے کا قصد نہیں کرتے' ان کا اس سے قصد صرف کھیل یا جوا ہوتا ہے۔ نیز اس میں مشغول ہو کر انسان نمازوں اور خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے' اسی وجہ سے امام احمد نے فرمایا کہ شطرنج کھیلنے والے کی شلوات بھی مردود ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ جو شخص شطرنج کو کھیلے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر اس کو مباح سمجھنے والا کھیلے تو اس کی شلوات مسترد نہیں ہوگی' لہذا یہ کہ اس کھیل کی وجہ سے وہ نمازوں سے غافل ہو جائے یا اس کھیل میں وہ جھوٹی قسمیں کھائے یا بازار میں بیٹھ کر کھیلے یا اس کی وجہ سے کوئی اور سستی اور بے وقعت حرکت ہو۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے' سو شطرنج کا بھی وہی حکم ہے جو باقی مختلف یہ مسائل کا حکم ہوتا ہے۔ (المنہج، ج ۲، ص ۱۷۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)۔

علامہ علاؤ الدین الحسینی الحنفی لکھتے ہیں:

نرد (چو سرا) اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے امام شافعی نے شطرنج کھیلنے کو مباح کہا ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہی ہے 'یہ اس وقت ہے جب اس میں شرط نہ لگائی جائے اور نہ اس کو کھیلنے کی عادت پٹائی جائے اور نہ اس میں مشغولیت کی بناء پر کسی واجب کو ترک کیا جائے' ورنہ شطرنج کھیلنا جلع حرام ہے۔

(در مختار علی ما مشرد المحتار، ج ۵، ص ۲۵۲-۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کرکٹ میچ کے متعلق امام احمد رضا کی ہدایت

مولانا اقبال احمد نوری لکھتے ہیں:

عرصہ ۲۰ سال کا ہوا، حلی احمد حسین صاحب نے نجیب آباد میں افتخار ملاقات کے دوران ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ جب میں بریلی ہائی سکول میں پڑھ رہا تھا اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا اور ہفتہ میں دو تین بار اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میرٹھ کی ایک ٹیم ہرنگہ سے جیت کر فائنل میچ کھیلنے بریلی آئی، ہیڈ ماسٹر انگریز بھی ساتھ تھا۔ پہلے روز بریلی کی ٹیم کھیلی اور ہمیں رن بنا کر پوری ٹیم آؤٹ ہو گئی، جس کے سبب بڑی سراسیمگی پیدا ہو گئی اور جیتنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ اسی روز بعد مغرب میں اور غلام جیلانی (کہ ہم دونوں ہم سبق اور چہ بھائی تھے) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ میرٹھ اور بریلی ہر دو جگہ کے کھیلنے والے یہی امید لیے ہوئے ہیں کہ ہماری جیت ہو۔ پھر بریلی کے طلباء کی اگر ادھو کی جائے جب کہ ہر دو فریق میں مسلم اور غیر مسلم طلباء موجود ہوں گے۔

عرض کیا ہاں حضور! بت تو یہی ہے، مگر مشرق قرب محمد صاحب جو سید ہیں، حضور انہیں خوب جانتے ہوں گے۔ فرمایا ہاں! عرض کیا وہ لڑکوں کو گیند بلا بھی کھلاتے ہیں اور ڈرل ماشین بھی ہیں، ان کی تحفہ میں پندرہ روپیہ ترقی اس شرط پر قرار پائی ہے کہ بریلی والے جیت جائیں، فرمایا یہ بات قتلِ خود ہے۔

ارشاد فرمایا اگر میرٹھ والوں کے سولہ (سہارن) نہیں تو بریلی والوں کی جیت ہے۔ عرض کی جی حضور! اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کل صبح جب بریلی کے لڑکے کھیلنے کے لیے چلیں تو انہیں جو مسلمان ہوں، انہیں سکھا دیا جائے کہ بسم اللہ پڑھ کر قدم جمائیں اور سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر، پھنگیوں سے شروع کریں اور کھببص یہ پانچ حروف ہیں ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں، پھر اٹے ہاتھ پر جمعہ سنو یہ بھی پانچ حروف ہیں، ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں، جب دونوں مٹھیاں بند ہو جائیں تب سورۃ "السم تر کیف" پڑھیں۔ جب تر مبیہم پڑھیں تو اس کو دس بار پڑھیں اور ہر بار سیدھے ہاتھ کی ایک ایک انگلی کھولتے، پھر اٹے ہاتھ کی یہی تک دس بار تر مبیہم پڑھنے میں دس انگلیاں کھل جائیں گی، پھر بقیہ سورہ بحجۃ من سحیل فجعلہم کعصف ما کول پڑھ کر اپنی جگہ جا کر کھڑے ہو جائیں اور جو لڑکا گیند پھینکے اسے سکھادیں کہ ہر مرتبہ حم یسروں پڑھ کر گیند پھینکے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۸ دن کا کر میرٹھ کے وہ سب لڑکے آؤٹ ہو گئے جو نہ معلوم کمال کمال سے جیت کر آئے تھے۔

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی فن ریاضی، کمال کئے پا کر امت کس۔ آپ نے بیش ایک ایسا عمل عطا فرمادیا کہ اس عمل کے ذریعہ ہر قسم کے مقابلوں میں فتح حاصل کی جاسکتی ہے، بعض عالمین نے اس پر یہ کہا کہ کسی بھی قیمت پر میرٹھ والوں کے سولہ دن سے زیادہ بن ہی نہیں سکتے تھے، کیونکہ اس عمل میں بھی ایک عجیب فلسفہ اور حکمت ہے۔ کھببص میں پانچ حروف ہیں جمعہ سنو میں پانچ حروف ہیں اور تر مبیہم میں چھ حروف ہیں۔ اس طرح کل ملا کر سولہ حروف ہوئے، پس اعلیٰ حضرت نے اس عمل کے ذریعہ بندش کر دی تھی۔ لہذا سولہ دن سے آگے بڑھنا اور اس سے کم ہونا ناممکن تھا۔

(مجموع شہستان رضا، حصہ سوم، ص ۲۸۰-۵۰، مطبوعہ روی جلیکیشنز، لاہور)

شراب پر زیادہ تفصیلی بحث شرح صحیح مسلم جلد سولہ اور خاص میں ہے اور جوئے پر زیادہ تفصیلی گفتگو شرح صحیح مسلم جلد رابع اور خاص میں ہے۔

شراب اور جوئے کی دینی اور دنیاوی خرابیاں

اس آیت میں دس وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت بیان کی گئی ہے:

۱۔ شراب اور جوئے کو جوں اور فل کے حیدوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور بہ اور فل کے تیر حرام ہیں، سو شراب اور جو بھی حرام ہیں۔

۲۔ شراب اور جوئے کو جس یعنی ٹپاک فرمایا ہے اور ٹپاک چیز حرام ہے، اس لیے شراب اور جو بھی حرام ہیں۔

۳۔ ان کو شیطان کا عمل فرمایا اور شیطان کا عمل حرام ہے۔

۴۔ ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور جس سے اجتناب کرنا واجب ہو اس کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔

۵۔ ان سے اجتناب کرنے پر اخروی فوز و فلاح موقوف ہے اور ان کا ارتکاب فوز و فلاح کے متغی ہے اور جو چیز اخروی فوز و فلاح کے متغی ہو وہ حرام ہے۔

۶۔ ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے۔

- ۷۔ ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان عدوت پیدا کرتا ہے اور عدوت حرام ہے اور یہ دونوں اجتماعی ضرر ہیں۔
 ۸۔ ان کے ذریعہ شیطان تمہیں اللہ کی یاد سے روکتا ہے اور جو چیز اللہ کی یاد سے روکے وہ حرام ہے۔
 ۹۔ ان کے ذریعہ شیطان تمہیں نماز سے روکتا ہے اور جو چیز نماز سے روکے وہ حرام ہے۔
 ۱۰۔ پھر فرمایا کیا تم باز آنے والے ہو؟ سو شراب اور جوئے سے باز آنا فرض ہے اور ان میں مشغول ہونا حرام ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عثمان نے فرمایا غمر (شراب) ام النبیات ہے۔ (السنن ج ۸ ص ۵۷۸) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دائمی شرابی ماں باپ کا نافرمان اور احسان جتنے والا فردوس کی جنتوں میں داخل نہیں ہوگا۔ (مسند ابی ہریرہ ج ۲ ص ۴۳۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ دائمی شرابی تھا وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا جیسے بچوں کو پھنسنے والا ہو۔ (مسند ابی ہریرہ ج ۲ ص ۴۳۳) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غمر پر غمر کے پینے والے پر غمر ملانے والے پر انگوٹھ نچوڑنے والے پر شراب پلانے والے پر غمر اٹھانے والے پر اس پر جس کے لیے غمر لائی جائے غمر بیچنے والے پر غمر خریدنے والے پر اور غمر کی قیمت کھانے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ (مسند ابی ہریرہ ج ۲ ص ۴۳۷)

غمر انسان کی عقل ذاکل کر دیتی ہے اور انسان نشہ کی حالت میں ایسے کام کرتا ہے جن کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں اس کی عزت اور آئندہ گر جاتی ہے اور اس کا وقار نہیں رہتا نیک کاموں کی قدرت جاتی رہتی ہے اور برائی سے دور نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ شراب نوشی سے اس کی صحت تباہ ہو جاتی ہے اور اہصاب کمزور ہو جاتے ہیں اس کا اثر اس کی اولاد پر بھی پڑتا ہے اور اس کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور اس میں کئی بیماریوں کی استعداد ہوتی ہے اور نشہ کی حالت میں انسان اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے اور اس سے اس کا گھر تباہ ہو جاتا ہے اور بچے ویران ہو جاتے ہیں۔

جوئے سے ایک فریق کو بغیر کسی محنت اور عمل کے بہت فائدہ ہوتا ہے اور دوسرا فریق ناگہانی طور پر بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات یہ دشمنی قتل اور خون ریزی کی طرف پہنچاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شراب اور جوئے میں شخص اور اجتماعی اور دنیاوی غرایاں ہیں۔
 انصاف اور ازالام کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا انصاف اور نصب بن بھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ (صحیح البخاری ج ۵ رقم الحدیث: ۳۷۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابو عبیدہ نے کہا نصب واحد ہے اور انصاف جمع ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا یہ وہ پتھر ہیں جن کو گاڑ دیا جاتا تھا اور ان کے پاس جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا اور ان پر جانوروں کا خون ڈال دیا جاتا تھا اور انصاف نصب کی بھی جمع ہے اور اس کا معنی بت ہیں۔

(صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۷۸-۴۷۹ مطبوعہ دار الفکر لکھنؤ الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

ازلام کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ازلام بن تیہوں کو کہتے ہیں جن سے زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنی قسمت معلوم کرتے تھے۔ دوسروں نے کہا زلم اس تیر کو کہتے ہیں جس میں پرند ہو یہ واحد ہے اور اس کی جمع ازلام ہے۔ اور استقام (قسمت طلب کرنا) یہ ہے کہ تیر کو گھمیلیا جائے۔ اگر وہ کسی کام سے منع کرے تو رک جائے اور اگر کسی کام کا حکم دے تو اس کو کرے انہوں نے تیہوں پر مختلف قسم کی علامتیں بتائی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ وہ قسمت معلوم کرتے تھے۔

(صحیح البخاری ج ۵ رقم الحدیث: ۳۶۱۵ مطبوعہ بیروت)

صحیح البخاری کی حدیث الجہت میں مذکور ہے کہ سراقہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر کا پیچھا کیا تو میں نے تیرے قسمت معلوم کی، آیا مجھے نفع ہو گا یا نقصان، تو وہی نکلا جس کو میں پسند کرتا تھا۔ (ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۰۶) امام ابن جریر نے کہا زمانہ جاہلیت میں وہ تین قسم کے تیروں پر اعتقاد کرتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا ”کام کرو“ دوسرے پر لکھا ہوتا تھا ”نہ کرو“ اور تیسرا سلوہ ہوتا تھا۔ فراس نے کہا ایک پر لکھا ہوتا تھا ”میرے رب نے حکم دیا ہے“ دوسرے پر لکھا ہوتا تھا ”میرے رب نے منع کیا ہے“ اور تیسرا سلوہ ہوتا تھا۔ جب ابن میں سے کوئی شخص کام کرنا چاہتا تو وہ تیرے قل نکلتا، اگر لکھا ہوتا ”نہ کرو“ تو وہ کام کرتا اور اگر لکھا ہوتا ”نہ کرو“ تو وہ کام نہ کرتا اور اگر تیسرا سلوہ نکلتا تو وہ دوبارہ قل نکالتا۔ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کا سب سے بڑا بت جبل تھا، یہ کعبہ کے درمیان میں نصب تھا، اس کے پاس تیر رکھے ہوتے تھے۔ جب انہیں کوئی مهم درپیش ہوتی تو وہ ان تیروں سے قل نکالتے اور جس قسم کا تیر نکلتا اس پر عمل کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انفرادی طور پر تیروں کا نہ استعمال کرتے ہوں، جس طرح سراقہ نے کیا تھا، امام ابن جریر طبری نے سعید بن جریر سے روایت کیا ہے کہ ازلام سفید کنکریاں تھیں اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ پتھر تھے، جن پر کچھ لکھا ہوتا تھا، اور وہ اپنے ہر سفر میں خواہ وہ سبز جنگ کا ہو یا تجارت کا، ان پتھروں کے ساتھ سفر کرتے تھے، یہ تفسیر اس پر محمول ہے کہ وہ کعبہ والے ازلام کے علاوہ تھے۔ کھد شین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ازلام (قل نکالتے کے تین تین قسم کے تھے۔ (۱) یہ تین قسم کے تیر تھے اور یہ ہر ایک کے پاس تھے (۲) یہ احکام کے تیر تھے اور یہی کعبہ میں تھے اور یہ عرب کے ہر حاکم اور کاہن کی دسترس میں ہوتے تھے، یہ تیر سات قسم کے تھے اور ان پر قصاص اور وصیت و فیوہ کے احکام لکھے ہوئے تھے اور ایسے امور جو بہ کثرت پیش آتے تھے۔ (۳) یہ جوئے کے تیر تھے، یہ دس قسم کے تھے، سات دھاری دار تھے اور تین سلوہ تھے اور وہ ان تیروں کے ساتھ جوا کھیلتے تھے۔

ابو عبیدہ نے کہا قسمت معلوم کرنے یا قل نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تیر کو ٹھہراتے تاکہ ان کی قسمت معلوم ہو۔ آیا وہ سفر کریں یا نہ کریں، جنگ میں جائیں یا نہ جائیں اور جو کچھ لکھا ہوا نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔

(صحیح البخاری، ج ۸، ص ۲۷۸-۲۷۹، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۱ھ)

ازلام کی تفسیر میں مزید مباحث اور مسائل اسی سورت کی آیت نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کا حکم ہو اور رسول کا حکم ہو اور عقلمند ہو، پھر اگر تم نے حکم بدولی کی تو جان لو کہ

ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو صاف طور سے پہنچا دینا ہے (المائدہ: ۶۷)

یعنی اللہ اور اس کے رسول نے غم جوئے اور دیگر عمرات سے اجتناب کا جو حکم دیا ہے اس حکم پر عمل کرو اور اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی تو دنیا میں تم پر کوئی مصیبت آجائے گی یا تم آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اس بات سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا دردناک عذاب۔

(النور: ۳۳)

اور اگر تم نے اعراض کیا اور ہمارے رسول کے حکم پر عمل نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ تو تمہیں تبلیغ فرما چکے ہیں، اللہ کی

حجت تم پر پوری ہو چکی ہے اور اب تمہارے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھاپی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور ایمان پر پختہ قرار رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں۔ پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(المائدہ: ۹۳)

شان نزول کا بیان

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب شراب حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے کیا یا رسول اللہ! ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہو گا جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں فوت ہو گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھاپی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ لایہ

(مسند احمد، ج ۱، رقم الحديث: ۲۰۸۸-۲۰۵۲-۲۱۹۹، دار الفکر، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۳۳، طبع قدیم، جامع الہیان، ج ۷، ص ۵۰، امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور امام ذہبی نے ابن کی موافقت کی، المستدرک، ج ۲، ص ۱۳۳)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت برادر بن جبریل بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے فوت ہو گئے، جب شراب حرام کر دی گئی تو صحابہ نے کہا اہلے ان اصحاب کا کیا حال ہو گا جو شراب پیتے رہے اور فوت ہو گئے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابو یوسف نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحديث: ۳۰۶۳-۳۰۶۳۰، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحديث: ۵۳۵۰، مسند ابو یعلیٰ، ۱۷۲۰، جامع الہیان، ج ۷، ص ۵۰)

میں ۵۰ تحريم خمر کی تاریخ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے سورہ مائدہ کی تفسیر میں یہ لکھا تھا کہ شراب فتح مکہ کے سال (۶۱۰ھ) میں فتح مکہ سے پہلے حرام کی گئی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ دسمالطی نے اپنی سیرت میں جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ شراب کو حدیبیہ کے سال حرام کیا گیا اور حدیبیہ کا واقعہ چھ ہجری میں ہوا تھا اور امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ حکم بنو نضیر کے واقعہ میں نازل ہوا تھا اور یہ جنگ احد کے بعد کا واقعہ ہے اور رائج قول کے مطابق یہ چار ہجری کا واقعہ ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو میں (انس) لوگوں کو شراب پلا رہا تھا اور میں اس وقت قوم میں سب سے چھوٹا تھا۔ (صحیح ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۸۳) تو اگر چار ہجری میں شراب کی تحریم نازل ہوئی تو حضرت انس اس وقت چودہ سال کے ہوں گے تو پھر وہ ان میں سب سے چھوٹے کیسے ہوئے۔ (فتح البدر، ج ۱۰، ص ۳۱، مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۱ھ)

شراب کو حرام کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے، کیونکہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے سو جو چیز عقل کو زائل کر دے اس کو حرام کر دینا ہم پر امت بڑا انعام ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے تو پھر گزشتہ امتوں میں خمر کو کیوں حلال رکھا گیا، جبکہ عقل کی ان کو بھی ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نشہ کرنا تمام ادیان میں حرام رہا ہے، ان پر خمر کی قلیل مقدار حلال تھی، ہم پر خمر کی قلیل مقدار بھی حرام کر دی گئی، تاکہ قلیل مقدار میں خمر کا پنا کثیر مقدار میں خمر پینے کا ذریعہ نہ بن جائے اور یہ اللہ

تعالیٰ کا ہم پر خصوصی کرم ہے، کیونکہ اس نے ہم کو خیر اہم قرار دیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اس حکمت کی وجہ سے ابتداء اسلام میں خمر کو حرام کیوں نہیں قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء اسلام میں خمر کو مباح رکھا تاکہ مسلمان خمر کے فساد کا خود مشاہدہ کریں، حتیٰ کہ جب ان پر خمر حرام کر دی گئی تو انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم برحق ہے۔ اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے یہ شرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور ایمان پر برقرار رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں، پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں۔

اس آیت میں دو مرتبہ ایمان لانے اور تین مرتبہ اللہ سے ڈرنے کا ذکر فرمایا ہے، اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱۔ پہلے ایمان اور تقویٰ سے مراد اصل ایمان اور اصل تقویٰ ہے، یعنی انہوں نے شرک اور کفر کو ترک کیا اور اللہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس ایمان اور تقویٰ پر برقرار رہے اور تیسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے اس کے بندوں پر ظلم کرنے سے باز رہے، اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہے۔

۲۔ پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اس کے نازل کیے ہوئے سابقہ احکام مثلاً نماز، روزہ اور جملہ وغیرہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ کے خوف اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے بعد میں نازل ہونے والے احکام پر ایمان لائے، مثلاً بعد میں شراب، خمر، انصاف اور اذلام کو حرام کیا گیا، تو وہ ان کی حرمت پر ایمان لے آئے۔ پھر تیسری بار اللہ کے ڈر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے اجتناب کرنے پر برقرار رہے اور نیک سلوک کرتے رہے۔

۳۔ پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے بچتے تھے اور ایمان اور اعمال صالحہ پر برقرار رہتے تھے، اور دوسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے بعد میں حرام کی جانے والی چیزوں، مثلاً شراب سے بچتے ہوئے اور اس کی تحریم پر ایمان لائے اور تیسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ڈر سے اس اجتناب اور اعمال صالحہ پر برقرار رہے۔

۴۔ تین بار ذکر سے تین اوقات مراد ہیں، یعنی وہ ماضی میں اللہ سے ڈرتے تھے، حال میں بھی اللہ سے ڈرے اور مستقبل میں بھی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

۵۔ تین بار ذکر سے تین احوال مراد ہیں، یعنی وہ خوف خدا سے کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق نہ ہو، اور نہ وہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو آداب رسالت کے مطابق ہو، اور نہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے اپنے نفس اور عام مسلمانوں کے لیے باعث ضرر ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوشش رہتے ہیں۔

۶۔ وہ خوف خدا سے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں، خلاف ملت اور خلاف اولیٰ کاموں سے بچتے ہیں اور بعض ایسے مباح کاموں سے بچتے ہیں جو دنیاوی اور محسوس نفس کا سبب ہوں۔

۷۔ اس سے مراد سلوک کی ابتداء، سلوک کا وسط اور سلوک کی انتہاء ہے جس میں انسان محبوب حقیقی سے داخل ہو جاتا

۸۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عمر کے تین لوگ مر لو ہوں یعنی وہ عمر کی ابتدا میں بھی اللہ سے ڈرتے تھے وسط میں بھی اور آخر میں بھی۔

۹۔ وہ شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے بھی اس سے اجتناب کرتے تھے اس کی تحریم نازل ہونے کے بعد بھی اس سے اجتناب کرتے رہے اور باقی اعمال میں خوف خدا سے گناہوں سے اجتناب کرتے رہے اور نیک عمل کرتے رہے۔

۱۰۔ اس تکرار سے ایمان اور خوف خدا کی تاکید اور اس میں مبالغہ مقصود ہے تاکہ مسلمان اس پر نہایت اہمیت کے ساتھ برقرار رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُؤْثِقَ اللَّهُ لَكُمُ الْبَيْتَ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ

لئے ایمان والو! اللہ تم کو حزرہ ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے

أَيْدِيكُمْ وَرِمَا حُكُمُ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمِنَ اعْتَدَىٰ

نیز سے پہنچے ہیں تاکہ اللہ یہ ظاہر کر سکے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے اور جس نے اس (تنبیہ)

بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۵۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا

کے بعد سے تمہارے تہاذا کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے ۵۷ لے ایمان والو! حالت احرام میں شکار نہ

الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِّنْكُمْ مُّتَعَتِدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ

مارو، اور تم میں سے جس نے عدا شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے

مَا قَتَلَ مِنَ النِّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ

اس شخص کو برائیوں میں سے اسی کی مثل قربان کن ہوگی، تم میں سے دو منصف اس کی

الْكُفَّةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكُمْ صِيَامًا

محبت کا نیکہ کریں گے وہاں جہاں یہ قربان کیجئے والی ہو یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان کی تعداد کے برابر

لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهُ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَن عَادَ فَيَنْتَقِمْ

وہ سے رکھنا ہے تاکہ وہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھے، جو گزرا اس کو اللہ نے معاف کر دیا، اور جو دوبارہ کام کرے گا تو اللہ

اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿۵۸﴾ أَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ

اس کا انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب مقرر ہے ۵۸ تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام

طَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلْغِيَارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔ اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام

حُرِّمًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۹۶﴾

کر دیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے عتاباً ڈرتا ہے سو جس نے اس حیرہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ: ۹۷)

شان نزول اور مناسبت

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے سال میں نازل ہوئی، بعض مسلمانوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور بعض نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا، اور جب ان کے سامنے شکار آتا تو ان کے احوال اور افضل مختلف ہوتے اور ان پر احکام مشتبہ ہو جاتے۔ تب اللہ نے ان کے احوال اور افضل کے احکام بیان کرنے اور حج اور عمرہ میں منوعہ کام بیان کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن 'جز ۶' ص ۲۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مجروحہ حدیبیہ میں نازل ہوئی، جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وحشی جانوروں کے شکار کی آناؤں میں جھٹکا کیا اور وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے، وحشی جانور بکثرت ان کی ساریوں کے گرد بھر رہے تھے، اور وہ ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں تھے۔ حضرت ابو جعفر جریجی نے فرمایا پرندوں کے چوزے اور وحشی جانوروں کے بچے اور انڈے ان کے ہاتھوں کی زد میں تھے اور بڑے جنگلی جانور، مثلاً جنگلی گدھا، گائے اور لونٹ وغیرہ ان کے نیزوں کی زد میں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شکار قریب تھے، وہ ان کے ہاتھوں کی دسترس میں تھے اور جو شکار دور تھے، وہ ان کے نیزوں کے نشانوں پر تھے۔ نیزہ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ شکار کرنے کا بڑا اختیار ہے، نیزہ اور دیگر اختیار بھی اس میں شامل ہیں۔

(روح المعانی 'جز ۷' ص ۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جن پاکیزہ اور پسندیدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے، ان کو حرام نہ قرار دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو مستحکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ حرام اور نجس ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحشی جانوروں کے شکار کرنے کو حرام قرار دیا اور شکار کرنے پر اس کی غلٹی اور تدارک کے لیے تین بیان فرمایا۔

”تاکہ اللہ یہ جان لے“ کی توجیہات

اس آیت کے دوسرے جز کا فعلی معنی یہ ہے، تاکہ اللہ یہ جان لے کہ کون اس سے عتاباً ڈرتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیش سے جاننے والا ہے اور کسی شخص کے کسی کام کرنے یا نہ کرنے پر اس کا علم موقوف نہیں ہے، اس لیے ہم نے اس کا معنی یہ کیا ہے، تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے عتاباً ڈرتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم سے مراد علم ظہور ہے۔ اس کو حکماء کی اصطلاح میں علم تنصیلی سے تعبیر کرتے ہیں، جو مطلقات کا معنی ہے، اس کے برخلاف علم اجالی علم کا معنی ہوتا ہے۔

علامہ بیضاوی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ذکر کیا ہے اور اس سے مراد معلوم کو واقع کرنا اور اس کو ظاہر کرنا ہے۔ نیز علامہ بیضاوی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے عائدہ ڈرتا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم بالفعل متعلق ہو جائے اور بعض مفسرین نے کہا یہاں پر مضاف محذوف ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ کے لولیاہ جلن لیں کہ کون اللہ سے عائدہ ڈرتا ہے۔ ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے 'تاکہ اللہ پہچان کرادے اس کی جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا ہے۔'

حالت احرام میں شکار کرنے کی سزا

اس کے بعد فرمایا سو جس نے اس حبیہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ حبیہ کے بعد حرم کا شکار کے درپے ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم سے محض لاپرواہی برتا ہے اور بے ہاکی ہے اور اس کے ڈر اور خوف سے اپنے آپ کو آزاد رکھنا ہے اور جو شخص اپنے نفس کو ناکام ڈالنے پر قادر نہ ہو اور اس قسم کے آسان احکام میں آزمائش پر پورا نہ اتر سکے اس سے کب توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بڑے بڑے اور سخت احکام میں آزمائش پر پورا اتر سکے گا۔ قبلہ یہ ہے کہ یہ عذاب آخرت میں ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی پشت پر ہند کر کے اس پر کوڑے لگائے جائیں گے اور شیخ الاسلام نے کہا اس کو دنیا میں بھی سزا دی جائے گی اور وہ آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! حالت احرام میں تم شکار نہ مارو اور تم میں سے جس نے عدا شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے اس شخص کو سببیوں میں اس کی مثل قربانی کرنی ہوگی تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے ورنہ ایک یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا امن (کی تعداد) کے برابر روزے رکھنا ہیں تاکہ وہ اپنے کرمات کا مزہ چکھے۔ جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ سخت عذاب قہم ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

فحش کے جانوروں کے قتل کی ممانعت سے پانچ فاسق جانوروں کا استثناء

فحش کے شکار کو مارنا حرم پر حرام ہے اور سمندری شکار کو مارنا اس کے لیے حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اُجِّلَ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ . تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا مَنَاعًا لَّكُمْ وَلِلنَّاسِ تَارَةً (المائدہ: ۹۶) ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے۔

فحش کا شکار وہ ہے جو فحش میں پیدا ہوا ہو اور فحش ہی میں رہتا ہو اور سمندری شکار وہ ہے جو پانی میں (خواہ دریا ہو یا سمندر) پیدا ہوا ہو اور پانی میں رہتا ہو اور شکار اس جانور کو کہتے ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس ہو اور ان سے خطر اور متوجش ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فحش کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے عمومی حکم سے پانچ فحش جانوروں کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ کٹے والا کتا، بھیڑیا، چیل، گوا، سانپ اور بچھو۔ کیونکہ یہ جانور ابتداءً حملہ کرتے ہیں اور ایذا پہنچاتے ہیں اور گوشت سے مراد وہ ہے جو مواد کھاتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں جن کو حرم یا غیر حرم میں قتل کر دیا جائے گا۔ سانپ، گوا، جس کی پشت اور پیٹ پر سفیدی ہو، چوہا اور کٹے والا کتا اور چیل۔

(صحیح مسلم، ج ۶، ۶۶ (۱۱۹۸) ۲۸۱۵ سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۲۹، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں 'پانچ جانور کل کے کل قاص ہیں' من کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ کو 'جیل' کاٹنے والا کتا' بھو اور چوہ۔

(صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۹، صحیح مسلم 'ج ۱' (۱۱۹۸) ۲۸۲۰، سنن الترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۹۰) علامہ یحییٰ بن شرف نووی حنفی ص ۶۷۹ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم اور غیر محرم کے لیے کاٹنے والے کتے کو حرم اور غیر حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہی معروف کتا مراد ہے۔ امام لوزاعی، امام ابو حنیفہ اور حسن بن صالح کا یہی قول ہے اور انہوں نے بھڑیے کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کیا ہے اور امام زفر کے نزدیک کتے سے مراد صرف بھڑیا ہے اور جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ کاٹنے والے کتے سے مراد بالخصوص یہ معروف کتا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ درندہ ہے جو علوۃ حملہ کرتا ہو مثلاً بھڑیا اور چیتا وغیرہ۔ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ قاضی عیاض نے اس قول کو جمہور علماء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی 'ج ۵' ص ۲۲۳، مطبوعہ مکتبہ نزار معینی، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ) کھیتوں کے کوئے کے علاوہ ہر کوئے کو قتل کرنے کا حکم شیخ شبیر احمد عثمانی حنفی ص ۳۷۹ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئے کو قتل کرنے کے حکم سے وہ چھوٹا کوا مستثنیٰ ہے جو دانہ کھاتا ہے۔ اس کو غراب زرع اور زارع کہا جاتا ہے۔ اس کے کھانے پر جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے 'اس کے علاوہ کوئے کی جتنی قسمیں ہیں ان سب کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ فتح الباری کے مطابق کوئے کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک عقیق ہے۔ قلموں میں لکھا ہے کہ یہ سفید اور سیاہ رنگ کا پرندہ ہے۔ اس کی آواز عین اور قاف کے مشابہ ہے اور وہ سراپتھ ہے جس کی پیٹھ اور پیٹ پر سفیدی ہے۔ تیسرا غراف ہے۔ اہل لغت اس کو ابھق کہتے ہیں اور اس کو غراب ابن بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جب لوح علیہ السلام نے اس کو زمین کی خبر لانے کے لیے بھیجا تو یہ ان سے ملے ہو کر مزار کھانے میں مشغول ہو گیا۔ چوتھی قسم اصم ہے۔ یہ وہ ہے جس کی ٹانگ یا پیر یا پیٹ میں سفیدی یا سرخی ہو اور پانچویں قسم زارع ہے اس کو غراب زرع بھی کہتے ہیں یہ چھوٹا کوا ہے جو دانہ کھاتا ہے۔

(فتح الملکم 'ج ۳' ص ۲۳۱، مطبوعہ مکتبہ المجاز کراچی) شیخ عثمانی نے زارع یا غراب زرع کے سوا کوئے کی باقی اقسام کو حرام قرار دیا ہے اور فقہاء کی عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ زارع (غراب زرع) اور عقیق کے سوا کوئے کی باقی اقسام حرام ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ زارع (غراب زرع) اور عقیق دونوں اس عام کوئے سے چھوٹے ہوتے ہیں ان تصریحات سے واضح ہوا کہ یہ عام معروف کوا جو ہمارے درختوں پر پایا جاتا ہے حرام ہے۔

تین صورتوں میں محرم کے لیے شکاری جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر محرم شکار کو قتل کر دے تو اس پر اس کی جزا (تلوان) واجب ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ کی اس آیت ۹۵ میں صراحتاً مذکور ہے۔ شکار کے قتل کی بھی قسمیں ہیں ایک قسم مباح ہے اور ایک قسم حرام ہے۔ حرام وہ قسم ہے جس میں محرم شکار کو بغیر کسی سبب موجب یا سبب مباح کے قتل کر دے۔ سبب موجب یہ ہے کہ کوئی جانور محرم پر حملہ کر دے اور اس کو قتل کیے بغیر اس جانور سے جان بچانے کی اور کوئی صورت نہ ہو اس صورت میں اس جانور کو قتل کرنا واجب

ہے کیونکہ جان بچانا فرض ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے قاعدہ کے مطابق ہے اور سبب مسکٰی یہ ہے کہ انسان کے پاس حلال ذرائع سے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو اور جان بچانے کی صرف یہ صورت ہو کہ انسان کسی جانور کو شکار کر کے کھالے تو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے اس جانور کو شکار کر کے کھانا مباح ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا بِأَهْلِيكُمْ إِلَى الشَّهِلِ كَذَرِ
اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو
(البقرہ: ۱۹۵)

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی جانور کو کسی درندہ یا کسی کے پھندہ سے بچانے کی کوشش کرے اور وہ جانور ہلاک ہو جائے تو اس پر ضلع نہیں ہے۔
محرم عبد اقل کرے یا خطاء ہر صورت میں اس پر ضمان کا وجوب
ائمہ مذاہب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ محرم شکار کو عبد اقل کرے یا خطاء قتل کرے ہر صورت میں اس پر ضمان واجب ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس بچہ کو محرم شکار کرے اس کا تلوان رسول اللہ ﷺ نے ایک مینڈھا قرار دیا اور اس کو شکار میں شمار فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا محرم شتر مرغ کا انڈا شکار سے حاصل کرے تو اس کا تلوان اس کی قیمت ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۸۶، مطبوعہ بیروت)
وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس ضلع کو عمر کے ساتھ مقید نہیں فرمایا بلکہ شکار کرنے پر مطلقاً تلوان کو واجب فرمایا ہے۔

شکار کی تعریف

شکار کو قتل کرنا محرم پر حرام ہے خواہ اس نے حج کا احرام باندھا ہو یا عمرہ کا اور شکار وہ ہے جس میں تین اوصاف ہوں۔ اس کا کھانا حلال ہو اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو وہ فی نفسہ پالتو جانور نہ ہو اور انسانوں سے غیر مانوس ہو لیکن کو دیکھ کر بھاگنے والا متحیر اور وحشی ہو۔ سو اگر کوئی شخص کسی درندے کو یا چاڑھے چیرنے والے پرندے کو یا حشرات الارض میں سے کسی جانور مثلاً چھپکلی یا گرگٹ وغیرہ اور دیگر کینڑے کھوڑے کو قتل کر دے تو اس پر ضلع نہیں ہے اسی طرح محرم اگر کسی پالتو جانور کو ذبح کر دے مثلاً گائے بکری اور مرغی وغیرہ کو تو اس پر بلا ضلع ضلع نہیں ہے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سمندری اور دریائی جانور کو شکار کرنا جائز ہے صرف خشکی کے جانور کو شکار کرنا محرم کے لیے جائز نہیں ہے۔

شکار پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضمان کے لزوم میں مذاہب ائمہ

امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک جس طرح شکار کو قتل کرنے سے محرم پر جزم لازم آتی ہے۔ اسی طرح اگر محرم کسی اور کو شکار کی طرف رہنمائی کرے یا اس پر دلالت کرے تو اس پر بھی ضمان لازم آتی ہے اور امام شافعی اور امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ ضلع کا تعلق قتل سے ہے اور شکار پر دلالت کرنا اس کو قتل کرنا نہیں اور یہ ایسا ہے جیسے غیر محرم غیر محرم کو کسی شکار پر دلالت کرے فقہاء اختلاف کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو قتادہ جہنی بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے، حتیٰ کہ ہم "قحط" میں پہنچے، ہم میں سے بعض محرم اور بعض غیر محرم تھے، اچانک میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں، میں نے دیکھا کہ وہ ایک جنگلی گدھا تھا، میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی، اپنا نیزہ سنبھالا اور سوار ہو گیا۔ اتفاقاً میرا چابک گر گیا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے چابک اٹھاؤ، ساتھی محرم تھے، انہوں نے کہا خدا کی قسم! ہم تمہاری اس سطلہ میں بالکل مدد نہیں کریں گے، میں نے اتر کر چابک اٹھایا اور سوار ہو گیا۔ میں نے اس جنگلی گدھے کو پیچھے سے جا کر پکڑ لیا اور آٹھا، ایک وہ نیلہ کے پیچھے تھا، میں نے نیزہ مار کر اس کی گونچیں کٹ ڈالیں اور اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس لایا۔ بعض ساتھیوں نے کہا کھالو اور بعض نے کہا نہ کھالو، نبی ﷺ مارے آگے تھے۔ میں گھوڑا بڑھا کر آپ تک پہنچا، آپ نے فرمایا وہ حلال ہے اس کو کھالو۔

(صحیح مسلم، الج ۵۱، ۲۸۴۳ (۱۱۶۱) صحیح ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث ۱۸۲۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث ۱۸۵۲، سنن ترمذی، رقم

الحديث ۸۳، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحديث ۲۸۸۱)

درج ذیل حدیث میں زیادہ وضاحت ہے۔

حضرت ابو قتادہ جہنی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے بعض صحابہ کو ایک طرف روانہ کیا جس میں ابو قتادہ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلو۔ پھر مجھ سے آ ملنا، پھر وہ سب سمندر کے کنارے کنارے چل پڑے، جب وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جانے لگے تو حضرت ابو قتادہ کے سوا سب نے احرام باندھ لیا، انہوں نے احرام نہیں باندھا تھا، چلتے چلتے انہوں نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ایک گدھے کی گونچیں کٹ ڈالیں، پھر سب نے اتر کر اس کا گوشت کھلایا۔ حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے سوچا کہ ہم نے (شکار کا) گوشت کھالیا ہے، حلال نہ ہم محرم ہیں۔ حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس جنگلی گدھے کی باقی ماندہ گوشت اپنے ساتھ رکھ لیا اور جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابو قتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا، ہم نے جنگلی گدھے دیکھے، ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی گونچیں کٹ ڈالیں، پھر ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھلایا۔ پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے، اور ہم نے شکار کا گوشت کھالیا، پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا سر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھالو۔

فیہاں کی روایت میں یہ الفاظ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی شخص نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا

اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ اور شعبہ کی روایت میں ہے کیا تم نے اشارہ کیا تھا یا انہوں کی قسم؟ یا شکار کیا تھا؟

(صحیح مسلم، الج ۵۰، ۲۸۴۰ (۱۱۶۱) صحیح ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث ۱۸۲۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث ۱۸۵۲، سنن ترمذی، رقم الحديث

۸۳۸، سنن نسائی، رقم الحديث ۲۸۸۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث ۳۰۵۳، صحیح ابن حبان، رقم الحديث ۳۹۹۱، مصنف عبد الرزاق، رقم

الحديث ۸۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۳۲۲، سنن دلمی، ج ۲، ص ۲۹، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، طبع قدیم)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے شکار کے حلال ہونے کو اس کی طرف اشارہ نہ کرنے پر موقوف فرمایا

ہے۔ سو اگر کوئی شخص زبان سے شکار کی رہنمائی کرے گا تو وہ بطریق اولیٰ حرام ہو گیا، اگر یہ کہا جائے کہ اس سے تو صرف اس

شکار کا حرام ہونا لازم آئے گا، ضمن لازم نہیں آئے گی، تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ محرم کے لیے شکار کی

طرف اشارہ کرنا یا اس کی طرف رہنمائی کرنا حرام ہے اور اس کے اس اشارہ کرنے کی وجہ سے اس شکار کا امن زائل ہو گیا اور اس کی جان تلف ہو گئی اور اس کے اشارہ اور اعانت کی وجہ سے وہ شکار قتل کر دیا گیا سو شکار کی طرف اشارہ کرنے والے محرم پر بھی وہی حکم ہوگی جو شکار کو قتل کرنے والے محرم پر ہوتی ہے۔ صلاۃ نے کہا ہے کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ شکار پر ولایت کرنے والے پر بھی حکم ہے اور اس ولایت کے لوگ صحابہ کرام اور تابعین تھے۔ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے اور امام طحاوی نے اس کو متعدد صحابہ سے نقل کیا ہے اور کسی صحابی سے اس کے خلاف مقول نہیں ہے تو اس پر اجماع صحابہ ہے اور حضرت ابن عمر سے جو یہ مقول ہے کہ ولایت کرنے والے پر حکم نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب ولایت کرنے سے شکار کو قتل نہ کیا جائے۔

(فتح اللہ ج ۳ ص ۶۳-۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۳۰۰ھ لکھتے ہیں:

شکار پر ولایت کرنے سے بھی ضامن بنایا جائے گا پس جب کسی محرم نے کسی غیر محرم کو شکار پر ولایت کی اور اس نے اس شکار کو تلف کر دیا تو اس کی پوری جراح محرم پر ہوگی۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور مجاہد بکر مزیٰ اسحاق اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ولایت کرنے والے پر کچھ حکم نہیں ہے کیونکہ ولایت جنایت سے لازم آتی ہے ولایت سے لازم نہیں آتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو قتادہ جریڈی کے اصحاب سے فرمایا تھا کیا تم میں سے کسی نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ نیز شکار پر ولایت کرنا اس کو تلف کرنے کا زریعہ ہے لہذا اس کی وجہ سے حکم لازم آئے گی اور یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔

(المغنی ج ۳ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار الفکر ۱۴۰۵ھ)

شکار کی جزامیں اس کی مثل صوری ضروری ہے یا اس کی قیمت؟

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک شکار کو قتل کرنے کی جزامیہ ہے کہ جس مقام پر شکار کو قتل کیا گیا یا جو جگہ اس کے قریب ترین ہو وہیں اس شکار کی قیمت مقرر کی جائے اور دو نیک شخص اس کی قیمت مقرر کریں پھر فدیہ دینے میں محرم کو اختیار ہے اگر اتنی رقم سے قربانی کا جانور خریداجا سکتا ہے تو اس رقم سے قربانی کا جانور خرید کر اس کو بیع کر دے اور اگر چاہے تو اس رقم سے طعام خرید کر مسکینوں پر صدقہ کرے ہر مسکین کو دو کلو گرام گندم یا چار کلو گرام کھجور دیں یا جو صدقہ کرے اور اگر چاہے تو جتنے مسکین پر صدقہ لازم آتا ہے اتنے دنوں کے روزے رکھے مثلاً فدیہ کی رقم سے دس کلو گندم آتی ہے جو پانچ مسکینوں پر صدقہ کی جائے گی تو اس کو اختیار ہے کہ دو پانچ مسکینوں پر دس کلو گندم صدقہ کرے اور چاہے تو اس کے بجائے پانچ دنوں کے روزے رکھ لے۔

امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جس شکار کی نظیر ہو سکتی ہو اس میں اس کی نظیر کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ ہرن کی نظیر بکری ہے اور بچہ کی نظیر بھی بکری ہے اور خرگوش کی نظیر بکری کا بچہ ہے اور جنگلی چوہے کی نظیر ہارہ کا بکری کا بچہ ہے اور شتر مرغ کی نظیر اونٹ ہے اور جنگلی گدھے کی نظیر گائے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَحَرَّزَ آتَاقَتِلَ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

تو اس کا تو ان اس جانور کی مثل ہے جس کو اس نے قتل کیا

(المائدہ: ۹۵) ہے۔

اور مقتول جانور کی مثل وہ ہوگی جو صورۃ اس کی مثل ہو اور قیمت اس جانور کی مثل نہیں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خلقت اور ظاہری صورت کے اعتبار سے مثل کو واجب کیا ہے۔ شتر مرغ، ہرن، جنگلی گدھے اور خرگوش میں انہوں نے ان ہی جانوروں کو مثل قرار دیا ہے جو ہم نے بیان کی ہیں۔ امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا بھوکا ہے؟ فرمایا ہاں! جب محرم اس کا شکار کرے تو اس میں ایک مینڈھا ہے۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحديث: ۳۸۶، سنن ترمذی، رقم الحديث: ۸۵۱، سنن ابی حاتم، رقم الحديث: ۲۸۳۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۲۳۶، سنن دارمی، رقم الحديث: ۱۸۷۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۹۷، سنن دارقطنی، ج ۲، ص ۲۳۵، مسند ابی یوسف، ج ۴، ص ۴۵۲)

جس جانور کی نظیر نہ ہو اس میں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت واجب ہے مثلاً چڑیا اور کبوتر اور ان کی مثل وہ سرے پرندے اور جب قیمت واجب ہو تو امام محمد کا قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے مطابق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے بکری کو واجب کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مثل کو مطلقاً ذکر کیا ہے اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے اور مثل کامل وہ ہے جو صورۃ اور معنی دونوں اعتبار سے مثل ہو اور جب کامل مثل متحقق نہیں ہو سکتی تو اس کو معنی مثل پر محمول کیا جائے گا کیونکہ مثل معنوی شریعت میں متعارف ہے جیسا کہ حقوق العباد میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ أَغْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ
يَسْئَلُ مَا أَغْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ (البقرہ: ۱۷۳)
سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کی زیادتی کا بدلہ دو۔
اس زیادتی کی مثل جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

نیز جن جانوروں کی مثل نہیں ہے ان میں امام شافعی کے نزدیک بھی مثل معنوی مراد ہوتی ہے جس میں مثل معنوی بلا جملع مراد ہے۔ لہذا جب کہ مثل معنوی ہی مراد لینی چاہیے اور نہ قرآن مجید کے ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے لازم آئیں گے کہیں مثل صوری اور کہیں مثل معنوی۔ نیز مثل معنوی میں عموم ہے اور مثل صوری میں خصوص ہے اور مجموع خصوص پر راجع ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ محرم نے جس شکار کو قتل کیا ہے اس پر اس کے تولد میں اس کی قیمت واجب ہے۔ نیز قرآن مجید میں قتل کیے ہوئے شکار کے لیے نعم کا لفظ ہے اور یہ لفظ جنگلی اور پالتو دونوں قسم کے جانوروں کے لیے بولا جاتا ہے۔
جزاء میں اختیار منصفوں کی طرف راجع ہے یا محرم کی طرف؟

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جزاء میں اختیار محرم کی طرف راجع ہے یعنی محرم کو اختیار ہے خواہ وہ اس جانور کی قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر اس کی قربانی کر دے یا اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کر دے یا ان مسکینوں کی تعداد کے برابر روزے رکھ لے اور امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک یہ اختیار فیصلہ کرنے والے دو نیک حاکموں کی طرف راجع ہے۔ اگر وہ قربانی کا حکم دیں تو اس جانور کی نظیر خرید کر اس کی قربانی کرے اور اگر وہ طعام صدقہ کرنے کا حکم دیں یا روزے رکھنے کا حکم دیں تو اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کرے یا مساکین کی تعداد کے برابر روزے رکھے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ اختیار محرم کی آسانی کے لیے دیا گیا ہے اور محرم کے لیے آسانی اسی وقت ہوگی جب یہ اختیار اس کی طرف راجع ہو۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے در آنحالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو یا اس پر چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان کی تعداد کے برابر روزے رکھنا ہیں

اور ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختیار ان مسکینوں کی طرف راجع ہے۔

طعام کا صدقہ مکہ میں کرنا ضروری ہے یا ذرو سرے شہر میں بھی جائز ہے؟

قریبی کا جانور صرف مکہ میں ذبح کیا جائے گا اور مسکینوں کو طعام کا صدقہ کسی اور شہر میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی صدقہ طعام کو قریبی پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ یہ طعام بھی مکہ کے مسکینوں پر صدقہ کیا جائے اور ان دونوں میں مشترک چیز یہ ہے کہ حرم کے رہنے والوں کے ساتھ حسن سلوک ہو۔ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ شکار کی جزاء میں کسی جانور کو ذبح کرنا غیر معقول فعل ہے لہذا وہ زنان اور مکمل کے اعتبار سے اپنے امور میں بند رہے گا اور صدقہ کرنا ایک معقول فعل ہے۔ اس لیے وہ ہر جگہ ہو سکتا ہے اور روزہ میں اشقی ہے کہ وہ کسی بھی شہر میں رکھے جاسکتے ہیں۔

(ہدایہ اولین، ص ۲۸۰-۲۷۷، مختصر اور موضحاً، مطبوعہ مکتبہ شرکت مطبعہ، ملتان)

دوسری بار شکار کو مارنے سے جزاء لازم ہوگی یا نہیں؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت عتاب مستحق ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

اس آیت کا معنی ہے محرم نے پہلی بار شکار کو قتل کیا اور اس کی ضمانت یا جزاء ادا کر دی تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور جس محرم نے دوسری بار شکار کو قتل کیا وہ اخروی عذاب کا مستحق ہوگا۔

دوسری بار شکار کو قتل کرنے والا ضمان ادا کرے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ عطاء، ایرائیم، ابن حبیب، حسن اور جمہور کا قول یہ ہے کہ تکرار قتل سے تکرار جزاء واجب ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کاظمی شریع کا قول یہ ہے کہ اگر محرم نے دوبارہ شکار کو قتل کیا تو اس کو کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا حتیٰ کہ جب ان سے کوئی محرم سوال کرتا کہ اس نے شکار کو قتل کر دیا ہے اب وہ کیا کرے تو وہ اس سے سوال کرتے تھے کہ اس نے پہلی بار شکار کو قتل کیا ہے یا دوسری بار۔ اگر اس نے پہلی بار قتل کیا ہو تو اس کو کفارہ کا حکم دیتے اور اگر دوسری بار قتل کیا ہو تو اس کو کفارہ کا حکم نہ دیتے اور وہ چونکہ عذاب اخروی کا مستحق ہے اس لیے اب اس پر صرف توبہ کرنا لازم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے کہ اس کی توبہ قبول فرمائے یا اس کو عذاب دے جس طرح بلی کبیرہ گناہوں کا حکم ہے۔

اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے دوبارہ حالت احرام میں شکار کو قتل کیا اور کفارہ نہیں دیا تو اللہ اس سے انتقام لے گا لیکن یہ توجیہ ظاہر آیت سے بعید ہے۔ اس آیت میں گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والے کے لیے بہت سخت وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو دوبارہ کرنے پر انتقام لینے کی وعید سنائی ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ ہر آن اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا رہے اور کسی بھی گناہ کو دوبارہ کرنے سے اجتناب کرے۔ مبادا وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام کا شکار ہو جائے جس جب بھی اس آیت کو پڑھتا ہوں تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

اضطرار کی صورت میں شکار اور مردار میں سے کس کو اختیار کرنا اولیٰ ہے

اگر محرم کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ملے اور وہ بھوک سے جل بلب ہو اور اس کو مردار اور شکار دونوں میسر ہوں تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ مردار کھا کر جان بچائے یا شکار کو مار کر کھائے۔ امام زفر نے کہا وہ مردار کھالے کیونکہ مردار ایک وجہ سے حرام ہے اور شکار کو قتل کر کے کھانا کئی وجہ سے حرام ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ وہ شکار کو قتل کر کے کھا لے اور اس کی جزاء ادا کرے کیونکہ مردار کی حرمت زیادہ غلیظ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شکار کی حرمت عارضی ہے، احرام سے

نکٹے کے بعد یہ حرمت ختم ہو جاتی ہے اس کے برخلاف مردار کی حرمت دائمی ہے اور جب اسے دو حرموں میں سے کسی ایک حرمت کا ارتکاب کرنا پڑے تو زیادہ غلیظ حرمت کے مقابلہ میں ضعیف حرمت کو اختیار کرے جیسا کہ دو مصیبتوں میں سے کم درجہ کی مصیبت کو اختیار کیا جاتا ہے جس کو فقہاء اہل البیہین سے تعبیر کرتے ہیں۔ مبسوط میں اسی طرح مذکور ہے اور فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے کہ اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق مردار کھانا شکار کو قتل کر کے کھانے سے اولیٰ ہے۔ امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے کہا کہ شکار کو ذبح کر لے اور اگر شکار حلال ہو اور ذبح ہو تو سب کے نزدیک شکار کو کھانا مردار سے اولیٰ ہے اور اگر ایک طرف شکار ہو اور دوسری طرف خنزیر کا گوشت ہو تو جان بچانے کے لیے محرم کے واسطے اولیٰ یہ ہے کہ وہ شکار کھالے۔

(روح المعانی ج ۷، ص ۳۰-۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مبسوط اور فتاویٰ قاضی خاں کی نقل میں تعارض ہے ہمارے نزدیک مبسوط کی نقل معتد ہے اور قوت دلیل کے اعتبار سے وہی رائج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے۔ (المائدہ: ۹۶)

سمندری شکار کی تعریف اور اس میں مذہب ائمہ

سمندری شکار سے مراد ہے جس جانور کو پانی میں شکار کیا جائے خواہ وہ پانی سمندر میں ہو، دریا میں ہو، نہر میں ہو یا تالاب میں ہو اور اس سے مقصود وہ جانور ہے جو پانی میں پیدا ہوا ہو اور اس کی نشوونما اور بڑھاپا پانی میں ہو اور اس کے طعام سے مراد پانی میں کیا ہوا شکار ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد صرف مچھلی ہے۔ ہن کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں مچھلی اور مڈی۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۱۸، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۵۷۷۷)

اس حدیث کی سند کا ایک راوی عبد الرحمن بن یزید ضعیف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد پانی کے تمام جانور ہیں ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے اور حضرت عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سمندری طعام سے مراد وہ تمام جانور ہیں جن کو سمندر ساحل پر پھینک دے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سمندری طعام سے مراد ہر وہ چیز ہے جو سمندر سے نکل جائے اس کو کھالو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور سمندر کی ہر چیز کھائی جائے گی خواہ وہ مردار ہو، سمندر میں ہو یا سمندر کے ساحل پر ہو۔

(جامع البیان ج ۷، ص ۸۸-۸۶)

خشکی کے شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو خشکی میں پیدا ہوئے ہوں اور ہن کی نشوونما اور بڑھاپا خشکی میں ہو اور شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس اور متوحش اور خطرہ ہوں جیسے ہرن اور نل گائے وغیرہ اور بکری گائے اور اونٹ وغیرہ شکار نہیں ہیں کیونکہ وہ انسانوں سے مانوس ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کا حکم ممانعت کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے پانچ فاسق جانوروں کو مستثنیٰ فرما دیا ہے۔ وہ یہ ہیں: بچھو، چوہا، کالٹے، دلاکتا، کوا اور چیل ان کی تفصیل اور تحقیق ہم اس سے متصل پہلی آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

شکار کا گوشت محرم کے لیے ناجائز ہونے کے متعلق احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر غیر محرم، محرم کے لیے کسی جانور کو شکار کرے تو محرم کے لیے اس کو کھانا جائز نہیں ہے اور حسب ذیل احادیث سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت صعب بن جشمہ یثربیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک جنگل گدھا (شکار کر کے) پیش کیا رسول اللہ ﷺ نے وہ ان کو واپس کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے میرے چہرے پر افسوس کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا ہم نے تم کو یہ صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم محرم ہیں۔

(صحیح مسلم، ج ۵، ۵۰، ۵۱، ۵۲، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۳۵، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۵۵، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۲۸۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۹۰)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفانؓ نے عمارت کو طائف کا گورنر مقرر کیا تھا اس نے کچھ پرندوں اور جنگلی جانوروں کا شکار کیا اور یہ طعام حضرت عثمان کی طرف بھیجا، حضرت عثمان نے یہ طعام حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا جس وقت ان کا قصد حضرت علیؓ کے پاس پہنچا تو وہ اپنے اونٹوں کے لیے اپنے ہاتھ سے درختوں سے پتے جھاڑ رہے تھے لوگوں نے آپ سے کہا یہ طعام کھائیں۔ آپ نے فرمایا تم لوگ کھالو، کیونکہ میں محرم ہوں۔ پھر فرمایا قبیلہ اشجع کے جو لوگ یہاں موجود ہیں میں ان کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے جنگلی گدھے کا گوشت پیش کیا اور انہوں نے کہا آپ محرم تھے؟ آپ نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا انہوں نے کہا ہاں!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے زید بن ارقم! کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شکار کی دستی پیش کی گئی تو آپ نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا میں محرم ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں!

(سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۰-۱۸۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے لیے خشکی کا شکار حلال ہے، جب تک کہ تم اس کو خود شکار نہ کرو یا اس کو تمہارے لیے شکار نہ کیا جائے۔

امام ابو داؤد نے کہا جب نبی ﷺ کی دو حدیثیں متعارض ہوں تو اس حدیث پر عمل کیا جائے جس پر آپ کے اصحاب نے عمل کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۳۵، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۸۳، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۲)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ایک ساتھ حج کیا۔ ایک غیر محرم نے شکار کر کے حضرت عثمان کے پاس اس کا گوشت بھیجا، حضرت عثمان نے اس میں سے کھایا اور حضرت علی نے نہیں کھایا۔ حضرت عثمان نے فرمایا یہ خدا ہم نے شکار کیا ہے، نہ اس کا حکم دیا ہے، نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت علی نے یہ آیت پڑھی جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔

مفہوم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب محرم ہوتے تو شکار کو نہیں کھاتے تھے خواہ اس کو غیر محرم

نے شکار کیا ہو۔ (جامع البیان، جزء ۷، ص ۹۷، ۹۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)
محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب ائمہ
علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متونی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

جب محرم خود شکار کرے یا شکار کو ذبح کرے تو محرم پر اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب تک تم احرام میں ہو، تمہارے لیے جنگی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔ (المائدہ: ۹۶) اور اگر محرم اس شکار میں اعانت کرے یا اس پر دلائت کرے یا اس کی طرف اشارہ کرے، تب بھی وہ محرم کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر غیر محرم، محرم کی خاطر شکار کرے تو یہ محل اختلاف ہے۔ امام احمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں بھی اس شکار کو کھانا محرم پر حرام ہے اور یہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس صورت میں محرم کے لیے شکار کو کھانا جائز ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں اس کا جواز ہے۔

مخالفہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابو قتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا، ہم نے جنگی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کونچیں کٹ ڈالیں، ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا، پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے اور ہم نے شکار کا گوشت کھایا، پھر ہم نے بقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا بقی ماندہ گوشت بھی کھا لو۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۲۳، صحیح مسلم، ج ۶، ۶۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۳۸، سنن ابوالقاسم، رقم الحدیث: ۲۸۲۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۹۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۹۶۶، معنی عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۸۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۲۲۲، سنن دارقطنی، ج ۲، ص ۲۹، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، طبع قدیم)
اور حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔ (المعنی، ج ۳، ص ۵۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۳۵ھ)
خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین نظریات ہیں:

- ۱۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔
- ۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہے تو محرم پر اس شکار کا گوشت حرام ہے، ورنہ نہیں اور یہی ائمہ ثلاثہ کا موقف ہے۔

۳۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر محرم نے شکار میں غیر محرم کی اعانت نہیں کی، نہ اس کی طرف اشارہ کیا، نہ دلائت کی، تو پھر محرم کے لیے اس شکار کو کھانا جائز ہے، خواہ غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہو۔

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل

قوت دلائل کے اعتبار سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نظریہ رائج ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ہے اور صحاح کی احادیث سنن کی احادیث پر مقدم ہیں۔ اور

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں لام تلیک کے لیے ہے، یعنی شکار کا گوشت تمہاری ملک کر دیا جائے تو پھر تمہارے لیے اس کا کھانا جائز نہیں، جبکہ تم محرم ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب تمہاری اعانت سے تمہارے لیے شکار کیا جائے اور اس صورت میں اس کا کھانا بلا تعلق حرام ہے۔

حضرت مصعب بن بشام کی حدیث میں ہے انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں جنگی گدھا پیش کیا تو آپ نے یہ فرما کر رد کر دیا کہ میں محرم ہوں۔ یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے بھی خلاف ہے اور امام ابو حنیفہ کے بھی، ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ حضرت مصعب بن بشام نے رسول اللہ ﷺ کی خاطر شکار کیا تھا اس لیے آپ نے اس شکار کو واپس کر دیا اور امام ابو حنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ صحیح مسلم، الحج، ۵۵ میں ہے کہ حضرت مصعب نے آپ کی خدمت میں جنگی گدھا پیش کیا اور الحج، ۵۵ میں ہے کہ جنگی گدھے کی ایک ٹانگ پیش کی اور حدیث مضطرب سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اس لیے یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہ کے موقف کے خلاف حجت نہیں ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو بخاری، مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور غیر مضطرب ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں ہے جب تک احرام میں ہو تمہارے لیے جنگی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، یہ آیت بھی بظاہر امام ابو حنیفہ اور ائمہ ثلاثہ دونوں کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس پر محمول ہے کہ جنگی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے جبکہ تم نے حالت احرام میں خود شکار کیا ہو یا شکار کرنے والے غیر محرم کی اعانت کی ہو، امام اعظم ابو حنیفہ کی تائید میں مزید احادیث حسب ذیل ہیں:

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بحرن کے پاس سے گزرا تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ اگر غیر محرم شکار کرے تو آیا اس کا گوشت محرم کے لیے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا، لیکن میرے دل میں کچھ اضطراب تھا، میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا، حضرت عمر نے فرمایا اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو تاحیات تم فتویٰ نہ دے سکتے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۵۹، مطبوعہ ادارہ القرآن، کراچی)

امام ابن جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو میں تمہیں درے مار تا۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دھوپ میں سکھایا ہوا شکار کا گوشت لے کر جاتے اور اس کو سفر میں کھاتے تھے، حالانکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام میں ہوتے تھے۔ (کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۰، مطبوعہ کراچی)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس میں بحث کر رہے تھے کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں اور نبی ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے پوچھا، تم کس چیز میں بحث کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ہمیں اس کے کھانے کا حکم دیا۔ امام محمد نے فرمایا ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جب غیر محرم شکار کرے تو محرم کے لیے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ اس کو محرم کی خاطر ذبح کیا گیا ہو، اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۱، مطبوعہ کراچی)

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ

اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا، اور حرمت والے مہینہ کو

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ

اور کعبہ کی قربانی کو اور جانوروں کے گلوں میں پڑے ہوئے پٹوں کو یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۹۷﴾ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

میں سب سے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جانتے والا ہے ﴿۹۷﴾ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت

شَدِيدٌ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے ﴿۹۸﴾ رسول پر صرف حکم پہنچانا ہے

الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَا يَسْتَوِي

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ﴿۹۹﴾ آپ کہیے کہ پاک اور ناپاک

الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ

برابر نہیں ہو سکتا، خواہ (اُسے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو، اُسے عقل والو! تم

يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿۱۰۰﴾

اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نفع پاؤ ﴿۱۰۰﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا اور حرمت والے مہینہ کو اور کعبہ کی قربانی کو اور جانوروں کے گلوں میں پڑے ہوئے پٹوں کو یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جانتے والا ہے ﴿۹۷﴾ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۹۷-۹۸)

مشکل الفاظ کے معنی

کعبہ: یہ چوکور اور بلند بیت ہے جس کو حضرت امیر ایم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مکہ میں بنایا کعبہ کے معنی بلند ہوتا ہے اور یہ چوکھ بلند بیت ہے اس لیے اس کو کعبہ کہا گیا۔

قیاماً للناس: جس چیز کے جب سے لوگوں کے معاملات قائم اور درست ہوں کعبہ کی زیارت کر کے اور اس کا طواف کر کے لوگ حج اور عمرہ کی عبادت کو انجام دیتے ہیں جس سے ان کی آخرت درست ہوتی ہے اور جو تک اللہ تعالیٰ نے اس کو

امن کی جگہ بنادیا ہے اور تمام دنیا سے تجارتی سلان کھنچ کر کعبہ کی سرزمین میں چلا آتا ہے اس سے ان کی دنیا درست ہوتی ہے۔
الشہر الحرام: چار حرمت والے مینے ہیں۔ ذوالقعدہ ذوالحجہ محرم اور رجب۔ ان مہینوں کے سبب بھی ان کے معاملات قائم اور درست رہتے ہیں کیونکہ ان مہینوں میں جنگ اور قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

الہدی: جن جانوروں کو قربان کرنے کے لیے حرم میں بھیجا جائے ان کو الہدی کہتے ہیں غریاء اور فقراء ان کا گوشت کھاتے ہیں جس سے ان کی مدد ہوتی ہے۔

القلائد: قلادہ پٹے کو کہتے ہیں اس سے مراد قربانی کا وہ جانور ہے جس کے گلے میں ہار یا پٹا ہو۔ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جس جانور کو قربانی کے لیے کعبہ کی طرف بھیجتے اس کے گلے میں پٹا ڈال دیتے اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کا خصوصیت سے ذکر کیا۔

مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے محرم پر شکار کرنے کو حرام فرمایا تھا اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ جس طرح حرم وحشی جانوروں اور پرندوں کے لیے باعث امن ہے اسی طرح وہ انسانوں کے لیے بھی امن کا باعث ہے اور دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں کے حصول کا سبب ہے۔

کعبہ اور دیگر شعائر حرم کا لوگوں کے لیے مصلح اور مقوم ہونا

عرب میں کوئی امیر اور رئیس نہیں تھا جو ضعیف اور مظلوم کا حق قوی اور ظالم سے دلا سکے اور جو کسی بدکار کو سزا اور نیکو کار کو جزا دے سکے تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو البیت الحرام ہے لوگوں کے معاملات کی درستگی اور اصلاح کا سبب بنادیا جیسے کسی ملک کا پادشاہ اپنی رعیت کے معاملات کو درست اور قائم رکھتا ہے اور ان میں عدل و انصاف برقرار رکھتا ہے اسی طرح سے کعبہ اور حرمت والے مینے زمانہ جاہلیت میں ان کی اصلاح اور درستگی کا سبب تھے کیونکہ وہ البیت الحرام کی تعظیم کرتے تھے اور اس شہر میں جنگ و جدال سے اجتناب کرتے تھے اور سال کے چار حرمت والے مہینوں میں بھی لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرتے تھے کیونکہ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں لوگ حج کے لیے سفر کرتے تھے اور محرم میں سفر حج سے واپس جاتے تھے اور رجب میں عمرہ کے لیے سفر کرتے تھے اور وہ زائرین بیت کو بیت اللہ کی تعظیم کی وجہ سے مہمان اور محفوظ رکھتے تھے اسی طرح قربانی کے جو جانور حرم میں لے جائے جاتے تھے جن کو الہدی اور القلائد کہا جاتا تھا ان کی بھی بیت اللہ کی وجہ سے تعظیم کرتے تھے بیت اللہ کی تعظیم ان کے دل و دماغ میں مستحکم ہو چکی تھی اور ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔

اور زمانہ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعظیم کو اسلامی عبادت کا اہم جہ بنادیا سو فرمایا:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمَّاكًا
اتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مَوْثِقًا وَصَلُّوا وَحَمِدُوا
اللَّهَ الَّذِي رَافَعَهُمْ وَاسْمِعِيلَ أَن طهراً بَيْنِي
وَاللَّطَّافِ يُعَمِّسُ وَالْعَظِيمُ وَاللَّطَّافِ الرَّحِيمِ الشُّعْرُودِ
(البقرہ: ۱۲۵)

اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لیے مرکز اجتماع اور مقام امن بنادیا اور (ہم نے حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو اور ہم نے ابراہیم اور اسمعیل سے عہد لیا کہ وہ میرے بیت کو طواف کرنے والوں کا تکلف کرنے والوں اور رکوہ اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔

مذہب حج کی ادائیگی کی وجہ سے اس بے آب و گیلہ زمین اور غریب زمین میں تمام دنیا سے مسلمان ٹوٹ کر آتے ہیں اور ہر جگہ سے یہاں تجارتی سلان پھل اور غلہ پہنچتا ہے اور یوں اس بیت کی وجہ سے ساکنین حرم کے لیے اسباب زلیلت فراہم ہوتے

طبیان القرآن

ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

أَوَلَمْ نُمْسِكْ لَهُمْ حَرَمًا مِّمَّا يُحِبُّوْنَ ۚ
نَمَرَاتٌ كُلٌّ شَيْءٌ قَدْ نَصَّ لِكُنَّ أَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ۔ (الفصص: ۵۷)

دور دور سے لوگ حرم میں آکر عبادت کرتے ہیں اور دنیا کی زیب و زینت سے اجتناب کرتے ہیں، احرام کی ممنوعات سے باز رہتے ہیں، قرآن مجید کی حرم میں خلوت کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ حرم میں نماز پڑھتے ہیں اور طواف کرنے کی سعی کرتے ہیں، حج کے اجتماع کو دیکھ کر محشر کو یاد کرتے ہیں، ان کے دلوں میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف زیادہ ہوتا ہے اور وہ برے کاموں سے باز رہنے اور بقیہ عمر میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کا عہد کرتے ہیں، حرم میں کی ہوئی نیکیوں کا اللہ تعالیٰ ایک لاکھ گنا اجر عطا فرماتا ہے، زائرین یہاں آتے ہیں اور واپس جاتے ہوئے اپنا دل ہمیں چھوڑ جاتے ہیں اور ساری عمر ہمیں آنے کی پیاس رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رسول پر صرف حکم پہنچاتا ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے

ہو۔ (المانہ: ۹۹)

کسی کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا فرائض رسالت میں سے نہیں ہے

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے، حد درجہ فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عذاب کا ذکر کیا تاکہ لوگ اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں، پھر اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا کہ اگر انسان سے شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے، تو پھر اللہ کی رحمت پر نظر رکھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر لوگوں کو عمل کی ترغیب دی اور فرمایا رسول کا کام صرف تبلیغ کرنا اور ہدایت دینا ہے، نیک کاموں کی ترغیب دینا اور برے کاموں سے روکنا اور ان کو عذاب سے ڈرانا ہے، تم کو نہ تو جبراً صلح اور نیکو کار بنانا رسول کا منصب ہے اور نہ تم میں ایمان اور تقویٰ پیدا کرنا رسول کی ذمہ داری ہے اور نہ نیکیوں پر ثواب عطا کرنا اور برائیوں پر عذاب دینا رسول کا کام ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے تم کو نیکی اور برائی کے راستے دکھا اور بتا دیئے تو ان کا کام ختم ہو گیا، اب ان پر عمل کرنا نہ کرنا تمہارا معاملہ ہے اور اس پر ثواب عطا کرنا یا عذاب دینا یہ اللہ کا کام ہے۔

البتہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ گنہگاروں کی مغفرت کے لیے اور نیکو کاروں کے درجات میں ترقی کے لیے شفاعت فرمائیں گے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر آچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہنے کہ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتا، خواہ (اے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی

لگتی ہو، سو اے عقل والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ (المانہ: ۱۰۰)

اللہ کے نزدیک نیکو کاروں اور بدکاروں کا برابر نہ ہونا

پاک اور ناپاک کو برابر کرنا اور صلح اور فاسق و فاجر کو برابر رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَمْ نَحْمِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَحْمِلُ
الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ۔ (ص: ۲۸)

کیا ہم ایمان والوں اور نیک کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے یا ہم پر ہیز گاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے۔

اَمْ حَسِبَ الْفٰوِیْسَ اَخْتَرَحُوا الشَّجَاتِ اَنْ
تَحْمِلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الْقٰلِیٰغِیْتَ سَوَآءٌ مِّنْ حٰیٰتِهِمْ وَمَمَاتِهِمْ سَآءٌ مَّا
یَحْكُمُوْنَ ۝ (الحانبہ: ۳۱)

جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے
کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے
برابر کر دیں گے کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو
جائے گی وہ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اَفَحَسِبَ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ۝ مَّا
لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ (الفلم: ۳۵-۳۶)

کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں کی مثل کر دیں گے؟
تمہیں کیا ہوا تم کیا فیصلہ کرتے ہو؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اے رسول یا آپ انہیں بتا دیجئے کہ کھرا اور کھوتا، نفع بخش اور ضرر رساں، نیک اور بد، حلال
اور حرام، عاقل اور ظالم بھی برابر نہیں ہو سکتے، خواہ دیکھنے والوں کو دنیا میں بد کردار اور بے ایمان لوگ زیادہ عیش و عشرت اور
زیادہ عزت و جاہ میں کیوں نہ دکھائی دیتے ہوں، جیسے مسلمانوں کی بہ نسبت کفار زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ قوی اور مستحکم ہیں، حتیٰ کہ
امریکہ جس ملک پر چاہے فضائی پابندی لگوا دیتا ہے، جیسے کئی سالوں سے لیبیا پر پابندی لگوائی ہوئی تھی، اور جس ملک پر چاہے
تجارتی اور اسلحہ سازی کی پابندی لگوا دے، جیسے کئی سالوں سے عراق پر یہ پابندی لگوائی ہوئی ہے، اسی طرح مسلمانوں میں بھی
زیادہ عزت دار، زیادہ خوشحال اور زیادہ طاقتور وہ لوگ ہیں جو بد عنوان سیاست دان اور بد دیانت سربراہی دار ہیں، جو اسمگلنگ اور چور
بازاری کرتے ہیں، سودی کاروبار کرتے ہیں، ٹیکس ادا نہیں کرتے، قوی کاروباری معاہدوں میں رشوت اور ناجائز کمیشن لیتے ہیں
اور بینکوں سے قرضے لے کر کھا جاتے ہیں یا سواغ کرا لیتے ہیں۔ معاشرہ میں یہی لوگ عزت دار سمجھے جاتے ہیں اور سڑک کے
کنارے بیٹھا ہوا موچی جو اپنی محنت سے رزق حلال کماتا ہے، اخبار فروش، ٹلوں میں کام کرنے والے محنت کش اور راج اور
مسخری کا کام کرنے والے مزدور جو اپنے خون اور عینہ سے حلال کمائی کھاتے ہیں، ان کو معاشرہ میں ذلیل اور پسماندہ خیال کیا جاتا
ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال کھانے والے اور حرام کھانے والے، پاک اور ناپاک، طیب اور خبیث ہرگز برابر نہیں ہیں۔
سوائے صاحبان عقل ان خبیث لوگوں کی ظاہری آن بان کو نہ دیکھو، شیطان کے دام میں نہ آؤ، اور مال حرام
کی زیب و زینت سے مسکور مت ہو، کیونکہ عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ڈرے اور فانی کو باقی پر، عارضی
کو دائمی پر، باطل کو حق پر، فساد کو صلاح پر اور حرام کو حلال پر ترجیح نہ دے اور دنیا کے بدلہ میں آخرت کا سودا نہ
کرے مگر یہ سراسر گھانے کا سودا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءٍ اِنْ تُبَدَّلَ لَكُمْ

اسے ایمان دار! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار

تَسُوْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنْزِلُ الْقُرْآنُ تُبَدَّلْكُمْ عَفَا اللّٰهُ

ہوں، اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے

عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝۱۵۱ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ

ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت علم والا ہے ۱۵۱ تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے، پھر وہ

أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿۱۰۴﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ

لوگ ان ہی سوالات کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے ○ اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بھیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ

وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى

اور نہ وصیلہ اور نہ حامی مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں ○ اور

اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا

ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے اؤ اس دین

إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی شریعت کی طرف تو کہتے ہیں ہمیں وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے

أَبَاءَنَا أُولَوْكَانِ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۰۶﴾

باپ اور دادا کو پایا خواہ ان کے باپ دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں نہ ہدایت یافتہ ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت علم والا ہے۔ (المائدہ: ۱۰۶)

نبی ﷺ سے سوالات کرنے کے متعلق احادیث

لوگ نبی ﷺ سے بکثرت سوال کرتے تھے ان میں مسلمان بھی تھے اور منافق بھی۔ مسلمان تو امر واقع کو دریاخت کرنے کے لیے سوال کرتے تھے اور منافق احتیاطاً استہزاء اور غلط سوال کرتے تھے کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی پوچھتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے اس جیسا خطبہ بھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ان چیزوں کو جن کو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم فسو اور ردو زیادہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے زحمت لیے اور بلند آواز سے رونے لگے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ فلاں ہے تب یہ آیت نازل ہوئی ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

(صحیح البخاری ج ۵، رقم الحديث: ۳۷۱، صحیح مسلم، لسان الملک ۳۳، سنن ترمذی ج ۶، رقم الحديث: ۳۰۶، سنن

کبریٰ للنسائی ج ۶، رقم الحديث: ۱۴۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے استہزاء سوال کرتے تھے کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون

ہے؟ کوئی کتابیری اونٹنی گم ہو گئی وہ اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے نبی ﷺ سے سوالات کیے، حتیٰ کہ بہت زیادہ سوال کیے تو ایک دن نبی ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: تم مجھ سے جس چیز کے متعلق سوال کرو گے میں تمہیں اس چیز کے متعلق بیان کروں گا، میں دائیں اور بائیں دیکھ رہا تھا اس وقت ہر شخص اپنے کپڑوں میں سر ڈالنے ہوئے رہا تھا، ایک شخص کا جب کسی سے جھگڑا ہوتا تھا تو لوگ اس کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ کہنے لگا اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حیرا باپ خدا ہے، پھر حضرت عمرؓ نے کہا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں، تو رسول اللہ کو دین مان کر اور (سیدنا) محمدؐ (ﷺ) کو رسول مان کر، ہم برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا میں نے آج کی طرح خیر و شر کو نہیں دیکھا، میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر کو پیش کیا گیا، حتیٰ کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔ لہذا اس حدیث کا اس آیت کو پڑھتے وقت ذکر کرتے تھے: "اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو۔"

(صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۰۸۹، صحیح مسلم، فضائل، ج ۳، ۲۳۵۹، ۶۰۰۸، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۷۵۶، طبع دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۶۷-۳۸۸۳، طبع دار الفکر، بیروت، مسند احمد، ج ۳، ص ۷۷، طبع قدیم)

امام ابو یوسفؒ، محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستے کی استطاعت رکھتے ہوں (آل عمران: ۹۷) تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ خاموش رہے، انہوں نے پھر پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ نے فرمایا نہیں اور اگر میں ہر سال میں ہوں کہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۱)

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۸۳، صحیح مسلم، الحج، ج ۳، ۱۳۳، ۳۱۹۹، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۹۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، در آنجا ایک آپ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا، آپ منبر پر بیٹھ گئے، ایک شخص نے سوال کیا: میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں، دوسرے نے سوال کیا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا خدا؟ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں، اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمدؐ (ﷺ) کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر، یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت اور شرک سے تازہ تازہ نکل کر آئے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو اللہ جانتا ہے، پھر نبی ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۱۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات

نبی ﷺ سے جن چیزوں کے متعلق سوال کیے جاتے تھے ان میں سے بعض غلطی ہوتی تھیں جن کے ظاہر ہونے سے کسی کا پردہ فاش ہو سکتا تھا اور اس کی رسوائی کا خطرہ تھا مثلاً حضرت عبد اللہ بن حذافہ السهمی نے پوچھا تھا کہ میرے باپ کون ہیں؟

فرض کیجئے کہ ان کے ہاں حد لگ نہ ہوتے، کوئی اور ہوتے تو لوگوں میں رسوا ہو جاتے اور ان کی ماں کی ماسوس پر وجہ لگ جاتا، اسی طرح جس شخص نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے، اگر آپ ہاں فرمادیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور مسلمان محض اس وجہ سے مشکل میں پڑ جاتے۔

امام ابو یوسف، محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۹ھ روایت کرتے ہیں:

مسلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے گئی، بنجر اور جنگلی گدھے کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حلال ہے اور حرام وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت کیا، وہ معاف ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۳۲، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۶۷)

حضرت ابو حنیبلہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں، ان کو ضائع مت کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے، ان میں ملوث نہ ہو اور کچھ اشیاء سے سکوت فرمایا، ان میں تمہارے لیے رخصت ہے، اللہ انہیں بھولا نہیں ہے، تم ان سے بحث نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۲، المستدرک، ج ۲، ص ۱۲۲)

حضرت سعد بن وقاص رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی۔

(صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۲۸۹، صحیح مسلم، فضائل، ۱۳۲، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۶۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کرو اور جن کا حکم دیا ہے، ان کو بجالاؤ، جتنی تمہاری استطاعت ہے، کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے غیروں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم، فضائل، ۳۰، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۹۸۸)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت کے محال

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زیر تفسیر آیت اور احادیث مذکورہ صدر میں سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے، حالانکہ قرآن مجید کی ایک اور آیت اور ایک حدیث میں سوال کرنے کا حکم فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے سوال کرو۔

(الانبیاء: ۷)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے، ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا، جس سے اس کا سر پھٹ گیا، پھر اس کو احکام ہو گیا، اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا میرے لیے تیمم کرنے کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں، تم پانی کے استعمال پر تھوڑو، تمہارے لیے تیمم کی رخصت نہیں۔ سو اس نے غسل کیا اور وہ فوت ہو گیا، جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے فرمایا انہوں نے اس کو مار ڈالا، اللہ بن کو ہلاک کر دے، جب ان کو مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے سوال کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ جمالت کی شقا سوال کرنا ہے، اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا یا وہ اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم پر پانی بہاتا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۶۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۲، مسند احمد، ج ۱، ص ۷۰، طبع قدیم)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا امتحان لینے کے لیے یا آپ سے استہزاء کے طور پر سوال کرنے سے من منع کیا گیا تھا یا جس عبادت کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم نہیں دیا تھا نہ اس کا اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا اس کے متعلق سوال کرنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا تھا یا جس چیز سے کسی کی پردہ داری ہوتی ہو اس کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا تھا لیکن جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اس کا وجوب ثابت ہو چکا ہو اس کی وضاحت کے متعلق سوال کرنا جائز ہے جیسا کہ اس آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو گا تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائے گی۔ (المائدہ: ۱۰۱) انشاء وہی میں جو حکم مجمل ہو اس کی وضاحت کے لیے سوال کرنا جو چیز سمجھ میں نہ آئے اس کو پوچھنا کسی پیش آمدہ حاجت کے متعلق سوال کرنا یہ تمام سوالات جائز ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں ان کی بہت نظر ہیں۔

آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت بیان فرمائی اور جس کا خلونہ فوت ہو گیا ہو اس کی عدت بیان فرمائی اور حاملہ کی عدت بیان فرمائی اور اس عورت کی عدت بیان نہیں فرمائی جس کو حیض آتا ہو نہ حمل ٹھہرتا ہو یعنی وہ بہت بوڑھی ہو تو صحابہ نے اس کے متعلق سوال کیا تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِي يَشِيءُ مِنَ الْمَحْضِيِّ مِنْ نِسَائِكُمْ
إِنْ أَرَبْتُمْ قَوْلَهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ (الطلاق: ۴۰)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو ماہوس ہو چکی ہوں اور
تمہیں (ان کی عدت کے متعلق) شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ

ہے۔

اسی طرح حسب ذیل آیات میں صحابہ کرام کے ان سوالات کا ذکر فرمایا ہے جو وہ کسی شرعی حکم پر عمل کرنے کی وضاحت کے سلسلہ میں کرتے تھے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنَ خَيْرٍ قَلِيلًا وَالَّذِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْبَنِيَّ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (البقرہ: ۲۱۵)

وہ آپ سے خرچ کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہتے
کہ تم جو (مال) بھی خرچ کرو تو وہ ماں باپ قریبی رشتہ داروں
قیموں مسکینوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٍ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۲۱۷)

وہ آپ سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق پوچھتے ہیں آپ
کہتے اس میں قتل کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور
اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا اور اس کے
رہنے والوں کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے
اور فساد کرنا قتل سے زیادہ سخت ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (البقرہ: ۲۱۹)

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں
آپ کہتے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ
فائدے (بھی) ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ

بڑا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْبَيْعِ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ (البقرہ: ۲۲۰)

وہ آپ سے قیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہتے
کہ ان کی اصلاح زیادہ بہتر ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ آذَى
فَاعْتَبِرُوا الرِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ —

وہ آپ سے حیض کے حکم کا سوال کرتے ہیں، آپ کہئے کہ
وہ گند کی ہے، ایسی عورتوں سے حالت حیض میں الگ رہو۔

(البقرة: ٢٢٢)

قرآن مجید میں اس طرح کے سوالات کی پندرہ آیتیں ہیں، جن میں سے بارہ آیتوں میں صحابہ کرام کے سوالات ہیں، ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں، کسی چیز کا حکم معلوم کرنے کے لیے، کسی شرعی حکم کی وضاحت کے لیے، اور کسی اشتباہ کو دور کرنے کے لیے سوال جائز ہے، احادیث میں بھی اس کی بہت نظر ہیں۔

آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث

نبی ﷺ سے صحابہ کرام امور مستحبہ کے متعلق بھی سوال کرتے تھے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک مجلس میں نبی ﷺ صحابہ کرام سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آپ کی حدیث کے دوران سوال کیا: قیامت کب ہوگی؟ آپ نے اپنی حدیث جاری رکھی، پھر سائل کو متوجہ کر کے فرمایا: جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا، اس نے پوچھا: امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی منصب خالی کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

صحابہ کرام کسی پیش آمدہ مسئلہ اور حادثہ میں آپ ﷺ سے سوال کرتے تھے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لیے ٹھہر گئے۔ لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے 'ایک شخص نے کہا مجھے ہا نہیں چلا اور میں نے ذبح سے پہلے سر منڈا لیا' آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں (اب) ذبح کر لو ایک اور شخص نے کہا کہ مجھے ہا نہیں چلا میں نے ری سے پہلے نحر کر لیا۔ آپ نے فرمایا اب ری کر لو' کوئی حرج نہیں ہے۔ نیا چھوڑ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کیا گیا جس کو مقدم یا موخر کیا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کر لو کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، رقم الحدیث ۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک تقدیم تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے دم لازم آتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے اسی طرح مروی ہے اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس سے آخرت میں حرج یعنی گناہ نہیں ہوگا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو احباب کی بیٹی سے شادی کی، ایک عورت نے ان سے کہا میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے، حضرت عقبہ نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے پہلے مجھے بتایا تھا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس سے الگ کیوں نہیں ہوئے؟ جبکہ یہ کہا گیا ہے، تو عقبہ اس عورت سے الگ ہو گئے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۸۸، بیروت)

آپ کا یہ ارشاد بطور استنباط ہے، ورنہ ایک عورت کے قول سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی، ثبوت رضاعت کے لیے دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آئی تھی میں نے حضرت مقدادؓ سے کہا کہ وہ اس کے متعلق سوال کریں انہوں نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو ہے۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث: ۱۳۲، بیروت)

خواتین آپ سے عورتوں کے خصوصی مسائل دریافت کرتی تھیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا کیا عورتوں پر بھی احکام کی وجہ سے غسل فرض ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا ہاں! جب وہ پانی دیکھ لے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے میں اپنے منہ کو چھپا کر کہا یا رسول اللہ! عورت کو بھی احکام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں یا پھر بچہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۰، بیروت)

قرآن مجید کی کسی اصطلاح کے متعلق بھی صحابہ آپ سے سوال کرتے تھے:

حضرت ابو موسیٰ جریجی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں قتل کرنے کی کیا تعریف ہے؟ ہم میں سے کوئی شخص غضب کی وجہ سے قتل کرتا ہے، کوئی گروہی تعصب کی وجہ سے قتل کرتا ہے، آپ ﷺ نے اس کی طرف سر اٹھایا، اس وقت وہ شخص کھڑا ہوا تھا، آپ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے دین کی سرپرستی کے لیے قتل کیا، وہی اللہ عزوجل کی راہ میں قتل کرتا ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۳، مطبوعہ بیروت)

بعض اوقات صحابہ آپ کی حدیث کے معارفہ میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتے، پھر آپ اس کا جواب دیتے تھے:

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی آپ سے کوئی حدیث سنتیں اور آپ اس کے مطلب کو نہ پہنچتیں تو آپ سے رجوع کرتی تھیں اور نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا، اس کو عذاب دیا گیا، حضرت عائشہ جریجی نے کہا کیا اللہ یہ نہیں فرماتا اس سے منقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔ (الاشتیق ۸) آپ نے فرمایا اس آیت میں حساب کا پیش کرنا مراد ہے، لیکن جس سے حساب میں منازعہ کیا جائے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۳، مطبوعہ بیروت)

مشکل سوالات اور بھارت ڈالنے کی ممانعت

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر القرطبی الترمذی ۳۳۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معلویہ جریجی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پہلیوں اور بھارتوں کے ڈالنے سے منع فرمایا، کسی کو ساکت اور عاجز کرنے کے قصد سے اس پر بھارت ڈالنا منع ہے، اور شاگردوں کا استھان لینے کے لیے بھارت ڈالنا جائز ہے، خود نبی ﷺ نے صحابہ سے پوچھا درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۴)

حضرت معلویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے سامنے لوگوں نے سوالات کیے تو انہوں نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشکل سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب سے افضل کوئی قوم نہیں دیکھی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف تیرہ سوالات کیے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ وہ تیرہ سوالات یہ ہیں:

- (۱) واداسالک عبادی عسی۔ (۲) یسئلونک عن الاہلۃ (۳) یسئلونک ماذا یفقیون (۴) یسئلونک عن الشهر الحرام (۵) یسئلونک عن الخمر والمیسر (۶) ویسئلونک عن البیتامی (۷) ویسئلونک ماذا ینفقون (۸) ویسئلونک عن

المحیص۔ یہ آٹھ سوالات سورۃ البقرۃ میں ہیں۔ (۹) یسئلونک ماذا احل لہم۔ (المائدہ)
(۱۰) یسئلونک عن الساعة۔ (الاعراف) (۱۱) یسئلونک عن الاتصال۔ (الاتصال)
(۱۲) یسئلونک عن الحبال۔

تحقیق یہ ہے کہ صرف بارہ سوالات صحابہ نے کیے تھے قرآن مجید میں یسئلونک کے صیغہ سے پائی جو سوال ہیں وہ
یہود اور مشرکین کے ہیں۔ طلوس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس چیز کے متعلق
سوال کرے جو نہیں ہے کیونکہ جو چیز بھی ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۲، ص ۱۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سوالات کرنے کے جائز اور ناجائز مواقع

بہر حال اب حصول علم کے لیے شرعی سوالات کا کرنا جائز ہے کیونکہ اب یہ خوف نہیں کہ کسی کے سوال کرنے کی وجہ
سے کسی شے کی حرمت نازل ہو جائے گی، طہل و حرام احکام نازل ہونے کا معاملہ وحی پر موقوف ہے اور نبی کریم ﷺ کے
وصل کے بعد سلسلہ وحی ختم ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی شخص پیش آمدہ مسئلہ میں یا کسی نئے حلوہ میں یا کسی غیر منصوص صورت
نازلہ میں کسی مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لیے علماء سے سوال کرتا ہے تو اس کا یہ سوال کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے اگر
تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے سوال کرو۔ (الانبیاء: ۱۷) اور نبی ﷺ نے فرمایا جماعت کی شفا سوال کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۶)
اور جو شخص کسی پر اپنا علمی تفوق ظاہر کرنے کے لیے سوال کرے یا جو شخص علماء سوال کرے سو ایسے سوال ناجائز ہیں خواہ کم ہوں یا زیادہ
البتہ علماء کسی مسئلہ میں ایک دوسرے کی رائے معلوم کرنے کے لیے جو سوال کرتے ہیں اور مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں وہ جائز
ہے۔ اسی طرح کسی کی دلیل پر نقص وارد کرنا اور مسلمات بین الفریقین سے معارضہ کرنا بھی جائز ہے اور اختلاف حق اور باطل
باطل کے لیے مناظرہ کرنا بھی جائز ہے تاہم مناظرہ میں فریق مخالف کو حکمت کے ساتھ کسی کفریہ کلمہ سے بچانا چاہیے اور اگر یہ
چاہے کہ وہ کوئی کفریہ کلمہ کہے اور میں اس کی تکفیر کروں تو یہ خود کفر ہے اور اگر یہ چاہے کہ وہ دین میں کوئی ناروا بات کہے اور
میں اس کی مذمت کروں تو یہ حرام ہے بلکہ یہ نیت ہونی چاہیے کہ میں دلائل پیش کر کے حکمت کے ساتھ فریق مخالف کو حق کا
قائل کر لوں نہ یہ کہ اس کو مناظرہ میں شکست دوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے پھر وہ لوگ انہی سوالات کی وجہ سے
کفر میں مبتلا ہو گئے۔ (المائدہ ۱۰۴)

کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے پچھلی امتوں کا ہلاک ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تم سے پہلی قوموں نے اپنے نبیوں سے چند فرمائشی معجزات کا سوال کیا تھا جب اللہ تعالیٰ
نے ان کے سوالات کو پورا کر دیا اور ان نبیوں کو وہ معجزات عطا فرمادیے تو وہ ان نبیوں پر ایمان لانے کی بجائے اپنے انکار اور کفر
میں پختہ ہو گئے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کا سوال کیا تھا اور جب وہ اونٹنی آگئی تو انہوں نے اس کی کوٹھیں
کاٹ دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یہ سوال کیا تھا کہ ان پر آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے اور جب ان پر
دسترخوان نازل کر دیا گیا تو وہ کفر میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے نبی ﷺ کی رسالت سے اور ان کی زبان سے
تنبیہ کی ہے کہ وہ سوالات کرنے کے معاملہ میں اپنے سے پہلی امتوں کے راستہ پر نہ چل پڑیں اس لیے فرمایا کہ تم فرمائشی

معجزات کا سوال نہ کرو نہ کسی کا پوشیدہ راز معلوم کرو، اور جو چیز تم پر فرض یا حرام نہیں کی گئی اس کا سوال نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا بیان کیا جائے تو تم کو ناگوار ہو یا تم کسی دشواری میں پڑ جاؤ۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کرو، اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کو بجالاؤ، جتنی تمہاری استطاعت ہے، کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم، تفاسیر، ۳۰: ۱۳۰، (۱۳۳۷) ۵۹۹۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے تمہارے لیے جو چیزیں چھوڑی ہیں، تم بھی ان کو چھوڑ دو، تم سے پہلے لوگ اپنے سوالوں کی وجہ سے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، پس جب میں تم کو کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے اجتناب کرو، اور جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس کو بجالاؤ، اپنی استطاعت کے مطابق۔

(صحیح بخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۸۸۸، صحیح مسلم، الج ۲، (۱۳۳۷) ۳۴۹، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۸۸، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۸، صحیح ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۰-۲۱-۲۲-۲۳، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۳۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بھیرہ نہیں بنایا اور نہ ساتھ اور نہ وسیلہ اور نہ حامی، مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (المائدہ: ۱۰۳)

اس سے پہلے آیتوں میں کثرت سوال سے منع فرمایا تھا، مبادا کوئی چیز حرام نہ ہو اور تمہارے سوال کی وجہ سے حرام کر دیا جائے، اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ مشرکوں نے از خود بعض جانوروں کو حرام کر لیا تھا، اللہ نے ان کو حرام نہیں کیا، وہ بدستور حلال ہیں، سو جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام نہ کیا ہو، اس کو حرام قرار دے کر شریعت سازی نہ کرو۔

البحیرہ کا معنی

بحر کے معنی وسعت ہے، جب کسی اونٹنی کے گلن کو بہت لمبا چیر دیا جائے تو اسے بحیرہ کہتے ہیں، جب کوئی اونٹنی دس بچے بنتی تو وہ اس کے گلن چیر کر اس کو آزاد چھوڑ دیتے، اس پر سواری کی جاتی نہ اس پر سلطان لاد جاتا۔

(المنہجات، ص ۷۷، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

مسوق نے بیان کیا کہ جب اونٹنی کے پانچ یا سات بچے ہو جاتے تو وہ اس کا گلن چیر دیتے اور کہتے یہ بحیرہ ہے۔

قلوہ نے بیان کیا کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو وہ پانچویں بچے کو دیکھتے اگر وہ نہ ہو تا تو اس اونٹنی کو ذبح کر دیتے اور اس کو صرف مرد کھاتے، اور اگر وہ بچہ مردہ ہو تا تو اس اونٹنی میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوتے اور اگر پانچویں بار اونٹنی مونث کو جنم دیتی تو اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا، اس کا مردہ دیا جاتا، اس پر سواری کی جاتی، نہ اس کے بالوں کو حاصل کیا جاتا اور نہ اس کو ذبح کیا جاتا۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۲۲، ۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

السائبہ کا معنی

جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جن لے تو اس کو چار گلن میں چھوڑ دیا جاتا تھا، اور اس کو پانی اور چارے سے منع نہیں کیا جاتا تھا، اس کو سائبہ کہتے تھے۔ (المنہجات، ص ۲۳۶، مطبوعہ ایران، ۱۳۷۳ھ)

شعبی نے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی نوشتیوں اور بکریوں کو اپنے جتوں کے پاس ذبح کے لیے چھوڑ دیتے تھے وہ لوگوں کی بکریوں کے ساتھ غلط ملط ہو جاتیں، ان کا دودھ صرف مرد دہتے تھے، اور جب ان میں سے کوئی مر جاتی تو مرد اور عورت دونوں اس کا گوشت کھاتے تھے۔ یہ سائبہ کی تفسیر ہے۔

سہی نے سائبہ کی تفسیر میں بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی شخص کا مال بہت زیادہ ہو جاتا، یا وہ کسی بیماری سے شفا یاب ہو جاتا یا کسی سفر سے کامیاب لوٹتا تو وہ اپنی کسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیتا، کوئی شخص اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ابن المسیب نے کہا جس اونٹنی کو وہ جتوں کے لیے چھوڑ دیتے وہ سائبہ کہلاتی۔

(جامع البیان، ۷: ۷۷، ص ۱۲۳-۱۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کی جتوں کے لیے نذر مانی جاتی اور اس کو جتوں کے خدام اور محافظوں کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہ جمل چاہتی، چرتی اس پر سنان لدا جاتا، نہ اس کا اون کاٹا جاتا، اور نہ اس کا دودھ دوا جاتا، البتہ مسنان مستثنیٰ تھا۔

(التفسیر المنیر، ۷: ۷۷، ص ۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

الوصیلہ کا معنی

جب کسی شخص کی بکری نر اور مادہ دو بچے جنتی تو کہتے کہ یہ بکری اپنے بھائی سے واصل ہو گئی ہے، پھر اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو بھی ذبح نہیں کرتے تھے، اس بکری کو مشرکین زمانہ جاہلیت میں "الوصیلہ" کہتے تھے۔

(المفردات، ص ۵۵، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

مقدمہ نے الوصلہ کی تعریف میں کہا: جب اونٹنی صرف نر بچے کو جنم دیتی تو اس کو نر بچے کو مرد کہاتے تھے، اور جب ایک ساتھ نر اور مادہ کو جنتی تو کہتے یہ اونٹنی اپنے بھائی کے ساتھ واصل ہو گئی ہے، پھر ان دونوں کو نہیں کھاتے تھے، اور جب نر مر جاتا تو اس کو صرف مرد کہاتے تھے، گویا نر کے ساتھ پیدا ہونے والی اونٹنی وصیلہ تھی۔

ابن المسیب نے بیان کیا کہ وصیلہ وہ اونٹنی تھی جو پہلی بار مادہ کو جنم دے، دوسری بار پھر مادہ کو جنم دے، وہ کہتے تھے کہ یہ وصیلہ ہے، دو مادہ اونٹنیوں کے درمیان نر نہیں ہے، اس اونٹنی کو وہ جتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

(جامع البیان، ۷: ۷۷، ص ۱۲۳-۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

الحامی کا معنی

وہ نر جو دس مرتبہ مادہ کو گیا بھن کر دے، اس کو حامی کہتے تھے، اس پر سنان لدا جاتا تھا، نہ اس پر سواری کی جاتی تھی۔

(المفردات، ص ۱۳۳-۱۳۲، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

قلوہ نے کہا جو اونٹ اور اس کا بیٹا دس مرتبہ گیا بھن کر دے، وہ حامی ہے۔

امام ابن جریر نے کہا کہ جس اونٹ کی ضرب سے مسلسل دس اونٹیاں پیدا ہوں، درمیان میں نر نہ ہو، اس کو حامی کہتے تھے، اس پر سواری کی جاتی، نہ اس پر سنان لدا جاتا، نہ اس کا اون کاٹا جاتا، اس کو پانی اور چراگاہ سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔

(جامع البیان، ۷: ۷۷، ص ۱۲۳-۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بکیرہ اور سائبہ وغیرہما کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب نے بیان کیا کہ بکیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنا جتوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا، اور کوئی شخص اس کا

دودھ نہیں دوتا تھا اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا اور بھی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹیوں کو چھوڑا تھا اور وسیلہ وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار اونٹ جنتی ہے اور دوسری بار اونٹنی جنتی ہے، وہ اس کو اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے بشرطیکہ وہ یکے بعد دیگرے مادہ کو جہنم دے اور ان کے درمیان نہ ہو اور حلیٰ زاونٹ ہے جو چند معین مرتبہ گیا بھن کر سہ جب وہ اپنا دودھ پورا کرے تو وہ اس اونٹ کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر سلمان نہیں لاتے تھے اور اس کو الجاہی کہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ دوزخ کی بعض آگ بعض کو کھا رہی تھی اور میں نے دیکھا کہ عمرو اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا اور یہ پہلے شخص تھا جس نے سائبہ اونٹیوں کو چھوڑا۔
(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۳-۳۶۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا جب تمہاری اونٹیاں پیدا ہوتی ہیں تو ان کے کان سالم ہوتے ہیں، پھر تم استرا لے کر ان کے کان کٹ ڈالتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بھیرہ ہے اور ان کے کان چیر دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ حرام ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اللہ کی کلائی بہت سخت ہے اور اس کا استرا بہت تیز ہے اور تمہارا ہر بل جو تمہارے لیے حلال ہے اس میں سے کوئی چیز حرام نہیں کی گئی۔

(مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۵۸۸۸، سنن کبریٰ للبخاری، ج ۱۰، ص ۱۰، جامع البیان، جزء ۷، ص ۱۱۹-۱۱۸)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن جریر نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص کو ضرور پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹیوں کو چھوڑا اور بتوں کے سامنے ذبح کرنے کے پھر نصب کیے اور جس شخص نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو تبدیل کیا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! ﷺ یہ وہ شخص کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص بنو کعب کا بھائی عمرو بن لُحی ہے۔ میں نے اس کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو اذیت پہنچ رہی تھی اور میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے بھیرہ کے کان چیرے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! ﷺ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بنو مدیج کا ایک شخص ہے جس کی دو اونٹیاں تھیں اس نے ان کے کان چیرے اور ان کا دودھ دو ہٹا اور ان پر سامان ملاد تا حرام کر دیا پھر اس کو ضرورت ہوئی تو اس نے ان کا دودھ پیا اور ان کی پشت پر سوار ہوا میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا وہ اونٹیاں اس کو اپنے مونہوں سے جھنمو ڈر رہی تھیں اور اپنے کھروں سے روند رہی تھیں۔ (یہ حدیث مرسل ہے)

(در مشور، ج ۲، ص ۳۳۸، جامع البیان، جزء ۷، ص ۱۱۸، روح المعانی، جزء ۷، ص ۳۳)

ایصالِ ثواب کے لیے نامزد جانوروں کا حلال اور طیب ہونا

اللہ تعالیٰ نے ان چار جانوروں کو حرام نہیں کیا لیکن زمانہ جاہلیت میں مشرکوں نے بھیرہ، سائبہ، وسیلہ اور حامی ٹھہرائے، ان کو اپنے بتوں کے لیے نامزد کیا اور ان سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا اور یہ محض اللہ پر افتراء ہے، سو ان جانوروں کو جب مسلمان، اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو ان کا کھانا حلال اور طیب ہو گا اسی طرح قربانی کے لیے جو جانور لوگوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، یہ عبد اللہ کی گلے ہے، یہ عبدالرحمن کا بکرا ہے، اور اولیاء اللہ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے جو جانور ان کی طرف

منسوب کیے جاتے ہیں کہ مثلاً اس بکرے کو ذبح کر کے اس کے طعم کے صدقہ کے ثواب کو حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقدور جیلانی قدس سرہ یا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کی روح کو پہنچایا جائے گا اور اس اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ یہ غوث پاک کا بکرا ہے یا یہ داتا صاحب کا بکرا ہے تو جب اس کو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو اس کا گوشت بھی حلال اور طیب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے اؤ اس دین کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول (کی شریعت) کی طرف تو کہتے ہیں۔ ہمیں وہ طریقہ کلن ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور ولوا کو پایا، خواہ ان کے باپ اور دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ (المائدہ ۱۰۴)

بحیرہ وغیرہ کی تحریم کا خلاف عقل ہوتا

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے کفار کی تشریع کو رد کر دیا ہے اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا ہے اور نہ یہ اس کی سنت ہے اور نہ شریعت میں اس کو عبادت قرار دیا ہے اور اگر یہ جہل عقل سے کام لیتے تو اول تو کفر اور شرک نہ کرتے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا نہ کرتے اور ان جانوروں کو بتوں کے لیے وقف کر کے اور ان سے حصول نفع کو حرام کر کے مزید گمراہ نہ ہوتے جو پھر کسی قسم کے نفع اور نقصان پر مصلحتاً قادر نہیں ہیں نہ ان کی ہکار منہ سکتے ہیں نہ اس کا جواب دے سکتے ہیں ان کی پرستش کرنے سے کیا حاصل؟ اور ان جانوروں کو ان کی خاطر حرام کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

تقلید مذموم اور تقلید محمود

عقل سے کام لیتے تو بت پرستی نہ کرتے اور نہ بتوں کی خاطر ان جانوروں کو حرام کرتے لیکن وہ بغیر غور و فکر کے اپنے آباء اجداد کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں 'علانکہ ان کے آباء اجداد جہل اور گمراہ تھے اور جاہلوں کی تقلید ضرر محض ہے۔ عقل، علم اور دین کے متافی ہے اور مصلحت کے خلاف ہے اس آیت میں مطلقاً تقلید کی مذمت نہیں کی بلکہ ان لوگوں کی تقلید کی مذمت کی ہے جو جہل اور گمراہ ہوں اور اس سے یہ معلوم نکلا ہے کہ جو لوگ عالم اور ہدایت یافتہ ہوں ان کی تقلید جائز اور صحیح ہے امام رازی نے لکھا ہے کہ ہدایت یافتہ عالم کی تقلید اس وقت صحیح ہے جب مقلد کو معلوم ہو کہ اس عالم کا قول دلیل اور حجت پر مبنی ہے اور بوقت ضرورت وہ اس عالم سے دلیل معلوم کر کے بیان کر سکے اس صورت میں یہ محض اندھی تقلید نہیں ہوگی اور وہ محض دراصل اسی دلیل کے مطابق عمل کر رہا ہے اور یہ چیز عقل اور علم کے خلاف نہیں ہے۔

ہر دور میں ان پڑھ عوام اپنے پیش آمدہ مسائل میں علماء اور مفتیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عالم اور مفتی اس مسئلہ کا جو حل بیان کرتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے اور بوقت ضرورت وہ دلیل بیان بھی کر دی جاتی ہے سو درحقیقت وہ محض قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے مقلد محض نہیں ہے اور ہدایت یافتہ عالم کا مقلد ہے جہل اور گمراہ کا مقلد نہیں ہے اسی طرح ائمہ اربعہ کے مقلدین ہیں وہ اپنے امام کے قول پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ یہ ان کے امام کا قول ہے بلکہ اس قول پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کا قول قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے تو درحقیقت وہ قول امام پر عمل نہیں کر رہا بلکہ قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے اور چونکہ عام آدمی کا علم قرآن اور حدیث کو محیط نہیں ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط پر قادر نہیں ہے اور قرآن و حدیث سے حاصل شدہ احکام کو اپنے پیش آمدہ مسئلہ پر منطبق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا اس لیے اسے کسی قرآن اور حدیث کے قیور اور ماہر عالم کی طرف رجوع کا ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ کسی ہدایت یافتہ قیور اور ماہر عالم دین کی تقلید کرتا ہے اور ائمہ اربعہ ہدایت یافتہ اور قرآن و حدیث کے علوم کے ماہر اور امام تھے سو ان کی تقلید کرنا بالکل جائز صحیح اور عقل سلیم کے مطابق ہے ان کے اقوال قرآن و حدیث پر

جی ہیں، یہ دلائل انہوں نے خود بھی بیان کیے اور ان کے متبع علماء نے بھی بیان کیے، اس کے باوجود ان کی نیک نفسی اور علم و دیانت کا یہ حال ہے کہ انہوں نے کہا اگر ہمارا کوئی قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو مسترد کر دو اور حدیث پر عمل کر دو یہی ہمارا مذہب ہے، سو ان ائمہ کی تقلید کرنا دراصل قرآن و حدیث کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ یہ محض ان کی تقلید نہیں ہے اور نہ ہی اندھی تقلید ہے، کیونکہ ان کے اقوال قرآن و حدیث پر جی ہیں اور نہ یہ کسی جاہل اور گمراہ کی تقلید ہے، بلکہ یہ ان کی تقلید ہے جو اپنے اپنے دور میں علم اور ہدایت کے آفتاب و مہتاب تھے، سو اس آیت سے ائمہ اربعہ کی تقلید پر طعن کرنا علم اور دیانت کے خلاف ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا

لئے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے نہیں کوئی

اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيَنْبِتُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

خود نہیں جوگا، اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے

تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا أَحْضَر

ہے۔ ۱۰۹ لے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آجائے اور وہ

أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرِ

وصیت کر رہا ہو تو تمہاری شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں

مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ

سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کی موت آپہنچے تو غیروں میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں)، اگر

الْمَوْتُ تَحِبُّوا نَهْمًا مِّنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَبْتُمْ

نہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک کر، وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم کسی فائدہ کی وجہ

لَا نَشْتَرِي بِهٖ شَيْئًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا

سے) اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں میں گے اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے

إِذَا لِمَنِ الْأَشْيَاءُ ﴿۱۱۰﴾ فَإِنْ عَثَرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرِ

اور ہم سنت گناہوں میں شمار ہوں گے ۱۱۰ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق

يَقُومُونَ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأُولَٰئِينَ فَيَقْسِمُونَ

ان گواہوں نے شائع کیا ہے ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ بکھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر

بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِلَّا إِذَا إِلَيْنَ

کہیں کہ ہماری شہادت ان (دو گواہوں) کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، ورنہ ہمارا شمار ظالموں

الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۸﴾ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ

میں ہو گا ۵ یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (دو گواہ) اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا

يَخَافُونَ أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ آيْمَانِهِمْ طَائِفًا مِمَّنْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَالسَّعْيُ

حق ہے یا وہ اس بات ڈریں کہ (دو گواہوں) قسموں کے بعد ان کی قسمیں ستر و زری جائیں گے اور اس سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام)

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۰۹﴾

سنو! اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم اپنی فکر کو جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے۔ (المائدہ: ۱۰۵)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب مشرکین کو اللہ کے دین کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور دادا کو پایا غرض ان جاہلوں اور گمراہوں کو اسلام کی طرف بلانے کی مسلمانوں نے پوری کوشش کی۔ اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اخروی انصاف کی ترغیب دی۔ اس کے باوجود جب ان جاہلوں نے اپنی جہالت اور گمراہی پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو! تم ان کی جہالت اور گمراہی کی پروا نہ کرو اور ان کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ بلکہ تم اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے رہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرتے رہو۔ اس لیے اس آیت میں فرمایا اے ایمان والو! تم اپنی فکر کو جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اہل کتاب سے جزیہ قبول کر لیتے تھے اور عرب کے مشرکین سے جزیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کے لیے صرف دو راستے تھے: یا اسلام قبول کر لیں یا پھر جنگ کے لیے تیار رہیں۔ تب منافقوں نے مسلمانوں کو ملامت کی کہ تم بعض کفار سے جزیہ قبول کرتے ہو اور بعض سے قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی ملامت کی پروا نہ کرو، مسلمانوں کو اس سے بہت سخت تکلیف ہوتی تھی کہ نبی ﷺ کی بسیار تبلیغ اس قدر معجزات کے مشاہدہ اور آپ کی اتنی کوششوں کے باوجود یہ کفار کفر کو نہیں چھوڑتے اور اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی جس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو

مسلمان کرنے کے ملک نہیں ہو، تم صرف اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی جہالت اور گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ضروری ہونا

”تم اپنی فکر کرو“ کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو گناہوں کے ارتکاب سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھو اور اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کی فکر کرو۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ برے کام کر رہے ہیں تو کرنے دو تم صرف اپنی فکر کرو، جس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ کسی کو نیکی کا حکم دینا یا برائی سے روکنا واجب نہیں ہے، صرف اپنی اصلاح کر لینا کافی ہے۔ حالانکہ یہ معنی قرآن مجید اور احادیث کی دوسری نصوص کے خلاف ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے نہیں روکتا تو وہ عذاب کا مستحق ہو گا کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے، اس لیے تم اپنی فکر کرو کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، اس کے باوجود اگر لوگ برے کاموں سے باز نہ آئیں تو تم فکر نہ کرو، جب تم ہدایت پر ہو، نیکی کر رہے ہو اور نیکی کا حکم دے رہے ہو تو کسی کی برائی سے تمہیں ضرر نہیں ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے متعلق احادیث

امام ابو یوسف، محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بنو اسرائیل میں گناہ بہت بڑھ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا وہ باز نہیں آئے۔ وہ علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو اللہ نے ان کے دل بھی ان کی طرح کر دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تہلوڑ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ٹھک لگائے ہوئے تھے پھر آپ انھیں کریمہ گئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ (امام ابوداؤد کی روایت میں ہے) تم ان کو ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ظالموں کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق کے مطابق عمل پر مجبور کرنا۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۰۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت تلاوت کرتے ہو اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا (المائدہ: ۱۰۵) اور تم اس آیت سے غلط مطلب نکالتے ہو اور ہم نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب لوگ ظالم گودیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا اور جہنم کی روایت میں ہے جس کسی قوم میں گناہوں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ ان گناہوں کو مٹانے پر قادر ہوں پھر نہ مٹائیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۸، سنن کبریٰ للسلانی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۵۷)

سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۰۵

المائدہ ۵: ۷۸-۷۹ کی تفسیر میں ہم نے اس سلسلہ میں بہت احادیث پیش کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو

تمہاری شہادت کا تعلق یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گوواہوں) اور اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کو موت آچنے تو فیوض میں سے ہی دو شخص (گوواہوں) اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گوواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم (کسی قاعدہ کی وجہ سے) اس قسم کے عوض کوئی مل نہیں لیں گے، اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی کوای نہیں چھپائیں گے، ورنہ ہم سخت گنہ گاروں میں شمار ہوں گے، پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گوواہ کسی گنہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق ان گوواہوں نے ضائع کیا ہے، ان کی طرف سے دو گوواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گوواہ قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان (دوہوں) کی شہادت سے زیادہ برحق ہے، اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، ورنہ ہمارا شمار ظالموں میں ہو گا، یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (دوسری) اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا حق ہے، یا وہ اس بات سے ڈریں کہ (ورنہ ان کی) قسموں کے بعد ان کی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۲۸-۲۶)

سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گوواہ بنانے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بنو سہم (عاص بن وائل سہمی کے قبیلہ) میں سے ایک شخص حمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ (سفر میں) گیا۔ سہمی ایسی جگہ میں فوت ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، جب وہ دونوں سہمی کا ترکہ لے کر آئے تو اس کے ورثاء نے اس میں چاندی کا پیالہ گم پایا جس میں سونے کے پرچے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے طلب لیا، پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا اور ان لوگوں نے کہا ہم نے یہ پیالہ حمیم اور عدی سے خریدا ہے، پھر سہمی کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور یہ پیالہ ان کے ساتھی کا ہے اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے۔ (المائدہ: ۲۸-۲۶)

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث ۲۷۸۰، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث ۳۶۰۶)

امام ابو یوسف ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (المائدہ: ۲۸) کے متعلق حمیم داری سے روایت کرتے ہیں، حمیم داری نے کہا وہ اور عدی بن بداء دونوں نصرانی تھے، اور اسلام لانے سے پہلے شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار وہ دونوں تجارت کے لیے شام روانہ ہوئے، تو ان کے پاس بنو سہم کے آزاد شدہ غلام بھی تجارت کے مقصد سے آئے، ان کا نام بدیل بن ابی مریم تھا، ان کے پاس چاندی کا ایک پیالہ تھا، وہ اس کو بادشاہ کے پاس لے جانا چاہتے تھے، وہ راستہ میں بیمار ہو گئے۔ انہوں نے ہم دونوں کو وصیت کی اور یہ کہا، ان کا ترکہ ان کے اہل کو پہنچا دیں۔ حمیم نے کہا جب وہ فوت ہو گئے تو ہم نے اس پیالہ پر قبضہ کر لیا، اس کو ہم نے ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ پھر میں نے اور عدی بن بداء نے اس رقم کو آپس میں تقسیم کر لیا، جب ہم بدیل سہمی کے گھر پہنچے تو اس کا باقی ترکہ جو ہمارے پاس تھا وہ ہم نے اس کے گھر والوں کو دے دیا، انہوں نے اس ترکہ میں پیالہ کو گم پایا، تو ہم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ ہم نے کہا اس نے اس کے سوالور پر کچھ نہیں چھوڑا تھا، ورنہ اس کے سوالور کوئی چیز ہمیں دی تھی۔

حمیم نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے عند تشریف لانے کے بعد مسلمان ہو گیا، تو میں نے اس فعل میں گنہ جانا میں ان کے گھر گیا اور ان کو اصل واقعہ کی خبر دی، اور ان کو پانچ سو درہم واپس کر دیئے، اور ان کو بتایا کہ میرے ساتھی کے پاس بھی اتنے درہم ہیں۔ وہ اس (عدی بن بداء) کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے، آپ نے سہمی کے ورثاء سے گوواہ طلب کیے، ان کے

پاس گواہ نہیں تھے۔ پھر آپ نے ابن کو حکم دیا کہ وہ عدی بن بداء سے قسم طلب کریں جو ان کے دین میں سب سے بڑی قسم ہو۔ اس نے قسم کھالی تب یہ آیت نازل ہوئی (المائدہ ۸: ۱۰۶) پھر محمد بن العاص اور ایک اور شخص نے (دور عام سہی کے موقف پر اور عدی کے خلاف) قسم کھالی تو عدی بن بداء سے پانچ سو درہم وصول کیے گئے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ (مسن ترمذی ج ۵، رقم الحديث ۳۰۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سفر میں وصیت کرنے اور غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے جواز پر امام احمد کے دلائل

ان آجوں میں سفر اور حضر میں وصیت کرنے پر ترغیب دی گئی ہے، وصیت کے ثبوت اور اس کو بخذ کرنے کے لیے گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اصل میں مسلمان گواہوں کو مقرر کرنا چاہیے اور یہ کہ ضرورت یا حاجت کے پیش نظر غیر مسلموں کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے دو شخص گواہ ہوں اس کا معنی ہے تمہارے دین اور تمہاری ملت سے دو گواہ ہوں یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، شریح ابن یزید اور شعبی کا قول ہے۔ امام احمد کا بھی یہی حکار ہے۔ پھر فرمایا ہے اور سفر میں غیروں میں سے دو گواہ بنالئے جائیں حضرت ابن مسعود، حضرت عباس اور دیگر مذکور الصدوق فقہاء تابعین کے نزدیک اس سے مراد ہے جو لوگ تمہارے دین اور تمہاری ملت کے غیر ہوں یعنی اہل کتاب میں سے ہوں اور حسن اور عکرہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے اقرباء اور رشتہ داروں کے غیر ہوں۔

جب یہ مراد لی جائے کہ غیروں سے مراد غیر مسلم اور اہل کتاب ہیں اور یہ کہ سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنایا جائے تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت محکمہ اور غیر منسوخ ہے یا یہ کہ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن المسیب، ابن جبیر، ابن یزید، قتادہ، شعبی، ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور اب بھی اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے اور وہ سرائقول یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوئی:

وَأَشْهِدُوا ذُوَّیْنِ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ۲)

اور انہوں (یعنی مسلمانوں) میں سے دو نیک شخصوں کو گواہ

بنادو۔

زید بن اسلم، امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کا بھی اسی طرف میلان ہے، انہوں نے کہا کہ اہل کفر عادل (نیک) نہیں ہیں اور پستاقول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ حاجت اور ضرورت کا مقام ہے اور ایسے مواقع پر صرف عورتوں کی گواہی بھی صحیح ہوتی ہے۔ جیسے حیض، نفاس اور بچے کی پیدائش میں عورتوں کی گواہی صحیح ہوتی ہے۔

(ازاد السیر ج ۲، ص ۴۳۶-۴۳۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے عدم جواز پر جمہور فقہاء کے دلائل

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمانوں کے معلات میں کفار کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور اس آیت میں جو غیروں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے اس آیت میں غیروں سے مراد غیر مسلم ہو تو پھر یہ آیت واشہدوا ذوی عدل مکم سے منسوخ ہے اور یا اس آیت سے منسوخ ہے:

وَأَشْهِدُوا شَہِدَیْنِ مِّنْ رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ یَكُونَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَآمْرَاؤُنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّہَدَاءِ (البقرہ: ۲۸۲)

اور اپنے (مسلمان) مردوں میں سے دو گواہ بنادو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

اور ظاہر ہے کہ ذی اہل کتب شرعاً غیر مستند ہیں سو یہ آیت سورہ مائدہ کی زیر تفسیر آیت کے لیے تلخ ہے۔ اور ماضی میں مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے اہل کتب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کی اجازت دی گئی کیونکہ اس وقت مسلمان صرف عرب میں تھے اور آج کے دور میں تو ہر جگہ مسلمان موجود ہیں اس لیے کفار کی شہادت ساقط ہو جائے گی اس لیے اب مسلمانوں کا کافروں کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ شرح سے روایت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو صرف سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے اور کسی موقع پر جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان 'جز ۷' ص ۱۳۲) امام احمد بن حنبل سے بھی ایسی کی شکل مروی ہے اور وہ اس میں منفر د ہیں۔ ائمہ ثلاثہ نے ابن سے اختلاف کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اہل ذمہ کی گواہی جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان 'جز ۷' ص ۱۳۳) اور امام طحاوی نے ابو داؤد سے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان شخص وقت قیامت فوت ہو گیا اور اس کو مسلمانوں میں سے کوئی شخص نہیں ملا جس کو وہ اپنی وصیت پر گواہ بناتا تو اس نے دو اہل کتب عیسائیوں کو گواہ بنالیا وہ دونوں کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ کے پاس آئے حضرت ابو موسیٰ نے کہانی سنی کہ بعد کے بعد اس طرح نہیں ہوتا تھا پھر عصر کے بعد ان دونوں سے حلف لیا کہ انہوں نے خیانت کی ہے نہ جھوٹ بولا ہے نہ وصیت میں کوئی تبدیلی کی ہے پھر ان کی شہادت کو مانز کر دیا۔ (سنن ابو داؤد 'ج ۲' رقم الحدیث ۳۶۰۵ جامع البیان 'جز ۷' ص ۱۳۲) امام طحاوی نے کہا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ آیت حکم (غیر منسوخ) تھی اور میرے علم کے مطابق صحابہ میں سے کسی نے ابن کی مخالفت نہیں کی ہے اور اکثر فقہاء تابعین کا بھی یہی نظریہ ہے اور نحاس نے ذکر کیا ہے کہ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور کسی حال میں کافر کی شہادت جائز نہیں ہے جس طرح فاسق کی شہادت جائز نہیں ہے۔ وہ زید بن اسلم امام شافعی اور نعمان (امام ابو حنیفہ) ہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہ نے کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز کہا ہے۔ (محرم القاری 'ج ۳' ص ۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۸ھ)

اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے جواز پر امام ابو حنیفہ کے دلائل

امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے اور مسلمانوں کے خلاف ابن کی گواہی جائز نہیں ہے کیونکہ شہادت کی تمام آیات اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے مسلمانوں کے متعلق ہیں اور کافروں کی گواہی ایک دوسرے کے متعلق قبول کی جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ

اور کافر ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

(الانفال: ۷۳)

قرآن مجید نے کافروں کی ایک دوسرے پر ولایت ثابت کی ہے اور ولایت شہادت سے اعلیٰ درجہ ہے اور حدیث میں بھی اہل کتب کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کا ثبوت ہے۔ امام ابو داؤد بحسن متوفی ۴۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود ایک مرد اور عورت کو لے کر آئے جنہوں نے زنا کیا تھا آپ نے فرمایا تم میرے پاس ایسے دو مردوں کو لے کر آؤ جو تمہارے سب سے بڑے عالم ہوں وہ صور یا کے دو بیٹوں کو لے کر آئے۔ آپ نے ان کو قسم دی کہ یہ بتاؤ کہ قورات میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا قورات میں یہ مذکور ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے مرد کے آٹھ کو عورت کے اندام نکلتی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلائی سرمدہ دانی میں

ہوتی ہے تو ان دونوں کو رجم کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا پھر تم کو انہیں رجم کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ انہوں نے کہا ہماری سلطنت (اقتدار) چلی گئی تو پھر ہم نے قتل کرنے کو پسند جلتا پھر رسول اللہ ﷺ نے گواہوں کو بلایا سو چار گواہ آئے اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ انہوں نے اس مرد کے آل کو اس عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلائی سرسہ دانی میں ہوتی ہے تب نبی ﷺ نے ان کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا۔

(سنن ابوداؤد ج ۳ رقم الحدیث: ۴۳۵۲، سنن دارقطنی ج ۲ رقم الحدیث: ۴۳۰۵)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل کتب کی اہل کتب کے خلاف شہادت جائز ہے، ایک اور حدیث سے بھی یہ بات مفہوم نکلتی ہے۔

امام علی بن محمد دارقطنی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک ملت والے دوسری ملت والوں کے وارث نہیں ہوتے اور ایک ملت والوں کی دوسری ملت والوں کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے۔ ماسوا میری امت کے، کیونکہ ان کی شہادت دوسروں کے خلاف جائز ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۳ رقم الحدیث: ۶۸، المعجم الاوسط للطبرانی ج ۶ رقم الحدیث: ۵۴۳۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۰۱)

اس حدیث کا مضموم یہ ہے کہ ایک ملت کے افراد کی اپنی ملت والوں کے خلاف شہادت جائز ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الرضی عنہ المتوفی ۵۵۴ھ لکھتے ہیں:

اہل ذمہ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول کی جائے گی، خواہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔ (مثلاً یہودی گواہی نصاریٰ کے خلاف مقبول ہوگی) امام مالک اور امام شافعی نے کہا ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ فاسق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالْكَافِرُونَ هُمُ الْمَافِقُونَ (قرآن مجید میں یہ آیت نہیں ہے، یہ صاحب ہدایہ کا تفسیر ہے۔ البتہ اس معنی میں یہ آیت ہے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمَافِقُونَ (النور ۵۵)

اس لیے ان کی خبر پر توقف کرنا واجب ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور وہ بہ منزلہ مرتد ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نصاریٰ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ نیز ان کو اپنے اوپر اور اپنے چھوٹے بچوں کے اوپر ولایت حاصل ہے۔ لہذا ان کو اس کی جنس پر شہادت کا حق بھی حاصل ہوگا اور فسق اعتقادی شہادت کو قبول کرنے سے مانع نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے دین میں جس چیز کو حرام اعتقاد کرتے ہیں اس سے اجتناب کرتے ہیں اور جھوٹ بولنا تمام اویان میں حرام ہے۔ اس لیے وہ جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اور ان کو مرتد پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مرتد کو کسی پر بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی اور ذمیوں کی گواہی مسلمانوں کے خلاف اس لیے مقبول نہیں ہے کہ ذمیوں کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

كُلٌّ يَتَنَحَّلُ اللَّهُ لِيُكْفِرَ بِرِسِّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
سَبِيلًا (النساء: ۱۳۷)

اور چونکہ کافر مسلمان سے دشمنی رکھتا ہے اور دار اسلام میں اس سے مغلوب ہے، اس لیے وہ اس پر غلبہ پانے کے لیے جھوٹ بولے گا اور کفر کی ملتیں ہر چند کہ مختلف ہیں، لیکن دار اسلام میں وہ ایک دوسرے سے مغلوب نہیں ہیں، اس لیے ان میں باہم دشمنی نہیں ہوگی، جو ان کو جھوٹی گواہی پر اکسائے اور حلی مستحسن (جو کافر یا سپورٹ لے کر ہمارے ملک میں آئے) کی گواہی

ذی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور جو کافر الگ الگ ملکوں میں رہتے ہیں ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔ (ہدایہ اخیرین، ص ۲۳، مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ الملک)

اور اس سے پہلے جو ہم نے حدیث ذکر کی ہے کہ ایک ملت والوں کی گواہی دوسری ملت والوں کے خلاف قبول نہیں ہوگی اس سے مراد دو مختلف ملکوں میں رہنے والے کافر ہیں اور جو مختلف ملتوں والے ایک ملک کے کافر ہمارے ملک میں پاسپورٹ لے کر آئیں ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی کیونکہ یہاں وہ ایک دوسرے پر غالب نہیں ہیں اور ان میں باہم دشمنی نہیں ہے جو ان کو ایک دوسرے کے خلاف جھوٹی گواہی پر ابھارے۔ البتہ مسلمان کی شہادت ذی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور نہ مختلف ملکوں میں رہنے والے کافروں کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی۔

(ہدایہ اخیرین، ص ۱۶۳)

امام ابو حنیفہ کے استدلال پر علامہ قرطبی کے اعتراض کا جواب

فقہاء مالکیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اہل ذمہ کی شہادت مطلقاً مقبول نہیں ہے، مسلمان کے خلاف نہ اہل کتاب کے خلاف۔ اس لیے علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۷۸ھ فقہاء اختلاف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نے اس آیت (المائدہ ۱۰۸: ۱۰۶) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت جائز ہے کیونکہ وہ اخیران من عبیر کم کا معنی ہے "یا ان کو گواہ بناؤ جو دین میں تمہارے غیر ہیں" اور جب اہل ذمہ کو مسلمان گواہ بنا سکتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو بطریق اولیٰ گواہ بنا سکتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارے نزدیک تو مسلمانوں کا اہل ذمہ کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور تمہارے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اس لیے تمہارا یہ استدلال جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عبارت انص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل ذمہ کو مسلمانوں کے خلاف گواہ بنانا جائز ہے اور یہ طریق تنبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل کتاب کی آپس میں گواہی بھی جائز ہے کیونکہ جب ان کی شہادت مسلمانوں کے خلاف جائز ہے تو اپنی ملت والوں کے خلاف یہ طریق اولیٰ جائز ہوگی۔ پھر جب دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی شہادت باطل ہے تو آپس میں ان کی شہادت کا جواز اپنے حل پر باقی رہا لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جائز ہونا اس مسئلہ کی فرع ہے کہ اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت جائز ہو اور جب اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت باطل ہوگی جو اصل تھی تو جو اس کی فرع ہے یعنی اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جواز وہ یہ طریق اولیٰ باطل ہو جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۶۰-۲۶۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی اس علامہ بحث کی مناسبت سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کے جواز پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا بلکہ ان کا استدلال اس آیت سے ہے والدین کفروا بعضہم اولیاء بعض (الانفال: ۷۳) یہ آیت اور اس کے علاوہ دو حدیثیں جن سے امام اعظم نے استدلال کیا ہے، ہم اس سے متصل پہلے عنوان میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اہل ذمہ آپس میں خرید و فروخت کرتے ہیں، اجرت اور قرض کا لین دین کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ زیادتی بھی کرتا ہے، مثلاً قتل کرتا ہے یا زخمی کرتا ہے اور ان میں دیگر جرائم بھی ہوتے ہیں اور باہمی تنازعات بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ اپنے مقدمات مسلمان حاکموں کے پاس لے جاتے ہیں، اگر ان کے معاملات جرائم اور تنازعات میں ان کی اپنی شہادت قبول نہ ہو تو ان کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ان کو انصاف نہیں مل سکے گا

اور ظلم اور فساد کا غلبہ ہو گا اور یہ اسلام کے فناء کے خلاف ہے اس لیے ضرورت کا یہ تقاضا ہے کہ دارالاسلام میں اہل ذمہ میں ایک دوسرے کے متعلق شہادت کو قبول کیا جائے اور اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ کا موقف ہی قرآن مجید، احادیث اور عقل سلیم کے مطابق ہے۔

ناگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا جواز

بعض اوقات سفر میں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کو وصیت کے وقت کوئی مسلمان گواہ میسر نہ ہو تو اب اگر مسلمانوں کے معاملات میں اہل کتاب کی شہادت بالکل میسر نہ ہو تو بعض مواقع پر مسلمانوں کے حقوق محفل ہو جائیں گے۔ اس لیے جنہیں ایسی صورت ہو وہیں کسی غیر مسلم سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر امام احمد بن حنبل کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اس کو گواہ بنالیا جائے تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ اس آیت کا منسوخ ہونا متعلق علیہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن المسیب، ابن جبہ، ابن سیرین، قتادہ، شعبی، ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت نکلے ہوئے اور منسوخ نہیں ہے۔ لہذا اگر کسی ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کو اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر گواہ بنالیا جائے تو یہ ظاہر قرآن کے بھی مطابق ہے اور اس میں آسانی ہے اور مسلمانوں کے حقوق کا بھی تحفظ ہے۔

شک اور شبہ کی بناء پر ملزم یا قسم کو قید میں رکھنے کا جواز

اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر قسمیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص پر کسی قسم کا شبہ ہو اس کو روکنا اور قید کرنا جائز ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

بہترین حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو قسمت کی بناء پر قید کر لیا۔

امام ترمذی کی روایت میں ہے بعد میں اس کو رہا کر دیا۔

(سنن ابو داؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳۰، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۲۲، سنن نسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۴۸۹۱)

علامہ احمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

قید کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ بطور سزا کے قید کرنا اور بطور تحقیق کے قید کرنا اور بطور سزا کے اس وقت قید کیا جائے گا جب

اس پر کوئی حق واجب ہو گا یا جرم ثابت ہو گا اور جس شخص کو قسمت کی بناء پر قید کیا جائے گا تو اس کی تحقیق کی جائے گی اور

حدیث میں ہے نبی ﷺ نے ایک شخص کو دن کے تھوڑے وقت کے لیے قید کیا پھر اس کو رہا کر دیا۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابو داؤد ج ۵، ص ۲۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

نیز امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عبداللہ حزاری بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ کلابیہ کے لوگوں کی چوری ہو گئی انہوں نے حاکم کے کچھ لوگوں پر چوری کی

تصدیق لگائی وہ لوگ نبی ﷺ کے صحابی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے حضرت نعمان نے حاکم کے لوگوں کو

چند روز قید رکھا پھر ان کو رہا کر دیا۔ کلابیہ حضرت نعمان کے پاس گئے اور کہا آپ نے ان لوگوں کو بغیر مارے پیٹے اور بغیر

استحسان لیے رہا کر دیا۔ حضرت نعمان نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں ان کو مار لگوں پھر اگر تمہارا سلطان نکل آیا تو فیما درنہ میں تمہاری

پشت پر اتنے کوڑے لگوں گا جتنے ان کو لگائے ہوں گے۔ انہوں نے کہا یہ آپ کا فیصلہ ہے؟ حضرت نعمان نے کہا یہ اللہ کا حکم ہے

ظہان القرآن

اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔

امام ابو داؤد نے کہا اعتراف سے پہلے کسی کو مارنا جائز نہیں ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۸۲، سنن الترمذی ج ۸، رقم الحدیث: ۳۸۸۹)

ہمارے ملک میں محض شبہ کی بنا پر کسی شخص کو حوالات میں اتنی مار لگائی جاتی ہے کہ وہ مار سے بچنے کے لیے اپنے ناکرہ جرائم کا اعتراف کر لیتا ہے، یہ اسلام کے خلاف ہے۔ علامہ سندی نے لکھا ہے کہ قسمت اور شبہ کی بنا پر کسی کو قید کرنا جائز ہے۔ مجرموں کو قید میں رکھنے کا جواز

مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت نجد کی طرف بھیجی وہ ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جس کا نام ثلمہ بن آجل تھا، صحابہ نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور پوچھا اے ثلمہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے محمد! میرا نیک خیال ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو آپ ایک خوبی کو قتل کریں گے اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں مجھ سے سوال کریں، اس کو اسی طرح رکھا گیا آپ نے دو سرے دن پھر اس سے فرمایا اے ثلمہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں نے آپ سے کہا تھا، اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شر گزار پر احسان کریں گے، اس کو پھر اسی طرح رکھا گیا تیسرے دن آپ نے پھر اس سے سوال کیا اے ثلمہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا ثلمہ کو کھول دو، پھر ثلمہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا، اس نے غسل کیا، پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ اے محمد! نبی ﷺ بخدا! (پہلے) تمام روئے زمین پر مجھے آپ کا چہرہ سب سے زیادہ برا لگتا تھا، اور اب آپ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، اور بخدا! میں پہلے سب سے زیادہ آپ کے دین سے بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اور پہلے میں آپ کے شر سے سب سے زیادہ بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا شر مجھے تمام شہوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا تھا، اور اب میں عموماً کہتا ہوں، آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بشارت دی اور اسے عموماً کرنے کا حکم دیا، جب وہ مکہ میں پہنچا تو اس سے کسی شخص نے کہا کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! بخدا! میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں، بخدا! تمہارے پاس اب ہمارے اس وقت تک گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا، جب تک کہ نبی ﷺ اس کی اجازت نہیں دیں گے۔

(صحیح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۲۳۷۷، سنن ابو داؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۷۹، صحیح مسلم ج ۵، رقم الحدیث: ۲۵۰۸، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۹، مسند احمد ج ۲، ص ۴۵۲، ج ۳، ص ۸۲، طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے تین دن ثلمہ بن آجل کو قید رکھا اور یہ حدیث مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل ہے۔

نادر ہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

ہر اس بن حبیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس اپنے مقروض کو لے کر آیا، آپ نے فرمایا اس کو قید کر لو، پھر مجھ سے فرمایا: اے بنو تمیم کے بھائی! تم اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث میں علامہ مقروض کو قید میں رکھنے کی دلیل ہے۔

عمرو بن الثریہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا متول آدمی کی (قرض واپس کرنے میں) سستی اور تاخیر اس کی عزت اور سزا کو حلال کر دیتی ہے۔

امام ابن السبارک نے کہا کہ عزت کو حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے سختی اور درشت کلام کے ساتھ تقاضا کیا جائے اور سزا حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے۔ (علامہ نووی اور علامہ سندی نے بھی یہی تشریح کی ہے)

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۸، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۰۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۲۷، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۹۱۸، طبع جدید، دار الفکر، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۸۸-۳۸۹، طبع قدیم، امام بخاری نے اس

حدیث کو حلیتاً ذکر کیا ہے۔ کتاب الاستقراض، باب ۱۳)

نیز امام بخاری نے حلیتاً ذکر کیا ہے کہ قاضی شریع مقروض کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

(کتاب الصلوۃ، باب ۷۶)

ماوندیہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق مذہب ائمہ

علامہ محمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست اور غریب مقروض کو عدم لوائگی پر قید نہیں کیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سزا کو جائز کہا ہے جو لوائگی پر قادر ہو اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قاضی شریع کا نظریہ یہ تھا کہ متول اور تنگ دست دونوں کو قید کر دیا جائے، اصحاب رائے کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (فقہاء اختلاف کا یہ نظریہ نہیں ہے سعیدی غفرلہ) امام مالک نے کہا تنگ دست کو قید نہیں کیا جائے گا، اس کو لوائگی کے لیے صلت دی جائے گی، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص بہ ظاہر تنگ دست ہو، اس کو قید نہیں کیا جائے گا اور جو شخص بظاہر متول ہو اور وہ اپنے حق کو ادا نہ کرنا ہو، تو اس کو قید کیا جائے گا اور بعض اصحاب شافعیہ نے اس میں مزید قیود کا اضافہ کیا ہے۔ (سالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد، ج ۵، ص ۲۳۶-۲۳۷)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری، ج ۵، ص ۷۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد بخاری متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے، کیونکہ اس وقت وہ ظالم ہے اور ظلم حرام ہے، خواہ وہ قلیل ہو اور اگر مقروض کا تنگ دست ہونا ثابت ہو تو اس کو صلت دینا واجب ہے اور اس کو قید کرنا حرام ہے، اور جس شخص کا تنگ دست ہونا ثابت ہو گیا ہو اور اس کو قید سے نکل دیا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا قرض خواہ مقروض کے ساتھ لازم رہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب تک اس کے پاس کسی اور مال کا ثبوت نہ ہو، وہ اس کے ساتھ لازم نہ رہیں اور امام ابو حنیفہ یہ فرماتے

ہیں کہ حاکم قرض خواہوں کو اس کے ساتھ مردم سے منع نہ کرے۔

(مجموع الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۳۶ مطبوعہ ادارۃ التبلیغ المنیریہ ۱۳۳۸ھ)

جس طرح مالی حقوق میں اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر کسی کا مالی حق ہو اسی طرح بدنی حقوق میں استغاثہ کو حق دلانے کے لیے اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر قصاص لازم ہو اسی طرح جس شخص نے حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کیا ہو اس پر حد بخلاف کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔

گواہ بنانے کے لیے بعد از نماز وقت کی خصوصیت اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد مددک لو، وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں۔

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں "بعد از نماز" سے مراد بعد از نماز عصر ہے کیونکہ تمام ادیان میں اس وقت کو عظیم گردانا جاتا ہے اور وہ اس وقت میں جھوٹ بولنے سے اور جھوٹی قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت میں دن کے فرشتے بندہ کے اعمال لکھ کر جا رہے ہوتے ہیں اور رات کے فرشتے اس کے اعمال لکھنے کے لیے آرہے ہوتے ہیں اور یہ وقت دونوں فرشتوں کے اجتماع کا ہوتا ہے اور اس وقت جو عمل کیا جائے اس کو دن کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اور رات کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اسی وقت بندوں کے اعمال قبول کیے جانے کے لیے عرش کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں اس لیے اس وقت میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور برے اعمال سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے خصوصیت سے اس وقت میں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت (فرمائے گا) اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں فاضل پانی ہو اور وہ مسافروں کو پانی (پینے) سے منع کرے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی شخص سے گھن دنیا کے لیے بیعت کرے اگر وہ اس کی خواہش کے مطابق دے تو اس سے بیعت کو پورا کرے ورنہ بیعت پوری نہ کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد کسی آدمی کو کسی چیز کی قیمت بتائے اور اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اسے وہ چیز اتنے اتنے میں ملی ہے اور وہ آدمی اس کو لے لے حلا تک اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔ (صحیح البخاری ج ۳ رقم الحدیث: ۲۶۷۷ ج ۸ رقم الحدیث: ۷۲۳)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے گا اللہ عز وجل اس سے کلام نہیں کرے گا نہ اس کی طرف نظر رحمت فرمائے گا نہ اس کو پاک کرے گا اور اس کو دردناک عذاب ہوگا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

عصر کے وقت کو زیادہ گناہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ حالانکہ جھوٹی قسم ہر وقت کھانا حرام ہے کیونکہ یہ عظیم الشان وقت ہے اس وقت میں ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور یہ اعمال کے ختم ہونے کا وقت ہے اور امور کا کار خاتمہ پر ہے۔ اس لیے اس وقت میں گناہ کے ارتکاب پر سخت سزا رکھی ہے تاکہ لوگ اس وقت میں گناہوں پر جرات نہ کریں اور حقدارین عصر کے بعد حلف لیتے تھے اور اس سلسلہ میں حدیث بھی ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۳ مطبوعہ دار فکرا لکتاب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

قسم دلانے اور گواہ بنانے میں مقام کی خصوصیت میں مذہب

جس طرح قسم کو پختہ کرنے کے لیے زبان کے اعتبار سے عصر کے بعد کے وقت کی خصوصیت ہے اسی طرح مکان اور مقام کے اعتبار سے کسی جگہ کی بھی اہمیت ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ دعائی علیہ جہاں چاہے قسم کھائے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا اور اس کے تحت یہ اثر ذکر کیا ہے کہ مروان نے حضرت زید بن ثابت کے خلاف فیصلہ کیا کہ وہ منبر پر قسم کھائیں، حضرت زید نے کہا میں اپنی جگہ قسم کھاؤں گا پھر زید قسم کھاتے لگے اور انہوں نے منبر پر قسم کھانے سے انکار کیا، مروان کو اس سے تعجب ہوا، حضرت زید نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا یا تم دو گواہ پیش کرو یا وہ قسم اٹھائے گا اور آپ نے کسی جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قسم دلانے کے لیے کسی خاص مقام کی ضرورت نہیں ہے، اور امام بخاری کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا قسم میں امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب چوتھائی دینار یا اس سے زائد کے معاملہ پر قسم کھائی ہو تو جامع مسجد میں یا جامع مسجد کے منبر پر قسم دلائی جائے گی، اور جب اس سے کم کا معاملہ ہو تو حاکم کی مجلس میں بازار میں یا کسی بھی جگہ قسم کھائی جاسکتی ہے، اور اس پر قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے، اور امام مالک منبر مدینہ کے سوا اور کسی منبر کو نہیں پہچانتے تھے، اور جو شخص منبر مدینہ کے پاس قسم کھانے سے انکار کرے، وہ ان کے نزدیک قسم کھانے سے منکر ہے اور قسامت کی قسموں میں امام مالک کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ رکن اور مقام کے درمیان قسم کھائے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ امام شافعی کا مذہب بھی امام مالک کی طرح ہے، لیکن ان کے نزدیک منبر مدینہ یا مکہ میں رکن اور مقام کے نزدیک قسم کھانا اس وقت ضروری ہے جب میں دینار یا اس سے زائد کا معاملہ ہو اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک کسی شخص سے کسی بھی معاملہ میں خوار غلیل مل کا معاملہ ہو یا کثیر مل کا نبی پیچہ کے منبر پر قسم لینا ضروری نہیں ہے، اور نہ قصاص اور وصیت میں اور نہ کسی اور چیز میں، اور جس شخص پر قسم واجب ہو تو حکام اپنی مجلس میں اس سے قسم لے لیں۔

امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن ثابت کے اثر سے استدلال کیا ہے، کیونکہ انہوں نے منبر پر قسم نہیں کھائی اور جو اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، وہ مروان کے قول سے بلا دلیل استدلال کرتے ہیں۔ صاحب التوضیح نے امام شافعی کی طرف سے استدلال کیا ہے کہ اگر حضرت زید بن ثابت کو یہ یقین ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت نہیں ہے تو وہ مروان پر رد کرتے اور کہتے کہ نہیں، خدا کی قسم میں منبر پر قسم نہیں کھاؤں گا، میں صرف تمہاری مجلس میں قسم کھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عجیب استدلال ہے، اگر حضرت زید کو علم ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت ہے، تو وہ مروان کی مجلس میں قسم نہ کھاتے اور منبر پر ہی قسم کھاتے، لیکن انہوں نے مروان کے کلام کی طرف توجہ نہیں کی اور اسی مجلس میں قسم کھائی اور یہ مروان کا رد نہیں تو اور کیا ہے؟

(عمدة القاری ج ۱۳ ص ۲۵۲-۲۵۳، مطبوعہ ادارۃ البیضاء المنیریہ، مصر ۱۳۳۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متونی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید میں یہ اثر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کتاب القضاء میں سند صحیح کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے دسی تھے، ان کے پاس ایک شخص ایک دستاویز لے کر آیا، جس میں گواہوں کے نام مٹ چکے تھے۔ حضرت ابن عمر نے نافع سے کہا اس کو منبر پر لے جا کر اس سے حلف لو۔ اس شخص نے کہا جب یہ منبر پر مجھ سے حلف لے گا تو آپ تو نہیں سن رہے ہوں گے، حضرت ابن عمر نے فرمایا تم نے سچ کہا اور اس شخص

سے اسی مجلس میں حلف لیا۔

مروان کی تائید میں بھی اثر ہے۔ امام کراچی نے آداب القضاء میں سند قوی کے ساتھ سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے کسی آدمی پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس شخص کا لونٹ نصب کر لیا ہے اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش کیا حضرت عثمان نے اس کو حکم دیا کہ وہ منبر پر قسم کھائے اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور کہا: منبر کے علاوہ اور آپ جہاں چاہیں میں قسم کھوں گا حضرت عثمان نے فرمایا نہیں تم کو منبر پر قسم کھانی ہوگی اور نہ لونٹ تلوان میں دینا پڑے گا اس شخص نے اونٹ تلوان میں دے دیا اور منبر پر قسم نہیں کھائی۔

جس طرح زبان کے اعتبار سے قسم کی تخلیق میں عصر کے بعد کے وقت کی تخصیص ہے۔ اسی طرح مکان کے اعتبار سے قسم کی تخلیق میں منبر رسول ﷺ کی تخصیص ہے اور اس سلسلہ میں دو مرفوع حدیثیں ہیں:

۱۔ امام مالک، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن خزمہ نے صحیح کے ساتھ اور امام ابن حبان اور امام حاکم وغیرہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائے گا خواہ وہ ایک ہزار سو اک پر قسم کھائے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

۲۔ امام نسائی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے حضرت ابو امامہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائی جس سے وہ کسی مسلمان شخص کا دل بڑپ کرنا چاہتا ہو اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اللہ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

فتح الباری، ج ۵، ص ۲۸۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ

اس میں کوئی شک نہیں کہ منبر رسول پر جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے اور جس قسم میں تخلیق مقصود ہو تو وہ منبر رسول پر قسم دینی چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ واجب ہے؟ اور کیا تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے اس پر عمل کرنا ممکن ہے؟ عصر کے بعد کا وقت تو دنیا میں ہر جگہ حاصل ہو سکتا ہے اس لیے سخت اور قوی قسم دینے کے لیے عصر کے وقت کی خصوصیت درست ہے۔ لیکن رکن اور مقام پر قسم دینا یا منبر رسول پر قسم دینا یہ عملاً صرف حرمین طہیج میں ہی ممکن ہے اور اب اسلام تمام دنیا میں پھیل چکا ہے۔ خصوصاً اسپورٹ اور ویسے کی پابندی کے اس دور میں معقول مذہب صرف امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا ہے اور وہی قاتل عمل ہے۔

صرف اللہ کی ذات کی قسم کھائی جائے یا اس کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس ذات کی قسم کھائی جائے اس کی صفات کے ذکر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے۔ ”باللہ الذی لا الہ الا هو عالم العیب والشہادۃ الرحیم الرحیم“ امام شافعی نے کہا اس میں یہ اضافہ بھی کرے ”الذی یعلم خائفۃ الاعیسیٰ وما تخفی الصدور والذی یعلم من السر ما یعلم من العلانیۃ“ علامہ مخون مالکی نے کہا اللہ اور مصحف کی قسم کھائے اور ہمارے اصحاب اختلاف کے نزدیک صرف اللہ کے نام کی قسم کھانا کفای ہے، طلاق کی قسم نہ کھائے (یعنی اگر میں نے یہ کام کیا ہے تو میری بیوی کو طلاق) ہاں اگر فریق مخالف اللہ کی قسم کو اہمیت نہ دیتا ہو اور طلاق کی قسم کا مطالبہ کرے تو پھر طلاق کی قسم کھائے لیکن اگر اس نے طلاق کی قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس نے اس چیز سے انکار کیا ہے جو شرعاً ممنوع ہے اور اگر اس کے خلاف فیصلہ کر

بھی دیا گیا تو وہ غنڈ نہیں ہو گا۔ قسم کو زیادہ بخت اور موکد کرنے کے لیے اللہ کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شخص عرف میں نیک ہو اس سے بخت قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے اور دوسروں سے مطالبہ کیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ زیادہ مال کے معاملہ میں بخت قسم کا مطالبہ کیا جائے اور کم مال کے معاملہ میں نہ کیا جائے اور زمین اور مکان کے اعتبار سے قسم کو بخت نہ کیا جائے (یعنی عصر کے بعد قسم کا مطالبہ کرے یا مسجد کے منبر پر قسم کھانے کا مطالبہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جب اس وقت میں اور منبر پر قسم کھانے کا رواج عام ہو جائے گا تو لوگوں کے نزدیک ان کی وقعت کم ہو جائے گی۔ ہاں کسی بہت اہم اور خاص معاملہ میں زمین و مکان کے ساتھ خلیفہ کرنی چاہیے اور اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دینی چاہیے کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو قسم دی اور فرمایا یہ قسم کھلو "بِاللہ الذی لا الہ الا ہو" میرے پاس مدی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ رقم الحديث ۳۷۳۰) اس طرح قرآن حدیث اور آثار صحابہ سب پر عمل ہو گا کیونکہ قرآن مجید میں (عصر کی) نماز کے بعد قسم دلانے کا حکم ہے اور حدیث میں اللہ کی ذات اور صفات کے ساتھ قسم دینے کا حکم ہے اور آثار صحابہ میں مسجد کے منبر پر قسم دینے کا ذکر ہے۔ اس لیے قسم کی خلیفہ تاکید اور اس کو بخت کرنے کے لیے ان امور کے ساتھ قسم دی جائے لیکن چونکہ قرآن اور حدیث میں اس خلیفہ کو واجب اور ضروری نہیں قرار دیا اس لیے ان امور کے ساتھ خلیفہ کو عام معمول نہ ملایا جائے تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں ان کی وقعت اور اہمیت کم نہ ہو اور کسی بہت اہم اور غیر معمولی معاملہ میں جہاں بہت تاکید اور خلیفہ مقصود ہو وہاں عصر کے بعد مسجد کے منبر پر اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دی جائے۔ (سعید بن غفران) توفیح میں یہ مذکور ہے کہ کیا قسم دیتے وقت مصحف (قرآن مجید) کو بھی حاضر کیا جائے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کا انکار کیا اور بعض مالکی علماء نے کہا میں دیتا یا اس سے زیادہ کی مالیت میں مصحف کو حاضر کرنا لازم ہے اور ابن المنذر نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے طرف کو دیکھا وہ مصحف کے سامنے طے اٹھاتے تھے۔

(عمدة القاری ج ۱۳ ص ۲۵۳ مطبوعہ ادارۃ البیضاء المنیرہ ۱۳۳۸ھ)

مدی کی قسم پر فیصلہ کرنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گنہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے ان کی طرف سے وہ گواہان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اس واقعہ میں پہلے میت کے وصیوں نے قسم کھائی کہ ہم کو اس میت نے صرف اتنا ہی مال دیا تھا (جس میں چاندی کا پیالہ نہیں تھا) اور ورثاء نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے پورا مال نہیں پہنچایا اور انہوں نے جھوٹی قسم کھائی اور امت میں خیانت کی ہے پھر وصیوں کی قسم کے مقابلہ میں ورثاء کے دو آدمی پیش ہوئے اور انہوں نے ان وصیوں کے خلاف قسم کھائی اور کہا ہماری قسم ان کی قسم کے مقابلہ میں برحق ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ورثاء مدعی تھے اور مدعی کے ذمہ گواہ ہوتے ہیں اور قسم مدعی علیہ پر ہوتی ہے اور یہاں مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا کیونکہ جب ورثاء کے گواہوں نے قسم کھائی کہ یہ وصی جھوٹے ہیں اس سلسلہ میں پیالہ بھی تھا تو ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ پیالہ مکہ میں مل گیا اور وصیوں سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے میت سے یہ پیالہ خرید لیا تھا تو اب معاملہ برعکس ہو گیا اب وہ مدعی ہو گئے اور میت کے ورثاء اس خریداری کے منکر تھے وہ مدعی علیہ ہو گئے اور چونکہ وصیوں کے پاس پیالہ خریدنے کے گواہ نہ تھے اس لیے ورثاء پر قسم لازم آئی انہوں نے قسم کھائی کہ یہ جھوٹے ہیں اور ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض در ثناء کو مدعی قرار دیا جائے تب بھی اصول یہ ہے کہ اگر کسی خارجی قرینہ سے مدعی علیہ کی خیانت اس کا جھوٹ اور گناہ ثابت ہو جائے تو اس کی قسم غیر معتبر ہو جاتی ہے، اور پھر مدعی سے قسم لے کر اس کی قسم پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے، اور اس آیت سے یہی اصول ثابت ہوتا ہے اور جو فقہاء ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا جاتا ہے، وہ اس وقت جب مدعی علیہ کی قسم کے جھوٹ ہونے پر کوئی خارجی دلیل اور قرینہ نہ ہو۔ اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے جس میں گواہ کا سلطان ہونا ضروری فرمایا ہے، اور اس آیت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے اس پر مفصل بحث ہم اس آیت کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا

جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا، وہ عرض کریں گے ہمیں بالکل علم نہیں ہے

إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْصِي ابْنُ مَرْيَمَ

بیشک تیری تمام غیبوں کا جاننے والا ہے ۝ جب اللہ فرمائے گا، اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے ادھر

إِذْ كُنَّا نَمُوتُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدَتْكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ

اور اپنی ماں کے ادھر میرے احسان کو یاد کرو، جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی،

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

تم گہرا لے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی، اور جب میں نے تم کو کتب، حکمت، تورات اور

وَالْتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

انجیل کا علم دیا، اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے

يَاذُنِي فَتَنْفَخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ

تے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور تم میرے حکم سے مادرِ نادانہ صول

الْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ

اور بری کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے، اور میں نے (ہی) تم کو

بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ

بنو اسرائیل سے بچایا، جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے

صِبْآنَ الْقُرْآنِ

جلد سوم

وَقَدْ كُنَّا

كُفَرُوا مِنْهُمْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۹﴾ وَإِذَا أُوحِيَتْ إِلَى

کہا یہ کہلے برسے جادو کے سرا اور کچھ نہیں ہے ○ اور جب میں نے حواریوں پر الہام

الْحَوَارِيُّنَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا

کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (سے) اشد! تو

مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾

گواہ ہو جا کہ بیشک ہم مسلمان ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ عرض کریں گے: ہمیں بالکل علم نہیں ہے سبے شک تو ہی تمام فیصلوں کا جاننے والا ہے (المائدہ: ۱۰۹) آیات سابقہ سے مناسبت

قرآن مجید میں اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ جب اللہ احکام شریعہ بیان فرماتا ہے تو اس کے بعد اپنی ذات اور صفات کا ذکر فرماتا ہے یا انبیاء علیہم السلام کے احوال اور اوصاف کا ذکر فرماتا ہے اور یا احوال قیامت کا ذکر فرماتا ہے۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حج کے احکام بیان فرمائے تھے۔ پھر امر بالمعروف اور نہی منکر کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر سفر میں وصیت کرنے اور اس پر گواہ بنانے کے احکام بیان فرمائے تو اب اس کے بعد اس آیت میں احوال قیامت کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال بیان فرمائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا ذکر تھا اور گواہی میں یہ ضروری ہے کہ وہ خیانت نہ کرے اور اپنے کسی فائدہ کی بناء پر گواہی میں رد و بدل نہ کرے اور نہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی رعایت کرے۔ اس لیے اس آیت کے بعد اس آیت کا ذکر کیا جس میں قیامت کا ذکر ہے تاکہ انسان قیامت کی ہولناکیوں اور خدا کے سامنے پیش ہونے کے ڈر سے گھج اور جی گواہی دے اور اس میں خیانت نہ کرے۔ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے اس قول کی توجیہات کہ ”ہمیں کچھ علم نہیں“

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ تمہیں تمہاری امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف: ۹) سو بے شک ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ○ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الحجر: ۹۳) سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو علم نہیں تھا کہ ان کی امتوں نے ان کو کیا جواب دیا؟ حالانکہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے، مثلاً یہ آیت ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ
جِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: ۴۱)
اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ
لائیں گے اور (اسے رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا
کر لائیں گے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یقیناً اپنی امتوں کے احوال اور ان کے دیئے ہوئے جوابات کا علم ہے اور
جب ہی وہ ان کے متعلق گواہی دیں گے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے جو یہ عرض کریں گے ”ہمیں اصلاً علم نہیں ہے“ اس کا معنی یہ ہے
کہ اللہ عزوجل کے غیر متناہی علم کے مقابلہ میں ان کو اصلاً علم نہیں ہے۔ مفسرین کرام نے اس سوال کے متعدد جوابات ذکر کیے
ہیں، ہم ان میں سے بعض کو نقل کر رہے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۰۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی امتوں کے دیئے ہوئے جوابات کے باطن کا
علم نہیں، یعنی ان کے دلوں کے حل کا علم نہیں اور جزاء کا ترتیب اسی پر ہوتا تھا اور یہ نبی ﷺ سے مراد ہے۔ دوسرا قول یہ ہے
کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں کسی چیز کا علم نہیں ہے مگر اس کے جس کا تو نے ہمیں علم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے
فرمایا اس کا معنی ہے ہمیں اس کے سوا اور کسی بات کا علم نہیں ہے کہ تو ہم سے زیادہ جانتے والا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ
قیامت کی ہولناکیوں اور خوف اور دہشت سے ان کو اپنے علم سے ذہول ہو جائے گا اور وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔
نحاس نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ رسل صلوٰۃ اللہ علیہم پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ ٹھگین
ہوں گے۔

میں کہتا ہوں کہ قیامت کے دن اکثر اوقات میں انبیاء علیہم السلام کو کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا، لیکن بعض اوقات میں
ان پر خوف طاری ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ جب جہنم کو لایا جائے گا تو وہ زور سے چیخ مارے گی، اس وقت ہر نبی اور ہر صدیق
گھمنوں کے بل کر جائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے قیامت کے دن کا اتنا خوف دلایا کہ میں رونے لگا۔
میں نے کہا اے جبرائیل! کیا میرے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) ذنب کی مغفرت نہیں کر دی گئی؟ تو انہوں نے مجھ سے کہا اے محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قیامت کی ایسی ہولناکیوں کو ضرور دیکھیں گے جو آپ کو آپ کی مغفرت بھلا دیں گی۔ نحاس نے کہا اس
کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تم کو ظاہر اور باطن میں اور جلوت اور خلوت میں کیا جواب دیا گیا؟

وہ کہیں گے ہمیں اصلاً علم نہیں ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور ابن
جبرج نے کہا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا عمل کیے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں
ہے، حتیٰ تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔ ابو عبید نے کہا اس کے مشابہ یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے پاس
حوض پر آئیں گے، میں کہوں گا کہ (کیا یہ) میری امت ہیں؟ تو کہا جائے گا بے شک آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ
کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں؟

علامہ بلور دی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے ہی ان کے حل اور ان کے جواب کو جاننے والا ہے، پھر ان سے کیوں سوال فرمائے
گا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تاکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بتائے کہ ان کے وصل کے بعد ان کی امتوں نے ان پر کیا کیا
افتراء بائدھے اور کیا کیا کفر کیے؟ اور دوسرا جواب یہ ہے تاکہ ان کی امتوں کے کافروں کو تمام مخلوق کے سامنے ذلیل اور رسوا کرے
اور یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۱۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام محمد بن محمد مرزا زئی متوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح جواب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مکرر ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اللہ سے عرض کیا ہمیں کچھ علم نہیں کیونکہ جو عمل انہوں نے ظاہر کیے جو پوشیدہ کیے ان کو صرف تو ہی جانتا ہے ہم تو صرف ان اہل کو جانتے ہیں جو انہوں نے ظاہر کیے۔ اس لیے انہوں نے اللہ کے سامنے اپنے علم کی نفی کی مگر اللہ کے علم کے سامنے علم کا علم عدم علم کے حکم میں ہے۔ دو سرا جواب یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنی زندگی میں ان کے اہل کا علم تھا اور ہماری وقت کے بعد ان کے اہل کا ہمیں علم نہیں اور جزاء اور ثواب کا مدار خاتمہ پر ہے ہمیں علم نہیں کہ ان کا خاتمہ کن اہل پر ہوا۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا ہمیں کچھ علم نہیں اور بعد میں جو فرمایا: بے شک تو ہی فیوں کا جاننے والا ہے وہ ان دونوں جوابوں کی محنت پر دلالت کرتا ہے۔ اس تفسیر کو لکھتے وقت جو جواب میرے دل میں آیا وہ یہ ہے کہ علم اور چیز ہے (اور وہ یقیناً ہے) اور علم اور چیز ہے اور ہر شخص کو دوسرے کے متعلق علم ہوتا ہے علم نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا ہم ظاہر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات لاتے ہو ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص زیادہ طلاقت لسانی (چوب زبانی) کے ساتھ اپنے موقف کو پیش کرے۔ پس اگر (بمقروض) میں ناحق فیصلہ کروں تو گویا میں اس کو آگ کا ایک حصہ دے رہا ہوں سو انبیاء علیہم السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ان کے احوال کا علم (یعنی یقین) نہیں ہمیں ان کے احوال کا صرف علم حاصل ہے اور علم صرف دنیا میں معتبر ہوتا ہے کیونکہ دنیا کے احکام صرف علم پر مبنی ہیں اور آخرت میں علم کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ آخرت کے احکام حقائق اشیاء اور باطن امور پر مبنی ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا ہمیں علم نہیں ہے سو اس علم کے جو تو نے ہمیں عطا فرمایا اور آخرت میں اپنے علم کا ذکر نہیں کیا کیونکہ آخرت میں علم کا اعتبار نہیں ہوتا اور آخری جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم حکیم اور علول ہے اس کا کوئی کام حکمت اور عدل کے خلاف نہیں ہے۔ تو انہوں نے جان لیا کہ ان کے کلام سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا نہ کوئی نقصان دور ہو گا اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے سکوت کیا جائے اور معاملہ اس حکیم اور علول پر چھوڑ دیا جائے جو موقوم اور لکھوت ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۳۵ھ نے بھی اس آخری جواب کو اختیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

انبیاء کا یہ جواب ان کے کمال ادب کی شان ظاہر کرتا ہے کہ وہ علم الہی کے حضور اپنے علم کو اصلاً نظر میں نہ لائیں گے اور قائل ذکر قرار نہ دیں گے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم و عدل پر تفویض فرمادیں گے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۳۹ھ نے بھی اس جواب کو نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

لیکن ابن عباس کے نزدیک "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ خداوند اقدس سے علم کمال و محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں گویا یہ الفاظ توبہ مع اللہ کے طور پر کہے۔

(حاشیہ القرآن بر ترجمہ قرآن از شیخ محمود الحسن)

بعض علماء دیوبند اس آیت کو انبیاء علیہم السلام سے علم غیب کی نفی میں پیش کرتے ہیں انہیں شیخ عثمانی کی اس تفسیر میں غور کرنا چاہیے۔ بقی ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کو اتنا ہی علم غیب حاصل ہے جتنا ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور ہم انبیاء علیہم السلام کے لیے غیب مطلق کے قائل نہیں ہیں اور ہمارے نزدیک ان کو عالم الغیب کتنا صحیح نہیں ہے امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر اسماء کے اطلاق کا ضابطہ

امام رازی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کلام کا اطلاق کرنا جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر خلاق کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر کلام کا اطلاق کرنا جائز نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تا تمیہ کے لیے بھی آتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جس لفظ میں کسی نقص کا وہم ہو اس لفظ کا اللہ پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے، ہمارے عام بول چال میں اللہ میں اور اللہ سائیں کہا جاتا ہے۔ میں کا لفظ بیوی کے مقتل کے لیے بولا جاتا ہے، کسی پوڑھے آدمی اور گلوں کے مولوی کو بھی میںاں جی کہتے ہیں، طوائف کے سرپرست کو بھی میںاں جی کہتے ہیں، اور سائیں فقیر کو بھی کہا جاتا ہے۔ سو یہ دونوں لفظ نقص کے معنی کو مستحق ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کرنا جائز ہے، جس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں ہو۔ البتہ اس کی ذات کو کسی بھی لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جیسے فارسی میں خدا اور ترکی میں خدای۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا
الْزُتُورَ ۖ يُلْحِقُونَ فِيكَ اسْمَكَ سَبْحَرُونَ ۖ مَا
تَكُنُوا يَعْمَلُونَ (الاعراف ۱۸۰)

اور اللہ ہی کے لیے اچھے نام ہیں، سو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام میں کج روی اختیار کرتے ہیں، ان کو غریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کیا جائے، جن میں حسن ہو اور جن اسماء میں کسی وجہ سے نقص یا عیب ہو، ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہ کیا جائے، بلکہ اس سلسلہ میں قرآن اور حدیث کے اطلاقات سے تہلو زہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اللہ فرمائے گا اے یحییٰ ابن مریم! اپنے لوہ اور اپنی ماں کے اوپر میرے احسان کو یاد کرو، جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی، تم گوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی اور جب میں نے تم کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل کا عظم دیا اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور تم میرے حکم سے ہلور زبوا تہ حوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے، اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے اور میں نے (ہی) تم کو نبی اسرائیل سے پہلایا جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے، تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جلو کے سوا اور کچھ نہیں ہے (المائدہ ۱۱۰)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ایک یہ صفت بیان کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دن تمام نبیوں سے سوال کرے گا کہ تم کو کیا جو لب دیا گیا تھا؟ اس آیت میں اس دن کی دوسری صفت بیان فرمائی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بالخصوص حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کلام فرمائے گا اور ان کو اپنی نعمتیں یاد دلانے گا، اور اس سے مقصود جیسا نبیوں کی خدمت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان پر اتنے احسانات فرمائے اور ان کی فرمائشیں پوری کیں، پھر انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، اور اس کا شریک بنالیا۔ دوسری اصحتوں کے کافروں نے تو صرف اپنے نبیوں کا کفر کیا تھا، اور ان کی شان میں مانجا باتیں کی تھیں، یہ کفر میں ان سے بڑھ گئے، انہوں نے اللہ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کی۔ "تعالی اللہ عن ذالک" اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت یحییٰ اور ان کی والدہ پر اپنی نعمتیں یاد دلانیں تاکہ دنیا کے سامنے ان آیات کی

خلوت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عزت اور کرامت عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام تمام آسمانی مذاہب کے رہنماؤں کی تعلیم اور حکیم کرتا ہے اور تمام نبیوں کی شان اور ان کے بلند درجات بیان کرتا ہے اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے سبق اور عبرت ہے جو پیغمبر اسلام سیدنا محمد ﷺ کی تنقیص اور توہین میں دن رات کوشش رہتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی نعمتیں گھونکتے ہوئے فرمایا: جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی۔
روح القدس کا معنی

روح القدس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس میں روح کی اضافت قدس کی طرف ہے قدس سے مراد اللہ عز و جل کی ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح اور اوح کی بابت مختلف ہوتی ہے بعض ظاہرہ اورانیہ ہوتی ہیں بعض خبیثہ ظلماتیہ ہوتی ہیں۔ حضرت جبرائیل وہ روح ہیں جو ظاہرہ اور نورانی ہے اور حضرت عیسیٰ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ان کی مدد ظاہرہ اور نورانی روح سے کی گئی ہے۔

حیات مسیح اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل

تم گوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی یعنی بچپن میں اور پختہ عمر میں ہر دور میں ان کا کلام عقل اور حکمت کے مطابق تھا اور انبیاء اور حکماء کے کلام کے موافق تھا کیونکہ منگھوڑے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے اور میں جہاں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا ہے اور میں جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ (مریم: ۳۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے گوارے میں وحی فرمائی اب یہاں ایک یہ سوال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوارہ میں کلام کرنا تو مجرہ ہے پختہ عمر میں ان کا کلام کرنا کس طرح مجرہ ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کھولت تیس سال کے بعد کی عمر کو کہتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال سے پہلے آسمانوں کی طرف اٹھالیے گئے اور کئی ہزار سال بعد زمین پر ان کا نزول ہو گا اور اس وقت وہ پختہ عمر کے ہوں گے اور یہ بھی ان کا مجرہ ہے کہ کئی ہزار سال گزرنے کے بعد بھی وہ صرف کھول ہوں گے حتیٰ کہ بوڑھے بھی نہیں ہوں گے اور پختہ عمر کی حالت میں کلام کریں گے۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر نزول کی بھی دلیل ہے کیونکہ وہ پختہ عمر اور کھولت کے زمانہ کو پانے سے پہلے آسمانوں پر اٹھالیے گئے تھے اور قرآن مجید کے مطابق ان کا کھولت کی عمر میں کلام کرنا بھی ضروری ہے اس سے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بھی ہیں اور ان کا زمین پر نزول بھی ہو گا ورنہ اس آیت کا صدق کیسے ہو گا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے کھولت کا زمانہ پایا تھا اور وہ کھولت کے زمانہ میں باتیں کرتے تھے تو یہ مجرہ کیسے ہوا؟ کھولت کے زمانہ میں تو سب باتیں کرتے ہیں یہ مجرہ اسی وقت ہو گا جب انہیں کھولت کے زمانہ سے پہلے اٹھالیا گیا ہو اور وہ کئی ہزار برس بعد زمین پر نازل ہوں اور کھولت کا زمانہ پا کر لوگوں سے باتیں کریں سو اس طرح اس آیت میں ان کے مجرہ کا ذکر بھی ہو گا اور یہ آیت ان کی حیات اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل بھی ہوگی۔

کتاب حکمت اور تورات اور انجیل کا معنی

اور جب میں نے تم کو کتاب حکمت تورات اور انجیل کا علم دیا کتاب سے مراد یاتوا اس کا مصدری معنی ہے یعنی لکھنا اور یا کتاب بمعنی مکتوب ہے اور اس سے مراد جس کتاب ہے کیونکہ انسان پہلے آسمان کتابیں پڑھتا ہے اور پھر مشکل اور ادق کتابیں پڑھتا ہے اور حکمت سے مراد علوم نظریہ اور علوم عملیہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نازل شدہ کتابوں کا علم اور

ان کے اسرار کی فہم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد نفس کا کمال علمی اور علم کے تقاضوں پر عمل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد صحیح قول ہے 'تورات سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی' اس میں شرائع اور احکام ہیں اور انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی 'اس میں سوائے اخلاق ہیں' پہلے کتاب کا ذکر فرمایا پھر تورات اور انجیل کا ذکر فرمایا حالانکہ وہ بھی کتابیں ہیں 'یہ شرف اور فضیلت کی وجہ سے عام کے بعد خاص کا ذکر ہے' جیسا کہ اس آیت میں ملائکہ کے بعد جبرائیل اور میکائیل کا ذکر کیا گیا ہے 'حالانکہ وہ بھی ملائکہ میں سے ہیں:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَ
جِبْرِئِيلَ وَمِيكَائِيلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ
جو شخص اللہ اور فرشتوں اور رسولوں اور جبرائیل اور
میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

(السفرہ: ۹۸)

تورات اور انجیل کے معنی کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے آل عمران: ۳ میں کر دی ہے۔ وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا، بیماروں کو شفا دینا اور دیگر معجزات

جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی 'اور تم میرے حکم سے ماریں زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگوں نے بطور عطا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا 'اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہمارے لیے چنگوڑ بنائیں اور اس میں روح ڈال دیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی اٹھائی اور اس سے چنگوڑ کی صورت بنائی۔ پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی 'چنگوڑ کو بنانا اور اس میں پھونک مارنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کسب تھا' اور اس کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے چنگوڑ بنانے کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ یہ گوشت اور خون سے بنا ہوا عجیب ترین جانور ہے اور یہ پروں کے ساتھ اڑتا ہے اور حیوان کی طرح بچے دیتا ہے 'اور باقی پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا' اس کے تھن ہیں جن سے دودھ نکلتا ہے 'انسان کی طرح ہنستا ہے اور اس کو عورت کی طرح حیض آتا ہے' یہ دن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے نہ رات کے اندھیرے میں 'یہ رات کے ابتدائی حصہ تک دکھائی دیتا ہے۔ ۱ -

(حاشیہ: شیخ زادہ علی ایضادی 'ج ۲' ص ۱۳۶ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اعلیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیر پیدا ہو اور بعد میں اندھا ہو جائے اور اس کے اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھا پیدا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماریں زاد اندھوں کو اللہ کے حکم سے چمکاتے تھے 'برص ایک جلدی بیماری ہے جس کی وجہ سے جلد سفید ہو جاتی ہے اور ایک تکلیف دہ غارش ہوتی ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے برص کے مریضوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے۔ یعنی تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے تھے۔ جب تم اللہ سے دعا کر کے مردے سے یہ کہتے تھے 'اللہ کے اذن سے اپنی قبر سے باہر آ' ان تینوں افعال میں اللہ کے اذن کا ذکر کیا ہے 'تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان افعال کا فاعل حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

اور میں نے (عی) تم کو بنو اسرائیل سے پہلایا 'جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جالو کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یعنی جب تم بنو اسرائیل کے پاس اپنی نبوت اور رسالت پر دلائل اور معجزات لے کر گئے 'تو انہوں نے تمہاری تکذیب کی اور تم پر تمسک لگائی کہ تم جالو گر ہو 'تو انہوں نے تمہیں قتل کرنے اور سولہ دینے کا ارادہ کیا اور میں نے تم کو اپنی طرف اور اٹھالیا اور تم کو ان کے شر سے پہلایا۔ انیسوا: ۵۸ میں ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان

پر اٹھائے جانے کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے، وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب میں نے حواریوں پر الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ!) تو گواہ ہو جا کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ (المائدہ: ۱۱۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حکمتیں

حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انصار اور ان کے غلط اصحاب تھے، حور کا معنی ہے کسی چیز کو صاف کرنا اور ان لوگوں نے اپنے نفوس کا تذکرہ کر کے پاک اور صاف کر لیا تھا، اس آیت میں مذکور ہے میں نے حواریوں کی طرف وحی کی، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ جس کلام کو اپنے نبی کی طرف نازل فرماتا ہے، خواہ فرشتے کے واسطے سے ہو یا بلا واسطہ اس کو وحی کہتے ہیں، اس لیے اس آیت کا معنی ہے ہم نے حواریوں کی طرف الہام کیا۔ قرآن مجید کی اور بھی کئی آیتوں میں وحی بمعنی الہام ہے:

وَآوَحَّيْنَا إِلَىٰ آلِ مُوسَىٰ أَنِ ارْمُوا سَبَاطَہُمْ ۚ

(القصص: ۷) دودھ پلاؤ۔

وَآوَحَّيْنَا إِلَىٰ النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا تَعْرِشُونَ
(النحل: ۶۸) اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا، اور درختوں میں اور ان چیمبروں میں جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں، سو وہ ایمان لے آئے، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر کی ہوئی نعمتوں کو شمار کر رہا ہے، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حواریوں کا حضرت عیسیٰ پر ایمان لانا حضرت عیسیٰ کے حق میں نعمت کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی انسان کا اس درجہ میں ہونا کہ لوگ اس کے قول کو قبول کریں، اس کو محبوب بنائیں اور اس کی اطاعت کریں، اس کے ماننے پر ان کی نجات موقوف ہو، یہ اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان آیات کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا؟ پھر جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان سب کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے نہ کہ ان کی والدہ سے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹے کو جو شرف اور مقام ملا ہے، نہ اس کی ماں کے لیے عزت اور سرخ روئی کا باعث ہوتا ہے، سو یہ نعمتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ہیں اور نعمتوں اور بلاؤں کے واسطے ان کی ماں پر بھی ہیں۔

جس زمانہ میں جس قسم کے کمال کا چرچا اور شہرت ہوتی ہے، نبی کو اس زمانہ میں اسی نوع کا ایسا کمال دے کر بھیجا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کمال کے ماہرین اس کی نظیر لانے سے قاصر اور عاجز ہوتے ہیں اور یہی ان کا مجرہ ہوتا ہے جو ان کی نبوت کی دلیل قرار پاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری اور شعبدہ بازی کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور یہ بیضا دے کر بھیجا جو ان کی جادوگری پر غالب آگیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا چرچا تھا تو آپ کو حکمت کا ایسا کمال دے کر بھیجا کہ اس زمانہ کے اطباء اور حکماء اس کی نظیر لانے سے عاجز ہو گئے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، تو آپ کو قرآن مجید دے کر بھیجا جس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال اس زمانہ میں کوئی لاسکا، نہ آج تک کوئی لاسکا ہے۔ علم اور ادب میں دن بہ دن ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین بھی بہت ہیں، اگر اس کی کسی ایک سورت کی بھی مثال کا لانا ممکن ہو تا تو مخالفین اب تک لالچے ہوتے۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَحْيَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا: اے یحییٰ ابن مریم: کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل

أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ

کر سکتا ہے: (یحییٰ نے) کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان داسے

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَ

ہر ○ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور

نَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾

ہیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ○

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً

یحییٰ ابن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل

مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۚ

فرما تاکہ (دو دن) ہمارے اگلوں اور پھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشان (ہو جائے)

وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنْزِلُهَا

اور میں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے ○ اللہ نے فرمایا: بیشک میں اس خوان کو تم پر

عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ ذَلِكَ فَأِنَّيْ أَعْدَابُهُ عَذَابًا إِلَّا أَعْدَابُ

نازل فرمائے والا ہوں، پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام

أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱۵﴾

جہاں والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب حواریوں نے کہا اے یحییٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل کر سکتا

ہے؟ (یحییٰ نے) کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ○ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور

ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے

ہو جائیں (المائدہ: ۱۱۳-۱۱۴)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آٹھ نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اس آیت اور اس کے بعد والی آیتوں میں نویں نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حواریوں کی فرمائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آسمان سے خزان نعمت کا نازل ہونا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا ہے اور ان کے دعا کرنے میں ان کے بندہ ہونے کا اثبات ہے اور ان کی الوہیت کی نفی ہے اور اس وجہ سے لوگوں کا ان کی نبوت کی تصدیق کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ اور رسول حضرت عیسیٰ پر امت پیدا احسن ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تم اللہ کے لیے تیس روزے رکھو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا کیونکہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے وہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ جو اسرائیل نے تیس روزے رکھے پھر حضرت عیسیٰ سے کہا اے خیر کی تعلیم دینے والے! آپ نے کہا تھا کہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے اس کا اجر اس کے ذمہ ہوتا ہے اور آپ نے ہمیں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا سو ہم نے رکھ لیے اور ہم جس کے لیے بھی تیس دن کام کرتے ہو ہمیں سیر کر کے کھانا کھلاتا تب انہوں نے کہا کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خزان (نعمت) نازل کر سکتا ہے؟

(جامع البیان ج ۷، ص ۱۷۵-۱۷۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

نزول مائدہ کے فرمائش معجزہ کی توجیہات

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے حواریوں کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ! تو گواہ ہو جا کہ ہم مسلمان ہیں اور اب ان کا یہ قول نقل فرمایا کیا آپ کا رب آسمان سے خزان نازل کر سکتا ہے؟ اور یہ قول اللہ کی قدرت پر شک کو واجب کرتا ہے۔ پھر وہ مسلمان کیسے ہوئے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان کا حکم نہیں لگایا تھا بلکہ یہ صرف ان کا دعویٰ تھا کہ وہ مومن ہیں اور حضرت عیسیٰ کا یہ فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو اگر ایمان والے ہو اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ایمان کامل نہیں تھا۔

(۲) وہ اپنے دعویٰ کے مطابق مومن تھے اور ان کا یہ کہنا کہ کیا اللہ ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ کی قدرت پر شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ محض طمانیت قلب کے حصول کے لیے تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول طمانیت کے لیے فرمایا تھا اے میرے رب! تو مجھے دکھا تو کس طرح مومن کو زندہ کرے گا۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھ رہے تھے کہ ایسا سوال کرنا آیا حکمت کے منافی تو نہیں ہے۔

(۴) مستطیع میں سین زائد ہے اور اس آیت کا معنی ہے کیا آپ کا رب آپ کی دعا قبول فرمائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ سے ڈرو اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ سے فرمائش معجزہ نہ طلب کرو کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ دو سرائعتی یہ ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور اپنے مطالبات پر مہر کرو کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق: ۳-۲)

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان (بھی) نہ ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

حواریوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اس آیت میں حواریوں نے جو اپنا عذر پیش کیا ہے اس کی حسب ذیل تقریریں ہیں:

(۱) ہم اس خوان کو کسی معجزہ کے طور پر طلب نہیں کر رہے بلکہ ہم پر بھوک غالب ہے اور ہمیں کہیں اور سے کھانا نہیں ملا اس لیے آپ سے دعا کی درخواست کی ہے۔

(۲) ہر چند کہ ہمیں دلائل سے اللہ کی قدرت پر یقین ہے لیکن جب ہم نزولِ مائدہ کا مشاہدہ کریں گے تو ہمارا یقین اور بخت ہو جائے گا۔

(۳) ہر چند کہ ہم نے آپ کے تمام معجزات کی تصدیق کی ہے لیکن اس معجزہ کو دیکھ کر ہمارا عرفان اور یقین اور بخت ہو جائے گا۔

(۴) اس سے پہلے جو آپ کے معجزات تھے ان سب کا تعلق زمین سے تھا اور اس معجزہ کا تعلق آسمان سے ہو گا اس کو دیکھ کر ہمارے ایمان میں مزید تقویت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل فرما تاکہ وہ (دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی (ہو جائے) اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۳)

عام آدمی کی نظر اور نبی کی نظر

حواریوں نے جب خوان کی درخواست کی تھی تو کہا تھا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے سچ کہا تھا انہوں نے اس خوان سے دنیاوی غرض یعنی کھانے کو پہلے ذکر کیا اور اخروی غرض یعنی ایمان کی پختگی کو بعد میں ذکر کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دعا کی تو اخروی غرض کو پہلے ذکر کیا اور وہ ہے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو نا اور اللہ کی طرف سے نشانی ہو نا اور دنیاوی غرض کا بعد میں ذکر کیا اور وہ ہے ہمیں رزق عطا فرما اور اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی کہ تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے یہ فرق ہے نبی کی نظر میں اور عام آدمی کی نظر میں!

عید کے دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کی جاتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اللہ کی عبادت کی طرف تھی پھر فرمایا کہ وہ تیری طرف سے نشانی ہو جائے یعنی لوگ نزولِ مائدہ میں غور و فکر کر کے اس کے نازل کرنے والے کی طرف رسائی حاصل کریں اور نظر اور استدلال سے خدا کو پہچانیں یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر ایک بلند مقام سے اس سے بھی بلند تر مقام پر پہنچی۔ پھر جب فرمایا ہمیں رزق عطا فرما تو نفس کے حصہ کی طرف نظر کی اور خالق سے مخلوق کی طرف نزول کیا اور جب کہا تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے تو نزول کے بعد پھر خالق کی طرف رجوع کیا اور یوں اس آیت میں حضرت عیسیٰ نے دو مرتبہ خلق سے خالق اور غیر اللہ سے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس دعا کے اول میں بھی ان کی نظر اللہ کی

طرف تھی اور آخر میں بھی ان کی نظر اللہ کی طرف تھی، نور اللہ کا یہی صلہ ہوتا ہے وہ ہر صلہ میں اللہ کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں بھی اس بلند مقام سے عطا فرما (آمین)

اول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی

تاکہ وہ دن ہمارے اول اور آخر کے لیے عید ہو جائے۔ ابن جریر نے کہا اول سے مراد اس وقت کے زندہ لوگ ہیں اور آخر سے مراد بعد میں آنے والے لوگ ہیں۔

سفیان نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن ہم دو مرتبہ نماز پڑھیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے خون رکھا جائے تو اول سے لے کر آخر تک سب لوگ کھالیں۔

سوی نے کہا جس دن نامہ نازل ہو اس دن کی تقسیم کرتے ہوئے ہم بھی اس دن عید منائیں اور ہمارے بعد آنے والے لوگ بھی۔

امام ابن جریر نے کہا صحیح قول یہ ہے کہ اس دعا کا معنی یہ ہے کہ یہ دن ہمارے لیے عید ہو جائے اور جس دن یہ خون نازل ہو اس دن ہم نماز پڑھیں، جیسے لوگ عید کے دن نماز پڑھتے ہیں۔

(جامع البیان ۷: ۲۲۷، ص ۱۷۸-۱۷۷، مطبوعہ دار الکتب حیرت ۱۴۱۵ھ)

بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خوان

امام ابو یوسف، محمد بن یحییٰ ترمذی حنفی ۷۹۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے جو خون نازل کیا گیا تھا اس میں روٹیاں اور گوشت تھا ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس میں نہ خیانت کریں اور نہ اس کو کل کے لیے بچا کر رکھیں۔ انہوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لیے بچا کر بھی رکھا سو ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (سنن ترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۷۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری حنفی ۳۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

بنو محل کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں نماز پڑھی۔ انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بنو اسرائیل کے خون کا کیا معاملہ ہوا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ ابن مریم سے سوال کیا کہ ان کے اوپر کھانے کا ایسا خون نازل کیا جائے جس سے وہ کھانا کھاتے رہیں اور وہ بھی ختم نہ ہو، ان سے کہا گیا کہ وہ خون تمہارے پاس رہے گا بشرطیکہ تم اس میں سے کچھ چھپا کر نہ رکھو اور خیانت نہ کرو اور اس میں سے کوئی چیز نہ اٹھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا۔ پھر ایک دن بھی نہیں گزرے تھے کہ انہوں نے اس میں سے چھپایا اور اٹھالیا اور خیانت کی، سو ان کو ایسا عذاب دیا گیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا تھا اور اے عرب والو! تم لوگ لوٹو اور بکریوں کو چراتے تھے، پھر اللہ نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جس کے حسب اور نسب کو تم جانتے اور پہچانتے تھے، اور تمہارے نبی کی زبان سے تم کو یہ اطلاق دی کہ عنقریب تم پورے عرب پر غلبہ پاؤ گے، اور تم کو سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے منع کیا اور بخدا تم اب دن رات سونا اور چاندی جمع کر رہے ہو اور دردناک عذاب کے مستحق ہو رہے ہو۔

حضرت عمار بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر نامہ نازل کیا گیا اس میں جنت کے پھول تھے، ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس

میں سے نہ چھپائیں نہ خیانت کریں نہ ذخیرہ کریں۔ ان لوگوں نے خیانت کی چھپایا اور ذخیرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندہ اور بخندہ بنا دیا۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۹۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

میلاد رسول ﷺ

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی ہم اس (خوان طہاس) کے نزول کے دن کو عید بتائیں اس کی تعظیم کریں خوشیوں منائیں تہری عبادت کریں شکر بجا لائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بتانا اور خوشیوں منانا عبادتیں کرنا شکر الہی بجالانا طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الہی بجالانا اور اعظماء فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ (ترغیب العارفین ص ۲۰۳ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

علامہ شریف سید احمد بن عبد الغنی بن عمر عابدین دمشقی متوفی ۳۲۰ھ (سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۵۲ھ کے عم زاد) نے علامہ ابن جریر جیسٹی کی متوفی ۴۳۷ھ کی کتاب النعمۃ الکبریٰ کی شرح لکھی ہے۔ علامہ ابن جریر کی شافعی نے النعمۃ الکبریٰ نبی ﷺ کے میلاد کے ثبوت اور بیان میں لکھی ہے۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں لیکن سب سے مبسوط شرح علامہ احمد عابدین دمشقی کی ہے۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نہائی متوفی ۵۰۵ھ نے اس شرح کو جو اہر البہار میں مکمل نقل کیا ہے۔ ہم اس شرح کے چند اقتباسات جو میلاد النبی ﷺ کے ثبوت سے متعلق ہیں یہاں پر نقل کر رہے ہیں۔

محفل میلاد کا بدعت حسنہ ہونا

جس جگہ میں نبی ﷺ کی ولادت ہوئی اس میں میلاد شریف کو منانا بدعت مستحبہ میں سے ہے اس کو ایجاہد کرنے والا اربل کا پوشاہ مظفر تھا۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ وہ ربیع الاول میں میلاد شریف منعقد کرتا تھا اور بہت عظیم الشان محفل کا اہتمام کرتا تھا اس کی بادشاہی کلنی عرصہ قائم رہی اور وہ ۷۳۶ھ میں فوت ہوا۔ وہ بہت بے باور نیک علول اور ذہین بادشاہ تھا وہ اس محفل میں بہت علماء اور صوفیاء کو مدعو کرتا تھا اور اس عظیم الشان دعوت میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ علامہ نووی کے استاذ شیخ ابو شامہ نے میلاد شریف کی رات بکثرت صدقہ و خیرات کرنے پر ملک مظفر کی بہت تعریف کی ہے اور علامہ ابو شامہ کی یہ تعریف شب ولادت میں میلاد شریف منانے کے بدعت حسنہ ہونے پر بہت قوی دلیل ہے۔

علامہ ابو شامہ کی عبارت یہ ہے:

ہمارے زمانہ میں نبی ﷺ کی ولادت کے دن جو میلاد شریف منایا جاتا ہے اور صدقات اور خیرات کیے جاتے ہیں اور خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے یہ سب سے اچھی اور نیک بدعت ہے نیز اس عمل کے ذریعہ نبی ﷺ سے محبت کی وجہ سے غلاموں اور غفلوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہے جس شخص نے اس بدعت کو ایجاہد کیا اللہ تعالیٰ اس کو نیک جزا دے۔ نیز اس عمل کی وجہ سے کفار اور منافقین کے دل غیظ سے جلتے ہیں۔

(البیاض علی اسکار الیدع والحوادث مطبوعہ دار الایض الریاض بعد اولیٰ ص ۳۱۰ھ)

علامہ ذر قلی مالکی نے لکھا ہے کہ حافظ ابو الخیر شمس الدین بن الجزری نے کہا وہ ابولہب جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا اس نے نبی ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی باندی ثویہ کو انگلی کے اشارہ سے آواز کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اس فعل کی یہ جزا دی کہ ہر پیر کو جب وہ اس انگلی کا سراپو سنا ہے تو اس کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے تو نبی ﷺ کا امتی مسلمین اور موحّد

ضمیمہ انقروان

جلد سوم

جب ایمان کے رشتہ سے آپ کی ولادت پر خوشی منائے گا اور اپنی استطاعت کے مطابق مل خراج کر کے صدقہ اور خیرات کرے گا تو اس کی جزاء کیا ہوگی اور مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل عظیم سے جنت النعیم میں داخل کر دے گا۔ امام محقق ابو زرہ عراقی سے سوال کیا گیا کہ میلاد شریف منانا آیا مستحب ہے یا مکروہ ہے؟ اور کیا اس میں کوئی چیز وارد ہوئی ہے اور کیا یہ فعل صحابہ کرام سے منقول ہے تو علامہ عراقی نے جواب دیا کہ دعوت کرنا اور کھانا کھانا ہر وقت میں مستحب ہے اور جب اس کے ساتھ نبی ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی اور مسرت شامل ہو تو یہ فعل کیونکر مستحب نہیں ہو گا اور ہم سلف صالحین کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتے اور کسی چیز کے بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بدعت مکروہ ہو کیونکہ کتنی بدعات مستحب ہیں بلکہ واجب ہیں۔

علامہ ابراہیم حلبی حنفی نے کہا اگر محفل میلاد میں برائیوں کو شامل کر لیا جائے مثلاً عورتیں شریک ہوں اور بلند آواز سے گائیں یا مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماع ہوں (یا جلوس کے دوران نمازیں نہ پڑھی جائیں) تو اس قسم کے افعال بلاجماع حرام ہیں۔ (علامہ شامی نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ برائیوں کے شامل ہونے کی وجہ سے کسی نیک کو ترک نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس وجہ سے عبادات کو ترک نہیں کیا جاتا بلکہ انسان پر واجب ہے کہ وہ عبادات اور نیکیوں کو بجالائے اور بدعات کا انکار کرے اور حتی الامکان اس کا ازالہ کرے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۳) علامہ زرقلی نے کہا کہ خلاصہ یہ ہے کہ فی نفعہ میلاد شریف بدعت ہے اس میں محاسن بھی ہیں اور قبح بھی سو اگر محاسن کو اختیار کیا گیا اور قبح سے اجتناب کیا گیا تو یہ بدعت حسنہ ہے ورنہ نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مجھ پر میلاد شریف منانے کی اصل ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور حضرت موسیٰ کو نجات دی تھی تو ہم اس دن بطور شکر کے روزہ رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس معین دن میں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے اس دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور نبی ﷺ کی ولادت اور آپ کے ظہور سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی۔ سو جس دن آپ کی ولادت ہوئی اس دن مختلف عبادات کرنا مثلاً نوافل پڑھنا روزہ رکھنا صدقہ و خیرات کرنا اور تلاوت کرنا اور ان عبادات سے اللہ کا شکر بجالانا اس حدیث کے مطابق ہے اور حافظ ابن حجر سے پہلے علامہ ابن رجب حنبلی نے اس اصل کو تلاش کیا تھا۔ حافظ ابن حجر کی نے کہا ہمارے نبی ﷺ نے بھی انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں اس دن روزہ رکھا اور یہود سے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہمارا تم سے زیادہ حق ہے۔

علامہ احمد علیہ السلام نے کہا نبی ﷺ کی محفل میلاد میں شریک ہونا اور آپ کی ولادت مبارکہ کا واقعہ اور آپ کے فضائل اور محملہ کو بیان کرنا اور آپ پر بکثرت درود و سلام پڑھنا آپ کی محبت کا سبب ہے اور آپ کے قرب کا موجب ہے۔ سو ہر وہ شخص جو آپ کی محبت میں صادق ہو اس کو چاہیے کہ وہ آپ کی ولادت کے مہینہ کی آمد پر خوش ہو اور اس مہینہ میں اس محفل کو منعقد کرے اور اس میں آپ کی ولادت کے متعلق احادیث صحیحہ اور آثار قویہ بیان کرے اور امید ہے کہ ایسے شخص کو آپ کی شفاعت حاصل ہوگی کیونکہ شفاعت آپ کی محبت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ سو جو شخص محافل میلاد منعقد کر کے آپ کا بکثرت ذکر کرے گا اور آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ تو امید ہے کہ آپ کی محبت سے محفل میلاد میں آپ کا ذکر کرنے والے

اور آپ پر بکثرت صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے 'جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔ سو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں پر رحمت نازل فرمائے' جنہوں نے میلاد النبی ﷺ کے بار مبارک کی راتوں کو عیدیں منادیا۔

(جو اہر البحار، ج ۳، ص ۲۶۲-۲۵۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۷ھ)

عید میلاد النبی ﷺ کی مشروعیت پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں سیر حاصل بحث کی ہے اور اس سورت کی آیت ۳ میں بھی مابین کے بکثرت حوالہ جات سے میلاد شریف کی مشروعیت اور استحباب کو بیان کیا ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ ہمارے نزدیک محفل میلاد منعقد کرنا مستحسن اور مستحب ہے 'واجب یا فرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میں اس خوان کو تم پر نازل فرمانے والا ہوں 'پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام جنات والوں میں سے کسی کو بھی نہیں دوں گا۔ (المائدہ: ۵۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم پر اس مائدہ کو نازل کرنے اور تم کو اس کا طعام کھلانے کے بعد جس نے میرے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور میرے احکام کی اطاعت کرنے سے روگردانی کی تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دیا ہو گا۔ قلمرو نے بیان کیا ہے کہ ان کو خسرو بنادیا گیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا سب سے زیادہ عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہو گا: منافقین کو 'اصحاب مائدہ میں سے کافروں کو اور آل فرعون کو۔

(جامع البیان ج ۷، ص ۱۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

نزول مائدہ کی کیفیت کی تحقیق

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصہبانی المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: سلمان الخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ (طعام کے خوان) کا سوال کیا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ نے تم کو جو رزق حلال زمین سے دیا ہے اس پر قناعت کرو اور آسمان سے مائدہ کا سوال نہ کرو 'کیونکہ اگر وہ تم پر نازل کیا گیا تو وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانی ہوگی۔ تم سے پہلے قوم ثمود نے اپنے نبی سے نشانی کا سوال کیا تھا 'وہ اس نشانی میں جلا کیے گئے 'پھر اس نشانی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ جب ان کی قوم نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے نماز پڑھی اور بہت گریہ و زاری سے دعا کی 'اے اللہ! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما' تو اللہ تعالیٰ نے دو بلالوں کے درمیان ان پر سرخ دسترخوان نازل کیا 'جو اسرائیل اس کو نازل ہوتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور حضرت عیسیٰ خوف زدہ ہو کر بار بار دعا کر رہے تھے 'اے اللہ! اس خوان کو رحمت بنانا اور اس کو غضب نہ بنانا۔ حضرت عیسیٰ دعا کر رہے تھے کہ وہ دسترخوان حضرت عیسیٰ کے پاس آکر ٹھہر گیا 'حواریوں کو اس سے ایسی خوشبو آئی جیسی انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونچھی تھی 'حضرت عیسیٰ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے 'یہود اس خوان کو دیکھ کر غیظ و غضب سے جل گئے۔ حواری اس دسترخوان کے گرد بیٹھ گئے 'وہ خوان ایک رومل سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ عبادت گزار اور اللہ کا شکر گزار ہو گا وہ اس کو کھولے گا۔ حواریوں نے کہا یا روح اللہ! آپ ہی اس کو کھولنے کے لائق ہیں 'حضرت عیسیٰ نے دوبارہ وضو کیا 'نماز پڑھی اور اللہ سے رورو کر اپنے اور قوم کے لیے برکت کی دعا کی 'پھر اس کو کھولا 'تو اس میں بہت بڑی بھٹی ہوئی مچھلی تھی جس میں کانٹے نہیں تھے اور اس سے کھجی بہہ رہا تھا اور اس کے گرد ہر قسم کی سبزیاں تھیں اور نمک اور سرکہ تھا اور پانچ روٹیاں تھیں۔ ایک روٹی پر زیتون 'ایک پر کھجور اور باقیوں پر انار تھے۔ ثعمون نے کہا یا روح اللہ! یہ طعام دنیا کے طعام میں سے ہے یا آخرت کے طعام میں سے؟ آپ نے فرمایا یہ نہ دنیا کا طعام

ہے نہ آخرت کا اس کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے رب کا شکر ادا کرو وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا انہوں نے کہا یا روح اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھائیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا سبحان اللہ کیا تمہارے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے جو اور نشانی کا سوال کرتے ہو۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے اس مچھلی سے کہا اے مچھلی یا تو اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح زندہ ہو جاؤ وہ مچھلی اللہ کی قدرت سے زندہ ہو گئی۔ وہ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں اور وہ پھڑکنے لگی حواری خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا پہلے تم نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا اب نشانی دیکھ کر ڈرتے کیوں ہو؟ پھر آپ نے مچھلی سے فرمایا اے مچھلی اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح یعنی ہوئی ہو جاؤ پھر انہوں نے کہا اے روح اللہ! آپ کھانے کی ابتداء کریں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ اسی کھانے کی ابتداء کرے گا جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ حواری اور ان کے اصحاب ڈرتے تھے کہ اس کے کھانے سے کہیں وہ مثلہ نہ ہو جائیں یا ان پر کوئی آفت نہ آجائے۔ تب حضرت عیسیٰ نے فقراء اور یتیموں کو بلایا کہ تم اللہ کے رزق اور اپنے نبی کی دعا سے کھاؤ اللہ کے نام سے شروع کرو اور اللہ کے شکر پر ختم کرو تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ سو اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں اور عورتوں نے کھیا اور ان میں سے ہر شخص سیر ہو گیا حضرت عیسیٰ اور حواریوں نے دیکھا وہ طعام اسی طرح تھا اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ مائدہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور جس فقیر نے اس مائدہ سے کھایا تھا وہ غنی ہو گیا اور جس لپاچ نے کھلیا وہ سندرست ہو گیا اور وہ لوگ تمام حیات اسی طرح رہے۔ پھر حواری اور ان کے اصحاب اس میں سے نہ کھانے پر پشیمان ہوئے اور تمام مرگ ان کے دل میں اس سے کھانے کی حسرت رہی۔ چند دنوں بعد پھر مائدہ نازل ہوا۔ پھر ہر جگہ سے امیر اور غریب صحت مند اور بیمار چھوٹے اور بڑے بنو اسرائیل اس پر ٹوٹ پڑے۔ جب حضرت عیسیٰ نے یہ دیکھا تو آپ نے باری مقرر کر دی۔ ایک دن مائدہ نازل ہوا اور ایک دن نازل نہ ہوا چالیس دن تک یہی معمول رہا جب تک وہ کھاتے رہتے مائدہ ان کے سامنے رہتا اور جب وہ کھا چکے تو مائدہ آسمان کی طرف اٹھ جاتا وہ اس کو دیکھتے رہتے حتیٰ کہ وہ ان کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس مائدہ سے یتیموں، فقیروں اور لپاچوں کو کھلایا جائے اور امیر لوگوں کو نہ کھلایا جائے۔ تب امیروں نے اس میں شک کرنا شروع کر دیا اور اس کے متعلق بری باتیں پھیلا دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمیں مائدہ کے نزول کے متعلق مطمئن کریں کیونکہ بہت لوگ اس میں شک کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں حضرت عیسیٰ نے فرمایا بخدا اگر تم نے اس میں شک کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اسی شرط سے مائدہ نازل کیا تھا کہ جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہو گا۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے۔ شام کو جب شک کرنے والے بستر پر اپنی عورتوں کے ساتھ لیٹے تو ان کی اچھی صورتیں تھیں اور رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مسح کر کے خسرو بنادیا صبح کو وہ کوڑے اور گندگی کے ڈھیروں پر گندگی تلاش کر کے کھانے لگے۔ پھر بنی بنو اسرائیل خوف زدہ ہو کر حضرت عیسیٰ کی اطاعت کرنے لگے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام باہر نکلتے تو وہ خسرو دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آتے اور آپ کے پیروں پر گرتے اور زار و قطار روتے حضرت عیسیٰ ان میں سے ہر شخص کا نام لے لے کر پکارتے ان میں سے ہر ایک اپنا سر ہلاتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا۔ آپ فرماتے میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا تھا گویا میں پہلے سے یہ دیکھ رہا تھا وہ تم دن تک اسی طرح جلتے رہے اور ان کے گھروالے ان کو دیکھ کر روتے رہے لوگوں کے دل ان کا حل دیکھ کر پگھل گئے پھر جو تھے دن حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ ان پر موت طاری کر دے، سوچتے روز مرگئے اور زمین پر ان کا مردہ جسم نہیں دکھائی دیا، اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے مردہ اجسام کہاں گئے۔ البتہ ایسا عذاب تھا جس سے ان لوگوں کی جرأت مٹ گئی اور روئے زمین پر ان کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔

(کتاب اللہ ص ۳۶۷-۳۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث کو بعض مفسرین نے اختصار سے اور بعض نے تفصیل سے بعض نے اپنی سند سے اور بعض نے بغیر سند کے بیان کیا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(ازاد المسیر، ج ۲ ص ۳۵۹-۳۶۰، تفسیر کبیر، ج ۳ ص ۳۷۲، المباح لاحکام القرآن، ج ۲ ص ۲۸۴، تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۶۸۵-۶۸۶، البضاوی مع الکازرونی، ج ۲ ص ۳۸۱-۳۸۲، الدر المنثور، ج ۲ ص ۳۳۶-۳۳۷، تفسیر ابو السعود علی ہاشم، التفسیر الکبیر، ج ۲ ص ۵۵۹-۵۶۰، تفسیر المجل، ج ۱ ص ۵۳۵-۵۳۶، روح البغی، ج ۷ ص ۳۳-۳۴، قصص الانبیاء للعلینی، ص ۳۴۰-۳۴۱، تفسیر السمرقندی، ج ۱ ص ۳۶۸)

علامہ سیوطی نے اس حدیث کو حکیم ترمذی کی نوادر الاصول کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ میں نے اس کی چاروں جلدیں دیکھیں، ان میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام رازی، علامہ سمرقندی اور علامہ قرطبی نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، باقی سب نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ ان مفسرین نے بغیر کسی جرح کے اس روایت کو نقل کر دیا ہے۔ علامہ ابوالیمان اندلسی نے لکھا ہے کہ میں اس روایت کے ذکر سے اعراض کرتا ہوں، کیونکہ اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس پر قرآن مجید کی آیت دلالت کرتی ہو اور سب سے اچھی وہ روایت ہے جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا، اس میں گوشت اور روئیاں تھیں۔ بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس میں سے بچا کر نہ رکھیں اور خیانت نہ کریں، انہوں نے اس حکم کی معصیت کی تو یہ مائدہ اٹھالیا گیا اور ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (المحرر المبدع، ج ۳ ص ۴۱۵-۴۱۶)

امام ترمذی کی روایت کا مغلو یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے کفران نعمت کیا تو ان پر عذاب نازل ہوا اور سلمان الخیر کی مفصل روایت کا مغلو یہ ہے کہ انہوں نے اس مائدہ کے نزول کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شک کیا اور یہ کفر ہے تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ لیکن ترمذی کی حدیث صحیح میں سے ہے اور وہ حدیث مرفوع ہے اور اس حدیث کی سند میں دھبہ بن منبہ ہیں یہ اسرائیلی عالم تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سو یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے، اس لیے ہمارے نزدیک بھی اس کے مقابلہ میں امام ترمذی کی روایت ہی کو ترجیح ہے، ہم نے صرف تحقیق مقام کے لیے اس روایت کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے ماخذ کے ساتھ درج کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہ واضح رہے کہ عیسائیوں کی کتابوں میں نزول مائدہ کا ذکر نہیں ہے، نہ وہ اس دن کو عید مناتے ہیں، لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں مائدہ کو نازل فرماؤں گا اس لیے ہمارے نزدیک حجت قرآن اور حدیث ہے، عیسائیوں کا نقل نہ کرنا ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں:

اس (سلمان الخیر) کی حدیث میں بحث کی گنجائش ہے اور یہ سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو عبد الرحمن سلمی نے کہا مائدہ کا طعام روٹی اور مچھلی تھی۔ حضرت عمار بن یاسر اور قتادہ نے کہا مائدہ آسمان سے نازل ہوا تھا اور اس میں جنت کے پھل تھے، اور دھبہ بن منبہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو کی روئیاں اور مچھلیاں نازل کی تھیں اور یہ تین اقوال امام

ترمذی کی حدیث کے خلاف ہیں۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے مائدہ نازل ہوا اس میں روٹیاں اور گوشت تھا اور ترمذی کی حدیث ان اقوال سے اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۸۷-۲۸۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

دستر خوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم

سلمان الخیر کی حدیث میں مائدہ کا بیان ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ وہ سفر (چڑے کا دسترخوان) تھا وہ کوئی خوان (میز) نہیں تھی جس کے پائے ہوں اور نبی ﷺ اور عربوں کا مائدہ سفر (چڑے کا دسترخوان تھا) حکیم ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خوان کے اوپر کھانا کھلایا نہ پیالی میں اور نہ کبھی آپ کے لیے چپاتی پکائی گئی۔ قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا پھر وہ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا: سفر پر۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذی نے کہا خوان ایک نئی چیز ہے جس کو گھیسوں نے ایجاد کیا ہے، عرب سفر پر کھانا کھاتے تھے سفر چڑے کا دسترخوان ہے جس کو کھولا بھی جاتا ہے اور لپیٹا بھی جاتا ہے، کپڑے کے دسترخوان کو مائدہ کہتے ہیں اور خوان چوکی یا میز کو کہتے ہیں جس کے پائے ہوں اور سفر چڑے کا دسترخوان ہے۔ حسن نے کہا میز پر کھانا کھانا بدشاہوں کا فعل ہے اور کپڑے کے دسترخوان پر کھانا گھیسوں کا فعل ہے اور سفر پر کھانا عربوں کا طریقہ ہے اور یہی سنت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۸۸-۲۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اگر کوہ حرام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے مائدہ پر نہ کھائی جاتی۔ (صحیح مسلم، المصید، ۳۶، ۱۹۳، ۲۹۵۰، صحیح البخاری، رقم الحديث: ۲۵۷۵، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۷۴۳، سنن النسائی، رقم الحديث: ۳۳۱۸) اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کے دسترخوان اور چڑے کے دسترخوان دونوں پر کھانا سنت ہے، اور میز ایک نئی چیز ہے، نبی ﷺ نے اس پر کھانے سے منع نہیں فرمایا، اس لیے اس پر کھانا مباح ہے اور اگر میز پر کپڑے یا چڑے کا دسترخوان بچھالیا جائے اور اس پر کھانا کھایا جائے تو سنت پر بھی عمل ہوگا۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي

اور جب اللہ فرمائے گا، اے عیسیٰ ابن مریم: کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے

دُاعی الٰہین من دُونِ اللہِ ط قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ

سوا وہ خدا بنا لو؟ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقِّ ط اِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ط عَلِمَ

کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے، اگر میں نے (بالغرض) یہ کہا ہوتا تو تو اسے ضرور جانتا، تو ان باتوں کو

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ط اِنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ

جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہیں، بیشک تو ہی سب غیبوں کا

الْغُيُوبِ ۱۱۶ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ

جانتے والا ہے ۰ میں نے ان سے وہی کہا جسے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو

رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا

میرا رب اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے

تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

مجھے (آسان پر) اٹھایا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا ۰ اور تو ہر چیز پر گواہ

شَهِيدٌ ۱۱۷ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ

ہے ۰ اگر تو ان کو عذاب سے تو بیشک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تربت

أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۱۱۸ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ

غالب بڑی حکمت والا ہے ۰ اللہ فرمائیے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع

صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

پہنچائے گا، ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیش

أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۱۱۹

رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ۰

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ

آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز

شَيْءٍ عَاقِبٌ ۚ ۱۲۰

پر قادر ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دوسرا بتاؤ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے (بلفرض) یہ کہا ہو تا تو تو اسے ضرور جانتا تو ان باتوں کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا

جو تیرے علم میں ہیں، بے شک تو ہی سب فیوض کا جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۶)
 اس اشکال کا جواب کہ عیسائی تو حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے اور اللہ کی الوہیت
 کی نفی نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال فرمایا کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا وہ
 خدا بنا لو؟ اس سوال کی کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو خدا بنا لیا تھا
 اس آیت سے ان کو زبردستی منع کرنا ان کا رد کرنا اور ان کی مذمت کرنا مقصود ہے، کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے
 انکار کریں گے تو ان لوگوں کی واضح تکذیب ہوگی۔ نیز اس سوال و جواب سے یہ بتاتا تھا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے دین کو بدل دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے وہ خود
 قائل نہ تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نصاریٰ نے حضرت مریم کو خدا نہیں کہا، اور نہ یہ ان کا عقیدہ ہے تو پھر یہ آیت کس طرح
 صلیق ہوگی؟ کیا تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ انہوں نے صراحتاً حضرت مریم کو
 خدا نہیں کہا، لیکن ان کے اقوال سے یہ بات لازم آتی ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے کسی انسان کو جنم نہیں دیا،
 انہوں نے خدا کو جنم دیا ہے اور بیٹا ماں کا جزا اور ماں کی جنس سے ہوتا ہے تو جب بیٹا خدا ہے تو اس سے لازم آیا کہ اس کی ماں بھی
 خدا ہو۔ گویا وہ صراحتاً حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں اور الزام ان کی ماں کو بھی خدا کہتے ہیں، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَتَّخِذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُحَبَاءَهُمْ أَنْ يَبَاسُ دُونِ اللَّهِ وَالْمَوْسِجِ ائِنَّ مَرَّتُمْ (التوبہ: ۳۴)
 انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب
 بنا لیا اور کچا بن مریم کو بھی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! عیسائی اپنے علماء
 اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے اس کو ان
 کے علماء اور درویش حرام کہیں تو یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہو اس کو ان کے علماء اور درویش
 حلال کہیں تو یہ اس کو حلال کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا یہی ان کی عبادت کرنا ہے (اور ان کو خدا ماننا ہے۔
 تعلیٰ) سو جس طرح عیسائی صراحتاً اپنے علماء اور درویشوں کو خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے، اسی طرح وہ مریم کو
 صراحتاً خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا وہ خدا بنا لو حالانکہ عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی
 الوہیت اور خدائی کی کبھی نفی نہیں کی۔ خود قرآن مجید میں عیسائیوں کے متعلق مذکور ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثٌ (المائدہ: ۱۱۷) تیسرا ہے۔
 بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ تین تین کا

اس کا جواب یہ ہے کہ عیسائی یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے ہاتھوں سے جو معجزات ظاہر
 ہوئے ان کے خالق حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہیں۔ اس لحاظ سے ان سے یہ نقل اور حکایت کرنا صحیح ہے کہ ”کیا تم نے لوگوں
 سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا وہ خدا بنا لو؟“

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ اللہ کے خدا اور معبود ہونے کی نفی نہیں کرتے تھے، لیکن وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ

حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی عبادت بھی کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس پر مستحب فرمایا ہے کہ جب اللہ کی عبادت کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کی جائے گی تو گویا کہ اللہ کی عبادت نہیں کی گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مستحق عبادت ہے اور وہی عبادت اللہ کی عبادت کہلائے گی جو صرف اسی کی کی جائے اور جب اس کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کی جائے تو پھر وہ اس کی عبادت نہیں ہوگی تو حقیقت میں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو معبود بنایا اور اللہ تعالیٰ کو معبود نہیں بنایا اس لیے فرمایا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دوسرا خدا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کمال ادب سے اپنی پراءت کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا تو بھلا (پاک) ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی، بلکہ ایک کلمہ کلیہ بیان فرمایا: کہ میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو تک یہ بات حق نہیں ہے اس لیے میں نے نہیں کہی اور کمال ادب سے اس کو اللہ تعالیٰ کے علم پر چھوڑ دیا کہ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھے علم ہوتا کیونکہ تجھے میرے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے متعلق علم نہیں ہے، یا اس کا معنی ہے تو میرے غیب کو جانتا ہے اور میں تیرے غیب کو نہیں جانتا، یا تجھے میری دنیا کے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے اخروی امور کے متعلق علم نہیں ہے، یا تجھے میرے اقوال اور افعال کا علم ہے اور مجھے تیرے اقوال اور افعال کا علم نہیں ہے، پھر اس کی تاکید کے طور پر فرمایا: بے شک تو ہی سب فیوض کا جاننے والا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام کی ابتداء لفظ سبحان سے کی، ایک تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو شریک کی نسبت کی گئی ہے اس کی تخریم کریں اور دوسرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت اور سطوت کا بیان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے ان سے وہی کہا جسے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ (المائدہ: ۷۷)

حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے پر ایک اشکال کا جواب

اس آیت سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وقت پا چکے ہیں۔ کیونکہ نومی کا معنی وفات ہے اور اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق جو احادیث ہیں وہ حدیث تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور انساب: ۱۵۸ کی تفسیر میں ہم نے بہت زیادہ احادیث پیش کی ہیں۔

نومی کا لفظ وفات سے ہے۔ وفات کا معنی ہے کسی چیز کو پورا کرنا یا کسی چیز کا تمام و کمال کو پہنچنا، موت کو وفات اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مدت حیات پوری ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے وَاَوْفُوا الْكَيْلَ (الانعام: ۱۵۲) پورا پورا مپ کر دو وَاَوْفُوا بِعَهْدِي (البقرہ: ۴۰) مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ وَوَفَيْتُ كُلَّ مَفْسٍ مَا كَسَبَتْ (آل عمران: ۲۵) ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں نومی کا لفظ موت کے لیے بھی آیا ہے اور خیر کے لیے بھی:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَاسِكِهَا (الرمر: ۴۲) اللہ موت کے وقت رگوں کو قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی ان کی خیر کے وقت۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِآيَاتِهِ (الانعام: ۶۰)

وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری روحیں قبض کر لیتا

—

اور اس آیت میں توفی کا معنی پورا پورا اٹھایا ہے، جیسا کہ بکثرت احادیث میں بیان کیا گیا ہے، اس آیت میں توفی کا معنی موت مراد لینے پر مرزا کی حسب ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۸۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر نصیحت کرتے ہوئے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے اور تمہاریک تم ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر محنتوں ہو گے اللہ نے فرمایا ہے جس طرح ہم نے پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا، ہم اسی حالت میں اس کو لوٹائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم بے شک اس کو کرنے والے ہیں (الانبیاء: ۱۰۴) اور سنو! مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور سنو! میری امت میں سے چند لوگ لائے جائیں گے۔ ان کو بائیں جانب سے پکڑا ہوا ہو گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں، سو کہا جائے گا آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیانی باتیں نکالی ہیں، تو میں اس طرح کہوں گا جس طرح اللہ کے عبد صالح نے کہا تھا میں ان پر اسی وقت تک تمکین تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی، تو تو ہی ان پر گواہ تھو۔ (المائدہ: ۱۱۷-۱۱۸) سو مجھ سے کہا جائے گا: آپ کے دنیا سے جانے کے بعد یہ لوگ اپنی ایزدوں پر پلٹ گئے تھے۔ (مرتد ہو گئے تھے)

(صحیح مسلم، البیت: ۵۸، (۲۸۶۰) ۷۰۶، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۴۶، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۲۳-۳۱۷۷، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۴۰۸۷)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سورۃ مائدہ کی اسی آیت کو نقل فرمایا ہے اور اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ مرزا کی کہتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ جب اس آیت کو پڑھیں گے تو آپ کے حق میں اس کا معنی وفات ہی ہو گا، کیونکہ آپ کے حق میں اس معنی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب توفیق بنی فرمائیں گے تو ان کے حق میں اس کا معنی وفات نہیں ہو گا، کیونکہ اس معنی کے خلاف بہ کثرت احادیث ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے، سو اس کا معنی ہو گا جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھایا۔ بعض اوقات قائل کے اختلاف سے فعل کا معنی مختلف ہو جاتا ہے۔ صلی اللہ کا معنی ہے اللہ نے رحمت نازل کی، صلی اللہ کا معنی ہے فرشتوں نے استغفار کیا، صلی اللہ کا معنی ہے مسلمانوں نے رحمت طلب کی۔ اس لیے مستبعد نہیں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ توفیق بنی فرمائیں تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے وفات دی اور جب حضرت عیسیٰ توفیق بنی کہیں تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے آسمان پر اٹھایا جبکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ توفی کا معنی لازماً موت اور وفات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (المائدہ: ۱۸)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشرکین کی شفاعت کی
سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے آپ کے

آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد آپ کو اور آپ کی مائیں کو معبود عطا کیا تھا کیونکہ سلسلہ کلام ان ہی کے ساتھ مربوط ہے اور وہ لوگ مشرک تھے اور مشرکوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کو نہیں بخشے گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی شفاعت کیسے کی؟ کیونکہ مشرکوں کے لیے شفاعت جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اس میں ضمیر ان کی طرف راجع ہے جنہوں نے موت سے پہلے اپنے کفر سے توبہ کر لی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قیامت کے دن کے بارے میں نہیں ہے بلکہ آسمان پر اٹھانے جانے کے بعد ہے اس تقدیر پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تو ان کو کفر پر باقی رکھے حتیٰ کہ یہ فرجائیں اور تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور اپنی توحید اور اطاعت کی ہدایت دے پھر تو ان کو بخش دے تو توبہ بہت غالب ہے تیرے ارادہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور تو اپنے افعال میں حکیم ہے جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا کرتا ہے اور جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا کرتا ہے۔ اس جواب سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اور ”اگر تو ان کو بخش دے“ کے ساتھ ”تو غالب اور حکمت والا ہی مناسب ہے اور غفور و رحیم مناسب نہیں ہے۔“

العزیز الحکیم اور الغفور الرحیم کا فرق

امام رازی کے والد ضیاء الدین عمر رازی رحمہ اللہ نے فرمایا اس آیت کے آخر میں العزیز الحکیم الغفور الرحیم سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ غفور رحیم ایسی صفت ہے جو ہر محتاج کے لیے مغفرت کو واجب کرتی ہے اور عزیز رحیم ایسی صفت ہے جو ہر ایک کے لیے مغفرت کو واجب نہیں کرتی کیونکہ عزیز ہونے کا اختصاص یہ ہے کہ وہ غالب ہے جو چاہے کسے کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے اور جب وہ عزیز ہو اور ہر اعتبار سے غالب ہو پھر اس کا بخش دینا اس کا بہت بڑا کرم ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اگر وہ غفور رحیم کہتے تو یہ قبول ہوتا کہ وہ شفاعت کر رہے ہیں اور جب انہوں نے العزیز الحکیم کہا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ معاملہ بالکل اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

فساق مومنین کے لیے نبی ﷺ کی شفاعت

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے شفاعت فرمائیں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں یہ نیکو کاروں کے حق میں نہیں فرمایا تھا کیونکہ وہ عذاب کے سزاوار نہیں ہیں اور نہ ہی یہ دعا کفار کے حق میں ہے کیونکہ ان کا یہ قول ”اگر تو ان کو بخش دے تو توبہ بہت غالب بہت حکمت والا ہے“ کفار کے لائق نہیں ہے کیونکہ کافروں کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ پس واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شفاعت ان مومنین کے لیے ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مرتکبین کبار کی شفاعت ثابت ہے تو سیدنا محمد ﷺ کے لیے مرتکبین کبار کی شفاعت بہ طریق اولیٰ ثابت ہوگی اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کی شفاعت کے لیے اس آیت کو پڑھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت کی اے میرے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً توبہ بہت بخشے والا ہے حدیث میں فرماتا ہے (ابراہیم: ۳۶) اور عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو توبہ بہت غالب بہت حکمت والا ہے (المائدہ: ۸۸) نبی ﷺ نے اپنے

ہاتھ بلند کیے اور کہا اے اللہ! میری امت! میری امت! اور آپ رونے لگے۔ اللہ عزوجل نے کہا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جاننے والا ہے، ان سے پوچھو ان کو کیا چیز ملاتی ہے؟ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے حلق راضی کر دیں گے اور رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔

(صحیح مسلم، الامان ۳۴۶ (۲۰۲) ۳۸۹، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۱۱۲۶۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اپنی امت پر بہت شفیق تھے اور امت کی بھلائی اور بہتری میں کوشاں رہتے تھے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ بلند کر کے دعا کرنا مستحب ہے اور اس حدیث میں اس امت کے لیے بہت عظیم بشارت ہے اور اس میں امت کی مغفرت کی بہت بڑی امید ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی ﷺ کی بہت عزت اور وجاہت ہے اور حضرت جبرائیل کو نبی ﷺ کے پاس بھیجنے سے آپ کے شرف اور مرتبہ کا اظہار مقصود ہے۔ یہ حدیث اس آیت کے موافق ہے۔ عنقریب آپ کا رب آپ کو اتار دے گا کہ آپ کو راضی کر دے گا۔ (اصحیٰ: ۵) اللہ اکبر! سارا جہان اللہ کو راضی کرتا ہے اور اللہ آپ کو راضی کرتا ہے۔ آپ کو راضی کرنے کی بشارت دینے کے بعد یہ فرمایا: اللہ آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دے گا، کیونکہ بعض امتوں کو بخش دینے سے بھی راضی کرنا ممکن ہو سکتا ہے، لیکن اگر آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہ گیا تو آپ رنجیدہ ہوں گے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے اور آپ کے تمام امتوں کو دوزخ سے نجات دے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں ہمیں کو ان کا ج نفع پہنچائے گا، ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(المائدہ: ۱۲۰-۱۱۹)

سچ بولنے کا فائدہ صرف آخرت میں کیوں ہوگا؟

اس پر اجماع ہے کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اور یہ کہ جن لوگوں نے دنیا میں سچ بولا تھا، ان کا ج اس دن کام آئے گا اور ان کو نفع دے گا، اور اس دن کسی کا ج بولنا اس کے لیے نفع اور نہیں ہوگا، کیونکہ دار الحلیت اور دار العمل دنیا ہے اور قیامت کا دن یوم الجزاء ہے۔ اس دن تو شیطان بھی سچ بولے گا اور کہے گا:

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ
اور نصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا سو میں نے اس کے خلاف کیا۔ (ابراہیم: ۲۲)

شیطان کا یہ قول سچ ہے لیکن اس دن کسی کا ج اس کے کام نہیں آئے گا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مسلمان یوم آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے تبلیغ کرنے کی جو سعی گواہی دیں گے اور اپنے اعمال کی سعی گواہی دیں گے تو مسلمانوں کی یہ سعی گواہی ان کو نفع دے گی اور نفع یہ ہے کہ ان سے شہادت کے چھپانے کا مواخذہ نہیں ہوگا اور ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔

سچ بولنے کا نفع ویسے تو انسان کو ہر روز حاصل ہوتا ہے، لیکن آخرت میں دائمی اجر و ثواب صرف اس دن حاصل ہوگا۔ اس

کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آخرت میں سچ بولنے کا کیا نفع ملے گا وہ جہنم میں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں۔ انسان کو کوئی نعمت مل جائے تو پھر بھی اس کو یہ فکر سناٹی رہتی ہے کہ کہیں یہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور اگر نعمت زائل نہ ہو تو اس نے ایک دن مر جائے تب بھی وہ اس خیال سے ملول رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی نہ ان کو موت آئے گی بلکہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ جنت انسان کے جسم کی نعمت ہے اور اس کی روح کی نعمت یہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے تو جنت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ اللہ ان سے راضی ہو۔ پھر فرمایا: یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سب سے بڑی کامیابی اللہ کا راضی ہونا ہے۔ جنت میں مرغوبات نفس ہیں اور اللہ کی رضا اس سے بہت بڑا اور اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے ہم جنت کے لائق تو نہیں ہیں وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور سب سے بڑا مطلوب یہ ہے کہ وہ ہم سے راضی ہو جائے۔

اللہ کی عظمت و جبروت کے ذکر پر سورت کا اختتام

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اس آیت میں لفظ ما استعمال فرمایا ہے۔ جو غیر ذی العقول کے لیے آتا ہے۔ من کا لفظ استعمال نہیں فرمایا جو ذی العقول کے لیے آتا ہے اس میں ہو سکتا ہے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہو کہ آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے خواہ وہ ذی العقول اور ذی العلوم ہوں غیر ذی العقول اور غیر ذی العلوم سب اس کے قبضہ و قدرت میں مسخر ہیں اور سب اس کی قضاء و قدرت کے تابع ہیں۔ اور ذی العقول اس کے سامنے غیر ذی العقول اور جمادات کے درجہ میں ہیں اس کی قدرت کے سامنے کسی کی قدرت نہیں اور اس کے علم کے سامنے کسی کا علم نہیں اس لیے اس آیت میں غیر ذی العقول کو ذی العقول پر غلبہ دے کر لفظ ما استعمال فرمایا۔

شریعت اور حقیقت کی طرف اشارہ

جب آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے تو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم بھی اللہ کی ملک میں ہیں۔ اس کے مملوک اور عہد ہیں اور جو مملوک اور عہد ہوں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس آیت میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم خدا ہیں اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو اور احکام شریعہ کے ذکر سے اس سورت کی ابتداء کی تھی اور اس سورت کا اختتام اللہ عزوجل کی کبریائی اس کی عزت و جلال اور اس کی سلطنت اور قدرت پر کیا ہے۔ گویا یہ سورت شریعت کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور حقیقت کے ذکر پر ختم ہوتی ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ شریعت ابتداء ہے اور حقیقت انتہاء ہے اور یہ کہ شریعت پر عمل کر کے ہی انسان حقیقت تک پہنچے گا۔

تمام مضامین سورت کی دلیل

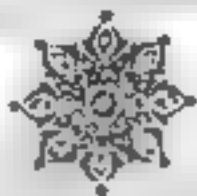
اس سورت میں احکام شریعہ بیان کیے گئے ہیں اور یہود کا رد کیا گیا ہے جو سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کا انکار کرتے تھے اور عیسائیوں کا رد کیا گیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے معتقد تھے مگر اس سورت کو اس آیت پر ختم کیا ہے جس کا معنی ہے ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات اور احوال اور اجسام کا موجد اور خالق ہے اور جب اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے تو اسے اپنی مخلوق کو امر اور نہی حکم دینے اور منع کرنے کا حق ہے اور یہی شریعت ہے سو یہی آیت احکام شریعہ کی دلیل ہے اور جب اللہ خالق اور مالک ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ جس حکم کو چاہے معطل کر دے اور جس شریعت کو چاہے منسوخ کر دے۔ سو اس نے یہود کی شریعت کو منسوخ کر کے سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کو نافذ کر دیا سو اس آیت سے یہود کا رد بھی ہو گیا اور اس آیت سے خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں کا رد بھی ہو گیا کیونکہ جب ہر چیز

اس کی مملوک ہے تو حضرت عیسیٰ بھی اس کے مملوک ہیں اور جو مملوک ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا سو یہ آخری آیت اس پوری سورت کے مضامین کی دلیل ہے۔

اختتامی کلمات

آج بہ روز چار شنبہ مورخہ ۱۸ صفر ۱۴۱۸ھ / ۲۵ جون ۱۹۹۷ء عری کے مبارک وقت میں سورہ مائدہ کی تفسیر ختم ہو گئی۔ اس سورت کے تمام حقائق و معارف اور تمام اسرار و رموز کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں نے اسلاف کی کتابوں سے استفادہ کر کے اور زیادہ سے زیادہ احاطہ پیش کر کے اپنی استطاعت کے مطابق اس تفسیر کی سعی کی ہے۔

اللہ العالمین اس سعی کو قبول فرما اس میں جو کوتاہی ہو گئی اس سے درگزر فرما اور جس طرح تو نے محض اپنے فضل سے سورہ مائدہ کی تفسیر کی توفیق دی ہے بتایا سورہ قرآن کی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما اور محض اپنے فضل و کرم سے میری میرے والدین اور اساتذہ کی میرے علائکہ کی اس تفسیر کے کپوزر کاتب اور صحیح کی اس کے ناشر اس کے تمام معاونین معبین اور قارئین کی مغفرت فرما۔ ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر مشکل مصیبت اور پریشانی اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر سعادت اور نعمت عطا فرما۔ شرح صحیح مسلم اس تفسیر اور میری ہر تصنیف کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے ان کتابوں کے فیضان کو تاقیام قیامت باقی اور عام رکھ ان کتابوں کو موانعین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔ آمین یا رب العالمین بحاء نبیک میدنا محمد خانم السبیل قائد المرسلین شفیع المدینس و علی آلہ الطیبین الطاہرین و علی اصحابہ الکاملین الراشدین و علی ارواحہ امہات المؤمنین و علی اولیاء امنہ و علماء ملتہ اجمعین۔



سُورَةُ الْاَنْعَامِ

(۶)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الانعام

اس سورت مبارکہ کا نام الانعام ہے اس میں ہیں (۲۰) رکوع اور ایک سو پینسٹھ (۲۵) آیات ہیں یہ سورت مکی ہے البتہ اس کی چند آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو اس سورت میں اپنے اپنے مقام پر لکھوا دیا۔ ان کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب باحوالہ آری ہے انعام کا معنی ہے مویشی۔ اس سورت کا نام الانعام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں ان مشرکین کا رد کیا گیا ہے جنہوں نے از خود چند مویشیوں کو حلال کر لیا تھا اور چند مویشیوں کو حرام کر لیا تھا وہ آیتیں یہ ہیں:

اور مشرکوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں انہیں وہ کھائے گا جسے ہم چاہیں کے ان کے ذمہ قاسد کے مطابق اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پشتوں (پر سواری اور بار برداری) کو حرام کیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر وہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے تھے اللہ پر بتان باندھنے کے لیے اللہ ان کو ان کے بتان کی عنقریب سزا دے گا اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے پیٹ میں جو پچہ (زندہ) ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور وہ عادی بیویوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔ عنقریب اللہ ان کو ان احکام کو وضع کرنے کی سزا دے گا بے شک وہ بڑی حکمت والا بہت علم والا ہے۔

وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرَّمَ جَنْحُهَا بِطَعْمِهَا
وَالْأَمْسُ نَشَاءُ بِمَرْغَمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ طَهُورُهَا
وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ الْمَلِكِ عَلَيْهَا اقْتِرَاءُ
عَلَيْهِمْ سَيَحْرِثُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا
مَا فَنِي بَطْنُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ عَالِيَةِ لَذْكُورِنَا
وَمُحَرَّمٌ عَلَيْنَا رِوَاجِنَا وَلَنْ يَكُنَّ قَبِيْنَةً فَبِهِمْ
شُرَكَاءُ سَيَحْرِثُهُمْ وَهُمْهُمْ إِنَّهُ يَحْكُمُ
عَلَيْهِمْ (الانعام ۳۸-۴۴)

جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے یہ پوری سورت ایک رات میں یک بارگی نازل ہوئی تھی اور جس رات یہ نازل ہوئی آپ نے اسی رات اس کو لکھوا دیا تھا اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس سے پہلے القاحۃ البقرہ آل عمران النساء اور المائدہ

مدنی سورتیں تھیں۔ ان سورتوں میں اصلانہ خطاب مومنین سے تھا۔ اور ان میں مسلمانوں کیلئے شرعی احکام بیان کیے تھے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، صلہ رحم، عورتوں کے حقوق، نکاح، طلاق و عدت، وراثت، امور بالمعروف و نہی عن المنکر اور دیگر احکام شرعیہ بیان فرمائے تھے اور مدینہ منورہ میں جو غیر مسلم تھے، یہود اور عیسائی، ان کی بدعتیں گہرائی بیان کر کے ان کا رد فرمایا تھا اور اسلام کے خلاف ان کے شکوک و شبہات کے جوابات دیئے تھے اور منافقین کی ریشہ دوانیاں بیان فرمائی تھیں اور ان کی سازشوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے مسلمانوں کو خبردار فرمایا تھا اور ضمناً بعض آیتوں میں مشرکین کا بھی رد فرمایا تھا۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ پہلی مکی سورت ہے، چونکہ مکہ میں مسلمانوں نے اپنی کوئی ریاست قائم نہیں کی تھی اور نہ ان کو اس کے مواقع میسر تھے، اس لیے وہاں مسلمانوں کے پاس اپنا نظام معیشت اور نظام حکومت قائم کرنے کے وسائل نہیں تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں احکام شرعیہ کو تفصیل سے بیان نہیں فرمایا، وہاں پر مسلمانوں کا مشرکین سے تصادم تھا اور توحید کا پیغام پہنچانے میں مشرکین زبردست رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بیان کرنے اور ان کو دلائل سے ثابت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

الانعام میں توحید و رسالت کے بنیادی مسائل اور دلائل بیان فرمائے ہیں اور حیات بعد الموت اور حشر و نشر کو بیان فرمایا ہے اور اصل دین ابراہیم کی وضاحت کی ہے اور انسان کی اندرونی اور بیرونی شکوتوں اور عقل و فطرت کے تقاضوں سے استدلال کیا ہے، مشرکین کے فراموشی مجربات ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتائی ہیں۔ نقد پر کا بیان کیا ہے اور بعض مشرکانہ رسوم کا رد فرمایا ہے، مشرکین عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ عذاب آگیا تو تمہارے پاس اس کے چھوٹا کیا سامان ہے؟ سورۃ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سورۃ الانعام مکمل ایک رات میں مکہ میں نازل ہوئی اور اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ (المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت اسلم بنت یزید رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ پر سورۃ الانعام یکبارگی مکمل نازل ہوئی۔ اس وقت میں نبی ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھی مگر اس سورت کے بوجھ سے لگتا تھا کہ اس اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔

(المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۸۰-۳۳۹۰، مطبوعہ بیروت)

حضرت انس بن مالک جو پیش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام نازل ہوئی در آنحالیکہ اس کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جس نے مشرق اور مغرب کو بھر لیا تھا وہ بلند آواز سے تسبیح اور تقدیس کر رہی تھی اور زمین لرز رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ پڑھ رہے تھے سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ العظیم۔ اس حدیث کی روایت میں احمد بن محمد سلمیٰ متوفی ۳۳۳ھ، رقم الحدیث: ۳۳۳۰، مطبوعہ مکتبۃ العارفین، ریاض، ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الانعام سے مدنی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام النحاس نے اپنی کتاب تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں مکمل یکبارگی نازل ہوئی، سو یہ مکی سورت ہے۔ ماسوائے آیتوں کے وہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (قل تعالوا انزل ما حرم ربکم علیکم۔ الا یہ: ۱۵۳-۱۵۱)

امام ابن المنذر نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے یہ کی سورت ہے۔ ماہوا اس آیت کے ولو انزلنا البہم الملائکۃ (الانعام: ۱۱۱) امام فریابی امام اسحاق بن راہویہ اور امام عبد بن حمید نے عمر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ فرشتے بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے یہ کی سورت ہے ماہوا ان دو آیتوں کے قبل تعالیٰ انا انزل ما حرم ربکم علیکم (الایہ) اور اس کے بعد والی آیت۔ (الانعام: ۱۱۵-۱۱۶) (المشور ج ۲ ص ۲۳۳ مطبوعہ بیروت) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے سورۃ الانعام چھ آیتوں کے سوا کہ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے کاتبوں کو بلا کر اسی رات اس سورت کو لکھوا لیا تھا۔ (قرطبی ج ۶ ص ۲۱۵)

سورۃ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث

امام دہلوی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام پڑھنے والے کو ایک مٹوی نڈا کرتا ہے۔ اس سورت سے محبت رکھنے اور اس کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آؤ جنت کی طرف۔ امام ابو الشیخ نے ابو محمد عابد سے روایت کیا ہے۔ جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے دعا کرتے ہیں قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اس کو کوثر سے غسل دے گا اور سلیمان سے اس کو پانی پلائے گا اور فرمائے گا میں تمہارا حق رہا ہوں اور تو میرا حق بندہ ہے۔ امام ابن الصریس ابو محمد قاری سے روایت کرتے ہیں جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جو قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اس کو جنت کے پھل کھائے گا اور کوثر سے پانی پلائے گا اور سلیمان سے غسل دے گا اور اللہ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔

امام دہلوی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اور اپنے معنی پر بیٹھ گیا اور سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ستر فرشتوں کو مقرر کرتا ہے جو اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور قیامت تک اس شخص کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (المشور ج ۲ ص ۲۳۳ مطبوعہ بیروت)

ابن ابی حاتم کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔ (المباح لادبک القرآن ج ۶ ص ۲۱۵-۲۱۶)

حافظ سیوطی نے سورۃ الانعام کی فضیلت میں جو احادیث نقل کی ہیں ان میں صرف ایک حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے اور باقی روایات کی اسناد سے سکوت کیا ہے۔ لیکن کچھ یہ ہے کہ جس حدیث میں کم عمل پر بہت زیادہ ثواب بیان کیا جائے وہ موضوع ہوتی ہے اور فضائل قرآن کے سلسلہ میں لوگوں نے بہت احادیث وضع کی ہیں۔ اگر یہ احادیث موضوع نہ ہوں تب بھی ضعیف سے بہر حال خلل نہیں ہیں اور فضائل ائمہ میں احادیث ضعیف بھی مستبرہ ہوتی ہیں اور تعدد اسناد سے حدیث ضعیف کو تقویت ملتی ہے۔ ہم نے اس نیت سے یہ احادیث لکھی ہیں کہ ان میں بیان کردہ ثواب کی امید پر سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنی چاہئیں لیکن یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ صرف ان تین آیتوں کو پڑھ لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔ نہ فرائض واجبہ اور سنن و مستحبہات پر عمل کی ضرورت ہے نہ عمرات اور کمہات سے اجتناب کی حاجت ہے تاہم اللہ بہت کریم اور نکتہ نواز ہے۔ وہ ایک پیارے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے کچڑ چاٹ رہا تھا اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے پانی پلایا حتیٰ کہ اس کتے کو سیراب کر دیا۔ اللہ نے اس کے اس عمل کو منکور کیا اور اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم المسند: ۳۵۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سو اگر اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنے سے بخش دے اور جنت عطا فرمائے تو پہ اس کے کرم اور نکتہ نوازی سے کب بعید جا

سورۃ الانعام کا موضوع

جس طرح باقی کی سورتوں میں اصالة عقائد کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح سورۃ الانعام میں بھی اصول اور عقائد ہی کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور الوہیت، وحی، رسالت، بعثت بعد الموت اور جزاء و سزا کا اثبات اور اس پر دلائل فراہم کرنا اس سورت کا بنیادی موضوع ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس سورت میں مشرکین اور دیگر ان بتدیین کے خلاف دلائل ہیں جو حشر اور نشر کا انکار کرتے تھے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پوری سورت کو یکبارگی نازل کیا جائے۔ کیونکہ پوری سورت پہ منزلہ دلیل واحد ہے۔ اگرچہ اس کی فروع بہت ہیں اور حکمین نے اسی سورت پر اپنے دلائل کی بنیاد رکھی ہے کیونکہ اس میں ایسی آیات ہیں جو قدر یہ کار د کرتی ہیں۔ (المباح لاحکام القرآن ج ۶، ص ۲۹۶، مطبوعہ بیروت)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے خود بھی دلائل کو پیش کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو بھی دلائل کی تلقین کی ہے۔ خود دلائل پیش کرنے کی چند مثالیں یہ ہیں:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ
جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ اَلَيْسَ كَقَمْرٍ
يَّرْتَدُّ عَنْ مَّوْجِدٍ لَّوْنٍ (الانعام: ۱۰)

سب تعزینیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور روشنی کو پیدا فرمایا پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ قَسَىٰ اَجَلًا
وَ اٰجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَہٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ
(الانعام: ۱۲)

وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنا یا پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی اور (قیامت کا) معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے پھر تم ٹھک کرتے ہو۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلٰیكُمْ
خَفَیْطَةً حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدُكُمْ الْمَوْتُ نَوْقُهُ
رُسُلًا وَ هُمْ لَا یَنْفِرُ طَوْنًا (الانعام: ۱۵)

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر (نکبان) فرشتے بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آجائے تو ہمارے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بہ کثرت دلائل تلقین فرمائے ہیں۔ ان کی چند مثالیں یہ ہیں:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلٌّ لِّلّٰہِ
کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (الانعام: ۱۷)

آپ پوچھئے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہئے کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے اس نے اپنے کرم سے اپنے نوپر رحمت لازم کر لی ہے۔

آپ کئے مجھے علم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو گے۔
آپ پوچھے سب سے بڑی کس کی گواہی ہے؟ آپ فرمائیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔

آپ پوچھے تمہیں فحش اور مندر کی تارکیوں سے کون نجات دیتا ہے؟ جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو۔
اگر وہ ہمیں اس (معصیت سے) بچالے تو ہم ضرور اس کے شکر گزار بن جائیں گے۔ آپ کئے اللہ ہی تم کو اس (معصیت) سے اور ہر معصیت سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْكِرِينَ (الانعام: ۱۳)
قُلْ آمَنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ أَكْثَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (الانعام: ۱۴)

قُلْ مَنْ يُنْفِخُ بِكُمْ مِنَ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ نَدْعُوهُ نَصْرًا وَخَفِيَّةً لَّيْنُ أَنْحَاسٍ مِنْ خَلْقِهِ لَسَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يَنْتَحِيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ تُنْذِرْتُمْ نُنْشِرُكُمْ ۝ (الانعام: ۳۳-۳۴)

-۲-

سورۃ الانعام کے مضامین

سورۃ الانعام کے مضامین کو حسب ذیل عنوانوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدانیت اور اس کی صفات پر انسان کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں سے استدلال
- ۲۔ نبوت، رسالت اور وحی پر عقلی اور مشاہداتی دلائل اور مشرکین کے شبہات کے جوابات
- ۳۔ بعثت بعد الموت، حساب و کتاب، حشر و نشر اور قیامت کے دن اعمال کی جزاء اور سزا کا اثبات۔
- ۴۔ تمدنی اور معاشرتی زندگی کے مسلمہ اخلاق اور آداب کا بیان۔
- ۵۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہونا اور اصول اور عقائد میں لوگوں کے اختلاف کا ابواء و تخصیص اور آباد و اجداد کی تقلید پر مبنی ہونا۔
- ۶۔ آخرت میں ثواب اور عذاب کا لوگوں کے مخصوص اعمال پر مبنی ہونا۔
- ۷۔ انسانوں کے افعال کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس کا کسب انسان کرتا ہے۔ کسب سے مراد انسان کا اختیار اور ارادہ ہے۔ انسان جس فعل کا ارادہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے اور اس کو جزا و سزا اپنے کسب اور اختیار کی وجہ سے ملتی ہے۔ اس لیے جبر بھی نہیں ہے کیونکہ انسان مختار ہے، اور قدر بھی نہیں ہے کیونکہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تقدیر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے موافق اسباب کا مسببیت کے ساتھ مربوط ہونا۔
- ۸۔ کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور مومنوں اور نیکو کاروں کو ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل ہے۔
- ۹۔ حلال اور حرام کرنے کی تشریع اور شریعت سازی اللہ عز و جل کا حق ہے اور بعض امور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو یہ منصب عطا کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور فطواء کے مطابق نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور یہ بھی شریعت ہے کہ اللہ عز و جل اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی انسان کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرے۔
- ۱۰۔ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ گزشتہ امتوں کے احوال میں غور و فکر کریں کہ جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی، ان کا کیا

مل ہو اور زمین میں گھوم بھر کر ان پر کیے ہوئے عذاب کے آثار دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور ان بکثرت نشانیوں میں غور و فکر کریں جو اللہ تعالیٰ کی ذات 'اس کی حکمت' اس کے علم اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کو مصائب سے اور دنیاوی زیب و زینت سے اسحق اور آدمائش میں ڈالتا ہے تاکہ نیک اور بد ممتاز ہوں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل و خوار کرتا ہے اس لیے کسی کفر یا فاسق کی دنیاوی عیش و عشرت 'آسودہ حالی اور اقتدار سے کسی مسلمان کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

۳۔ یہودی اور لولاد سے اللہ تعالیٰ کی حزمہ کا بیان 'اسکا ہوا اسحق اسرافیلی نے کہا ہے کہ سورۃ الانعام میں توحید کے تمام قواعد ہیں۔

۴۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرتے ہیں ان کو نصیحت کرنا اور جو دین حق کی ممانعت کرتے ہیں ان کو پہلی امتوں کے مکذبین کی وعید سننا اور یہ بتانا کہ ان کے انکار سے صرف ان کو نقصان ہوگا۔

۵۔ جو مشرکین مکہ نبی ﷺ سے علواً علوات طلب کرتے تھے ان کی جہالت کا بیان کرنا۔

۶۔ نبی ﷺ کو یہ تسلی دینا کہ آپ کی قوم کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

۷۔ رسولوں کو بھیجے کی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور اس کے ثواب کی بشارت دیں لوگوں کی فرمائش سے ان کو مطہرات پر مطلع کرنا یہ رسول کا منصب نہیں ہے۔

۸۔ فضیلت کا معیار اللہ تعالیٰ کے دین کو ماننا اور تقویٰ ہے۔

۹۔ نفس کو طہارت یعنی پاکیزہ اور طہل چیزوں سے محروم کرنا یہ تقویٰ نہیں ہے بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ نفس کے باجائز تقاضے پورے نہ کیے جائیں اور اس کو شوائع و اطلالہ کی محفل سے محروم کر دیا جائے۔

۱۰۔ امت محمدیہ پر یہ احسان کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے قرآن نازل کیا جس طرح حضرت موسیٰ پر تورہ نازل کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سابقہ امتوں کا خاتم بنایا۔

۱۱۔ قرآن اور دین اسلام کی فضیلت اور یہ کہ اس امت کی نیکوں کا ثواب اللہ نے کئی گنا بڑھایا۔

۱۲۔ یہ سورت مشرکین جاہلیت کے تمام احوال کی جامع ہے اور اس میں ان کی جہالت پر سب سے زیادہ رد کیا گیا ہے۔

سُورَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَفِيهَا اَيُّهَا خَمْسُ وَثَلَاثُونَ آيَةً وَعَشْرُونَ رُكُوعًا

سورۃ الانعام مکی ہے اس میں ایک سو پینسٹ آیات اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (اشرع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرماتے والا بہت مہربان ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّجُومَ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا

النُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ

فرمایا: پھر اہل کفر اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں ۵ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے

مِّن طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا وَأَجَلٌ مُّسْتَمْسِكٌ وَعِنْدَهُ ثَمَرُ أَنْتُمْ

پیدا فرمایا، پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی، اور قیامت کا مہین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ

تَمْتَرُونَ ② وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ

شک کرتے ہو ۵ اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے، وہ تمہارے ظاہر اور باطن

جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ③ وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ

کے حال کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے ۵ اور جب بھی اللہ کے پاس اللہ کے رب کی نشانیں ہیں

مِّنْهُمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ

کوئی نشانی آتی ہے وہ اس سے نہ مڑ لیتے ہیں ۵ سچے شک یہ اللہ کے پاس حق آگیا تو انہوں نے اس کو

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑤ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ

بھلا دیا سو متقرب ان کے پاس آئندہ بھڑک خیریاں آئیں گی جن کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۵ کیا انہوں نے نہیں دیکھا

أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَنُوا فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمْكِنْ

کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں

لَكُمْ وَارْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ قَدْرًا ⑥ وَجَعَلْنَا الْآلِهَةَ تَجَرِي

دیا ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتیں باغوں کے) پیچھے دریا بہائے

مِنْ تَحْتِهِمْ فَاهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

پھر ہم نے ان کے گنہگاروں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری

آخِرِينَ ⑦

قوم پیدا کر دی ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تارکیوں اور نور کو پیدا فرمایا۔ پھر بھی (کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱)

حمد، مدح اور شکر کا فرق

حمد، مدح اور شکر میں فرق ہے۔ مدح، حمد سے عام ہے۔ حمد کسی شخص کی اختیاری خوبی اور کمال پر تعریف اور توصیف کو کہتے ہیں خواہ وہ نعمت ملنے کی وجہ سے کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اور مدح کسی چیز کے حسن اور خوبی پر کی جانے والی تعریف کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ اس کی اختیاری خوبی ہو یا غیر اختیاری۔ اگر آپ کسی عالم کے علم و فضل کی تعریف کریں گے تو یہ حمد بھی ہے اور مدح بھی ہے اور اگر آپ کسی بھول کی خوشبو کی تعریف کریں گے تو یہ مدح ہے، حمد نہیں ہے۔ حمد اور شکر میں بھی فرق ہے۔ حمد عام ہے خواہ نعمت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اگر آپ کسی ایسے شخص کے علم کی تعریف کریں جو آپ کو جانتا نہیں ہے اور آپ کا اس سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے تو یہ حمد ہے، شکر نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے آپ کو کچھ مل دیا ہو اور آپ اس کی عفویت کی تعریف کریں تو یہ شکر بھی ہے اور حمد بھی ہے۔

تمام تعریفوں کا اللہ کے ساتھ مختص ہونا

ہم نے الحمد للہ کا ترجمہ کیا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں کیونکہ الحمد میں الف لام جنس کا ہے اور اللہ میں عام اختصاص کا ہے یا استحقاق کا ہے اور اس کا معنی ہے حمد کی مابیت اور حقیقت اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ختم کا شکر واجب ہے مثلاً تعلیم کی وجہ سے استاذ کا شکر واجب ہے۔ عدل کی وجہ سے منصف کا شکر واجب ہے، احسان کی وجہ سے محسن کا شکر واجب ہے اور پالنے پونے کی وجہ سے ماں باپ کا شکر واجب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

آلِ الشُّكْرِ لِيْ وَلِيُوْا لِيْذِكْرُكَ (القصص: ۱۷)
مَلَّ جَرَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ O

میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا۔
نکل کاملہ نکل کے سوا اور کیا ہے؟

(الرحمن: ۳۰)

اور امام ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، مجتبیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(سنن ابو داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۸، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۹۹، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۵۸، ج ۳، ص ۳۲، ج ۳، ص ۲۷۸، طبع قدیم)

یہ برحق ہے کہ جب کوئی انسان کسی انسان کے ساتھ کوئی نیک کرے یا اس کو کوئی نعمت پہنچائے تو اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے، لیکن درحقیقت تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور تمام احسانات اسی کے ہیں۔ اسی لیے حقیقت میں صرف وہی مشکور ہے اور باقی سب مجازاً مشکور ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان دوسرے انسان پر اس وقت احسان کرتا ہے جب اس کے دل میں اس احسان کا محرک اور داعیہ پیدا ہوتا ہے اور یہ محرک اور داعیہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو اصل احسان اسی کا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر بلا غرض احسان کرتا ہے اور بندہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور یہ غرض یا حصول نفع ہوتی ہے یا دفع ضرر۔ کسی ضرورت مند پر احسان کر کے محسن کا دل خوش ہو اور مطمئن ہوتا ہے یا وہ اس پر احسان کر کے اس کے کسی ساتھ

احسان کا بدلہ چکاتا ہے یا اخروی ثواب کے لیے احسان کرتا ہے اور یہ حصول نفع ہے یا اس ضرورت مند کی ضرورت کو دیکھ کر اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس رقت کے ازالہ کے لیے اس پر احسان کرتا ہے اور یہ دفع ضرر ہے تو انسان انسان پر کسی نہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بلا غرض احسان کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ بلا واسطہ احسان کرتا اور انسان بلا واسطہ احسان کرتا ہے۔

مثلاً ایک انسان کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلا کر احسان کرتا ہے۔ اگر اس انسان کے پاس طعام خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے یا پیسے تو ہوتے لیکن بازار میں طعام دستیاب نہ ہوتا تو وہ اس کو طعام کیسے کھلاتا؟ پھر یہ بھی سوچئے کہ یہ طعام کس کا پیدا کیا ہوا ہے؟ پھر اگر وہ انسان طعام فراہم کر لیتا لیکن وہ بھوکا شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا جس کی وجہ سے وہ کھانا نہ کھا سکتا تو وہ اس کو کیسے کھانا کھلاتا؟ غرض انسان جب کسی انسان پر احسان کرتا ہے اور اس کو فیض پہنچاتا ہے تو اس تک اس احسان اور فیض پہنچنے میں بیسیوں واسطے ہوتے ہیں اور ہر واسطہ اللہ کے فیض اور اس کے احسان پر فتم ہوتا ہے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ جو شخص کسی پر انعام اور احسان کرتا ہے وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا انعام ہے اور اسی کا احسان ہے۔ لہذا تمام احسانات پر شکر اور تمام کمالات اور محاسن پر ستائش اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور وہی اس کا مستحق ہے اور مخلوق میں جس کی خوبی پر حمد کی جائے اور جس کے احسان کا شکر ادا کیا جائے وہ سب مجاز ہے۔ حقیقت میں وہی مشکور ہے اور وہی محمود ہے۔

عالم کبیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ستون کے اور بغیر کسی بجلی کے آسمان کو بنایا اور آسمانوں میں سورج اور چاند کو رکھا اور اس کو ستاروں سے مزین کیا اور ہوا کے دوش پر بالوں کو رکھا زمین کا فرش بچھایا اس میں پہاڑوں کو نصب کیا اور ان میں کشتہ راستے رکھے اور اس میں سمندروں اور دریاؤں کو رواں دواں کیا اور پتھروں سے جھٹے نکلے۔ ان تمام چیزوں میں اس کی وحدانیت اور اس کی عظیم قدرت پر دلالت ہے کیونکہ اس کائنات کا پورا نظام طرز واحد پر چل رہا ہے اور اس نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہی اللہ واحد تبار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور وہی مبدئ کا مستحق ہے اس نے تاریکیوں اور نور کو پیدا کیا۔ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد تاریکی اور نور کے پیدا کرنے کا ذکر کیا کیونکہ آسمان اور زمین جو اہر اور امیان ہیں اور تاریکی اور نور معانی اور اعراض ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ نے مٹی (زمین) کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کیے اور پیر کے دن درخت پیدا کیے اور منگل کے دن مکروہ چیزوں کو پیدا کیا (مسلم کے علاوہ دوسری روایات میں الشفس کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں معدنیات) اور بدھ کے دن نور کو پیدا کیا اور جمعرات کے دن اس میں موشیوں اور جانوروں کو پھیلا دیا اور مخلوق کے آخر میں جمعہ کے دن مصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔

(صحیح مسلم 'النافعین' ۲: ۲۷۰ (۲۷۸) 'مسند احمد' ج ۲: ۲۷۱ رقم الحديث: ۸۳۳۹ 'طبع دار الفکر' 'مسند احمد' ج ۲: ۲۷۱ ص ۳۲۷ طبع

قدیم)

کفار کی احسان فراموشی

یہ آیت کفار کی شہوت اور قیامت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ

آسمانوں اور زمینوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس کے پیدا کرنے کے دلائل اور نشانیوں سب پر ظاہر اور واضح ہیں اور اس کی مخلوق اور مخلوقات سے کائنات کا ہر فرد فیض پاتا رہا ہے اور قائمہ انشا رہا ہے اور کوئی شخص بھی اس کے کرم سے محروم نہیں ہے۔ پھر ان تمام اسطلاحات کے بلوجود یہ کفار بے جن جنوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثل ایسے ہے جیسے کوئی شخص کسی کو طاقت کرتے ہوئے کے میں نے تم کو اتنا مل دیا اتنی عزت دی تم پر اتنے احسان کیے پھر بھی تم مجھے گالیاں دیتے ہو اور برا کہتے ہو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے سے اس کو ایسی ہی لعنت ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا۔ اس نے جو میری تکذیب کی وہ اس کا یہ فاسد گمان ہے کہ میں اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس نے جو مجھے گالی دی وہ اس کا یہ قول ہے کہ میرا بیٹا ہے سو میں اس سے پاک ہوں کہ میں کسی کو بیوی یا بیٹا بنائوں۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث ۳۳۸۲، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث ۲۰۷۷، مسند احمد ج ۲، ص ۳۵۸، طبع قدیم) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی اور قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ شک کرتے ہو۔ (الانعام: ۴)

عالم صغیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین یعنی عالم کبیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال کیا تھا اور اس آیت میں انسان یعنی عالم صغیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم آدم کی اولاد ہو لہذا تم کو بھی مٹی سے پیدا کیا۔

امام ابو بکر احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ وادار پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ مومن 'مقل' کفر اور کافر 'درشت' خوار و ذلیل۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

(شعب الایمان ج ۳، ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم کو بلا واسطہ مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے: حافظ ابو نعیم نے اپنی کتب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے وہ نطفہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے 'اے رب! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ اگر اللہ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی تو پھر کہتا ہے 'اے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کا نشان کیا ہے؟ اور اس کی موت کب ہوگی؟ اللہ فرماتا ہے تم لوح محفوظ میں دیکھو۔ وہ لوح محفوظ میں دکھاتا ہے تو اس میں اس کا رزق 'اس کا نشان' اس کی موت اور اس کا عمل لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا وہ وہاں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوند جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (جلد ۵۵)
ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹا دیں گے
اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

(المجادلہ احکام القرآن ج ۶ ص ۳۰۰ مطبوعہ بیروت)

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے عطا فرمایا ہے روایت کیا ہے جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا وہاں کی
مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے مہا خلقناکم۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۳۰۶ مطبوعہ ایران)

حافظ ابو نعیم اسیبی حنفی ص ۳۰۰ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

(جلد الادبیاء ج ۲ ص ۲۸۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ علی متقی بر حلقہ پوری متوفی ۱۰۷۵ھ خطیب کے حوالے سے لکھتے ہیں 'حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مولود کی ٹانگ میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ افضل عمر کی طرف لوٹا جاتا
ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں نور ابو بکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی
میں دفن کیے جائیں گے۔ (کنز العمال ج ۱۶ رقم الحديث ۳۳۷۴۳)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ ہر انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ احادیث کے علاوہ اس موقف پر عقل سے بھی استدلال
کیا گیا ہے 'کیونکہ انسان کو مٹی اور حیض کے خون سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں خون سے بنتی ہیں اور خون غذا سے بنتا
ہے اور غذا گوشت اور زہنی پیداوار (سبزیوں اور پھلوں) پر مشتمل ہوتی ہے اور حیوان کا گوشت بھی زہنی پیداوار سے بنتا ہے تو
مٹی زہنی پیداوار ہے اور زہنی پیداوار مٹی سے حاصل ہوتی ہے۔ سو خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے 'پھر اس طریقہ
سے مٹی سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے متعدد اعضاء بنتے ہیں جو رنگ و روپ اور صورت شکل میں مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً قلب
دماغ 'کچھڑے' جگر اور دیگر بڑی بڑی ہڈیاں 'باریک شریانیں اور پٹے وغیرہ اور ایک مادہ یعنی مٹی سے مختلف صورت و شکل اور
مختلف طبع اور خالق کے اعضاء پیدا کرنا اور ایک مٹی سے دنیا کے متعدد اور مختلف رنگ و نسل کے انسان پیدا کرنا 'صرف اسی کی
حقیقت سے عقل میں آسکتا ہے جو حکیم اور مدبر اور قادر اور قیوم ہو۔ پھر ان مختلف انسانوں کی پیدائش ہزار ہا سال سے ایک ہی نظم
اور ایک ہی طرز پر ہو رہی ہے اور انسان کی تخلیق کے اس سلسلہ کا نظم واحد پر ہونا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا نام بھی واحد
ہے اور وہ اللہ الواحد القہار ہے۔

دو اجلوں کی تفسیریں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اس نے اجل (موت) مقرر فرمادی اور اجل مستحق (مدت مقررہ) اس کے پاس ہے۔ اجل کے معنی
موت ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بن موتوں کی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل
سے مراد موت ہے اور دوسری اجل سے مراد قیامت ہے 'کیونکہ آخرت میں ان کی حیات کی مدت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ وہ
کبھی ختم ہوگی اور اس کی مدت اور اس کی کیفیت کا حال اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل
سے مراد انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کی مدت ہے۔ اور دوسری اجل سے مراد موت کے بعد سے لے کر اس
کے دوبارہ پیدا ہو کر اٹھنے تک کی مدت ہے اور اس مدت کو برزخ کہتے ہیں۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد نیند ہے اور

دوسری اجل سے مراد موت ہے۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد طبی موت ہے اور دوسری اجل سے مراد حلاوتی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے 'وہ اس کے پاس مقرر ہے۔ اس کا معنی ہے وہ اس کو مظلوم ہے اور لوح محفوظ میں مذکور ہے' پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کے اس قدر واضح دلائل ہونے کے باوجود تم اس کی وحدانیت میں شک کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے۔ وہ تمہارے ظاہر اور باطن کے حال کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے (الانعام: ۳)

اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل

اس سورت کی پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا دوسری آیت میں فرمایا جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہاری خلوت اور جلوت کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل ہے اور کمال علم اور کمال قدرت یہ ایسی دو صفاتیں ہیں جن پر الوہیت کا مدار ہے اور ان دونوں آیتوں کے مجموعہ سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلیل مکمل ہو گئی۔

اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ وہی اللہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس سے یہ لازم آیا کہ آسمان اور زمین اللہ کے لیے عرف ہیں اور اللہ تعالیٰ مطروف ہے اور مطروف محدود ہوتا ہے اور محدود ہونا الوہیت کے متغیٰ ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں میں معصوم ہے یا معبود ہے یا مستحق عبادت ہے یا اس کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر میں مغلوب ہے یا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری خلوت اور جلوت کو آسمانوں اور زمینوں میں جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اللہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو کسب کا معنی ہے حصول نفع یا دفع ضرر کے لیے کوئی کام کرنا اسی لیے اللہ تعالیٰ کے افعال کو کسب نہیں کہا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں سو بے شک جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلادیا۔ سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے (الانعام: ۴-۵)

کفر باللہ پر ملامت کے بعد کفر بالرسول کی مذمت

اس سے پہلی تین آیات کا تعلق توحید کے ساتھ تھا اور ان آیتوں کا تعلق رسالت کے ساتھ ہے۔ سابقہ آیتوں میں مشرکین کے اس کفر کو بیان فرمایا تھا جو وہ اللہ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیتوں میں ان کے اس کفر کو بیان فرمایا ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیات میں وجہ ارتباط یہ ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کا انکار بھی اس لیے کرتے تھے کہ آپ اللہ عزوجل کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور خدا کے واحد کی عبادت کا حکم دیتے تھے۔ اس وجہ سے وہ آپ کی تکذیب کرتے تھے اور جب بھی رسول اللہ ﷺ اپنی رسالت کے صدق پر اللہ کی طرف سے کوئی نشانی اور معجزہ پیش کرتے تو وہ اس سے منہ موڑ لیتے تھے۔ سب سے بڑی نشانی یہ تھی کہ آپ نے قرآن مجید پیش کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ کوئی انسان اس کی چھوٹی سے چھوٹی آیت کی بھی نظیر نہیں لاسکتا سو کوئی اس کی نظیر نہیں لاسکتا پھر آپ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور کئی معجزات

پیش کیے، لیکن انہوں نے ان معجزات کا نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کا مذاق اڑایا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے انکار اور کفر کے تین احوال بیان فرمائے ہیں۔ پہلا حال یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں سے اعراض کیا اور منہ موڑا۔ دوسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا اور تیسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کا مذاق اڑایا اور یہ ان کے کفر اور انکار کی انتہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ اس وعید میں دو احتمال ہیں، اس سے مراد دنیا کا عذاب بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ جنگ بدر میں مشرکین کے کشت فاش ہوئی اور ان کو اپنی عددی برتری اور طاقت کا جو گھمنہ تھا وہ خاک میں مل گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں دیا۔ ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتوں اور باغوں) کے نیچے دریا بہائے، پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم پیدا کر دی۔ (الانعام: ۶)

ربط آیات اور خلاصہ مضمون

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض کرنے، ان کی تکذیب کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا تھا اور ان کے اس انکار اور استہزاء پر ان کو عذاب کی وعید سنائی تھی۔ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اور مکذبین کو عذاب کی وعید سننا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ کیا ان مکذبین کو لوگوں سے خبریں سن کر یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی سابقہ امتوں کو مثلاً قوم عاد و ثمود، قوم فرعون اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا۔ جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اس گھمنہ سے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی کہ وہ بہت مالدار اور طاقتور ہیں۔ وہ قریش کے سے اس بات میں مستاز تھے کہ ان پر بکثرت موسلا دھار بارشیں نازل ہوتی تھیں جس سے ان کی زرعی زمینیں بہت زرخیز ہوتی تھیں اور ان کے مکانوں کے کنارے پر دریا بہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ایک اور قوم پیدا کی جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی تھی اور یہ بھی اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کرتی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملبیٹ کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْنٍ لَّيُسْوَطَ مَعِيشَتِهَا
فَإِنَّكَ مَسَاسِكُهُمْ لَمْ تَكُنْ فِئْتِ بَعْدِهِمْ
إِلَّا قَلِيلًا وَكَاتَمُوا الْوَرْثَ ۚ وَمَا كَانَ رِزْقُكَ
مُهِلِكَهُ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمْنَاهَا رُسُلًا
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهِلِكِي الْقُرَىٰ
إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ (الفصص: ۵۴-۵۸)

ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا (جن کے رہنے والے) اپنی خوشحالی پر اتر جانے لگے تھے۔ سو یہ ہیں ان کے مکان جن میں ان کے بعد بہت کم رہائش کی گئی ہے اور (بالآخر) ہم ہی وارث ہیں اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان بستیوں کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرے اور ہم اس وقت ہی بستیوں کو ہلاک کرتے ہیں جب اس کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار کے کو نصیحت کی جائے اور انہیں اس بات سے ڈرایا جائے کہ کہیں ان پر بھی وہ عذاب

نہ آجائے جو پھیلی امتوں کے ان جیسے کافروں پر آیا تھا جب کہ وہ لوگ دنیاوی شہن و شوکت اور قوت و طاقت اور عہدی حیثیت سے اہل مکہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ غور و ترغیب۔
قرن کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے قرن پہلے کر دیئے اس آیت میں قرن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی حنفی رحمہ اللہ نے قرن کا یہ معنی لکھا ہے قرن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں مقترن ہوں اس کی جمع قرون ہے ولفظ واحد 'قرن' ۳۶۶ سال کا ہے۔ یعنی ہر زمانہ کے لوگوں کو قرن کہتے ہیں اور یہ ہر زمانہ میں متوسط عموماً کی مقدار پر مشتمل لوگ ہیں۔ یہ لفظ اقربان سے ماخوذ ہے یعنی جتنے زمانہ میں اس زمانہ کے لوگ اپنی عموماً اور اپنے احوال سے مقترن ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زمانہ چالیس سال کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اسی سال کا زمانہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سو سال کا زمانہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مطلق زمانہ ہے۔ (التبیان ج ۲ ص ۵۷) امام رازی حنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ واحد کی جگہ کی جگہ میں ایک قوم مقترن ہو وہ قرن ہے یعنی جس مدت میں ایک قوم مقترن ہو پھر موت سے وہ دوسری قوم سے متفق ہو جائے تو وہ قوم ایک قرن ہے۔ کیونکہ جو لوگ ان کے بعد آئیں گے وہ ایک دوسری قوم ہوں گے اور وہ آپس میں مقترن ہوں گے تو یہ دوسری قرن ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام قرون میں بہترین میرا قرن ہے۔ اور جبکہ عموماً لوگوں کی عمریں ساٹھ 'ستر' اور اسی سال کے لگ بھگ ہوتی ہیں اس وجہ سے بعض لوگوں نے کہا قرن ساٹھ سال کا زمانہ ہے۔ بعض نے کہا ستر سال کا اور بعض نے کہا اسی سال کا زمانہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں زمانہ کی کوئی ایسی معین مقدار نہیں ہے جس پر زیادتی یا اس سے کمی نہ ہو سکے بلکہ اس سے مراد ہے ہر زمانہ کے لوگ اور جب اس زمانہ کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو کہا جائے گا کہ وہ قرن ختم ہو گئی۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۱ طبع قدیم)

امام رازی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے امام محمد بن اسماعیل بخاری حنفی رحمہ اللہ ۲۵۶ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سب میں بہترین میرا قرن ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (الحدیث)

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۶۱ رقم الحدیث: ۲۶۱۱ صحیح مسلم فضائل صحابہ: ۳۵۵ (۲۵۳۵) سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۶۵۷

سنن ترمذی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۶۱۱ سنن نسائی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۶۱۱ صحیح ابن حبان ج ۲ رقم الحدیث: ۲۶۱۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۷۱

المجموع الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۵۸۵۵ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۴۷۰۸ طبع دار الفکر مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۲۵۹۳ طبع قاہرہ

مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۹ طبع قدیم)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی حنفی رحمہ اللہ ۲۶۸ لکھتے ہیں:

اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرن سو سال کا زمانہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن ابی مرثدہ سے فرمایا تھا کہ تم ایک قرن تک زندہ رہو گے تو وہ سو سال زندہ رہے۔

(المجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

بعض سوالوں کے جوابات

اس آیت پر ایک یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مکذبین کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ اس میں زجر و توبیح کی

کون سی بات ہے؟ کیونکہ موت تو ہر شخص کو آتی ہے۔ غلاموں میں ہو یا کافر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زجر و توبیخ کی وجہ یہ ہے کہ ان کو عذاب شدید سے موت آئی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کیا انہوں نے گزشتہ امتوں کی ہلاکت کو نہیں دیکھا؟ ملاحظہ فرمائیے کہ گزشتہ امتوں کے احوال کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی خبر دینے کے وہ صدق نہیں تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کیا ان کو ان امتوں کے احوال نہیں معلوم اور ان امتوں کی ہلاکت کے احوال تو اترے نقل ہو رہے تھے اور لوگوں کے درمیان مشہور تھے۔ ایک اور سوال یہ ہے کہ اس بات کے ذکر کی کیا ضرورت ہے کہ اللہ ان کی جگہ ایک اور قوم کو لے آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کو ہلاک کرنا اللہ پر دشوار نہیں ہے۔ وہ اس پر قادر ہے کہ ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالُوا

اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں کسی ہونے والی کتاب نازل کرتے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لینے تب بھی کفار

الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا آتُونا

یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے ۝ اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ

عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَاهُ مَلَكًا لَّقُفِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ۝

کیوں نہیں نازل کیا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا، پھر انہیں بہت تہ دی جاتی ۝

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ۝

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تب بھی اس کو (مرد) مرد بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا

اور بیشک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر

مِنْهُمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

یا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم آپ پر کھڑے کسی ہونے والی کتاب نازل کرتے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لینے

تب بھی کفار یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے۔ (الانعام: ۷)

ربط آیات اور شان نزول

رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید اور پیغام اسلام کو مسترد کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو اپنے میل و آرام میں مست تھے اور ان کو اپنی قوت و حشمت پر گھمنڈ تھا۔ ان کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ تھے

ضمیمہ القرآن جلد سوم

جو نبی پیغمبر کے پیش کیے ہوئے معجزات کو کھلا ہوا جلوہ قرار دیتے تھے۔ ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۹ھ نے بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے کمالے محمد پیغمبر ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کتاب نہ لائیں اور اس کتاب کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو یہ گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(ازاد المسیر، ج ۲، ص ۷۷، مطبوعہ مکتب الاسلامی، بیروت ۱۳۰۷ھ)

کفار کے انکار کا حقیقی سبب

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کس سبب سے دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کا انکار چند ضعیف شہادت پر مبنی تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل ہو اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہو جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے، لیکن حقیقت میں ان کے انکار اور کذب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے اعراض کرتے تھے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔ سو اگر اللہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیتا اور وہ اس کو چھو کر دیکھ لیتے، پھر بھی کہتے کہ یہ کھلا جادو ہے اور ایمان نہ لاتے۔ ہاتھ سے چھونے کا اس لیے ذکر فرمایا کہ کبھی دیکھی ہوئی چیز کی بہ نسبت ہاتھوں سے چھوئی ہوئی چیز زیادہ یقینی ہوتی ہے، کیونکہ مشاہدہ میں یہ اختلاف ہو سکتا ہے کہ نظر بنے دھوکا کھلایا ہو یا نظر بندی کی گئی ہو۔ لیکن ہاتھ سے چھونے کے بعد یہ احتمالات ختم ہو جاتے ہیں، لیکن یہ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں کہ یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعُزَّجُونَ ۚ لَقَالُوا أَالِئِمَّا سَكِرَاتٍ أَنصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝ (الحجر: ۷۵-۷۶)

اور اگر ہم ان کے لیے آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں (دن بھر) چمکتے رہیں (تو پھر بھی) یہ لوگ یقیناً یہی کہیں گے کہ محض ہماری نظر بندی کی گئی ہے، بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا، پھر انہیں مصلحت نہ دی جاتی اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تب بھی اس کو (صورۃ ۳) مردعات اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا، تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ (الانعام: ۸۰)

کفار کے مطالبہ کے باوجود نبی پیغمبر کے ساتھ فرشتے کو نہ بھیجنے کی حکمت حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۵۹ھ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے امام محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ پیغمبر نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو مسلمان کرنے کی انتہائی کوشش کی تو زید بن الاسود، نضو بن حارث، عبیدہ بن عبد یغوث، ابی بن خلف اور عامر بن وائل نے کہا کہ آپ پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا۔ (الدر المنثور، ج ۲، ص ۵، مطبوعہ مرقون)

کفار مکہ کا فتنہ یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا، کیونکہ فرشتوں کے علوم انسانوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی قدرت، محور ان کی ہیبت بھی انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ مکمل طور

پر دو سوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ سولہ کی نبوت اور رسالت میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوگا تو اس وجہ سے اگر اللہ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جو جواب دیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ فرشتے کو اسی وقت دیکھ سکتے تھے جب وہ کسی جسم کلثیف میں متحمل ہوتا اور ہر شخص اپنی جنس سے مانوس ہوتا ہے اور دوسری جنس سے غیر مانوس ہوتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو ان کے پاس رسول بنا کر بھیجتا تو اگر وہ اپنی اصل صورت میں ان کے پاس آتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے نہ اس کا کلام سن سکتے اور نہ اس کی عبادات اور معمولات ان کے لیے نمونہ اور حجت ہوتے۔ کیونکہ دونوں کی جنس الگ الگ ہوتی اور اگر وہ ان کے سامنے انسانی پیکر میں متحمل ہو کر آتا تو وہ اس سے کہتے کہ تم فرشتے نہیں ہو تم تو ہماری طرح انسان ہو اور پھر ان کا وہی پسلا شبہ لوٹ آتا۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس بھی فرشتے بعض اوقات انسانی پیکر میں آتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے پاس فرشتے انسانی صورتوں میں آئے اور نبی ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل اعرابی اور وجہ کلی کی شکل میں آئے اور نبی ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۸۸ نے لکھا ہے کہ اگر کفار فرشتہ کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیتے تو اسی وقت مر جاتے کیونکہ وہ اس کی صورت دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ جہاد اور عکرمہ نے کہا کہ قیامت آجاتی۔ حسن اور قتادہ نے کہا ان پر عذاب آکر ان کو ملیا میٹ اور تھس تھس کر دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی نشانی کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کے مطالبہ پر وہ نشانی بھیج دی جاتی ہے اور پھر وہ ایمان نہیں لاتی تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو فی الفور ہلاک کر دیتا ہے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آسمانی عذاب نہیں آتا تھا اس لیے ان کا یہ مطالبہ پورا نہیں کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن ۶/۶۷ ص ۳۰۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

نبی ﷺ پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی سزا

بعض کفار مکہ نبی ﷺ سے استہزاء یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ آنا چاہیے جو آپ کی رسالت کی گواہی دے تو اللہ نے آپ کی تائید اور نصرت کے لیے یہ آیت نازل کی اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس سے پہلے دیگر کافر قوموں نے بھی اپنے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ شَيْعِ الْأَوَّلِينَ
وَمَا يَنْبِئُهُمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ
(الحجر: ۱۰-۱۱)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے اگلے گروہوں میں رسول بھیجے اور ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاصْفَعْ بِالَّذِينَ عَصَوْا
إِنَّا كَاشِفُكَ الْعُشْرَ حَرَضَ
(الحجر: ۹۵-۹۶)

آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کو علانیہ ذکر فرمائیں اور مشرکین سے اعراض کریں اور بے شک ان مذاق اڑانے والوں کو سزا دینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

اور مکہ کے جو منافق رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کا بدلہ لے لیا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سردار نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان لوگوں میں اسد بن عبد العزیٰ سے اسود بن المطلب تھا رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ وہ آپ کا مذاق اڑاتا ہے، آپ نے اس کے خلاف دعا کی۔ اے اللہ اس کو اندھا کر دے اور اس کے بچوں کو گم کر دے اور بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد مہنوٹ تھا اور بنو مخزوم میں سے ولید بن مغیرہ تھا۔ اور بنو سہم میں سے عامر بن داکل تھا اور خزاعہ میں سے حارث بن ظالمہ تھا۔ جب ان کی سرکشی بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ ﷺ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑانے لگے، تو سورہ ہجر کی یہ آیات (۹۵-۹۳) نازل ہوئیں اور جس وقت یہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور رسول اللہ ﷺ حضرت جبرائیل کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اسود بن المطلب حضرت جبرائیل کے پاس سے گزرا، حضرت جبرائیل نے اس کے منہ پر ہنر بٹا مارا جس سے وہ اندھا ہو گیا اور اسود بن عبد مہنوٹ گزرا، جبرائیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کو اشتقاق (پیس) کی بیماری لگ گئی، پانی پی لیا کر اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ اسی محل میں مر گیا۔ اور ولید بن مغیرہ گزرا، دو سال پہلے اس کے پیر کی ایڑی کے نیچے ایک زخم آیا تھا، کیونکہ وہ بنو خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے گزرا، تو اس کا تیر اس کے تہبند میں ٹکس گیا جس سے اس کا پیر زخمی ہو گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس زخم کی طرف اشارہ کیا وہ تازہ ہو گیا اور وہ اس کی تکلیف میں مر گیا۔ اور عامر بن داکل سہمی گزرا حضرت جبرائیل نے اس کے پیر کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ طائف جانے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہوا تو اپنے گدھے سے گر اور اس کے ٹکڑے میں کھنچا چھ گیا اور اس سے زخم ہو گیا اور اسی تکلیف میں وہ مر گیا۔ اور حارث بن ظالمہ گزرا، حضرت جبرائیل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تو اس کے سر سے پیپ نکلنے لگی اور وہ اسی بیماری میں مر گیا۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۹۵-۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو نامی گمراہی کافر نبی ﷺ پر طعن کرتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے، وہ سب عذاب الہی میں گرفتار ہو کر مر گئے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

آپ کہیے کہ تم زمین میں گھومو، پھر دیکھو جتنا نے دلوں کا انجام کیا

الْمُكَذِّبِينَ ۝ قُلْ لِّمَنْ قَالِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ

ہا ۰ آپ (ان سے) کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے کہ

كُتِبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ ۖ لِيَجْمَعَكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ لَا

وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے، اس نے (خود) اپنے رحم سے) اپنے اور رحمت لازم کر لی ہے، وہ تم کو جمع قیامت کے دن جمع کرے گا جس

رَأَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَهُ مَا

میں کوئی شک نہیں ہے، (مگر) جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے ۰ رات اور دن میں

سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ أَغَيَّرَ

جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اشرفی کی ملکیت ہے، وہی خوب سننے والا بہت جانتے والا ہے۔ آپ کیسے کیا میں اللہ

اللَّهُ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُهُ وَلَا

کے سوا کسی اور کو کار ساز بناؤں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلا رہا نہیں

يُطْعِمُ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ

جاتا، آپ کیسے کہ مجھے علم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۴﴾ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَأَيْتُ عَذَابَ

دالوں میں سے نہ ہونا۔ آپ کیسے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب

يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُضَرْفُ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۚ وَذَلِكَ

دُور تھا ہوں۔ جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بیشک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی

الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا

بہت واضح کامیابی ہے۔ اور (اے مخاطب) اگر اللہ تیریں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا

هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ

نہیں ہے، اور اگر وہ تیریں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہی اپنے

الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۱۸﴾

تمام بندوں پر غالب ہے اور وہ بہت علم والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہنے کہ تم زمین میں گھومو پھرد گھومو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ (الانعام ۱۱) اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا اے محمد ﷺ، میں مذاق اڑانے والوں کو اور جھٹلانے والوں سے کہنے کہ تم زمین میں سڑکو اور تختیں کرو اور تم سے پہلے کافروں پر تکذیب کی وجہ سے جو عذاب آیا تھا اس کے آثار اور نشانات دیکھو اور اس کے حقائق لوگوں سے خبریں معلوم کرو۔ اس آیت میں تکذیب کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی تکذیب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (ان سے) کہنے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے، وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہنے

کہ وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔ وہ تم کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے مگر جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۲)

الوہیت، رسالت اور قیامت پر دلیل

اس آیت سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق اور مستحق عبادت ہے اور سیدنا محمد ﷺ اس کے رسول برحق ہیں اور قیامت کے دن مخلوق سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور دلیل کی تقریر یہ ہے کہ کفار اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تمام آسمان اور زمینیں اور ان میں تمام رہنے والے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ساری مخلوق اللہ کی مملوک ہے اور مملوک پر اپنے مالک کی اطاعت کرنا لازم ہے۔ سو تمام انسانوں پر لازم ہے کہ صرف اس ایک رب کی عبادت کریں اور اسی کو عبادت کا مستحق مانیں اور عبادت کا طریقہ بتلانے اور اللہ کے احکام پہنچانے کے لیے ایک رسول کا ہونا ضروری ہے جو دلیل اور معجزہ سے اپنی رسالت کو ثابت کرے اور سیدنا محمد ﷺ نے بکثرت دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کیا ہے۔ پھر جو لوگ اللہ کی اطاعت کریں ان کو اجر دینے کے لیے اور جو نافرمانی کریں ان کو سزا دینے کے لیے ایک دن ہونا چاہیے اور وہ روز قیامت اور روز جزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۴۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم، التوبہ ۱۳، ۱۴ (۲۷۵۱) ۶۸۳۶، صحیح البخاری، رقم الحدیث ۳۱۴۳، سنن کبریٰ للبخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۷۵۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۹۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۳۲-۲۵۸-۲۶۰، طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر لیا تو اپنی اس کتاب میں لکھا جو اس کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم، التوبہ ۱۶، ۱۷ (۲۷۵۱) ۶۸۳۸، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۷۵۳، طبع دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی کرنے والے مسلمان کو ثواب عطا فرمائے اور اپنے بندہ کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے اور اللہ کے غضب کا معنی یہ ہے کہ وہ فاسقوں اور نافرمانوں کو عذاب میں مبتلا کرے اور مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرنا اس کی صفت قدیمہ ہے جس سے وہ تمام مرادات کا ارادہ فرماتا ہے اور رحمت کی سبقت اور اس کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ رحمت بہت زیادہ اور بہت کثیر افراد کو شامل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمتیں ہیں۔ جنات، انسانوں، جانوروں اور حشرات الارض میں اس نے (صرف) ایک رحمت رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت اور رحم کرتے ہیں۔ اس رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نانوے رحمتیں موخر کر رکھی ہیں۔ ان کے ساتھ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

(صحیح مسلم، التوبہ ۱۹، ۲۰ (۲۷۵۲) ۶۸۳۲، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۹۳)

یہ دنیا دار ابلاء اور دار تکلیف ہے اور اس دنیا میں بھی اللہ کی ایک رحمت سے مسلمانوں کو 'اسلام' قرآن اور نماز کی رحمت حاصل ہوئی۔ بلکہ تمام شریعت اللہ کی رحمت ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمت رکھی جس سے وہ نیک صلہ رحمی اور غریب پروری کرتے ہیں تو ان نیکوئیوں کی وسعت اور گیرائی کے متعلق کوئی شخص کیا تصور کر سکتا ہے جو دار آخرت میں حاصل ہوں گی جو دار القرار اور دار الجزاء ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قیدی پیش کیے گئے قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ اچانک اس نے قیدیوں میں اپنے بچہ کو دیکھا اس نے بچے کو اپنے پیٹ سے چٹایا اور اس کو دودھ پلایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا نہیں خدا کی قسم اگر آگ میں ڈالنا اس کے لیے مقدور ہو تو یہ اپنے بچہ کو بھی آگ میں نہیں ڈالے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اپنے بچہ پر جس قدر رحم کرنے والی ہے اللہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

(صحیح مسلم، التوبہ ۲۲، ۶۸۳۵ (۲۷۵۳) صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۹۹۹)

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب میں اپنے بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارہ نہیں کرتی تو اللہ اپنے بندوں کو آگ میں ڈالنا کیسے گوارا کرے گا؟ جبکہ اللہ میں سے کہیں زیادہ رحیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور جن کو آگ میں ڈالے گا وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ نہیں کہتے۔ کوئی خود کو جوں کا بندہ کہتا ہے کوئی اپنے آپ کو سورج، آگ، پہل اور کوئی گائے کا بندہ کہتا ہے اور کوئی خود کو عیسیٰ اور عزیر کا بندہ کہتا ہے اور کوئی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہتا ہے مگر زندگی اپنی خواہشات کی کرتا ہے:

آرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (العنقراف: ۲۳)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا تو کیا آپ اس کی وکالت کریں گے!

ہاں! جو لوگ خود کو اللہ کا بندہ کہلانے میں عار نہیں سمجھتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت خوش سے کرتے ہیں وہ ان کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور ایسے لوگوں سے اگر کبھی انسانی تقاضے سے کوئی لغزش یا اطاعت میں کمی ہو گئی اور انہوں نے پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر لیا تو اللہ انہیں معاف فرمادے گا اور ان میں سے اگر کوئی بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کے لیے بھی اللہ کی رحمت اور نبی ﷺ کی شفاعت سے خود درگزر کی گنجائش ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک شخص کی موت کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا پھر میرے جسم کو پیسا اور میری راکھ کو سمندر میں ہوا کے اندر اڑا دینا۔ پس یہ خدا اگر میرا رب مجھ پر قادر ہو تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا؟ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا تمہارے اس فعل کا محرک کیا تھا؟ اس نے کہا اے میرے رب اتیرا خوف۔ سو اللہ نے اس وجہ سے اس کو بخش دیا۔ (صحیح مسلم، التوبہ ۲۵، ۶۸۳۸ (۲۷۵۶) صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۸۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۴۵۵، سنن النسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۷۹)

اس حدیث میں ہے کہ اگر یہ خدا میرا رب قادر ہو تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ (الحدیث) اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس شخص کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک کرنا کفر ہے۔ اس اعتراض کے متعدد جواب ہیں۔

- ۱۔ اس شخص کے قول میں ”قدر“ قدرت سے ماخوذ نہیں ہے، بلکہ قضاء قدر کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے میرے لیے عذاب مقرر کر دیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا۔
- ۲۔ ”قدر“ اس قول میں تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَقَدَرْنَا عَلَيْهِ رِزْقَهُ (الصحرہ: ۳۳)

سو اس پر اس کا رزق تنگ کر دیا۔

فَقَطَّرْنَا لَهُ نَفِيرًا عَلَيْهِ (الانبیاء: ۸۷)

پونس نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔

- ۳۔ ”قدر“ قدرت ہی کے معنی میں ہے۔ لیکن اس شخص نے سوچ سمجھ کر یہ لفظ نہیں کہا اور اس نے جو یہ کہا اگر اللہ عذاب دینے پر قادر ہو تو اس کو ایسا عذاب دے گا اس کلام سے اس کا یہ قصد اور ارادہ نہیں تھا کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک ہے۔ بلکہ اس نے خوف، دہشت اور سخت گھبراہٹ کی کیفیت میں بغیر تدبیر اور تفکر کے یہ الفاظ کہے۔ جیسے کوئی شخص غفلت اور نسیان سے کلمہ کفر کہہ دے تو اس کی تکفیر نہیں کی جاتی، جیسے ایک شخص کو اپنی گم شدہ اونٹنی مل گئی تو اس نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے شدت فرح اور خوشی کے جذبات سے بے قابو ہو کر کہا تھا تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں اسی طرح اس نے غلبہ خوف اور دہشت کی وجہ سے سوا یہ الفاظ کہے اور اس سے اس کی تکفیر نہیں ہوتی۔

- ۴۔ عربوں کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ قیمتی امر کو شک کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ
اللَّهُ وَلَئِنْ آوَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ لَأُولِيْنَاكُمْ لَعَلَىٰ هٰذِهِ آوِيْتُمْ صَلَاحٌ
تُحْسِنُونَ (سبا: ۲۳)

آپ کہتے تھیں آسمانوں اور زمینوں سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ کہتے اللہ! اور بے شک ہم با تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔

اسی طرح اس شخص کو اللہ کی قدرت پر یقین تھا لیکن اس امر کو شک کی صورت میں بیان کیا۔

- ۵۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی صفات سے جہل تھا اور جو شخص اللہ کی کسی صفت سے جہل ہو اس کی تکفیر متفق علیہ نہیں ہے۔ امام ابن جریر طبری اس کی تکفیر کرتے ہیں، دیگر ائمہ نے کہا کہ اللہ کی صفت سے جہل کفر نہیں ہے، اس کی صفت کا انکار کفر ہے۔ امام ابو الحسن اشعری نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے۔

- ۶۔ وہ شخص زمانہ فترت میں تھا اور اس کے لیے صرف توحید کو ماننا کافی تھا اور صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت نازل ہونے سے پہلے کوئی شخص کسی حکم کا مکلف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک

(الاسراء: ۷۵) رسول نہ بھیج دیں۔

- ۷۔ اس شخص نے خود کو حقیر اور مستحق عذاب قرار دینے کے لیے اور اللہ کی رحمت پر امید رکھتے ہوئے یہ کہا تھا ”اس کو اللہ کی قدرت پر شک نہیں تھا۔“

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کے ایک شخص کی روح سے فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ فرشتوں نے پوچھا تم نے کوئی نیکی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرشتوں نے کہا یاد کرو۔ اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور میں نے اپنے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ جو تنگ دست ہو اس کو صلت دینا اور خوش حال پر سختی نہ کرنا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے درگزر کرو۔ حضرت حذیفہ کی ایک اور روایت میں ہے ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس چیز کا میں تم سے زیادہ حقدار

ہوں میرے بندے سے درگزر کرو۔

(صحیح مسلم 'الساۃ' ۲۶ (۱۵۶۰) 'صحیح البخاری' ج ۳ 'رقم الحدیث' ۲۰۷۷ 'سنن ابن ماجہ' ج ۲ 'رقم الحدیث' ۱۲۲۲۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا۔ اس نے راستہ میں کانٹوں کی ایک شنی دیکھی اس نے اس کو راستہ سے ایک طرف کر دیا اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے اس شخص نے کہا یہ خدا میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹاؤں گا تاکہ ان کو ایذا نہ پہنچے۔ تو وہ شخص جنت میں داخل کر دیا گیا۔

(صحیح مسلم 'البر والصلہ' ۲۸ (۱۵۶۰) 'صحیح البخاری' ج ۳ 'رقم الحدیث' ۲۳۷۲ 'سنن ترمذی' ج ۳ 'رقم الحدیث' ۱۹۷۵ 'سنن ابن ماجہ' ج ۲ 'رقم الحدیث' ۲۶۸۳ 'صحیح ابن حبیب' ج ۲ 'رقم الحدیث' ۵۳۶ 'مسند الحمیدی' 'رقم الحدیث' ۱۱۳۳ 'الموطاء' 'رقم الحدیث' ۲۹۵ 'مسند احمد' ج ۲ 'ص ۵۸۱' طبع قدیم)

راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ایمان کی گمانوں میں سے ہے خواہ وہ کانٹوں کی شنی ہو شیشہ کا ٹکڑا ہو کیلے یا آم کا چھلکا ہو کوئی گندی چیز ہو یا مردار ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا اس کو بہت سخت پیاس لگی اس نے ایک کنواں دیکھا اس میں از کر پانی پیا۔ پھر وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا ایک کتاب پیاس کی شدت سے کچڑا چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے کہا اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جتنی مجھے لگی تھی وہ کنوئیں میں اترا اور اس نے اپنے موزہ میں پانی بھرا پھر موزہ کے منہ کو بند کر کے کنوئیں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے سے بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہر زندہ جگر میں اجر ہے۔

(صحیح مسلم 'سلام' ۱۵۳ (۲۲۳۳) 'صحیح البخاری' ج ۳ 'رقم الحدیث' ۲۳۶۳ 'سنن ابو داؤد' ج ۲ 'رقم الحدیث' ۲۵۵۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک زانیہ عورت نے ایک سخت گرم دن میں ایک کتے کو کنوئیں کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا جس نے پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالی ہوئی تھی اس عورت نے اپنے موزہ میں اس کے لیے پانی بھرا تو اس عورت کو بخش دیا گیا۔ (صحیح مسلم 'سلام' ۱۵۳ (۲۲۳۵) ۵۷۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت دوزخ میں داخل ہو گئی اس نے اس بلی کو باندھ کر رکھا اس کو خود کھلایا نہ اس کو آزاد کیا تاکہ وہ زمین سے کچھ اٹھا کر کھا لیتی۔ حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی۔

(صحیح مسلم 'التوبہ' ۲۶ (۲۷۵۶) 'صحیح البخاری' ج ۳ 'رقم الحدیث' ۲۳۶۵ 'سنن الترمذی' ج ۳ 'رقم الحدیث' ۳۸۱ 'سنن ابن ماجہ' ج ۲ 'رقم الحدیث' ۲۲۵۶ 'سنن دارمی' ج ۲ 'رقم الحدیث' ۲۸۳۳ 'سنن کبریٰ للبخاری' ج ۸ 'ص ۳۳' 'مسند احمد' ج ۲ 'ص ۱۸۱' ۱۵۹ 'طبع قدیم')

آثار رحمت کی احادیث ذکر کرنے کے بعد ہم نے آخر میں آثار غضب کی بھی ایک حدیث درج کر دی ہے تاکہ کوئی شخص صرف رحمت پر نظر کرتے ہوئے گناہوں پر بے باک نہ ہو جائے کیونکہ اگر وہ ایک کتے کو پانی پلانے پر عمر بھر کے گناہ معاف کر کے جنت عطا فرماتا ہے تو ایک بلی کو بھوکا رکھ کر مار دینے پر غضب میں آکر دوزخ میں بھی ڈال دیتا ہے۔ اس لیے اس کی دونوں صفوں پر نظر رہے اور ایمان عذاب کے خوف اور ثواب کی امید کی درمیانی کیفیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رات اور دن میں جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، وہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ آپ کہتے کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز بنالوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ آپ کہتے کہ مجھے عزم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ آپ کہتے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی بہت واضح کامیابی ہے۔

(الانعام: ۱۶-۱۳)

مغفرت، نجات اور دخول جنت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نہ کہ اعمال

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے یہ کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے یہ نبوت کا دعویٰ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہم تمہارے لیے اس قدر مل جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے غنی ہو جاؤ گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ رات اور دن میں جو چیز بھی متحرک ہے یا ساکن یا جو چیز بھی سکونت پذیر ہے، وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

پھر فرمایا آپ کہتے کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو رب، ناصر اور معبود بنالوں؟ کیا میں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے کو چھوڑ دوں؟ جو اپنی تمام مخلوق کو رزق دیتا ہے اور وہ اپنی حیات اور بقا میں کسی غذا کا محتاج نہیں ہے۔

اور چونکہ نبی ﷺ اپنی امت میں سب سے سابق ہیں، اس لیے آپ کو سب سے پہلے اسلام لانے کا حکم دیا اور شرک کرنے سے منع کیا۔ پھر فرمایا کہ آپ کہتے اگر میں بھی باغرض اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس میں امت کے لیے تعریف ہے جب نبی ﷺ جو معصوم ہیں جن کی وجہ سے ان گنت گنہگار بخشے جائیں گے، جب وہ بھی اللہ کی نافرمانی کرنے پر عذاب سے ڈرتے ہیں تو عام مسلمانوں کو اللہ سے کتنا زیادہ ڈرنا چاہیے۔ پھر فرمایا جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا، بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا۔

معتزلہ یہ کہتے تھے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اس کے مقابلہ میں اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور یہ آیت اہل سنت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا، اور یہ کہنا اسی وقت مستحسن ہو گا جب نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا اللہ کا فضل اور احسان ہو۔ اگر ان کو عذاب سے بچانا اللہ پر واجب ہوتا تو پھر ان کو عذاب سے بچانا اللہ تعالیٰ کا رحم نہ ہوتا، بلکہ یہ ان کا حق ہوتا۔ اور اللہ پر کسی کا حق نہیں ہے اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا محض اس کا رحم و کرم اور فضل و احسان ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کرے گا مگر یہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح مسلم، مناقب، ص ۷۷ (۲۸۸) صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۶۷۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۰۱، سنن

دارمی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۳۲ 'مسند احمد' تحقیق احمد شاکر 'ج ۷' رقم الحدیث: ۷۲۰۴ 'طبع کاہرہ' 'مسند احمد' 'ج ۲' ص ۲۵۶ '۲۳۵' طبع قدیم)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا ان کے جسموں پر آگ کے نشان ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو جنت میں داخل کر دے گا ان کو جہنم سے نجات یافتہ کہا جائے گا۔ (صحیح البخاری 'ج ۸' رقم الحدیث: ۵۵۵۵ 'مسند احمد' 'ج ۳' ص ۲۰۸ 'طبع قدیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس مسلمان کے بھی تین بالغ بچے فوت ہو جائیں وہ اس مسلمان کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل کر دیں گے۔

اصح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۸۸ 'سنن نسائی' 'ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۷۲ 'سنن ابن ماجہ' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۰۵ 'مسند احمد' 'ج ۲' ص ۵۰ 'طبع قدیم)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور کشمکش کا انتظار کرنا افضل عبادت ہے۔

(سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۸۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا کرے 'اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا کرے 'اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل سے سوال کرتا ہوں۔'

(صحیح مسلم 'مسافرن' ۶۸ (۷۳) 'سنن ابوداؤد' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۷۵ 'سنن نسائی' 'ج ۲' رقم الحدیث: ۷۲۹ 'سنن کبریٰ' 'سنن نسائی' 'ج ۶' رقم الحدیث: ۱۰۰۰۵ 'عمل الیوم واللیلہ السنائی' 'رقم الحدیث: ۷' 'سنن ابن ماجہ' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۷۷۲ 'سنن دارمی' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۹۳ 'ج ۲' 'مسند احمد' 'ج ۵' ص ۲۲۵ 'طبع قدیم)

نبی ﷺ نے استغفار کی جو دعا تعلیم فرمائی ہے اس میں ایک جملہ یہ ہے:

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں۔

(اصح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۶۲ 'سنن نسائی' 'ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۵۳ 'مسند احمد' 'ج ۳' ص ۳۳۳ 'طبع قدیم)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قبصہ بن عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا اے قبصہ! تم کس کام سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈی کمزور ہو گئی ہے میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسے عمل کی تعلیم دیں جس سے اللہ عزوجل مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا اے قبصہ! تم کسی پتھر درخت یا مٹی کے ڈھیلے کے پاس سے نہیں گزر دو گے مگر وہ تمہارے لیے استغفار کرے گا۔ اے قبصہ! تم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین دفعہ یہ پڑھو "سبحان اللہ العظیم وبحمده" تم پانچا ہونے جذام اور قلع سے محفوظ رہو گے۔ اے

لے لیا۔ اتم یہ دعا کرواے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں سے سوال کرتا ہوں جو تیرے پاس ہیں تو مجھ پر اپنے فضل سے فیضان فرما اور مجھ پر اپنی رحمت نکھیر دے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما۔ (مسند احمد، ج ۲، ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں قرائت سے پہلے جب سکوت کرتے تو اللہ سے اس کے فضل سے سوال کرتے تھے۔ (مسند احمد، ج ۲، ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع قدیم)

اللہ کے فضل اور رحمت سے دخول جنت کی تحقیق

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقل سے ثواب اور عذاب ثابت نہیں ہوتا اور نہ احکام بخلاف عقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور شرع سے ثابت ہوتے ہیں۔ نیز اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، تمام جہان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی سلطنت ہے۔ وہ جو چاہے کرے۔ اگر وہ تمام اطاعت کرنے والوں اور صالحین کو دوزخ میں ڈال دے تو یہ اس کا عدل ہو گا اور جب وہ ان پر اکرام اور احسان کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا تو یہ اس کا فضل ہو گا اور اگر وہ کافروں پر اکرام کرے اور ان کو جنت میں داخل کر دے تو وہ اس کا بھی مالک ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس کی خبر صادق ہے اور اس کی خبر کا کذب ہو نا محال ہے۔ اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ مومنوں کی مغفرت کر دے گا اور اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمائے گا اور یہ اس کا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کو عذاب دے گا اور ان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھے گا اس کے برخلاف معتزلہ کہتے ہیں کہ احکام بخلاف عقل سے ثابت ہیں اور نیک اعمال کا اجر و ثواب واجب ہے۔

ہم نے جو احادیث بیان کی ہیں ان میں اہل سنت کی دلیل ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی اطاعت کی وجہ سے جنت کا مستحق نہیں ہے، بلکہ جنت کا دار عمل پر نہیں محض اللہ کے فضل پر ہے۔ البتہ بعض آیتیں بظاہر معتزلہ کی سید ہیں۔

ادْعُوا الْحَقَّ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
ان اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم کرتے

(النحل: ۳۲) تھے۔

وَنِلَّكَ الْحَقَّةَ الَّتِي كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث کیے گئے ہو، ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے

یہ آیتیں اور اس نوع کی دوسری آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت میں دخول کا سبب نیک اعمال ہیں، لیکن نیک اعمال کی توفیق اور اعمال میں اخلاص کی ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور اپنی رحمت سے ان نیک اعمال کو قبول فرماتا ہے تو حاصل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ اس لیے یہ کہا صحیح ہے کہ جنت محض عمل سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے، اس کی توفیق اور ہدایت نہ ہو تو کوئی نیک عمل کیسے کر سکتا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک جنت میں دخول کا صوری اور ظاہری سبب ہے اور ایک حقیقی سبب ہے۔ ظاہری اور صوری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ ان آیتوں میں ظاہری سبب یعنی اعمال کی طرف دخول جنت کی نسبت فرمائی ہے اور جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں ان میں دخول جنت کی نسبت حقیقی سبب یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی طرف فرمائی ہے اور عمل کی جو نفی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ دخول جنت کا حقیقی سبب اعمال نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بعض علماء نے کہا جنت میں دخول ایمان کی وجہ سے ہو گا درجہ اعمال کی وجہ سے ملیں گے اور جنت میں

دوام مومن کی نیت کی وجہ سے ہو گا کیونکہ مومن کی نیت ہمیشہ ایمان پر قائم رہنے کی ہوتی ہے اس لیے اس کو اجر و ثواب بھی ہمیشہ ہمیشہ ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے طالب!) اگر اللہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اپنے تمام بندوں پر غالب ہے اور وہ بہت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔ (الانعام: ۱۷-۱۸)

حقیقی حاجت روا کار ساز اور مستعان صرف اللہ تعالیٰ ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کار ساز بنا لوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جانتا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاجت روا نہیں ہے اور اسی مطلوب پر یہ آیت دلیل ہے کہ اگر اللہ تمہیں ضرر پہنچائے تو اس کے سوا اور کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی مضمون کی یہ آیت ہے:

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (ماطر: ۳)

اللہ رحمت سے لوگوں کے لیے جو چیز کھولے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کے روکنے کے بعد اسے کوئی پھوڑنے والا نہیں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

یہ معنی حدیث صحیح میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نماز کے بعد جو ذکر کرتے تھے اس میں یہ جملہ ہے۔

حضرت مفتی ابن شعبہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز کے بعد ذکر کرتے تھے۔ اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور کوئی طاقتور اپنی طاقت سے تیرے مقابلہ میں نفع نہیں پہنچا سکتا۔ (صحیح مسلم، المسجد، ۳۷، (۵۳۳) صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحديث: ۲۸۵۰ سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحديث: ۵۰۵۰ سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۳۴۴۱)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سواری پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں۔ تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو، تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لے گئے ہیں اور صحیفہ شگ ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۲۵۲۲، مسند احمد، ج ۲، رقم الحديث: ۲۸۰۳، ۲۸۰۴، ۲۸۰۵، ۲۸۰۶، ۲۸۰۷، ۲۸۰۸، ۲۸۰۹، ۲۸۱۰، ۲۸۱۱، ۲۸۱۲، ۲۸۱۳، ۲۸۱۴، ۲۸۱۵، ۲۸۱۶، ۲۸۱۷، ۲۸۱۸، ۲۸۱۹، ۲۸۲۰، ۲۸۲۱، ۲۸۲۲، ۲۸۲۳، ۲۸۲۴، ۲۸۲۵، ۲۸۲۶، ۲۸۲۷، ۲۸۲۸، ۲۸۲۹، ۲۸۳۰، ۲۸۳۱، ۲۸۳۲، ۲۸۳۳، ۲۸۳۴، ۲۸۳۵، ۲۸۳۶، ۲۸۳۷، ۲۸۳۸، ۲۸۳۹، ۲۸۴۰، ۲۸۴۱، ۲۸۴۲، ۲۸۴۳، ۲۸۴۴، ۲۸۴۵، ۲۸۴۶، ۲۸۴۷، ۲۸۴۸، ۲۸۴۹، ۲۸۵۰، ۲۸۵۱، ۲۸۵۲، ۲۸۵۳، ۲۸۵۴، ۲۸۵۵، ۲۸۵۶، ۲۸۵۷، ۲۸۵۸، ۲۸۵۹، ۲۸۶۰، ۲۸۶۱، ۲۸۶۲، ۲۸۶۳، ۲۸۶۴، ۲۸۶۵، ۲۸۶۶، ۲۸۶۷، ۲۸۶۸، ۲۸۶۹، ۲۸۷۰، ۲۸۷۱، ۲۸۷۲، ۲۸۷۳، ۲۸۷۴، ۲۸۷۵، ۲۸۷۶، ۲۸۷۷، ۲۸۷۸، ۲۸۷۹، ۲۸۸۰، ۲۸۸۱، ۲۸۸۲، ۲۸۸۳، ۲۸۸۴، ۲۸۸۵، ۲۸۸۶، ۲۸۸۷، ۲۸۸۸، ۲۸۸۹، ۲۸۹۰، ۲۸۹۱، ۲۸۹۲، ۲۸۹۳، ۲۸۹۴، ۲۸۹۵، ۲۸۹۶، ۲۸۹۷، ۲۸۹۸، ۲۸۹۹، ۲۹۰۰، ۲۹۰۱، ۲۹۰۲، ۲۹۰۳، ۲۹۰۴، ۲۹۰۵، ۲۹۰۶، ۲۹۰۷، ۲۹۰۸، ۲۹۰۹، ۲۹۱۰، ۲۹۱۱، ۲۹۱۲، ۲۹۱۳، ۲۹۱۴، ۲۹۱۵، ۲۹۱۶، ۲۹۱۷، ۲۹۱۸، ۲۹۱۹، ۲۹۲۰، ۲۹۲۱، ۲۹۲۲، ۲۹۲۳، ۲۹۲۴، ۲۹۲۵، ۲۹۲۶، ۲۹۲۷، ۲۹۲۸، ۲۹۲۹، ۲۹۳۰، ۲۹۳۱، ۲۹۳۲، ۲۹۳۳، ۲۹۳۴، ۲۹۳۵، ۲۹۳۶، ۲۹۳۷، ۲۹۳۸، ۲۹۳۹، ۲۹۴۰، ۲۹۴۱، ۲۹۴۲، ۲۹۴۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۵، ۲۹۴۶، ۲۹۴۷، ۲۹۴۸، ۲۹۴۹، ۲۹۵۰، ۲۹۵۱، ۲۹۵۲، ۲۹۵۳، ۲۹۵۴، ۲۹۵۵، ۲۹۵۶، ۲۹۵۷، ۲۹۵۸، ۲۹۵۹، ۲۹۶۰، ۲۹۶۱، ۲۹۶۲، ۲۹۶۳، ۲۹۶۴، ۲۹۶۵، ۲۹۶۶، ۲۹۶۷، ۲۹۶۸، ۲۹۶۹، ۲۹۷۰، ۲۹۷۱، ۲۹۷۲، ۲۹۷۳، ۲۹۷۴، ۲۹۷۵، ۲۹۷۶، ۲۹۷۷، ۲۹۷۸، ۲۹۷۹، ۲۹۸۰، ۲۹۸۱، ۲۹۸۲، ۲۹۸۳، ۲۹۸۴، ۲۹۸۵، ۲۹۸۶، ۲۹۸۷، ۲۹۸۸، ۲۹۸۹، ۲۹۹۰، ۲۹۹۱، ۲۹۹۲، ۲۹۹۳، ۲۹۹۴، ۲۹۹۵، ۲۹۹۶، ۲۹۹۷، ۲۹۹۸، ۲۹۹۹، ۳۰۰۰، ۳۰۰۱، ۳۰۰۲، ۳۰۰۳، ۳۰۰۴، ۳۰۰۵، ۳۰۰۶، ۳۰۰۷، ۳۰۰۸، ۳۰۰۹، ۳۰۱۰، ۳۰۱۱، ۳۰۱۲، ۳۰۱۳، ۳۰۱۴، ۳۰۱۵، ۳۰۱۶، ۳۰۱۷، ۳۰۱۸، ۳۰۱۹، ۳۰۲۰، ۳۰۲۱، ۳۰۲۲، ۳۰۲۳، ۳۰۲۴، ۳۰۲۵، ۳۰۲۶، ۳۰۲۷، ۳۰۲۸، ۳۰۲۹، ۳۰۳۰، ۳۰۳۱، ۳۰۳۲، ۳۰۳۳، ۳۰۳۴، ۳۰۳۵، ۳۰۳۶، ۳۰۳۷، ۳۰۳۸، ۳۰۳۹، ۳۰۴۰، ۳۰۴۱، ۳۰۴۲، ۳۰۴۳، ۳۰۴۴، ۳۰۴۵، ۳۰۴۶، ۳۰۴۷، ۳۰۴۸، ۳۰۴۹، ۳۰۵۰، ۳۰۵۱، ۳۰۵۲، ۳۰۵۳، ۳۰۵۴، ۳۰۵۵، ۳۰۵۶، ۳۰۵۷، ۳۰۵۸، ۳۰۵۹، ۳۰۶۰، ۳۰۶۱، ۳۰۶۲، ۳۰۶۳، ۳۰۶۴، ۳۰۶۵، ۳۰۶۶، ۳۰۶۷، ۳۰۶۸، ۳۰۶۹، ۳۰۷۰، ۳۰۷۱، ۳۰۷۲، ۳۰۷۳، ۳۰۷۴، ۳۰۷۵، ۳۰۷۶، ۳۰۷۷، ۳۰۷۸، ۳۰۷۹، ۳۰۸۰، ۳۰۸۱، ۳۰۸۲، ۳۰۸۳، ۳۰۸۴، ۳۰۸۵، ۳۰۸۶، ۳۰۸۷، ۳۰۸۸، ۳۰۸۹، ۳۰۹۰، ۳۰۹۱، ۳۰۹۲، ۳۰۹۳، ۳۰۹۴، ۳۰۹۵، ۳۰۹۶، ۳۰۹۷، ۳۰۹۸، ۳۰۹۹، ۳۱۰۰، ۳۱۰۱، ۳۱۰۲، ۳۱۰۳، ۳۱۰۴، ۳۱۰۵، ۳۱۰۶، ۳۱۰۷، ۳۱۰۸، ۳۱۰۹، ۳۱۱۰، ۳۱۱۱، ۳۱۱۲، ۳۱۱۳، ۳۱۱۴، ۳۱۱۵، ۳۱۱۶، ۳۱۱۷، ۳۱۱۸، ۳۱۱۹، ۳۱۲۰، ۳۱۲۱، ۳۱۲۲، ۳۱۲۳، ۳۱۲۴، ۳۱۲۵، ۳۱۲۶، ۳۱۲۷، ۳۱۲۸، ۳۱۲۹، ۳۱۳۰، ۳۱۳۱، ۳۱۳۲، ۳۱۳۳، ۳۱۳۴، ۳۱۳۵، ۳۱۳۶، ۳۱۳۷، ۳۱۳۸، ۳۱۳۹، ۳۱۴۰، ۳۱۴۱، ۳۱۴۲، ۳۱۴۳، ۳۱۴۴، ۳۱۴۵، ۳۱۴۶، ۳۱۴۷، ۳۱۴۸، ۳۱۴۹، ۳۱۵۰، ۳۱۵۱، ۳۱۵۲، ۳۱۵۳، ۳۱۵۴، ۳۱۵۵، ۳۱۵۶، ۳۱۵۷، ۳۱۵۸، ۳۱۵۹، ۳۱۶۰، ۳۱۶۱، ۳۱۶۲، ۳۱۶۳، ۳۱۶۴، ۳۱۶۵، ۳۱۶۶، ۳۱۶۷، ۳۱۶۸، ۳۱۶۹، ۳۱۷۰، ۳۱۷۱، ۳۱۷۲، ۳۱۷۳، ۳۱۷۴، ۳۱۷۵، ۳۱۷۶، ۳۱۷۷، ۳۱۷۸، ۳۱۷۹، ۳۱۸۰، ۳۱۸۱، ۳۱۸۲، ۳۱۸۳، ۳۱۸۴، ۳۱۸۵، ۳۱۸۶، ۳۱۸۷، ۳۱۸۸، ۳۱۸۹، ۳۱۹۰، ۳۱۹۱، ۳۱۹۲، ۳۱۹۳، ۳۱۹۴، ۳۱۹۵، ۳۱۹۶، ۳۱۹۷، ۳۱۹۸، ۳۱۹۹، ۳۲۰۰، ۳۲۰۱، ۳۲۰۲، ۳۲۰۳، ۳۲۰۴، ۳۲۰۵، ۳۲۰۶، ۳۲۰۷، ۳۲۰۸، ۳۲۰۹، ۳۲۱۰، ۳۲۱۱، ۳۲۱۲، ۳۲۱۳، ۳۲۱۴، ۳۲۱۵، ۳۲۱۶، ۳۲۱۷، ۳۲۱۸، ۳۲۱۹، ۳۲۲۰، ۳۲۲۱، ۳۲۲۲، ۳۲۲۳، ۳۲۲۴، ۳۲۲۵، ۳۲۲۶، ۳۲۲۷، ۳۲۲۸، ۳۲۲۹، ۳۲۳۰، ۳۲۳۱، ۳۲۳۲، ۳۲۳۳، ۳۲۳۴، ۳۲۳۵، ۳۲۳۶، ۳۲۳۷، ۳۲۳۸، ۳۲۳۹، ۳۲۴۰، ۳۲۴۱، ۳۲۴۲، ۳۲۴۳، ۳۲۴۴، ۳۲۴۵، ۳۲۴۶، ۳۲۴۷، ۳۲۴۸، ۳۲۴۹، ۳۲۵۰، ۳۲۵۱، ۳۲۵۲، ۳۲۵۳، ۳۲۵۴، ۳۲۵۵، ۳۲۵۶، ۳۲۵۷، ۳۲۵۸، ۳۲۵۹، ۳۲۶۰، ۳۲۶۱، ۳۲۶۲، ۳۲۶۳، ۳۲۶۴، ۳۲۶۵، ۳۲۶۶، ۳۲۶۷، ۳۲۶۸، ۳۲۶۹، ۳۲۷۰، ۳۲۷۱، ۳۲۷۲، ۳۲۷۳، ۳۲۷۴، ۳۲۷۵، ۳۲۷۶، ۳۲۷۷، ۳۲۷۸، ۳۲۷۹، ۳۲۸۰، ۳۲۸۱، ۳۲۸۲، ۳۲۸۳، ۳۲۸۴، ۳۲۸۵، ۳۲۸۶، ۳۲۸۷، ۳۲۸۸، ۳۲۸۹، ۳۲۹۰، ۳۲۹۱، ۳۲۹۲، ۳۲۹۳، ۳۲۹۴، ۳۲۹۵، ۳۲۹۶، ۳۲۹۷، ۳۲۹۸، ۳۲۹۹، ۳۳۰۰، ۳۳۰۱، ۳۳۰۲، ۳۳۰۳، ۳۳۰۴، ۳۳۰۵، ۳۳۰۶، ۳۳۰۷، ۳۳۰۸، ۳۳۰۹، ۳۳۱۰، ۳۳۱۱، ۳۳۱۲، ۳۳۱۳، ۳۳۱۴، ۳۳۱۵، ۳۳۱۶، ۳۳۱۷، ۳۳۱۸، ۳۳۱۹، ۳۳۲۰، ۳۳۲۱، ۳۳۲۲، ۳۳۲۳، ۳۳۲۴، ۳۳۲۵، ۳۳۲۶، ۳۳۲۷، ۳۳۲۸، ۳۳۲۹، ۳۳۳۰، ۳۳۳۱، ۳۳۳۲، ۳۳۳۳، ۳۳۳۴، ۳۳۳۵، ۳۳۳۶، ۳۳۳۷، ۳۳۳۸، ۳۳۳۹، ۳۳۴۰، ۳۳۴۱، ۳۳۴۲، ۳۳۴۳، ۳۳۴۴، ۳۳۴۵، ۳۳۴۶، ۳۳۴۷، ۳۳۴۸، ۳۳۴۹، ۳۳۵۰، ۳۳۵۱، ۳۳۵۲، ۳۳۵۳، ۳۳۵۴، ۳۳۵۵، ۳۳۵۶، ۳۳۵۷، ۳۳۵۸، ۳۳۵۹، ۳۳۶۰، ۳۳۶۱، ۳۳۶۲، ۳۳۶۳، ۳۳۶۴، ۳۳۶۵، ۳۳۶۶، ۳۳۶۷، ۳۳۶۸، ۳۳۶۹، ۳۳۷۰، ۳۳۷۱، ۳۳۷۲، ۳۳۷۳، ۳۳۷۴، ۳۳۷۵، ۳۳۷۶، ۳۳۷۷، ۳۳۷۸، ۳۳۷۹، ۳۳۸۰، ۳۳۸۱، ۳۳۸۲، ۳۳۸۳، ۳۳۸۴، ۳۳۸۵، ۳۳۸۶، ۳۳۸۷، ۳۳۸۸، ۳۳۸۹، ۳۳۹۰، ۳۳۹۱، ۳۳۹۲، ۳۳۹۳، ۳۳۹۴، ۳۳۹۵، ۳۳۹۶، ۳۳۹۷، ۳۳۹۸، ۳۳۹۹، ۳۴۰۰، ۳۴۰۱، ۳۴۰۲، ۳۴۰۳، ۳۴۰۴، ۳۴۰۵، ۳۴۰۶، ۳۴۰۷، ۳۴۰۸، ۳۴۰۹، ۳۴۱۰، ۳۴۱۱، ۳۴۱۲، ۳۴۱۳، ۳۴۱۴، ۳۴۱۵، ۳۴۱۶، ۳۴۱۷، ۳۴۱۸، ۳۴۱۹، ۳۴۲۰، ۳۴۲۱، ۳۴۲۲، ۳۴۲۳، ۳۴۲۴، ۳۴۲۵، ۳۴۲۶، ۳۴۲۷، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۳۴۳۰، ۳۴۳۱، ۳۴۳۲، ۳۴۳۳، ۳۴۳۴، ۳۴۳۵، ۳۴۳۶، ۳۴۳۷، ۳۴۳۸، ۳۴۳۹، ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۳۴۴۲، ۳۴۴۳، ۳۴۴۴، ۳۴۴۵، ۳۴۴۶، ۳۴۴۷، ۳۴۴۸، ۳۴۴۹، ۳۴۵۰، ۳۴۵۱، ۳۴۵۲، ۳۴۵۳، ۳۴۵۴، ۳۴۵۵، ۳۴۵۶، ۳۴۵۷، ۳۴۵۸، ۳۴۵۹، ۳۴۶۰، ۳۴۶۱، ۳۴۶۲، ۳۴۶۳، ۳۴۶۴، ۳۴۶۵، ۳۴۶۶، ۳۴۶۷، ۳۴۶۸، ۳۴۶۹، ۳۴۷۰، ۳۴۷۱، ۳۴۷۲، ۳۴۷۳، ۳۴۷۴، ۳۴۷۵، ۳۴۷۶، ۳۴۷۷، ۳۴۷۸، ۳۴۷۹، ۳۴۸۰، ۳۴۸۱، ۳۴۸۲، ۳۴۸۳، ۳۴۸۴، ۳۴۸۵، ۳۴۸۶، ۳۴۸۷، ۳۴۸۸، ۳۴۸۹، ۳۴۹۰، ۳۴۹۱، ۳۴۹۲، ۳۴۹۳، ۳۴۹۴، ۳۴۹۵، ۳۴۹۶، ۳۴۹۷، ۳۴۹۸، ۳۴۹۹، ۳۵۰۰، ۳۵۰۱، ۳۵۰۲، ۳۵۰۳، ۳۵۰۴، ۳۵۰۵، ۳۵۰۶، ۳۵۰۷، ۳۵۰۸، ۳۵۰۹، ۳۵۱۰، ۳۵۱۱، ۳۵۱۲، ۳۵۱۳، ۳۵۱۴، ۳۵۱۵، ۳۵۱۶، ۳۵۱۷، ۳۵۱۸، ۳۵۱۹، ۳۵۲۰، ۳۵۲۱، ۳۵۲۲، ۳۵۲۳، ۳۵۲۴، ۳۵۲۵، ۳۵۲۶، ۳۵۲۷، ۳۵۲۸، ۳۵۲۹، ۳۵۳۰، ۳۵۳۱، ۳۵۳۲، ۳۵۳۳، ۳۵۳۴، ۳۵۳۵، ۳۵۳۶، ۳۵۳۷، ۳۵۳۸، ۳۵۳۹، ۳۵۴۰، ۳۵۴۱، ۳۵۴۲، ۳۵۴۳، ۳۵۴۴، ۳۵۴۵، ۳۵۴۶، ۳۵۴۷، ۳۵۴۸، ۳۵۴۹، ۳۵۵۰، ۳۵۵۱، ۳۵۵۲، ۳۵۵۳، ۳۵۵۴، ۳۵۵۵، ۳۵۵۶، ۳۵۵۷، ۳۵۵۸، ۳۵۵۹، ۳۵۶۰، ۳۵۶۱، ۳۵۶۲، ۳۵۶۳، ۳۵۶۴، ۳۵۶۵، ۳۵۶۶، ۳۵۶۷، ۳۵۶۸، ۳۵۶۹، ۳۵۷۰، ۳۵۷۱، ۳۵۷۲، ۳۵۷۳، ۳۵۷۴، ۳۵۷۵، ۳۵۷۶، ۳۵۷۷، ۳۵۷۸، ۳۵۷۹، ۳۵۸۰، ۳۵۸۱، ۳۵۸۲، ۳۵۸۳، ۳۵۸۴، ۳۵۸۵، ۳۵۸۶، ۳۵۸۷، ۳۵۸۸، ۳۵۸۹، ۳۵۹۰، ۳۵۹۱، ۳۵۹۲، ۳۵۹۳، ۳۵۹۴، ۳۵۹۵، ۳۵۹۶، ۳۵۹۷، ۳۵۹۸، ۳۵۹۹، ۳۶۰۰، ۳۶۰۱، ۳۶۰۲، ۳۶۰۳، ۳۶۰۴، ۳۶۰۵، ۳۶۰۶، ۳۶۰۷، ۳۶۰۸، ۳۶۰۹، ۳۶۱۰، ۳۶۱۱، ۳۶۱۲، ۳۶۱۳، ۳۶۱۴، ۳۶۱۵، ۳۶۱۶، ۳۶۱۷، ۳۶۱۸، ۳۶۱۹، ۳۶۲۰، ۳۶۲۱، ۳۶۲۲، ۳۶۲۳، ۳۶۲۴، ۳۶۲۵، ۳۶۲۶، ۳۶۲۷، ۳۶۲۸، ۳۶۲۹، ۳۶۳۰، ۳۶۳۱، ۳۶۳۲، ۳۶۳۳، ۳۶۳۴، ۳۶۳۵، ۳۶۳۶، ۳۶۳۷، ۳۶۳۸، ۳۶۳۹، ۳۶۴۰، ۳۶۴۱، ۳۶۴۲، ۳۶۴۳، ۳۶۴۴، ۳۶۴۵، ۳۶۴۶، ۳۶۴۷، ۳۶۴۸، ۳۶۴۹، ۳۶۵۰، ۳۶۵۱، ۳۶۵۲، ۳۶۵۳، ۳۶۵۴، ۳۶۵۵، ۳۶۵۶، ۳۶۵۷، ۳۶۵۸، ۳۶۵۹، ۳۶۶۰، ۳۶۶۱، ۳۶۶۲، ۳۶۶۳، ۳۶۶۴، ۳۶۶۵، ۳۶۶۶، ۳۶۶۷، ۳۶۶۸، ۳۶۶۹، ۳۶۷۰، ۳۶۷۱، ۳۶۷۲، ۳۶۷۳، ۳۶۷۴، ۳۶۷۵، ۳۶۷۶، ۳۶۷۷، ۳۶۷۸، ۳۶۷۹، ۳۶۸۰، ۳۶۸۱، ۳۶۸۲، ۳۶۸۳، ۳۶۸۴، ۳۶۸۵، ۳۶۸۶، ۳۶۸۷، ۳۶۸۸، ۳۶۸۹، ۳۶۹۰، ۳۶۹۱، ۳۶۹۲، ۳۶۹۳، ۳۶۹۴، ۳۶۹۵، ۳۶۹۶، ۳۶۹۷، ۳۶۹۸، ۳۶۹۹، ۳۷۰۰، ۳۷۰۱، ۳۷۰۲، ۳۷۰۳، ۳۷۰۴، ۳۷۰۵، ۳۷۰۶، ۳۷۰۷، ۳۷۰۸، ۳۷۰۹، ۳۷۱۰، ۳۷۱۱، ۳۷۱۲، ۳۷۱۳، ۳۷۱۴، ۳۷۱۵، ۳۷۱۶، ۳۷۱۷، ۳۷۱۸، ۳۷۱۹، ۳۷۲۰، ۳۷۲۱، ۳۷۲۲، ۳۷۲۳، ۳۷۲۴، ۳۷۲۵، ۳۷۲۶، ۳۷۲۷، ۳۷۲۸، ۳۷۲۹، ۳۷۳۰، ۳۷۳۱، ۳۷۳۲، ۳۷۳۳، ۳۷۳۴، ۳۷۳۵، ۳۷۳۶، ۳۷۳۷، ۳۷۳۸، ۳۷۳۹، ۳۷۴۰، ۳۷۴۱، ۳۷۴۲، ۳۷۴۳، ۳۷۴۴، ۳۷۴۵، ۳۷۴۶، ۳۷۴۷، ۳۷۴۸، ۳۷۴۹، ۳۷۵۰، ۳۷۵۱، ۳۷۵۲، ۳۷۵۳، ۳۷۵۴، ۳۷۵۵، ۳۷۵۶، ۳۷۵۷، ۳۷۵۸، ۳۷۵۹، ۳۷۶۰، ۳۷۶۱، ۳۷۶۲، ۳۷۶۳، ۳۷۶۴، ۳۷۶۵، ۳۷۶۶، ۳۷۶۷، ۳۷۶۸، ۳۷۶۹، ۳۷۷۰، ۳۷۷۱، ۳۷۷۲، ۳۷۷۳، ۳۷۷۴، ۳۷۷۵، ۳۷۷۶، ۳۷۷۷، ۳۷۷۸، ۳۷۷۹، ۳۷۸۰، ۳۷۸۱، ۳۷۸۲، ۳۷۸۳، ۳۷۸۴، ۳۷۸۵، ۳۷۸۶، ۳۷۸۷، ۳۷۸۸، ۳۷۸۹، ۳۷۹۰، ۳۷۹۱، ۳۷۹۲، ۳۷۹۳، ۳۷۹۴، ۳۷۹۵، ۳۷۹۶، ۳۷۹۷، ۳۷۹۸، ۳۷۹۹، ۳۸۰۰، ۳۸۰۱، ۳۸۰۲، ۳۸۰۳، ۳۸۰۴، ۳۸۰۵، ۳۸۰۶، ۳۸۰۷، ۳۸۰۸، ۳۸۰۹، ۳۸۱۰، ۳۸۱۱، ۳۸۱۲، ۳۸۱۳، ۳۸۱۴، ۳۸۱۵، ۳۸۱۶، ۳۸۱۷، ۳۸۱۸، ۳۸۱۹، ۳۸۲۰، ۳۸۲۱، ۳۸۲۲، ۳۸۲۳، ۳۸۲۴، ۳۸۲۵، ۳۸۲۶، ۳۸۲۷، ۳۸۲۸، ۳۸۲۹، ۳۸۳۰، ۳۸۳۱، ۳۸۳۲، ۳۸۳۳، ۳۸۳۴، ۳۸۳۵، ۳۸۳۶، ۳۸۳۷، ۳۸۳۸، ۳۸۳۹، ۳۸۴۰، ۳۸۴۱، ۳۸۴۲، ۳۸۴۳، ۳۸۴۴، ۳۸۴۵، ۳۸۴۶، ۳۸۴۷، ۳۸۴۸، ۳۸۴۹، ۳۸۵۰، ۳۸۵۱، ۳۸۵۲، ۳۸۵۳، ۳۸۵۴، ۳۸۵۵، ۳۸۵۶، ۳۸۵۷، ۳۸۵۸، ۳۸۵۹، ۳۸۶۰، ۳۸۶۱، ۳۸۶۲، ۳۸۶۳، ۳۸۶۴، ۳۸۶۵، ۳۸۶۶، ۳۸۶۷، ۳۸۶۸، ۳۸۶۹، ۳۸۷۰، ۳۸۷۱، ۳۸۷۲، ۳۸۷۳، ۳۸۷۴، ۳۸۷۵، ۳۸۷۶، ۳۸۷۷، ۳۸۷۸، ۳۸۷۹، ۳۸۸۰، ۳۸۸۱، ۳۸۸۲، ۳۸۸۳، ۳۸۸۴، ۳۸۸۵، ۳۸۸

میں ۳۵۵، طبع کراچی

قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو فقر، مرض، غم اور ذلت کی وجہ سے جو مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان مصائب اور شدائد کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور رنج و الم کو اس کے سوا کوئی زائل کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی طرح صحت، دولت، عزت اور اولاد کا بھی صرف وہی دینے والا ہے۔ دنیا اور آخرت میں اس کی سلطنت اور فرمانروائی ہے، اسی کا طلبہ اور ماسی کی کبریائی ہے، بڑے بڑے بادشاہوں اور جابر حکمرانوں کی گردنیں اسی کے سامنے جھکتی ہیں۔ تمام انبیاء، رسل اور فرشتے اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں، سب اسی سے سوال اور دعا کرتے ہیں۔ وہی سب کا داتا ہے اور سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے، وہی کار ساز مطلق ہے اور وہی حقیقی حاجت روا ہے۔ اس لیے اسی کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔

امام ابو یسین محمد بن یسین ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں (ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اپنی تمام حاجت میں اپنے رب سے سوال کرے، حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اپنے رب سے اس کا سوال کرے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۶۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ثابت بن جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے (ہر ایک شخص کو چاہیے کہ دو اپنی حاجت میں اپنے رب سے سوال کرے، حتیٰ کہ نمک کا بھی اس سے سوال کرے اور جب جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی اس سے سوال کرے۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۷۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اگر کسی شخص کی دعا فوراً قبول نہ ہو تو اس کو یوں ہو کر دعا ترک نہیں کرنی چاہیے، بلکہ مسلسل دعا کرتے رہنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اس قدر ہاتھ بلند کرے کہ اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اس کی بظنیں ظاہر ہو جائیں اللہ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے۔ جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! جلدی کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہ میں نے سوال کیا اور میں نے سوال کیا اور مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ وہ کہتا ہے میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۶۱۰، کنز العمال، رقم الحدیث ۳۲۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ یا تو اس کا مطلوب اسے فوراً دنیا میں دے دیا جاتا ہے یا اس کے لیے آخرت میں اس کا اجر ذخیرہ کیا جاتا ہے یا اس دعا کے بہ مقدمہ اس کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ گناہ کی یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور غفلت نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! غفلت کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی اس نے میری دعا قبول نہیں کی۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۶۸۸، صحیح ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث ۳۳۰، صحیح مسلم، ج ۲، رقم الحدیث ۴۷۳۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۳۸۸۳)

۳۸۸۳، سوطا امام مالک، رقم الحدیث ۳۵۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث ۳۰۰۰، طبع جدید، دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا ہے، اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ سوال یہ ہے کہ اس سے

طبہان القرآن

جلد سوم

عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مصائب نازل ہو چکے ہیں اور جو نازل نہیں ہوئے ان سب میں دعا سے نفع ہوتا ہے۔ اے اللہ کے بندو! دعا کیا کرو۔ امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند غریب ہے۔

(سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ مصیبتوں کے وقت اس کی دعا قبول کی جائے اس کو چاہیے کہ راحت کے وقت بہ کثرت دعا کرے۔

(سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۳۹۳، المستدرک رقم الحدیث: ۱۹۹۷)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حیا دارِ کرم ہے۔ وہ اس سے حیا فرماتا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ اٹھائے اور وہ ان ہاتھوں کو نامراد اور خالی لوٹا دے۔

(سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۶۷، سنن ابوداؤد 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۸۸، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۶۵)

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت اور ضرر کو دور نہیں کر سکتا، حالانکہ انسان کبھی خود اپنی کوشش سے مصیبت کو دور کر لیتا ہے، کبھی اس کے دوست اور رشتہ دار اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں، انسان بیمار پڑ جاتا ہے تو ڈاکٹر دوا کے ذریعہ اس کی بیماری اور تکلیف کو دور کر دیتا ہے، قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام عموماً اور اہل بیت علیہم السلام خصوصاً گناہ گاروں کی شفاعت فرما کر ان سے عذاب کی مصیبت کو دور کریں گے، بلکہ آپ نے دو گناہ گاروں کی قبر شاخ کے دو ٹکڑے نصب کر کے ان سے برزخ کا عذاب دور کر دیا۔ (صحیح بخاری ۲۲۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں اور حضرت زید بن معاذ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں لعاب دہن لگایا اور ان سے دنیا کی تکلیف کو دور کر دیا اور وہ شغایاب ہو گئے۔ (شفاء 'ج ۱' ص ۲۳) امام بخاری نے بھی حضرت علی کی آنکھوں کی شفا کی حدیث روایت کی ہے۔ (صحیح البخاری 'ج ۴' رقم الحدیث: ۳۷۷۹) نیز امام بخاری نے حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کی حدیث بھی روایت کی ہے۔ (ج ۵' رقم الحدیث: ۳۲۰۹) اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ ابو رافع یسوی کو قتل کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن جبک گئے اور اس مسم میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(صحیح البخاری 'ج ۵' رقم الحدیث: ۴۰۳۹)

ایسے بہ کثرت واقعات ہیں اسی طرح اولیاء اللہ کی کرامتوں سے بھی لوگوں کی بیماریاں اور ان کے مصائب دور ہو جاتے ہیں اور یہ تمام امور اس آیت کے خلاف ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی قدرت سے اپنے بندوں کے مصائب اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے، اس کے برخلاف لوگ جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ان کی مشکلات میں کام آتے ہیں اور ان کے مصائب کو دور کرتے ہیں، وہ اللہ کی توفیق اور اس کی دی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں اور دونوں میں شفا کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ وہ شخص سبب ہیں شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہے تو بغیر دوا کے شفا دے دے اور اگر وہ نہ چاہے تو کسی دوا سے شفا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور تنگ دستوں کو فنی کرتے ہیں اور ان افعال کی ان کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا تَقْضُوا إِلَّا أَنْ أَعْنَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ (النوبہ: ۷۷) اور ان کو صرف یہ برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

دیکھئے حقیقت میں غنی کرنے والا صرف اللہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ سو معلوم ہوا ایسا کتنا جائز ہے۔ البتہ ایہ اعتقاد ضروری ہے کہ اللہ نے اپنی ذاتی قدرت سے غنی کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے لڑن سے غنی کیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۳) اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) انعام فرمایا۔

ظاہر ہے کہ اللہ نعم حقیقی ہے اور آپ نے اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے لڑن سے انعام فرمایا، مگر اللہ تعالیٰ نے انعام کرنے کی نسبت دونوں کی طرف کی ہے اور حضرت جبرائیل نے حضرت مریم سے کہا

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (مریم: ۱۹) ہوں تاکہ میں آپ کو پاک بیٹا دوں۔ (جبرائیل نے) کہا میں تو صرف آپ کے رب کا فرستادہ

حقیقت میں بیٹا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹا دینے کی نسبت حضرت جبرائیل کی طرف کی ہے، کیونکہ اللہ نے حضرت جبرائیل کو اس کا سبب اور ذریعہ بنایا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بھی بیٹا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حقیقتاً بلا واسطہ اور بالذات مصائب کو دور کرنے والا اور نعمتیں عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے لقون سے مقربان حضرت رب العزت، خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ بھی عذاب اور مصائب کو دور کرتے ہیں اور دنیا اور آخرت میں غنی اور شلو کام کرتے ہیں۔

قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ

آپ کہیے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہیے اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ أَتَيْنَكُمْ

اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک (ایہ پہنچے) کیا تم ضرور

لَتَشْهَدُوا أَنَّ مَعَ اللَّهِ الْآخِرَةَ قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا

یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بہرہ ہیں؟ آپ کہیے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہیے کہ وہ صرف

هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنِّي بِرِئِءٍ مِّمَّا تَشْرِكُونَ ۝۱۹ الَّذِينَ اتَّيْنَهُم

ایک مستحق عبادت ہے اور بیشک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو جن لوگوں کو ہم نے کتاب

الْكِتَابِ يَعْزِفُونَ كَمَا يَعْزِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ خَسِرُوا

دی ہے وہ اس (نبی) کو لپٹنے بیٹوں کی طرح بہانے ہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا

أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۲۰

سو وہ ایمان نہیں لائیں گے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہئے اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے کیا تم ضرور یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؟ آپ کہئے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہئے کہ وہ صرف ایک مستحق عبادت ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔ (الانعام: ۱۹)

ان لوگوں کی تفصیل جن کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ کو آپ کے سوار رسول بنانے کے لیے اور کوئی نہیں ملا ہمیں کوئی شخص نہیں ملا جو آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کرے۔ ہم نے یہود اور نصاریٰ سے آپ کے رسول ہونے کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کی نبوت کی گواہی کون دے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آپ کہئے: کہ کس کی گواہی سب سے بڑی

ہے؟ آپ کہئے 'اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے' کیونکہ سب سے بڑی گواہی اللہ سبحانہ کی ہے اور جب وہ اس کو مان لیں تو آپ بتائیں کہ میری نبوت پر اللہ گواہ ہے۔ کیونکہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے اور یہ قرآن مجزہ ہے کیونکہ تم فصحاء اور بلغاء ہو اور تم اس قرآن کا معارضہ کرنے اور اس کی نظیر لانے سے عاجز رہے ہو اور جب یہ قرآن مجزہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا اس قرآن کو مجھ پر نازل کرنا میرے دعویٰ نبوت کے موافق ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے نبی ہونے کی شہادت ہے۔ اور یہ اس آیت کا معنی ہے 'اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں (اور ان کو) جن تک یہ پہنچے۔'

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری طرف سے تبلیغ کرو 'خواہ ایک آیت ہو۔ اور بنو اسرائیل سے احادیث بیان کرو' کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے مجھ پر عداوت پاندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۷۷، سنن ترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۷۸، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۷۳۹۱، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۷۵۶)

جن لوگوں کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی 'نبی ﷺ نے ان کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ جریڈی: نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس ہدایت اور علم کو دے کر مجھے بھیجا ہے 'اس کی مثل اس بارش کی طرح ہے جو کسی زمین پر برسی 'ان میں سے بعض زمینیں ذرخیز تھیں۔ انہوں نے پانی کو قبول کر لیا اور تر اور خشک گھاس کو اگایا اور بعض غیر ذری زمینیں تھیں 'ان میں پانی جمع ہو گیا' اللہ نے ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ انہوں نے پانی پیا 'اپنے مویشیوں کو پلایا اور کھیتوں کو پانی دیا اور ایک نور زمین کی قسم پر بارش ہوئی جو غیر غمی 'اس نے پانی جمع کیا' نہ کچھ اگایا۔ یہ مثل ہے اس شخص کی جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے جو دین دے کر مجھے بھیجا ہے 'اس سے نفع پایا۔ اس نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور یہ مثل ہے اس شخص کی جس نے اس دین کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

پہلی مثل کے صدق ائمہ مجتہدین ہیں 'دوسری مثل کے صدق محدثین ہیں اور تیسری مثل کے صدق کفار اور منافقین ہیں۔

بعض روایات میں مذکور ہے جس شخص کے پاس کتاب اللہ کی ایک آیت پہنچ گئی اس کے پاس اللہ کا حکم پہنچ گیا 'خواہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ متاثر لے گا جن لوگوں میں سے جس کے پاس قرآن پہنچ گیا وہ اس کو ڈرانے والا ہے۔ اور قرطبی نے کہا جس کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا کہ اس نے سیدنا محمد ﷺ کو دیکھا اور آپ سے ملے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲، ص ۲۱۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۸۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابو نعیم دغیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا اس نے مجھ سے بالشفاء ملے۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے آپ کہئے کہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے 'تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور ان لوگوں کو جن تک یہ قرآن پہنچے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن لوگوں

تک احکام شرعیہ نہیں پہنچے ان سے احکام شرعیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قبیلے لائے گئے۔ آپ نے پوچھا تم نے ان کو اسلام کی دعوت دی ہے؟ صحابہ نے فرمایا نہیں آپ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے نیز یہ آیت بھی اس مطلوب پر دلیل ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى تَبْعَثَ رَسُولًا
ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک
(الاسراء: ۸۵) کہ رسول نہ بھیج دیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے آپ کہئے کہ وہ صرف ایک مستحق عبادت ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے صرف کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ اپنے پچھلے دین کے باطل ہونے کا اعتراف اور اقرار کرے اور اس سے برائت اور بیزاری کا اظہار کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتب دی ہے وہ اس (نبی) کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۳۰)
اہل کتاب کا نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتا

اس سے پہلی آیت کے شان نزول میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ کفار نے یہ کہا تھا کہ ہم نے آپ کی نبوت کے متعلق یہود و نصاریٰ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کا ایک جواب اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں دیا کہ سب سے بڑی گواہی تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور آپ کی نبوت پر اللہ گواہ ہے اور دوسرا جواب اس آیت میں دیا کہ اہل کتاب کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ آپ کی نبوت کو نہیں پہچانتے بلکہ وہ اپنے بیٹوں کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا آپ کو پہچانتے ہیں۔
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ اہل کتاب میں سے جو مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے کہا یہ خدا ہم نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتے تھے کیونکہ ہماری کتاب میں آپ کی صفت اور شہادت مذکور ہے اور رہے ہمارے بیٹے تو ہم نہیں جانتے کہ ہماری بیویوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۸۵ھ)
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ نبی ﷺ مدینہ تشریف لے آئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے متعلق سوال کروں گا جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (۱) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت پہلے کون سا طعام کھائیں گے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ابھی ان چیزوں کی جبرائیل نے خبر دی ہے۔ عبد اللہ نے کہا فرشتوں میں وہ یہودیوں کا دشمن ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی پہلی علامت ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی اور اہل جنت جو طعام سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اور بچے کی مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد عورت سے عمل تزویج کرتا ہے تو اگر مرد کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر

عورت کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ عبد اللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر کہنا یا رسول اللہ! یسود کو اگر میرے اسلام قبول کرنے کا علم ہو گیا تو وہ مہسوت ہو جائیں گے۔ سو یسود آئے اور عبد اللہ گھر میں چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا عبد اللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں اور ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے افضل کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر عبد اللہ اسلام لے آئیں تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اس کو اس سے پہلے میں رکھے۔ تب حضرت عبد اللہ بن سلام جہیز ان کے سامنے آئے اور کہا "اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ" تو انہوں نے کہا یہ ہم میں سب سے بدتر شخص ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۲۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ابو حمزہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت نازل کی ہے کہ اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ بتاؤ! یہ معرفت کیسی تھی؟ حضرت ابن سلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی صفت اور نعت بیان کی ہے، ہم آپ کو اس صفت اور نعت سے پہچانتے تھے۔ جب ہم نے آپ کو تسمارے درمیان دیکھا تو ہم نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کو دوسرے لڑکوں کے درمیان پہچان لیتا ہے اور اللہ کی قسم! مجھے سیدنا محمد ﷺ کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کی ماں کیا کرتی رہی تھی؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔

(روح البانی، جزء ۷، ص ۱۲۰، مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ معرفت دلائل سے حاصل ہوئی تھی، کیونکہ نبی ﷺ مسلسل غیب کی خبریں بیان فرماتے تھے اور غیب پر مطلع ہونا بدوں وحی کے متصور نہیں تھا۔ نیز آپ سے متواتر معجزات کا ظہور ہو رہا تھا اور سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم تھا۔ اس لیے جو شخص بھی ان دلائل میں غور کرتا اسے آپ کی نبوت کا عرفان ہو جاتا، اولاد کے نسب کے متعلق کوئی علمی اور عقلی دلیل نہیں تھی اور آپ کی نبوت کے بارے میں بہت دلائل تھے، اور یہ صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی علامات سے آپ کو پہچان لیا تھا۔ کیونکہ اول تو ان کی کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی اور ثانیاً وہ علامات شرق و غرب میں پھیلے ہوئے سب یہودیوں کو کب معلوم تھیں کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی ان علامات کو آپ پر منطبق کر لیتے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۲۰)

کفار کے اخروی نقصان کا معنی

یعنی جو لوگ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو پہچانتے تھے، اس کے بلوجود انہوں نے علواً آپ کی نبوت کا انکار کیا۔ اس انکار سے انہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا، کیونکہ ان کو اب دو رخ میں ڈال دیا جائے گا۔ خسارہ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے ایک جنت بنائی ہے، تاکہ اگر وہ ایمان لے آئے تو اس کو اس جنت میں داخل کر دیا جائے، اور اس کے لیے ایک دو رخ بنائی ہے، تاکہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کو دو رخ میں ڈال دیا جائے، اور قیامت کے دن کافروں کی جنتیں مسلمانوں کو دے دی جائیں گی اور مسلمانوں کی دو زخیں کافروں کو دے دی جائیں گی اور یہ کافروں کا نقصان ہے کہ اپنی جنتیں ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گی اور اس کے بدلہ میں دو زخیں ملیں گی اور مسلمانوں کو اپنی جنتیں بھی ملیں گی اور وہ کافروں کی جنتوں کے بھی وارث ہوں گے، اس لیے مومنوں کے متعلق فرمایا ہے:

أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرْتَوُونَ
الْمَرْدُونَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝
وہی وارث ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے
اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
(السومون: ۸۰-۸۱)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے، بیشک ظالم

لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

فلاح نہیں پائیں گے ۝ اور میں دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے

أَشْرَكُوا آيِنَ شُرَكَائِكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٧﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ

تہائے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنہ کرتے تھے ۝ پھر وہ مرت ہی تھے

فَتَنَّهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٨﴾ أَنْظِرْ

انہیں گے کہ کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے ۝ دیکھیے انہوں نے

كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٩﴾

اپنے اور پر کیا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے ۝

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ

يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَإِنْ يَرَوْا كَلِمًا إِلَيْهِ لَا يُؤْمِنُوهَا

آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کان میں گرانی پیدا کر دی ہے، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا

حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو معنی پہلے لوگوں کا

إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٠﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ

تھہ کہانی ہے ۝ اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں اور

إِنْ يَهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۱﴾

مرن اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کا شور نہیں رکھتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے ہے۔
تک ظالم نکاح نہیں پائیں گے۔ (الانعام: ۳۱)

یسود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے بہتانوں کی تفصیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے دو ظلم بیان فرمائے ہیں۔ ایک ظلم ہے اللہ پر جھوٹا بہتان لگانا اور دوسرا ظلم ہے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا۔ اللہ پر جھوٹا بہتان لگانے کی تفصیل یہ ہے کہ کفار کہہ دیتے تھے کہ یہ بت اللہ کے شریک ہیں اور اللہ سبحانہ نے ان کی عبادت کرنے اور ان کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے نیز کفار کہہ دیتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے بحیرہ 'سامہ' حای اور وسیلہ سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا تھا اور وہ اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یسود و نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی شریعتیں غیر منسوخ ہیں اور ان کے نبیوں کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور خصوصاً یسود یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں اور دونوں کی آگ ہمیں صرف چند دن جلانے کی اور ان میں سے بعض جلاء یہ کہتے تھے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں اور خصوصاً نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور یسود و نصاریٰ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا دعویٰ دار تھا کہ ان کے سوا اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

ان کا دوسرا ظلم اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے ثبوت پر اللہ تعالیٰ نے جو معجزات ظاہر فرمائے یسود و نصاریٰ اور مشرکین نے ان کو جھٹلایا اور قرآن مجید جو نبی ﷺ کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ ہے باوجود اس کے کہ وہ اس کی نظیر لانے کے چیلنج کو پورا نہیں کر سکے انہوں نے اس کو کھلا جھوٹ کہا کبھی شعر و شاعری کہا اور کبھی گزرے ہوئے لوگوں کی داستان کہا اور کبھی کہنا یہ محض ان کے خیالات ہیں۔ انہوں نے اس کے کلام الہی ہونے کا انکار کیا اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنہ کرتے تھے؟ پھر وہ صرف یہی کہہ اٹھا کہیں گے کہ کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھئے انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے۔

(الانعام: ۲۳-۲۴)

روز قیامت مشرکین کی ناکامی اور ناکامی

اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ملامت کرنے اور ان کی مذمت کرنے کے لیے ان سے سوال فرمائے گا تمہارے وہ شرکاء اور جھوٹے معبود اور پتھر کی مورچیاں کہاں ہیں جن کے حلق تم دنیا میں یہ ذمہ کرتے تھے کہ یہ تمہارے کارساز ہیں اور مددگار ہیں اور وہ تمہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری شفاعت کر کے تمہیں عذاب سے چھڑالیں گے اب وہ کہاں ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ اس کی نظیر آیتیں ہیں:

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ
الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (القصاص: ۲۳)
وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُفَّيْنِ رَعْمَنُ
أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءَ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ
صَلَّ عَنكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (الانعام: ۲۴)

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو ندا کرے فرمائے گا میرے وہ
شرکاء کہاں ہیں جن کو تم (میرا شریک) زعم کرتے تھے۔
ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارش کرنے والوں کو
نہیں دیکھ رہے جن کے حلق تم یہ زعم کرتے تھے کہ وہ
تمہارے کاموں میں (ہمارے) شریک ہیں، بے شک تمہارا
(خود ساختہ) ربط ٹوٹ گیا اور تم دنیا میں جو زعم کرتے تھے وہ
ٹوٹ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں جہاں بھی زعم کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ہے جموعاً قول۔
جب اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرنے کے لیے یہ سوال فرمائے گا تو وہ اس کے جواب میں حیران اور پریشان ہوں گے اور کوئی صحیح
اور معقول جواب ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا اور اس کے سوا انہیں کوئی بات نہیں سونجھے گی کہ وہ دنیا میں اپنے کیے ہوئے
شرک کا انکار کر دیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی مغفرت اور بخشش ہوتی ہے تو وہ کہیں گے کہ ہم
بھی مشرک نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو بخش دے گا اور اس کے
نزدیک ان کا کوئی گناہ بھاری نہیں ہوگا۔ جب مشرکین یہ ماجرا دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش رہا ہے اور
شرک کو نہیں بخش رہا، آؤ ہم بھی یہ کہیں کہ ہم گناہ گار ہیں، مشرک نہیں ہیں۔ جب وہ اپنے شرک کو چھپائیں گے تو ان کے
سونسوں پر مرگ جائے گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے، اس وقت مشرکین یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ
تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَوْمَ يُدْعَىٰ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَعْصُوا الرُّسُلَ
لَتُؤْتَوْهُمُ الْأَرْضَ وَلَا يَكْنُفُونَ اللَّهَ
حَدِيثُ بَشَا (النساء: ۳۲)
جن لوگوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، اس دن وہ
تینا کریں گے، کاش ان پر زمین ہوار کر دی جائے اور وہ اللہ
سے کوئی بات چھپانہ سکیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا یہ آیت منافقین کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۸۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں
گے؟ آپ نے فرمایا کیا دہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو سورج کو دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں! آپ
نے فرمایا چودھویں رات کو جب بادل نہ ہوں تو کیا چاند کو دیکھنے سے تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں۔ آپ
نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تمہیں اپنے رب کو دیکھنے میں صرف اتنی تکلیف ہوگی جتنی
تکلیف تم کو سورج یا چاند کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا
اے فلاں! کیا میں نے تجھ کو عزت اور سرداری نہیں دی؟ کیا میں نے تجھے زوجہ نہیں دی اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور
اونٹ مسخر نہیں کیے اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا اور بندہ کہے گا کیوں نہیں اللہ تعالیٰ فرمائے
گا کیا تو یہ گلن کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا ہے جس
طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسرے بندہ سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو عزت اور سیادت نہیں

دی؟ کیا میں نے تجھ کو زوجہ نہیں دی؟ کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے؟ اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا؟ وہ شخص کے گائیکوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو یہ ممکن کرتا تھا کہ تو مجھ سے لٹنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندہ کو بلا کر اس سے اسی طرح فرمائے گا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھ پر تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا میں نے نماز پڑھی روزہ رکھا اور صدقہ دیا اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنی نیکیاں بیان کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابھی پتا چل جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا ہم ابھی تیرے خلاف اپنے گواہ بھیجتے ہیں وہ بندہ اپنے دل میں سوچے گا میرے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی زبان اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کھائی جائے گی تم بولنا پھر اس کی زبان اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعضاء بیان کریں گی اور یہ اس لیے کیا جائے گا کہ خود اس کی ذات میں اس کے خلاف حجت قائم ہو۔ یہ وہ منافق ہو گا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا۔

(صحیح مسلم، المیزان، ۱۲: ۲۹۶۸) ۷۳۰۳ سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۳۰

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے انہوں نے اپنے لوہے کیسا جھوٹ بنا دیا مشرکین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ بتوں کی عبادت ہمیں اللہ کے قریب کر دیتی ہے اور منافقین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے جھوٹے عذر پیش کئے اور اپنے خالق کا انکار کیا۔

پھر فرمایا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء بنا دیتے تھے وہ سب گم ہو گئے یعنی دنیا میں ان کا جو یہ ممکن تھا کہ ان کے بعد ان کی شفاعت کریں گے وہ باطل ہو گیا۔ یا اللہ کو چھوڑ کر وہ جن بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ ان کے کسی کام نہ آ سکے اور ان سے کسی عذاب کو دور نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کلن لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرائی پیدا کر دی ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے۔ (الانعام: ۲۵)

شان نزول

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، منصور بن الحارث، عتبہ بن شیبہ بن ربیعہ کے دونوں بیٹے، امیہ اور ابی بن خلف۔ رسول اللہ ﷺ کی باتیں کلن لگا کر سن رہے تھے تو انہوں نے منصور سے کہا اے ابو قتیبہ (سیدنا) محمد ﷺ کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے میرے اور ان کے کلام سننے کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ میں صرف ان کے ہونٹ ہٹتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ پچھلے لوگوں کی داستانیں ہیں جیسا کہ میں تمہیں گزرے ہوئے لوگوں کی داستانیں سناتا ہوں۔ اور منصور پچھلے لوگوں کے قصے بہت زیادہ بیان کرتا تھا۔ وہ قریش کو واقعات بیان کرتا تھا اور وہ اس کی باتیں غور سے سنتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(اسباب النزول، ۲۱: ۲۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کفار کے کانوں پر ڈاٹ لگانے پر اعتراضات کے جوابات

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرائی پیدا کر دی ہے اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے کانوں میں ڈاٹ (گرائی) تھی اور ان کے دلوں پر پردے تھے تو چاہیے تھا کہ وہ کوئی بات نہ سنتے اور کسی بات کو نہ سمجھتے۔ مگر ان کے دلوں کی باتیں سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ وہ نبی ﷺ کی باتوں کو نہیں سنتے تھے اور نہ سمجھتے تھے تو اس کے معارض اس آیت کا آخری حصہ ہے جس میں فرمایا ہے جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے کلام کو سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے البتہ مانتے نہیں تھے۔

اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ سننے سے مقصود یہ تھا کہ وہ سن کر اس سے نفع حاصل کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور سمجھنے سے مقصود یہ تھا کہ وہ اس میں غور و فکر کر کے صحیح نتیجہ نکالتے اور یہ اعتراف کر لیتے کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے اور کوئی انسان اس کی نظیر نہیں لاسکتا اور نبی ﷺ کی نبوت کو مان لیتے اور جب انہوں نے سننے اور سمجھنے کے مقصود کو پورا نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرائی پیدا کر دی ہے پھر اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت کفار کی مذمت میں وارد ہوئی ہے اور جب ان کے کانوں میں اللہ نے گرائی رکھی ہے اور ان کے دلوں میں اللہ نے پردے ڈال دیئے ہیں تو وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہوئے پھر ان کی مذمت کی کیا وجہ ہے؟ وہ سراسر اعتراض یہ ہے کہ جب ان کے کانوں میں اللہ نے ڈاٹ لگادی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تو اب ان کا ایمان لانا ممکن نہیں رہا پھر ان کو ایمان لانے کا ملکت کرنا کس طرح درست ہو گا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ تَعَالَىٰ الْإِيمَانُ لَا تَسْعَىٰ الْإِيمَانُ لَكَ شَيْئًا ۚ لَئِيَّا تَتَذَكَّرَ ۚ (البقرہ: ۱۷۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کافروں نے اپنے عمل اور بغض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایسی شدید گستاخی کی جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حق کو سننے کے لیے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی اور حق کو سمجھنے کے لیے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (النساء: ۵۵)

بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی۔

ذَلِكَ بِمَا كَانُوا أَكْثَرُ كُفْرًا ۚ فَطَمَعُوا عَلَىٰ

یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا سو ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

فَلَوْ بِهَيْمَ قَتَلُوا لَافْتَقَهُوْنَ (الصفہ: ۳۰)

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ حسی طور پر ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی تھی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کفر اور معصیت کو اچھا جاننے اور ایمان اور اطاعت کو برا جاننے کے خوگر اور علوی ہو گئے تھے کیونکہ اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے اور دلائل میں صحیح طریقہ سے غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان میں گمراہی اس قدر رائج ہو چکی تھی کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں انکار کی ایسی حالت پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان میں حق بخند نہیں ہو سکتا تھا اور ان کے کانوں میں ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ حق بات کو سنا نہیں بہت ناگوار ہوتا تھا اور ان کے دلوں اور کانوں میں اس کیفیت کا پیرا کرنا ان کو کفر اور گمراہی پر مجبور کرنا نہیں تھا بلکہ انہوں نے اپنے اختیار سے دلائل میں غور و فکر کرنے کی بجائے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کو جو اختیار کیا تھا یہ اس کی سزا اور تعزیر تھی تو چونکہ ہر ممکن اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتا ہے اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ

نے پیدا کیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرائی رکھی ہے اور چونکہ اس کو پیدا کرنے کا سبب ان کافروں کا اپنا ارادہ، اختیار اور کسب تھا، اس وجہ سے ان کی مذمت فرمائی اور آیت سے قطع نظر کر کے فی نفسہ ان کا ایمان لانا ممکن ہے، اس لیے ان کو ایمان کا حکمت کرنا بھی صحیح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور مستح باغیر ہے۔

دو سراجواب یہ ہے کہ کفار از روہ تکبر خود کہتے تھے ہم آپ کی بات نہیں سنتے۔ آپ کی باتیں سننے کے لیے ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور آپ کے اور ہمارے درمیان مضبوط پردہ حائل ہے۔

بشارت دیجاتا ہوں اور ڈراتا ہوں! سو اکثر کافروں نے منہ پھیر لیا پس وہ نہیں سمجھتے ○ اور انہوں نے کہا جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو ہمارے دلوں میں اس کے لیے پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضبوط حجاب ہے تو آپ اپنا کام کریں بے شک ہم اپنا کام کر

کفار یہ ظاہر کرتے تھے کہ رسول کا کلام ان کے سننے کے قابل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا نہیں بلکہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تم کو ہمارے رسول کا کلام سنایا جائے، تو جس طور سے انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے کانوں میں ڈالتا ہے اور ہمارے دلوں پر پردے ہیں، اسی طور سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے کانوں میں ڈالتا ہے اور تمہارے دلوں پر پردے ہم نے ڈالے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب کافروں نے حق کو سننے اور اس کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے دلائل میں غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کیا اور اپنے باپ دلو کی اندھی تقلید پر اصرار کیا ' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس انکار اور اعراض کی حالت کو اس شخص کے دل سے تشبیہ دی جس کے دل پر پردے ہوں اور اس کے کانوں میں گرائی ہو ' سو اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقتاً ان کے دلوں پر اللہ نے پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق سے ان کی مسلسل روگردانی ایسی ہے جیسے ان کے دلوں پر پردے ہوں اور ان کے کانوں میں گرائی ہو ' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِي أُذُنِهِ غُصْرًا ۚ أَلَمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِي أُذُنِهِ غُصْرًا ۚ أَلَمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِي أُذُنِهِ غُصْرًا ۚ أَلَمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِي أُذُنِهِ غُصْرًا ۚ

اور جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اس نے تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لی ' گویا اس نے سنائی نہیں جیسے اس کے کانوں میں گرائی ہے۔

سورۃ بقرہ کی آیت حتم اللہ علیٰ قلوبہم کی تفسیر میں میں نے اس پر مفصل لکھا ہے۔ وہاں پر میں نے صرف پہلے جواب کو زیادہ تفصیل اور وضاحت سے لکھا ہے اور یہاں پر دو مزید جواب ذکر کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں۔ وہ صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ۲۶)

ایمان ابو طالب کی تحقیق

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ کفار لوگوں کو نبی مہدیؑ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے سے

روکتے ہیں اور آپ سے دور بھاگتے ہیں یا وہ لوگوں کو قرآن مجید کے سننے اور اس کو ماننے سے روکتے ہیں اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور وہ اس طرز عمل سے صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے۔ اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابو طالب 'نبی مجید' کو ایذا پہنچانے سے لوگوں کو منع کرتے تھے اور خود آپ کی نبوت پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے سے دور رہتے تھے یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے اور ان کے علاوہ قاسم بن معصومہ اور عطاء بن دینار سے بھی ماثور ہے۔

(جامع البیان '۷۲' ص ۲۲۹-۲۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتے تھے اور خود نبی ﷺ کے لئے ہوئے دین سے دور رہتے تھے۔ یہ عطاء بن دینار اور قاسم بن معصومہ کا قول ہے اور متاقل نے کہا کہ ابو طالب کے پاس نبی ﷺ تشریف فرما تھے آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو قریش ابو طالب کے پاس جمع ہو گئے اور یہ مطالبہ کیا کہ نبی ﷺ کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں ابو طالب نے چند اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ لوگوں سے آپ کا قطع کرتے ہیں اور خود آپ کی تصدیق سے دور رہتے ہیں۔

(اسباب النزول ص ۲۱۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ان روایات کے مطابق ابو طالب کا ایمان اور اسلام ثابت نہیں ہے اور حسب ذیل احادیث اس کی موید ہیں۔

ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب کے والد جزیہ بیان کرتے ہیں جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آپہنچا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ابو طالب کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی اسیہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے چچا! ایک بار "لا الہ الا اللہ" کہو تو میں تمہارے حق میں اسلام کی گواہی دوں گا۔ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی اسیہ کہنے لگے "اے ابو طالب! کیا تم اپنے باپ عبد المطلب کی ملت کو چھوڑ رہے ہو؟" رسول اللہ ﷺ مسلسل ابو طالب کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کرتے رہے۔ بہر حال ابو طالب نے جو آخری الفاظ کہے وہ یہ تھے میں اپنے باپ عبد المطلب کی ملت پر ہوں اور "لا الہ الا اللہ" کہنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ خدا میں اس وقت تک تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے روک نہ دے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ) نبی اور مسلمانوں کے لیے مشرکین کی مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں۔ خواہ وہ ابن کے رشتہ دار کیوں نہ ہوں جبکہ ابن کا جنسی ہونا معلوم ہو چکا ہو (التوبہ: ۴۳) اور ابو طالب کے بارے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی (ترجمہ) ہر وہ شخص جس کو آپ چاہیں آپ اس میں ہدایت جاری نہیں کر سکتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت پیدا فرما دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے بخوبی واقف ہے۔ (التقصص: ۵۶)

(صحیح مسلم 'الایمان' ۳۹، 'صحیح البخاری' ج ۲، رقم الحدیث ۳۶۷۵، سنن الترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث ۲۰۴۵، سنن کبیری

ترمذی 'رقم الحدیث ۸۳۸۳

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا "لا الہ الا اللہ" پڑھیں۔ میں قیامت کے دن آپ کے حق میں اس کی گواہی دوں گا۔ ابو طالب نے کہا اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ یہ

بے مبری کی وجہ سے مسلمان ہو گیا تو میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ کرتا ہے۔ (القصاص: ۵۶)

(صحیح مسلم للایمان: ۳۲ (۳۵) صحیح ابودری: ج ۲، رقم الحديث: ۴۷۷۲ سنن ترمذی: ج ۵، رقم الحديث: ۳۸۹۹ مسند احمد: ج ۲، رقم الحديث: ۹۷۱۱ صحیح ابن حبان: رقم الحديث: ۷۷۰۷ دلائل النبوة للسیوطی: ج ۲، ص ۳۲۵-۳۲۳)

حضرت عباس بن عبد المطلب نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ نے اپنے چچا سے کس عذاب کو دور کیا؟ وہ آپ کی طرف سے رالت کرتے تھے آپ کی خاطر قطبناک ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ (صحیح ابودری: ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۸۳ صحیح مسلم للایمان: ۳۵۷ (۳۰۹) ۵۰۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا نبی ﷺ کے سامنے ابوطالب کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو نفع پہنچے گا اس کو تھوڑی سی آگ میں ڈالا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہو گا۔ (صحیح ابودری: ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۸۵ صحیح مسلم للایمان: ۳۶۰ (۳۰۱) ۵۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے کم دوزخ کا عذاب ابوطالب کو ہو گا اس کو آگ کی دو جوتیاں پستلی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہو گا۔

(صحیح مسلم للایمان: ۳۳۷ (۳۳۱) ۵۰۳ صحیح ابودری: ج ۶، رقم الحديث: ۷۵۶ سنن ترمذی: ج ۴، رقم الحديث: ۲۷۳۳ مسند احمد: ج ۶، رقم الحديث: ۱۸۳۱۸ صحیح ابن حبان: ج ۲، رقم الحديث: ۷۳۷۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہو گا جس کے پیروں کے ٹکڑوں میں دو انگارے ہوں گے جس سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہو گا جس طرح پتیل کی دیکھی میں پانی کھولتا ہے۔ (صحیح مسلم للایمان: ۳۳۷ (۳۳۱) ۵۰۵ صحیح ابودری: ج ۶، رقم الحديث: ۷۵۶)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ کا بوڑھا گمراہ چچا فوت ہو گیا اس کو زمین میں کون دفن کرے گا؟ آپ نے فرمایا جاؤ اپنے باپ کو زمین میں دفن کر دو۔ (سنن ابوالحسنی: ج ۲، رقم الحديث: ۲۰۰۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ابوطالب فوت ہو گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ میں نے عرض کیا وہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ جب میں دفن کر کے نبی ﷺ کے پاس واپس آیا تو آپ نے فرمایا غسل کرو۔

(مسند احمد: ج ۱، ص ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۳، ۹۷، طبع قدیم دلائل النبوة للسیوطی: ج ۲، ص ۳۳۸)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب ابوطالب فوت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر کہا آپ کا بوڑھا چچا جو کافر تھا وہ فوت ہو گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۳، ص ۲۲۸ مطبوعہ کراچی: ۱۳۰۶)

امام ابو بکر احمد بن حسین یحییٰ متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا قرآن مجید کی آیت لورہ لوگوں کو (انہیں ایذا پہنچانے سے) منع کرتے ہیں اور خود

ان سے دور رہتے ہیں (الانعام: ۲۶) ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتا تھا اور آپ کے لائے ہوئے دین سے دور رہتا تھا۔ (دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۴ مطبوعہ بیروت)

ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین کے مذاہب کی تصریحات التوبہ: ۱۳ کی تفسیر میں علامہ سید محمود آلوسی خلی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ امام احمد، امام ابن ابی شیبہ، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن منذر اور امام بیہقی نے مسیب بن حزن سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت اس کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا اے چچا! لا الہ الا اللہ کو، میں اللہ کے نزدیک اس کلمہ سے جنت پکڑوں گا ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا اسے ابوطالب اکیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ اس پر ”لا الہ الا اللہ“ پیش کرتے رہے اور ابو جہل اور عبد اللہ اس کو اس کلمہ کے خلاف بھڑکاتے رہے، آخر میں ابوطالب نے کہا وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے اور ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے انکار کر دیا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

حسین بن فضل نے یہ کہا ہے کہ ابوطالب کی موت ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے، اور یہ سورت مدینہ میں آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس حدیث کو اس آیت کا شان نزول قرار دینا مستبعد ہے۔ علامہ واحدی نے کہا یہ اعتبار خود مستبعد ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ ابوطالب کی موت کے بعد اس کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے ہوں۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں یہ آیت نازل ہوئی، کیونکہ کفار کے ساتھ سختی کرنے کی آیات مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس تاویل کی بنا پر حدیث کا معنی یہ ہوگا، اس لیے اللہ نے یہ آیت نازل کی، یہ معنی نہیں ہوگا اس کے بعد یہ آیت نازل کی اور فاسرل میں ماسببت کے لیے ہوگی، نہ کہ حقیق کے لیے اکثر علماء نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے اور یہ ہے بھی عمدہ توجیہ۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام ابن سعد اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابوطالب کی موت کے بعد کئی دن تک نبی ﷺ اس کے لیے استغفار کرتے رہے، حتیٰ کہ خیرائل اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے۔ دو سراجواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ سورہ توبہ کی یہ آیت مکہ میں پہلے نازل ہوئی ہو اور باقی آیات بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی ہوں اور اس سورت کو باعتبار غالب کے مدنی کہا جاتا ہو۔ بہر حال یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ ابوطالب کفر پر مرا اور یہی اہل سنت و جماعت کا معروف مذہب ہے۔

امام ابن اسحق نے اپنی سیرت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں یہ ہے کہ ابوطالب کے مرض الموت میں نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ اے چچا! آپ ”لا الہ الا اللہ“ کہیں تاکہ قیامت کے دن آپ کے لیے میری شفاعت جائز ہو، اور نبی ﷺ نے یہ اصرار ترغیب دی۔ ابوطالب نے کہا یہ خدا اے بھتیجے! اگر مجھے یہ خدا نہ ہو تاکہ میرے بعد قریش تم پر اور تمہارے باپ کی اولاد پر طاقت کریں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور میں صرف تمہاری خوشی کے لیے یہ کلمہ پڑھتا۔ جب ابوطالب پر موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹ مل رہے تھے انہوں نے کان لگا کر سنا اور حضور سے کہا اے بھتیجے! تم نے اسے جس کلمہ کو پڑھنے کے لیے کہا تھا اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں سنا۔ (البدایہ والنہایہ)

ج ۳ ص ۳۳) اس روایت سے ابوطالب کے جو اشعار حضور کی مدح میں مشہور ہیں "ان سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ابوطالب مومن تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان اشعار کی سند منقطع ہے "علاوہ ازیں ان اشعار میں ابوطالب کے ایمان ماننے کی تصریح نہیں ہے۔ یہی یہ روایت تو یہ شیعہ کی روایت ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے "علاوہ ازیں اس روایت میں بھی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا "میں نے نہیں سنا۔"

امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے "اور حضرت عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں "اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے ابوطالب کی عاقبت کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ابوطالب کو کیا نفع پہنچایا؟ وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف روایت اس صحیح حدیث سے تصادم کی قوت نہیں رکھتی۔ (دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۳۶)

باقی ابوطالب نے جو رسول اللہ ﷺ کی مدد اور نصرت کی تو وہ دین اسلام کی محبت میں نہیں کی بلکہ نسب اور قرابت کی وجہ سے کی "اور اہتمام دینی محبت کا ہے "نسبی محبت کا نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کے شدید اصرار کے بعد بھی ابوطالب نے ایمان نہ لا کر آپ کو سخت اذیت بھی تو پہنچائی ہے "تاہم ابوطالب کے کفر کے باوجود اس کی اس طرح مذمت نہ کی جائے جس طرح ابو جہل اور دیگر کفار کی مذمت کی جاتی ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۲-۲۳ مطبوعہ بیروت)

امام رازی شافعی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے لیے استغفار کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے "کیونکہ وہ مشرک تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۵ طبع قدیم دار الفکر بیروت)

حافظ ابن کثیر شافعی نے اس آیت کی تفسیر میں اہل بیت کے حوالے سے ابوطالب کے ایمان نہ لانے کو بیان کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶۰ مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت)

علامہ قرطبی مالکی نے بھی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۳۲۷-۳۲۸)

علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی النبی المتونی ۷۵۹ھ کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(ازاد المسیر ج ۳ ص ۵۰۷-۵۰۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متونی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید "امام مسلم" امام ترمذی "امام ابن ابی حاتم" امام ابن مردودہ اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب پر موت آنے لگی تو اسکے پاس نبی ﷺ تشریف لے گئے اور فرمایا اے چچا "لا الہ الا اللہ" کہنے میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کی ملامت کا خدشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَئِنْ آلَ اللَّهِ
بِهَدْيِي مَنْ يَشَاءُ (الفصص ۵۴)

بے شک آپ جسے چاہیں اس کو ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ جسے چاہے اس کو ہدایت یافتہ کرتا ہے۔

امام بخاری "امام مسلم" امام احمد "امام نسائی اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے "جب نبی ﷺ نے ابوطالب سے اسلام لانے کے لیے شدید اصرار کیا۔ امام ابن مردودہ نے بھی اس روایت کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ علامہ نووی شافعی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر

اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۸)

ابو طالب کے اسلام کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ کہنا کہ تمام مسلمانوں کا یا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء شیعہ اور ان کے اکثر مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ ابو طالب اسلام لے آئے تھے اور ان کا دعویٰ ہے کہ ائمہ اہل بیت کا بھی اس پر اجماع ہے اور ابو طالب کے اکثر قصائد اس پر شاہد ہیں اور جن کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ علماء شیعہ کے اختلاف اور ان کی روایات کا اعتبار نہیں کرتے۔ تاہم ابو طالب کے اسلام نہ لانے کے قول کے باوجود ابو طالب کو برا نہیں کہنا چاہیے اور نہ اس کے حق میں یا وہ کوئی کرنی چاہیے، کیونکہ اس سے علویوں کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی پیغمبر کو بھی ایذا پہنچے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ مطبوعہ بیروت)

ابو طالب کے ایمان کے متعلق مصنف کا نظریہ

مذہب اربعہ کے معروف علماء، فقہاء، مفسرین اور جمہور اہل سنت کا یہ موقف ہے کہ ابو طالب کا ایمان ثابت نہیں ہے۔ ہم نے عمداً ان تمام تصریحات کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ہمارے لیے یہ کوئی خوشگوار موضوع نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بڑی خواہش تھی کہ ابو طالب ایمان لے آئے۔ لیکن تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہا یہ بہت بڑک مقام ہے جو لوگ اس مسئلہ میں شدت کرتے ہیں اور ابو طالب کی ابولسب اور ابو جہل کی طرح مذمت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی دل آزاری کے خطرہ میں ہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی دل آزاری سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ہم اس بحث میں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث مجیدہ سے ابو طالب کا ایمان ثابت نہیں ہے اور یہ چیز ہم پر بھی اتنی ہی گریں اور باعث رنج ہے جتنی اہل بیت کے لیے ہے۔ اس سے زیادہ ہم اس بحث میں نہ کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور نہ اس مسئلہ کی باریکیوں میں الجھنا چاہتے ہیں۔ بعض علماء اہل سنت نے ابو طالب کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ ہر چند کہ یہ رائے تحقیق اور جمہور کے موقف کے خلاف ہے، لیکن ان کی نیت محبت اہل بیت ہے، اس لیے ان پر طعن نہیں کرنا چاہیے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ دُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا أَلَيْسَتْ نَارُ دُونَ هَذِهِ دُونَ هَذِهِ قَالُوا بِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

اور (اے مخاطب) کاش تو دیکھتا جب ان (کافروں) کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش یہی دنیا میں دیا جاتا

بِأَيِّتِ رَبِّنَا وَتَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۷۷﴾ بَلْ يَدْعَاهُم مَّا كَانُوا

دیا جاتے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب کریں اور مومنوں میں سے جو بانیں ۵ بلکہ ان پر اب وہ متعلق منکشف ہو گئے ہیں

يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ

جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے، اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور جب

لَكَذِبُونَ ﴿۷۸﴾ وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ

وہ ضرور جھوٹے ہیں ۵ اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ جیسے اٹھائے

بِمَعُونَتِهِ ۚ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ط قَالَ أَلَيْسَ

جائیں گے ۝ اور (اے مخاطب) کاش تو وہ منظر دیکھتا جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا: اللہ فرمائے گا:

هَذَا بِالْحَقِّ ط قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ط قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا

کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں: اے ہمارے رب! اللہ فرمائے گا: پس اب تم اپنے کفر کی وجہ سے

كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۚ

عذاب (کا مزہ) چکھو ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) کاش! تو دیکھ جب ان کافروں کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا! اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں۔

(الانعام: ۲۷)

قیامت کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت

قرآن مجید میں وقوف کا لفظ ہے، یعنی ان کافروں کو جب دوزخ پر واقف کیا جائے گا۔ اس کا معنی قیام بھی ہے اور جانا بھی۔ اس صورت میں اس کے کئی معنی ہیں۔ (۱) وہ دوزخ کے پاس کھڑے ہوں اور دوزخ کا مشاہدہ کر رہے ہوں (۲) دوزخ کے اوپر جو پل صراط ہے، وہ اس کے اوپر کھڑے ہوئے دوزخ کو دیکھ رہے ہوں (۳) وہ دوزخ کے عذاب پر واقف اور مطلع ہوں (۴) ان کو دوزخ میں ڈال دیا گیا ہو اور وہ اس حل میں دوزخ میں کھڑے ہوئے ہوں کہ وہ ہر طرف سے دوزخ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہوں۔

اس آیت میں جزا محذوف ہے اور حاصل معنی یہ ہے کہ اے مخاطب! جب تو یہ دیکھے گا کہ فرشتے کافروں کو دوزخ کے پاس کھڑا کر دیں گے تو تو ان کو اس قدر خوف اور دہشت میں دیکھے گا جس کو منہ بول کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت یہ کافر غلام ہوں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے اور پھر ہم اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور مومنوں میں سے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں اور دلیلوں کی تکذیب نہ کریں جو اس کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی تصدیق پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ اور قیامت پر فرشتوں اور کنکلیوں اور رسولوں پر ایمان لائیں اور گناہوں سے توبہ کریں اور نیک عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ ان پر اب وہ حقائق منکشف ہو گئے ہیں جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔ (الانعام: ۲۸)

یعنی ان کی حالت نہیں بدلے گی اور وہ اسی طرح کفر اور معصیت پر برقرار رہیں گے۔ اب وہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے دلوں میں جو کفر اور معصیت چھپائی تھی وہ سب قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَبَدَّآلَهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ مَا كَتَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (الزمر: ۳۸)

اور ان کی ہوتی تمام برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ندامت یا تمنا کا صراحتاً رد فرمایا، یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو ان کو جس کفر، غلو، معصیت اور غفلت سے منع کیا گیا تھا وہ پھر اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ کیونکہ کفر اور غلو ان کی طبیعت میں رچ چکا ہے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں اور زینب و زینت کو دیکھ کر ایک بار پھر آخرت کا انکار کر دیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے، حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کی پھر تکذیب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے

(الانعام: ۳۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کا صراحتاً رد فرمایا ہے کہ اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا گیا تو وہ پھر دنیا کی لذتوں میں مشغول ہو جائیں گے اور پھر کفر کریں گے، وہ صرف دنیا کی زندگی کا اقرار کریں گے اور آخرت کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہے جس میں ہم زندہ ہیں اور ہم صرف طبعی حیات کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے بعد نہ کوئی ثواب ہے نہ عذاب ہے۔ یہ لوگ ملود پرست اور لہو ہیں جو غیب پر ایمان نہیں لائے، ان کا نفس المردہ ان کو کفر، گمراہی اور برے کاموں پر قائم رہنے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) کاش اتنا وہ متفرد نہ تھا جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، اللہ فرمائے گا کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں؟ اے ہمارے رب! اللہ فرمائے گا: ہیں اب تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔ (الانعام: ۴۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حشر کے دن کافروں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے گا جس طرح مجرموں کو حاکم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس فرمائے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَيَقُولُ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَتُفْضِلُونَ (الصافات: ۲۳)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَكْفُرُ لَهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (البقرہ: ۱۷۴)

اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا۔ اور اس آیت میں ان سے کلام فرمائے گا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بلا واسطہ کلام نہیں فرمائے گا اور اس آیت میں جس کلام فرمائے گا ذکر ہے وہ فرشتوں کے واسطے سے ہے، یا اللہ تعالیٰ ان سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا اور یہ کلام غضب کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے ان سے فرمائے گا کہ کیا یہ مکر دوبارہ العناحق نہیں ہے، جس کا تم انکار کرتے تھے۔ وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ یہ بالکل حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم اپنے کفر اور تکذیب کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمُ السَّاعَةُ

بیشک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اشر سے ملاقات کو جھٹلایا، حتیٰ کہ جب ان کے پاس اپنا تک قیامت آ پہنچے گی تو

يَعْتَهُ قَالُوا يَحْسِرُنَا عَلَىٰ مَا قَرَّرْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ

کہیں گے ہائے افسوس! ہماری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے بدلہ اور وہ اپنی بیٹیوں پر (اپنے منہ پر)

أَوْ نَارَهُمْ عَلَى ظَهْرِهِمْ ۖ إِلَّا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيَاةُ

کا، بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، سزا دہ کیا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے ○ اور دنیا کی زندگی تو

الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۖ

موت کبیل تھا ہے اور بیشک آخرت کا گھر متقی کے لیے بہت اچھا ہے ، پھر

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٣٢﴾ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لِيَحْزُنَكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ

کی تم عقل سے کام نہیں لگے ○ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ دگ جو باتیں بناتے ہیں ان آپ نہیں ہوتے ہیں ،

لَا يُكَذِّبُوكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بَايَتِ اللّٰهَ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ

در اصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ خام تر اشد کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ○ آپ سے پہلے

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبِرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَادُّوهُ حَتَّىٰ

بھی کہتے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا و رسانی پر صبر کیا حتیٰ کہ

أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۖ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ۖ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ

ان کے پاس ہماری مدد آپسچی اور اشد کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے ، اور بیشک آپ کے پاس رسولوں کی

نَبَايِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٤﴾ وَإِنْ كَانَ كِبَرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنْ

خبریں آپکی ہیں ○ اور اگر ان لوگوں کی بے اعتنائی آپ پر دشواری ہے تو آپ اگر زمین میں کوئی

اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلْمًا فِي السَّمَاءِ

سڑک یا آسمان میں کوئی سیرمی تلاش کر سکتے ہیں تاکہ ان کے پاس (ان کا مطلوب) پہنچے لے آئیں

فَتَأْتِيَهُمْ بَأْيَةٌ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ

(تو لے آئیں) اور اگر اہل چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، (تو لے مخاطب!) تو ہرگز نادانوں

مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَىٰ

میں سے نہ ہو جا ○ (دعوت اسلام کو) موت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (توجہ سے) سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو

يَبْعَثُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

اللہ اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۵ اور انہوں نے کہا اس دروس پر اس کے رب کی طرف

آیۃ مِّنْ تَرَاهُ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِنْ

سے کوئی (مطلوبہ) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ کہیے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطلوبہ) معجزہ نازل کر دے، لیکن ان کے

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

اکثر رگ نہیں جانتے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا، حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آپہنچی تو کہیں گے 'ہائے افسوس! طاری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی بیٹھیوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے' سزاوہ کیسا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ۳۶)

منکرین قیامت کے خسارہ کا بیان

اس آیت میں بھی ان کافروں کے احوال بیان فرمائے ہیں جنہوں نے قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کیا، ان کا ایک حل یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے نقصان اٹھایا اور دو سرحال یہ بیان فرمایا کہ وہ اپنی بیٹھیوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضاء جسمانیہ اور عقل و فکر کے ساتھ بھیجا، تاکہ انسان اپنی قوت عملیہ اور قوت عقلیہ سے نفع حاصل کرے اور وہ نفع ہے اخروی نعمتوں کا اور غیر ظانی اجر و ثواب کے حصول کا، اور یہ نفع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جب کافر اللہ اور اس کے رسول پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو اخروی نعمتوں کا نفع حاصل نہیں ہوا، اور کفر اور معصیت کی وجہ سے ثواب کے بجائے عذاب کے مستحق ہوئے۔ ان کا دو سرحال نقصان یہ ہے کہ وہ اپنی بیٹھیوں پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی سعادت کا مکمل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اس کی عبادت میں مشغول رہے اور دنیا کی دلفریبیوں اور میاشیوں سے خود کو بے تعلق رکھے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو باز رکھے اور جو محض قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا سکر ہو گا، وہ اخروی زندگی کے لیے کسی زور و لا کو تیار نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس وہ شہوت اور غضب کے تقاضوں میں ڈوب کر اپنے گناہوں کے بوجھ میں مبتلا کرتا رہے گا حتیٰ کہ جب اس کے پاس قیامت آپہنچی تو وہ کہے گا 'ہائے افسوس! میری اس تقصیر پر جو قیامت کے حلقہ مجھ سے ہوئی اور آٹھایک وہ اپنی بیٹھی پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو گا اور وہ کیسا بوجھ ہے۔'

روز قیامت کو ساعت اور اللہ سے ملاقات کا دن فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں قیامت کو ساعت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قیامت ایک ساعت میں واقع ہوگی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حساب و کتاب بھی ایک ساعت میں ہو گا، اور قیامت ایک ساعت حساب ہے۔

اس آیت میں قیامت کے دن کو اللہ سے ملاقات کا دن فرمایا ہے، کیونکہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے غضب کے آثار کا ظہور ہوگا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ بندوں کو مسرت اور ذمیل دیتا ہے اور ان کے گناہوں اور سرکشوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَبَسَ الشَّرَاسِيخَ جَمِيعَهُمْ بِالْأَعْيُنِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝
اور اگر اللہ لوگوں کو سزا دینے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ پہلائی کی طلب میں کرتے ہیں، تو ان کی مدت عمل ختم کی جا چکی ہوتی (مگر یہ اللہ کا طریقہ نہیں ہے) لہذا جو لوگ ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے، وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھرتے (یوس: ۱۱)

ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دنیا میں مسرت اور ذمیل دی، تاکہ لوگ اللہ سے ملاقات کرنے کو یاد کریں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے اور اس کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ اپنے گناہوں اور سرکشی کے مطلق کیا عذر پیش کریں گے۔ اس لیے انہیں زندگی میں مسرت دی گئی کہ کسی بھی لمحہ وہ اس ملاقات کے دن کو یاد کر کے اپنی معصیت اور سرکشی سے باز آجائیں اور توبہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُخْلَقُونَ ۝
اور اللہ سے ڈرو اور یقین رکھو کہ تم ضرور اس سے ملاقات کرنے والے ہو۔ (البقرہ: ۲۲۳)

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسِفُكُمْ كَمَا نَسِفْنَا لِقَاءَ
اور ان سے کہہ دیا جائے گا آج کے دن ہم تم پر رحم نہیں کریں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا انحصار اور زخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (الحاشیہ: ۲۴۰)

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن کو یاد رکھنے کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ملاقات کے شوق میں نیک عمل کرے، تاکہ اس دن اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرمائے اور حجت کے ساتھ اس سے کلام کرے اور اس کو اپنے دیدار سے نوازے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا ہم تو موت کو پسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے۔ البتہ جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ عزوجل کے راضی ہونے اور اس کے کرم کرنے کی بشارت دی جاتی ہے۔ تو اس وقت اس کو آخرت کے سفر میں آگے جانے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ سو وہ اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور کافر جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے۔ لہذا اس کو آخرت کے اگلے سفر سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہوتی، سو وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔

اصح البخاری، ج ۷، رقم الحديث: ۵۵۰۰، صحیح مسلم، اللہ عارفہ کریم، (۳۷۸۵) ۷۷۷ سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحديث: ۱۰۶۸، سنن النسائی، ج ۲، رقم الحديث: ۱۸۳۳، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحديث: ۲۷۵۶

صحیح مسلم کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارا خیال ہے وہ بات نہیں ہے لیکن جب باتیں اوپر کی طرف چڑھ جائیں اور جب سانس سینہ میں اکٹرنے لگے اور جسم پر لرزہ طاری ہو اور انگلیوں میں تلخ ہو جائے اس وقت جو اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اس وقت اللہ سے ملاقات کو پسند کرے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خوشی اور باخوشی نزع روح کے وقت معتبر ہوتی ہے۔ اس وقت ہر انسان کو یہ خبر دے دی جاتی ہے کہ اس کا کیا انجام ہے؟ اور آخرت میں اس کے لیے کیا تیار کیا گیا ہے؟ اور اس کا اخروی ٹھکانہ اس کے لیے کشف کر دیا جاتا ہے۔ نیک لوگ موت کو اور اللہ سے ملنے کو پسند کرتے ہیں تاکہ ان انجملات کی طرف منتقل ہو جائیں جو ان کے لیے تیار کیے گئے ہیں اور اللہ بھی ان کو پسند کرتا ہے تاکہ ان پر اپنا انعام اور اکرام فرمائے اور بدکار لوگ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کو ہلاکت مل جائے کہ ان کو عذاب کی طرف دھکیلا جائے گا اور اللہ بھی ان سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور ان کو اپنی رحمت اور اپنے عفو و کرم سے دور رکھتا ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں عموماً یہ تفسیر سے روایت کیا ہے کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کا نیک عمل حسین صورت اور نفیس خوشبو میں اس کا استقبال کرے گا اور اس سے کہے گا کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں البتہ تمہاری خوشبو بہت نفیس ہے اور تمہاری صورت بہت حسین ہے۔ وہ کہے گا تم بھی دنیا میں اسی طرح تھے میں تمہارا نیک عمل ہوں میں دنیا میں بہت عرصہ تم پر سوار رہا آج کے دن تم مجھ پر سواری کرو اور یہ آیت پڑھے گا جس دن ہم متعلقین کو رخصت کی طرف بطور وقفہ جمع کریں گے (مریم: ۸۵) اور کافر کا عمل نہایت بری صورت اور بدبو کے ساتھ اس کا استقبال کرے گا اور اس سے کہے گا تو دنیا میں اسی طرح تھا میں تیرا برابر عمل ہوں۔ تو دنیا میں بہت عرصہ مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ پھر یہ آیت پڑھے گا اور وہ اپنی بیٹیوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ سنو وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ۳۱) (جامع البیان: جزء ۳ ص ۲۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشہ ہے اور بے شک آخرت کا کھڑ متعین کے لیے بہت اچھا ہے پھر کیا تم کھل سے کام نہیں لو گے۔ (الانعام: ۳۲)

آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط:

جو لوگ قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے ان کے نزدیک دنیا اور اس کی رہنمائیوں دُعا و دعا اور دنیا کی راحتیں اور لذتیں بہت بڑی چیز تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دنیا کا نفیس اور گھٹیا ہونا اور اس کا ایک اور بے وقعت اور بے پایہ ہونا بیان فرمایا اور چونکہ یہ دنیا آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اس لیے اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً دنیا کی زندگی مذموم نہیں ہے بلکہ کافر کی زندگی مذموم ہے اور مومن چونکہ نیک اعمال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اس لیے اس کی زندگی لہو و لعب نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور دنیا کی زندگی مطلقاً لہو و لعب ہے اور دنیا سے مراد دنیا کی لذتیں اور راحتیں ہیں اور جس طرح انسان کھیل تماشے میں مشغولیت سے جب فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر اس وقت کو کسی نیک کے کام میں گزارا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا اسی طرح دنیا کی لذتوں سے جب انسان فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر یہ وقت کسی عبادت میں صرف کیا ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دینے کی وجوہات

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دینے کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

- ۱۔ لوو لعب کی مدت کم ہوتی ہے اور بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی کم ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔
- ۲۔ لوو لعب عموماً کسی فریب پر مبنی ہوتا ہے اسی طرح انسان دنیا کی زندگی کو بھی کسی فریب کے سارے گزارتا ہے۔
- ۳۔ عموماً بچے اور بھان اور غافل لوگ لوو لعب میں اشتغال کرتے ہیں اور سنجیدہ اور فہمیدہ لوگ لوو لعب میں زیادہ مشغول نہیں ہوتے۔ اسی طرح دنیا کی لذتوں اور تقریپوں میں بھی جاہل اور غافل لوگ مشغول رہتے ہیں اور جو عقل مند اور زیرک لوگ ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی لذتیں فانی ہیں۔ لہذا وہ فانی کی بہ نسبت باقی رہنے والی نعمتوں کے حصول کی جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں۔

دنیا کے بے وقعت ہونے کے متعلق احادیث

حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن ابی اللہ دنیا ستونی ۲۸۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت مسعود بن شداد جونیذ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواروں کی ایک جماعت میں جا رہا تھا اچانک آپ ایک جگہ سے گزرے جہاں بکری کا (مردہ) بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اس کے مالکوں نے اس کو پھینکا ہو گا تو یہ ان کے نزدیک بے وقعت ہو گا۔ صحابہ نے کہا اس کے بے وقعت ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو پھینک دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ جس قدر یہ بکری کا مردہ بچہ اپنے مالکوں کے نزدیک بے وقعت ہے اللہ عزوجل کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہے۔

(موسم رسائل ابن ابی اللہ دنیا ج ۲ ذم الدینا رقم الحديث ۲ سنن ترمذی ج ۳ رقم الحديث ۲۳۲۸ سنن داری ج ۲ رقم الحديث ۲۷۳۷ سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحديث ۳۳۳۳ مسند احمد ج ۶ رقم الحديث ۱۸۰۳۵ دار الفکر طبع جدید مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۸ ج ۳ ص ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ دار الفکر طبع قدیم)

حضرت سلمان فارسی جونیذ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا موسن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (ام الدینا رقم الحديث ۳ صحیح مسلم الام۱ (۳۵۶) ۷۸۳ سنن ترمذی ج ۳ رقم الحديث ۲۳۳۱ صحیح ابن حبان رقم الحديث ۷۸۷ سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحديث ۳۳۳۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱ ۱۶۰۲ ۱۶۰۳ ۱۶۰۴ ۱۶۰۵ ۱۶۰۶ ۱۶۰۷ ۱۶۰۸ ۱۶۰۹ ۱۶۱۰ ۱۶۱۱ ۱۶۱۲ ۱۶۱۳ ۱۶۱۴ ۱۶۱۵ ۱۶۱۶ ۱۶۱۷ ۱۶۱۸ ۱۶۱۹ ۱۶۲۰ ۱۶۲۱ ۱۶۲۲ ۱۶۲۳ ۱۶۲۴ ۱۶۲۵ ۱۶۲۶ ۱۶۲۷ ۱۶۲۸ ۱۶۲۹ ۱۶۳۰ ۱۶۳۱ ۱۶۳۲ ۱۶۳۳ ۱۶۳۴ ۱۶۳۵ ۱۶۳۶ ۱۶۳۷ ۱۶۳۸ ۱۶۳۹ ۱۶۴۰ ۱۶۴۱ ۱۶۴۲ ۱۶۴۳ ۱۶۴۴ ۱۶۴۵ ۱۶۴۶ ۱۶۴۷ ۱۶۴۸ ۱۶۴۹ ۱۶۵۰ ۱۶۵۱ ۱۶۵۲ ۱۶۵۳ ۱۶۵۴ ۱۶۵۵ ۱۶۵۶ ۱۶۵۷ ۱۶۵۸ ۱۶۵۹ ۱۶۶۰ ۱۶۶۱ ۱۶۶۲ ۱۶۶۳ ۱۶۶۴ ۱۶۶۵ ۱۶۶۶ ۱۶۶۷ ۱۶۶۸ ۱۶۶۹ ۱۶۷۰ ۱۶۷۱ ۱۶۷۲ ۱۶۷۳ ۱۶۷۴ ۱۶۷۵ ۱۶۷۶ ۱۶۷۷ ۱۶۷۸ ۱۶۷۹ ۱۶۸۰ ۱۶۸۱ ۱۶۸۲ ۱۶۸۳ ۱۶۸۴ ۱۶۸۵ ۱۶۸۶ ۱۶۸۷ ۱۶۸۸ ۱۶۸۹ ۱۶۹۰ ۱۶۹۱ ۱۶۹۲ ۱۶۹۳ ۱۶۹۴ ۱۶۹۵ ۱۶۹۶ ۱۶۹۷ ۱۶۹۸ ۱۶۹۹ ۱۷۰۰ ۱۷۰۱ ۱۷۰۲ ۱۷۰۳ ۱۷۰۴ ۱۷۰۵ ۱۷۰۶ ۱۷۰۷ ۱۷۰۸ ۱۷۰۹ ۱۷۱۰ ۱۷۱۱ ۱۷۱۲ ۱۷۱۳ ۱۷۱۴ ۱۷۱۵ ۱۷۱۶ ۱۷۱۷ ۱۷۱۸ ۱۷۱۹ ۱۷۲۰ ۱۷۲۱ ۱۷۲۲ ۱۷۲۳ ۱۷۲۴ ۱۷۲۵ ۱۷۲۶ ۱۷۲۷ ۱۷۲۸ ۱۷۲۹ ۱۷۳۰ ۱۷۳۱ ۱۷۳۲ ۱۷۳۳ ۱۷۳۴ ۱۷۳۵ ۱۷۳۶ ۱۷۳۷ ۱۷۳۸ ۱۷۳۹ ۱۷۴۰ ۱۷۴۱ ۱۷۴۲ ۱۷۴۳ ۱۷۴۴ ۱۷۴۵ ۱۷۴۶ ۱۷۴۷ ۱۷۴۸ ۱۷۴۹ ۱۷۵۰ ۱۷۵۱ ۱۷۵۲ ۱۷۵۳ ۱۷۵۴ ۱۷۵۵ ۱۷۵۶ ۱۷۵۷ ۱۷۵۸ ۱۷۵۹ ۱۷۶۰ ۱۷۶۱ ۱۷۶۲ ۱۷۶۳ ۱۷۶۴ ۱۷۶۵ ۱۷۶۶ ۱۷۶۷ ۱۷۶۸ ۱۷۶۹ ۱۷۷۰ ۱۷۷۱ ۱۷۷۲ ۱۷۷۳ ۱۷۷۴ ۱۷۷۵ ۱۷۷۶ ۱

عذاب ہو گا۔ (زم الدنیا ۱۷، مطبوعہ موسسۃ المکتبۃ الشریعہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ خدا مجھے تم پر نگر کا خوف نہیں ہے، لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی، سو تم دنیا میں اس طرح رغبت کرو گے جس طرح انہوں نے رغبت کی اور تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح وہ ہلاک ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۳۱۵۸، صحیح مسلم، المحدث ۱، ۲۹۹، ۳، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۷۰، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۷۷، مسند احمد ج ۳، ص ۱۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جس کے نشان آپ کی جلد پر نقش ہو گئے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ہاں باپ خدا ہوں، اگر آپ ہم کو اجازت دیں تو ہم چٹائی کے اوپر کوئی چیز بچھا دیں جس سے آپ کی جلد محفوظ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا مطلب ہے؟ میری اور دنیا کی مثل یہ ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سائے میں بیٹھے، پھر سائے کو ترک کر کے سفر شروع کر دے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۸۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰۹، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۰۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! الحمد للہ ہم حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے لیکن اللہ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ تم سر اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور پیٹ اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور موت اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو یاد رکھو اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے اللہ سے اس طرح حیا کی جو حیا کرنے کا حق ہے۔ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۹۱، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۵۹)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا مقصود دنیا ہو، اللہ اس کے حالات دگرگوں کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے فکر کر دیتا ہے اور دنیا سے اس کو وہی چیز ملتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہوتی ہے اور جس شخص کی نیت آخرت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے حالات مجتمع کر دیتا ہے اور اس کا دل مستغنی کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰۵، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تمام تفکرات کو صرف آخرت کا حصہ بنا دیا، اللہ اس کو دنیا کے افکار سے کافی ہو گا اور جس شخص کے تمام افکار دنیا کے حالات کے متعلق ہوں، اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ وہ کس دلوئی میں ہلاک ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا راستہ پار کرنے والے ہو اور اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کرو۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۴۰، صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۱، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۳۳، صحیح ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۸۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳، ص ۱۳۸)

حضرت سل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی وقعت پھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کافر کو اس سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۲۷، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۱۰، حلیۃ الاولیاء ج ۳، ص ۲۰۳، ج ۸، ص ۲۹۰)

حضرت سل بن سعد السعديؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کو میں کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دنیا میں بے رغبتی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس جو چیزیں ہیں ان سے بے رغبتی کرو تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۴۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا دنیا جانے والی ہے اور آخرت آنے والی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے فرزند ہیں۔ سو تم آخرت کے فرزند بنو دنیا کے فرزند نہ بنو۔ آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہو گا اور عمل نہیں ہو گا۔

(صحیح البخاری کتاب الرقاق، باب فی الاول والاولیٰ)

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم کو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور قیامت تک واقع ہونے والی کسی چیز کو نہیں چھوڑا مگر اس کی ہم کو خبر دی اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اس کو بھلا دیا جس نے بھلا دیا اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تم کو دنیا میں ضیفہ بنانے والا ہے پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم کیا کرتے ہو اسنوا تم دنیا سے پرہیز کرو اور عورتوں سے پرہیز کرو (مسلم کی روایت میں ہے) کیونکہ بنو اسرائیل کا پہلا قائد عورتوں میں رہا ہوا تھا اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ جس شخص کو حق کا علم ہو جائے تو لوگوں کا دلو اس کو حق بیان کرنے سے باز نہ رکھے۔ حضرت ابو سعیدؓ روئے لگے اور کہا ہم نے کئی چیزوں کو دیکھا اور ہم دلو میں آگئے۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۸، صحیح مسلم، لکھنؤ، ۱۹۹۷ء، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۰۰۰، صحیح ابن حبان ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۲، مسند احمد ج ۴، رقم الحدیث: ۱۷۹)

حضرت قتادہ بن النعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص استقامت کے مریض کو پہلی سے بچاتا ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۳۴، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۸۵۶، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

دنیا کے مال کو انسان اگر بیش و عشرت اور مجاز خواہشات کو پورا کرنے میں صرف کرے تو پھر دنیا اور دنیا کا مال نہ مومن ہے اور ان احوال کا بھی عمل ہے اور اگر دنیا کے مال و دولت کو دین کی سرپرستی، تبلیغ دین، اسلام کی نشر و اشاعت اور ضرورت مندوں کی مدد پر صرف کرے اور حج اور عمرہ کرے، قربانی، زکوٰۃ اور صدقات لیا کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرے اور نیکی اور خیر کے راستوں میں مال کو خرچ کرے تو پھر دنیا کا مال و دولت بہت مبارک اور مستحسن ہے۔

نیکی کی راہ میں صرف کرنے کی نیت سے مال دنیا کا استحسان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف دو شخصوں پر حسد (رتک) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن دیا ہو اور وہ دن رات قرآن کے ساتھ قیام کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ دن رات اس مال کو (نیکی میں) خرچ کرتا ہو۔

(صحیح مسلم، مسابغین، ۲۲۱، (۸۵) صحیح البخاری ج ۸، رقم الحدیث: ۷۵۹، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۹۳۳، سنن کبریٰ للنسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۸۰۷۷، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۴۲۰۹، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۴، دار الفکر، طبع)

جدید 'مسند احمد' ج ۳ ص ۳۸۵ 'دار الفکر' طبع قدیم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صرف دو شخصوں پر حسد (رتبہ) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو حق کے راستوں پر خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت (علم دین) عطا کی ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور تعلیم دے۔

(صحیح مسلم 'مسافرن' ۳۸۸، (۸۷۷) ۸۸۱، صحیح ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۴۷۷۰، سنن کبریٰ للشیخ ج ۳، رقم الحدیث ۵۸۳۰، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث ۴۲۰۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۲، ج ۲ ص ۳۳۳، ۳۳۶، ۳۳۷، ج ۳ ص ۳۰۵، طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اصحاب ثروت اور دولت مند لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے۔ آپ نے فرمایا وہ کس وجہ سے؟ انہوں نے کہا وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، اور روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں، اور وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے۔ اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم ان کے درجات کو پا لو، جنہوں نے تم پر سبقت کی ہے اور اس کی وجہ سے تم اپنے بعد والوں پر بھی سبقت کرو گے اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہو گا، مگر اس کے جو تمہاری طرح اس کلمہ کو کہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھو۔ فقراء مہاجرین پھر دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی ان تسبیحات کا پتہ چل گیا؟ اور وہ بھی ہماری طرح یہ تسبیحات پڑھنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم 'مسافرن' ۳۳۲، (۵۹۵) ۳۳۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے مال و دولت کو اللہ کا فضل قرار دیا اور اس کی تائید اس آیت کریمہ میں بھی ہے:

قِيَادًا قُصِبَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ الْكُلِّ (الحجۃ: ۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ مال مسجد کے بالمقابل بئر حاتھا (یہ مسجد کے سامنے بنو جدیلہ کا محلہ تھا) رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں خوش ذائقہ پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہر گز نیکی حاصل نہیں کر سکتے، جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو۔ (آل عمران: ۴۳) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ہر گز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو اور میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بئر حاتھا ہے اور یہ اللہ کی رلویں صدقہ ہے۔ میں اللہ کے پاس اس کی نیکی اور ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں۔ آپ نے فرمایا چھوڑو یہ مال قطع آور ہے، یہ مال نفع آور ہے۔ تم نے اس کے متعلق جو کہا وہ میں نے سن لیا، اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ مال اپنے رشتہ داروں کو دے دو۔ پھر حضرت ابو طلحہ نے بئر حاتھا اپنے رشتہ داروں اور غم زدوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح مسلم 'زکوٰۃ' ۳۳، (۹۹۸) ۲۲۷۸، صحیح ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۱۳۶۱، سنن کبریٰ للشیخ ج ۶، رقم الحدیث ۱۱۰۶۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم نے عرض کیا یا رسول اللہ! انس آپ کا غلام ہے۔ آپ اس کے حق میں اللہ سے دعا کیجئے، آپ نے دعا کی۔ اے اللہ! اس کے دل اور نوالہ کو زیادہ کر اور اس کو جو کچھ عطا فرمائے، اس میں برکت دے۔

(صحیح مسلم، فضائل صحابہ، ۳/۱۱۰ (۱۰۳۵) صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحديث: ۳۲۸۸، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحديث: ۳۸۵۳)
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے عطا فرما رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے زیادہ محتاج کو دیجئے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے دل عطا فرمایا۔ میں نے عرض کیا مجھ سے زیادہ ضرورت مند کو دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کو لے لو، جب تمہارے پاس دل آئے در آنحایک تم اس پر حرص ہو، نہ اس کا سوال کر رہے ہو تو اس دل کو لے لو اور جو دل اس طرح نہ ہو اس کے در پے نہ ہو۔

(صحیح مسلم، زکوٰۃ، ۱۱۰ (۱۰۳۵) صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحديث: ۱۳۷۳، سنن ابی نعیم، ج ۵، رقم الحديث: ۲۶۰۸)
حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا آپ نے مجھے عطا فرمایا میں نے پھر سوال کیا آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا میں نے پھر سوال کیا آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا پھر آپ نے فرمایا یہ دل سرسبز اور میٹھا ہے۔ جو شخص اس دل کو استغناء نفس سے لے گا، اس کو اس دل میں برکت دی جائے گی اور جو شخص حرص ہو کر اس دل کو لے گا، اس کو برکت نہیں دی جائے گی اور وہ اس شخص کی طرح ہو گا جو کھاتا ہے اور میر نہیں ہوتا اور لوہا والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(صحیح مسلم، الزکوٰۃ، ۹۶ (۱۰۳۵) صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۲۹، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحديث: ۲۳۷۱، سنن ابی نعیم، ج ۵، رقم الحديث: ۲۵۳۱، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحديث: ۲۳۲۰، مسند احمد، ج ۵، رقم الحديث: ۱۵۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۸، رقم الحديث: ۳۲۲۰، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحديث: ۳۰۸۰، مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث: ۲۰۰۳۱، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۴، ص ۱۶۶)
دنیا کی محبت مطلقاً مذموم نہیں ہے

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مطلقاً دنیا مذموم نہیں ہے۔ البتہ اگر دل دنیا کو مجاز خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے تو یہ لائق ملامت اور مستوجب عذاب ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے محبت کرنا اور ان سے دل لگانا بھی مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی چیزوں سے عورتوں اور خوشبو کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(سنن ابی نعیم، ج ۷، رقم الحديث: ۳۹۳۹، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۸۵، ۱۹۹، ۱۲۸، طبع قدیم)
بلکہ ممنوع اور مذموم یہ ہے کہ انسان دنیا کے حصول کو ہی مقصد حیات سمجھ لے، جبکہ مقصد آخرت ہے اور دنیا اس کے حصول کا وسیلہ اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے یا بندہ دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل ہو جائے۔ انسان اپنے لیے اپنے ماں باپ اور اپنے الہ و عیال کے لیے رزق حلال کی جستجو کرتا ہے اور اپنے رشتہ داروں اور دیگر انسانوں کے ساتھ جو الفت اور محبت کے ساتھ پیش آتا ہے اور ملک و قوم کی فلاح کے لیے اور انسانیت کی خدمت کے لیے جو دنیا میں لگ کر رہتا ہے اور کارنامے انجام دیتا ہے ان تمام کاموں میں حسن نیت کی بناء پر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بشارتوں کے مطابق اجر و ثواب ملے گا اور یہ تمام کام اطاعت اور عبادت میں شامل ہیں اور جس وجہ سے دنیا

کی خدمت کی گئی ہے یہ کلام اس میں داخل نہیں ہیں۔
لوو لعب کے معنی کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف لوو لعب ہے۔ اس لیے ہم لوو لعب کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لوو کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
جس چیز میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جائے اس کو لوو کہتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت مثلاً عورتوں اور بچوں کو بھی لوو لعب کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جاتا ہے۔
قرآن مجید میں ہے:

أَلْهَيْكُمْ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝
(التکاثیر: ۱۰۲)
مال جمع کرنے کی حرص نے تمہیں اس قدر غافل کر دیا کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا
أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۝ (المنافقون: ۹)
اے ایمان والو! تمہارے مال اور اولاد کی مشغولیت تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔
يَحَالُ لَا تُلْهِهُمُ يَحَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ
اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۝ يَخَافُونَ
يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ
(النور: ۳۷)
وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت کی مشغولیت اللہ کی یاد نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گے۔

ان آیات میں اولاد مال و دولت اور تجارت میں مشغول ہونے سے مطلقاً منع نہیں فرمایا بلکہ اس حد تک اشتغال سے منع فرمایا ہے کہ انسان نماز اور دیگر عبادات سے غافل ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں تجارت اور مال جمع کرنے کی اجازت دی ہے:

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ ۝ (الحج: ۲۸)
(وہ حج کے لیے آئیں گے) تاکہ اپنے فائدے کے مقامات پر حاضر ہوں۔

لَبَسَ عَلَيْكُمُ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا تَرَىٰ
رَبَّكُمْ ۝ (البقرہ: ۲۸۸)
(حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزہ) تلاش کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(المفردات، ص ۲۵۵، مطبوعہ المکتبۃ الرقعیہ، ایران ۱۳۶۲ھ)

لعب کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

لعب اصل میں لعب ہے یہ لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب منہ سے لعب بنے لگے اور جب کسی شخص کا فضل بغیر قصد کے واقع ہو تو اس کو لعب کہتے ہیں۔ (المفردات، ص ۲۵۰، مطبوعہ ایران)
علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

لعب کا معنی ہے مذاق میں کوئی کام کرنا۔ حدیث میں ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سلن بطور مذاق سلجیدگی سے نہ لے یعنی وہ اس کا سلن اس کو تنگ کرنے کے لیے لیتا ہے اور چوری کا ارادہ نہیں کرتا، لیکن اس کو اذیت پہنچانے کا سلجیدگی سے ارادہ کرتا ہے۔ سو ایسا نہ کرے اور جو شخص لغو اور بے فائدہ کام کرے اس کو بھی لعب کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے ہم سمندر میں

مڑ کر رہے تھے جب موجیں جوش سے اٹھ رہی تھیں اور ایک لہ تک موجیں اٹارے ساتھ لعب کرتی رہیں یعنی موجوں نے ان کو اس طرف نہیں جانے دیا جس طرف وہ جانا چاہتے تھے۔ (التہذیب ج ۳ ص ۲۵۳-۲۵۴ مطبوعہ ایران ۱۳۶۷ھ)

اردو میں لہو و لعب کا ترجمہ کھیل تماشے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہم نے لہو کا جو معنی بیان کیا ہے اس کا خلاصہ ہے غافل کرنا اور لعب کا خلاصہ ہے بے مقصد اور بے فائدہ کام نمود کھیل اور تماشہ عموماً لہو اور بے فائدہ ہوتا ہے اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے انسان عیادت اور کئی اہم کاموں سے غافل ہو جاتا ہے اس لیے کھیل اور تماشے کو لہو و لعب کہتے ہیں۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کے احکام

ہر کھیل تماشہ مطلقاً ممنوع اور حرام نہیں ہے بلکہ جو کھیل تماشہ کسی غیر شرعی امر، مشغل ہو مثلاً غیر محرم مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو یا اجنبی مرد عورتوں کے سامنے یا اجنبی عورتیں مردوں کے سامنے مثلاً کرکٹ کھیلیں یا ٹینس کھیلیں یا رقص کریں یا کسی کھیل میں کھیلنے والوں کا ستر کھلا رہے تو ایسے کھیل ممنوع ہیں یا جس کھیل میں جانبین سے شرط لگائی جائے کہ جو فریق بھی کھیل میں ہار گیا وہ جیتنے والے کو اتنی رقم دے گا یا فلاں چیز دے گا یا فلاں چیز کھائے گا۔

یا کسی کھیل میں اس قدر اشتغال کیا جائے جس سے فرائض اور واجبات ترک ہو جائیں تو وہ کھیل جائز نہیں ہیں۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صرف تین چیزوں میں ہے۔ کسی شخص کا اپنے گھوڑے کو سدھانا کسی شخص کا اپنی بیوی سے دل لگی کرنا اور کسی شخص کا تیر اندازی کرنا۔

(سنن النسائی ج ۶، رقم الحدیث: ۳۵۸۰، سنن ابو داؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حبشی نبی ﷺ کے پاس مسجد میں کھیل رہے تھے حضرت عمر داخل ہوئے اور انہوں نے ایک کنکری اٹھا کر انہیں ماری۔ آپ نے فرمایا اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۹۰۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔ آپ مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے لیکن میں ان کے کھیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے حتیٰ کہ میں خود اپنی مڑی۔ سو تم اندازہ کرو کہ ایک کم عمر کھیل کی شوقین لڑکی نے کتنی دیر کھیل دیکھا ہو گا۔

(صحیح مسلم، حدیث ۱۸۱۸، (۸۹۲) ۲۰۳۰-۲۰۲۹، صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۹۵۰۰، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۷۹۶)

حدیث میں ہے کہ عید کے دن حبشی مسجد میں آکر رقص کر رہے تھے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ علماء نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ حبشی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اچھل کود رہے تھے اور اپنے جنگی آلات کے ساتھ کھیل رہے تھے اور ان کا یہ کھیل رقص کے مشابہ تھا کیونکہ اکثر روایات میں ہتھیاروں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر ہے۔ اس لیے اس حدیث کی ایسی تویل کی جائے گی جو باقی احادیث کے موافق ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں 'حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت زید سے فرمایا تم میرے سوئی (آزاد کردہ غلام) ہو تو وہ ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے اور حضرت جعفر سے فرمایا تم میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہو تو وہ حضرت زید کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے۔ پھر مجھ سے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو میں حضرت جعفر کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے۔

(مسند احمد 'ج ۱' ص ۱۰۸، مطبوعہ دار الفکر، طبع قدیم، مسند احمد 'ج ۱' رقم الحدیث: ۸۵۷، طبع دار الحدیث 'قاہرہ' ۱۳۱۶ھ)

علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد 'ج ۱' ص ۵۳، طبع قاہرہ)

حافظ احمد بن علی بن عمر عسقلانی متوفی ۵۵۷ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت علی کی روایت سے مسند احمد میں ہے۔ اسی طرح الباقی کی مرسل روایت میں ہے کہ حضرت جعفر نبی ﷺ کے گرد چکر لگانے لگے۔ نبی ﷺ نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے مشیوں کو دیکھا ہے وہ اپنے بلا شاہوں کے سامنے اس طرح کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ نباشی جب اپنے اصحاب میں سے کسی سے خوش ہوتا تو اس کے گرد کھڑے ہو کر ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگتے۔ حدیث میں حرجل کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر رقصت مخصوصہ کے ساتھ رقص کرنا اور حضرت علی کی حدیث میں مذکور ہے کہ تینوں نے اس طرح رقص کیا۔

(فتح الباری 'ج ۷' ص ۵۰۷، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو ایک انصار کے مو سے زلف (شادی) کے لیے تیار کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کوئی لہو (کھیل) ہے؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔

(صحیح البخاری 'ج ۶' رقم الحدیث: ۵۱۶۲، مطبوعہ بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عاصم بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت قنظل بن کعب اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک شادی میں گیا۔ وہیں بچیاں گاری تھیں۔ میں نے کہا آپ دونوں رسول اللہ ﷺ کے بدری صحابی ہیں اور آپ کے سامنے یہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر گھانا سنو اور چاہو تو چلے جاؤ ہمیں شادی کے موقع پر لہو کی اجازت دی گئی ہے۔ (سنن النسائی 'ج ۶' رقم الحدیث: ۳۳۸۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۷ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابو لب کی بیٹی کے خلوہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابو لب کی بیٹی کی شادی ہوئی تو ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کیا کوئی لہو (کھیل) ہے؟

(مسند احمد 'ج ۲' ص ۶، طبع قدیم، مسند احمد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۷۹، طبع قاہرہ، المعجم الکبیر 'ج ۲۳' رقم الحدیث: ۶۵۹، ص ۲۵۸)

صحیح الروایہ 'ج ۲' ص ۱۲۸

علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور علامہ ابن حجر نے التعمیل میں اس کی تصویب کی ہے۔

(مسند احمد 'ج ۱۳' ص ۹۶، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۶ھ)

نبی ﷺ نے گھوڑے سواری کا مقابلہ کرایا، پھل دوڑ کا مقابلہ کرایا، آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ

لیا، اسی طرح آپ نے رکعت سے کشتی بھی کی۔ ان تمام حدیثوں کو ہم نے صحیح اور سنن کے حوالہ سے (شرح صحیح مسلم، ج ۶، ص ۳۹۷-۳۹۸) میں بیان کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لبو و لعب مطلقاً ممنوع نہیں ہے اور جب کوئی کھیل کسی غیر شرعی امر پر مبنی نہ ہو، نہ اس میں شرط لگائی جائے، نہ اس سے کوئی عبادت ضائع ہو تو غرض صحیح سے مناسب حد تک اس کا کھیلنا جائز ہے اور جب کسی کھیل میں زیادہ دلچسپی لینے کی وجہ سے انسان عبادات سے غافل ہو جائے، تو وہ ممنوع اور نہ مومن ہے۔

انسان کی صحت اور جسم کو ہلاک و برباد رکھنے کے لیے مناسب حد تک کھیل اور ورزش مستحسن ہیں۔ بعض لوگ کری پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں، ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا، جس سے ان کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کلسترول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر، دل کی بیماریوں مثلاً انجائنا، معدہ کا ضعف، گیس اور السر وغیرہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے جائز کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے، ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے مسلمانوں کی کرکٹ ٹیم کی کامیابی کے لیے وکیلہ تھاپا تھا۔ دیکھئے شمع شبستان رضا، حصہ سوم، ص ۵۸-۵۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرّم) ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بتاتے ہیں ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں، دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

شان نزول اور مناسبت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جنگ بدر کے دن انس بن شریق اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی، انس ابو جہل کو اس جگہ لے گیا جہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ابو جہل سے کہا اے ابو جہل! مجھے یہ بتاؤ کہ (سیدنا) محمد ﷺ صلوٰۃ علیہ وسلم کی باتیں میرے اور تمہارے سوا قریش کا اور کوئی فرد نہیں ہے جو ہماری باتیں سن رہا ہو۔ ابو جہل نے کہا تم پر افسوس ہے، یہ خدا (سیدنا) محمد ﷺ البتہ ضرور صلوٰۃ علیہ وسلم ہیں اور (سیدنا) محمد ﷺ نے بھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن جھنڈا کعبہ کی درہانی اور زمزم کی سبیل پہلے ہی جو قصے کے پاس ہیں۔ اگر نبوت بھی وہ لے گئے تو قریش کے پاس کیا باقی بچے گا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے، یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ص ۱۱۱-۱۱۲

نابیہ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے نبی ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے، لیکن آپ جو چیز لے کر آئے ہیں، ہم اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ، اسباب النزول، ص ۲۱۹، ۲۱۸)

مقابل نے بیان کیا کہ یہ آیت حارث بن عامر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو لوگوں کے سامنے نبی ﷺ کی تکذیب کرتا تھا اور جب گمراہوں کے ساتھ تھا ہوتا تو کہتا (سیدنا) محمد ﷺ جموٹوں میں سے نہیں ہیں اور میرے نزدیک وہ صرف بچے فحش ہیں۔ (اسباب النزول، ص ۲۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس سے پہلے آیتوں میں کفار کا رد کیا جا رہا تھا اور اس آیت میں بھی ان کا رد ہے۔ پہلے ان کفار قریش کا رد کیا جو توحید، نبوت اور قیامت کا انکار کرتے تھے۔ پھر ان کافروں کا رد کیا جو سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ آپ بشر تھے

اور فرشتہ نہ تھے تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تب بھی ہم اس کو انسان کی صورت میں ہی بھیجتے اور تم پر پھر افتبا ہو جاتا اور اس آیت میں ان کافروں کا رد فرمایا ہے جو نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے ایذا پہنچاتے تھے۔ بعض آپ کو جھوٹا کہتے تھے۔ بعض آپ کو جلدوگر کہتے تھے اور بعض شاعر یا کاہن یا مجنون کہتے تھے۔

نبی ﷺ کی تسلی کی آیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کفار کی تکذیب اور ان کی دوسری دل آزار باتوں کی وجہ سے تسلی دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بتاتے ہیں ان سے آپ مطمئن ہوتے ہیں۔ دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آنکھوں کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی اور کئی آیتوں میں بھی نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تسلی دی ہے:

فَلَمَّا كَذَبْتُمْ بِآيَاتِنَا فَتَوَلَّوْا عَلٰی اٰثَارِهَا مِنْ اِنْ لَّمْ يُّؤْمِرُوْا بِهٰذَا الْاَحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف: ۸۴)
اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائے تو کہیں فرما غم سے
آپ ان کے پیچھے جان دے دیں گے۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ
ان پر حسرتوں کی وجہ سے آپ کی جان نہ ملی جائے۔

(ماطر: ۸)

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَاَنْصُرْهُمْ هَجْرًا
حَمِيْلًا ۝ وَذَرِيْنِ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولٰٓئِیَ التَّعٰتُوْنَ
مَقِيْلُهُمْ قَبِيْلًا (المزمل: ۱۰-۱۲)
کافروں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ان کو خوش اسلوبی سے
چھوڑ دیجئے اور ان جھٹلانے والے ملاح اروں کو مجھ پر چھوڑ
دیجئے اور ان کو تھوڑی سی سلت دیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ سے پہلے بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا
رسالی پر صبر کیا حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آنہی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے اور بے شک آپ کے پاس
رسولوں کی خبریں آچکی ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

اس آیت میں نبی ﷺ کو دوبارہ تسلی دی گئی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مخالفوں اور کافروں کی ایذا و ستموں پر صبر کرنا انبیاء
سابقین علیہم السلام کا طریقہ ہے اور نبی کو چاہیے کہ ان کی بے ہودہ باتوں سے اعراض کرے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرے۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعُرُوْمِ مِنَ الرُّسُلِ
سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ امت والے رسولوں نے صبر کیا

(الاحقاف: ۳۵) خدا۔

اس قسم کی آیات سے نبی ﷺ کو بار بار تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کی حکمت یہ ہے کہ صبر کرنے سے مصائب کو
برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور صبر کے اندر رحمت کے نزل اور کشمکش کے حصول کی بشارت ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا
کیونکہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور بے شک مشکل کے
ساتھ آسانی ہے۔ (الشرا: ۵۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آچکی ہیں یعنی ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں
کہ انبیاء سابقین کو لوگوں نے جھٹلایا اور انہوں نے ان کے جھٹلانے پر صبر کیا اور پلا خور رسولوں کے پاس اللہ کی مدد آنہی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِحَيٰوَةِ
الدُّنْيَا وَيَوْمِ الْاٰثٰنِ (المومن: ۵۱)
بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی
زندگی میں ضرور مدد فرمائیں گے اور (آخرت میں) جس دن

کو لہ کھڑے ہوں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا
الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنُشُورُونَ ۝ وَإِنْ
جَعَلْنَاهُمْ الْغُلَبُونَ (الصفت: ۴۳-۴۴)
ہم اپنے ان (مقرب) بندوں سے جو رسول ہیں یہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ جیسا وہی مدد کیے ہوئے ہیں اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے۔

اور جو بات اللہ پہلے فرما چکا ہے اس کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ان لوگوں کی بے اعتدالی آپ پر دشوار ہے تو اگر آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی بیڑی تلاش کر سکتے ہیں تاکہ ان کے پاس (ان کا مطلوبہ) مجزہ لے آئیں (تو لے آئیں) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا (تو اسے قاطبہ) تو ہرگز انہوں میں سے نہ ہو جاتا۔ (الانعام: ۳۵)
شان نزول

بعض آثار میں ہے کہ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف قریش کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کوئی نشانی لائیے جیسا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نشانیاں لاتے تھے۔ پھر ہم آپ کی تصدیق کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان کی مطلوبہ نشانیاں عطا فرماتے سے انکار فرمایا۔ تو انہوں نے نبی ﷺ سے منہ پھیر لیا، نبی ﷺ پر ان کا اعراض کرنا بہت دشوار ہوا، کیونکہ آپ ﷺ اپنی قوم کے ایمان لانے پر بہت حریص تھے اور وہ جب بھی کسی نشانی کا مطالبہ کرتے تو ان کے ایمان لانے کی طمع میں آپ کی یہ شدید خواہش ہوتی کہ وہ نشانی (مجزہ) نازل کر دی جائے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی، جزء ۳، ص ۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

زمین میں سرنگ بنانے اور آسمان پر بیڑی لگانے کے معانی اور توجیہات

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو ان لوگوں کا کفر بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ان کی تکذیب بہت گراں محسوس ہوتی ہے اور اس سے آپ کو بہت رنج پہنچتا ہے تو اگر آپ زمین میں سرنگ بنا کر اس میں داخل ہونے پر قادر ہوں یا بیڑی لگا کر آسمان پر چڑھنے پر قادر ہوں تو آپ ایسا کر لیں اور اگر آپ اس پر قادر نہیں ہیں تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ ان کے خلاف فہم و فہم کو برداشت کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور آپ کی نبوت اور دین اسلام کی حقانیت پر جو دلائل قائم کیے ہیں، صرف ان سے استدلال کریں اور جن لوگوں میں غور و فکر کرنے کی اہلیت ہے ان کو اس کی طرف متوجہ کریں اور جو اپنی عقل سے کام لینے کے بجائے بہت دھڑی پر قائم رہتے ہیں ان کی پروا نہ کریں۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر آپ کے خیال میں ان کے ایمان لانے کے لیے آپ کا زمین میں سرنگ بنا کر چلے جانا یا آسمان پر بیڑی لگا کر چلے جانا کافی ہے تو آپ ایسا کر لیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر آپ زمین میں سرنگ بنا کر چلے جائیں یا آسمان پر بیڑی کے ذریعہ چڑھ کر ان کا مطلوبہ مجزہ لائیں تو آپ ایسا کر لیں اور اس کی تائید ان آیتوں سے ہوتی ہے:

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تُنْزِلَ لَنَا مِنَ
الْأَرْضِ مِائِينَ سَبْعِينَ ۝ أَوْ تَنْزِلَ لَكَ جِبْتًا مِّنْ سَجِيلٍ
وَعِيبٍ فَنُخْرِجَ الْأَنْهَارَ يَجْلِي لَهَا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ
نُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا رَعِمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا
اور کافروں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے
حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا
آپ کے لیے بھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو، پھر آپ
اس میں بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ نے کہا

اَوْ تَاْتِيْ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنُ
لَكَ بَيْتٌ مِّنْ رُّحْرُومٍ اَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَآءِ وَلٰسَ
تُؤْمِنُ بِرُفُوقِكَ حَتّٰى تُسَلَّ عَلَيْنَا كَيْبًا مُّفْرَقًا ۝
قُلْ مَسْحَبَانِ رَبِّىْ هَلْ كُنتُمۡ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلُ سُوْلٰٓ

(منو اسرائیل: ۹۰-۹۱)

آپ ہم پر آسمان کو ٹھوٹے ٹھوٹے کر کے گرا دیں یا آپ اللہ
اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں، آپ کا
سولے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے
آسمان پر چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ
ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں۔ آپ کہتے ہیں
رب پاک ہے میں صرف ایک بشر ہوں اور اللہ کا رسول

ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے دعوای نبوت کے صدق پر بطور برہان اور معجزہ قرآن مجید نازل فرمایا اور یہ چیلنج کیا کہ اس میں
نہ رد و دہش ہو سکتا ہے نہ اس کی کوئی نظیر لا سکتا ہے اور جب تمام دنیا اس چیلنج سے عاجز ہو گئی اور قرآن مجید کا معجزہ ہونا خوب ظاہر
ہو گیا اور کفار کے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی تو وہ لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے طرح طرح کی نشانیوں طلب کرنے
لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں نبی ﷺ سے یہ کہلوا دیا کہ آپ کہتے ہیں میں صرف بشر اور رسول ہوں۔ یعنی میرا کلام اللہ
کا پیغام پہنچاتا ہے۔ وہ میں نے پانچا دیا اور میری نبوت پر کسی شخص کے اطمینان اور یقین کے لیے جس قدر معجزات اور نشانیوں
ضروری ہو سکتی تھیں وہ سب میرے رب نے ظاہر فرمادی ہیں۔ اب یہ کافر حیل و حجت اور ہٹ دھرمی کے لیے عجیب و غریب
معجزات طلب کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے مطلوبہ معجزات اس لیے عطا نہیں فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی نہیں نازل
فرماتا جس کے بعد عقل کی آزمائش کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کافروں کی پوری قوم کسی معجزہ کی طلب پر
اصرار کرے اور اس معجزہ کے ظہور کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے اور نبی ﷺ کی ہمت
کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ اب ان پر عذاب نازل نہیں ہو گا چنانچہ فرمایا

وَمَا كُنَّا اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان کو عذاب دے در آنہا یکہ

(الانعام: ۳۳) آپ ان میں موجود ہیں۔

معجزہ نبی کے اختیار میں ہے یا نہیں؟

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں کسی نشان اور معجزہ کو ظاہر کرنا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ کسی نشانی اور معجزہ کو ظاہر فرمادیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو نبی ﷺ اپنی کوشش سے کسی معجزہ کو ظاہر
نہیں کر سکتے اور یہ بالکل برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو قدرت دی ہے تو اختیار عطا فرمایا ہے، لیکن اس قدرت اور
اختیار کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں قہر و مختار ہیں، حتیٰ کہ جس کلام کو اللہ نہ کرنا چاہے آپ اس کو کر سکتے
ہیں۔ اس سلسلہ میں نہ یہ کہنا مطلقاً درست ہے کہ کوئی معجزہ نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ تمام
معجزات نبی ﷺ کے اختیار میں ہیں۔ قرآن مجید نبی ﷺ کا معجزہ ہے، لیکن اس کا نزول آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ
تعالیٰ جب چاہتا ہے قرآن مجید کی آیات نازل فرماتا ہے۔ اسی طرح غیب کی خبریں دیتا آپ کا معجزہ ہے، لیکن یہ آپ کے اختیار میں
نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غیب پر مطلع فرماتا ہے تو آپ غیب کی خبریں دیتے ہیں اور بعض معجزات آپ کے اختیار میں ہوتے
ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ بعض خصائص کی وجہ سے نبی عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور ان
خصائص میں سے یہ ہے کہ جس طرح عام انسانوں کے اختیار میں افضل علیہ ہوتے ہیں اسی طرح نبی کے اختیار میں افضل غیر

علویہ (معجزات) ہوتے ہیں۔ (فتح البدی 'ج ۳' ص ۷۷، طبع لاہور، احیاء العلوم ج ۵، ص ۵۳، طبع بیروت)

نبی ﷺ نے اپنے لعاب دہن سے کئی بیماروں کو شفا عطا فرمائی۔ (الشفاء 'ج ۱' ص ۲۳۳-۲۳۴) آپ نے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے نوارے کی طرح پانی جاری ہو گیا۔ (صحیح البخاری 'ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۹) معرکہ بدر میں جب جنگ کی شدت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ننگریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی اور تین مرتبہ شاہت الوجوہ فرمایا۔ اللہ کی قدرت سے ننگریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے اور وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ (روح المعانی 'ج ۹' ص ۱۸۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکل گئی۔ (صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۹)

نبی ﷺ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا ابو خیشمہ ہو جاوہ شخص جو کوئی بھی تھا وہ ابو خیشمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم 'التوبہ' ص ۵۳) (۲۷۸۳) اس قسم کے معجزات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو نبی ﷺ کی قدرت اور اختیار میں دے دیا تھا۔

جبر اہدایت نہ دینے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کو جبراً مومن بنانا چاہتا تو ان سب کو مومن بنا دیتا، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے اور اس کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں خیر اور شر دونوں چیزوں کو پیدا کر دیا ہے اور شر کی ترغیب کے لیے شیطان کو پیدا کیا اور خیر کی تحریص کے لیے انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا اور انسان کے اندر بھی خیر اور شر کے دو محرک پیدا کیے۔ پھر انسان کو عقل سلیم عطا کی، اب وہ خارجی اور داخلی تحریکات میں سے جس سے بھی متاثر ہو کر جو راستہ بھی اختیار کرتا ہے، خیر اور شر میں سے جس راہ پر چلنے کا فیصلہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ از خود اس پر کوئی راستہ مسلط نہیں کرتا اور چونکہ خیر یا شر بندہ میں اسی کے اختیار میں پیدا کی جاتی ہے اس لیے اس اختیار کی وجہ سے اس کو جزا یا سزا دی جاتی ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کو یہ بتایا گیا ہے کہ کفار کہہ کو ہدایت پر لانے کے لیے تمام دلائل کھول کھول کر بیان کیے جا چکے ہیں اور بہت سے معجزات اور نشانیوں کی جا چکی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اب ان کو ہدایت پر لانے کی صرف یہی صورت رہ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ہدایت پیدا کر دے، لیکن یہ اللہ عزوجل کا طریقہ نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ از خود تمام انسانوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا۔ پھر کسی نبی اور رسول کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی نہ کتاب اور صحائف نازل کرنے کی اور نہ معجزات اور نشانیوں پیش کرنے کی حاجت ہوتی اور رشد و ہدایت کا یہ حکمت پر مبنی نظام اور مربوط سلسلہ عبث اور بے کار ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (دعوت اسلام کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو توجہ سے سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (الانعام: ۳۶)

کفار کو مردہ فرمانے کی توجیہ

جو لوگ آپ کی دعوت اور تبلیغ سے منہ موڑ رہے ہیں اور اللہ کی توحید اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لارہے، ان کے ایمان نہ لانے اور اعراض کرنے سے آپ دل برداشتہ اور مغموم نہ ہوں، کیونکہ آپ کے پیغام کو وہی لوگ توجہ سے سنیں گے جن کے کانوں کو اللہ عزوجل نے غور سے سننے کے لیے کھول دیا ہے اور ان کے لیے آپ کی اتباع کو آسان کر دیا ہے اور وہ لوگ

مہیمان القرآن

آپ کے پیغام کو توجہ سے نہیں سنیں گے جن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ سو جب آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلائیں گے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا جس طرح موشی اپنے چرواہوں کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان کے مفہوم کو نہیں سمجھتے، سو یہی ان کا حال ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَثَلُ الْإِنۡسَانِ كَثِيرٌ مَّا يَسۡمَعُ إِلَّا دُعَاۃً وَنِدَاۃً ۖ صُمٌّ كَثِيرٌ وَسَمۡعٌ قَلِيلٌ ۚ مُّسِرًّا مَّسِرًّا ۚ وَكَثِيرٌ لَّا يَعۡقِلُونَ (البقرہ: ۱۷۱)
اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایسے کو پکارے جو چیخ و پکار کے سوا کچھ نہ سنے، بہرے کو گئے، اندھے ہیں، سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو موشی (مردہ) فرمایا ہے، کیونکہ جس طرح موشے کوئی آواز سنتے ہیں نہ کسی پکار کا معنی سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ اس کی نشانیوں سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں۔ قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی ان کو مردہ فرمایا ہے:

لَا تَكُنۡ لِّلۡدِّیۡنِیۡمِ السَّمِیۡعُ الۡمَوۡنِیُّ ۚ وَلَا تَسۡمِعِ الصُّمَّ الۡدُّعَاۃَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِمُہۡدِیۡ الضُّلٰلِیۡنَ عَنْ سَبۡلِکَ ۚ اِنَّہُمۡ اِنۡ سَمِعُوۡا اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ ۚ بِاٰیٰتِہُمۡ یُسۡمِعُوۡنَ ۚ (الاسمل: ۸۱-۸۰)
بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا دے اور نہ بہروں کو سنا دے ہیں، جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ راست پر لانے والے ہیں، آپ صرف ان ہی کو سنا دے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں، سو وہی مسلمان ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَسۡمَعُ مَنۡ یُّنۡسَاۃً وَمَا اَنْتَ بِسَمِیۡعٍ لِّمَنۡ فِیۡ الْقُبُوۡرِ (فاطر: ۳۲)
بے شک اللہ سنا دے جسے چاہے اور آپ قبر والوں کو سنانے والے نہیں ہیں۔

ان کافروں کی آنکھیں نہیں لیکن ان کو اندھا فرمایا، ان کے کان تھے پھر بھی ان کو سہرا فرمایا اور ان کی زبان تھی، اس کے باوجود ان کو گمراہ فرمایا اور یہ زندہ تھے، پھر بھی ان کو مردہ فرمایا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک آنکھیں اس کی ہیں جو محبت سے آپ کا جلوہ دیکھے، کان اس کے ہیں جو عقیدت سے آپ کی باتیں سنے، زبان اس کی ہے جو آپ کا کلمہ پڑھے اور زندہ وہ ہے جو آپ کی غلامی میں زندہ رہے۔ جو آپ کی محبت سے جلو میں مارا جائے، جو آپ کی خاطر سرکٹائے تو اللہ کے نزدیک وہ مردہ نہیں ہے، جو آپ کی غلامی میں رہے وہ زمین کے اوپر ہو، پھر بھی زندہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی زندہ ہے اور جو آپ سے منحرف ہو اور آپ کا منکر ہو وہ زمین کے اوپر ہو، پھر بھی مردہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی مردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (معجزہ) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ کہئے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطلوبہ) معجزہ نازل کر دے، لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(الانعام: ۳۷)

کفار کی مطلوبہ نشانیاں نازل نہ کرنے کا سبب

یہ آیت منوید قریش کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مصلو اور سرکشی کی بنا پر نبی ﷺ سے کسی معجزہ اور نشانی کا سوال کرتے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے بہت سی نشانیاں اور معجزے دیئے جا چکے تھے جو کسی منصف مزاج شخص کے ایمان لانے کے لیے کافی تھے اور جن نشانوں کا یہ سوال کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے نازل کرنے پر بھی قادر تھا، جیسا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ متعدد نشانیاں

ٹائل فرا چکا تھا مثلاً ان کے مطالبہ پر پائد کو شق کیا گیا لیکن یہ اس کے وجود ایمان نہیں لائے۔ لہذا ان کے مطالبہ کے موافق نشانیوں ٹائل کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا کیونکہ ہر نشانی ٹائل ہونے کے بعد یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جالو ہے۔ سو واضح ہوا کہ یہ محض جالو اور ہٹ دھرمی سے نشانیوں کو طلب کرتے ہیں لہذا ان کے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اگر ان کے اجتماعی مطالبہ کے موافق کوئی نشانی ٹائل کر دی جائے تو ان پر ایسا عذاب آئے گا جس سے یہ سب لمبا میٹ ہو جائیں گے تو ان کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹائل نہ فرماتا اس حکمت پر مبنی ہے کہ وہ نہ اللہ تعالیٰ ان کا مطالبہ پورا کرنے سے عاجز نہیں ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَيْرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أَمَمٌ

اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فضائیں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی مثل مخلوق

أَمْثَلَكُمْ مَا قَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

ہے ہم نے کتاب (روح محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع

يُحْشَرُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُومُوا فِي الظُّلُمَاتِ

کے جائیں گے ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی (وہ) بہرے اور گہمے میں، اندھیروں میں بٹھائے جائیں گے

مَنْ يَشَأِ اللَّهُ يُضِلَّهُ ۖ وَمَنْ يَشَأِ يُجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

ہیں، اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کر دے ۝

قُلْ أَرَأَيْكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَتُكْفَرُونَ أَمْ أَتُكْفَرُونَ أَعِدَّ

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے یا تم پر قیامت آجائے کیا (اس وقت) اللہ

اللَّهُ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ

کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے (بتاؤ) اگر تم سچے ہو ۝ بلکہ تم اسی کو پکارو گے، پس اگر وہ

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ۝

چاہے گا تو وہ اس بتائی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فضائیں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی

مثل مخلوق ہے۔ ہم نے کتاب (روح محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے ۝

آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اگر کفار کے فراموشی اور مطلوبہ معجزات کے نازل کرنے میں کوئی تاخیر ہو تو اللہ تعالیٰ ان معجزات کو نازل فرمادے گا اور اس کی تاکید اس آیت میں فرمائی کہ زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور فضا میں اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے من پر فضل و کرم فرمایا ہے اور ان پر احسانت کیے ہیں، اسی طرح تم پر بھی فضل و کرم فرمایا ہے اور تم پر بھی احسانت کیے ہیں اور تمہارے مطلوبہ معجزات کو تم پر نازل نہ کرنا بھی اہل اتم پر احسان ہے، کیونکہ اگر تمہاری فراموشی کے مطابق نشانیں نازل کر دی جاتیں اور تم ایمان نہ لاتے تو تم پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا جس سے تم نیست و نابود ہو جاتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کافروں کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اس کے حضور جمع کیے جائیں گے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حیوانات اور پرندے بھی تمہاری مثل ہیں، یعنی ان کو بھی اللہ کے حضور جمع کیا جائے گا۔ جانوروں کے حساب اور قصاص کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن ہر چیز مقدمہ پیش کرے گی، حتیٰ کہ وہ بکریاں بھی جنہوں نے ایک دوسرے کو بے سنگہ مارے تھے۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۲۹۰، طبع قدیم، اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۴۹)

امام ابو یعلیٰ نے اس حدیث کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۰۰، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۹، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور دو بکریاں گھاس چر رہی تھیں۔ ایک بکری نے دوسری بکری کو بے سنگہ مار کر اس کا حمل ساقط کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ چلے گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسلیا؟ آپ نے فرمایا مجھے اس بکری پر تعجب ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اس بکری سے قیامت کے دن قصاص لیا جائے گا۔ (مسند احمد، ج ۵، ص ۳۵۴، مسند ابی ہریرہ، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۵۰)

امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۵۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بے سنگہ والی بکری سے بغیر بے سنگہ کی بکری کا قصاص لیا جائے گا۔ (مسند ابی ہریرہ، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۴۹، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بعض مخلوق کا بعض سے حساب لیا جائے گا، حتیٰ کہ بغیر بے سنگہ والی بکری کا بے سنگہ والی بکری سے اور حتیٰ کہ چوٹی کا چوٹی سے۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۳۶۳، امام احمد کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۵۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جبار تبارک و تعالیٰ متوجہ ہو گا اور پہلی صراط پر اپنا پیر رکھ دے گا، پھر فرمائے گا: مجھے اپنی عزت و جلال کی حسد کوئی ظالم ظلم کر کے مجھ سے بھاگ نہیں سکتا۔ پھر وہ بعض مخلوق کا بعض سے انصاف لے گا، حتیٰ کہ بغیر بے سنگہ کی بکری کا بے سنگہ والی بکری سے اس کو بے سنگہ مارنے کا انصاف لے گا۔

(الحکم الکبیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۱۱، اس حدیث کی سند میں ایک راوی یزید بن ریحہ ضعیف ہے اور باقی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد،

ج ۱۰، ص ۳۵۳)

حیوانوں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت کی وجوہ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر حیوان اور ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔ یہ تمثیل اور تشبیہ کس چیز میں ہے؟ اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

۱- حیوانوں اور پرندوں کو بھی اللہ کی معرفت ہے، وہ اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

تَسْبِيحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَعْقِلُون (تسبیحہم) (اسو اسرائیل: ۳۳)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفِيفٌ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ (النور: ۳۱)

حضرت شریف جیو بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے بلا فائدہ کسی چیز کو قتل کیا وہ چڑیا قیامت کے دن اللہ عزوجل سے فریاد کرے گی اے میرے رب اظلال شخص نے مجھ کو بے فائدہ قتل کیا اور کسی نفع کے لیے مجھے قتل نہیں کیا۔

(سنن نسائی، ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۵۸، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۸۹، مسند المیثقی، رقم الحديث: ۵۸، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحديث: ۴۳۵، المستدرک، ج ۲، ص ۲۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۸۶، اکمال لدین عدی، ج ۵، ص ۱۸۳، کنز العمال، ج ۱۵، رقم الحديث: ۳۹۹۷)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کو واقعات اور حوادث کا ادراک اور ان کی معرفت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہمد کے مکالمہ کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح چوٹی کے جس کلام کا ذکر کیا گیا ہے اس میں بھی حیوانوں کے ادراک اور معرفت پر دلیل ہے۔

۲- جس طرح انسانوں میں والد اور ناسل ہے اور وہ ایک دوسرے سے انس رکھتے ہیں، اسی طرح حیوانوں اور پرندوں میں بھی یہ امور ہیں۔

۳- اللہ عزوجل نے جس طرح انسانوں کو ایک خاص تدبیر سے پیدا کیا ہے، اور وہ ان کے رزق کا کفیل ہے، اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کا معاملہ ہے۔

۴- جس طرح قیامت کے دن انسانوں سے ایک دوسرے کا قصاص لیا جائے گا، سو حیوانوں اور پرندوں سے بھی یہ معاملہ ہوگا۔

۵- ہر انسان میں کسی نہ کسی حیوان یا پرندے کی خلعت اور خصوصیت ہے۔ بعض انسان شیر کی طرح دلیر اور بہادر ہیں، بعض انسان بھیڑیے کی طرح حملہ کرتے ہیں، بعض انسان کتوں کی طرح بھونکتے ہیں، بعض انسان مور کی طرح مزین ہوتے ہیں، بعض انسان خنزیر کی طرح پاک چیز کو چھوڑ کر ہلاک کی طرف لپکتے ہیں، بعض انسان مٹی کی طرح خوشامدی ہوتے ہیں، بعض کوے کی طرح حریص اور بعض لومڑی کی طرح چلاک ہوتے ہیں۔

۶۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی موت، حیات، کھن کا عمل، کھن کا رزق اور ان کا اخروی انجام مقدر کر دیا ہے، اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کے بھی یہ امور مقرر کر دیئے ہیں۔

۷۔ جس طرح انسان اپنی روزی میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، اور اسے کسی مکان کی حاجت ہوتی ہے، جس میں وہ سردی، گرمی اور بارش سے پناہ حاصل کر سکے۔ اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کو بھی ان امور کی حاجت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہم مثل ہونے کا محمل قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ (الكهف: ۱۱۰)

آپ کہئے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت کی بنا پر بعض لوگ نبی ﷺ کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے کہانی سنی کہ وہ کئی بار اس نے کہا کیا آپ کے دو ہاتھ نہیں تھے؟ کیا آپ کی دو آنکھیں اور دو کان نہیں تھے؟ میں نے کہا تم دو ہاتھ تو دکھا دو گے مگر ان ہاتھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان ہاتھوں سے اشارہ کریں تو سورج مغرب سے طلوع ہو جائے، ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو چاند شق ہو جائے، وضو کے برتن میں ہاتھ رکھ دیں تو انگلیوں سے نوارے کی طرح پانی جاری ہو جائے اور تم دو آنکھیں تو دکھا دو گے لیکن ان آنکھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان آنکھوں سے جنت اور فرشتوں کو دیکھو حتیٰ کہ رب کائنات کو بے حجاب دیکھو اور تم دو کان تو دکھا دو گے مگر ان کانوں میں یہ قوت کہاں سے لاؤ گے؟ کہ فرشتوں اور جنت کا کلام سن سکو، زمین پر ہوتے ہوئے آسمانوں کی آوازوں کو سن سکو، حتیٰ کہ رب کائنات کا کلام سن سکو۔ وہ کہنے لگا کلمات کی بات کو چھوڑو، صرف اس بات میں تو آپ ہماری مثل ہیں کہ آپ کے بھی دو کان تھے اور دو آنکھیں تھیں، یعنی ان اعضاء کے عدد اور گنتی میں تو آپ ہماری مثل ہیں۔ میں نے کہا اس طرح تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ تم کتے اور خنزیر کی مثل ہو، کیونکہ تمہارے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں۔ اور ان کے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں اور جس طرح تم رسول اللہ ﷺ کے مماثل ہونے کے ثبوت میں سورہ کاف کی یہ آیت پڑھتے ہو، وہ تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل ثابت کرنے کے لیے یہ آیت پڑھ سکتا ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِطِيرٍ يَطِيرُ
يَحْتَسِبُ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ (الانعام: ۳۸)

اور زمین میں چلنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔

اگر تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل کہا جائے تو یہ تمہاری توہین ہے۔ حالانکہ تمہیں کتے اور خنزیر پر اتنی فضیلت نہیں ہے جتنی رسول اللہ ﷺ کو ہم پر فضیلت ہے، تو سوچو کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی مثل کہنے سے آپ کی کس قدر توہین ہوگی؟

اب یہ سوال کہ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آپ کہئے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف عدم الوہیت میں ہماری مثل ہیں۔ نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں اور اسی پر تنبیہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی وجودی وصف میں کوئی رسول اللہ ﷺ کا مماثل نہیں ہے نہ بشریت میں، نہ عبادت میں، نہ نبوت اور رسالت میں اور اس کائنات میں جو بھی آپ کی مثل ہے، وہ عہدی وصف میں آپ کی مثل ہے یعنی نہ وہ خدا ہے نہ آپ خدا ہیں۔ نہ وہ واجب، قدیم اور مستحق عبادت ہے نہ آپ واجب، قدیم اور مستحق عبادت ہیں۔

لوح محفوظ تمام مخلوقات کے تمام احوال کی جامع ہے

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے کتب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اس آیت میں کتب کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کتب سے مراد لوح محفوظ ہے 'لوح محفوظ سے مراد کتب ہے جس میں تمام مخلوقات کے تمام احوال تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلْنَاهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلَّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُنْتَظَرٍ (القمر: ۵۳-۵۴)
انہوں نے جو کچھ کیا وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور سے تجلی فرمائی سو جس نے اس نور کو پایا اس نے ہدایت کو پایا اور جس نے اس نور سے خطا کی وہ گمراہ ہو گیا اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۵۱ صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۵۶ سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۹۹ صحیح ابن حبان 'ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۰ سند ابو حوالہ 'ج ۱' رقم ۷۱ سند احمد 'ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۰۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقین رکھو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے اور اگر تمام امت تم کو نقصان پہنچانے پر مجتمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نقصان پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے 'قلم اٹھالے گئے ہیں اور صحیفہ خشک ہو چکے ہیں۔ (سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۵۲۳ سند احمد 'ج ۸' رقم ۳۰۷۷ سنن ابی داؤد 'ج ۳' رقم ۳۷۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خوف ہے اور عورتوں سے نکاح کرنے کی میرے پاس وسعت نہیں ہے آپ غاموش رہے۔ میں نے پھر عرض کیا آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر عرض کیا آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے چوتھی بار اسی طرح عرض کیا تو آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! جو کام تمہیں درپیش ہیں ان کے حلق قلم (لکھ کر) خشک ہو چکا ہے 'خواہ تم خسی ہو یا ایسے رہو۔

(صحیح البخاری 'ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۷۶ سنن ابی داؤد 'ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۱۵)

ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ میں تمام مخلوقات کے تمام احوال لکھ دیئے گئے ہیں اور قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

قرآن مجید تمام عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کا جامع ہے

اس آیت میں کتب کی دو سری تفسیر کی گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے اور اب معنی یہ ہو گا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں حساب 'الجبر' ریاضی اور سائنسی علوم اور ان کے قواعد کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح جدید اور قدیم میڈیکل سائنس کے علوم کا ذکر نہیں ہے تو پھر یہ معنی کس طرح درست ہو گا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا موضوع ہے دین کی معرفت 'عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے:

ذَٰلِكُمُ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (البقرہ: ۲)
یہ عظیم الكتاب اس (کے حوالہ سے) اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے یہ متغیبات کے لیے ہدایت ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَسَكَ اللَّهُ (النساء: ۵۵)

بے شک ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے
تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ فرمائیں
جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا يُتْلَىٰ لَهُمْ
الَّذِي أُخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
يُتَوَكِّلُونَ (النحل: ۸۳)

ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل فرمائی ہے کہ
جس چیز میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، آپ اس کو صاف صاف
بیان کر دیں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور
رحمت ہے۔

وَتَرَلَاَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ يَبَيِّنُ لِكُلِّ شَيْءٍ وَ
هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُسْلِمِينَ (النحل: ۸۴)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن
بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت
ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے یہ کتاب ہر شے کا روشن بیان ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس میں تمام علوم و فنون
کا روشن بیان ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کے تمام واقعات کا تفصیلی ذکر ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں ہر
پیش آمدہ مسئلہ کے لیے روشن ہدایت اور واضح شرعی رہنمائی ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر
معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شریعہ کا بیان ہے، اس میں منطق، فلسفہ، ریاضی اور سائنس
وغیرہ کی تعلیم نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ احکام شریعہ سارے کے سارے قرآن کریم سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض
قرآن مجید سے ثابت ہیں، بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے، بعض آثار صحابہ سے، بعض اجماع
سے اور بعض قیاس سے ثابت ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم
دیا ہے۔ لہذا جو احکام سنت سے ثابت ہیں، ان کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی
اقتداء کا حکم دیا ہے۔ لہذا جو مسائل آثار صحابہ سے ثابت ہیں، ان کی اصل بھی قرآن کریم میں ہے اور اجماع اور
قیاس کا حجت ہو نا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ لہذا جو مسائل اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں، ان کی اصل بھی قرآن
مجید میں ہے۔

سنت کی محبت پر دلائل

جو احکام رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں، ان کی اصل یہ آیات ہیں:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوا (الحشر: ۵۹)

اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن
کاموں سے تم کو منع کریں، ان سے باز رہو۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کر

(النساء: ۸۰) لی۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبُّكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

آپ کہئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع
کرو، اللہ تم کو اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش

(آل عمران: ۳۱) دے گا۔

آثار صحابہ کی محبت پر دلائل

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور اتباع کی اصل یہ احادیث ہیں:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے، احکام کو سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ خواہ تم پر جشی غلام مسلط کر دیا جائے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلاف دیکھیں گے۔ تم دین میں نئی باتیں نکالنے سے اپنے آپ کو بچلا کیونکہ یہ گمراہی ہے تم میں سے جو شخص اس چیز کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو ڈاڑھوں سے پکڑ لے۔
امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث ۲۷۸۵، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۴۳۰۷، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث ۴۲، سنن دارمی ج ۱، رقم الحدیث ۵۵، مسند احمد ج ۶، رقم الحدیث ۱۷۳۵، طبع جدید، مسند احمد ج ۳، ص ۳۶۷، طبع قدیم، المستدرک ج ۱، ص ۹۶، ۹۷)
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت ضرور وہ کام کرے گی جو بنو اسرائیل نے کیے تھے بالکل برابر، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی لوگ ایسا کریں گے اور بنو اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے اور میری امت تتر فرقوں میں منقسم ہوگی اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس ملت پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث ۳۷۵۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۳۳ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے بعد میرے اصحاب میں جو اختلاف ہوگا اس کے متعلق میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اسے مجھ (ﷺ) آپ کے اصحاب میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں۔ بعض اصحاب بعض سے زیادہ قوی ہیں اور ہر ایک کا نور ہے جب ان کے موافق میں اختلاف ہو تو جو شخص ان میں سے جس کے موقف پر بھی عمل کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث کو امام رزین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح، ص ۵۵۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ گراہما)
اس حدیث کے آخری حصہ کو علامہ زبیری نے امام دارمی اور امام ابن ہدی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۲، ص ۲۲۳، مطبوعہ مطبعہ مصر ۱۳۱۱ھ)

اجماع کی محبت پر دلائل

اجماع کی اصل درج ذیل آیت اور احادیث ہیں:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ سُوَّىٰ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء: ۵۵)
جس شخص نے ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلا تو ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں پہنچائیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں تمام مسلمانوں کے موقف اور مسلک کی مخالفت پر عذاب کی وعید ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی موقف حجت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کبھی

بھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی، سو تم جماعت کو لازم رکھو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

(المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ المیشی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ ایک سند کے رولوی صحیح اور ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۴۱۸)

حضرت معلویہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا

ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے، اور یہ امت بیٹھ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور کسی کی مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قیاس کی محبت پر دلائل

دی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گمروں سے پہلی بار جلا وطن کرنے کے وقت نکالا، تمہیں ان کے نکل جانے کا گمان (بھی) نہ تھا۔ وہ اس محکمہ میں تھے کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے، سو ان کے پاس اللہ کا حکم آگیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گمروں کو دیر ان کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، سو اسے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ (الحشر: ۳)

اس آیت میں قیاس کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹنا، یعنی جو حکم اصل شے کے لیے ثابت ہو گا وہی حکم اس کی نظیر کے لیے ثابت ہو گا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو عبرت پکڑنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس کلم کے سبب سے کفار اہل کتاب پر عذاب نازل ہوا ہے، تم وہ کلم نہ کرنا، ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہو گا اور یہی قیاس ہے کہ علت کے اشتراک کی وجہ سے حکم مشترک ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی میری بہن فوت ہو گئی اور اس پر مسلسل دو ماہ کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں۔ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا تو اللہ کا حق ادا کی کے زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۵۳، صحیح مسلم، ص ۱۵۳، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۱، سنن ابو داؤد، ج ۲،

رقم الحدیث: ۳۳۱۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۵۹، سنن کبریٰ للعلانی، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۹۳)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور جس شخص پر روزے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے فدیہ دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی، پھر وہ فوت ہو گئی۔ اس کا بھتیجی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا

ہاں آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو وہ لو اسکی کے زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۴، ج ۷، رقم الحدیث: ۷۳۸۸، سنن النسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۲۷۳۱) حضرت مخلد بن جبل جہڑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مخلد کو عین کی طرف بھیجا اور فرمایا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو توفیق عطا فرمائی۔

(سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد ج ۵، ص ۲۳۶، ۲۳۷) عبد الرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود جہڑ سے بہت زیادہ سوالات کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ایک زمانہ تھا کہ ہم بالکل فیصلہ نہیں کرتے تھے اور ہم اس مقام پر فائز نہ تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے ہمارے لیے وہ چیز مقدر کر دی جو تم دیکھ رہے ہو۔ سو آج کے بعد جس شخص کو فیصلہ کرنا پڑے وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ نبی ﷺ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی ﷺ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو جس طرح صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا امر درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی ﷺ نے اس کا فیصلہ کیا ہو اور نہ صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں خوف زدہ ہوں کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں تو جس چیز میں ہمیں شک ہو اس کو چھوڑ کر غیر مشکوک امر کو اختیار کرو۔ امام ابو عبد الرحمن نسائی نے کہا یہ حدیث بہت جید (محد) ہے۔

(سنن النسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۳۱۲، ۵۳۱۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مسائل کے استنبلا اور احکام کے اثبات کے لیے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی ترتیب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے ذکر ہونے پر دلائل

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا قرآن مجید میں صرف ان علوم کو بیان کیا گیا ہے جن کی تکفین کو ہدایت اور اخروی نواز و نلاح میں احتیاج ہوتی ہے یا قرآن مجید میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر حلو کا ذکر موجود ہے۔ علامہ آلوسی کا تفسیر طائی اللہ کرہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ یہ غنی اور ایک جماعت کا حکمہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ان تمام چیزوں کا ذکر ہے جن کی دین اور دنیا میں ضرورت پڑتی ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہے اور یہ ذکر یا مفصل ہے یا مجمل ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ دین کا جو مسئلہ بھی پیش آئے گا اللہ کی کتاب میں اس کے متعلق ہدایت موجود ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود جہڑ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ کو دے والی پر اور گدوائے والی پر لعنت کرتا ہے اور ہل نوچنے والی پر اور جو خوبصورتی کے لیے دانتوں میں جمی کدواتی ہیں اور اللہ کی مٹوٹ کو تبدیل کرتی ہیں۔ ام یعقوب نے کہا اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت عبداللہ نے کہا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی

ہے اور اس پر کتب اللہ میں لعنت ہے۔ اس عورت نے کہا یہ خدا میں نے قرآن مجید کو پڑھا ہے اس میں تو اس لعنت کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ خدا اگر تم نے قرآن مجید کو پڑھا تو تم اس لعنت کو پالیتیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور رسوں تم کو جو احکام دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو۔ (المشعر: ۵۹) صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث: ۵۴۳۹ صحیح بخاری میں اسی قدر ہے لیکن علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود جرح نے اس عورت سے پوچھا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی اس نے کہا پڑھی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ امام شافعی نے کہ میں فرمایا تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو میں تم کو اللہ کی کتب سے اس کا جواب دوں گا ان سے سوال کیا گیا جو محرم بجز (حتمیہ) کو مار ڈالے آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ اس کو مار سکتا ہے اور اس پر حضرت ابن مسعود کی طرح استدلال کیا۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا اس قرآن میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے لیکن ہمارا علم ان چیزوں کو حاصل کرنے سے قاصر ہے جن کا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور امام ابو اسحاق نے کتاب العطلۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی چیز سے غافل ہو تا تو چھوٹی رائی کے دانہ اور پھر سے غافل ہوتا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو گئی تو میں اسے اللہ کی کتب میں تلاش کر لوں گا (یہ اثر کسی صحیح یا معتبر سند سے منقول نہیں ہے۔ سعیدی فخر) اور علامہ مری نے کہا قرآن مجید میں اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور ان علوم کا حقیقۃً احاطہ صرف اللہ تعالیٰ نے کیا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے ماسوا ان چیزوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور میں نے بعض علماء سے سنا اور اس کی صحت کا ذمہ ان ہی پر ہے کہ ایک دن محی الدین ابن العربی قدس سرہ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر جا رہے تھے اچانک شیخ گدھے سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لوگ شیخ اکبر کو سوار کرانے کے لیے آگے بڑھے انہوں نے کہا مجھے کچھ سلت دو۔ انہوں نے کچھ سلت دی۔ پھر شیخ نے ان کو سوار کرانے کی اجازت دی لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ شیخ نے کہا میں نے اللہ کی کتب میں اس حلوے پر غور کیا تو مجھے سورۃ الفاتحہ میں اس کا ذکر مل گیا اور یہ امر ہماری عقلوں سے باہر ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے سورۃ الفاتحہ سے باوجود ان کے نام نکلے ہیں اور ان کے احوال اور ان کی سلطنت کی مدت وغیرہ مستبط کی ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ ام الکتاب ہے۔ اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں اس شخص کی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن مجید میں ان ہی چیزوں کا بیان کیا گیا ہے جن کی ممکنین کو ضرورت ہے مثلاً دلائل توحید وغیرہ۔

(روح المعانی ج ۷، ص ۱۳۵-۱۳۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں صرف ہدایت کے مذکور ہونے پر دلائل

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع صرف ہدایت دینا ہے۔ اس لیے اس نے عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کی ہدایت دی ہے اور اس سلسلہ میں موعظت اور نصیحت کے لیے انبیاء اور صالحین اور کفار اور منافقین کا تذکرہ کیا ہے اور جنت اور دوزخ کا بیان کیا ہے اور اخروی فوز و فلاح کی ہدایت کے لیے جو امور ضروری ہیں ان سب کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بعض علماء اور صوفیاء کا یہ نظریہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام ماسکات و مایکوں کا بیان ہے یعنی ابتداء آفرینش عالم سے لے کر دخول جنت اور دخول نار تک ہر ہر جزئی اور شخص واقعہ اور حلوے کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہر چند کہ ان کا

صراحتاً اور تفصیلاً بیان نہیں ہے، لیکن ان امور کا اجمالاً ذکر ہے اور کچھ رموز، اشارات اور کنایات ہیں جن سے ان تمام امور کا استخراج کیا جاسکتا ہے۔ ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت

(النحل: ۸۸) ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت ان کے مطلوب پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اگر ہر چیز سے ماسکات و مایکون مراد لیا جائے تو ان کے اپنے قول کے مطابق اس کا بیان رموز اور اشارات سے ہے اور اس کو تبیان اور روشن یا واضح بیان نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں اگر اس سے مراد عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ ہوں تو ان کی ہر چیز کا قرآن مجید میں روشن بیان ہے۔ نیز وہ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقًا
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (یوسف: ۱۱۰)

یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے، لیکن یہ ان کتابوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان لانے والوں کے لیے

ہدایت اور رحمت ہے۔

لیکن اس آیت سے بھی ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اگر اس سے یہ مراد ہو کہ اس میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر حادثہ اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کی تفصیل ہے تو فی الواقع قرآن کریم میں ان چیزوں کی تفصیل نہیں ہے اور ان علماء کا بھی یہ کہنا ہے کہ ان تمام امور کا قرآن مجید میں اجمالاً ذکر ہے، نہ کہ تفصیلاً۔ اس لیے یہ آیت بھی ان کے مدعا پر دلیل نہیں ہے اور اگر اس آیت سے یہ مراد ہو کہ اس میں عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ میں سے ہر چیز کی تفصیل ہے تو یہ معنی برحق ہے، لیکن یہ معنی ہماری تائید کرتا ہے نہ کہ ان کی۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان کے متعلق مستند مفسرین کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی البیضاوی الترمذی ص ۶۸ لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَا فَتَرْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

عطا نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کو جس چیز کی حاجت تھی، ہم نے اس کا بیان کر دیا ہے یا صریح عبارت میں یا دلالت النص سے یا اجمال سے یا تفصیل سے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان

(النحل: ۸۸) ہے۔

یعنی قرآن مجید ہر اس چیز کا روشن بیان ہے جس کی دین میں احتیاج ہے اور سورۃ الانعام کی زیر بحث آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جو ماسکات و مایکون پر مشتمل ہے، یعنی ہم نے لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے قیامت تک کی تمام چیزوں کو لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے۔

(الوطی ج ۲ ص ۲۶۹، ۲۶۸، مطبوعہ دارالکتب اعلیٰ بیروت ۱۴۱۰ھ)

علامہ واحدی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

تبیان القرآن

حضرت عبود بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اس سے فرمایا لکھ تو اس نے اب تک ہونے والی سب چیزوں کو لکھ دیا۔

(سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۳۰، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۰، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے قلم کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا لکھ تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ دیا۔

(المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۵۰۰، مسند ابویعلیٰ، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۱، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۳، الامام والصفات للبیہقی، ص ۳۷۸، مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۱۹۰، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

علامہ ابو الفرج جمال الدین عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحلی المتوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کتب کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی ہم نے ہر چیز کو ام الکتاب میں لکھ دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے تمہاری حاجت کی ہر چیز قرآن مجید میں بیان کر دی ہے یا صراحتاً یا بجملہ یا دلالتاً۔ جیسا کہ سورۃ النحل، آیت ۸۹ میں ہے ہم نے آپ پر یہ کتب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ یعنی ہر اس چیز کو بیان کر دیا جس کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (ازلوا السیر، ج ۳، ص ۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام غزالی محمد بن ضیاء الدین مرمرازی شافعی متوفی ۵۰۶ھ لکھتے ہیں: قرآن مجید کی تمام یا اکثر آیتیں مطلقاً، ضمنیاً، اور التزاماً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کتب کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین اللہ کی معرفت اور اللہ کے احکام کی معرفت کو بیان کیا جائے۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۵۴۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتب سے مراد لوح محفوظ ہے، کیونکہ اس میں تمام حوادث ثابت کیے گئے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ کتب سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے دین کی کسی چیز کو قرآن مجید میں نہیں چھوڑا، اور دین کی ہر چیز کی اس میں دلالت ہے۔ یا تو بالکل واضح دلالت ہے اور اگر مجمل دلالت ہے تو اس کا بیان رسول اللہ ﷺ سے یا اجماع سے یا قیاس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

کتب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے، کیونکہ اس میں دنیا کی ہر بڑی اور چھوٹی چیز لکھی ہوئی ہے اور اس میں کسی جاندار یا بے جان کی کسی چیز کو ترک نہیں کیا گیا اور یا کتب سے مراد قرآن مجید ہے، کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کی تدوین کی گئی ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ مفصلاً بھی اور مجملاً بھی۔ (السنن مع الکازرونی، ج ۲، ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابو الیمان اندلسی المتوفی ۷۵۳ھ لکھتے ہیں:

اگر کتب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتب میں ایسی کسی چیز کو نہیں چھوڑا جو اللہ کی معرفت کی دعوت دیتی ہو، اور اس کے احکام کی طرف بلاتی ہو۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کتب تمام احکام شریعہ پر مشتمل ہے۔

(المحیط، ج ۳، ص ۵۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزی ضلی متوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس چیز کو نہیں چھوڑا جس کے ذکر کی احتیاج ہے۔

(بدائع التفسیر، ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ دار ابن الجوزی، ریاض، ۱۴۱۳ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد حسین قنیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کے ذکر کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں طب، حساب، دیگر علوم اور لوگوں کے مذاہب کی تفصیلات تو نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تفریط نہ کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کی احتیاج ہو اس کو نہ چھوڑا جائے اور احتیاج اصول اور قوانین کی ہوتی ہے۔ اور وہ قرآن مجید میں مذکور ہیں اور علم الفروع کی تفصیل کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ وہ ملت، اہل علم اور قیاس سے ثابت ہیں۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان علی حاشی جامع البیان، ج ۷، ص ۱۳۲، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ کتاب اپنی عبارت، دلالت، اشارت اور اقتضاء کے اعتبار سے ان تمام امور پر مشتمل ہے جن کی طرف ہم اپنی مہلت میں متوجہ ہیں۔

(ادارک التنزیل علی حاشی الحازن، ج ۲، ص ۱۵، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور)

علامہ ابو سعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہم اشیاء کے بیان میں سے قرآن کریم میں کسی شے کو ترک نہیں کیا اور ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کی مصلحتوں کی رعایت فرماتا ہے۔

(تفسیر ابو سعود علی حاشی التفسیر الکبیر، ج ۳، ص ۱۶۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

قاضی محمد اللہ پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

یہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کو مفصلاً یا مجملہً بیان کیا گیا ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (التفسیر المصطفوی، ج ۳، ص ۱۳۳، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، ۱۳۹۳ھ)

سید محمد رشید رضا اپنے استاذ الشیخ محمد عہدہ کی تقریر لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے قرآن مجید مراد لیا جائے تو اس آیت کے عموم سے مراد دین کے موضوع کا عموم ہوگا جس دین کو دے کر رسولوں کو بھیجا جاتا ہے اور جس کی وجہ سے کتابوں کو نازل کیا جاتا ہے اور وہ ہدایت ہے کیونکہ ہر چیز کا عموم اس کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کسی قسم کو ترک نہیں کیا جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا جاتا ہے اور ہم نے ان کو اس کتاب میں بیان کر دیا ہے اور وہ دین کے اصول، قواعد اور احکام ہیں اور ان میں انسان کی قوت بدنی اور قوت عقلی کی یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے وہ ان سے کس طرح استفادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی سنتوں کی رعایت کر کے کس طرح سے انفرادی اور اجتماعی کمال حاصل کرے اور قرآن مجید نے صریح عبارات اور اشارات سے اس کے حصول کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں تمام کائنات کے علوم ہیں اور تمام ماسکات و مایکون کا ذکر ہے اور یہ کہ ایک دن شیخ محمد الدین ابن العربی اپنے دراز گوش سے گھر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو انہوں نے لوگوں کو اس وقت تک یہ

اجازت نہیں دی کہ ان کو اٹھائیں جب تک کہ انہوں نے سورۃ فاتحہ سے اپنے گدھے سے گرنے اور ٹانگ ٹوٹنے کے علاوہ کا استخراج نہیں کر لیا۔ یہ دعویٰ ایسا ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے اس کا قول نہیں کیا اور نہ فقہاء تابعین اور علماء سلف صالحین میں سے کسی کا یہ قول ہے اور نہ ہی لوگوں میں سے کوئی شخص اس قول کو قبول کرے گا۔ سو ان لوگوں کے جن کا یہ اعتقاد ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں نے جو کچھ اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے وہ سب حق ہے۔ خواہ اس کو عقل قبول کرے نہ اس کی نقل تائید کرے اور نہ اس پر لغت و دلائل کرے۔ اس کے برعکس ائمہ سلف نے یہ کہا ہے کہ عبارات ضروریہ کے تمام احکام فرعیہ پر قرآن مجید مشتمل نہیں ہے نہ صریح عبارات سے نہ دلائل النص سے نہ اشارۃ النص سے بلکہ قرآن نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اجماع کرنا واجب ہے۔ لہذا ہر وہ چیز جو سنت سے ثابت ہے اس پر بھی قرآن دلائل کرتا ہے۔ نیز قرآن مجید نے قیاس صحیح کے قواعد کو ثابت کیا ہے اور دیگر قواعد کو بھی ثابت کیا ہے۔ لہذا قیاس کی فروع اور جزئیات پر بھی قرآن مشتمل ہے اور دین کی کوئی چیز ان سے خارج نہیں ہے۔ (المعارف، ج ۷، ص ۳۹۵، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید شریعت کا کلیہ ہے اور اس میں ہر صورت کلیات جمع کیے گئے ہیں کیونکہ ان کے نزول کے مکمل ہونے سے شریعت تمام ہو گئی۔ لہذا جب ہم شریعت کے کلیات کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید ان تمام کو شامل ہے۔ (تفسیر القاسمی، ج ۷، ص ۵۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ احمد مصطفیٰ الراغبی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتب سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے قرآن مجید میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کوئی قسم نہیں چھوڑی جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا گیا ہے اور اس میں دین کے اصول، احکام اور حکمتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ انسان اپنی بدی اور عقلی قوتوں کو کس طرح استعمال کرے۔

(تفسیر الراغبی، ج ۷، ص ۱۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ڈاکٹر وجہ زحلی لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتب سے مراد قرآن ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید مکمل شریعت پر دلالت کرتا ہے اور اسلام کے مہادی اور تمام احکام کے اصول اور دین کے اخلاق و ضوابط پر محیط ہے۔

(التفسیر المنیر، ج ۷، ص ۱۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

علامہ محی الدین شیخ زانہ متوفی ۱۳۸۵ھ لکھتے ہیں:

اگر کتب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن کریم میں علم طب اور علم حساب کی تفصیل کا ذکر تو نہیں ہے نہ دیگر علوم اور ان کے مباحث کا ذکر ہے اور نہ ائمہ کے مذاہب کا ذکر ہے اور نہ ان کے دلائل کا ذکر ہے جو علم الاصول اور علم الفروع میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتب میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں چھوڑا اس سے مراد یہ ہے کہ مکلفین کو اپنے دین کی قسم میں جن امور کی ضرورت ہوتی ہے ہم نے ان کو نہیں چھوڑا۔ اور جن امور کی حاجت نہیں ہے ان کی تفصیل نہیں کی اور علم الاصول، بلکہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں دلائل اسیلہ پوری تفصیل سے موجود ہیں اور ائمہ مذاہب کی تفصیل اور ان کے اقوال کے ذکر کی اس میں کوئی حاجت نہیں ہے۔ باقی رہی علم الفروع کی تفصیل تو علماء نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع، خبر واحد اور قیاس شریعت

میں حجت ہیں اور جو مسئلہ بھی ان تین ذرائع میں سے کسی ایک سے ثابت ہو گا وہ درحقیقت قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو روکیں ان سے باز رہو (المشر ۵۹) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے 'تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے' یعنی گودنے والی پر اور گدوانے والی پر اور ہل جوڑنے والی پر اور ہل بڑوانے والی پر۔

روایت ہے کہ ایک عورت نے پورے قرآن کو پڑھا پھر وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی میں نے گزشتہ رات پورے قرآن کو پڑھا اور مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی کہ گودنے والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم واقعی تلاوت کرتیں تو تم کو وہ آیت مل جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے منع کریں ان سے باز رہو اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو احکام دیئے ہیں ان میں یہ حکم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت فرماتا ہے اور روایت ہے کہ ایک دن امام شافعی مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص نے آکر پوچھا اگر محرم بھڑ (حتیہ) کو مار دے تو کیا اس پر تلوانہ ہے؟ امام شافعی نے فرمایا اس پر کوئی تلوانہ نہیں ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟ کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں وہ قبول کرو پھر سند کے ساتھ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا۔ پھر سند کے ساتھ ذکر کیا کہ جس عرم نے بھڑ کو قتل کیا تھا اس کے متعلق حضرت عمر نے یہی فرمایا تھا تو امام شافعی نے تین درجات کے ساتھ اس حکم کو قرآن مجید سے مستنبط کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع حجت ہے اور خبر واحد حجت ہے اور قیاس حجت ہے لہذا ہر وہ حکم جو ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہو گا وہ درحقیقت قرآن مجید سے ثابت ہو گا اور اس تقریر کے مطابق اس آیت کا یہ معنی صحیح ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کو نہیں چھوڑا کیونکہ اس کتاب کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شریعہ کا بیان ہے اور وہ تمام عقائد اور احکام قرآن مجید میں یا صریح عبارت کے ساتھ موجود ہیں یا دلالت کے ساتھ موجود ہیں اور وہ دلالت اجماع، خبر واحد یا قیاس میں سے کسی ایک سے حاصل ہوگی۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر ایضادی ج ۲ ص ۱۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہم نے یہ واضح کرنے کے لیے بہ کثرت دلائل اور حوالہ جلت پیش کیے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف عقائد اسلام اور احکام شریعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ بات بہت مشہور ہو گئی ہے کہ قرآن مجید میں ابتداء آفرینش عالم سے لے کر دغوں جنت اور دخول نار تک تمام کوائف اور حوادث اور تمام مخلوقات کے تمام احوال بیان کیے گئے ہیں اور جیسا کہ قارئین پر واضح ہو چکا ہے یہ بالکل بے اصل بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ بہرے اور گونگے ہیں۔ اندھیروں میں (بھٹکے ہوئے) ہیں اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کر دے۔ (الانعام: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کے گمراہی اور ہدایت پیدا کرنے کی توجیہ

جن کافروں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کی تکذیب کی جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا ان کی جماعت اور ان کی کج فہمی کی وجہ سے ان کی مثل بہرے شخص کی طرح ہے جو ستانہ ہو اور گونگے شخص کی طرح ہے جو

بولتا نہ ہو۔ وہ حق کی طرف دعوت و ارشاد کو قبول کرنے کے لیے سننے اور حق کو پہچاننے کے بلو جو داس کا اقرار نہیں کرتے اور وہ شرک، بت پرستی اور رسوم جاہلیت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور جماعت، آباء و اجداد کی اندھی تقلید اور ہٹ دھرمی اور کٹ جتنی کے اندھیروں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ سو جو شخص سرور کو نگاہ اور اندھیروں میں بھٹک رہا ہو، وہ کیسے صحیح راستہ پر گامزن ہو سکتا ہے یا ان تاریکیوں کے جال سے کس طرح نکل سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے، تصرف فرماتا ہے۔ وہ جس میں چاہتا ہے، ہدایت پیدا فرماتا ہے اور جس میں چاہتا ہے، گمراہی پیدا فرماتا ہے۔ جو شخص اللہ کی طرف بلائے جانے سے اعراض کرتا ہے اور جو دلائل اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ان میں غور و فکر کرنے سے تکبر کرتا ہے اس شخص میں اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جو انسان اپنی سماعت، بصارت اور عقل سے صحیح کام لے کر صحیح نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرتا ہے اور وسیع کائنات میں اس کی قدرت اور اس کی وحدت پر پھیلی ہوئی نشانیوں سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ اس میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جس چیز کا سبب اور ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اس میں پیدا کر دیتا ہے اس لیے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ گمراہی کو پیدا کرتا ہے تو گمراہ کی مذمت کس لیے ہے؟ اور جب ہدایت اللہ پیدا کرتا ہے تو ہدایت یافتہ کی تعریف کس سبب سے ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے یا تم پر قیامت آجائے کیا (اس وقت) اللہ کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے؟ (بتاؤ!) اگر تم جے ہو؟ (الانعام: ۴۰) مصیبتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا فطری تقاضا ہے

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاہلیت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور اس کائنات میں وہی حقیقی متصرف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمادیا ہے کہ جب ان کافروں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی بناء میں آتے ہیں اور اس کی اطاعت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں وہی واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے چنانچہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اے رسول مکرم! آپ ان مشرکین سے کہئے کہ جس طرح سابقہ امتوں پر عذاب آتے تھے، ان کو زمین میں دھنسا دیا جاتا تھا یا ان پر سخت آندھیاں آتیں یا بجلی کی کڑک آتی یا طوفان آتا اگر تم پر ایسا ہی عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا تم اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے جو تم سے ان مصائب کو دور کرے گا یا تم اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پکارو گے جو تم کو ان تکلیفوں سے نجات دیں گے۔ بتاؤ اگر تم ان بتوں کی عبادت میں جے ہو؟ تو پھر اللہ تعالیٰ از خود اس سوال کا جواب دیتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ تم اسی کو پکارو گے جس نے تم کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بتاتے تھے۔ (الانعام: ۴۱)

خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی مصیبت اور تنگی میں تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو تاکہ تمہاری مصیبتیں اور تکلیفیں دور ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق اگر چاہے تو تم سے وہ تکلیف دور کر دیتا ہے اور ایسے وقت میں تم اپنے بتوں کو بھول جاتے ہو اور اللہ کے سوا تم کو کوئی یاد نہیں آتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ يُنَجِّبُكُم مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
تَذْعُوهُ نَصْرًا وَخُفْيَةً لَّيْسَ أَنُحْثَا مِنْ هُدًى
لَّكَوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُجِيبُكُم
وَيَهْدِيكُمْ لِكُلِّ غَرْبٍ ثُمَّ إِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ ۝

(الانعام: ۴۳-۴۴)

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَا إِلَهُ
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا
هُمْ يَشْكُرُونَ ۝ (العنكبوت: ۲۵)

آپ کہنے کہ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے تمہیں کون
نجات دیتا ہے؟ جسے تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ
ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم شکر کرنے والوں میں
سے ہو جائیں گے 'آپ کہنے اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف
سے تمہیں اللہ ہی نجات دیتا ہے 'پھر تم شرک کرتے ہو۔

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں
اور آگاہی کہ وہ اخلاص سے اس کی عبادت کرنے والے ہوتے
ہیں اور جب وہ ان کو خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو
یہ ایک وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنے خالق کی معرفت رکھی ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ
خدا کے واحد کی پرستش کرے اور اسی کو پکارتے۔ اس لیے انسان پر جب کوئی سخت مصیبت اور پریشانی آتی ہے تو اس کی امید کی
نظریں اس کے سوا اور کسی کی طرف نہیں اٹھتیں:

وَمَطَرَهُ اللَّهُ أَتَيْنًا نَّظَرَ النَّاسِ عَلَيْهَا لَا
تُؤَدِّرُهَا لِيَعْلُقَ الْأَلْو ۝ (الروم: ۴۸)

اللہ کی باری ہوئی سرشت کو اپنے اوپر لازم کرو جس پر اس
نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی سرشت میں کوئی
تبدیلی نہیں ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَآخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ

اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا

وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۝ ۴۲ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا

کر دیا تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں ۝ ۴۲ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ

وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَفُتِنُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۴۳

گڑگڑا کر دعا کی لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا ۝ ۴۳

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۝ ۴۴

پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو دی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، حتیٰ کہ

إِذَا فَرَّحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ۝ ۴۵

جب وہ ان چیزوں پر اترنے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناپید ہو کر رہ گئے ۝ ۴۵

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۵﴾

پس عالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام قریبیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہازوں کا پروردگار ہے ○

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں سے جاسنہ اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو

مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْظِرْ كَيْفَ نَصْرُ الْآيَاتِ ثُمَّ

اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہارے پاس سے آئے، دیکھیے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں

هُمْ يَصْذَفُونَ ﴿۳۶﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً

پھر (جی) وہ روڑہاں کرتے ہیں ○ آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اپاہک یا کلم کھلا، اللہ کا عذاب آجائے

أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمُونَ ﴿۳۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ

تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے ○ ہم صرف خوش خبری سنانے والے

إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ فَمَنْ أَمِنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اور ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں، پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَسْتَهْزَهُمُ الْعَذَابُ

خوف ہوگا اور نہ وہ ٹھگیں ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۳۹﴾ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ

وہ نافرمانی کرتے تھے ○ آپ کہیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَيْتُمُ الْوَعْدَ

اور میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا

يُوحَىٰ إِلَىَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۰﴾

ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے، آپ کہیے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے، کیا تم غور نہیں کرتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ گمراہ کر دیا کریں۔ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ گمراہ کر دیا کی، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا۔ (الانعام: ۳۲-۳۳)

مصیبتیں اور تکلیفیں بندوں کو اللہ کی طرف راجع کرنے کے لیے نازل ہوتی ہیں

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی ایک قوم کا مل بیان فرمایا تھا جو سختیوں اور مصیبتوں میں اللہ کی طرف رجوع کرتی تھی اور اس آیت میں ان سے زیادہ سخت دل کافروں کا مل بیان فرما رہا ہے جو سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ الباء کا معنی ہے شدت، عذاب، قوت اور شدت فقر اور اس کا اطلاق جنگ اور مشقت پر بھی کیا جاتا ہے اور الباء جنگ کی شدت کو بھی کہتے ہیں اور الباء ضرر سے بنا ہے، ضرر نفع کی ضد ہے، یعنی نقصان اور مرض کو بھی کہتے ہیں۔ اس آیت میں الباء سے مراد ہے فکری تنگی اور الباء سے مراد ہے بیماری کی سختی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی عبرت کے لیے سابقہ امتوں کی مثل دی اور یہ بتایا کہ اپنے بندوں کو مشکلات اور سختیوں میں مبتلا کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے تاکہ وہ گمراہی اور کفر سے ہدایت اور ایمان کی طرف رجوع کریں۔ اس لیے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دی۔ سو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو ہم نے ان کو فقر اور معاش کی تنگی میں اور بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور گمراہ کرنا اللہ سے دعا کریں کیونکہ سختیاں بھیجنے سے انسان کندن بن جاتا ہے۔ مشرکین مکہ کو یہ اس لیے بتایا ہے کہ وہ بھی پہلی امتوں کے کافروں کی طرح عذاب الہی کے خطر تھے اور نبی پیغمبر کی مخالفت کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو موکد فرمایا کہ جب ان کافروں پر فقر اور مرض کا عذاب مسلط کیا گیا تو انہوں نے اللہ سے گمراہ کر دیا کیوں نہیں کی، ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہوئی نہ خوف پیدا ہوا اور انہوں نے عبرت حاصل نہیں کی۔ سو ان کے دل پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور یہ لوگ جو نبیوں سے عداوت رکھتے تھے، شرک کرتے تھے اور فسق و فجور میں ڈوبے رہتے تھے، شیطان نے ان کے ان کاموں کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا اور ان کے دلوں میں یہ دوسرہ ڈالا کہ اپنے باپ دادا کے طریقہ پر ڈنٹے رہو، کیونکہ یہی حق و صواب ہے۔ پھر جب انہوں نے اس سنجیدہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جس سے وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ چنانچہ فرمایا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں پر اترنے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ پس ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعزیریں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (الانعام: ۴۵-۴۷)

گناہوں کے باوجود نعمتوں کا ملنا اللہ کی طرف سے استدراج اور ڈھیل ہے

اس آیت میں ان کے نصیحت کے بھولنے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا، حالانکہ بھولنے سے احتراز تو ان کے اختیار میں نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھولنے سے مراد ترک کرنا ہے، یعنی جب انہوں نے اس نصیحت کے تقاضوں پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ ابن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا ہے جس دین کی طرف ان کو اللہ اور اس کے رسولوں نے دعوت دی تھی، اس کو انہوں نے ترک کر دیا، بلکہ اس کا انکار کیا اور اس کو رد کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی معاش کی تنگی کو رزق کی وسعت سے بدل دیا اور بیماریوں کو صحت اور سلامتی کے ساتھ بدل دیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کس طرح فرمایا ہے کہ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ ان پر رحمت اور توبہ کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔ ان کے علاوہ نیکی اور صلاح اور فلاح کے دروازے بھی بہت زیادہ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے رزق کی وسعت، خوشحالی اور جسمانی صحت و سلامتی کے جو دروازے ان پر بند کر دیئے تھے بطور استدراج اور ان کو ڈھیل دینے کے لیے ہم نے وہ بند دروازے ان پر کھول دیئے۔ اس کی نظیر اس آیت میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قُرْبِهِ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالنَّاسِآتِ وَالْقَرَآءِ لَعَلَّهُمْ يَضُرُّوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّفَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّى عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الْقَرَآءُ وَالْقَرَآءُ مَا خَذَلْنَاهُمْ نِعْمَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ (الاعراف: ۹۳-۹۵)

ہم نے جب بھی کسی نبی میں کوئی نئی بھیجا تو اس بہت دالوں کو (نبی کی تکذیب کی وجہ سے) ہم نے غلی اور تکلیف میں گرفتار کر لیا تاکہ وہ گڑبگڑا کر دعا کریں پھر ہم نے بد حالی کو خوشحالی سے بدل دیا حتیٰ کہ وہ (مال اور اولاد میں) بہت زیادہ ہو گئے اور کہنے لگے 'ہمارے آباء و اجداد کو بھی تکلیف اور راحت پہنچ رہی ہے پھر ہم نے اچانک ان کو اپنی گرفت میں لے لیا اور آٹھایک ان کو شعور نہ تھا۔

وَأُمِّسِي لَهُمْ إِنَّ كِبْرِيَّ مَتِينٌ ۝ (الاعراف: ۹۸) - بہت مضبوط ہے۔ اور میں انہیں ڈھیل دیتا ہوں' ہے شک میری خفیہ تدبیر

محمد بن نصر عارثی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بستی دالوں کو بیس سال صلت دی تھی۔ ابن جریر نے کہا کہ وہ خوشحالی میں مغرور تھے کہ اچانک ان پر عذاب آگیا۔ ابن زید نے کہا مبلس وہ شخص ہے جس پر ایسی مصیبت آجائے جس کا تدارک نہ ہو سکے۔ یا اس پر ایسا عذاب آئے جس سے بچو نہ کیا جاسکے۔ (جامع البیان 'جز ۷' ص ۲۵۶-۲۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم نے فرمایا جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کے بلوغدان کے سوالوں کے مطابق عطا فرما رہا ہے تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے استدراج اور ڈھیل ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (الآیہ) (مسند احمد 'ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت طبع جدید ۱۴۱۳ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں 'حسن نے کہا جس شخص پر بھی اللہ نے دنیا و سبب کر دی ہے' اور اس کو یہ خوف نہ ہو کہ اس کو ڈھیل دی گئی ہے تو اس شخص کا عمل ناقص ہو گا اور اس کی فکر ردی ہوگی اور جس شخص سے اللہ نے دنیا کی وسعت روک لی ہو اور اس نے اس غلی میں خیر کا گمان نہ کیا ہو تو اس شخص کا عمل بھی ناقص ہو گا اور اس کی فکر ردی ہوگی اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی جب تم فخر کو اپنی طرف آتا دیکھو تو نیک لوگوں کی طرح مرجھا کو' اور جب تم غنا کو اپنی طرف آتا دیکھو تو کہو یہ آزمائش ہے جس میں مجھے جلا کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن 'جز ۶' ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں نے اپنے رب کے خلاف سرکشی کی تھی اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے احکام کی مخالفت کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو اچانک ہلاک کر دیا اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر نیست و نابود کر دیا۔ اس لیے فرمایا پس ظالموں کی جزا

کلت دی گئی اور فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، یعنی کامل شہ اور کامل شکر اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس نے اپنے رسولوں پر اور اپنی اطاعت کرنے والوں پر انعام فرمایا اور ان کو اپنے مخالف کافروں کے خلاف دلائل اور براہین سے غلبہ عطا فرمایا اور کافروں کو ان کے کفر اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے جس عذاب کی وعید سنائی تھی، وہ عذاب ان پر نازل کر دیا اور اپنی وعید کو سچا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے کلن اور تمہاری آنکھیں لے جائے اور تمہارے دلوں پر مر لگادے تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہارے پاس لے آئے، دیکھئے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں، پھر (بھی) وہ روگردانی کرتے ہیں۔ (الانعام: ۴۶)

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ خالقیت پر استدلال کرنا مقصود ہے، کیونکہ انسان کے اشرف الاعضاء کلن آنکھیں اور دل ہیں۔ کلن قوت سمعہ کا عمل ہیں، آنکھیں قوت بصرہ کا عمل ہیں اور دل حیات، عقل اور علم کا عمل ہے۔ اگر ان اعضاء سے یہ صفات زائل ہو جائیں تو انسان کے حواس اور اس کی کارکردگی کا نظام فاسد ہو جائے گا اور وہ دین و دنیا کے فوائد حاصل کرنے سے محروم ہو جائے گا اور یہ بالبدایت معلوم ہے کہ جس ذات نے ان قوتوں کو پیدا کیا اور ان کو زائل ہونے سے محفوظ رکھا ہے، وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ان عظیم الشان اور علی قدر نعمتوں کا دینے والا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے تو پھر یہ کہنا واجب ہے کہ تعظیم، ثناء اور عبودیت کا مستحق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بتوں کی عبودیت کرنا باطل اور فاسد طریقہ ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اگر وہ تمہارے دلوں پر مر لگادے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ کافروں کے دلوں پر مر لگادے جس سے وہ ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عقلوں کو بالکل زائل کر دے اور وہ پاگلوں اور مجنوں کی طرح ہو جائیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کے دلوں کو مردہ کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، دیکھئے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں، یعنی کبھی ہم انہیں اپنی نعمتیں یاد دلا کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں اور کبھی انہیں پچھلی امتوں کا عذاب یاد دلا کر ڈراتے ہیں اور کبھی اس بات سے ڈراتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو تمہارے اشرف الاعضاء کو معطل اور بے کار کر دیں، تاکہ تم ایمان لے آؤ اور کبھی اپنی الوہیت، قدرت اور توحید پر دلائل پیش کرتے ہیں کہ تم ان دلائل سے متاثر ہو کر ایمان لے آؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا اللہ کا عذاب آجائے تو ظالم ہو گوں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے۔ (الانعام: ۴۷)

کافروں کے عمومی عذاب میں، آیا مومن بھی مبتلا ہوں گے یا نہیں؟

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے صرف اشرف الاعضاء کو زائل کرنے کی وعید سنائی تھی اور اس آیت میں عمومی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عذاب خواہ کسی قسم کا ہو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اس عذاب کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح خواہ کسی قسم کی خیر ہو، اللہ عز و جل کے سوا اس کا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے۔ اس آیت میں عذاب کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ اچانک اور کھلم کھلا، کیونکہ یا تو عذاب کی پہلے علامتیں نمودار ہوں گی یا پیشگی علامتوں کے بغیر عذاب آئے گا۔ ثانی الذکر اچانک عذاب ہے اور اول الذکر کھلم کھلا عذاب ہے۔ ثانی الذکر کا اچانک ہونا ظاہر ہے اور اول الذکر کو کھلم

کھلا اس لیے فرمایا کہ اس عذاب کی علامتیں پہلے نمودار ہو چکی تھیں 'حتیٰ کہ اگر وہ اس عذاب سے بچنا چاہتے تو وہ کفر اور سرکشی سے توبہ کر کے بچ سکتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر یہ عذاب آجسے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیا جائے گا اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب عمومی عذاب آئے گا تو پھر نیک اور بد کی تمیز نہیں رہے گی اور کافروں کے ساتھ مومن بھی ہلاک ہو جائیں گے؟ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ ظاہر مومن اور کافروں ہلاک ہوں گے لیکن حقیقت میں ہلاکت صرف کفار کے لیے ہوگی اور مومنوں کے لیے یہ ضرر عظیم ثواب اور بلند درجات کا سبب ہوگا اس لیے ان کے حق میں یہ ہلاکت نہیں ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منت جاریہ یہ ہے کہ جب وہ کسی علاقہ کے کافروں پر عمومی عذاب نازل فرماتا ہے تو ایمان والوں کو وہیں سے نکل دیتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں پر جب عذاب نازل فرمایا تو ایمان والوں کو وہیں سے نکل لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ ٹھگن ہوں گے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب ہو گا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ (الانعام: ۳۸-۳۹)

انبیاء علیہم السلام کا مقرر شدہ کام

اس آیت کا معنی ہے کہ ہم رسولوں کو صرف ترغیب اور ترہیب کے لیے بھیجتے ہیں۔ وہ دنیا میں رزق کی وسعت اور آخرت میں ثواب کی بشارت دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی مذکور ذیل آیتوں میں ترغیب اور ترہیب دونوں کی مثالیں ہیں۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝
أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيِّنًا وَهُمْ نَائِمُونَ (الاعراف: ۹۶-۹۷)

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور (اللہ سے) ڈرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے (رسولوں کی) تکذیب کی تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیا کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ راتوں رات ان پر عذاب آ جائے اور انہیں وہ سو رہے ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں۔ اس لیے ہمیں بھیجا کہ کفار ان سے من مانے اور فرضی معجزات طلب کریں۔ انبیاء علیہم السلام صرف ان ہی معجزات کو پیش کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوتی ہے اور کسی انسان کی قسلی اور اطمینان کے لیے جس قدر معجزات کی ضرورت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمادیتا ہے اور جو شخص ان معجزات کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے وہ آخرت میں عذاب سے بے خوف ہو گا اور جن لوگوں نے ان معجزات کے بلوجود انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ان کو آخرت میں عذاب ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ کہئے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

نبی ﷺ سے قدرت، علم غیب اور فرشتہ ہونے کی نفی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی نبوت کے منکروں سے کہنے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں جس کی ملک میں آسمانوں اور زمینوں کے خزانے ہیں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں از خود ایسے غیب کو جانتا ہوں جن غیبات کو اللہ تعالیٰ کے سوا از خود کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ تم میرے دعویٰ نبوت کی تکذیب کرو، کیونکہ خدا ہی ہو سکتا ہے جس کی ملکیت میں کائنات کی ہر چیز ہو اور جس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہ ہو، یعنی جس کا علم اور اس کی قدرت کامل ہو خدا ہی ہو سکتا ہے اور نہ میں نے تم سے یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں، کیونکہ میں تم کو دکھائی دیتا ہوں اور فرشتہ عام انسانوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام سنایا ہے یہ وہی ہے جس کی میری طرف وحی کی گئی تھی۔ میں صرف وحی الہی کی پیروی کرتا ہوں، میں نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے اس پر میں نے اللہ کی طرف سے قوی اور مستحکم دلیلیں پیش کی ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں ہے اور نہ عقل کے خلاف ہے۔ اے محمد ﷺ آپ کہنے کیا وہ لوگ جو حق کو اور دلائل کو دیکھنے سے اندھے ہیں، وہ اور وہ لوگ جو دلائل کو دیکھ کر حق کا اعتراف کر لیتے ہیں، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم لوگ میرے دعویٰ کی سچائی اور اپنی تکذیب کے فسار پر غور نہیں کرتے؟

امام محمد بن عبد اللہ بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے تین جملے دراصل مشرکین کے تین سوالوں کے جواب ہیں:

۱- مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپ اللہ سے ہمارے لیے دنیا کے منافع اور اچھائیاں طلب کریں اور یہ کہ اللہ ہمارے لیے سعادتوں کے دروازے کھول دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہنے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، ملک عطا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (خزانہ کا معنی ہے ایسی حفاظت کی جگہ جہاں لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں)

۲- مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ درحقیقت رسول ہیں تو آپ ہمیں یہ بتائیں کہ مستقبل میں کیا فائدے ہوں گے اور کیا نقصانات ہوں گے؟ تاکہ ہم فوائد حاصل کرنے کی تیاری کریں اور نقصانات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہنے کہ میں (از خود) غیب کو نہیں جانتا، تو تم مجھ سے ان امور کا کیسے مطالبہ کرتے ہو؟

۳- مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھٹا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے اور شلوی کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہنے کہ میں فرشتوں میں سے نہیں ہوں۔

نبی ﷺ سے قدرت اور علم غیب کی نفی کا محمل

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے ان تین امور کی نفی کرائی۔ اس نفی کرانے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(الف) اس سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے اللہ کے سامنے تواضع اور خضوع کا اظہار کریں، تاکہ لوگ آپ کے متعلق وہ اعتقاد نہ کر لیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کیا گیا تھا۔

(ب) کفار مکہ آپ سے بہت زبردست معجزوں کے اظہار کا مطالبہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں دلائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لیے بھجوروں اور انجوروں کا کوئی باغ ہو، پھر آپ اس

کے درمیان سے کوئی دریا جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں یا آپ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے جلب لے آئیں یا آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتب نازل کریں جسے ہم پڑھیں۔ آپ کہئے میرا رب سبحان ہے۔ میں تو صرف بشر رسول ہوں (بنی اسرائیل: ۹۰-۹۳)۔ یعنی صرف رسالت اور نبوت کا دعویٰ دار ہوں اور جن امور کو تم طلب کر رہے ہو ان کو اللہ کی قدرت کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ سو اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ جن معجزات کا تم مطالبہ کر رہے ہو ان کو حاصل کرنے کے لیے میرے پاس مستقل قدرت نہیں ہے۔

(ج) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس ایسی قدرت ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور نہ میں غیب جانتا ہوں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ کے علم سے متصف ہوں اور ان دونوں جملوں کا حاصل یہ ہے کہ میں الوہیت کا مدعی نہیں ہوں۔

(تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۴۸-۴۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ، طبع قدیم)

قاضی بیضوی متوفی ۷۸۵ھ لکھتے ہیں:

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے مقدورات اور اس کے خزانے ہیں۔ اور میں غیب نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ جس غیب کی میری طرف وحی نہ کی جائے یا جس غیب پر دلیل (عقلی یا سمعی) قائم نہ ہو اس کو میں نہیں جانتا یا میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتوں کی جنس سے ہوں یا جن کاموں پر فرشتے قادر ہیں ان پر میں قادر ہوں۔ نبی ﷺ نے خدا ہونے اور فرشتہ ہونے کے دعویٰ سے براہت کا اظہار کیا اور نبوت کا دعویٰ کیا جو بشر کے کمالات سے ہے۔

(انوار التنزیل مع انکاز روی، ج ۲، ص ۳۱۱-۳۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۸۰ھ لکھتے ہیں:

مولانا شیخ الاسلام کا مختار یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ عزوجل کے افعال سے متعلق علم غیب کو جانتا ہوں، حتیٰ کہ تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ قیامت کس وقت واقع ہوگی یا عذاب کس وقت نازل ہوگا؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ غیب کفار کے انجام کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں حتیٰ کہ تم مجھے خلاف علت افعال کا حکم کرو، مثلاً آسمان پر چڑھنے کا اس سے یہ وہم نہ ہو کہ فرشتہ نبی سے افضل ہوتا ہے کیونکہ شیر، بھیڑیا، سانپ اور پرندے ایسے کام کر لیتے ہیں جو انسان نہیں کر سکتا، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انسان سے افضل ہوں۔ (روح البیان، ج ۷، ص ۵۵-۵۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علماء دیوبند کے نزدیک علم غیب کی نفی کا محمل

اس آیت کو علماء دیوبند نے بھی اس پر محمول کیا ہے کہ نبی ﷺ سے مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ مستقل اور بالذات علم کی نفی کی گئی ہے یا آپ سے تمام معلومات الہیہ کی نفی کی گئی ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں تمام فیوض کو (جو کہ معلومات الہیہ ہیں) جانتا ہوں (جیسا کہ کبھی کبھی بطور غلط اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو کہ قیامت کب آئے گی؟) ایمان القرآن، ج ۸، ص ۲۷، مطبوعہ تاج کینی لینڈ، کراچی)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ تمام مقدرات الہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضروری کر دکھلائے یا تمام معلومات محبوبہ و شلویہ پر خواہ ان کا تعلق قرائن و رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پر مجبورہ فوراً اتلادیا کرے۔

(تفسیر عثمانی بر ترجمہ شیخ محمود الحسن، ص ۱۷۷)

منفی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کے تحت علامہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں تمام غیب کی چیزوں کو جانتا ہوں (جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے)

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۲۳، مطبوعہ ادارہ المعارف، کراچی ۱۳)

نہی ﷺ کے لیے علم غیب کا ثبوت

مفسرین کرام نے اس آیت میں علم غیب کی نفی کو مطلقاً علم غیب کی نفی پر محمول نہیں کیا بلکہ اس علم غیب کی نفی پر محمول کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو خصوصاً اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو عموماً علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیات حسب ذیل ہیں:

ذٰلِكَ مِنْ آثَارِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جس غیب کی ہم آپ کی طرف

(آل عمران: ۴۴) وحی فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے علم کا ایک ذریعہ وحی ہے، سو جب نبی ﷺ کی طرف غیب کی وحی کی گئی تو آپ کو غیب کا علم ہو گیا۔ چونکہ شرح عقائد میں لکھا ہوا ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں۔ جو اس سلسلہ 'خبر ملاق' اور عقل (شرح عقائد، ص ۱۰) اور جب نبی ﷺ کو غیب کی خبریں دی گئیں تو آپ کو غیب کا علم حاصل ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا كَثُرَتْ آثَارُ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن خبروں کی ہم آپ کی طرف

(احزاب: ۴۹) وحی فرماتے ہیں۔

عمومی طور پر انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنے کا ذکر ان آیات میں ہے:

وَمَا كُنَّا اِلَّا نُوْحِيْهِ اِلَيْكُمْ عَلٰى الْغَيْبِ وَ
لَكِنَّ الْغَيْبَ مِنْ رَّسُوْلِهِ مَّا يَكُنْ

اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ہمیں غیب پر مطلع کرے ہاں

(غیب پر مطلع کرنے کے لیے) وہ جن لیتا ہے جسے چاہے اور وہ

(آل عمران: ۵۹) اللہ کے رسول ہیں۔

(اللہ) غیب کا جاننے والا ہے، وہ اپنے غیب کا کسی پر اظہار

نہیں فرماتا، سو ان کے جن کو اس نے پسند فرمایا، جو اس کے

عَلَيْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهِ اَحَدًا

اَلَا مَنِيْ اَرْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الحج: ۳۲-۳۵)

رسول ہیں۔

بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف صراحتاً علم غیب کی نسبت نہیں کی، بلکہ اظہار غیب اور اطلاع علی الغیب کی نسبت کی ہے۔ اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام پر غیب ظاہر کیا گیا یا ان کو غیب پر مطلع کیا گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر سے علم غیب کی بلا استثناء نفی فرمائی ہے، اس لیے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب دیا گیا، یعنی عبارت میں کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے معلوم ہو کہ اس علم سے

مراد عطائی ہے ذاتی نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمت اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (المفتوح ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

امام احمد رضا قادری کی اس عبارت سے مذکور المصدر تحقیق کی تائید ہوتی ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس معاملہ میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا تھا بلکہ تمام فرشتوں اور اولین و آخرین کو جتنا علم دیا گیا ہے ان سب سے زیادہ حضور ﷺ کو علم عطا فرمایا گیا ہے۔ یہی پوری امت کا عقیدہ ہے۔ ہاں اس کے ساتھ ہی قرآن و سنت کی بے شمار تصریحات کے مطابق تمام ائمہ سلف و خلف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا علم عطا صرف حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص صفت ہے۔ جس طرح اس کے خالق و رازق قادر مطلق ہونے میں کوئی فرشتہ یا رسول اس کے برابر نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کے علم عطا میں بھی کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتہ یا پیغمبر کو لاکھوں چیزیں معلوم ہونے کے باوجود علم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

(معارف القرآن ج ۳ ص ۲۶۸ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۱۳ھ)

نبی ﷺ پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدم جواز

ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب ثابت ہے۔ اس کے باوجود ہمارے نزدیک آپ پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ عالم الغیب کا لفظ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہو چکا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ محمد عزوجل کتنا جائز نہیں ہے ملائکہ آپ عزوجل جلیل ہیں۔ اسی طرح محمد مبارک و تعالیٰ کتنا جائز نہیں ہے ملائکہ آپ باریک و بلند ہیں کیونکہ عرف اور شرع میں عزوجل اور مبارک و تعالیٰ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔

امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتائے سے امور غیب پر انہیں اطلاع ہے۔

(الامین والعتق ص ۲۰۳ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

مولانا سرदार احمد متوفی ۸۷ھ لکھتے ہیں:

لفظ عالم الغیب کا اطلاق ہم بھی عرفاً غیر خدا عزوجل پر نہیں کرتے۔ (مناکحہ بریلی ص ۱۶۶ مطبوعہ المکتبہ الخلدیہ لاہور) ہم نے اپنی کتاب مقام ولایت و نبوت میں علماء اہل سنت اور خصوصاً علماء دیوبند کی بکثرت عبارات پیش کی ہیں۔ جن میں مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کی گئی ہے۔

نبی ﷺ کے علم غیب کے متعلق اہل سنت کا مسلک

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

۱۔ بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں ہوسا قدر خود ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر۔

۲۔ بلاشبہ غیر خدا کا علم معلوماتیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا۔ مسلولی تو درکنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ

مقررین سب کے علوم مل کر علوم الہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑ ہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرہ سی بوند کے کروڑوں حصہ کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ 'دونوں قسمی ہیں' اور قسمی کو قسمی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الہیہ کے غیر قسمی اور غیر قسمی در غیر قسمی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش و شرق و غرب و جملہ کائنات از روز ایں تا روز آخر کو محیط ہو جائیں۔ آخر قسمی ہیں کہ عرش و فرش و حدیں ہیں 'شرق و غرب و حدیں ہیں' روز اول و روز آخر و حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہے 'سب قسمی ہے' بالفضل غیر قسمی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا 'تو جملہ علوم خلق کو علم الہی سے اصلاً نسبت ہوتی ہی محال قطعاً ہے نہ کہ معلول اللہ تو ہم مہلوات۔

۳۔ یونہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر وافر فیوض کا علم ہے۔ یہ بھی ضروریات دین سے ہے 'جو اس کا سر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا سر ہے۔

۴۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم ﷺ کو اتنے فیوض کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے 'مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔

(خالص الاعتقاد ص ۳۸-۳۹، مطبوعہ مطبع اہل سنت 'بریلی' ۱۳۲۸ھ)

کیا نبی ﷺ کا اتباع وحی کرنا آپ کے اجتہاد کے منافی ہے؟

اس آیت کے آخر میں ہے (آپ کہئے کہ) میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے 'آپ کہئے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۷۴۶ھ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتے تھے اور آپ اجتہاد نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کے تمام احکام وحی سے صادر ہوتے تھے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَمَا يَسْطِطُ عَنِ السَّهْوَىٰ ۚ اِنْ كُنْتُمْ لَا وَحْيًا
(الحج: ۳-۴) صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور جب نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تو امت کے لیے بھی اجتہاد جائز نہیں ہے 'کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے 'بلکہ ان پر لازم ہے کہ صرف وحی الہی کی اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید فرمائی 'کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں؟ کیونکہ بغیر وحی کے عمل کرنا اندھے کے عمل کے قائم مقام ہے اور وحی کے مطابق عمل کرنا دیکھنے والے کے عمل کے قائم مقام ہے۔ پھر فرمایا کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ اس سے صاحب عقل کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ان دونوں امور کا فرق سمجھے اور غافل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

نبی ﷺ کے اجتہاد پر دلائل

امام رازی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے۔ نبی ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور نصوص پر قیاس کرنا بھی جائز ہے۔ سورہ انبیاء ۷۸-۷۹ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے اجتہاد کا ذکر ہے اور امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی 'پھر وہ فوت ہو گئی 'اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہو تا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے

فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۴، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۱۱۹، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۵۳۷، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۱۳۶۳۱)
اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بدے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد اور قیاس کی دلیل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ (الحشر: ۳)

اے صاحبان بصیرت! اعتبار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا اور یہی معنی قیاس میں بھی مستحق ہوتا ہے، کیونکہ قیاس میں اصل کے حکم کو فرع کی طرف منتقل کرتے ہیں۔
قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بنخلوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے قیاس کی حیثیت پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اس آیت میں ایک مل سے دوسرے مل کی طرف تجاوز کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ چیزوں میں مشارکت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لاگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی قیاس ہے۔ (انوار التوہیل علی حاشی علیہ القاضی ج ۸، ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ دار صلور، بیروت)
علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ہمیں اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹنا، پس طور کہ اس شے پر اس کی نظیر کا حکم مانا گیا جائے اور یہ اعتبار نصیحت حاصل کرنے، قیاس شرعی اور قیاس لغوی کو شامل ہے اور یہ آیت نصیحت حاصل کرنے پر عبارت "اور قیاس پر اشارہ" دلالت کرتی ہے۔ (علیہ القاضی ج ۸، ص ۷۷، مطبوعہ دار صلور، بیروت)
صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل

بکثرت احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایک سردار تھے جس نے انہوں نے اجتہاد کر کے غسل کی بجائے تیمم کر لیا، نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔
(صحیح البخاری کتاب التیمم باب ۷)

اور امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو توفیق عطا کی۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد ج ۵، ص ۲۳۶-۲۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حاکم اجتہاد سے حکم کرے اور صحیح حکم دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ حکم میں خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۱، صحیح البخاری ج ۸، رقم الحدیث: ۳۵۴، صحیح مسلم القشیر ج ۱۵، ص ۷۷، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۴۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۳، سنن کبریٰ للعلانی ج ۳، رقم الحدیث: ۵۹۸)

آپ کا وحی کی اتباع کرنا اجتہاد کے منافی نہیں ہے

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ نے اجتہاد کیا ہے اور آپ نے صحابہ کرام کو اجتہاد کرنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اس آیت میں ہے ”میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے“ اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں قرآن مجید میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا میں اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اجتہاد سے جو احکام دیئے ان کی تائید اللہ کی وحی سے ہو گئی، کیونکہ جب آپ احکام دے رہے تھے اس وقت نزول وحی کا زمانہ تھا۔ اگر آپ کے احکام میں خطا ہوتی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کی اصلاح فرماتا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے احکام کو برقرار رکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کے احکام صحیح تھے اور چونکہ آپ کے احکام کو وحی کی تائید حاصل تھی تو گویا آپ ان کے اعتبار سے اجتہاد وحی کر رہے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مخصوص احکام میں آپ صراحۃً ”اتباع وحی کرتے ہیں اور غیر مخصوص احکام اور اجتہادی مسائل میں آپ آل کے اعتبار سے اتباع وحی کرتے تھے۔ اس لیے آپ کا یہ فرمان صحیح ہے کہ میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ کفار آپ سے مال طلب کرتے تھے۔ غیب کی باتیں پوچھتے تھے اور غیر معمولی کام کرنے کے لیے کہتے تھے۔ تو آپ سے فرمایا کہ آپ کہئے کہ میں صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں میں وحی چیزیں دوں گا اور وحی چیزیں بتاؤں گا اور وحی کام کروں گا جس کی اللہ مجھے اجازت دے گا۔ اس لیے یہ آیت نبی ﷺ کے اجتہاد کے خلاف نہیں ہے۔ یہاں چونکہ اجتہاد کی بحث آگئی ہے اس لیے ہم اجتہاد کی تعریف اور نبی ﷺ کے اجتہاد میں مذاہب علماء بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق۔

اجتہاد کی تعریف

امام غزالی نے اجتہاد کی یہ تعریف کی ہے احکام شریعہ کا علم حاصل کرنے کے لیے مجتہد کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔

(المستصفیٰ ج ۲ ص ۲۵۰)

علامہ آمدی نے کہا احکام شریعہ میں سے کسی حکم شرعی کا عقل غالب حاصل کرنے کے لیے اتنی کوشش کرنا کہ اس سے زیادہ کوشش سے نفس عاجز ہو۔ (الاحکام ج ۴ ص ۱۶۹)

قاضی بیہلوی نے کہا احکام شریعہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا۔

(نہایہ السنن ج ۴ ص ۵۲۳ ”الاجتہاد“ ج ۲ ص ۲۳۶ ”الاجتہاد“ ص ۲۶۷)

علامہ ابن حنبل نے کہا حکم شرعی عقلی کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔ (تیسیر التحرير ج ۳ ص ۱۷۹) ان تعریضات میں طاقت خرچ کرنے ”جدوجہد کرنے اور کوشش کرنے سے مراد یہ ہے کہ مجتہد علمی اور ذہنی کوشش کرے اور جس پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم کرنا ہے قرآن مجید، احادیث اور آثار صحابہ میں اس کی نظر تلاش کرے اور اصل اور فرع میں علت مشترکہ نکالے اور اس میں غور کرے کہ جس مسئلہ کو وہ قیاس سے معلوم کر رہا ہے کہیں وہ صراحتاً کتب و سنت میں منصوص تو نہیں ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کے مذاہب

علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ دنیاوی مصلحتوں اور جنگ کی تدبیروں اور ان جیسے امور میں نبی ﷺ کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور آپ نے ان امور میں اجتہاد کیا بھی ہے۔ ابن حزم نے اس کی یہ مثال دی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے تہائی پھل دے کر

غفلان سے صلح کا ارادہ کیا اور یہ مبلغ ہے، کیونکہ آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اپنے بل سے جس کو چاہیں بیہ کر دیں۔ اسی طرح جب مسلمانوں نے مجبوروں میں پیداوار کی کمی کی شکایت کی تو آپ نے مجبوروں میں پیوند لگانے کا حکم دیا کیونکہ ہر شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی مجبور میں پیوند لگائے یا نہ لگائے، اور احکام شریعہ میں آپ کے اجتہاد کے متعلق اختلاف ہے کہ جن چیزوں میں نصوص وارد نہیں ہیں ان میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے، بعض کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے اور بعض نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

نیا مجتہد کے اجتہاد کے عدم جواز کے قائلین۔
استاذ ابو منصور کا مذہب یہ ہے کہ نیا مجتہد کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آپ کو نص کے حصول پر قدرت ہے۔ قرآن مجید میں ہے ان هو الاوحیٰ یوحیٰ (النجم: ۴) ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے، انہیں حرم کا بھی یہی مختار ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نیا مجتہد سے گدھوں کی زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا مجھ پر ان کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۶۰، صحیح مسلم، زکوٰۃ: ۲۳، (۹۸۷) ۲۲۵۳، سنن نسائی ج ۲، رقم الخلائط: ۳۵۶۳)
نیا مجتہد سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ وحی کا انتظار فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں تھا۔ پھر ایک قول یہ ہے کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا عقلاً منع ہے۔ یہ امام الحرمین کا قول ہے جس کو انہوں نے تخصیص میں لکھا ہے اور ابو علی اور ابو حاشم کا مذہب یہ ہے کہ آپ اجتہاد سے عیلت نہیں کرتے تھے۔
نیا مجتہد کے اجتہاد کے جواز کے قائلین

امام شافعی، امام احمد، اکثر مالکیہ، قاضی ابو یوسف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ امام نے نیا سیدنا محمد ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے۔ امام شافعی نے "الرسالہ" میں اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کو تدبیر اور اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں، اسی طرح نیا مجتہد کو بھی تدبیر اور فکر کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سب سے زیادہ غور و فکر کرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ اعتبار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے "ان هو الاوحیٰ یوحیٰ" (النجم: ۴) ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے اور اجتہاد شری کی اجازت دی گئی ہے۔ جنگی واقعات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ مثلاً انصو کو قتل کرنا اور بہت سے امور ہیں۔ آپ نے غور و فکر کر کے دو جائز کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے اور احکام شریعہ میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا اس لیے جائز ہے کہ جب امت کے لیے احکام شریعہ میں اجتہاد کرنا جائز ہے تو آپ کے لیے بہ طریق اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ خطاء سے معصوم ہیں اور امت خطاء سے معصوم نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اجتہاد سے کسی حکم کو معلوم کرنے میں منصوص حکم کو معلوم کرنے کی بہ نسبت زیادہ دشواری ہے اور جس عمل میں زیادہ مشقت ہو اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

نیا مجتہد کے اجتہاد کے متعلق توقف کے قائلین

علامہ الصیرفی نے "شرح الرسالة" میں لکھا ہے کہ یہ امام شافعی کا مذہب ہے کیونکہ امام شافعی نے اس مسئلہ میں کئی اقوال نقل کیے ہیں اور کسی قول کو مختار قرار نہیں دیا اور یہ کہا کہ جس چیز میں نص کتاب نہ ہو اور اس میں رسول اللہ ﷺ نے کسی طریقہ کو بیان نہیں کیا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نیا مجتہد کو اس کا علم عطا فرمایا ہے

اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ نے اسی کام کے طریقہ کو بیان کیا ہے جس کی اصل کتاب میں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ کے پاس اللہ کا پیغام آتا تو نبی ﷺ اس پیغام سے اللہ تعالیٰ کے فرض ادا کرنے کا طریقہ (سنت) بیان فرماتے۔ بعض نے کہا نبی ﷺ نے سنت سے جتنے احکام بیان کیے ہیں وہ سب آپ کے دل میں اتھاکے گئے تھے۔ پھر امام شافعی نے النسخ والمنسوخ کے باب میں بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبُولَ لَهُ مِنْ فُلْفَاءٍ نَفْسِي
مجھے یہ حق نہیں کہ میں اس قرآن کو اپنی طرف سے تبدیل
(یونس: ۵۵) کر دوں۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حق دیا ہے کہ جس مسئلہ میں کتاب کا حکم نازل نہیں ہوا ہے اس میں اللہ کی توفیق سے اپنی طرف سے بیان فرمائیں۔ پھر کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَسْمَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (الرعد: ۳۰)

اللہ سنا رہا ہے جو چاہے اور ثابت کرتا ہے جو چاہے۔

اللہ جس فرض کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس فرض کو چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے۔

آپ کے اجتہاد کرنے کے متعلق امام شافعی نے یہ متعارض دلائل نقل کیے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا رجحان توقف کی طرف ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء

نبی ﷺ سے اجتہاد کے وقوع کے متعلق چار مذاہب ہیں۔ بعض علماء نے وقوع کا مطلقاً انکار کیا، بعض علماء نے اصول اور قواعد میں آپ کے اجتہاد کرنے کا انکار کیا اور یہ کہا کہ آپ فروغ اور مسائل میں اجتہاد کرتے تھے اور بعض نے اس میں توقف کیا۔ جنہوں نے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا انہوں نے کہا تمام سنت وحی ہے، لیکن یہ وحی غیر منکوحہ ہے اور قرآن مجید وحی منکوحہ ہے اور سنن کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا سنوا مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ ہے۔ امام مسلم نے حضرت یحییٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کے جب پر خوشبو کے لپ کے آثار تھے اس نے نبی ﷺ سے پوچھا آپ مجھے عمرہ میں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ اس وقت نبی ﷺ پر وحی نازل ہوئی آپ کے اوپر کپڑا ڈال دیا گیا۔ حضرت یحییٰ کی یہ خواہش تھی کہ وہ نبی ﷺ پر نزول وحی کی کیفیت دیکھیں۔ حضرت عمر نے کپڑے کی چادر ایک طرف ہٹائی تو حضرت یحییٰ نے دیکھا کہ ان کو لونٹ کے بوڑھے کی آواز آرہی تھی جب آپ سے یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا اس خوشبو کے اثر کو دھو ڈالو اور جب اتار دو اور جو کچھ حج میں کرتے ہو وہی عمرہ میں بھی کرو۔

(صحیح مسلم، ج ۶، ص ۲۷۵ (۱۸۸۰)، صحیح بخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۳۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۳۷) یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں یہ قطعی دلیل ہے کہ جس طرح آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا اسی طرح سنت بھی نازل ہوتی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر منصوص احکام میں نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تھے بلکہ وحی سے احکام حاصل کر کے بیان کرتے تھے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے کہا کہ نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا صرف جائز ہے بلکہ واقع ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی ﷺ کے اجتہاد میں خطا جائز ہے یا نہیں۔ محققین کا مذہب یہ ہے کہ آپ کے اجتہاد میں خطا جائز نہیں ہے اور اکثر علماء جواز کے قائل ہیں، لیکن آپ کو خطا پر قرار نہیں رکھا جاتا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی، ج ۱، ص ۵۸۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث

جن لوگوں نے نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا ہے انہوں نے حضرت یحییٰ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب آپ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس وقت تک جواب نہیں دیا جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی لیکن بکثرت ایسی احادیث ہیں کہ نبی ﷺ نے نزول وحی کے بغیر فی الفور سائل کے جواب دیئے اور یہ جوابات آپ کے اجتہاد پر قوی دلیل ہیں اور حضرت یحییٰ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ وحی سے احکام حاصل کرتے تھے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ہر حکم وحی سے حاصل کرتے تھے اور اجتہاد بالکل نہیں کرتے تھے جبکہ آپ نے بکثرت سوالات کے جوابات میں فی الفور احکام شرعیہ بیان فرمائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے دن یہ خبر دی گئی کہ خزاعہ نے بنو یثرب کے ایک شخص کو اپنے مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیا ہے جس کو بنو یثرب نے قتل کیا تھا۔ نبی ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا ہے شک اللہ نے مکہ میں قتل کو بند کر دیا ہے اور ابن پر رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو مسلط کر دیا ہے۔ سنوا مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی شخص کے لیے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہو گا۔ سنوا وہ میرے لیے دن کی صرف ایک ساعت کے لیے حلال ہوا ہے اور سنو یہ وہی ساعت ہے نہ اس کے کانٹوں کو اکھاڑا جائے گا نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی ماسوا اعلان کرنے والے کے اور جن لوگوں کا کوئی شخص قتل کیا گیا ہو اس کو دو اختیار ہیں یا تو وہ دیت لے لے یا قصاص لے لے۔ میں کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ لکھ کر دیں۔ آپ نے فرمایا ابو فلاں کے لیے یہ لکھ دو۔ قریش کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ادھر (ایک قسم کی گھاس) کا استثناء فرما لیجئے کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں میں اور قبروں میں رکھتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا ماسوا ازخر کے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۳۳، صحیح مسلم ج ۲، ۳۳۵، ۳۳۴ (۳۵۳) سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۲۰۸۸، سنن نسائی ج ۵، رقم الحدیث ۲۸۷۵، ۲۸۷۴، سنن کبریٰ للنسائی ج ۲، رقم الحدیث ۳۸۵۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ سے ازخر کے استثناء کا سوال کیا گیا اور آپ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے اس کا استثناء کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ محرم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا محرم قیص ہے نہ علامہ نہ شلوار نہ ٹوپی نہ زعفران یا سرخ رنگ سے رنگا ہوا کپڑا۔ اگر اس کو عطلین نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ابن کو (اوپر سے) کٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۳۳، صحیح مسلم ج ۲، ۳۳۵، ۳۳۴ (۳۵۳) سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۲۰۸۸، سنن نسائی ج ۵، رقم الحدیث ۳۸۵۷)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے سائل کے جواب میں وحی کی طرف مراجعت کیے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے محرم کے لباس کے متعلق حکم شرعی بیان فرمایا۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں اور وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ

ہیں! آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو وہ لو انگلی کے زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد کی قوی دلیل ہے۔

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ مَا يَكُونُ لَهُمْ

اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی عزت جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں اور ان کا ٹیکہ اندھ

مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ

کے سوا ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا۔ (ان کو ڈرائیے) تاکہ وہ متقی ہو جائیں اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور

يَدْعُونَ مَا بِهِم بِالْغَدَاوَةِ وَالْعِشْيِ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ

نہ کیجیے جو یکے و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور ان کا ٹیکہ وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں، ان کا حساب بالکل

مِنْ حِسَابِهِمْ مَنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ

آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرور ان کے ذمہ نہیں ہے، ہیں اگر (بالغرض) آپ نے ان کو

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۲﴾ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمُ

دور کر دیا تو آپ غیر متقین سے ہو جائیں گے ○ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض

بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مِنَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ

کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا، تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے

اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿۵۳﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا

احسان کیا ہے! (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے

فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے تمہارے رب کے نام پر رحمت لکھ دی ہے، کہ تم میں سے جس کو چاہے

عَمَلٍ مِنْكُمْ سُوءٍ أَوْ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ

ناراقہت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بیشک اللہ بہت

عَفُوٌّ رَّحِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

بخشنے والا ہے نہ رحم فرماتے والا ہے اور ہم یہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح

الْمُجْرِمِينَ ﴿۵۵﴾

ہر جائے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں اور آنحالیکہ اللہ کے سوانہ ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا (ان کو ڈرائیے) تاکہ وہ متقی ہو جائیں۔

(الانعام: ۵۱)

کافروں اور مسلمانوں کو ڈرانے کے الگ الگ محل

اس سے پہلے کی آیتوں میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لہذا اس آیت میں فرمایا اس قرآن کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ان لوگوں سے کون مراد ہیں؟ بعض نے کہا اس سے مراد کافر ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کافروں کو عذاب آخرت سے ڈراتے تھے اور بعض کافروں پر اس ڈرانے کا اثر ہوتا تھا اور وہ سوچتے تھے کہ شاید آپ ٹھیک کہتے ہوں۔ پھر فرمایا اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا۔ اس میں یہود و نصاریٰ کا رد ہے جو کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ (المائدہ: ۱۸) اور اس میں مشرکین کا بھی رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے اور بعض مفسرین نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد مسلمان ہیں اور معنی یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کو ہر چند کہ اپنے رب کے سامنے جمع کیے جانے کا یقین تھا لیکن ان کو اپنے اوپر عذاب کا یقین نہیں تھا کیونکہ ان کو یہ ممکن تھا کہ ان کا خاتمہ ایمان اور نیک اعمال پر ہو گا تاہم یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان کو عذاب ہو اس لیے فرمایا کہ آپ انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرائیں تاکہ وہ گناہوں سے باز رہیں اور نیک اعمال پر ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد فرمایا اس دن اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کوئی مدد کر سکے گا نہ شفاعت کر سکے گا اور گناہگار مسلمانوں کے لیے جو شفاعت کی جائے گی وہ اللہ کی اجازت سے ہوگی۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کر سکے۔ (البقرہ: ۲۵۵)

وَلَا تَشْفَعُ الشَّعَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ

اور اس کی بارگاہ میں صرف اسی کی شفاعت سے نفع ہو گا جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔ (سبا: ۴۳)

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ (الانبیاء: ۲۸)

اور وہ (فرشتے) اسی کی شفاعت کریں گے جس کے لیے وہ (رب) راضی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان (مسکین مسلمانوں) کو اور نہ سمجھو جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور آنحالیکہ وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں ان کا حسب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حسب سرموا ان کے ذمہ نہیں

ہے، پس اگر بالفرض آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔ (الانعام: ۵۲)
مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بناء پر مجلس سے اٹھانے کی ممانعت
امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزری اس وقت آپ کے پاس حضرت خباب، حضرت صیب، حضرت بلال اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ذرا ایسے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ (الانعام: ۵۱)

(مسند احمد، ج ۳، رقم الحديث: ۳۹۸۵، طبع دار الحديث قاہرہ، علامہ احمد محمد شاہر، متوفی ۷۶۱ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۳۷۰، طبع قدیم بیروت)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۵۲) کی تفسیر میں بیان کیا، اقرع بن حابس حمصی اور عینہ بن صحن فزاری آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسکین مسلمانوں میں سے حضرت صیب، حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت خباب آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، جب مشرکین نے ان کو نبی ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے ان مسکین مسلمانوں کو حقیر جانا، پس وہ آپ کے پاس آکر خلوت میں بیٹھے اور کہنے لگے، ہم آپ کے ساتھ مجلس میں شرکت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عربوں میں ہماری کیا فضیلت ہے؟ عرب کے وفود آپ کے پاس آتے رہتے ہیں اور ہم کو حیا آتی ہے کہ عرب لوگ ہم کو ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں۔ تو جب ہم آپ کے پاس آیا کریں آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں اور جب ہم آپ کی مجلس سے فارغ ہو جائیں تو پھر آپ چاہیں تو ان کو اپنے پاس بٹھالیا کریں۔ آپ نے فرمایا اچھا، انہوں نے کہا آپ ہمیں یہ لکھ کر دے دیں۔ آپ نے صحیفہ منکویا اور حضرت علی کو لکھنے کے لیے بلایا اور ہم اس وقت ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں در آنحالیکہ وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں، ان کا صاحب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرمو ان کے ذمہ نہیں ہے، پس اگر بالفرض آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔ (الانعام: ۵۲)

پھر اقرع بن حابس اور عینہ بن صحن کا ذکر کیا اور فرمایا اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا، تاکہ انجام کار وہ (بل دار کافرا) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جلتے والا نہیں ہے۔ (الانعام: ۵۳) پھر فرمایا اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے لوہر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ (الانعام: ۵۴) حضرت خباب نے کہا پھر ہم آپ کے قریب بیٹھتے تھے۔ حتیٰ کہ ہم اپنے گھٹنوں کو آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا کر بیٹھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے اور جب آپ اٹھ کر جانا چاہتے تو ہمیں مجلس میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ میرے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہتے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، در آنحالیکہ وہ اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ نہیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی لذت چاہتے ہو، اور آپ اس

فخص کاکمانہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے تجاوز ہو گیا۔ (الکلمۃ: ۲۸)

حضرت خباب نے کہا پھر ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھتے تھے حتیٰ کہ جب نبی ﷺ کے جانے کا وقت آتا تو ہم آپ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے۔ پھر آپ تشریف لے جاتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۷۷ جامع البیان 'ج ۷' ص ۲۳۳ شعب الایمان 'ج ۷' رقم الحدیث: ۱۰۳۹۹ مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۵۳۳ طبع اللالیاء 'ج ۳' ص ۳۵۳ الدر المنثور 'ج ۳' ص ۳۳ اسباب النزول 'ص ۲۲۱-۲۲۰)

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو مسند ابوہریرہ اور دلائل النبوة کے حوالوں سے بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کا تسامع ہے۔ مسند ابوہریرہ اور دلائل النبوة میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام ابن جریر 'امام ابن ابی حاتم' امام ابن الجوزی 'امام رازی' علامہ قرطبی 'علامہ ابوالمہدی اندلسی' حافظ ابن کثیر اور علامہ آلوسی وغیرہم نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت (الانعام: ۵۵) ہم چھ نفوس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ میرے متعلق 'حضرت ابن مسعود کے متعلق' حضرت صیب' حضرت عمار' حضرت مقداد اور حضرت بلال کے متعلق۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہم ان لوگوں کے پیروکار بننے سے راضی نہیں ہوں گے۔ آپ ان کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے پھر رسول اللہ ﷺ کے دل میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہا۔ آپ نے منصوبہ بنایا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور انہما یکہ وہ اسی کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔ (الانعام: ۵۷)

(صحیح مسلم 'فوائد الصلحہ' ۳۵۴-۳۵۵ (۲۲۳) 'سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۸۸ 'سنن کبریٰ للسلکی' رقم الحدیث: ۸۲۲)

صبح و شام اخلاص سے عبادت کرنے کی وضاحت

اس آیت میں ان مسکین مسلمانوں کے متعلق فرمایا ہے 'وہ صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پابندی اور دوام کے ساتھ فرض نمازوں کو باجماعت پڑھتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس 'مجاہد اور حسن بصری کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کا ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد صبح اور شام اللہ سے دعا کرنا ہو تاکہ دن کی ابتداء اور اس کا اختتام اللہ کی دعا سے ہو اور دن کا انتظام بھی اللہ سے دعا پر ہو۔ نیز فرمایا اور انہما یکہ وہ اس کی رضا جوئی کرتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اخلاص سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی عبادت اور اعمال میں اللہ کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتے' اس آیت میں اور قرآن مجید کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو 'وجہ' (چہرہ) کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ انسان کے جسم کی شائستہ اس کے چہرے سے ہوتی ہے اور اس کے تمام اعضاء میں سب سے زیادہ مکرم اس کے چہرے کی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو چہرے سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم اور چہرہ ہے 'صبح اور شام کے وقت عبادت کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کیونکہ ان لوگوں میں لوگ آرام اور کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں تو جو لوگ ان اوقات میں بھی عبادت میں مشغول ہوں وہ باقی اوقات میں بہ طریق اولیٰ عبادت میں مشغول ہوں گے۔

مسکینوں کا حساب آپ کے ذمہ نہ ہونے کی وضاحت

جب سورہ کف کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہے جو صبح اور شام اپنے رب کی

عبادت کرتے ہیں تو نبی ﷺ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھتے تھے جب تک کہ یہ مسکین مسلمان خود اس مجلس سے نہیں اٹھتے تھے جیسا کہ سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث کے حوالوں سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا حسب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے اور ان کو رزق مہیا کرنا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ ان کو جزا دینا اور ان کو رزق مہیا کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ اسی طرح آپ کا رزق اور آپ کی جزا بھی اللہ کے ذمہ ہے کسی اور کے ذمہ نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ مسکین مسلمان قہر میں مبتلا ہیں تو اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا حتیٰ کہ آپ مشرکین کی فرمائش پر ان کو اپنی مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کریں۔ آپ پر ان کے رزق اور ان کے اعمال کے محاسبہ کی ذمہ داری نہیں ہے مگر آپ مشرکوں کی فرمائش پوری کرنے کے درپے ہوں۔ آپ کا کام منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ معطلات کے ظاہر پر عمل کریں اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کر دیں اور ان مسکین مسلمانوں کا ظاہر حل یہ ہے کہ یہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں سو آپ ان کی طرف متوجہ ہوں ان کے ساتھ مجلس میں بیٹھیں اور ان کو اپنے پاس سے دور نہ کریں۔

نبی ﷺ کو منع کرنا دراصل امت کے لیے تعریض ہے

اس کے بعد فرمایا اگر آپ نے (بالفرض) ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصوفوں سے ہو جائیں گے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ سے یہ تصور نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد بھی ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور تعریض دوسرے مسلمانوں کو سنانے کے لیے یہ فرمایا ہے کہ جب نبی ﷺ بھی امیر کافروں کی رعایت کر کے غریب مسلمانوں کو بالفرض اپنی مجلس سے انھادیں تو آپ غیر منصوفوں سے ہو جائیں گے تو کوئی اور مسلمان ایسا کرے گا تو وہ کیونکر ظالموں میں سے نہیں ہوگا۔ اس آیت کی فطریہ آیت ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْطَطَنَّ عَمَلُكَ

اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع

(الرمر: ۳۵) ہو جائے گا۔

زیر بحث آیت اور مذکور الصدر اطلوٹ سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کافریا فاسق کی اس کی دنیاوی شکن و شوکت کی وجہ سے عزت کرنا اور کسی نیک مسلمان کی غربت اور افلاس کی وجہ سے بے توقیری اور تحقیر کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

نبی ﷺ کی عصمت پر اعتراض کا جواب

جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر طعن کرتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے انھادیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ لہذا ان کو مجلس سے اٹھانا گناہ ہوا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر آپ نے ان کو مجلس سے اٹھایا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور آپ نے ان کو مجلس سے اٹھادیا تو آپ کا (معاذ اللہ) ظلم ہونا ثابت ہوا۔ سورہ کف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے اور وہاں ارشاد ہے اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہئے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور انھادیا کہ وہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہوں اور آپ اس شخص کا کمانہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے تجاوز ہو گیا۔ (الکحد: ۲۸) اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہیں اور ایک اور آیت میں آپ کو دنیا کی زینت کا ارادہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے اور آپ دنیا کی زندگی کی ان زینتوں اور آرائشوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں جو ہم نے ان کے

مختلف قسم کے لوگوں کو (عارضی) نفع اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں تاکہ ہم اس میں ان کو آزمائیں اور آپ کے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ (طہ: ۳۱) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا ہے اور سورہ کعب کی آیت میں فرمایا ہے کہ آپ زینت دنیا کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ کا یہ فعل گنہگار ہے؟ (العیاذ باللہ)

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کو ظلم فرمایا ہے تو آپ اگر ان کو مجلس سے اٹھاتے تب گنہگار اور ظلم لازم آتا لیکن آپ نے ان کو مجلس سے نہیں اٹھایا اس لیے گنہگار اور ظلم لازم نہیں آیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ گنہگار عزم بھی گنہگار ہوتا ہے اور آپ نے ان کو اٹھانے کا عزم کر لیا تھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو لکھوانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا تھا تو بہر حال گنہگار لازم آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت کے بعد کام کیا جائے یا اس کا عزم کیا جائے تب گنہگار ہو گا کہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کی لیکن جب نبی ﷺ نے ان کو اٹھانے کا ارادہ کیا تھا اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا تھا۔ لہذا نافرمانی یا اس کا عزم کیسے لازم آیا؟ منع تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے عزم کے بعد فرمایا ہے اور ممانعت سے پہلے آپ کا یہ فعل جائز اور مباح تھا اور اس کا عزم بھی جائز اور مباح تھا۔ نیز آپ کا منصب تبلیغ اور اشاعت اسلام ہے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ بڑے بڑے سردار اسلام قبول کر لیں تو ان کو دیکھ کر ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں گے اس لیے آپ نے سوچا کہ اگر ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھا دیا جائے تو ہر چند کہ اس سے ان کی دل شکنی ہوگی لیکن یہ تھوڑا ضرر ہے اور اگر اس کے نتیجہ میں یہ بڑے بڑے سردار تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تو یہ خیر کثیر اور عظیم فائدہ ہے اور زیادہ نفع کے لیے کم نقصان کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ اس لیے نبی ﷺ کی یہ سوچ برحق تھی اور آپ کا اجتہاد صحیح تھا اور ہم امام رازی کے اس جواب سے متفق نہیں ہیں کہ آپ کی یہ اجتہادی خطا تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۵)

لیکن اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو علم تھا کہ یہ کفار اس موقع پر ایمان لانے والے نہیں تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا اور فرمایا آپ ان کافروں کے اسلام لانے کے طمع میں ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے نہ اٹھائیے کیونکہ یہ کافر تو بہر حال اسلام نہیں لائیں گے تو آپ اپنے وفادار غلاموں کی دل آزاری کا نقصان کیوں اٹھائیں۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ فعل خلاف اولیٰ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ خلاف اولیٰ بھی تب ہو تا جب آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد اشاعت اسلام کے لیے ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کرتے اور جس وقت آپ نے ان کو مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کیا تھا اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے منع ہی نہیں فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ کے کس حکم کی مخالفت ہوئی؟ جس وجہ سے آپ کا یہ ارادہ خلاف اولیٰ کا ارادہ ہو گیا اجتہادی خطا قرار دیا جاتا؟

منکرین عصمت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا اور آپ نے کافر سرداروں کی دولت اور ثروت دیکھ کر زینت دنیا کا ارادہ فرمایا تھا اور یہ ممنوع کام کا ارادہ ہے اور گنہگار ارادہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زینت دنیا کا زینت دنیا کی وجہ سے ارادہ ممنوع ہے اور نبی ﷺ ان کافر سرداروں کے مل و دولت کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے بلکہ اشاعت اسلام کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے تاکہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور ان کی وجہ سے ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں اور آپ کا یہ ارادہ کسی معصیت کا یا خلاف اولیٰ کام کا ارادہ نہیں ہے بلکہ فرائض رسالت میں سے ایک فرض کی لواستگی کا ارادہ ہے اور اس پر آپ کو فرض ادا کرنے کا اجر و ثواب ملے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو علم تھا کہ یہ لوگ اس موقع پر اسلام لانے والے نہیں ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کافروں کی خوشنودی کی خاطر اپنے وفا شعار اور اطاعت گزار غلاموں کو مجلس سے نہ اٹھائیں۔ نبی ﷺ کی عصمت پر اعتراض

کی اس وقت گنجائش ہوتی جب اس ممانعت کے بعد نبی ﷺ نے کسی مسکین مسلمان کو کافر سرداروں کی خاطر اپنی مجلس سے اٹھایا ہوتا یا اس کا ارادہ کیا ہوتا۔

یاد رکھئے تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کوئی صغیر یا کبیرہ، سوا یا عمرہ، صورت یا حقیقت ان سے کبھی بھی کوئی گناہ صادر نہیں ہوا، لہذا انبیاء سابقین علیہم السلام سے اجتہادی خطا ہوئی ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوع سے کھانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبلی کو مکارنا اور حضرت یونس علیہ السلام کا خصوصی اجازت کے بغیر بستی سے چلے جانا وغیرہ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اجتہادی خطا سے بھی مامون اور محفوظ ہیں اور محققین کا یہی مذہب ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے علامہ نووی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا تاکہ انجام کار وہ (مل دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔ (الانعام: ۵۳)

بعض لوگوں کی بعض پر فضیلت کا آزمائش ہونا

اللہ تعالیٰ کا بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے سبب آزمائش میں مبتلا کرنا یہ ہے کہ لوگ رزق اور اخلاق میں ایک دوسرے سے متفاوت رہیں۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے غنی بنایا اور بعض لوگوں کو فقیر بنایا، بعض لوگوں کو قوی بنایا، بعض لوگوں کو ضعیف بنایا اور بعض لوگوں کو بعض لوگوں کا محتاج کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو مال دار بنایا اور بعض لوگوں کو فقراء بنایا اور مالداروں نے فقراء کے متعلق کہا کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان فرمایا ہے، یعنی ان کو ہدایت دی ہے۔ انہوں نے یہ بطور استہزاء اور مذاق اڑانے کی خاطر کہا تھا۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۷۰، طبع دار الفکر، بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہر شخص اپنے بالفضل کی بہ نسبت آزمائش میں مبتلا ہے، مل دار کافر، فقراء، صحابہ سے ان کی اسلام میں سبقت پر حسد کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم اب مسلمان ہو گئے تو ہم ان مسکینوں اور فقیروں کے تابع ہوں گے اور یہ چیز ان پر سخت دشوار تھی اور فقراء صحابہ ان مل دار کافروں کو بیش راحت اور فراخ دستی میں دیکھتے تھے اور وہ سوچتے تھے کہ ان کافروں کو ملی دولت کی ایسی فراوانی اور وسعت کیسے حاصل ہو گئی؟ جبکہ ہم مل اور وسائل کی سخت تنگی اور مشکلات میں مبتلا ہیں، تو ایک فریق دوسرے فریق کو دین میں بلندی پر دیکھتا تھا اور دوسرا فریق اس کو دنیا میں فراخی میں دیکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا۔ اور اس بناء پر کافر یہ کہتے تھے کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ اور اصل حق جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق اور عاقل ہے اور اس کے ہر فعل میں حکمت ہے اور اس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے لوگوں پر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جس کسی نے عواقبیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ مت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ (الانعام: ۵۵-۵۴)

شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول کے متعلق پانچ اقوال ہیں:

- ۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ابن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم سے بڑے بڑے گنہگار مرند ہو گئے ہیں رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔
- ۲۔ حسن بھری اور عکرمہ نے کہا یہ آیت ابن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا تھا نبی ﷺ جب ان کو دیکھتے تو ابتداً سلام کرتے اور فرماتے اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو رکھا جن کے متعلق مجھے ابتداً سلام کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ عطاء نے کہا یہ آیت حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابو عبیدہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت سالم، حضرت ابو سلمہ، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

۴۔ ابن السائب نے کہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اشارۃً یہ کہا تھا کہ ملکہ کافروں کی دلجوئی کے لیے مسکین کافروں کو موخر کر دیجئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اور (ابن مسکین مسلمانوں کو) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو حضرت عمر اپنے اس مشورہ پر معذرت کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے آئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

۵۔ ابو سلیمان دمشقی نے کہا یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام کی بشارت دینے کے لیے نازل ہوئی تھی۔ جب حضرت عمر آئے اور اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ نے ان پر یہ آیت تلاوت کی۔

حسن بھری اور عکرمہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ کہئے تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی کے لیے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ انہیں سلام کریں اور ابن زید نے کہا آپ کو اللہ کی طرف سے انہیں سلام پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔ زجلج نے کہا سلام کا معنی انسان کے لیے امانت سے سلامتی کی دعا ہے۔

(ازاد المسیر، ج ۳، ص ۴۸-۴۹، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

اولیاء اللہ کی تعظیم کی تاکید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

عائذ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان، حضرت صیب بن زید، حضرت بلال کے پاس چند لوگوں میں حضرت ابوسفیان آئے تو انہوں نے کہا اللہ کی تلواریں اللہ کے دشمنوں کی گردنوں میں اپنی جگہ پر نہیں پہنچیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ قریش کے شیخ اور سردار کے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہو! پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر یہ ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر! تم نے ان (غیر مسلم صحابہ) کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان کو ناراض کیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ تب حضرت ابوبکر ان کے پاس گئے اور کہا اے میرے بھائیو! میں نے تم کو ناراض کر دیا انہوں نے کہا نہیں، اے بھائیو! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔

(صحیح مسلم، فضائل صحابہ، ۱۴۰، ۲۵۳، ۲۵۴، المسند الکبیر، ج ۱۸، رقم الحديث: ۲۸، مسند احمد، ج ۱۵، رقم الحديث: ۲۰۵۸، طبع دار الحديث قاہرہ، مسند احمد، ج ۷، رقم الحديث: ۲۰۲۱۵، طبع جدید دار الفکر، مسند احمد، ج ۵، ص ۵۵، طبع قدیم دار الفکر، سنن کبریٰ، ج ۵، رقم الحديث: ۸۷۷۷)

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیک مسلمانوں کا احترام کرنا چاہیے اور جس بات سے انہیں غصہ آئے یا ان کو ایذا پہنچے اس سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص اللہ کے اولیاء میں سے کسی کو ناراض کرتا ہے وہ اللہ کے عذاب اور اس کے غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

جہالت کی وجہ سے گناہوں کی معافی کی وضاحت

اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے جس کسی نے بلا اذیت کی وجہ سے کوئی برکام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرماتے والا ہے

مجاہد نے کہا جس شخص نے اللہ کی معصیت میں کوئی کام کیا تو یہ اس کی جہالت ہے حتیٰ کہ وہ اس سے رجوع کر لے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۷۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا جہالت کا معنی غلط اور غلطی ہے اور اس پر توبہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے غلبہ شہوت سے معصیت کی اور اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان علم کے باوجود کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر اس پر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ حسن بھری نے کہا جس نے کوئی معصیت کا کام کیا وہ جہل ہے۔ پھر معصیت کو جہالت سے تعبیر کرنے کی وجہ سے اختلاف ہے۔ بعض نے کہا وہ اس سے جہل ہے کہ اس کام کی وجہ سے اس سے کتنا ثواب جاتا رہا اور وہ کتنے عذاب کا مستحق ہو گیا؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ اس کو علم ہے کہ اس فعل کا نتیجہ مذموم ہے لیکن اس نے فوری اور دنیوی لذت کو دیر سے اور آخرت میں ملنے والی خیر کثیر ترجیح دی اور جو شخص قلیل کو کثیر ترجیح دے اس کو عرف میں جہل کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے عمر کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہر چند کہ وہ جہل نہیں ہے لیکن اس نے کام جاہلوں والا کیا ہے اس لیے اس کے کام پر جہالت کے کام کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۵۳، مطبوعہ دار الفکر، طبع قدیم ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو الیمان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ ہر معصیت جہالت ہے خواہ وہ معصیت عمر کی جائے یا جہلات۔ کبھی نے کہا جہالت سے گناہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اسے اس کام کے معصیت اور گناہ ہونے کا تو علم ہو لیکن اسے اس گناہ کی سزا کی سنہ اور حقیقت کا علم نہ ہو۔ مگر ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا دنیا کے تمام کام جہالت ہیں۔ زجاج نے کہا اس کی جہالت یہ ہے کہ فانی لذت کو باقی لذت پر ترجیح دے رہا ہے اور دنیوی منفعت کو اخروی منفعت پر ترجیح دے رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جہالت سے مراد ہے معصیت پر اصرار کرنا۔ ایک قول یہ ہے کہ جہالت سے مراد یہ ہے کہ وہ غلبہ شہوت کی وجہ سے ارتکاب معصیت کرے اور اس کا مستند گناہ کو معمولی سمجھتا ہو۔ یا کوئی شخص اس خیال سے گناہ کرے کہ وہ اس گناہ کے بعد توبہ کر کے نیک بن جائے گا اور اس سے جہل ہو کہ وہ ایسا کر سکے گا یا نہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مغفرت کے حصول کی بناء پر گناہ کا ارتکاب کرے اور وہ اس کے مل اور انجام سے جہل ہو۔

(المحرم المیز، ج ۲، ص ۵۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے شدید غصہ سے غلبہ شہوت یا مصلحت کی بناء پر اخروی سزا سے غافل ہو کر کوئی گناہ کر لیا پھر اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے گناہ پر توبہ کی اس گناہ سے رجوع کیا اور علوم ہو اور مستقبل میں دوبارہ وہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا

اپنے عمل کی اصلاح کی اور اس گنہ کی طغیانی اور تدارک کیا اور اس گنہ کے بعد کوئی نیکی کی تاکہ اس گنہ کا اثر مٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے گنہ کو بخش دے گا کیونکہ وہ بہت وسیع رحمت اور مغفرت والا ہے۔
مجرموں کے طریقہ کو بیان کرنے کی حکمت

اس کے بعد فرمایا اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے، یعنی جس طرح ہم نے توحید اور رسالت اور قضاء و قدر کے دلائل بہت آسان اور موثر طریقہ سے بیان کیے ہیں قرآن مجید کی آیات کی تفصیل کی ہے اور حقائق شریعت بیان کیے ہیں۔ اسی طرح ہم ہر اس حق کو بیان کرتے ہیں جس کا اہل باطل انکار کرتے ہیں تاکہ مومنین کے لیے عزمین کا طریقہ واضح ہو جائے اور جب مجرموں کا اور اہل باطل کا طریقہ واضح ہو جائے گا تو اہل حق اور مسلمانوں کا طریقہ معلوم ہو جائے گا کیونکہ باطل کی ضد حق ہے کیونکہ ایک ضد کی خصوصیت اس کے مقابل ضد کی خصوصیت سے پہچانی جاتی ہے۔

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

آپ کہیے بیشک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کا تم اللہ کے سوا پرستیں کرتے ہو، آپ

قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾

کہیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا، اگر بالفرض میں نے ایسا کیا تو میں گمراہ ہرجاؤں کا اور بدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا۔

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مَا عِنْدِي مَا

آپ کہیے بیشک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹلایا ہے جس چیز کو تم

تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ يُقْضَى الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرٌ

مجتہد کے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم صرف اللہ کا ہے، وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین

الْفَصِيلِينَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ

فیصلہ فرماتے والا ہے۔ آپ کہیے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہ مجلت طلب کر رہے ہو تو میرے اور

الْأَمْرِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ

تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور اسی کے پاس غیب کی

الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ

چاہیاں ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو غلط اور سزاوارت میں ہے، وہ ہر اس چیز

تبیان القرآن جلد سوم

مِنْ وَرَقَةٍ أَلَا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ

کرجاٹتا ہے جو درخت سے گرتا ہے، اور زمین کی تاریکیوں میں سردانہ اور برتر اور ہر خشک چیز

وَلَا يَأْبِسُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝۵۹ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَقَّعُ بِاللَّيْلِ

روح محفوظ میں کسی برائی سے ۵ اور وہی رات میں تمہاری رگوں کو بغض کر لیتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى

اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ عمار پوری ہو،

ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۶۰

پھر اسی کی طرف تمہارا واپس آنا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے ۶۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے کہ بے شک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، آپ کہتے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا۔ (الانعام ۵۶)

بتوں کی عبادت کا خلاف عقل ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ حق ظاہر ہو اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے راستہ پر چلنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مشرکین صرف اپنی خواہش اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے جن کی عبادت کر رہے ہیں، کیونکہ یہ بت محض جملوات اور پتھر ہیں جو انسان سے بہت کم درجہ کے ہیں، جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اشرف کارفل فی عبادت کرنا عقل کے خلاف ہے۔ نیز ان بتوں کو خود ان لوگوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور عامل اور صانع کا اپنے معمول اور مصنوع کی عبادت کرنا بھی عقل اور درایت کے منافی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ان مشرکین کا بتوں کی عبادت کرنا ہدایت کے خلاف ہے اور ان کی خواہش پر مبنی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ کہتے کہ مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے، جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، آپ کہتے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ غیر اللہ کو پکارنے میں مشرکوں اور مسلمانوں کا فرق

اس آیت میں ”تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ“ فرمایا ہے اور دعا کا معنی ہے طلب نفع یا دفع ضرر کے لیے ندا کرنا، لیکن مشرکین اپنی مسامت اور مشکلات میں بطور عبادت ان بتوں کو ندا کرتے تھے۔ اس لیے یہی دعا کا معنی عبادت ہے، کیونکہ وہ ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے پر قادر ہیں۔ سو ان کا بتوں کو پکارنا دراصل ان کی عبادت کرنا تھا اس لیے ہم نے یہی دعا کا معنی پرستش اور عبادت کیا ہے اور حدیث میں بھی دعا کو عبادت فرمایا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دعا کرنا ہی عبادت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی تمہارا

رب فرماتا ہے: اچھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ غریب ذات سے جہنم میں داخل ہوں گے۔ (المومن: ۴۰) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی: ج ۵، رقم الحديث: ۳۳۸۳، سنن ابوداؤد: ج ۲، رقم الحديث: ۴۷۹۷، سنن ابن ماجہ: ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۴۸، صحیح ابن حبان: ج ۳، رقم الحديث: ۸۹۰، مسند احمد: ج ۳، ص ۳۶۷، المستدرک: ج ۳، ص ۳۹-۴۰، اللآلئ المفرد: رقم الحديث: ۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۰، ص ۲۰۰، مائتہ الاولیاء: ج ۸، ص ۴۰، شرح السنہ: ج ۳، رقم الحديث: ۳۷۷۸)

بعض مسلمان اپنی مشکلات اور مصلحت میں یا علی مدد اور یا غوث الاعظم اللہ دیکھتے ہیں، افضل اور اولیٰ تو یہی ہے کہ یا اللہ کہا جائے۔ اللہ کو پکارا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے، لیکن ہن مسلمانوں کی اس ندا سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہوتے ہیں اور اللہ کی اجازت سے تصرف کرتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی یہ ندا شرک نہیں ہے۔ اسی طرح بعض شعراء کی نصیحتوں اور معتبتوں میں بھی یا رسول اللہ اور یا غوث الاعظم کے الفاظ ہوتے ہیں، یہ کلمات ذوق و شوق اور محبت سے کہے جاتے ہیں، یہ بھی شرک نہیں ہے۔ شرک اس وقت ہو گا جب پکارنے والا اس اعتقاد سے پکارے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے وہ مستقل ہے اور از خود منتا ہے اور اپنی ذاتی طاقت سے از خود مدد کرتا ہے، یا وہ اس کو مستحق عبادت سمجھتا ہو اور اس کو بطور عبادت ندا کرے۔ جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کو ندا کرتے تھے۔ مشرکین کے بتوں کو پکارنے اور بعض مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنے میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اس وجہ سے مشرکین کا بتوں کو پکارنا شرک ہے اور مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنا شرک نہیں ہے۔

مشرکین ہن بتوں کی عبادت کرتے تھے اس کے برخلاف مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور "لا الہ الا اللہ" پڑھتے ہیں اور ان کا یہ ظاہر حال اس پر قریب ہے کہ وہ اپنی مشکلات میں جس کو پکار رہے ہیں اس کو خدا نہیں سمجھتے۔ بلکہ خدا کا مقرب بندہ اور بخود فی العرف سمجھتے ہیں۔ تاہم اپنی تمام حاجات اور تمام مشکلات میں صرف اللہ عز و جل کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا صرف اس سے سوال کرنا چاہیے اور صرف اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ نبی پیغمبر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد چاہو۔

(سنن ترمذی: ج ۳، رقم الحديث: ۲۵۴۲، مسند احمد: ج ۲، ص ۳۰۷-۳۰۸، طبع قدیم، مسند احمد: ج ۳، رقم الحديث: ۲۲۶۶، دار الحديث قاہرہ، علامہ احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ مسند ابویوسف: ج ۴، رقم الحديث: ۲۵۵۶، المعجم الکبیر: ج ۱۲، رقم الحديث: ۱۵۶۰، ۳۴۳، ۳۴۴، مسند الشیخ: رقم الحديث: ۴۵، کتاب اللغز اللغز فی: رقم الحديث: ۲۱، عمل الیوم ولیلہ للابن السنی، رقم الحديث: ۳۲۷، المستدرک: ج ۳، ص ۵۴۲، مشکوٰۃ: ص ۴۵۳)

انبیاء علیہم السلام اور صالحین کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی مصلحت، مشکلات اور تمام حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور اسی سے استمداد اور استعاضہ کرتے تھے۔ سو ہمیں بھی ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی ہر حاجت کا صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے اور اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ ہاں انبیاء علیہم السلام اور صالحین عظام کا وسیلہ پیش کرنا ایک جدا امر ہے۔ اس کے جواز اور استحسان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور جب مقربین بارگاہ صمدیت کے وسیلہ سے دعا کی جائے گی تو اس کا مقبول ہونا زیادہ حوقع ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے بے شک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹایا

ہے، جس چیز کو تم غفلت سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ حکم صرف اللہ کا ہے۔ وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ فرماتے والا ہے۔ آپ کہئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم یہ غفلت طلب کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہو تا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۵۸-۵۷)

کفار کے مطالبہ کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر قائم تھے اور کفار قریش اس دلیل کی تکذیب کرتے تھے۔ اس دلیل سے مراد وہ دلیل ہے جو قرآن مجید میں اللہ کی توحید پر قائم کی گئی ہے، جب کفار اس دلیل کو سنتے تو اس کو جھٹلاتے تھے وہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتے تھے:

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَةَ
أَنْتُمْ تُبْصِرُونَ (الانبیاء: ۳)

یہ صرف تم جیسے جڑیوں ہیں، کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو
حالاںکہ تم دیکھتے ہو۔

اور جب انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو تو اپنی طرف سے ہم پر آسمان سے پھر برسا یا (کوئی اور) دردناک عذاب لے آ اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے اور آنحضرت آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے اور آنحضرت وہ استغفار کر رہے ہوں۔

وَادْعَا لَكُمْ آلَهُمْ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ
عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ غَلِيظَ حِجَارَةٍ مِنَ السَّمَاءِ
أَوْ انْزِلْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ
يَسْتَغْفِرُونَ (الانفال: ۳۲-۳۳)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نضو بن الحارث اور بقی قریش نے نبی ﷺ سے استزاء کیا اے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس وہ عذاب لے کر آئیں جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں اور نضو نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا اے اللہ اجو یہ کہتے ہیں اگر وہ حق ہے تو تو ہمارے اوپر عذاب بھیج دے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، جس چیز کو تم غفلت سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ نیز فرمایا آپ کہئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم یہ غفلت طلب کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہو تا۔

(ازار المسیر، ج ۳، ص ۵۱، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ، اسباب النزول، ۲۲۲)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اس عذاب کو نازل کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو عذاب کو نازل فرمائے گا اور اگر وہ اپنی کسی حکمت کی بنا پر عذاب کو نہ نازل کرنا چاہے تو نہیں نازل فرمائے گا، مجھے اس عذاب کے نازل کرنے یا اس کو مقدم اور موخر کرنے پر قدرت نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ معاملہ میرے اختیار میں ہو تا تو میں تمہارے مطالبہ پر عذاب کو لا چکا ہوتا۔

زیر بحث آیت کا ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو اور

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو، جیسا کہ حسب ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا جو جنگ احد سے زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری قوم سے بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور سب سے زیادہ تکلیف وہ تھی جو مجھے یوم حنبہ کو پہنچی۔ جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبدالمطلب بن عبدکلال پر پیش کیا (یعنی اس کو دعوت اسلام دی) لیکن اس نے وہ چیز قبول نہیں کی جو میں چاہتا تھا۔ پس میں غم زدہ ہو کر واپس چلا آیا اور قرن ثعالیب پر پہنچ کر مجھے افقہ ہوا، اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بلول نے سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا اس میں جبرائیل تھے، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا آپ نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا، وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا اور جو انہوں نے آپ کو جواب دیا، وہ بھی سن لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، تاکہ آپ اس کو ان کفار کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۔ حضور نے فرمایا پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا۔ پھر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے، تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ان پر بچھا دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

(صحیح مسلم، ج ۱، ۱۱۱، ۱۷۹۵، ۳۵۷۲، صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۳۱، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۷۰۶) اس آیت میں اور اس حدیث میں اس طرح موافقت ہے کہ آیت میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ پر عذاب نازل کرنے کا ذکر ہے اور حدیث میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ پہاڑوں کے فرشتے کی اس خواہش کا ذکر ہے کہ کفار پر عذاب نازل کیا جائے جس کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے۔ وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تری اور ہر خشک چیز یوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ (الانعام: ۵۹)

مفتاح الغیب کی تفسیر میں بعض علماء کی لغزش

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مفتاح الغیب کا ذکر ہے۔ مفتاح کی جمع ہے۔ مفتاح کا معنی چابی ہے اور یہ کلام بہ طور استعارہ ہے کیونکہ چابی سے خزانہ تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جس کے پاس چابی ہو اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو، وہ خزانہ کو پالیتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ فقط وہی غیب تک واصل ہونے والا ہے۔ جس طرح جس شخص کے پاس خزانے کے قفلوں کی چابیاں ہوں اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو تو وہی خزانہ تک واصل ہو سکتا ہے۔

(الکشاف، ج ۲، ص ۳۱، نشر البلاغ، قم، ایران، ۱۳۱۳ھ)

علامہ زمخشری کا یہ لکنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چابی کے ذریعہ غیب تک واصل ہونے والا ہے، کیونکہ اس سے یہ

وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بالفعل علم حاصل نہیں ہے بلکہ تدریجاً علم حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں عائب حاضر کی مانند ہے، ماضی اور مستقبل کا علم اس کے سامنے یکساں ہے، ہر چیز کا علم اس کے سامنے ہر وقت حاضر ہے۔

اسی طرح شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۱۳۱ھ کا یہ لکھتا بھی صحیح نہیں ہے۔

جس کے ہاتھ کئی ہوتی ہے، قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب چاہے کھولے، جب چاہے نہ کھولے۔ اسی طرح ظاہر کی چیزوں کو دریافت کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے۔ جب چاہیں کریں، جب چاہیں نہ کریں۔ سو اسی طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے کر لیجئے۔ یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ (تقویت الایمان، ص ۳۲، (کلاں) مطبوعہ مطبع ملکی، لاہور) اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بالفعل غیب کا علم نہیں ہے۔ وہ جب چاہے غیب کو دریافت کر سکتا ہے اور یہ بدایت باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت تمام مغیبات اور شملات کا علم حاضر ہے اور اسے کبھی بھی دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

مفتاح الغیب کی تفسیر میں احادیث اور آثار

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ ہیں۔ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ میں کے پیٹ میں کیا ہے اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس جگہ مرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ بارش کب آئے گی؟

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۳۹، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۶۱، مطبوعہ بیروت، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۶۱، دار الحدیث قاہرہ، المجمع الکبیر، ج ۹، رقم الحدیث: ۳۳۳۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہارے نبی ﷺ کو ہر چیز کی مفتاح دی گئی ہیں۔ سو پانچ چیزوں کے۔ بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل فرماتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا۔ بے شک اللہ بہت جانتے والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔

(القرآن: ۳۳) (مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۵۹، علامہ محمد امجد شاکر حنفی، ۱۳۷۷ھ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، مسند ابویعلیٰ، ج ۵، رقم الحدیث: ۵۱۵۳، مسند حمیدی، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۳، جامع البیان، ج ۷، ص ۷۸، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۳)

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں ہے حضرت جبرائیل نے نبی ﷺ سے سوال کیا، قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے، وہ ساکل سے زیادہ نہیں جانتا۔ میں عنقریب تمہیں اس کی علامتیں بیان کروں گا، جب تم دیکھو کہ عورت سے اس کا مالک پیدا ہوا، تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور جب تم تنگے ہیر، تنگے بدن، بھرے گوتے لوگوں کو زمین کا مالک دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور جب تم موسیٰوں کے چرانے والوں کو بڑے بڑے مکان بناتے دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہی بارش نازل فرماتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا، بے شک اللہ بہت جانتے والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔ (القرآن: ۳۳)

(صحیح مسلم، ایمان، ۷، (۱۰۱) ۹۹)

مفتاح الغیب کی تفسیر میں علماء کے نظریات

علامہ سید محمود آلوی متوفی ۱۳۵۷ھ لکھتے ہیں:

مفتاح الغیب کی تفسیر میں جن پانچ چیزوں کا مدعی میں ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اہم چیزیں ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جو باقی مغیبات ہیں ان کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(روح المعانی ج ۷، ص ۱۷۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ پانچ چیزیں ہوں یا باقی غیب از خود ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے اور اس نے ان پانچ چیزوں کا علم بھی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔
ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے توسل کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اپنے دعویٰ میں مجبور ہے۔ (مرکات المفاتیح ج ۱، ص ۵۵، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لندن ۱۳۹۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ شمس الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (امدة القاری ج ۱، ص ۲۹۰، مطبوعہ مصر ۱۳۳۸ھ، فتح الباری ج ۱، ص ۳۳، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ)
علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۹۳ھ)
شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۷۹ھ لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں، وہی ان میں سے جس خزانے کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے۔ کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل و غیرہ آلات اور اک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پائے یا جتنے غیب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کرے۔ کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کبودوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفتاح غیب کما چاہیے حق تعالیٰ نے اپنے لیے ہی مخصوص رکھا ہے۔

(تفسیر فتح عثمانی ص ۱۷۹، مطبوعہ شاہ نند قرآن کریم پرنٹنگ کمپنیکس)
علامہ محمد بن یوسف ابوالیمان اندلسی متوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مفتاح الغیب سے مراد آسمانوں اور زمینوں میں غیب کے خزانے ہیں۔ مثلاً رزق اور قدرت کے عطاء نے کہا اس سے مراد ثواب و عذاب اور مستقبل کی عتاب کی چیزیں ہیں۔ زجاج نے کہا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو علم غیب کے حصول کا وسیلہ ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عمروں کے انجام اور خواتیم اعمال ہیں۔

(البحر المحیط ج ۲، ص ۵۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

اس آیت میں مفتاح کا لفظ ہے۔ عربی قواعد کی رو سے یہ مفتاح (میم کی زیر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اور مفتاح (میم کی زیر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مفتاح (میم کی زیر) کی جمع ہو تو اس کا معنی چابیاں ہیں اور اگر مفتاح (میم کی زیر) کی جمع ہو تو اس کا معنی خزانہ ہے۔

آیا نبی ﷺ کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں یا غیب کا علم بھی دیا گیا ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی بھی کی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب کا اثبات بھی کیا گیا ہے، علماء اسلام نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بلا واسطہ، بلا تعلیم اور ذاتی علم غیب کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ اور بلا واسطہ، بذریعہ وحی و الہام اور عطائی علم غیب کا غیر اللہ کے لیے ثبوت ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور اطلاق علی الغیب اور اطلاق غیب کا ثبوت ہے، یہ دونوں توجیہات صحیح ہیں۔ بعض متاخرین علماء دیوبند نے یہ کہا ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور غیب کی خبروں کا ثبوت ہے۔ اس توجیہ میں ہمیں کلام ہے، کیونکہ خبر بھی علم کا ایک ذریعہ ہے اور کسی چیز کی خبر کا ثبوت اس کے علم کے ثبوت کو مستلزم ہے، نیز حقدین علماء دیوبند نے نبی ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے، پہلے ہم بعض متاخرین علماء دیوبند کی عبارت نقل کریں گے، پھر اس پر جرح کریں گے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۶۱ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ کشف و الہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا، اس کو قرآن میں غیب کی بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے، جیسا کہ متعدد آیات میں مذکور ہے۔ "نزلک من انباء الغیب" نوحیہا البک، اس لیے آیت مذکورہ میں "لا یعلمہا الا هو" یعنی غیب کے خزانوں کو، جز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اس میں کسی شبہ یا استثناء کی گنجائش نہیں۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۳۸، مطبوعہ لواء المعارف، ۱۳۳۳ھ)

نیز مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتلاتے ہیں، وہ حقیقتاً علم غیب نہیں ہے، بلکہ غیب کی خبریں ہیں۔ جو انبیاء کو دی گئی ہیں جن کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ "من انباء الغیب نوحیہا البک" (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۳۸، مطبوعہ لواء المعارف، ۱۳۳۳ھ)

لیکن حقدین علماء دیوبند نے نبی ﷺ اور دیگر مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۴۷ھ لکھتے ہیں:

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضوری کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و بھون بلکہ جمع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے۔ (حفظ الایمان، ص ۱۰، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، دیوبند، ۱۹۷۱ء)

اس عبارت میں شیخ تھانوی نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے، بلکہ ہر آدمی، بچوں، پاگلوں، حیوانات اور بہائم کے علم پر بھی علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ شیخ تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۵۷ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم ﷺ کو علم غیب باعطاء الہی حاصل ہے۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۵، مطبوعہ لاہور)

نیز لکھتے ہیں:

سرور عالم ﷺ کو جو بعض علوم غیبیہ حاصل ہیں، اس سے تو یہاں بحث ہی نہیں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۰، مطبوعہ لاہور)

نیز شیخ چاند پوری لکھتے ہیں:

صاحب حفظ الایمان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو بلوجود علم غیب عطا ہونے کے عالم الغیب کما جائز نہیں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۳، مطبوعہ لاہور)

واضح رہے کہ ہمارے نزدیک بھی نبی ﷺ کو علم غیب حاصل ہے۔ لیکن آپ کو عالم الغیب کما صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عرف اور شرع میں عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے، جیسے بلوجود عزیز اور جلیل ہونے کے محمد عزوجل کما جائز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کے لیے عالم الغیب کما مکروہ قرار دیا ہے۔

نیز شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۰۵ھ لکھتے ہیں:

اول: میں نے دعویٰ کیا ہے کہ علم غیب جو بلا واسطہ ہو وہ تو خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور جو بواسطہ ہو وہ مخلوق کے لیے ہو سکتا ہے، مگر اس سے مخلوق کو عالم الغیب کما جائز نہیں۔ (حفظ الایمان، ص ۱۴، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، دیوبند)

اس قسم کی عبارات بہت ہیں۔ ہم نے یہ فرض اختصار چند عبارات نقل کی ہیں۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب مقام ولایت و نبوت میں ہے۔ بہر حال ان عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کو عطاء الہی سے علم غیب حاصل ہے، جیسا کہ شیخ چاند پوری نے اس کی تصریح کی ہے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت درست ہے اور یہ کما صحیح نہیں ہے کہ آپ کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں، غیب کا علم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں فرق

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۵۶ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیت میں سے ہیں جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔ ایک علم غیب، دوسرے موجودات کا علم محیط جس سے کوئی ذرہ مخفی نہیں۔

(معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۳۸، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی)

نیز مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور سب فرشتوں اور انبیاء سے زیادہ عطا فرمایا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے برابر کسی کا علم نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ پھر یہ رسول کی تعلیم کا وہ غلو ہو گا جو عیسائیوں نے اختیار کی کہ رسول کو خدا کے برابر ٹھہرا دیا۔ اسی کا نام شرک ہے۔ خود باللہ منہ۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۵۰، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی)

ہمارے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں مساوات کا قول کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے اور نبی ﷺ کا علم حادث اور متناہی ہے، اللہ تعالیٰ کا علم از خود اور بے تعلیم ہے، نبی ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی تعلیم سے ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ ایک قطرہ کو جو نسبت سمندر سے ہے، نبی ﷺ کے علم کو اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں ہے، کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور نبی ﷺ کے علم اور اللہ کے علم میں متناہی کی غیر متناہی کی طرف نسبت ہے، بلکہ ایک ذرہ کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کا علم، اللہ کے علم کی مثل نہیں ہے، کیونکہ آپ کو ایک ذرہ کا علم متناہی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجہ سے ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصہ اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے

اول: علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود ہے عطاء غیر ہو

دوم: علم کا غنا کہ کسی آلہ خارج و تدبیر فکر و نظر و التفات و انتہل کا اصلاً محتاج نہ ہو

سوم: علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو

چہارم: علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو

پنجم: علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات 'ذاتیات' 'اعراض' 'احوال' لازمہ 'مفارقة' 'ذاتیہ' 'اضافیہ' 'مانیہ' 'آتیہ'

(مستقبلہ) موجودہ ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر غنی نہ ہو سکے۔

ان پانچ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو

ان پانچ وجہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو 'حاصل' ہونا ممکن نہیں ہے جو کسی غیر الہی کے لیے حصول مفارقة ہوں خواہ نفوس باطنہ ایک

ذرہ کا ایسا علم ثابت کرے 'یقیناً' اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (الصمام، ص ۷۰، مطبوعہ لائسنس پریس لاہور، ۱۳۳۳ھ)

نیز امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الہی سے وہ نسبت

ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کڑوڑوں حصہ کو سمندر سے ہے کیونکہ یہ نسبت متن کی متن کی ساتھ ہے اور وہ غیر متن کی

کی متن ہے۔ (المفہوم، ج ۱، ص ۳۶، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

لوح محفوظ کا بیان

اسی آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اجلی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان فرمائی تھی کہ اسی کے پاس غیب کی چابیاں

ہیں اور اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا اور آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان

فرمائی۔ وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے 'وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گر تا ہے' اور زمین کی

تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور خشک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ تمام معیبات کو جانتا ہے 'اسی طرح خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اس کا علم تمام

موجودات کو محیط ہے 'زمین و آسمان میں سے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ غیب اور شہادت کی ہر چیز کو جانتے والا ہے'

درخت کے پتوں میں سے کب اور کس جگہ کوئی پتہ گر تا ہے؟ نباتات، جمادات اور حیوانات کی تمام حرکات اور ان کے تمام احوال

اس کے علم میں ہیں 'اور ملکین میں سے جن اور انس کے ہر فعل سے وہ واقف ہے۔ زمین کے اندھیروں میں ہوئے ہوئے بیج اور

زمین کے اندر رہنے والے کیڑوں مکوڑوں اور زمین کے اوپر جانداروں اور بے جانوں کے تمام احوال 'کوئی چیز اس کے علم سے

باہر نہیں۔ جو تر اور خشک 'زندہ یا مردہ' پھل یا کوئی دانہ زمین پر گر تا ہے 'وہ سب سے واقف ہے اور ان میں سے ہر چیز کو اس نے

لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ ہر چیز کی پیدائش اور اس کی موت اور حیات 'موت اور بعد الموت کے تمام کوائف اس میں لکھے

ہوئے ہیں اور ہر چیز کو پیدا کرنے سے پہلے بلکہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے بھی پہلے اس نے تمام مخلوق کے احوال اس

میں لکھ دیے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي سَمَاءٍ

أَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۚ أَتَنْتَبِهُونَ ۚ

زمین میں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں

لیکن مصیبت تمہارے پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی

ذَٰلِكَ عَلَى النَّاسِ يَسِيرٌ ۝ لَّيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۚ سَأَلْتُ رَبِّي لَكَ مِائَةَ أَلْفٍ مِّنْ مَّائَةِ أَلْفٍ ۚ إِنَّكَ فَتَاقُكُمْ وَلَا تَنْفَرُ حَوَائِمًا أَنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
 کُلَّ مُتَحَنِّنٍ فَتُحْوَ ۝ (الحديد: ۲۳-۲۲)

ہوئی ہے۔ یہ ہے شک اللہ پرست آسان ہے تاکہ اگر کوئی چیز
 تمہارے ہاتھ سے ہاتی رہے تو تم اس پر رنج نہ کرو اور جو کچھ
 اللہ نے تمہیں دیا ہے تم اس پر اترا یا نہ کرو اور اللہ کسی
 اترا لے والے حکمر کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے
 کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھی تھیں اور اس کا عرش پانی
 پر تھا۔

(صحیح مسلم، تہذیب، ۱۱، ۱۱۵۳، سنن الترمذی، ج ۲، رقم طبع ۲۲۳، صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم طبع ۳۳۸، مسند احمد،
 ج ۲، رقم طبع ۵۵۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ص ۳۷۳)

کائنات کے وجود سے پہلے ازل میں اللہ تعالیٰ کو جو اس کائنات کا علم تھا اس کا نام تقدیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ کے
 مطابق اس کائنات میں جو کچھ ہوتا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لوح محفوظ
 میں لکھ دیا۔ اللہ کی حرکت اور سورج کی گردش سے دن رات اور ہزاروں سال کا قیام ہوتا ہے اس لیے اللہ کی حرکت کے پیدا کرنے
 سے پہلے زمانہ اور سالوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس لیے اس حدیث میں پچاس ہزار سال کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے
 مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے اتنی مدت پہلے لوح محفوظ میں لکھا کہ اگر آسمان وغیرہ ہوتے تو اتنی مدت میں
 پچاس ہزار سال گزر جاتے اور یا پچاس ہزار سال مدت کے طویل ہونے سے کہنا یہ ہے۔

اس کتاب کو لوح محفوظ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب تحریف اور شیطان کی رسائی سے محفوظ ہے، یا یہ محو اور اثبات سے
 محفوظ ہے، کیونکہ محو اور اثبات فقط فرشتوں کے بھیجوں میں ہوتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محفوظ ہے۔ بھلائی نہیں گئی۔ امام
 رازی کی تحقیق یہ ہے کہ کتاب ہمین سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ازل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا پھر
 دن میں تم کو اٹھاتا ہے تاکہ مقررہ مہل پوری ہو۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم
 کرتے تھے۔ (الانعام: ۶۰)

نیند کا وقت صغریٰ ہوتا

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کمال علم بیان فرمایا تھا کہ غیب اور شہادت کی کوئی چیز اس کے علم سے
 باہر نہیں ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کمال بیان فرمایا ہے کہ وہ رات میں تمہاری روح قبض کر لیتا
 ہے اور دن میں پھر تمہاری روح لوٹا دیتا ہے اور تمہارے اس سونے اور جاگنے میں حشر و نشر کی دلیل ہے اور بالآخر تم
 نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بلاشبہ سونے والا زندہ ہوتا ہے۔ وہ سانس لیتا ہے اور کوئی نہیں بدلتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ
 فرمان کس طرح درست ہو گا اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روح دو قسم کی ہیں۔
 ایک روح کا تعلق احساس کے ساتھ ہے اور دوسری روح کا تعلق حیات اور حرکت بلالہ کے ساتھ ہے۔ جب انسان سویا ہوا
 ہوتا ہے تو اس کی ارواح حسہ ظاہر سے باطن میں چلی جاتی ہیں اس لیے اس کے حواس ظاہرہ عمل کرنے سے معطل ہو جاتے

ہیں اور نیند کے وقت اس کے جسم کا ظاہر بعض اعضاء سے متصل ہو جاتا ہے اور موت کے وقت اس کا پورا بدن ہر قسم کے عمل سے متصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نیند اور موت کی حالت میں ایک قسم کی مشابہت ہے اور اس اعتبار سے نیند پر بھی موت اور وقت کا اطلاق صحیح ہے۔

اس کے بعد فرمایا پھر اللہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے یعنی تمہاری ارواح مسلسل پھر باطن سے ظاہر میں لوٹا دی جاتی ہیں اور تمہارے قوی ظاہر پھر کام کرنے لگتے ہیں تاکہ تم وہ کر سکو جو تمہارے لیے مقدر کیے گئے ہیں اور جو عمر طبعی تمہارے لیے مقدر کر دی گئی ہے اس کو تم پورا کر سکو اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سونے اور جاگنے کے تسلسل کو جاری رکھتا ہے تاکہ تم اپنی طبعی حیات کو پورا کر لو پھر تم نے دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہ تم کو خبر دے گا کہ تم اپنی راتوں اور دنوں میں کیا کام کرتے تھے۔

نیند وقت صغریٰ ہے اور موت وقت کبریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں وقتوں کا ذکر درج ذیل آیت میں بھی فرمایا ہے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَبِئْسَ الْكُفَّاءُ النَّفْسُ قَتَلَتْ عَلَىٰهَا الْمَوْتَ وَبُئِسَ لِلْآخِرَىٰ أَلْفًا تَسْتَكْبِرُ إِنِّي ذُلِكَ لَفُتُوهُ يُتَفَكَّرُونَ (الرمر: ۴۲)

جن کی موت کا وقت ہو اللہ ان کی جانوں کو قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت کا وقت نہ ہو ان کی جانوں کو (بھی) نیند میں قبض کر لیتا ہے پھر جن کی موت کا حکم فرمادیا ان کی جانوں کو روک لیتا ہے اور دوسری (جانوں) کو ایک وقت مقررہ کے لیے بھونڈ دیتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے فرمایا نیند موت کا بھائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا اہل جنت کو نیند آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیند موت کا بھائی ہے اور اہل جنت کو نیند نہیں آئے گی۔

(المعجم الاوسط: ج ۱، رقم الحديث: ۹۳، مسند البراء: ج ۲، رقم الحديث: ۳۵۱، حلیۃ الاولیاء: ج ۲، ص ۴۰، طلی مقامیہ: ج ۲، رقم الحديث: ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، کمال ابن عدی: ج ۲، ص ۱۵۳، مجمع الزوائد: ج ۲، ص ۴۵)

حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ مسند البراء کی سند صحیح ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً طَحَّتْ إِذَا

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگران کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے، حتیٰ کہ جب تم میں سے

جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفِرُّ كُنُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ

کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کڑائی نہیں گرتے۔ پھر وہ

رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ طَ الْآلَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسَيْنِ ﴿٦٢﴾

اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے، اسنرا ہی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد صاب لینے والا ہے۔

تبیان القرآن جلد سوم

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ

آپ کہیے تمہیں ننگلی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کرنِ نجات دیتا ہے، جس کو تم عاجزی سے اور پچھے پچھے پکارتے ہو کہ اگر

لَيْنَ أَنْجَيْنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۳۳﴾ قُلْ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ

وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچائے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ○ آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو اس

مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ

(مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو ○ آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ

أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ

تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گردوبہوں میں

أَوْ يُلْهِيَكُمْ شَيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۚ أَنْتُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۵﴾

تقسیم کر دے اور تمہارے بعضوں کو بعض کی ڈالنی کا مزہ چکھائے دیکھیے ہم کس طرح

نُصْرَفُ الْأَيَّاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿۳۶﴾ وَكَذَّابٌ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ

بار بار دلیلوں کو بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں ○ اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا حالانکہ یہی

الْحَقُّ ۚ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿۳۷﴾ لِكُلِّ نَبَأٍ مُّسْتَقَرٌّ وَ

حق ہے آپ کہیے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ○ ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے

سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾

اور منقریب تم جان لو گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ (الانبیاء)

(الانعام: ۶۸)

اللہ تعالیٰ کے قہر کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلائل تھے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلیل ہے۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے اور وہ اپنے بندوں پر قابض ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی عدم پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو عدم سے وجود میں لے آتا ہے اور کبھی وجود پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو وجود سے عدم کی طرف لے آتا ہے۔ اسی طرح وہ ہر چیز پر اس کی ضد سے قہر فرماتا

ہے۔ مثلاً نور پر ظلمت کے ساتھ قہر فرماتا ہے اور ظلمت پر نور کے ساتھ 'دن پر رات کے ساتھ اور رات پر دن کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ حیات پر موت کے ساتھ 'موت پر حیات کے ساتھ قہر فرماتا ہے اور یہ قہر کا ایسا بحر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر اس کی ضد کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے جس کو چاہتا ہے 'ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے 'ملک چھین لیتا ہے 'وہ جس کو چاہتا ہے 'عز و شہرت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے 'کلت میں مبتلا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ يَسْأَلْكُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَا تُخْبِرُوهُ ۚ وَأَنْتُمْ نَسِيتُمْ ۚ لَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ (یونس: ۳۷)

اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا اور اور کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دن کا کام کاج کے لیے بنایا ہے اور رات غیند کے لیے بنائی ہے۔ اگر انسان دن میں غیند کا معمول بنانا چاہیں اور رات کو کام کاج کا معمول بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ وہ قہر رات کو سونے اور دن کو کام کاج پر مجبور ہیں۔ کتنی مرتبہ یہاں ہوتا ہے کہ انسان جاگنا چاہتا ہے اور غیند اس پر غالب آجاتی ہے اور کئی بار یہاں ہوتا ہے کہ وہ سونا چاہتا ہے اور اس کو غیند نہیں آتی 'صحت اور بیماری اور حیات اور موت میں انسان کا مغلوب ہونا اور اللہ تعالیٰ کا ان پر غالب ہونا اور بھی واضح ہے۔

کرانا کاتبین کی تعریف اور ان کے فرائض

اس کے بعد فرمایا اور وہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ حفظہ 'حفاظہ کی جمع ہے۔ جیسے طلبہ طالب کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بندوں کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور بندوں کی آفات سے حفاظت کرتے ہیں۔ قہر سے معقول ہے کہ وہ عمل 'رزق اور معاد حیات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ دو فرشتے رات کے اعمال کو لکھنے کے لیے ہیں اور دو دن کے اعمال کو لکھنے کے لیے ہیں۔ ایک فرشتہ عینوں کو لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ برائوں کو لکھتا ہے 'اور مہلح کاموں کے لکھنے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کل پانچ فرشتے حفظہ ہیں۔ دو دن کے 'دورات کے اور ایک فرشتہ وہ ہے جو دن رات میں سے کسی بھی وقت ہدائیں ہوگی۔

کرانا کاتبین کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَلَوْ عَلَبَّكُمْ لَهُمْ مَظْمُونٌ ۖ كَرَامًا كَانِيَةً ۖ يَعْلَمُونَ مَا تَعْمَلُونَ (الانفطار: ۳۰-۳۱)

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدًا ۖ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدُنْهُ رَفِيقٌ غَرِيبٌ ۖ (ق: ۸۷-۸۸)

اور بے شک تم پر ضرور حفاظت کرنے والے (فرشتے مقرر) ہیں 'معزز لکھنے والے 'وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ جب (اس کے ہر قول اور فعل کو) لے لیتے ہیں دو لکھنے والے (فرشتے) ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہو نا ہے 'وہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے 'اس کو لکھنے کے لیے ایک نگہبان (فرشتہ) تیار ہوتا ہے۔

اور عامہ اعمال رکھ دیا جائے گا 'پس آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس سے ڈر رہے ہوں گے جو اس میں (ڈر) ہے اور وہ کہیں گے ہائے ہماری کم نعتی ایہ کیسا نوشتہ اعمال ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا ہے نہ بڑا گناہ 'مگر اس کا احاطہ کر لیا ہے 'اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا 'وہ سب اپنے سامنے موجود

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُحْرِمِينَ مُشْفَعِينَ مَعَهَا ۖ وَتَقُولُونَ يُؤْتِيْنَا مَالٍ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَوْبِرَةً وَلَا كَيْبَرَةً إِلَّا آخِضْهَا وَوَحِّدْهَا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَطْلُمُ رُحْمَكَ أَحَدًا ۚ (الكهف: ۳۹)

پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

کرانا کاتبین کے فرائض اور وظائف کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تمہارے پاس باری باری آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمہارے ساتھ رات گزاری ہے وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے: 'علائکہ وہ ان سے زیادہ جانتے والا ہے' تم نے میرے بندوں کو کس محل میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں ہم نے جس وقت ان کو چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۵، صحیح مسلم المسابہ ۲۱۰، سنن الترمذی ج ۱، رقم الحديث: ۳۸۶، سنن الکبریٰ للشیخ ج ۳، رقم الحديث: ۷۷۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم برائی سے احتراز کرو، کیونکہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہوتے ہیں جو تم سے بیت الخلاء اور محل تزویج کے سوا کسی وقت جدا نہیں ہوتے، تم ان سے حیا کرو اور ان کا اکرام کرو۔ (سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۲۸۰۹، شعب الایمان ج ۲، رقم الحديث: ۷۷۶۰)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ دائیں طرف کا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف کا فرشتہ برائیاں لکھتا ہے۔

ابو اییم بھی بیان کرتے ہیں کہ دائیں جانب کا فرشتہ بائیں جانب کے فرشتہ کا امیر ہوتا ہے، جب بندہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے سے کہتا ہے: 'رک جلا' شاید یہ توبہ کر لے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب۔ جو دائیں جانب ہے وہ نیکیاں لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے وہ برائیاں لکھتا ہے۔ (جامع البیان ج ۲، ص ۲۰۵، ۲۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی الدنیائے اللہ یہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نیکیاں لکھنے والا دائیں جانب ہے اور برائیاں لکھنے والا بائیں جانب ہے، جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں جانب والا اس نیکیاں لکھ لیتا ہے، اور جب وہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا بائیں جانب والے سے کہتا ہے: 'اس کو چھوڑ دو' حتیٰ کہ یہ تسبیح کرے یا استغفار کرے۔ پھر جب جمعرات کا دن آتا ہے تو اس وقت تک جو نیکیاں اور برائیاں ہوں وہ لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر یہ نوشتہ لوح محفوظ پر پیش کیا جاتا ہے تو اس میں یہ تمام چیزیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

امام ابن ابی الدنیائے اللہ بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ دائیں جانب والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور وہ بائیں جانب والے فرشتہ پر امیر ہوتا ہے۔ اگر بندہ کوئی گنہہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: 'رک جلا' پھر اگر بندہ استغفار کرے تو وہ اس کو وہ گنہہ لکھنے سے منع کرتا ہے اور اگر بندہ استغفار کی بجائے گنہہ پر اصرار کرتا ہے تو وہ اس گنہہ کو لکھ لیتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۷، ص ۵۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاسلامی المتوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

ضیاء القرآن

ابن جریج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں دو فرشتے ہیں۔ ان میں سے ایک دائیں جانب ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ بائیں جانب ہے جو برائیاں لکھتا ہے۔ جو دائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شہادت کے بغیر لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شہادت کے بغیر نہیں لکھتا۔ اگر بندہ بیٹھ جائے تو ایک فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے اور دوسرا بائیں جانب اور اگر بندہ چلنے لگے تو ایک فرشتہ بندہ کے آگے ہوتا ہے اور ایک پیچھے اور اگر وہ سو جائے تو ایک فرشتہ اس کے سر کی جانب ہوتا ہے اور ایک پیروں کی جانب اور ابن المبارک رحمہ اللہ نے کہا انسان کے ساتھ پانچ فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں دو فرشتے رات کے دو دن کے یہ آتے جاتے رہتے ہیں اور پانچ اس فرشتہ دن رات کے کسی وقت میں اس سے الگ نہیں ہوتا۔

(کتاب العظماء، رقم الحديث: ۵۲۱، ص ۱۸۵، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین السعفی المتوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی مسلمان کے جسم کو کسی مصیبت میں جلا کرتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے: اس کے اس عمل کو لکھتے رہو جو یہ کیا کرتا تھا پھر اگر اس کو شفا دیتا ہے تو اس کو غسل سے پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحديث: ۹۹۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلم اپنے جسم کی کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرض میں اس کی صحت کے ہر نیک عمل کو لکھتا رہتا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحديث: ۹۹۳۳، مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اپنے بندہ مومن کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے عمل کو لکھتے رہتے ہیں۔ جب وہ بندہ فوت ہو جاتا ہے تو جو فرشتے اس کے عمل لکھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ تو اب ہمیں اجازت دے تو ہم آسمان پر چڑھ جائیں۔ اللہ عز وجل فرماتا ہے میرا آسمان ان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو میری تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ عرض کریں گے تو کیا ہم زمین میں قیام کریں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح کر رہی ہے نہ کہیں گے پھر ہم کہاں جائیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا تم میرے اس بندہ کی قبر پر قیام کرو اور سبحان اللہ الحمد للہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھو اور قیامت تک اس کو میرے اس بندہ کے لیے لکھتے رہو۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحديث: ۹۹۳۱، مطبوعہ بیروت)

آیا دل کی باتوں کو کرمانا کاتبین لکھتے ہیں یا نہیں؟

بعض اہل حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور ارادوں پر مطلع ہوتے ہیں اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۸۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھ لو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کی نیکیاں لکھ لو۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے اور ایک روایت اس طرح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب! تیرا یہ بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے، مگر اللہ اسے گناہ پر خوب بصیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا انتظار کرو مگر یہ اس گناہ کو کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر اس کو ترک

کر دے تو اس کی ایک نیکی لکھ لو، کیونکہ اس نے میری وجہ سے اس گناہ کو ترک کیا ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۲۰۵، ۲۰۳، ۲۲۷ (۳۸)، صحیح بخاری، ج ۸، رقم الحديث: ۷۵۶، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحديث: ۳۰۸۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحديث: ۵۸۱، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۰، مسند احمد، ج ۳، رقم الحديث: ۷۳۰۰)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور احوالوں پر مطلع ہوتے ہیں اور بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کے احوال اور نیات پر مطلع نہیں ہوتے۔

امام عبد اللہ بن محمد ابو الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۱ھ روایت کرتے ہیں:

نصرہ بن حبیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں، اس عمل کو وہ بہت زیادہ اور بہت بابرکت گمان کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی سلطنت میں جہاں تک اللہ چاہتا ہے، اس عمل کو لے کر پہنچتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرماتا ہے، تم میرے بندے کے عمل کی حفاظت کرنے والے ہو، اور میں اس کے دل کی نگہبانی کرنے والا ہوں۔ میرے اس بندہ نے یہ عمل میرے لیے اخلاص سے نہیں کیا، اس کو جہنم کی ایک ولدی (میں ڈال دو اور وہ اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک اور بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھیں گے، اور اس عمل کو بہت کم گمان کریں گے۔ پھر وہ اللہ کی سلطنت میں سے جہاں تک اللہ چاہے گا، اس عمل کو لے کر پہنچیں گے۔ پھر اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرمائے گا تم حفاظت کرنے والے ہو اور جو کچھ اس کے دل میں ہے، میں اس پر نگہبان ہوں۔ اس کے اس عمل کو دگنا چو گنا کر دو اور اس کو جہنم میں ڈال دو۔

(کتاب العظمت، رقم الحديث: ۵۲۲، ص ۱۸۵، مطبوعہ بیروت، کتاب الزهد لابن السہارک، رقم الحديث: ۳۵۲، مطبوعہ بیروت)

امام ابن السہارک کی روایت میں ہے میرے اس بندے نے اخلاص سے عمل کیا ہے، اس کو جہنم میں لکھ دو۔

یہ ظاہر ان حدیثوں میں تعارض ہے، لیکن حقیقت میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع ہوتے ہیں۔ وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان اور سنن ترمذی اور سنن نسائی کی روایت ہے اور جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے، وہ کتاب العظمت اور کتاب الزهد کی روایت ہے اور ثانی الذکر کتابیں اول الذکر کتابوں کے پائے کی نہیں ہیں۔ نیز اول الذکر حدیث متصل ہے اور ثانی الذکر مرسل روایت ہے اور اول الذکر سند صحیح ہے اور ثانی الذکر سند ضعیف ہے۔ اس لیے ترجیح پہلی حدیث کو ہے اور رائج یہی ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر بھی مطلع ہوتے ہیں اور موخر روایت کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ربا اور اخلاص کو مستثنیٰ فرمایا ہے، اخلاص کو عقلی رکھا، تاکہ قیامت کے دن اس بندے کی عزت انفرادی کی جائے اور ربا کو عقلی رکھا، تاکہ ربا کار کے عمل کی قیامت کے دن زیادہ رسوائی ہو، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم بنیوی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگوں کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا، حتیٰ کہ جب وہ جنت کے قریب ہوں گے اور جنت کی خوشبو سونگھیں گے، اور جنت کے محلوں کی طرف دیکھیں گے اور ان چیزوں کی طرف دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے تیار کی ہیں تو ان کو خدا کی جائے کی کہ جنت سے واپس آ جائیں، ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ حسرت کے ساتھ جنت سے واپس آئیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! کاش تو ہمیں اپنا ثواب دکھانے سے پہلے اور اپنے اولیاء کے لیے جو تو نے نعمتیں تیار کی ہیں ان کو دکھانے سے پہلے ہمیں دوزخ

میں داخل کر دیتا تو یہ ہم پر آسمان ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا کہ جب تم غلوت میں ہوتے تو میرے ساتھ بہت بڑا مقابلہ کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے تم میرے لیے عاجزی کرتے تھے۔ تم لوگوں کے لیے دکھلا کر دیتے تھے اور تم اپنے دلوں سے مجھے اس کے خلاف دیتے تھے اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے اور مجھ سے نہیں ڈرتے تھے اور تم لوگوں کو بزرگ جانتے تھے اور مجھے بڑا نہیں جانتے تھے۔ سو آج میں تم کو دردناک عذاب چکھاؤں گا اور تم کو ٹولب سے محروم کروں گا۔

(المعجم الاوسط 'ج ۶' رقم الحديث: ۵۳، ۵۴، المعجم الكبير 'ج ۵' رقم الحديث: ۸۹، ۸۶، طبہ الاولیاء 'ج ۳' ص ۳۵-۳۴، شعب الایمان 'ج ۵' رقم الحديث: ۶۸۰۹، مجمع الزوائد 'ج ۱۰' ص ۱۲۰)

اعمال کو لکھوانے کی حکمتیں

اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص کی نیکیاں اور برائیاں لکھنے والے فرشتے ہر روز بدلتے ہیں یا آخر عمر تک وہی فرشتے لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ سہل ثابت ہے کہ دن اور رات کے فرشتے بدلتے رہتے ہیں اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ بندہ کی موت کے بعد فرشتے کیا کرتے ہیں؟ بعض نے کہا کہ آسمان پر جا کر عبادت کرتے ہیں، لیکن ہم شعب الایمان کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ وہ قیامت تک اس بندے کی قبر پر بیٹھ کر اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

کرنا کاتبین جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اس کی کیا حکمت ہے؟ ایک حکمت تو یہ ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے سامنے اس کے خلاف ایک بلوی محبت قائم کر دی جائے تاکہ وہ اپنے کسی قول یا عمل سے انکار نہ کر سکے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جب بندہ کو یہ معلوم ہو گا کہ اس کے اعمال لکھ کر محفوظ کیے جا رہے ہیں اور ہر سرگشتہ لوگوں کے سامنے یہ اعمال پیش کیے جائیں گے تو لوگوں کے سامنے اپنی برائیاں اور بے حیائیاں کھلنے کے خوف سے وہ برے اور فحش کاموں کے ارتکاب سے باز رہے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فرشتوں نے ابن آدم کی پیدائش پر یہ کہا تھا کہ یہ زمین میں خون ریزی اور قتل و فساد کرے گا اور جب وہ خود اپنے ہاتھوں سے مسلمانوں کی نیکیاں لکھیں گے تو ان پر ابن آدم کی پیدائش کی حکمت کمال طریقہ سے واضح ہوگی۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ انسان کے اعمال میران میں وزن کیے جائیں گے۔ بظاہر یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کیونکہ اعمال از قبیل اعراض ہیں لہذا ہو سکتا ہے کہ اعمال کے وزن کرنے سے مراد مخالف اعمال کا وزن کرنا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ (الانعام: ۶۸)

اللہ تعالیٰ ملک الموت اور فرشتوں کی طرف قبض روح کی نسبت کی وضاحت

قرآن مجید میں بندہ کی روح قبض کرنے کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے، ملک الموت کی طرف بھی ہے اور عام فرشتوں کی طرف بھی ہے۔ جیسا کہ صوب ذیل آیتوں سے ظاہر ہے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا (الرمر: ۴۲)
فَلْ يَتَوَفَّكُم مِّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِي وُتِّلَ
بِكُمْ ثُمَّ لَا يَرْجِعُکُمْ (السجدہ: ۱۱)

موت کے وقت اللہ جانوں (روحوں) کو قبض کرتا ہے۔
آپ کہنے کہ موت کا فرشتہ تمہاری روح قبض کرتا ہے جو
تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں۔ (الانعام: ۶۸)

ان آیات میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ وہ روح قبض کرنے کا فاعل حقیقی ہے اور ملک الموت کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ ظاہری فاعل ہے اور روح قبض کرنے

والے فرشتوں کا نہیں ہے، اور دوسرے فرشتوں کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ روح قبض کرنے میں ملک الموت کے احوال اور انصار ہیں۔ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ انسان کے درجہ اور مقام کے اعتبار سے احوال مختلف ہوتے ہیں، اس لیے بعض انسانوں کی روح اللہ تعالیٰ بلا واسطہ قبض کرتا ہے، بعض کی روح ملک الموت قبض کرتا ہے اور بعض کی دیگر فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔

موت کے وقت مسلمانوں اور کافروں کی روحوں کے نکلنے کی کیفیت
امام احمد بن حنبل متونی ۴/۳۱۱ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ پس جب وہ کوئی نیک شخص ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں: 'اے پاکیزہ روح نکلو تم پاکیزہ جسم میں تھیں، تم تعریف کی ہوئی باہر آؤ، تمہیں خوشی اور مسرت کی نوید ہو اور رب کے راضی ہونے کی بشارت ہو۔ اس کو یونسی کہا جاتا ہے گا' حتیٰ کہ روح باہر آجائے گی۔ پھر وہ روح آسمان کی طرف چڑھے گی۔ اس کے لیے آسمان کو کھلوا دیا جائے گا۔ پوچھا جائے گا: 'یہ کون ہے؟' پھر اسے بتایا جائے گا: یہ فلاں ہے؟ آسمان والے کہیں گے: 'پاکیزہ روح کو خوش آمدید ہو' یہ پاکیزہ جسم میں تھی، تم تعریف کی ہوئی داخل ہو۔ تمہیں خوشی اور مسرت کی بشارت ہو' اور رب کے راضی ہونے کی نوید ہو۔ اس سے یونسی کہا جاتا ہے گا' حتیٰ کہ وہ اس آسمان (عرش الہی) میں پہنچے گی، جس پر اللہ عزوجل جلوہ فرما ہے۔ اور جب مرنے والا کوئی برا شخص ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: 'کل اے غبیث (نپاک) روح! تو غبیث جسم میں تھی، کل تو ذمت کی ہوئی ہے۔ تجھے کھولتے ہوئے بدبودار پانی کی بشارت ہو' اور اسی قسم کے اور پانی کی۔ اسے یونسی کہا جاتا ہے گا' حتیٰ کہ وہ روح جسم سے نکلے گی۔ پھر اس کو آسمان کی طرف چڑھایا جائے گا، اور اس کے لیے آسمان کو کھلوا دیا جائے گا۔ پوچھا جائے گا: 'یہ کون ہے؟' پھر بتایا جائے گا: یہ فلاں ہے؟ پھر کہا جائے گا: اس نپاک روح کا آنا مبارک ہو' یہ نپاک جسم میں تھی، تو ذمت کی ہوئی داہیں ہو جا' تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، پھر اس کو آسمان سے بھیج دیا جائے گا، پھر قبر تک پہنچے گی۔

علامہ محمد احمد شاکر متونی ۷/۳۳۷ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۸۷۵۳، مطبوعہ دار الحدیث، القاہرہ، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۳۷، طبع قدیم، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۳۳۳)
امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب متونی ۳/۳۰۳ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس رحمت کے فرشتے سفید ریشم کو لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں: (اے روح!) نکلو اور آنحالیکہ تم اللہ سے راضی ہو اور اللہ تم سے راضی ہو، تم اللہ کی راحت اور خوشی کی طرف نکلو، اور رب کی رضا کی طرف نکلو۔ پھر روح مشک کی پاکیزہ خوشبو کی طرف نکلتی ہے، حتیٰ کہ بعض فرشتے اس روح کو لیتے ہیں اور اس کو آسمان کے دروازے کی طرف لاتے ہیں اور آسمان والے کہتے ہیں: 'یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے؟' پھر وہ اس روح کو مومنین کی ارواح سے ملاتے ہیں اور وہ روحیں اس روح سے مل کر اسی طرح خوش ہوئی ہیں، جیسے کوئی شخص اپنے چمڑے ہوئے دست سے مل کر خوش ہوتا ہے۔

پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں: 'فلاں شخص کیسا ہے؟ فلاں شخص کیسا ہے؟' پھر کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑو، دنیا کے غم میں ہے اور جب وہ کہتا ہے کہ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا، اور جب کافر کے پاس موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ملٹ کو لے کر آتے ہیں اور اس کی روح سے کہتے ہیں: 'نکل در آنحالیکہ تو اللہ سے ناراض ہے'

اور اللہ تجھ سے ناراض ہے۔ تو اللہ کے عذاب کی طرف نکل، تو وہ انتہائی ناگوار بدبو کی طرح نکلتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کو زمین کے دروازہ کی طرف لاتے ہیں اور زمین والے کہتے ہیں: یہ کیسی ناگوار بدبو ہے؟ پھر وہ اس کو کفار کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (سنن نسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۰۱۳، المستدرک، ج ۱، ص ۳۵۳) حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

امام بزار اور امام ابن مردودہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ریشم میں منک اور گل ریحان کے گھٹے لے کر آتے ہیں۔ پھر اس کے جسم سے روح اس طرح نکل لیتے ہیں جس طرح آٹے سے بل نکل لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: اے پاکیزہ روح اللہ کی خوشی اور اس کی کرامت کی طرف راضیہ اور مرضیہ ہو کر چلو اور اس کو ریشم میں لپیٹ کر عیسیٰ کی طرف لے جاتے ہیں اور کافر پر جب موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے ایک ٹٹ میں انگارے لے کر آتے ہیں اور بڑی سختی سے اس کی روح کو کھینچتے ہیں اور کہا جاتا ہے: اے ناپاک روح! نکل در آنحائیکہ تو اللہ سے ناراض ہے اور اللہ تجھ سے ناراض ہے، نکل اللہ کی دی ہوئی ذلت اور اس کے عذاب کی طرف۔ اور جب روح نکل جاتی ہے تو اس کو اس انگارے پر رکھ کر ٹٹ میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو جہنم کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ (شرح الصدور، ص ۳۳، مطبوعہ دار الکتب المطبعیہ بیروت، ۱۳۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ اللہ کی طرف لوٹے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے۔ سنو! اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔ (الانعام: ۶۱)

اللہ تعالیٰ کے مولیٰ اور حق ہونے کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: پھر وہ اللہ کی طرف لوٹے جائیں گے جو ان کا ایسا مولیٰ ہے جو حق ہے۔ مولیٰ کا ایک معنی ہے آزاد کرنے والا، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عذاب سے آزاد فرمادے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ (مسند الحمیدی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۱) نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی اخلاص اپنے بندوں کی طرف فرمائی ہے: یعنی ان کا مولیٰ اور یہ اخلاص انتہائی رحمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ پھر فرمایا ان کا مولیٰ جو حق ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا میں انسان باطل آقاؤں کے ماتحت تھا اور وہ نفس، شہوت اور غضب کے احکام کی اطاعت کرتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آرَءَيْتَ مَنِ اتَّبَعَ لِلَّهِ قَوْلَهُ؟ کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا

(الفرقان: ۳۳) | معبود بنالیا۔

اور جب انسان مرجاتا ہے تو باطل آقاؤں کے احکام کی اطاعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور صرف اپنے حقیقی مولیٰ کے زیر تصرف آ جاتا ہے۔

روح کے انسان کی حقیقت ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین رازی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر قوی دلیل ہے کہ انسان کی حقیقت یہ جسم نہیں ہے، بلکہ یہ روح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں صراحتاً یہ فرمایا ہے کہ انسان مرجائے گا اور مرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا جائے گا اور اس مردہ جسم کا اللہ کی طرف لوٹنا تو ممکن نہیں ہے، تو ثابت ہوا کہ اس کی روح کو اللہ کی طرف لوٹا جائے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدن کے ساتھ تعلق سے پہلے روح موجود تھی، کیونکہ اس عالم سے اللہ کی بارگاہ کی طرف روح کا لوٹنا اسی وقت ہو سکتا ہے جب روح پہلے سے موجود

ہو اور یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

ارْجِعْنِي إِلَىٰ رَبِّكَ (المحجر: ۲۸)

اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۶۰-۵۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کے دلائل پر بحث و نظر

امام رازی کی اس تقریر سے معلوم جسمانی کائنات کا لازم آتا ہے، جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انسان کا حشر روح مع الجسم ہو گا اور اس مردہ جسم کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زندہ کر دے گا اور جسم میں روح ڈال کر اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس جسم کے زندہ کیے جانے اور اللہ کے سامنے اس کے پیش کیے جانے پر دلائل مذکور ہیں:

اور انہوں نے کہا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم از سر نو پیدا کیے جائیں گے کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ان کی مخلیق پر قادر ہے اور اس نے ان کے لیے موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے، پس ظالموں نے کفر کرنے کے سوا ہر بات کا انکار کر دیا۔

وَقَالُوا ءِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ۙ أَكْبَعُ نُونًا حَلَقًا جَدِيدًا ۚ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اٰجَلًا لَا رَيْبَ فِيْهِ فَاَنَّىٰ يَظْلِمُوْنَ ۙ اَلَا كُفُوْرًا ۙ

(ہو اسرا نبل: ۶۸-۶۹)

اس نے کہا جب ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ آپ کہئے! انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں پیدا کیا تھا۔

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۚ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۙ (ہو اسرا نبل: ۶۸-۶۹)

قرآن مجید کی ان آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صرف روح نہیں لوٹائی جائے گی، بلکہ روح اور جسم دونوں لوٹائے جائیں گے اور انسان صرف روح کا نام نہیں ہے، بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ پیدا ہونے کے بعد جسم کی ساخت اور اس کے تشخص میں عمر کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے اور مرنے کے بعد جسم بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور انسان واحد کی حقیقت اور اس کا تشخص تو معین اور غیر متبدل ہونا چاہیے اور وہ نفس تو صرف روح میں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے جسم میں اجزاء امیہ ہوتے ہیں جو اس کے جسم کے تمام مختلف ادوار میں مشترک رہتے ہیں اور جب جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تب بھی وہ اجزاء باقی رہتے ہیں اور ان ہی اجزاء کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور انسان کی حقیقت اور اس کے تشخص کا دار روح اور ان اجزاء امیہ پر ہے۔

جسم سے پہلے روح کے پیدا ہونے پر دلائل اور بحث و نظر

البتہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ روح کو جسم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا روحمی مجتمع لشکر ہیں جو ان میں سے ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں اور جو ایک دوسرے سے نا آشنا ہوتی ہیں وہ آپس میں اختلاف کرتی ہیں۔ (صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۲۶، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۵۹، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۳۲، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۳، ۵۴، ۵۵، طبع قدیم)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے ابتداء خلقت کی خبر بتا مقصود ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور جب روحوں کا جسموں میں حلول ہو تو ان کی آپس میں شناسائی یا عدم شناسائی عالم ارواح کے اعتبار سے ہوتی تو روحمیں جب دنیا میں ایک دوسرے سے ملیں تو ان کا ایک دوسرے سے متفق یا مختلف ہونا بھی اسی سابق شناسائی یا عدم شناسائی کے اعتبار سے تھا۔ (فتح البدر، ج ۶، ص ۳۶۹، مطبوعہ لاہور ۱۳۶۶ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا ہے۔ (الملفوظ للفتاویٰ، ج ۲، ص ۱۰۰، مطبوعہ المکتبہ النوریہ، الرضویہ، لاہور، پاکستان)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جسموں کے فنا ہونے کے بعد بھی روحمیں باقی رہتی ہیں۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے شہداء کی روحمیں سبز رعدوں کے پوتوں میں رہتی ہیں۔ (امروۃ القاری، ج ۵، ص ۲۲۹، مطبوعہ دارۃ البیان، المیریہ، مصر ۱۳۳۸ھ)

حافظ عسقلانی اور حافظ سیوطی نے یہ تو لکھا ہے کہ روحمیں جسموں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں، لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ حدیث کس امام نے کس صحابی سے روایت کی ہے؟ البتہ علامہ ابن قیم جوزیہ نے لکھا ہے کہ امام ابو عبد اللہ بن مندہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندوں کی روحمیں بندوں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کی گئی ہیں۔ سو جو روحمیں ایک دوسرے سے متعارف تھیں، وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں اور جو روحمیں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھیں، وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں۔ (الروح، ص ۵۳، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ ۱۳۶۰ھ)

پھر علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۰ھ نے اس حدیث کی سند پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی عقبہ بن سکن ہے۔ امام دارقطنی نے اس کے متعلق یہ کہا کہ یہ حردک ہے اور ایک راوی ارطاة بن منذر ہے۔ امام ابن عدی نے کہا اس کی بعض احادیث ملتا ہیں۔ (الروح، ص ۵۵، مطبوعہ قاہرہ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے جس کو ہم نے شروع میں بیان کیا ہے۔ اس میں اگرچہ دو ہزار سال پہلے کے الفاظ نہیں ہیں، لیکن وہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ روحمیں ایک مجتمع لشکر کی صورت میں پہلے پیدا ہو چکی تھیں نیز اس کی مزید تائید ان حدیثوں سے ہوتی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح گر گئی جس کو وہ ان کی اولاد سے قیامت تک پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک بٹائی۔ پھر ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک انہیں بہت اچھی لگی۔ پوچھا اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد میں سے آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے۔ اس کو داؤد کہا جاتا ہے، حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا اے میرے رب! میری عمر سے چالیس سال اس کی عمر زیادہ کر دے، جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کیا ابھی میری عمر سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے کہا کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو یہ عمر نہیں دی؟ نبی ﷺ نے فرمایا حضرت آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا۔

کیا اور حضرت آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔ امام ابو یوسف نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ متعدد سندوں کے ساتھ از ابو حریرہ از نبی پیچھا ہوئی ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کی روحوں کو نکالا گیا جس سے یہ واضح ہو گیا کہ روحوں کو جسوں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

نیز امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالا جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے پہلے ان کو ارواح بنایا پھر ان کو صورتیں دیں اور گویائی عطا کی وہ پوچھنے لگے۔ پھر ان سے عرض لور میثاق لیا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی (یہ اس لیے کہ) کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس عہد سے غافل تھے مگر ہم نے تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ کیا ہے کہ تمہی کہو کہ ہم کو پتا نہ تھا یا یہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے۔ سو تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور میں تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا پس انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی ہمارا رب ہے نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا تو ان میں غنی اور فقیر اور خوبصورت اور بد صورت لوگوں کو دیکھا۔ تو حضرت آدم نے کہا اے میرے رب اگر تو اپنے تمام بندوں کو برابر کر دیتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے چراغوں کی طرح روشن انبیاء علیہم السلام کو دیکھا ان سے نبوت اور رسالت کا عہد و میثاق لیا اور اس میں ان آیتوں کی تصدیق ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَ
مِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ
أَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (الاحزاب: ۷)
فَنَاقِمٌ وَجْهَكَ لِلدُّنْيَا خَبِيرًا فَطَرَتِ اللَّو
الْحَيُّ فَطَرِ النَّاسَ عَلَيْهَا لِتُبْذِلَ لِتَعْلَىٰ اللَّو
(الروم: ۳۰)

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے نبیوں سے میثاق لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے بڑا میثاق لیا۔

سو آپ اللہ کی اطاعت کے لیے اپنی ذات کو ثابت قدم رکھیں اور ان باطلہ سے اعراض کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی سرشت پر لازم کر لو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

یہ ایک ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے۔ اور ہم نے ان کے اکثر لوگوں سے عہد کی وفا نہیں پائی اور ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمانی پایا۔

پھر نوح کے بعد ہم نے ان لوگوں کی طرف رسول بھیجے جو ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے کیونکہ وہ اس سے پہلے ان کی تکذیب کر چکے تھے۔

هَذَا نَذِيرٌ لِلْأُولَىٰ (النجم: ۵۷)
وَمَا وَحَدْنَا لَأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَإِن وَحَدْنَا
أَكْثَرَهُمْ لَفَيَقِينُونَ (الاعراف: ۱۴۳)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ
فَقَاءَهُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا
كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ (يونس: ۱۲۱)

پس حضرت عیسیٰ کی روح ان ارواح میں سے تھی جن سے آدم علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ روح حضرت مریم کی طرف بھیجی جو اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک شرقی مقام میں آگئی تھی۔ پھر لوگوں کی طرف سے انہوں نے ایک پردہ بنا لیا تو ہم نے ان کی طرف اپنے ایک فرشتہ کو بھیجا جس نے ان کے سامنے ایک تندرست آدمی کی صورت اختیار کی۔۔۔۔۔ پھر مریم نے اس کو اپنے پیٹ میں لے لیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی۔

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور سمیع نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۲۳-۲۲۴ مطبوعہ دار الباز کتبہ کرمہ)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کی روحوں کو نکالا اور ان دونوں حدیثوں کی تصدیق اس آیت میں ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْكَ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝ (الاعراف: ۱۴۲) سے بے خبر تھے۔

علامہ ابن قیم نے ان دلائل کے معارضہ میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ فرشتہ ہاں کے پیٹ میں روح پھونکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم کے ساتھ یا اس کے بعد حادث ہوتی ہے، وہ حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور آپ صلوٰۃ اور صدوق ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی خلقت اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کی جاتی ہے (یعنی نطفہ) پھر وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو چار کلمات کہنے کا حکم دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے اس کا عمل لکھو اور اس کا رزق اور شقی یا سعید ہونا پھر وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ بے شک تم میں سے ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے پھر وہ دوزخیوں کا عمل کرتا رہتا ہے اور ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے پھر وہ جنتیوں کا عمل کرتا رہتا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲ رقم الحدیث: ۳۳۲۲، ۳۳۰۸ ج ۲ رقم الحدیث: ۵۵۳۳ ج ۸ رقم الحدیث: ۴۵۵۳، صحیح مسلم قدر ۱ (۳۷۳) ۵۵۹۹ سنن الترمذی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۳۳۳ سنن ابوداؤد ج ۳ رقم الحدیث: ۴۰۸۸ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۷۱، صحیح ابن حبان ج ۳ رقم الحدیث: ۴۴۴۴ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۷۳۳ مسند حیدری ج ۱ رقم الحدیث: ۳۶۱ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۳۳۶)

ہر چند کہ اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس وقت فرشتہ پھونک مارتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ اس میں روح پیدا کرتا ہے لیکن دوسرے دلائل سے مطابقت کے لیے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرشتہ کے پھونک مارنے وقت اللہ تعالیٰ اس میں وہ روح بھیج دیتا ہے جو اس سے پہلے پیدا کی جا چکی ہے۔

قیامت کے دن جلد حساب لینے کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو! اسی کا حکم ہے یعنی سورۃ "لور معاذ ہر طرح اسی کا حکم ہے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کسی شخص کی اطاعت ثواب کو واجب نہیں کرتی اور کسی شخص کی معصیت عذاب کو واجب نہیں کرتی، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اطاعت کرنے والے کا یہ حق ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ثواب عطا کرنے کا حکم دے، حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا، بلکہ ہر چیز پر اسی کا حکم نافذ ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے حسب ذیل آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے جلد حساب لینے کے متعلق فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ بِحُسْـبِكُمْ لَا مُعْتَبَیْ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (الرعد: ۴۱)

اللہ حکم فرماتا ہے اور اس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب بہت جلد لے لے گا اور ایک ہی وقت میں کسی ایک شخص سے حساب لینا اور اس وقت میں کسی دوسرے سے حساب لینا اس کے لیے مانع اور رکاوٹ نہیں ہوگا۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب اتنی دیر میں لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دیا جاتا ہے اور بعض حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف یوم کی مقدار میں حساب لے لے گا۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حساب نہیں لے گا، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرشتوں کو حساب لینے کا حکم دے گا۔ سو ہر فرشتہ ہر بندے سے حساب لے گا اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ خود حساب لے گا اور کافروں سے فرشتے حساب لیں گے، کیونکہ اگر اللہ کافروں سے خود حساب لینا تو ان سے کلام بھی فرماتا، حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا، لیکن اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا، بلکہ غضب کے ساتھ ان سے کلام فرمائے گا اور قرآن مجید کی ظاہر آیتیں اس قسم کے کلام پر دلالت کرتی ہیں:

وَبِیَوْمٍ نَّحْشُرُهُمْ جَحِیْمًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِیْنَ أَشْرَكُوا آئِنِ شُرَكَاءُكُمْ الذِّیْنَ كُنْتُمْ تُرْعَمُونَ (الانعام: ۴۲)

اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر شرک کرنے والے لوگوں سے کہیں گے تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟

فَذُوقُوا یٰۤاَسَیْبُكُمْ لِقَاءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا اِنَّا سَیْبُکُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْعُقُلِ یٰۤاَسَیْبُكُمْ تَعْمَلُوْنَ (السجدہ: ۲۴)

پس اب تم! اس کا مزہ! چکھو کہ تم نے اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا۔ بے شک ہم نے تمہیں فراموش کر دیا اور دائمی عذاب کا مزہ چکھو! ان (برے) کاموں کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

باقی حساب لینے کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس کا اصل انسانی احوالہ نہیں کر سکتی، ہم اللہ کے حساب لینے پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کو عالم الغیب والاشیاء کے سر دہرتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۷، ص ۷۸) مطلوبہ دار الحیاء التراث العربی بیروت) حساب کے متعلق قرآن مجید کی آیات اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ
اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے متعلق
(الرحمن: ۳۹) سوال نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حساب نہیں لیا جائے گا لیکن اس کے معارض دو سری آیت ہے:
فَوَرَّيْكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (الحجر: ۹۳-۹۴)
سو آپ کے رب کی قسم اجماع ان سے ضرور سوال کریں گے
ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

ان آیتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا ہے؟ کیونکہ ان کے اعمال
فرشتے نے لکھے ہوئے ہیں بلکہ ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا ہے؟ دو سرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے
دن احوال مختلف ہوں گے۔ کسی سے کسی وقت کوئی سوال نہیں کیا جائے گا اور کسی دوسرے وقت سوال کیا جائے گا۔ اس کی نظیر
یہ ہے کہ کسی وقت کسی کو اپنا عذر بیان کرنے کی جرات نہیں ہوگی اور کسی وقت وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی جھٹیں پیش کریں
گے۔ جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ۝ وَلَا يُؤَدُّ لَهُمْ
فِيَعْتَدُونَ (المرسلات: ۳۵۳-۳۵۴)
اس دن وہ نہ کوئی بات کر سکیں گے اور نہ انہیں عذر پیش
کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

پھر یقیناً تم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے ہتھکڑا کر دو گے
ثُمَّ لَأَنُكِّمُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِندَ رَبِّكُمْ
تَخْتَصِمُونَ (المرمر: ۳۷)
پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو
مقرعہ اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

پہلی آیت میں فرمایا کہ وہ اس دن کوئی بات نہیں کر سکیں گے اور دوسری آیت میں فرمایا وہ ہتھکڑا کریں گے اس کا یہی عمل
ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے۔
حساب کی کیفیت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری حوالہ ۲۵۶ روایت کرتے ہیں:

نیا پیچہ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی کوئی حدیث سنی تھیں اور اس کو یہ سمجھ پاتیں تو وہ نیا پیچہ سے
پوچھتی تھیں حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں۔ اور نیا پیچہ نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ
نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا؟

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ
يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝ (الانشقاق: ۷۸-۷۹)
پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو
مقرعہ اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا اس سے مراد حرف العمل کو پیش کرنا ہے لیکن جس سے حساب میں مبتلا کیا گیا (کہ فلاں کام تم نے کیوں
کیا) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۲۳۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب
سے پہلے قتل کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۷۸۳، صحیح مسلم، زیات: ۲۸، (۱۷۷۸) ۲۳۰۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحديث: ۳۰۰۲، سنن
الاسلمی، ج ۱، رقم الحديث: ۴۰۰۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحديث: ۳۷۵)

یہ حدیث حقوق العباد پر محمول ہے اور حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کے عمل سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نمازیں درست ہوئیں تو وہ کامیاب اور کامیاب ہو گیا اور اگر نمازیں فاسد ہوئیں تو وہ ناکام اور نقصان اٹھانے والا ہو گیا۔ اگر اس کے فرض میں کمی ہو تو رب بابرک و تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو میرے اس بندہ کے نفل ہیں؟ پھر فرائض کے نقصان کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ پھر باقی اعمال کا بھی اسی طرح معاملہ ہو گا۔

(سنن الترمذی، ج ۱، رقم الحديث: ۲۳۳، سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحديث: ۸۷۳، سنن النسائی، ج ۱، رقم الحديث: ۳۶۱، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحديث: ۳۲۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۲۵، ج ۲، ص ۱۰۳، ج ۵، ص ۷۷، ج ۷، ص ۷۷)

قاضی ابو بکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کی تعداد میں جو کمی رہ گئی ہے، وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کے خشوع میں جو کمی رہ گئی ہو، وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور میرے نزدیک پسلا احتمال زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ آپ نے باقی اعمال کا بھی یہی حکم بیان فرمایا ہے اور زکوٰۃ میں صرف فرض ہے یا نفل ہے، پس جس طرح زکوٰۃ کا فرض فاضل صدقات سے پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح نماز کا فرض بھی نفل سے پورا ہو جائے گا اور اللہ کا نفل بہت وسیع ہے اور اس کا وعدہ بہت بخند ہونے والا ہے اور اس کا عزم اتم اور اتم ہے۔ (اعراف اللہ ج ۲، ص ۲۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نماز کی سنتوں میں جو کمی رہ جاتی ہے، وہ نوافل سے پوری کی جائے گی۔ کیونکہ کوئی حلت واجب کا بدل نہیں ہو سکتی ہے۔ حدیث تہی ہے جتنا مجھ سے فرائض کے ذریعہ قرب حاصل ہوتا ہے، اتنا اور کسی چیز سے نہیں ہوتا اور شیخ عز الدین نے کہا ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کے ایک درہم کا آٹھواں حصہ نفل ہزار درہم سے زائد ہے اور کوئی آدمی ساری عمر نفل قیام کرے، بلکہ تمام زمانہ قیام کرے تو وہ صبح کی دو رکعت فرض کے برابر نہیں ہے۔ (سنن النسائی، ج ۱، شرح الحديث: ۳۶۱، دار السرف، بیروت، ۱۳۳۳ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ روایت کرتے ہیں:

زید بن حارث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا اللہ کا رات میں ایک حق ہے جس کو وہ دن میں قبول نہیں کرتا، اور اللہ کا دن میں ایک حق ہے جس کو وہ رات میں قبول نہیں کرتا، اور جب تک فرض لو ا نہ کیا جائے اللہ نفل کو قبول نہیں کرتا۔ (الحديث)

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳، رقم الحديث: ۱۳۸۰، ج ۳، رقم الحديث: ۱۸۹۲، کتاب الزکوٰۃ لابن المبارک، رقم الحديث: ۳۳، ص ۱۱۲، لاویاء، ج ۱، ص ۳۶، جامع الاطراف، الکبیر، ج ۳، رقم الحديث: ۱۸۹)

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ابن آدم کا قدم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے اس وقت تک نہیں بٹے گا، حتیٰ کہ اس سے پانچ چیزوں کے مطلق سوال کر لیا جائے۔ اس نے اپنی عمر کس کام میں نکالی؟ اس نے اپنی جوانی کس کام میں جلائی؟ اس نے مل کمال سے حاصل کیا؟ اور کمال اس کو خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ (سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مجلس کون ہے؟ انہوں نے کہا

یا رسول اللہ! مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم ہونہ کوئی متاع ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہو گا جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گل دی ہوگی اور کسی کو قسمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھلیا ہو گا اور کسی کا خون بھلیا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا وہ شخص جہنم جائے گا اور اس کی نیکیوں میں سے اس کو بدلہ دیا جائے گا اور اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ پھر اگر اس پر جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۲۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۵۸۸) صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۴۴۸۱، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۰۳۵، سنن کبریٰ للصبیحی، ج ۶، ص ۴۳

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہمدہ کو پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تیرے لیے کن اور آنکھیں نہیں بنائی تھیں؟ اور کیا مال اور اولاد نہیں دیئے تھے؟ کیا تیرے لیے مویٹیوں اور کھیتوں کو مسخر نہیں کیا تھا؟ کیا تجھے سرداری اور خوش محل نہیں دی تھی؟ پھر کیا تو مجھ سے اس دن ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج میں تجھے اس طرح فراموش کر دوں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ (سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۳۶)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن اپنے رب کے قریب کیا جائے گا، حتیٰ کہ اللہ اس کو اپنی رحمت سے گھیر لے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا (فرمائے گا) تم فلاں گناہ پہچانتے ہو؟ وہ دوبارہ کہے گا اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تمہارا پرہیزگار تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا محیفہ لپیٹ دیا جائے گا، باقی رہے کفار تو ان کو تمام لوگوں کے سامنے پکار کر بلایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر بھوت ہندھا تھا۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۸۵، صحیح مسلم، توبہ، ۵۲، (۲۷۸) ۸۸۲، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳، السنن الکبریٰ للصبیحی، ج ۶، رقم الحدیث: ۸۳۲۲، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۸۲۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں ضرور اس شخص کو جاننا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا، ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پس کہا جائے گا اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کر دو اور اس کے بڑے بڑے گناہ اس سے دور رکھو۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ یہ کام کیا تھا، وہ کہے گا: ہاں! اور اس کا انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اس سے ڈر رہا ہو گا کہ کہیں اس کے بڑے بڑے گناہ نہ پیش کر دیئے جائیں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ تب وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! میں نے تو اور بھی بہت سے کام کیے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جی جی کہ آپ کی مبارک داڑھی کا ہر ہو گئی۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۳۱۳، (۱۹۰) ۳۵۹، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۰۵)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالمہدیؑ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہزار کے ساتھ ستر ہزار (مزید) ہوں گے اور میرے رب نے دونوں ہاتھوں سے تین بار لب (بک) بھرنے کا وعدہ کیا ہے۔

(سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۲۴۳۵، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۸۶، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحدیث: ۴۳۶، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۳۸، المعجم الکبیر ج ۷، رقم الحدیث: ۷۷۷۷)

حساب کی کیفیت کے متعلق صحابہؓ، تابعین اور علماء کے نظریات علامہ محمد بن احمد السقاریؒ الخلیل المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

حساب کی کیفیات اور اس کے احوال مختلف اور مختلف ہیں۔ بعض کا حساب آسان ہو گا اور بعض کا حساب مشکل ہو گا، بعض کے ساتھ مدد ہو گا، بعض پر فضل ہو گا، بعض کی تکرم ہو گی، بعض کی زجر و توبخ ہو گی، بعض سے درگزر ہو گا اور بعض کی گرفت ہو گی۔ اور یہ سب اس اکرم الاکرام اور ارحم الراحمین کی مرضی اور مشیت پر موقوف ہے۔

سب سے پہلے علماء، مجاہدوں، مال داروں اور خوش حالوں سے حساب لیا جائے گا، حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا حساب ہو گا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ کس چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "لا الہ الا اللہ" کے متعلق سوال ہو گا اور ضحاک نے کہا لوگوں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال کیا جائے گا اور علامہ قرطبی نے کہا تمام اقوال اور افعال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (اسو اسرائیل ۳۷)

فَوَرَّيْكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النحل ۹۳-۹۴)

امام رازی کا بھی یہی رجحان ہے کہ ہر کام کے متعلق سوال ہو گا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم ان سب سے سوال کریں گے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال کیا جائے گا۔ انبیاء علیہم السلام سے سوال کے متعلق اس آیت میں تصریح ہے:

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف ۶۷)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور یہ شک ہم رسولوں سے (بھی) ضرور سوال کریں گے۔

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ شمول انبیاء علیہم السلام ہر شخص سے سوال کیا جائے گا۔ البتہ ان سے یہ طور مناسفہ سوال نہیں ہو گا، بلکہ تعظیم و تکریم کے ساتھ سوال کیا جائے گا اور احادیث میں جن کے متعلق یہ بشارت ہے کہ وہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، وہ ان آیات کے عموم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ رسالت کے متعلق سوال ہو گا اور کفار سے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ علامہ بلبانی نے لکھا ہے کہ کفار نے جو نیک کام کیے ہیں، ان سے ان کے عذاب میں تخفیف حوق ہے (یہ صحیح نہیں ہے) قرآن مجید میں تصریح ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف

نہیں کی جائے گی۔ لایعصف عنہم العذاب ولا ہم یسظرون (البقرہ ۲۳)

شیخ ابن تیمیہ نے عقیدہ واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن سے تعلق میں حساب لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا جیسا کہ کتاب اور سنت میں ہے اور جن لوگوں کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جاتا ہے کفار سے اس قسم کا حساب نہیں لیا جائے گا کیونکہ ان کی کوئی نیکیاں نہیں ہیں لیکن ان کے اعمال کا شمار کیا جائے گا ان سے ان کا اقرار کرایا جائے گا۔

نعمتوں کی کتنی مقدار پر حساب لیا جائے گا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص ایک قدم بھی چلتا ہے اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس کا اس سے کیا ارادہ تھا۔ امام ترمذی، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے یہ سوال کیا جائے گا کیا میں نے تمہارے جسم کو صحت مند نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تم کو ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے سایہ ٹھنڈے پانی اور کھجور کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ امام احمد، امام بیہقی اور امام ابو نعیم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزوں کے متعلق بندہ سے سوال نہیں کیا جائے گا دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ، روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے وہ اپنی پیٹھ سیدھی رکھ سکے اور کپڑے کا اتنا ٹکڑا جس سے وہ اپنی شرم گھ ڈھانپ سکے۔

امام احمد نے سند جید کے ساتھ حضرت ابی صییب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ باغ کے مالک نے کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ کر نبی ﷺ کو پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے اس کو کھلایا پھر آپ نے ٹھنڈا پانی منکا کر پیا۔ پس فرمایا قیامت کے دن تم سے اس کا سوال کیا جائے گا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ان چیزوں کے متعلق بھی قیامت کے دن سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اسوا ان تین چیزوں کے وہ کپڑا جس کے ساتھ شرم گھ کو لپیٹا جاسکے، روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے بھوک مٹائی جاسکے اور اتنا حجرہ جو دھوپ اور بارش سے بچانے کے لیے کافی ہو۔

حساب کو آسان کرنے کا طریقہ

امام طبرانی، امام بزار اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں جس میں ہوں اللہ اس سے آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دے گا۔ صحابہ نے پوچھا اللہ کیا خصلتیں ہیں؟ فرمایا جو تم کو محروم کرے اس کو دو۔ جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو۔ جو تم پر زیادتی کرے اس کو معاف کر دو۔

امام ابیہانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم کر سکتے ہو کہ جب تم صبح اٹھو یا جب شام ہو تو تمہارے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو تو ایسا کر لو کیونکہ اس سے تمہارا حساب زیادہ آسان ہو گا۔

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ قیامت کے دن مخلوق کا حساب کون لے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ اس نے کہا اب کعبہ کی قسم اٹھاری نجات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا اے اعرابی وہ کیسے؟ اس نے کہا اس لیے کہ کریم جب قلم ہوتا ہے تو بخش دیتا ہے اور جب تم سے کوئی لغزش ہو تو وہ پردہ رکھتا ہے اور جلدی

کسی نے خوب کہا ہے کہ کریم جب قلم ہوتا ہے تو بخش دیتا ہے اور جب تم سے کوئی لغزش ہو تو وہ پردہ رکھتا ہے اور جلدی

خسر کرنا اور انتقام لینا یہ کریم کی عادت نہیں ہے۔

مذکورہ صدر احادیث میں ہے کہ تم کسی کی زیادتی معاف کرو، اس سے تمہارا حساب آسان ہو گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم بندوں کی خطاؤں کو معاف کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

علامہ قرطبی اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی عکرم کے لیے اللہ تعالیٰ حساب کے وقت ان سے بغیر ترجمان کے کلام فرمائے گا اور کفار کی اہانت کے لیے ان سے خود کلام نہیں فرمائے گا، بلکہ فرشتے ان سے حساب لیں گے۔

(لوامع الانوار البیہ، ج ۲، ص ۱۷۷-۱۷۸، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کئے تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچالے تو ہم ضرور شکرگزاروں میں سے ہو جائیں گے، آپ کئے کہ اللہ ہی تم کو اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے، پھر بھی تم شرک کرتے ہو (الانعام: ۶۷-۶۸)۔

مصیبت نکل جانے کے بعد اللہ کو بھول جانے پر ملامت اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پر بعض دلائل بیان فرمائے تھے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ تمام مخلوق پر غالب ہے اور ان کے اعمال کی فرشتوں سے حفاظت کراتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور قسم کی دلیل بیان فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اس کی رحمت، اس کے فضل اور اس کے احسان پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت میں خشکی کی تاریکیوں کا ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد حسی تاریکی بھی ہے اور معنوی تاریکی بھی۔ حسی تاریکی رات کا اندھیرا، گہرے ہالوں کا اندھیرا، بارش اور آندھریوں کا اندھیرا ہے، اور سمندروں کی حسی تاریکی رات کا اندھیرا، ہالوں کا اندھیرا اور موجوں کے مظالم کا اندھیرا ہے اور معنوی تاریکی ان اندھیروں کی وجہ سے خوف شدید، نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ سے خطر کی ہدایت نہ پانے کا خوف اور دشمن کے اچانک ٹوٹ پڑنے کا خوف ہے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ جب اس قسم کے اسباب مجتمع ہو جائیں جن سے بہت گھبراہٹ اور شدید خوف لاحق ہوتا ہے اور انسان کو نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور وہ ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے، تو اس وقت وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اس وقت وہ ذہن اور دل دونوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت سلیمہ کا یہی تقاضا ہے کہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی کے فضل و کرم پر اعتماد کیا جائے اور اسی کو بلوئی و بلا اور جائے پناہ قرار دیا جائے۔ اور جب اس حال میں وہی فریادیں اور دھمکیاں آتی ہیں تو ہر حال میں صرف اسی کو پکارنا چاہیے۔ اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے اور اسی کی عیادت کرنی چاہیے، لیکن انسان بڑا ناشکرا ہے، جب وہ مشکلات کے بحور سے نکل جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس کو مادی اسباب کی وجہ سے یہ نجات ملی ہے، اور پھر وہ اخلاص اور رجوع الی اللہ کو ترک کر دیتا اور اپنی خواہشات کے ترشیدہ جنوں کی پرستش کرنے لگتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اللہ سے دعا کرتا ہے اور عاجزی سے گڑگڑاتا ہے اور اس کی طرف اخلاص سے متوجہ ہوتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کا بطیع، فرمانبردار اور شکرگزار بن کر رہے گا، لیکن جیسے ہی وہ امن اور سلامتی کو پالیتا ہے۔ وہ پھر اپنی سلیمہ روش پر لوٹ جاتا ہے۔

یہ ظاہر اس آیت میں مشرکین کو زبردستی کی گئی ہے اور ان کے طریقہ فکر کی مذمت کی گئی ہے، لیکن یہ صورت حال ان

مسلمانوں پر بھی منطبق ہوتی ہے جو عام طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل رہتے ہیں، لیکن جب ان پر اچانک کوئی آفت آنی لگتی ہے اور انہیں اس سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو بے اختیار اللہ کو یاد کرتے ہیں اور گڑگڑا کر اس سے دعا کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو پھر وہ خدا کو بھول جاتے ہیں اور اپنے پیش و طرف اور لہو و لہب میں مست اور بے خود ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیتیں یہ ہیں:

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ مِّنَ الْبَرِّ أَغْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَافُورًا

(بنی اسرائیل: ۶۷)

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُجِيبُ الدُّعَاءِ إِذَا تَحَوَّلَتْ يَمِينُهُ يُنَسِّئُ مَا كَانَ بِدَعْوِ الْإِنْسِ مِنْ قَبْلُ وَحَصَلَ لِّلْوَائِدِ إِذَا يُضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ (الزمر: ۸)

اور جب تمہیں سمندر میں کوئی آفت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا شکر ہے۔

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے پھر جب اللہ اپنی طرف سے اسے کوئی نعمت عطا فرمادے تو وہ اس (مصیبت) کو بھول جاتا ہے جس کے لیے اس سے پہلے وہ اللہ کو پکارتا تھا اور اللہ کے لیے شریک قرار دیتا ہے تاکہ اوروں کو بھی اس کی راہ سے ہٹا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ دیکھئے اہم کس طرح ہمارے بار دہلیوں کو بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں۔ (الانعام: ۶۷)

اللہ کی طرف سے دیئے جانے والے عذاب کی اقسام

اس سے پہلے اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ مشرکین و غیرہ جب مصائب میں اخلاص کے ساتھ اس کو پکارتے ہیں تو وہ ان کو ان مصائب اور آفات سے نجات دے دیتا ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے تم پر عذاب نازل کرنے پر قادر ہے تاکہ مشرکین عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید پر ایک نوع کی دلیل ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور ظالم حکام۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہولناک آواز ہے یا آندھی ہے یا چٹخوں کا برساتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد سخت طوفانی ہارشیں ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور بدکار لوگ اور خدا۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے زلزلہ اور زمین میں دھنسنے کا عذاب۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ مجاہد نے کہا اس امت کے جو لوگ ایمان لے آئے ان کا عذاب ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے اور جنہوں نے تکذیب کی ان کا عذاب

کڑک اور زلزلہ ہے۔

اوپر سے عذاب نازل ہونے کی مثل یہ ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفانی بارشیں ہوئیں، جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر سے یا جیسے امیرہ کے ہاتھیوں پر ابلالیوں نے نگریاں برسائیں اور جو عذاب پاؤں کے نیچے سے ظاہر ہوا اس کی مثل زلزلے ہیں اور جیسے کارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ یا بارش اور فصلوں کی پیداوار روک کر قحط کا عذاب نازل کیا گیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل هو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں میرے چہرے کی پٹھ میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی "او من تحت ارجلکم" تو آپ نے فرمایا میں میرے چہرے کی پٹھ میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم بماء بعض تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ زیادہ سل اور زیادہ آسان ہے۔

(صحیح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۸، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۱۱۶۵)

امت کے اختلاف اور لڑائیوں سے نجات کی دعا سے اللہ تعالیٰ کا آپ کو منع فرماتا اس آیت میں فرمایا ہے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رنگ و نسل اور زبان اور فطری و اعتقادی نظریات میں اختلاف کی وجہ سے یہ امت مختلف فرقوں میں بٹ جائے گی۔ نیز فرمایا اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان اختلافات کی وجہ سے یہ امت باہم جدال اور قتل کرے گی۔ نبی ﷺ نے دعا کی کہ آپ کی امت کو اللہ ان تمام قسم کے عذابوں سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اوپر اور نیچے سے دیئے جانے والے عذابوں سے حفاظت کے متعلق آپ کی دعا قبول کر لی اور امت کے آپس کے تفرقہ اور لڑائیوں سے حفاظت کی دعا کرنے سے آپ کو منع کر دیا جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا، سو میں نے اس کے تمام مشرق اور مغرب کو دیکھ لیا، اور یقیناً جتنی زمین میرے لیے لپٹی گئی ہے میری امت کا ملک وہاں تک پہنچے گا اور مجھے سرخ اور سفید (سولے اور چاندی کے) دو خزانے دیئے گئے ہیں اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو عام قحط سے نہ ہلاک کرے، اور یہ کہ ان کے اوپر ان کا ایسا مخالف دشمن مسلط نہ کرے جو ان کو بالکل ختم کر دے۔ تب میرے رب نے فرمایا اے محمد! جب میں کوئی تقدیر بنادیتا ہوں تو وہ مسترد نہیں ہوتی اور میں نے آپ کی امت کے لیے یہ کر دیا ہے کہ میں ان کو قحط عام سے ہلاک نہیں کروں گا، اور یہ کہ میں ان پر ان کا مخالف ایسا دشمن مسلط نہیں کروں گا جو ان کو بالکل ختم کر دے، خواہ وہ تمام روئے زمین سے ان کے اوپر چڑھ جائے، حتیٰ کہ آپ کی امت کے بعض افراد بعض کو ہلاک کریں گے اور بعض بعض کو قید کریں گے۔

(صحیح مسلم، متن: ۱۸۸۹، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۵۲، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۸۴، سنن النسائی ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۷۳، صحیح ابن حبان ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۹، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۹۵۲، المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۳۲، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۹۹، جامع البیہان ج ۲، ص ۳۹)

۳۷۳۲، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۹۹، جامع البیہان ج ۲، ص ۳۹)

۳۷۳۲، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۹۹، جامع البیہان ج ۲، ص ۳۹)

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ بہت لمبی نماز پڑھی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ عام طور پر نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا ہاں اللہ سے رغبت اور اس سے خوف کی نماز تھی، میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا، اس نے مجھے دو چیزیں عطا کر دیں اور ایک سے منع کر دیا۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط میں ہلاک نہ کرنا تو اللہ نے مجھے یہ عطا کر دیا، پھر میں نے سوال کیا کہ میری امت پر ان کے مخالف کو مسلط نہ کرنا تو یہ مجھے عطا کر دیا اور میں نے سوال کیا کہ میری امت کے بعض، بعض سے جنگ نہ کریں تو مجھے اس سے منع فرما دیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث ۲۱۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے تین چیزیں دی گئیں اور ایک چیز سے منع کر دیا گیا، میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت پر ان کا مخالف دشمن نہ مسلط کیا جائے جو ان کو بالکل ختم کر دے اور ان پر قحط نہ مسلط کیا جائے اور وہ گمراہی پر متفق نہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا اور میں نے یہ سوال کیا کہ وہ متفرق نہ ہوں اور بعض، بعض سے لڑائی نہ کریں تو مجھے اس دعا سے روک دیا گیا۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "وہذین بعصکم ہماس بعض" (الغ: الانعام: ۶۵) تو رسول اللہ ﷺ نے دھوکہ کر کے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ آپ کی امت پر اوپر سے عذاب نہ بھیجے اور نہ نیچے سے عذاب بھیجے اور نہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرے اور نہ بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے۔ جیسا کہ بنو اسرائیل کو چکھایا تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی طرف نازل ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ آپ نے اپنے رب سے چار چیزوں کا سوال کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو چیزیں عطا فرمادی ہیں اور دو چیزوں کے سوال سے منع فرما دیا ہے۔ آپ کی امت پر نہ اوپر سے عذاب آئے گا اور نہ ان کے پیروں کے نیچے سے ایسا عذاب آئے گا جو ان کو جڑ سے اکھاڑ دے، کیونکہ عذاب کی یہ دونوں قسمیں ہر اس امت کے لیے تھیں جس نے اپنے نبی کی تکذیب کی ہو اور اپنے رب کی کتاب کو مسترد کر دیا ہو، لیکن وہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم فرمائے گا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کا مزہ چکھائے گا اور ان دو قسموں کے عذاب ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو کتاب کا اقرار کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آپ کی زندگی میں آپ کی امت کو اس قسم کے فتنوں کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۲۹۳-۲۹۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ان تمام احادیث اور روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرما دیا، یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول نہیں کی۔ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دعا قبول کرنے پر مجبور نہیں ہے، لیکن اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے احباب کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کا سوال رد نہیں فرماتا، اور نبی ﷺ سب سے بلا کر محبوب ہیں اور سب سے زیادہ مستجاب ہیں۔ اسی لیے جو چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی دعا مانگنے سے منع فرما دیا، تاکہ آپ کی دعا کا مسترد کرنا لازم نہ آئے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت امین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ شام کے وقت اور صبح کو ان کلمات سے دعا مانگتے کہ ترک نہیں کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین اور اپنی دنیا میں اور اپنے اہل اور اپنے مال میں 'خو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے محبوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے ان سے ہٹا رکھ۔ اے اللہ! مجھے آگے اور پیچھے سے 'دائیں اور بائیں سے 'لوہر سے اور نیچے سے حفاظت میں رکھ اور میں بچے کی مصیبت (دھنسا دینے) سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(سنن امین ماہ: ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۷۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ ہر قسم کے عذاب سے پناہ کے لیے بہت جامع دعا ہے اور نبی ﷺ انکار عبودیت، امتثال امر اور ہماری تعلیم کے لیے صبح و شام یہ دعا مانگتے تھے کہ جب آپ اپنے عظیم الشان رسول اور اللہ کے محبوب ہو کر اس قدر یہ دعا کرتے ہیں تو ہم جو دعائوں کے لیے ہی زیادہ محتاج ہیں، ہمیں کس قدر یہ دعا کرنی چاہیے۔

فقہ کالغوی اور اصطلاحی معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے ہم کس طرح ہر دلیلوں کو بیان کرتے ہیں، تاکہ یہ حقہ کریں (سمجھ سکیں)

علامہ حسین بن محمد رافع اصطنانی متوفی ۵۵۷ھ لکھتے ہیں:

حاضر علم سے عاتب علم تک رسائی حاصل کرنے کو فقہ کہتے ہیں اور اصطلاح میں احکام شریعہ کے علم کو فقہ کہتے ہیں۔

(المفردات، ص ۳۸۳، مطبوعہ المکتبۃ الرقعیہ، ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ شافعیہ نے فقہ کی یہ تعریف کی ہے احکام شریعہ عملیہ کا علم جو دلائل تفصیلہ سے حاصل ہو اور حکم شرعی کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو اور احکام شریعہ یہ ہیں۔ فرض، واجب، مستحب، مکروہ، سنت غیر مکروہ، مستحب، مباح، حرام، تحریمی، اسماء، مکروہ تنزیہی، خلاف لولی، انام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے۔

فہم کایہ پہچاننا کہ کیا چیز اس کے لیے ضرر کا باعث ہے اور کیا چیز اس کے لیے نفع کا باعث ہے

دلائل اجمالیہ یہ ہیں۔ مثلاً امر و وجوب کے لیے ہے اور نہی تحریم کے لیے ہے اور دلائل تفصیلہ یہ ہیں مثلاً "اقیموا

الصلوٰۃ" اور "لا تقربوا الرما" اور دلائل تفصیلہ سے احکام شریعہ کے حصول کی مثل یہ ہے۔ نماز کا امر کیا گیا ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اقیموا الصلوٰۃ" اور جس چیز کا امر کیا گیا ہے وہ واجب ہے کیونکہ امر و وجوب کے لیے ہے

لہذا نماز واجب ہے۔ وہ سری مثل یہ ہے زنا سے نہی کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لا تقربوا الرما" اور جس چیز سے

نہی کی جائے وہ حرام ہے کیونکہ نہی تحریم کے لیے ہے۔ لہذا زنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا، حالانکہ یہی حق ہے۔ آپ کہتے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں

ہوں ہر خبر کے ظہور کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے۔ (الانعام: ۶۷-۶۸)

اس آیت میں فرمایا ہے حالانکہ یہی حق ہے۔ اس میں کس چیز کو حق فرمایا ہے اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ کفار نے اس عذاب کا انکار کیا حالانکہ اس کا نزول حق ہے۔

۲۔ کفار نے اس قرآن کا انکار کیا حالانکہ یہ قرآن حق ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور توحید پر استدلال کے لیے جو آیات نازل کی ہیں کفار نے ان دلائل کا انکار کیا حالانکہ یہ دلائل

حق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا آپ کہئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، یعنی اگر تم ان دلائل سے اعراض کرتے ہو اور حق کا انکار کرتے ہو تو میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، یعنی نہ میں تم پر جبر کر کے تمہیں مومن بنا سکتا ہوں اور نہ تمہارے اعراض کرنے کی تمہیں سزا دے سکتا ہوں۔ میں تو تم کو صرف آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اس نبی پر قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِعَاقِلٍ قَدْ تَكْرَهُ الْقُرْآنَ مِنْ بَخَعٍ وَبَغِيدٍ
(فی: ۳۵)

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اور آپ ان سے جبراً منوانے والے نہیں ہیں تو آپ قرآن سے اس کو فصیح فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو۔

فَدَتَّكْرَهُنَّ أَنْتَ مَذَكْرًا لَكَ عَلَيْهِمْ
بِمُحْطَبٍ (الفاسیہ: ۲۲-۲۱)

پس آپ فصیح کرتے رہیں آپ تو فصیح ہی کرنے والے ہیں ○ آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور اس وقت میں یقیناً اس خبر کا ظہور ہو گا اور اس میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے عذاب آخرت کی جو خبر دی ہے وہ عذاب یقیناً نازل ہوگا۔ اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ خبر دی ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ میں مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے تو بغیر شک و شبہ کے اس خبر کا ظہور ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کے لیے وعید ہے کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔ اور دنیا میں بھی ان کے لیے وعید ہے جیسا کہ ہر دو غیرہ میں وہ شکست سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو بھی ڈرنا چاہیے کیونکہ اگر انہوں نے قرآن مجید کے احکام پر عمل نہیں کیا بلکہ قرآن کریم کے احکام کی خلاف ورزی کی تو یہ قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے تو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی عذاب الہی سے دوچار ہو جائیں۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ

اور (اے مخاطب!) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (طعن، تشبیہ کا) مشغول بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو،

حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ

حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۷۸﴾ وَمَا عَلَى

یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو ○ اور پرہیزگاروں سے

الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذِكْرِى

ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی باز نہیں ہوگی، ابتر ان کو نصیحت کرتے رہیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۳۸﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا

ناکردہ دھوکا، اندر سے ڈریں ○ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے

وَعَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكْرُهَا أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا

اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، اور اس (قرآن) کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہو، کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

كَسَبَتْ ﴿۳۹﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ﴿۴۰﴾ وَإِنْ

ہدایت میں مبتلا نہ ہو جائیں، اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا ○ شفاعت کرنے والا ○ اور اگر وہ ہر قسم

تَعْدِلُ كُلُّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا

کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

بِمَا كَسَبُوا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا

ہدایت میں مبتلا کیے گئے، ان کے لیے کھوتا برا پانی اور دردناک عذاب ہے کیوں کہ وہ

يَكْفُرُونَ ﴿۴۱﴾

کفر کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (ظن و تشبیہ کا) مشغلہ بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلاوے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو ○ (الانعام: ۶۸)

دین میں تفرقہ ڈالنے کی مذمت

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس رازی بن ابی حاتم متوفی ۳۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس قسم کی آیتوں میں اللہ نے مسلمانوں کو اپنی جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو آپس میں اختلاف کرنے اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے کی قومیں اپنے دین میں اختلاف کرنے اور مناظرے کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں اور بددعا ہو گئیں۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ خوض کا معنی ہے تکذیب کرنا اور یہ آیت مشرکین اور اہل اعداء کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ مشرکین جب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے تو نبی ﷺ اور قرآن مجید کے متعلق بدگوئی کرتے اور ان کو اہل اڑاتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جب تک وہ کسی اور موضوع پر بات نہ کریں ان کے پاس نہ بیٹھو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۳۱۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصلفی، الرياض ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ نبی ﷺ منکروں اور مکذیوں کے اعمال کے ذمہ دار، محافظ اور نگہبان نہیں ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے اور وقت آنے پر انہیں اپنی تکذیب کا انجام خود معلوم ہو جائے گا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب یہ لوگ دین اسلام، رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر کتہ چینی کریں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مجلس میں نہ بیٹھیں۔ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

اسی طرح جب بدعتی اور گمراہ فرقے اپنی بدعت کی ترویج اور اشاعت کر رہے ہوں اور اہل ہنت و جماعت کا رد کر رہے ہوں تو ان کی مجلس سے بھی احتراز کرنا لازم ہے اور گمراہ لوگوں کے ساتھ الفت اور محبت کے ساتھ ملنا جلنا، ربط ضبط پر عملنا بھی جائز نہیں ہے اور عام مسلمانوں کے لیے ان گمراہ فرقوں کا لزیم پڑنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ یہ کتابیں پڑھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں گے۔ البتہ اہل علم کو ان کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور ان کے شکوک و شبہات کا رد کرنا چاہیے۔ شیطان کے لیے نبی ﷺ کو نسیان میں مبتلا کرنا ممکن نہیں

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے اور نبی ﷺ اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں اور اس پر قوی قہنہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد قلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور یہ بات شرعاً مکمل ہے کہ شیطان کا نبی ﷺ پر تسلط ہو لور وہ آپ کو کوئی بات بھلا دے، اللہ تعالیٰ شیطان سے فرماتا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَكِنَّكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ (الحجر: ۴۲)
بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے ظہ نہیں ہو گا۔ البتہ جو تیری پیروی کرے، گمراہوں میں سے۔

اور شیطان نے خود بھی اعتراف کیا کہ اللہ کے خاص بندوں پر اس کا کوئی زور نہیں چل سکے گا
قَالَ قَبِلْتُ لَكَ لَا غِيْبَتُهُمْ أَحْمَرُ عِيْنٍ إِلَّا
عِبَادَ كَثَرَتْ مِنْهُمْ الْمُتَعَلِّقُونَ (ص: ۸۳-۸۴)
شیطان نے کہا میں تیری عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور ہکاؤں گا، مگر ان کے خزان میں سے تیرے خاص بندے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون اللہ کا خاص بندہ ہے؟ پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر شیطان کا کوئی زور اور غلبہ یا تصرف اور تسلط نہیں ہو سکتا اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ شیطان نبی ﷺ کو بھلا دے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس آیت میں خطاب سے مراد عام مسلمان ہو، لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس کے برعکس ترجمہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: اور اسے مجھاجب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر کتہ چینی کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں، اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلا دے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو جائے اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (تفسیر القرآن، ج ۱ ص ۵۳۹، طبع مارچ ۱۹۸۳ء)
مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

اور اگر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے رسول و نبی پر بھی بھول اور نسیان کا اثر ہو جایا کرے تو ان کی تعلیمات پر کیسے اعتقاد و اطمینان رہ سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کسی خاص حکمت و مصلحت کے تحت بھول تو ہو سکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً ان کو عجیبہ بذریعہ وحی ہو جاتی ہے، جس سے وہ بھول پر قائم نہیں رہتے۔ اس لیے بلاخر ان کی تعلیمات بھول اور نسیان کے شبہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔

(معارف القرآن، ج ۳ ص ۳۷۲-۳۷۱، طبع جدید ۱۴۱۳ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

یہاں خطاب اگرچہ واحد کے صیغہ سے ہے، جس کا غالب قرینہ یہی ہے کہ خطاب آنحضرت سے ہو لیکن یہ خطاب آنحضرت کے واسطے سے تمام مسلمانوں سے ہے۔ (تذکرہ قرآن، ج ۳، ص ۷۷، مطبوعہ دارالمنافذہ، بیروت ۱۴۰۹ھ)

ہمارے نزدیک اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب نہیں ہے، بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب ہے اور اس کا غالب قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے۔ الایہ۔ اور یہ محال ہے کہ شیطان نبی ﷺ کے دس میں دسوسہ اندازی کرے اور کوئی حکم شرعی آپ کو بھلا دے۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت میں آپ کو خطاب ہے لیکن اس سے مراد آپ کی امت ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَاكَ الْكِتَابَ (الرعد: ۲۵) اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے سب عمل ضائع ہو جائیں گے۔

قرآن اور سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کا نسیان

انبیاء علیہم السلام کے نسیان میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ شیخ ابو جعفر محمد حسن اللہی المتوفی ۱۳۶۰ھ لکھتے ہیں:

جبائی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سو اور نسیان جائز ہے۔ اس کے برخلاف رافضی یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر سو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ جبائی کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن امور کو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوا کرتے ہیں جن میں سو اور نسیان جائز نہیں ہے، اور جن امور کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوا نہیں کرتے، ان میں سو اور نسیان جائز ہے۔ اور ان پر سو اور نسیان کیسے جائز نہیں ہو گا؟ حالانکہ وہ سوتے ہیں اور بیمار ہوتے ہیں اور ان پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور نیز بھی سو ہے اور وہ اپنے بہت سے تعمرات میں بھول جاتے ہیں۔

(النسیان، ج ۳، ص ۱۶۶-۱۶۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جس طرح بشری نقض سے اور کئی جسمانی عوارض انبیاء علیہم السلام پر طاری ہوتے ہیں، ان پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

فَنَسِيتُ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طہ: ۱۱۵) سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی عزم نہیں پایا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ (الكهف: ۷۳) میرے بھولنے کی وجہ سے مجھ سے مواخذہ نہ کریں۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَذْكُرُ تِلْكَ الْأَنبِيَاءَ (الكهف: ۲۴) اور جب آپ بھول جائیں تو (یاد آتے ہی) اپنے رب کا

ذکر کیجئے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم بھول گئے، سوا کی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث ۳۰۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی، اس میں آپ نے کچھ زیادتی یا کمی کی۔ جب

آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا 'نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ نے پوچھا کیوں؟ صحابہ نے کہا آپ نے اس اس طرح نماز پڑھائی ہے' آپ نے ہیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا دو سجدے کیے 'پھر سلام پھیر دیا۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تم کو خبر دیتا' لیکن میں محض تمہاری طرح بڑھوں میں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ پس جب میں بھول جاتا تو مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو تو وہ صحیح امر پر غور کرے 'نماز پوری کرے' پھر (سو کے) دو سجدے کر لے۔

(صحیح البخاری 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۴۰۱، صحیح مسلم 'مسجد' ۸۸، (۵۷۲) ۳۵۱، سنن ابوداؤد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۱۳۳۰، سنن الترمذی 'ج' ۳، رقم الحدیث: ۳۳۲، سنن ابن ماجہ 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۳۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت ایک شخص کو ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلادی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے بھلا دیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۵۰۳۸، صحیح مسلم 'مطالعہ المسافرين' ۲۲۲، ۷۸۶، سنن ابوداؤد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۱۳۳۱، سنن کبریٰ للنسائی 'ج' ۵، رقم الحدیث: ۸۰۶۱، مسند احمد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳۳۸۹، مسند احمد 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳۲۱۶، طبع دار الحدیث قاہرہ)

نبی ﷺ کے سوا اور نسیان کے متعلق فقہاء اور محدثین کا موقف

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری مالکی قرطبی متوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں:

اگر نے کہا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس نسیان پر برقرار نہیں رکھتا بلکہ ان کو اس پر متنب فرمادیتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کو علی الفور متنب فرماتا ہے یا تاخیر سے۔ قاضی ابوبکر اور اکثر علماء اول الذکر کے قائل ہیں اور ابو المحلل ثانی الذکر کے قائل ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے افضل بلاغیہ اور عبارات شریعہ میں سو کو منع کیا ہے اور اقوال تبلیغیہ میں سو اتفاقاً ممنوع ہے اور فرقہ باطنیہ نے یہ کہا ہے کہ نبی علیہ السلام پر سو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ آپ قصداً اور عمدہ نسیان کی صورت طاری کرتے ہیں تاکہ احکام شریعہ مستون ہو جائیں، ایک بہت بڑے امام ابو الطمطر الاسفرائینی نے بھی اپنی کتاب الاوسط میں یہی لکھا ہے لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'جز ۷' ص ۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے کہ شیطان کا نبی ﷺ کے دل میں دوسو سے زائد کر سو اور نسیان پیدا کرنا محال ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے 'بلاشبہ حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کسی بھی خبر میں غلطی واقع ہونا محال ہے۔ خواہ سو یا عمداً' تندرستی میں یا بیماری میں 'خوشی میں یا غصہ میں' نبی ﷺ کی سیرت 'آپ کے اقوال اور آپ کے افضل' جن کے مجموعہ سے ہر موافق و مخالف مومن اور منکر واقع ہے 'ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے بھی کوئی غلط بات نہیں فرمائی نہ آپ کو کبھی کسی بات یا کسی کلمہ میں وہم ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ منقول ہوتا جیسا کہ نماز میں آپ کا سو واقع ہونا منقول ہے۔ البتہ دنیاوی معاملات میں بعض مرتبہ آپ نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا جیسے مجبوروں میں پیوند لگانے کا واقعہ ہے۔

(روح المعانی 'جز ۷' ص ۱۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیا پیچھ کے سوا اور نسیان کی بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے:

امام مالک بن انس ابھی متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک میں بھولنا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ (کسی کام کو) سنت کروں۔ (موطائے مالک، رقم الحدیث: ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۴۸ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ کی مراد یہ ہے کہ میں امت کے لیے طریقہ معین کروں کہ وہ سو کی صورت میں کس طرح عمل کریں اور میرے فعل کی اقتداء کریں۔ (الاسناد کلہ ج ۲، ص ۴۰۶، مطبوعہ مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۳۳۸ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے از ابن شہاب، از سعید بن المسیب روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ایک شب خیر سے واپس ہوئے، جب رات کا آخری حصہ ہوا تو آپ نے ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلالؓ سے کہا تم صبح تک ہمارا پہرہ بناؤ اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سو گئے۔ جب تک حضرت بلال کی نیند میں تھا وہ پہرہ دیتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی سواری سے ٹیک لگا لی وہ اس وقت فجر کے مقرر تھے۔ پھر ان کی آنکھوں پر نیند غالب آگئی، رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، نہ حضرت بلال نہ قافلہ کا اور کوئی فرد حتیٰ کہ ان پر دھوپ آگئی، پھر رسول اللہ ﷺ گھبرا گئے۔ پس بلال نے کہا یا رسول اللہ! میرے نفس کو بھی اسی ذات نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سے کوچ کرو، تو انہوں نے اپنی سواریاں اٹھائیں اور وہاں سے کچھ دور چلے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو نماز کی اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی، پھر نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو۔ (موطائے مالک، رقم الحدیث: ۲۲۵)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ عام آدمیوں کی طرح سو جاتے تھے اور ایسا بہت کم ہوتا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو اور آپ کی امت کے لیے ایک ایسی سنت قائم ہو جائے جو آپ کے بعد باقی رہے اور اس پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے میں البتہ بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ میں کسی کام کو سنت کروں اور علماء بن خباب کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر اللہ ہمیں بیدار کرنا چاہتا تو بیدار کر دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ تمہارے بعد والوں کے لیے یہ سنت ہو جائے اور آپ کے سونے کا جو طبعی فطری اور معروف طریقہ تھا اور آپ سے پہلے نبیوں کا بھی وہ یہ ہے کہ جس کو آپ نے خود بیان فرمایا کہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، آپ نے اپنے اس معمول کو مطلقاً بیان فرمایا ہے اور کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں فرمایا۔

ایک اور حدیث میں ہے ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے۔ اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ تمام نبیوں کا یہی معمول ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا صاف میں ل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو اپنے پس پشت بھی دیکھتا ہوں، سو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبلت، فطرت اور آپ کی عادت ہے۔ باقی رہا سفر میں نماز کے وقت آپ کا سوتے ہوئے رہ جانا تو یہ آپ کی عادت کے خلاف تھا، تاکہ آپ کی امت کے لیے قضاء نماز کی سنت کا عمل قائم ہو اور آپ امت کو یہ تعلیم دیں کہ جو شخص نماز کے وقت سوتا رہا، حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا، اس پر کیا کرنا واجب ہے اور وہ کس طرح کرے گا اور اس وقت میں آپ کی نیند کو اللہ تعالیٰ

نے آپ کی امت کے لیے تعلیم کا سبب بنادیا۔

(التحفید، ج ۶، ص ۲۹۳-۲۸۵، ملتفتاً، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۵۳ھ لکھتے ہیں:

اس دن نبی ﷺ کا صبح کی نماز کے وقت طلوع آفتاب تک سوتے رہتا یہ وہ امر ہے جو آپ کی عادت اور طبیعت سے خارج ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کا دل نہیں سوتا اور اس وقت آپ کی نیند اس لیے تھی کہ یہ امر سنت ہو جائے اور مسلمانوں کو یہ امر معلوم ہو جائے کہ جو شخص نماز کے وقت سوتا رہے یا نماز پڑھتا بھول جائے، حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور یہ اس قبیل سے ہے کہ آپ نے فرمایا ہے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ کوئی کام سنت ہو جائے۔ اور نبی ﷺ کی فطرت اور عادت یہ تھی کہ نیند آپ کے دل کو نہیں ڈھانچتی تھی اور یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، اور یہ حکم عام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ (یہ حدیث صحیح ہے، الجامع الصغیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۷۶) اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ نبی ﷺ کی امت کو قضاء نماز کا طریقہ تعلیم فرمائے تو اس نے آپ کی روح کو قبض کر لیا اور جو مسلمان آپ کے ساتھ تھے، ان کی روحوں کو بھی نیند میں قبض فرمایا اور سورج طلوع ہونے کے بعد ان سب کی روحوں کو لوٹا دیا، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مراد بیان فرمائے۔ فقہاء اور محدثین نے اس حدیث کی یہی تویل کی ہے اور یہ بالکل واضح ہے اور اس کی قاطعت کرنے والا بدعتی ہے۔

(التحفید، ج ۵، ص ۲۰۹-۲۰۵، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۵۳ھ لکھتے ہیں:

امام مالک از ابن شہاب، از عبد الرحمن اعرج، از عبد اللہ بن یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی، پھر آپ بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے، لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ نے پوری نماز پڑھ لی تو ہم آپ کے سلام پھیرنے کے خطر تھے، آپ نے اللہ اکبر کہا اور بیٹھ کر سلام سے پہلے دو سجدے کیے، پھر سلام پھیر دیا۔

(موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۲۱۸، مطبوعہ دار الفکر)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ظلوں میں سے کوئی شخص بھی وہم اور نسیان سے محفوظ نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ پر جو نسیان طاری ہوتا ہے، وہ امت کے نسیان کی طرح نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ (کوئی کام) سنت ہو جائے۔

(التحفید، ج ۱۰، ص ۱۸۳-۱۸۴، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق قرآن، سنت اور آثار سے تصریحات

اللہ عز وجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمْ
النَّارُ۔ (ہود: ۳۳)

اور ظالموں سے مل جل نہ رکھو، ورنہ تمہیں آگ کی آگ چھوئے گی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات و کتابات کی

بیروی کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان سے پرہیز کرو۔

(صحیح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۳۵۳، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۳۵۹۸، کتاب السنہ ج ۱، رقم الحدیث: ۵)
امام ابوبکر عمرو بن ابی عاصم الشیبانی المتوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے عائشہ! جو لوگ اپنے دین سے الگ ہو گئے وہ شیعوں (ایک فرقہ) تھے۔ یہ لوگ بدعتی اور اپنی خواہش کے پیروکار تھے اور اس امت کے گمراہ لوگ تھے۔ اے عائشہ! بدعتی اور خواہش کے پیروکار کے سوا ہرگز گمراہ کی توبہ ہے کہ ان کی کوئی توبہ نہیں ہے۔ میں ان سے بیزار ہوں اور یہ مجھ سے بری ہیں۔

(کتاب السنہ ج ۱، رقم الحدیث: ۳، المعجم الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۵۶۰، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)
امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بدعتی کی تعظیم کرنے کے لیے گیا اس نے اسلام کے منہدم کرنے پر امانت کی۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰، رقم الحدیث: ۱۸۸، ص ۹۶، ملئہ الاولیاء ج ۶، ص ۹۶، اس کی سند میں بقیہ ضعیف ہے)
امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر خوف ہے وہ تمہارے بیٹوں اور شرم گاہوں کی گمراہ کن خواہشیں ہیں اور قتلوں سے گمراہ کرنے والی چیزیں ہیں۔

(مسند احمد ج ۲، ص ۳۲۰، ملئہ الاولیاء ج ۲، ص ۳۲، کتاب السنہ ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۳)
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخر زمانہ میں دجل اور کذاب ہوں گے۔ وہ تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں کہیں وہ تم کو قتل میں نہ ڈال دیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم باب ۲، حدیث ۲، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث: ۸۷۵۰، ۸۵۸۰، طبع دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد ج ۲، ص ۳۳۹، طبع قدیمہ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۷ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکوع کے بعد دعا قنوت پڑھی اس میں یہ الفاظ تھے جو تیری نافرمانی کرے ہم اس سے قطع تعلق کرتے ہیں اور اس کو ترک کرتے ہیں۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۳۱۱، مطبوعہ نثر السنہ، لبنان)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا منکرین تقدیر اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۹۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

رضی بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی میں تمہاری قوم میں سے ایک

لاکھ چالیس ہزار نیکو کاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں! حضرت یوشع نے عرض کیا: اے میرے رب! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا؟ نیکو کاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضبناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۳۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۱ھ)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن داری سرمدی متوفی ۵۵۵ھ روایت کرتے ہیں: ایوب بیان کرتے ہیں کہ ابو قلابہ نے کہا کہ اہل احواء (بدعتی) کے ساتھ بیٹھو نہ ان سے بحث کرو کیونکہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں ڈوب دیں گے یا جس دین کو تم پہچانتے ہو اس میں شبہات ڈال دیں گے۔

(سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس نے دین میں نئی باتیں نکالی ہیں (بدعتی ہو گیا ہے) اگر وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اس کو میرا سلام نہ کہو۔ (سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۷ھ)

اسماء بن عبید بیان کرتے ہیں کہ بدعتیوں میں سے دو شخص ابن سیرین کے پاس گئے اور کہا اے ابو بکر! ہم آپ کو ایک حدیث سنائیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم آپ کے سامنے کتاب اللہ سے ایک آیت پڑھیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تم یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ! ورنہ میں اٹھ جاتوں گا! سو وہ دونوں چلے گئے۔ کسی نے کہا اے ابو بکر! اگر وہ آپ کو قرآن مجید کی ایک آیت سنا دیتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ وہ میرے سامنے ایک آیت پڑھیں گے پھر اس میں معنوی تحریف کریں گے، کہیں ان کی بیان کردہ باطل تلویل میرے دل میں بیٹھ نہ جائے۔

(سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۷، مطبوعہ بیروت)

سلام بن ابی مطیع بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعتی نے ایوب سے کہا میں آپ سے ایک بات کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ وہ اٹھ کر چل دیئے اور کہا میں آدمی بات کا بھی جواب نہیں دوں گا۔ (سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹۸)

ہشام بیان کرتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین نے کہا بدعتیوں کے پاس نہ بیٹھو نہ ان سے بحث کرو اور نہ ان کی باتیں سنو۔

(سنن الداری، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۰۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۷ھ)

اہل بدعت کے مصداق

اصحاب الاہواء اور اہل بدعت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین اور عقائد میں ایسی نئی باتیں داخل کر دیں جن کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے اور وہ دین کے عقائد اور احکام کی مغیر ہیں۔ مثلاً رافضیہ جنہوں نے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کیا اور ان کو غاصب اور کافر قرار دیا اور مہاجرین جنہوں نے اہل بیت رسول کو برا کہا اور ان سے بغض رکھا اور خارجی ہیں جنہوں نے حضرت علی اور حضرت معلویہ رضی اللہ عنہما دونوں پر لعنت کی اور ان کو کافر کہا اور معتزلہ ہیں جنہوں نے تقدیر کا انکار کیا اور ہمارے دور میں منکرین حدیث ہیں جن میں سے بعض مطلقاً حدیث کا انکار کرتے ہیں اور بعض ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جو ان کی عقل کے خلاف ہوں بعض بدعتی ائمہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور نبی پیغمبر کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہتے ہیں بعض بدعتی دعائیں فوت شدہ بزرگوں کے وسیلہ کو ناجائز کہتے ہیں اور بعض لوگ تعصن عربی پر تعصن شرعی کے احکام جاری کرتے ہیں اور کوئی شخص ایصال ثواب کے لیے بغیر وجوب کے بطور استحسان عرفا کسی دن کی تعصن کرے تو اس کو ناجائز اور حرام

کہتے ہیں اور جو مسلمان یا رسول اللہ اکرمؐ اس کو شرک کہتے ہیں اور بعض علی لوگ مزاروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق فقہاء کی تصریحات

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۷۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ ابن خویر منداد نے کہا جو شخص قرآن مجید کی آیات پر طعن کرے اس کی مجلس ترک کر دی جائے خواہ وہ سومن ہو یا کافر۔ اسی طرح ہمارے علماء نے دشمن کے علاقہ اور اس کی مہلات گاہوں میں داخل ہونے سے منع کیا ہے اور کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی رکھی جائے نہ ان کی باتیں سنی جائیں اور نہ ان سے مناظرہ کیا جائے۔ قتیل بن عیاض نے کہا جس شخص نے بد عقیدہ سے دوستی رکھی اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دے گا اور اس کے دل سے اسلام کے نور کو نکل دے گا اور جس نے اپنی بیٹی کی شادی کسی بد عقیدہ سے کی اس نے اس سے رحم منقطع کر دیا اور جو شخص کسی بدعتی کے ساتھ بیٹھا اللہ تعالیٰ اس کو حکمت نہیں دے گا اور جب اللہ تعالیٰ یہ جان لیتا ہے کہ فلاں شخص کسی بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۸۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کے درمیان جو تین دن سے زیادہ قطع کلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اس کا عمل یہ ہے کہ وہ دنیاوی معاملات اور معاشرتی وجوہ میں سے کسی وجہ سے ایک دوسرے سے ناراض ہوں اور دین کی وجہ سے جو ناراضگی ہو وہ دائمی ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ اس لیے بد عقیدہ اور بدعتی شخص سے جب تک وہ توبہ نہ کرے دوستی اور محبت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔

(مسالم السنن ج ۷ ص ۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحسینی الحنفی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کو دہرہ میں بلایا گیا اور اس گھر میں لہو و لعب اور کھانا بھانا تھا تو وہیں بیٹھ کر کھانا کھالے اور اگر جس جگہ دسترخوان بچھا تھا وہیں یہ برے کام تھے تو اس کو وہیں نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ اٹھ کر چلے جانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے پس یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (الانعام: ۶۸) اگر وہ ان لوگوں کو منع کرنے پر قادر ہے تو منع کرے ورنہ صبر کرے۔ اگر وہ لوگوں کا پیشوا ہے اور منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو اٹھ کر چلا جائے کیونکہ اس کے بیٹھے رہنے سے دین کی بدنامی ہوگی۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر دسترخوان پر لوگ ایک دوسرے کی غیبتیں کر رہے ہوں تب بھی اٹھ کر چلا جائے کیونکہ غیبت لہو و لعب سے بڑا گناہ ہے۔

نیز علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو بوڑھا شخص مذاق کرتا ہو جسوٹ پوٹ ہو اور بے ہودہ باتیں کرتا ہو اس کو سلام نہ کرے اور جو شخص لوگوں کو گالیاں دیتا ہو اور اجنبی خواتین کے چہروں کو دیکھتا ہو اس کو بھی سلام نہ کرے اور نہ فاسق طعون کو سلام کرے اور نہ گانے بجانے والے کو سلام کرے اور جو لوگ کسی گناہ میں مشغول ہوں ان کو بھی سلام نہ کرے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۷ مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور پرہیزگاروں سے ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی البتہ ان کو نصیحت کرنی

چاہیے تاکہ وہ ظالم اللہ سے ڈریں۔ (الانعام: ۶۸)
احتجاجاً واک آؤٹ کرنے کی اصل

علامہ ابو القریح عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شان نزول کے متعلق تین اقوال ہیں:

۱۔ مسلمانوں نے کہا اگر ایسا ہو کہ جب بھی مشرکین قرآن مجید کا مذاق اڑائیں اور اس پر اعتراضات کریں تو ہم ان کو منع کریں، پھر ہمارے لیے مسجد حرام میں بیٹھنا اور کعبہ کا طواف کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور پرہیزگاروں سے ان کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

۲۔ مسلمانوں نے کہا اگر ہم ان کو قرآن مجید پر اعتراض کرنے سے منع نہ کریں تو ہم کو یہ خوف ہے کہ ہم گنہگار ہوں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور مذکور ذیل تیسری روایت مقاتل سے مروی ہے:

۳۔ اگر ان کے اعتراضات کے وقت ہم ان کے پاس سے اٹھ جائیں تو ہمیں یہ خوف ہے کہ جب ہم ان کے اعتراضات کے وقت ان کے پاس بیٹھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ (زوال المسیر ج ۲ ص ۳۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے قرآن مجید، نبی ﷺ اور دین اسلام پر اعتراض کرنے والوں کے پاس بیٹھنے سے احتراز کیا تو ان کے اعتراضات اور نکتہ چینیوں پر مسلمانوں سے باز پرس نہیں ہوگی اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں، ہو سکتا ہے یہ لوگ اپنی اسلام دشمنی سے باز آجائیں۔

بعض مفسرین نے کہا جب یہ لوگ اسلام اور نبی ﷺ کے خلاف طعن و تشنیع کی باتیں کریں اور اس وقت مسلمان ان کی مجلس سے اٹھ جائیں تو ان کا مجلس سے الگنا اس پر دلائل کرے گا کہ مسلمانوں کو مشرکین کی یہ باتیں ناگوار مگزری ہیں۔ ہو سکتا ہے مسلمانوں کے اس واک آؤٹ سے ان مشرکوں کو حیا آئے اور ان کا ضمیر انہیں ان باتوں پر طاعت کرے اور آئندہ کے لیے وہ مسلمانوں کے سامنے ان دل آزار باتوں سے احتراز کریں۔

ثانی الذکر تفسیر واک آؤٹ کی اصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشایا لیا ہے، اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ نصیحت کرتے رہو کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں نہ مبتلا ہو جائیں، اللہ کے سوانہ کوئی ان کا مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا، اور اگر وہ ہر قسم کا فائدہ یہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا کیے گئے، ان کے لیے کھولنا ہو اپنی اور دردناک عذاب ہے، کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔ (الانعام: ۷۸)

بسل کا معنی

اس آیت میں بسل کا لفظ ہے، بسل کا معنی ہے بھلور ہونا، کسی کو اس کی حاجت سے روکنا، منع کرنا۔ بسل کا معنی ہے کسی کو ہلاکت کے سپرد کر دینا، رہن و کنہ۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۷۵۷ھ لکھتے ہیں:

بسل کا معنی ہے کسی شے کا ضم ہونا اور روکنا، جس شخص کے چہرے پر ناگواری ہو اس کو بسل کہتے ہیں اور کیونکہ اس

میں منع کا معنی ہے اس لیے حرام چیز اور رہن رکھی ہوئی چیز کو بھی ہسل کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:
 وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ
 (الانعام: ۷۰) یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔

اس آیت میں ہسل منع اور محروم کے معنی میں ہے۔
 ہسل کا معنی ہلاک ہونا بھی ہے اور ثواب سے محروم ہونا بھی ہلاک کو مستحق ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا معنی ہلاکت کیا ہے۔
 بت پرستی کا لہو و لعب ہونا

خلاصہ یہ ہے کہ اے رسول! آپ اور مسلمانوں میں سے جو آپ کے پیرو کار ہیں، وہ ان مشرکین سے اعراض کریں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر پھر ان کی عبادت کر کے اپنے دین کو لہو و لعب بنا لیا ہے انہوں نے اپنی عمر اس غیر مفید عبادت میں ضائع کر کے اس کو لہو و لعب بنا لیا ہے۔ انہوں نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں بغیر کسی شرعی دلیل کے کچھ جانوروں سے نفع اندوزی اور ان کے کھانے کو حرام قرار دے لیا اور یہ بھی لہو و لعب ہے اور انہوں نے اس بے کار اور بے مقصد عبادت میں اشتغال کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور آپ کی دعوت سے بلوغ و دلائل اور معجزات دیکھنے کے اعراض کیا اور ان کا یہ عمل بھی لہو و لعب ہے لہذا اس حقیر دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو گئے اور انہوں نے ظنی دنیا کی لذتوں کو آخرت کی دائمی اور سرمدی لذتوں پر ترجیح دی اور وہ اللہ کی آیات میں غور و فکر کرنے کی بجائے ان کا مذاق اڑانے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے میں منہمک ہو گئے۔ سو آپ ان لوگوں سے اعراض کیجئے، یعنی ان لوگوں سے حسن معاشرت اور ملنا جلتنا چھوڑ دیجئے، یہ معنی نہیں ہے کہ ان کو دین کی تبلیغ کرنا چھوڑ دیجئے اور ان کو عذاب الہی سے ڈرایا نہ کریں، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

ذَرَهُمْ بِنَا كُفُّوا وَ يَتَمَتَّعُوا وَ بَلَّيْهِمُ الْأَمَلُ
 فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (الحجر: ۳)
 انہیں چھوڑ دیجئے، وہ کھائیں اور فائدہ اٹھائیں اور ان کی بھلائی امیدیں ان کو غافل رکھیں، پس وہ فتنہ یب جان لیں گے۔

اور لوگوں کو قرآن مجید سے ہدایت دیجئے اور نصیحت کیجئے تاکہ وہ خیر سے محروم نہ رہیں اور وہ لوگ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے جہنم میں گر کر ہلاک نہ ہو جائیں اور ہر شخص نے اپنے آپ کو اپنے دنیاوی اعمال کے بدلہ میں رہن رکھا ہوا ہے
 كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَجِيَّةٌ ۚ وَلَا
 أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۚ (الحجرات: ۳۸-۳۹)
 ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گردی ہے ۚ سوائے
 دائیں طرف والوں کے۔

اس کے بعد فرمایا اللہ کے سوانہ ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا اور اگر وہ ہر قسم کا فائدہ دے دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا

اس آیت میں کافروں کے لیے شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ اس قسم کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں:
 مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيٍّ وَلَا لَاشْفَعُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ
 (المؤمن: ۱۸) جائے۔
 ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ ان سے کسی قسم کا فائدہ یہ قبول نہیں کیا جائے گا یعنی جس طرح دنیا میں جسمانی یا مالی فائدہ دے کر قید سے آزاد ہو جاتے ہیں، آخرت میں نجات کا اس طرح کا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہو گا اور نہ وہاں کسی کے زور یا سفارش سے کوئی فائدہ

پہنچے گا اور ان کو یہ سزا جو دی جائے گی یہ دنیا میں ان کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہیں۔ ان کو کھولتا ہوا اپنی پالیا جائے گا جو ان کے پیٹوں کو جلا ڈالے گا اور ان کی انتڑیوں کو کٹ ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ
(محمد: ۵۵) ٹھوڑے ٹھوڑے کھوئے کر ڈالے گا۔

قُلْ أَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ

آپ کہیے کیا ہم اللہ کو پھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اور ہم اللہ

عَلَى أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ

کے ہدایت دینے کے بعد اسٹے پاؤں لڑا بیٹے جائیں، اس شخص کی طرح جس کو جنات نے جگہ میں بھٹکا دیا ہو

فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى انْتُبِتْنَا

اور وہ اس حال میں حیران و پریشان پھر رہا ہو، اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے ہائے پس

قُلْ إِنْ هُدَى اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَأَمَّا الْبُاطِلُ أَلَيْسَ الْهُدَىٰ ۚ

آؤ، آپ کہیے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں علم دیا گیا ہے کہ ہم تمام باتوں کے رکے یہ سراطعت ہم کو دیں

وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَهُوَ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ بُطُونِ

اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو، اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا، اور جس دن وہ (ہر فاش شدہ چیز سے) فرمائے گا،

كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ

ہو جا تو وہ ہر جگہ کی اس کا فرمانا حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا،

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ

وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جانتے والا ہے اور وہی تباہیت حکمت و لا بہت خبر رکھنے والا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کیا ہم اللہ کو پھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا

سکتے ہیں اور ہم اللہ کے ہدایت دینے کے بعد اگلے پاس لوٹا دیئے جائیں اس شخص کی طرح جس کو جنت نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو اور وہ اس محل میں حیران و پریشان پھر رہا ہو اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے ہمارے پاس آؤ آپ کہئے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے رب کے لیے سراط مستقیم فرم کریں اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے (الانعام: ۷۳-۷۴)

گمراہی میں بھٹکنے والے شخص کی مثال

خلاصہ یہ ہے کہ اے رسولِ مکرم! آپ ان مشرکوں سے کہئے کہ اللہ بزرگ و برتر جو نفع اور نقصان کا مالک ہے کیا اس کو چھوڑ کر ہم ان جہنوں کی پرستش کریں جو ہمیں نفع دینے یا نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتے اور ہم اگلے پیر شرک اور کفر کی طرف لوٹا دیئے جائیں جب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے کر اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کر چکا ہے۔ پھر ہماری مثال اس شخص کی طرح ہوگی جس کو کسی جنگل یا صحراء میں جنت نے راستہ سے بھٹکا دیا ہو اور اس کی عقل کام نہ کر رہی ہو کہ وہ کدھر جائے وہ حیران اور پریشان پھر رہا ہو اور اس کے دوست اور ساتھی اس کو بلارہے ہوں کہ ہماری طرف آؤ اور سیدھا راستہ ہے۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہنوں کی اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی یہ مثال بیان فرمائی ہے جیسے ایک شخص راستہ سے بھٹک گیا ہو اور اسے کوئی شخص پکارے کہ اس طرف آؤ اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں جو اس کو بلائیں کہ اس راستہ پر آؤ تو اگر وہ پہلے بلانے والے کی پکار پر چلا جائے تو وہ اس کو چپے کے گڑھے میں گرادے گا اور اگر وہ ہدایت کی دعوت دینے والے کے پاس چلا جائے تو راستہ کی ہدایت پا جائے گا اور یہ صحرا یا جنگل میں بلانے والے جنت میں ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۳۳ مکتبہ نزار مطلق کہ مکرم ۷۳۷ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ جنت میں بھٹکے ہوئے انسان کو اس کا نام اور اس کے باپ دادا کا نام لے کر بلاتے ہیں۔ اے قلال بن قلال بن قلال یا ادرہ آؤ۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۳۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

جو انسان حق سے باطل کی طرف لوٹ آئے یا حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف آئے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان ابتداء میں جمل تھا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں سے علم اور ہدایت کو حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (السجۃ: ۷)

اللہ نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے تم کو پیدا کیا تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

سو جو شخص علم سے جمل کی طرف لوٹ جائے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔

آپ ان سے کہئے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کی اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کر دیں یعنی صرف اسی کی اطاعت سے مبرا ہو کر ہم کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نماز قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے اس طرح مناجات کی جائے گویا کہ بندہ اللہ کے سامنے کھڑا ہو اس کو دیکھ رہا ہے جس کے آثار سے ایک اثر یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی کے

کاموں سے رک جائے اور اس کا نفس پاکیزہ ہو جائے اور نیز ہمیں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے یعنی خوف خدا سے ہر قسم کے برے کاموں اور گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور فرائض و واجبات پر پابندی سے عمل کیا جائے اور سنن اور مستحبات کا نفس کو علوی بتایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے، دوام کے ساتھ کامل طریقہ سے نماز پڑھی جائے اور ظاہر و باطن ہر محل میں تقویٰ کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ پھر فرمایا قیامت کے دن تم سب اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے، وہ تمہارے اعمال کا حساب لے گا اور تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ پس عقل اور حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا اور جس دن وہ ہر (نکاشہ چیز سے) فرمائے گا "ہو جا" تو وہ ہو جائے گی۔ اس کا فرمان حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے (الانعام: ۷۳)

آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا معنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش برحق اور صحیح ہے یعنی باطل اور خطائیں ہیں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
بَاطِلًا (ص ۷۴)

ہے 'بے فائدہ نہیں بنایا۔ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، وہ علیم اور حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خلل نہیں ہے۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اپنے برحق کلام کے ساتھ پیدا کیا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا
قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعَتَيْنِ (الحج السجده: ۷۵)

پس آسمان اور زمین دونوں سے فرمایا تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ، انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہو گئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو اپنے کلام سے پیدا فرمایا ہے اور جب یہ تمام چیزیں قائم ہو جائیں گی تو پھر ان کو دوبارہ اپنے کلام سے پیدا فرمائے گا وہ ان سے فرمائے گا "ہو جاؤ" پس وہ ہو جائیں گی۔

قرآن اور احادیث کی روشنی میں صور پھونکنے کا بیان اس کے بعد فرمایا اور اس کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ اور ذیل آیت میں بھی صور پھونکنے کا ذکر ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ
أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ (الزمر: ۶۸)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہے، وہ سب قائم ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو وہ اچانک دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سیگہ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۳۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۳۲، صحیح ابن حبان، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۷۳۳، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۱۷، سنن الدارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۷۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کس طرح نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤں؟ حالانکہ سیگہ والے نے اپنے منہ میں سیگہ ڈال رکھا ہے اور وہ غور سے سن رہا ہے کہ کب اسے اس میں پھونک مارنے کا حکم دیا جائے؟ تو وہ اس میں پھونک مارے۔ یہ حدیث نبی ﷺ کے اصحاب پر دشوار گزری، آپ نے ان سے فرمایا یوں کہو ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کار ساز ہے اور ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۳۹، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۱۶۹۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے قیامت کے فتنوں کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر صور پھونک دیا جائے گا، جو شخص بھی اس کو سنے گا، وہ ایک طرف گردن جھکائے گا اور دوسری طرف سے اٹھالے گا۔ جو شخص سب سے پہلے اس کی آواز سنے گا، وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہو گا، وہ بے ہوش ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ جہنم کی طرف ایک بارش نازل فرمائے گا، جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے۔ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا، پھر لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا: اے لوگو! اپنے رب کے پاس آؤ اور (فرشتوں سے کہا جائے گا) ان کو کھڑا کرو۔ ان سے سوال کیا جائے گا: پھر کہا جائے گا: دوزخ کے لیے ایک گروہ نکالو، کہا جائے گا: کتنے لوگوں کا کہا جائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور اس دن ساقی (پندلی) کھولی جائے گی۔

(صحیح مسلم، فتن ۱۱۶، (۲۹۳۰) ۷۲۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۶۲۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دوبار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہو گا۔ لوگوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! چالیس دن؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا چالیس سال؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا، جس سے لوگ اس طرح آگیں گے جس طرح سبزہ اٹتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی اور وہ دم کی ہڈی کا سرا ہے، اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۹۵۵، صحیح مسلم، فتن ۱۳۱، (۲۹۵۵) ۷۲۸۰، سنن الکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۳۵۹)

صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے کہ یہ مدت چالیس سال ہے۔ امام ابن مردودہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ دو مرتبہ صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے، اور ایک سند ضعیف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے کہ دوبارہ صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے۔ امام حاکم اور امام ابویعلیٰ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! دم کی ہڈی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ رائی کے دانے کی طرح ہے۔ وہ پشت کی جڑ میں

ایک باریک ہڈی ہے اور وہ دم کی ہڈی ہے جو چپائے میں دم کے سر کی جگہ ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی۔ اس قصہ سے انبیاء عظیم السلام مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء عظیم السلام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے اور اسی طرح شداد بھی اس قصہ سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ قرآن مجید نے شداد کی حیات کی تصریح کی ہے۔

(فتح الباری، ج ۸، ص ۵۵۳-۵۵۲ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۴۸ھ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مجیدہ میں یہ دلیل ہے کہ صور میں پھونکا جائے گا۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ اس میں حقیقتاً پھونک ماری جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ صور پھونکنے والا کہے گا اے بوسیدہ اجسام اور منتشر ہو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لیے جمع ہو جاؤ۔

(اکمال اکمال المعلم، ج ۹، ص ۲۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد المعروف بلی الشیخ لاسبغی الترمذی ۳۹۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی جماعت میں تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے صور کو پیدا کیا اور وہ حضرت اسرائیل علیہ السلام کو عطا کیا انہوں نے اس صور کو اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ نظر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ انہیں کب حکم دیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سیگہ ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اس کی گولائی اتنی بڑی ہے جتنی آسمانوں کی چوڑائی ہے۔ ایک اور راوی نے کہا زمین میں تین مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ پھونکنے سے لوگ دہشت زدہ ہو جائیں گے دوسری بار پھونکنے سے سب مر جائیں گے اور تیسری بار پھونکنے سے سب رب العظیم کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ عز و جل پہلی مرتبہ حضرت اسرائیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا تو حضرت اسرائیل سے فرمائے گا دہشت ڈالنے کے لیے صور نہیں پھونکو تو آسمان اور زمین میں سب دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ سو ان کے جنہیں اللہ چاہے اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ وہ مسلسل ر کے بغیر صور میں پھونکتے رہیں اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمَا يَسْطَرُّهُنَّ إِلَّا صَبْحَةٌ وَاحِدَةٌ مِّثْلَ نَافِثَاتِ الْفُجَاءِ
اور وہ صرف ایک زبردست صبح کا انتظار کر رہے ہیں جس
قوائی ○ (ص: ۱۵) کے درمیان سانس لینے کی بھی سلت نہیں ہوگی۔

پھر اللہ تعالیٰ پانوں کو اڑا دے گا تو وہ ہالوں کی طرح چل رہے ہوں گے پھر وہ خاک کا ڈھیر ہو جائیں گے اور زمین اپنے ساکنوں کے ساتھ لرز رہی ہوگی۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ○ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ○
جس دن لرزنے والی لرز جائے گی پھر پیچھے آنے والی اس کے پیچھے آئے گی ہمت سے دل اس دن لرز رہے ہوں گے۔
فَلْيُؤْثِرُوا بِحَرْفِهِمُ ○ (النعرۃ: ۸-۱۰)

اور زمین اس طرح ہلنے اور جھولنے لگے گی جس طرح بلند جہاز کو سمندر میں موجیں ہر طرف دھکیلتی رہتی ہیں یا جس طرح ہمت میں لگی ہوئی قدیل کو ہوا جھوننے دیتی رہتی ہے پھر لوگ زمین پر گرنے لگیں گے۔ دودھ پلانے والیاں بچوں کو بھول جائیں گی حاملہ عورتوں کے حمل ساتھ ہو جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے شیاطین جان بچانے کے لیے زمین کے آخری کناروں تک بھاگیں گے فرشتے ان سے مقابلہ کر کے ان کے جروں پر ماریں گے اور لوگ پیٹھ موڑ کر بھاگیں گے۔

زمین ہر طرف سے پھٹنے لگے گی اور ایسا عظیم واقعہ ظاہر ہو گا جو اس سے پہلے دیکھا نہ گیا تھا اور ایسی گھبراہٹ اور دہشت طاری ہوگی جس کو اللہ ہی جانتا ہے، پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو وہ پر نہیے پر نہیے ہو کر اڑ رہا ہو گا، سورج اور چاند دھندلا جائیں گے اور ستارے بکھر جائیں گے، آسمان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیکن مردوں کو اس کی بالکل خبر نہیں ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کس کا استثناء فرمایا ہے؟

یَوْمَ يُسْفَخُ فِي الْقُتُورِ فَتَقَرَّبُ مِّنْ فِي
الْأَسْمُوتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ
اور جس دن صور میں پھوٹا جائے گا تو جو آسمانوں اور
زمینوں میں ہیں وہ سب گھبرا جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے
(النمل: ۸۷) گا۔

آپ نے فرمایا وہ شہداء ہیں وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، اور گھبراہٹ کا اثر (ظاہر) زندہ لوگوں پر ہو گا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ اور مہمون رکھے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے برے لوگوں پر بھیجے گا اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ
شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرْوُنَهَا تَدْعُلُ كُلُّ مِرْضَةٍ
عَنَّا أَرْضُضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَ
لَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (الحج: ۲۲)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ
بڑی (بھاری) چیز ہے، جس دن تم اسے دیکھو گے تو ہر دودھ
پلانے والی اس (بچے) سے غافل ہو جائے گی جس کو اس نے
دودھ پلایا تھا اور ہر حاملہ اپنا حمل گرادے گی اور (اے مخاطب)
تو لوگوں کو غمور دیکھے گا، حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے،
لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے۔

پھر جب تک اللہ چاہے گا لوگ اس عذاب میں مبتلا رہیں گے اور ایک طویل عرصہ تک یہ حالت رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسرائیل کو حکم دے گا کہ وہ موت کا صور پھونکیں، سو وہ موت کا صور پھونکیں گے۔ جس سے تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جنہیں اللہ چاہے گا اور جب وہ سب ہلاک ہو جائیں گے تو ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، اے میرے رب! تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو گئے، ماسوا ان کے جنہیں تو نے چاہا، اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے، تو کون کون باقی رہ گیا؟ وہ کہیں گے، اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور تو نہیں مرے گا، اور تیرے عرش کو اٹھانے والے باقی ہیں اور جبرائیل اور میکائیل باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔

اللہ عزوجل فرمائے گا جبرائیل اور میکائیل کو بھی فوت ہونا چاہیے، پس عرش کے گا، اے میرے رب! تو جبرائیل اور میکائیل کو بھی مار ڈالے گا، اللہ عزوجل فرمائے گا خاموش رہو! میں نے اپنے عرش کے نیچے ہر ایک کے لیے موت مقرر کر دی ہے، وہ دونوں مرجائیں گے۔ پھر ملک الموت علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، جبرائیل اور میکائیل فوت ہو گئے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے، تو اب کون باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے، اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور تیرے عرش کے حاملین باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے عرش کے حاملین کو بھی موت آجائے، پس وہ مرجائیں گے۔ پھر ملک الموت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے، عرض کریں گے، اے میرے رب! تیرے عرش کے حاملین بھی فوت ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے

تو اب کون باقی ہے؟ وہ کہیں گے 'اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور میں باقی ہوں۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تو بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے' میں نے تجھے اسی کام کے لیے پیدا کیا تھا اب تو بھی مر جا سو وہ مر جائے گا' اور اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ الواحد الاحد الصمد جو نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا' وہی آخر ہو گا جیسا کہ وہ اول تھا۔ آپ نے فرمایا اہل جنت پر موت ہوگی نہ اہل نار پر موت ہوگی۔ پھر آسمان اور زمین کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح اور لق کو لپیٹ دیا جاتا ہے' ان کو پھر کھولا جائے گا اور پھر لپیٹا جائے گا۔ پھر فرمائے گا میں جبار ہوں' پھر اللہ تبارک و تعالیٰ بلند آواز سے فرمائے گا "لَمِنَ الْمَلَائِكَةِ الْيَوْمَ؟" آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر فرمائے گا "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" (غافر: ۶۸) اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔ پھر فرمائے گا 'سنو! جس نے میرے لیے شریک بتلایا ہو' وہ لے آئے۔ سنو! جس نے میرے لیے شریک بتلایا ہو' وہ لے آئے۔ سنو! جس نے میرے لیے شریک بتلایا ہو' وہ لے آئے۔ پھر اس آسمان اور زمین کے علاوہ دوسرے آسمان اور زمین پیدا کرے گا اور ان کو پھیلا کر دراز کر دے گا' جس میں تم کو کوئی کچی اور نقص نہیں دکھائی دے گا' پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو زبردست آواز کے ساتھ جھڑکے گا' پھر لوگ اس نو پیدا شدہ زمین میں پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر عرش کے نیچے سے پانی نازل فرمائے گا' پھر تم پر چالیس دن تک آسمان سے بارش ہوتی رہے گی' حتیٰ کہ تم پر بارہ ہاتھ پانی بلند ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جسوں کو اگنے کا حکم دے گا تو وہ سبزیوں کی طرح اگنے لگیں گے' جب اجسام پہلے کی طرح کھل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا 'حالمین عرش زندہ ہو جائیں' پھر اللہ عزوجل حضرت اسرائیل کو صور پکڑنے کا حکم دے گا' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا 'جبرائیل اور میکائیل زندہ ہوں' سو وہ زندہ ہو جائیں گے۔ پھر اللہ عزوجل ارواح کو بلائے گا وہ لائی جائیں گی۔ مسلمانوں کی رو میں نور کی طرح چمک رہی ہوں گی اور دوسری رو میں تاریک ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو صور میں ڈال دے گا' پھر اللہ تعالیٰ اسرائیل سے فرمائے گا ان کو زندہ کرنے کے لیے صور میں پھونکو' تو وہ زندہ کرنے کے لیے صور پھونکے گا' پھر تمام رو میں شد کی کھینوں کی طرح نکلیں گی جن سے زمین اور آسمان بھر جائیں گے' اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا 'تمام رو میں اپنے اجسام میں داخل ہو جائیں' تو سب رو میں جسوں میں داخل ہونے لگیں گی اور نشتوں کے راستہ داخل ہوں گی۔ جس طرح زہر کسی مار گزیدہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر زمین پھٹنے لگے گی اور میں سب سے پہلے زمین سے نکلوں گا' لوگ سرعت کے ساتھ اپنے رب کی طرف نکلیں گے' تم سب تمیں سل کی عمر میں اٹھو گے اور اس دن سب کی زبان سرائی ہوگی:

نُحْتَسِعًا آبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ
كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَوِرٌ ۚ مَهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ
يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِيرٌ (القمر: ۷۸-۷۹)

وہ نیچی آنکھیں کپے ہوئے قبروں سے نکلیں گے' گویا وہ زمین پر پھیلے ہوئے مڈی دل ہیں' بلائے والے کی طرف دوڑتے ہوئے کافر کہیں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔

یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے' اس دن ہم تم کو جمع کریں گے اور تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے' پھر وہ ایک جگہ میں ستر سال تک کھڑے رہیں گے۔ اللہ تمہاری طرف نہ دیکھے گا اور نہ کسی کا کوئی فیصلہ کرے گا' خلقت روئے گی اور جب آنسو ختم ہو جائیں گے تو آنکھوں سے خون بہنے لگے گا' لوگ اپنے ہمید میں شریک ہو جائیں گے' ان کی ٹھوڑیوں اور منہ تک ہمید پہنچا ہوا ہو گا' لوگ کہیں گے کہ ہمارے رب کے پاس کون ہماری شفاعت کرے گا' تاکہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ لوگ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم سے زیادہ اس کا کون حقدار ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور ان سے بالمشافہ کلام کیا ہے۔ پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جا کر اپنا مقصد بیان کریں گے' حضرت آدم

اس سے انکار کر دیں گے۔ پھر وہ ہر نبی کے پاس باری باری جائیں گے اور وہ اس کام سے انکار کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر وہ میرے پاس آئیں گے، حتیٰ کہ جب وہ میرے پاس آئیں گے تو میں عرش کے نیچے سجدہ میں گر پڑوں گا، حتیٰ کہ اللہ عزوجل میرے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو مجھے بلند سے پکار کر اٹھائے گا، پھر اللہ عزوجل پر مجھے گا، ملائکہ وہ خوب جاننے والا ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا بات ہے؟ میں کہوں گا، اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا تھا، میں اپنی مخلوق کے متعلق میری شفاعت قبول فرما اور میں کا فیصلہ فرما، اللہ عزوجل فرمائے گا، میں نے تمہاری شفاعت قبول کی، میں تمہارے پاس آکر تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں وہاں آکر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا، سو جس وقت ہم کھڑے ہوئے ہوں گے تو آسمان سے ایک زبردست آواز آئے گی جس سے ہم گھبرا جائیں گے، اور زمین کے جن وانس سے دہائی تعداد میں آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے، حتیٰ کہ وہ زمین کے قریب آجائیں گے اور زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی، وہ اپنی مٹیں مٹائیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے، کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے، نہیں وہ آنے والا ہے۔

پھر میرے آسمان سے اس سے دہائی فرشتے نازل ہوں گے اور وہ زمین کے جن وانس سے بھی دہائی ہوں گے، حتیٰ کہ جب وہ زمین کے قریب ہوں گے تو زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ اور وہ اپنی مٹیں مٹائیں گے۔ ہم ان سے کہیں گے، کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے، نہیں وہ آنے والا ہے۔ پھر اس سے دہائی فرشتے نازل ہوں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ہادلوں اور فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہو گا۔ آٹھ فرشتے اس کا عرش اٹھائے ہوئے ہوں گے، ملائکہ اس وقت تو اس کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے اقدام سب سے پہلی زمین کی تہ میں ہیں۔ تمام زمینیں اور آسمان ان کی آدھے دھڑ تک پہنچتے ہیں، عرش ان کے کندھوں پر ہے اور وہ بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے ہیں

سبحان ذی الملک والملكوت، سبحان ذی العز والعبود، سبحان الحي الذي لا يموت، سبحان الذي يميز العلانق ولا يموت، سبحان قدوس رب الملائكة والروح قدوسا، سبحان ربنا الاعلى، سبحان ذی الملکوت والعبود والکبرياء والسلطان والعظمة، سبحانه ابد الاباد۔

پھر اللہ تعالیٰ زمین پر جہاں چاہے گا، اپنا عرش رکھے گا۔ پھر فرمائے گا، مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! کوئی شخص بھی ظلم کر کے میرے قریب نہیں ہو گا، پھر ایک مندری بنا کرے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی۔ اے جن اور انس کی جماعت! میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا ہے، آج تک خاموش تھا، تمہاری باتیں سن رہا تھا، اب تم خاموش رہو، تمہارے اعمال کے صحیفے تم کو پڑھ کر سنائے جائیں گے، جو شخص نیکیاں پائے، وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کے صحیفے اس کے خلاف ہوں، وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے، پھر اللہ تعالیٰ روزِ حق کو حکم دے گا تو اس میں سے ایک سیاہ چمکتی ہوئی گردن نمودار ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا

وَأَمَّا رُوا الْيَوْمَ أَنَّهُمُ السَّجِرُ مُمُونَ ۝ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يُبْنِي أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ (یس: ۶۰-۵۹)

اے مجرمو! آج (نیکوں سے) الگ ہو جاؤ، اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ جن وانس کے سوا تمام مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، بعض کا بعض سے قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ بغیر سیکھ والی بکری کا سیکھ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ جب کسی کا کسی پر حق نہیں رہے گا، تو فرمائے گا، تم سب مٹی ہو

جولو اس وقت کافر کہے گا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تُرَآٰيَا (النساء: ۳۰)

اے کاش میں مٹی ہو جاتا۔

پھر اللہ عزوجل جن اور انہیں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پس سب سے پہلے خون کے متعلق فیصلہ فرمائے گا اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور اس کے قاتل کو لایا جائے گا۔ مقتول کی رگوں سے خون بہ رہا ہو گا وہ کہیں گے 'اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا ملائکہ وہ خوب جاننے والا ہے 'تم نے ان سے قتل کیوں کیا تھا؟ وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے تیری عزت کی خاطر ان سے قتل کیا تھا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تم نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سورج کی طرح منور کر دے گا۔ پھر فرشتے اس کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اطاعت کے، شخص دنیاوی غلبہ کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔ اور اس کا قاتل بھی آئے گا۔ مقتول اپنے خون میں تھڑے ہوئے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان کی آستیں خون میں تھڑی ہوئی ہوں گی وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا ملائکہ وہ ان سب سے زیادہ جاننے والا ہے 'تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟ وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے غلبہ حاصل کرنے کے لیے ان کو قتل کیا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تم ہلاک ہو گے۔ پھر اس کا چہرہ سیاہ اور اس کی آنکھیں نیلی کر دی جائیں گی۔ پھر ہر قاتل کو مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ باقی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پھر دودھ میں پانی ملائے والے کو اس بات کا ملکت کرے گا کہ وہ اس دودھ سے پانی کو الگ کر کے فروخت کرے 'حتیٰ کہ جب کسی شخص کا کسی شخص پر کوئی حق باقی نہیں رہے گا تو ایک منادی ندا کر کے تمام مخلوق کو سنائے گا اور کہے گا 'سنو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جائیں اور ان کے ساتھ جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے اور جس شخص نے بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی معبود کی پرستش کی تھی اس کے سامنے وہ معبود متمثل کر دیا جائے گا اور اس دن ایک فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں بنادیا جائے گا۔ نصاریٰ اس کے پیچھے چلے جائیں گے اور ایک فرشتہ حضرت عزیر کی شکل میں بنادیا جائے گا۔ یہودی اس کے پیچھے چلے جائیں گے۔ پھر ان کے معبود ان کو جہنم کی طرف لے جائیں گے اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ اِلٰهًا مِّثْلَ مَا وَرَدُوْهُمَا وَكُلٌّ فِیْہَا خٰطِلُوْنَ (الانبیاء: ۲۲)

اگرچہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اور (یہ) سب

اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

حتیٰ کہ جب صرف مومن رہ جائیں گے اور ان میں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس جس طرح چاہے گا اپنی ہیبت میں آئے گا۔ پس فرمائے گا اے لوگو! اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جاؤ اور ان کے ساتھ جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے یہ خدا اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ ان کے پاس سے ہٹ جائے گا۔ پھر اللہ ان کو برقرار رکھے گا اور جہنم میں رہنے والا چاہے گا نصیرے گا۔ پھر جس طرح چاہے گا ان کے پاس اپنی ہیبت میں آئے گا اور فرمائے گا اے لوگو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ جا ملے ہیں۔ تم بھی اپنے معبودوں سے جا ملو وہ کہیں گے یہ خدا اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں وہ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ پھر اللہ فرمائے گا کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی ایسی نشانی ہے جس سے تم اس کو پہچان لو؟ وہ کہیں گے ہاں پھر اللہ ان کے لیے اپنی پٹلی کھولے گا اور ان کے لیے اللہ کی عظمت سے تجلی فرمائے گا جس سے وہ اس کو پہچان لیں گے۔ پھر وہ سجدہ میں گر جائیں گے۔ پھر جب تک اللہ چاہے گا وہ

اس کو سجدہ کریں گے اور اللہ عزوجل منافقوں کی پشتوں کو گائے کی پشتوں کی طرح سیدھا (بغیر پلک کے) کر دے گا وہ اپنی پیٹھوں کے بل گر پڑیں گے۔

پھر اللہ عزوجل ان کو اٹھنے کا حکم دے گا پھر ان کے لیے جہنم کی پشت کے اوپر صراط (پل) بنادیا جائے گا۔ جو پل سے پار یک اور تلوار سے تیز ہو گا اس میں جگہ جگہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے اور اس میں پھسلنے کی جگہیں ہوں گی۔ بعض مسلمان اس پر سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور بعض ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جائیں گے، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور بعض تیز چلنے والے کی طرح گزریں گے، بعض صحیح سالم گزر جائیں گے، بعض زخمی ہو کر گزریں گے، بعض منہ کے بل جہنم میں گر جائیں گے۔ اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے ایک گروہ جہنم میں جا کرے گا ان کے اعمال ان کو ہلاک کریں گے۔ بعض کے صرف پیروں تک آگ پہنچے گی، اس سے آگے تجلوز نہیں کرے گی، بعض کی نصف پندلیوں تک آگ پہنچے گی، بعض کے معقد ازار تک آگ پہنچے گی، بعض کے چروں کے سوا پورے جسم تک آگ پہنچے گی اور ان کے چروں پر اللہ نے آگ کو حرام کر دیا ہو گا اور جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو لوگ کہیں گے کہ ہمارے رب کے پاس ہماری کون شفاعت کرے گا؟ تاکہ ہم بھی جنت میں چلے جائیں۔ پس وہ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ اس کا اور کون حقدار ہو گا۔ اللہ عزوجل نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور ان سے بالمشافہ کلام کیا، پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے۔

حضرت آدم کو اپنا (صورۃ) گنبد یاد آئے گا وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم حضرت نوح کے پاس جاؤ وہ اللہ کے پہلے رسول علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف بھیجا۔ پھر وہ حضرت نوح کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا ظلیل بنایا ہے۔ پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ، اللہ تعالیٰ نے ان سے سرکوشی میں کلام کیا ہے اور ان پر تورات نازل کی ہے۔

پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن تم روح اللہ اور کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر ان سے شفاعت طلب کریں گے وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن عنقریب میں صاحب شفاعت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گا۔ تم (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور میرے رب کے پاس میری تین شفاعتیں ہیں جن کا اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، پھر میں جنت کی طرف روانہ ہوں گا اور جنت کے دروازہ کو کھلاؤں گا، پھر میرے لیے جنت کے دروازہ کو کھول دیا جائے گا اور مجھے تعظیم کے ساتھ خوش آمدید کہا جائے گا۔

میں جنت میں داخل ہو کر عرش کے اوپر اپنے رب عزوجل کو دیکھوں گا، میں اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا۔ اور جب تک اللہ چاہے گا میں سجدہ میں رہوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ایسی حمد اور تحمید کرنے کی اجازت دے گا جو اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی تھی۔ پھر اللہ عزوجل مجھ سے ارشاد فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائے اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا۔ پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا، ملاحظہ وہ سب

کچھ جاننے والا ہے۔ کیا بات ہے؟ میں کہوں گا اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کیا تھا۔ تو اہل جنت کے متعلق میری شفاعت قبول فرما! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہاری شفاعت قبول کر لی اور میں نے اہل جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی سو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اور رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے تھے: تم دنیا میں اپنے گھروں اور بیویوں کو اس قدر نہیں پہچانتے جس قدر تم جنت میں اپنے گھروں اور بیویوں کو پہچانو گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شفاعت کروں گا اور یہ کہوں گا اے میرے رب! میری امت میں سے جو لوگ دوزخ میں گر گئے ہیں اللہ عزوجل فرمائے گا: جولو جن کی صورت تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکل لو۔ پھر ان لوگوں کو دوزخ سے نکل لیا جائے گا حتیٰ کہ دوزخ میں میرا ایک امتی بھی نہیں رہے گا۔ پھر اللہ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا اور ہر نبی، ہر شہید اور لعنت کرنے والے کے سوا ہر مومن شفاعت کرے گا۔ کیونکہ لعنت کرنے والے کو نہ شہید لکھا جائے گا اور نہ اس کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکل لو۔ پھر فرمائے گا جس کے دل میں دو تہائی (۲/۳) دینار کے برابر بھی ایمان ہو پھر فرمائے گا جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہو پھر فرمائے گا جس کے دل میں ایک تہائی (۱/۳) دینار کے برابر بھی ایمان ہو پھر فرمائے گا جس کے دل میں ایک قیراط (چھ جو) کے برابر بھی ایمان ہو پھر فرمائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکل لو اور بے شک ایسی لذت اللہ اس دن یہ امید کرے گا کہ اس کی بھی کوئی شفاعت کرے گا۔

اور جب ہر شخص شفاعت کر چکے گا اور دوزخ میں کوئی ایسا شخص نہیں باقی بچے گا جس نے اللہ کے لیے کوئی نیکی کی ہو تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب میں باقی رہ گیا ہوں اور میں سب سے زیادہ نیکی کرنے والا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا ہاتھ داخل کرے گا اور بے شمار لوگوں کو دوزخ سے نکل لے گا جن کی تعداد کو دہی جاتا ہے وہ لوگ جلی ہوئی ٹکڑیوں کی طرح ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو شہداء اور ان میں ڈال دے گا وہ اس طرح اگنے لگیں گے جیسے دریا کے کنارے کی مٹی میں دبا ہوا دانہ اگنے لگتا ہے جو سورج کی دھوپ میں سرسبز اور سائے میں زرد ہو جاتا ہے۔ عربوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! لگتا ہے کہ آپ جنگل میں رہے ہیں۔ وہ شلاب سبزیوں کی طرح اگیں گے اور ذرات کی طرح پھیلے ہوئے ہوں گے۔ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا ہو گا کہ ان کے آزاد کیے ہوئے دوزخی اس تحریر سے اہل جنت اہل کو پہچانیں گے جب تک اللہ چاہے گا وہ جنت میں اسی طرح رہیں گے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے اے اللہ! یہ تحریر ہم سے مٹا دے سو اللہ تعالیٰ ان سے یہ تحریر مٹا دے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے اور بہت طویل اور بہت غریب ہے۔ متفق احادیث میں اس کے متفق ٹکڑے ہیں۔ اس میں درج بعض امور لائق انکار ہیں۔ اسماعیل بن رافع قاضی مدینہ اس کی روایت میں منفرد ہیں اس کی صحت میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کی توثیق کی ہے بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے بعض نے انکار کیا ہے بعض نے حروک کہا ہے۔ دراصل یہ حدیث کئی احادیث کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اور اس کو ایک ہی سند سے بیان کر دیا گیا ہے اس لیے یہ قابل انکار ہو گئی۔ میں نے اپنے استاد حافظ الزی سے سنا ہے کہ یہ ولید بن مسلم کی ایک تصنیف ہے جس کو اس نے جمع کر رکھا ہے گویا یہ بعض الگ الگ حدیثوں کے شواہد ہیں۔

کتب المعطیة رقم الحدیث: ۲۸۸ ص ۷۳، ۷۴ جامع البیان ج ۲ ص ۲۸۸-۲۸۹ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰

ص ۲۲۳، ۲۲۴ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۵، ۲۶۶ تفسیر در مشور ج ۷ ص ۲۵۶، ۲۵۷

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاٰبِيْهِ اَزْرَاۤءُ اتَّخَذُۢمُ اَصْنَامًا

اور (یاد کیجیے) جب ابراہیم نے اپنے (محنی) باپ آزد سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے

اِلٰهَةًۭ ۚ اِنِّیۡۤ اَرٰکَ دَقُوۡمَکَ فِیۡ ضَلٰلٍ

ہر ؟ بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کبھی ہوتی گمراہی میں مبتلا

مُبِیۡنٍ ۚ وَكَذٰلِكَ نُرِیۡ اِبْرٰهِيْمَ مَلٰکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دیکھتا ہوں ○ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس سے

وَلِیْکُوۡنَ مِنَ الْمُوَقِّیۡنَ ۚ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الْیَلُ رَا کَوْکَبًا

کردہ (کابل) یقین کرنے والوں میں سے ہر جائیں ○ پھر جب ان پر رات کی تاریکی پھیل گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھ

قَالَ هٰذَا سِرّٰتِیۡ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیۡنَ ۚ فَلَمَّا

انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے ؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں توب جاننے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ پھر جب انہوں نے

رَا الْقَمَرَ یَازِعَاۡ قَالَ هٰذَا سِرّٰتِیۡ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَیۡنٌ لِّہٖ

جھلکاتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے ؟ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرا رب

یَهْدِیۡنِیۡ سِرّٰتِیۡ لَا کُوۡنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضّٰلِّیۡنَ ۚ فَلَمَّا رَا

مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہوتا ○ پھر جب انہوں نے

الشَّمْسُ یَازِعَاۡ قَالَ هٰذَا سِرّٰتِیۡ هٰذَا الْکَبِیۡرُ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ

دشمن آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے ؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے ، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے

یَقُوۡمُ اِنِّیۡۤ اَبْرِءٌۭ مِّمَّا تُشْرِکُوۡنَ ۚ اِنِّیۡۤ اِنِّیۡۤ وَجَّهْتُ وَجْہِیۡ لِلْذِیۡ

کہا اے میری قوم میں ان سب سے بیزار ہوں میں کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو ○ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیۡفًا ۚ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیۡنَ ۚ

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے جب کہ میں باطل مذاہب سے (اعمالی) کرنے والا ہوں ○ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ○

وَحَاجَّةٌ قَوْمَهُ ط قَالَ أَتَحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ط وَلَا

اور ان کی قوم نے ان سے مجھڑا کیا، انہوں نے کہا تم سے اللہ کے متعلق مجھڑتے ہو مالا لکھ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور یہی

أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ط وَسِعَ رَبِّي

ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، مگر اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے، میرے رب کا علم

كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ط أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا تُشْرِكُكُمْ

ہر چیز کو محیط ہے، کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ ۸۰ میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا

وَلَا تَخَافُونَ أَنْتُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزِلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ط

شریک قرار دیا ہے جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل

فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨١﴾

نہیں کی، پس دو فرقوں میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حق دار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو ۸۱

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملا یا ان ہی کے لیے بے خوفی ہے

وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾

اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ۸۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد رکھیے) جب ابراہیم نے اپنے (مٹی) باپ آزر سے کہا کیا تم جوں کو معبود قرار دیتے ہو؟
بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا کر چکا ہوں ۸۲ (الانعام: ۷۴)
آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے آیت ۷۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا آپ کہنے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے
سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں تو اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر کیا۔ ان کی قوم بھی بت پرستی کرتی
تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو بت پرستی سے منع کرتے تھے۔ سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ
کا کفار کو بت پرستی سے منع کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کے جد محترم سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو بت پرستی سے منع
کرتے تھے اور اس میں یہ حیرہ ہے کہ اپنے نیک آہود و لہو کی عیوی کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر اور اپنی
قوم کے ساتھ بت پرستی کے بطلان اور توحید کے اخلاق پر جو مناظرہ کیا اس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تاکہ اس سے مشرکین عرب

کے خلاف استدلال کیا جائے، کیونکہ تمام مذاہب اور ادیان کے ماننے والے ان کی تعلیمات اور بزرگی کا اعتراف کرتے تھے اور سب ان کی ملت کی طرف انتساب کے دعویٰ دار تھے۔ یہود و نصاریٰ ان کی ملت کی اتباع کے مدعی تھے اور مشرکین عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے۔ اس لیے ان کی شخصیت اور سیرت سب پر محبت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام، نسب اور تاریخ پیدائش

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر حنفی رحمہ اللہ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے۔

ابراہیم بن آذر اور وہ تاریخ ہیں بن مہور بن شامدغ بن ارغون بن قلع بن علیم بن شلغ بن الوش بن سام بن نوح بن مک بن متوش بن خوخ اور وہ اور لیس ہیں بن یارد بن حاکم بن قینان بن الوش بن شیت بن آدم۔

حضرت ابراہیم ظلیل الرحمن ہیں اور آپ کی کنیت ابو الضیفان ہے۔ گج یہ ہے کہ حضرت ابراہیم عراق کے شربل کے موضع کوٹی میں پیدا ہوئے۔ مجلد نے کہا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کے باپ نہیں تھے، گج وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے وہ ابراہیم بن آذر ہیں اور تورات میں ہے وہ ابراہیم بن تارخ ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۳۳۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۰۳ھ)

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد آذر تھے یا تارخ؟ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ کے والد تارخ تھے جیسا کہ ابن شامہ اللہ ہم غریب بیان کریں گے۔

محمد بن عمرو امدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح اور حضرت آدم کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ پس حضرت ابراہیم ظلیل الرحمن حضرت آدم کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے، ابوب بن حبہ قاضی بجلہ بیان کرتے ہیں:

حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس آباء تھے اور یہ ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس آباء تھے اور یہ بھی ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان سات آباء ہیں اور ان کے سال معلوم نہیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہ زمانہ فترت ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۳۳۸-۳۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے تین ہزار تین سو ستیس (۳۳۳۷) سال بعد پیدا ہوئے، اس وقت طوفان نوح کو بارہ سو تریسٹھ (۳۳۳۷) سال گزر چکے تھے۔ زبان گج یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال کی عمر گزار کر فوت ہوئے۔ کلبی نے کہا ایک سو پچھتر (۱۷۵) سال کی عمر تھی اور مقاتل نے کہا ایک سو نوے (۱۹۰) سال کی عمر تھی۔ آپ مہرون میں مقام عارہ پر مدفون ہیں۔ وہ جگہ اب مدینہ الخلیل کے نام سے مشہور ہے۔

(محرمہ القاری، ج ۱۵، ص ۲۳۰، مطبوعہ ادارة البیضاء المنیریہ، مصر ۱۳۳۸ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات

حضرت ابراہیم ظلیل اللہ علیہ السلام نے متعدد بار توحید کو ثابت کیا اور مشرکین کے قول کو دلائل سے باطل کیا۔ انہوں نے اپنے عرفی باپ سے مناظرہ کیا، اپنی قوم سے، ہلا شام وقت سے اور کافروں سے مناظرہ کیا اور راہ حق میں سرخرو ہوئے۔ عرفی باپ

سے مناظرہ کی یہ مثل ہے:

إِذْ قَالَ لِأَقْرَبِيهِ يَا بَنِيَّ لِمَ تَعْبُدُونَ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكُمْ شَيْئًا (مريم: ۴۲)

جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا اے میرے باپ! تم کیوں ایسے کی پرستش کرتے ہو جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہارے کسی کام آسکتا ہے۔

اور اپنی قوم سے مناظرہ کی یہ مثل ہے:

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَارِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُغْتَمِبُ إِنْسِي يَمِغِي يَتَسَاءُ تَشِيرُ كُوْن (الانعام: ۷۸)

پھر جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کہا 'یہ میرا رب ہے؟' یہ (ان سب سے) بڑا ہے 'پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بڑا ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔

اور بادشاہ وقت سے مناظرہ کی یہ مثل ہے:

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ تَبَّأَنِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتَتْ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ قَبِضَتْ الَّتِي تَكْتُمُ (البقرہ: ۲۵۸)

جب ابراہیم نے کہا میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس (بادشاہ) نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں 'ابراہیم نے کہا ہے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو اس پر وہ کافر مکار ہو گیا۔

اور کافروں سے مناظرہ کی یہ مثل ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُودًا إِلا كَيْبَرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَٰهٌ يَرْجِعُونَ (الانبیاء: ۵۸)

پس (ابراہیم نے) بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ وہ ان کی طرف رجوع کریں۔

اور جب کافران کو دلائل سے جواب دینے سے عاجز آگئے تو انہوں نے کہا ان کو جلاؤ اور اپنے بتوں کی مدد کرو 'حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا اور اللہ نے اس آگ کو سلامتی کے ساتھ لٹھ اکڑ دیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ انہوں نے اپنا دل عرفان الہی کے لیے 'زبان توحید پر برہان کے لیے اور اپنے بدن کو اللہ کی راہ میں آگ میں جھونکنے کے لیے اور اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے اور اپنے دل کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

آذر کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۷۵۷ھ نے آذر کے متعلق چار قول لکھے ہیں:

- ۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما 'حسن' 'سدی' اور ابن اسحاق نے کہا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے۔
- ۲- مجاہد نے کہا آذر بت کا نام ہے اور حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ ہے۔
- ۳- زجاج نے کہا کہ آذر نام نہیں ہے 'بلکہ مذمت کا لفظ ہے 'گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے خطاکار! تو بتوں کو معبود قرار دے رہا ہے۔

۴- مقاتل بن حیان نے کہا کہ آذر حضرت ابراہیم کے باپ کا نام نہیں ہے 'یہ ابن کا لقب ہے۔

(زاوالمسیر، ج ۳، ص ۷۶-۷۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر ہے یا تارخ ہے۔ دراصل یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء عظیم السلام کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے یا نہیں۔ امام ابن جریر 'کام رازی' علامہ قرطبی 'اور علامہ ابو الیمان وغیرہم کی رائے ہے کہ ان کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے مگر متاخرین میں سے علامہ نیشاپوری 'علامہ سیوطی اور علامہ آلوسی کی تحقیق یہ ہے کہ انبیاء کرام عظیم السلام کے آباء کرام مومن تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء اور اہل بیت مومن تھے۔ اب ہم وہ روایات ذکر کریں گے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور آذر عربی طور پر باپ کا اطلاق ہوتا رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تارخ تھا نہ کہ آذر

امام ابو اسحاق زجاج متوفی ۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

نسب بیان کرنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا اور قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا نام آذر تھا۔ (مطابق القرآن و اعراب اللہ ج ۲ ص ۳۱۵)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مجاہد نے کہا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۳۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد اور یس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: شاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آذر نہیں تھا، ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

شاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر سے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں سے مدد لیتے ہو ایسا نہ کرو اور حضرت ابن عباس فرماتے تھے حضرت ابراہیم کے والد کا نام آذر نہیں تھا، ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۲۵ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آذر بت ہے اور حضرت ابراہیم کے باپ کا نام یازر ہے اور ان کی ماں کا نام مٹی ہے اور ان کی بیوی کا نام سارہ ہے اور ان کی ہمدی حضرت اسماعیل کی ماں ہیں۔ ان کا نام ہاجرہ ہے۔ امام ابن ابی شیبہ 'امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا آذر حضرت ابراہیم کے والد کا نام نہیں ہے، لیکن یہ بت کا نام ہے۔

(در مشور ج ۳ ص ۳۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

آذر کو حضرت ابراہیم کا باپ کہنے کی توجیہ

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

امام ابن المنذر نے سند صحیح کے ساتھ ابن جریر سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں ہے، اور ابراہیم بن تارخ بن ماحور بن شامد بن عامر بن قلع ہیں۔

قرآن مجید میں آذر کے اور حضرت ابراہیم کے اب (باپ) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ عرب میں

”اب“ کا اطلاق عم پر بہ کثرت کیا جاتا ہے، اگرچہ یہ مجاز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ
اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِي قَالُوْا
نَعْبُدُ الْهَكَوَالَهَ اَبَاۤئِكَزَابْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ (البقرہ: ۱۳۳)

کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

اس آیت میں حضرت اسماعیل پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے، حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے باپ نہیں، بلکہ چچا ہیں اور امام ابو العالیہ نے اسی آیت کی تفسیر میں کہا کہ اس آیت میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ ہاموں والد ہے اور چچا والد ہے اور اس آیت کی تلاوت کی۔

(الحادی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ مکتبہ نور یہ رضویہ، لاہل پور، پاکستان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے مومن ہونے پر دلیل امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد سے روایت کیا ہے کہ جب کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو وہ لکڑیاں جمع کرنے لگے، حتیٰ کہ ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کرنے لگی۔ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے کہا ”حسبی اللہ ونعم الوکیل“ اور جب انہوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”یسار کونسی برداوسلا ما علی ابراہیم“ (الانبیاء: ۶۹) اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا نے کہا میرا وجہ سے ان سے عذاب دور کیا گیا ہے تب اللہ تعالیٰ نے آگ کی ایک چنگاری بھیجی جو اس کے پیر پر لگی اور اس کو جلادیا۔

اس اثر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کا چچا تھا اور اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آذر اس وقت میں ہلاک کیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ آذر اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس کے لیے استغفار کرنا ترک کر دیا اور اعلان میں آیا ہے کہ جب وہ حالت شرک میں مر گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا دشمن خدا ہونا معلوم ہو گیا اور انہوں نے پھر اس کے لیے استغفار نہیں کیا۔

امام ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے۔ پھر انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا اور انہوں نے محمد بن کعب، قتادہ، مجاہد اور حسن وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم اس کی حیات میں اس کے ایمان کی امید رکھتے تھے اور جب وہ شرک پر مر گیا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ پھر آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی، جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کی ہے، پھر ہجرت کے کئی عرصہ بعد وہ مصر میں داخل ہوئے اور وہیں حضرت سارہ کے سبب سے ظالم بادشاہ کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا اور انجام کار حضرت ہاجرہ آپ کی باندی بنادی گئیں، اس کے بعد آپ پھر شام کی طرف لوٹ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو مکہ میں خنفل کر دیں اور وہیں آپ نے یہ دعا کی:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي
رِزْقٍ عِنْدَكَ بِئْسَ الْمَسْكَنُ رَبَّنَا لِيُقِيبُوا
الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي
إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُونَ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا
نُعْلِنُ وَمَا يَغْفِي عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ
وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ الْحَسْدُ لِلَّذِي وَهَبَ لِي
عَلَى الْيَكْرِ إِمْرًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ
عِلْمًا وَسِعَ الدُّعَاءُ ۝ رَبِّ اجْعَلْ لِي مِفْثَمَ
الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ ۝ رَبَّنَا
اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ
الْحِسَابُ ۝ (ابراہیم: ۴۱-۴۳)

اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی بعض اولاد کو بے
آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس ٹھہرایا
ہے۔ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں سو تو کچھ
لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو بعض
پھل عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں۔ اے ہمارے رب! بے شک
تو جانتا ہے جس کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں
اور آسمان اور زمین میں سے کوئی چیز اللہ پر چلی نہیں ہے سب
قرینیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسامیل
اور اسحق عطا فرمائے۔ بے شک میرا رب ضرور میری دعا سننے
والا ہے۔ اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور
میری اولاد (سے) بھی۔ اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔
اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور
سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہو گا۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آذر کے فوت ہونے کے طویل عرصہ بعد اپنے
والدین کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں جس شخص کے گھر اور اس سے حضرت ابراہیم علیہ
السلام کے بیزار ہونے کا ذکر ہے وہ ان کے چچا تھے نہ کہ ان کے حقیقی والد۔

امام محمد بن سعد نے المصنفات میں کہی سے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی
طرف ہجرت کی تو ان کی عمر سیس (۳۷) سال تھی پھر انہوں نے کچھ عرصہ حران میں قیام کیا پھر کچھ عرصہ اردن میں قیام کیا پھر
وہاں سے مصر چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا پھر وہاں سے شام کی طرف لوٹ گئے اور ایلیا اور فلسطین کے درمیان قیام کیا۔
پھر وہاں کے لوگوں نے آپ کو ستایا تو آپ رملہ اور ایلیا کے درمیان چلے گئے اور امام ابن سعد نے واقفہ سے روایت کیا ہے کہ
نوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسامیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان دونوں اثروں سے یہ معلوم
ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد جب آپ نے بابل سے ہجرت کی تھی اور مکہ عرصہ میں جو آپ نے دعا کی
تھی اُنکے درمیان پچاس اور کچھ سال کا عرصہ ہے۔

(الحادی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۵-۲۱۴ مطبوعہ مکتبہ نور یہ رضویہ فیصل آباد)

خلاصہ یہ ہے کہ آذر کے مرنے کے پچاس سے زیادہ سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت
کے لیے دعا کی ہے اور جب کہ آذر سے وہ بیزار ہو چکے تھے اور اس کے لیے دعا کو ترک کر چکے تھے تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آذر
اور شخص تھا اور ان کے والد اور شخص تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کے چچا آذر کو اب (عربی باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا
ہے اور ان کے حقیقی باپ کو والد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے تاکہ تغیر عنوان تغیر معنوں پر دلالت کرے۔ ہم نے علامہ سیوطی
کے جس استدلال کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے علامہ آلوسی نے بھی اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۵ طبع بیروت)

قیامت کے دن آزر کو باپ کہنے کی توجیہ

اس سلسلہ میں اس حدیث سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے (یعنی) باپ آزر سے قیامت کے دن ملاقات ہوگی اور آزر کے چہرے پر دھواں اور گرد و خبار ہوگا۔ حضرت ابراہیم اس سے فرمائیں گے 'کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میری ٹافرمانی نہ کرنا؟ ان کے (یعنی) باپ کہیں گے 'آج میں آپ کی ٹافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیم فرمائیں گے 'اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھ کو شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی اور کیا شرمندگی ہوگی کہ میرا (یعنی) باپ رحمت سے دور ہو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے 'پھر کہا جائے گا اے ابراہیم! تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو وہ گندگی میں تھرا ہوا ایک بچہ ہوگا اور اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۵۰ سنن کبریٰ للنسائی 'ج ۶' رقم الحدیث: ۳۷۷۵ المستدرک 'ج ۲' ص ۳۳۸ کنز العمال 'ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۲۲۴ مشکوٰۃ المصابیح 'ج ۳' رقم الحدیث: ۵۵۳۸) حافظ عبد الدین ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر ہے اور جمہور اہل نسب 'بہ شمول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تاریخ ہے اور اہل کتاب تاریخ کہتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ 'ج ۱' ص ۱۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۹۷۳ء)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۲۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرام شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں۔ ان کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں 'ان کو مجازاً باپ کہا گیا ہے اور ان کے باپ کا نام تاریخ ہے۔ اسی وجہ سے مطلقاً نہیں فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی 'تاکہ ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہو اور ان کے والد کے ساتھ آزر کا ذکر کیا 'تاکہ معلوم ہو کہ یہاں مجازی باپ مراد ہے۔

(اشعۃ اللمعات 'ج ۳' ص ۳۶۸ مطبوعہ مطبع تج کمار 'کنکھڑ')

شیخ محمد اور یس کاندھلوی متوفی ۱۳۳۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اس کو مجازاً متعارف کے طور پر باپ کہا گیا ہے اور آپ کے باپ کا نام تاریخ ہے۔ بعض محققین علماء جنہوں نے آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی ﷺ کے تمام آباء سے کفر کی نفی کی ہے 'ان کی یہی تحقیق ہے۔ اس بناء پر اس حدیث میں آزر کا ذکر اس لیے ہے کہ اگر یوں کہا جاتا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی 'تو اس سے ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن چلا جاتا اور جب آزر کی قید لگائی تو ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ حضرت ابراہیم کے اس چچا پر باپ کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا اختلاط اور ان کی اہل بیت اپنے اس چچا کے ساتھ بہت زیادہ تھی اور وہ مشرکین کا رئیس تھا اور اسی کے ساتھ ان کا معاشرہ ہوا تھا۔

(الحقیق الصحیح 'ج ۶' ص ۳۰۱ مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ لاہور)

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام زندگی میں آذر کے دشمن خدا ہونے کی وجہ سے اس سے بیزار ہو گئے تھے تو پھر قیامت کے دن اس کی سفارش کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کے لیے نجات کی دعا کرنے سے بیزار ہو گئے تھے اور قیامت کے دن انہوں نے اس کی نجات کے لیے سفارش نہیں کی بلکہ اس کے عذاب میں تخفیف کے لیے سفارش کی تھی اور بعض خصوصیات کی بناء پر کفار کے عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے۔
نبی ﷺ کے تمام آباء کرام کے مومن ہونے پر دلیل

ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء کرام مومن تھے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب سے خیر (بہتر) اور سب سے افضل تھے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۚ وَكَوْ
اَعْتَبَكُمْ (البقرہ: ۱۷۷)
اور بے شک مومن غلام (مشرک) (آزاد) سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھا لگے۔

اور جب مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہے اور نبی ﷺ کے آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے بہتر اور افضل تھے تو ضروری ہوا کہ وہ مومن ہوں۔ نیز احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے سیدنا محمد ﷺ کی ہمت تک بلکہ قیامت تک روئے زمین پر کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور اس کی عبادت کرتے رہے اور ان ہی کی وجہ سے زمین محفوظ رہی اور نہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے اور ان مقدمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلا ہے کہ نبی ﷺ کے آباء میں کوئی مشرک نہیں تھا۔ کیونکہ زمین کبھی مومنین اور مشرکین سے خلل نہیں رہی اور نبی ﷺ کے آباء اپنے اپنے دور میں سب سے بہتر اور افضل تھے اور مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کے تمام آباء کرام مومن تھے پہلے ہم اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ زمین کبھی مومنین اور موحدین سے خلل نہیں رہی اور پھر اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں سے بہتر اور افضل تھے۔

موحدین اور عابدین سے زمین کبھی خالی نہیں رہی

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں از معمر بن ازہر بن جریج "ازہر بن المسیب روایت کیا ہے" روئے زمین پر ہمیشہ قیامت تک کم از کم سات مسلمان رہے ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے اور ہر چند کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، لیکن اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی، پس یہ حدیث حکما مرفوع ہے۔ امام ابن المنذر نے اس حدیث کو امام عبدالرزاق کی سند سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں شریح حوشب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا زمین میں ہمیشہ چودہ ایسے نفوس رہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا تھا اور ان کی برکت زمین میں پہنچاتا تھا، اسوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے، کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک تھے۔

امام ابن المنذر نے قولہ سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین میں اللہ کے اولیاء رہے ہیں، بسبب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ہے، کبھی زمین ابلیس کے لیے خلل نہیں رہی، اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے

ہیں جو اس کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔

حافظ ابو عمرو ابن عبد البرؒ از قاسمؒ از امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تک زمین میں شیطان کا ولی ہے تو زمین میں اللہ کا ولی بھی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے کتب الازد میں بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی ملت ایسے نفوس سے خلل نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا ہے۔ یہ حدیث بھی حکما مرفوع ہے۔

امام ازرقیؒ نے تاریخ کہ میں زہیر بن محمدؒ سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین پر کم از کم ملت ایسے مسلمان رہے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام ابن المنذرؒ نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ ابن جریرؒ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر رہے اللہ کی جبلت کرتے رہے۔

امام بزارؒ نے اپنی مسند میں اور امام ابن جریرؒ امام ابن المنذرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے اپنی اپنی تفسیر میں اور امام حاکمؒ نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ اس آیت ”کان الساس امۃ واحدة“ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور ان میں سے ہر ایک شریعت حق پر ہے۔ مگر ان کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور زمین والوں پر اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا رسول بھیجا وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ اور امام محمد بن سعدؒ نے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک دس آیہ ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔ (المکذوب للکوفی ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۴ مطبوعہ لعل آباد)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ حضرت انسؓ سے دوسری روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کہتا رہے گا اس پر قیامت قائم نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، ایمان ۲۳۳، (۳۸) ۳۷۸، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحديث ۲۲۳، صحیح ابن حبان ج ۵، رقم الحديث ۷۸۳۹، مسند احمد ج ۴، رقم الحديث ۳۸۳۴، طبع جدید، مسند احمد ج ۲، ص ۳۸، ۲۹، ۱۰۷، طبع قدیم، مسند ابو یعلیٰ ج ۱، رقم الحديث ۳۵۳۶، مصنف عبد الرزاق ج ۴، رقم الحديث ۲۰۸۳، مسند ابو حنبلہ ج ۱، ص ۱۰۷، المستدرک ج ۲، ص ۲۴۳، شرح السنہ ج ۷، ص ۲۱۷، کنز العمال ج ۳، رقم الحديث ۳۸۳۸۵، مسند ابی یزید ج ۲، رقم الحديث ۳۲۷۸، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۳۲۶، ج ۸، ص ۴، مشکوٰۃ المصابیح ج ۳، رقم الحديث ۵۵۸۶)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر دور میں اللہ اللہ کہنے والے مسلمان بندے روئے زمین پر رہے ہیں اور کسی دور میں بھی اللہ اللہ کہنے والوں سے زمین خلل نہیں رہی اور نہ قیامت آچکی ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرام کا اپنے اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر ہونا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر

قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۵۵۷، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۸۸۳۳، طبع دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۱۷، طبع قدیم، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۷۳۹، کنز العمال، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۳۰۰۵، دلائل النبوة للسیوطی، ج ۱، ص ۱۷۵) امام ابو بکر احمد بن حنبل، بیہقی متونی، ۴۵۸ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن حاشم بن عبد مناف بن قصی بن كلاب بن موہب بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان سے ہوں۔ جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا، میں (جائز) میں باپ سے پیدا کیا گیا ہوں، مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں، بدکاری سے پیدا نہیں کیا گیا، حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر پاکیزگی کا یہ سلسلہ میرے باپ اور میری ماں تک پہنچا ہے، میں بطور شخصیت کے تم سب سے بہتر ہوں اور بہ طور باپ کے تم سب سے بہتر ہوں۔ (دلائل النبوة، ج ۱، ص ۱۷۵، ۱۷۶)

امام ابو نعیم اصبہانی متونی، ۳۰ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ کبھی بھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ اللہ عزوجل بیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا جو صاف اور مذہب تھیں۔ جب بھی دو شاخیں پھوٹیں، میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔ (دلائل النبوة، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵)

امام ابو یسفیٰ محمد بن یسفیٰ ترمذی متونی، ۷۹ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قریش آپس میں بیٹھے ہوئے اپنے حسب و نسب کا ذکر کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کی مثل اس طرح دی جیسے زمین کے گھوڑے (گندگی ڈالنے کی جگہ) میں گھوڑ کا درخت پیدا ہو گیا ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان میں سب سے بہتر لوگوں میں اور سب سے بہتر گروہوں میں اور سب سے بہتر فرقوں میں رکھا، پھر قبیلوں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا، پھر گھروں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا، پس میں بطور شخص سب سے بہتر ہوں اور بہ طور گھر سب سے بہتر ہوں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۷، دلائل النبوة للسیوطی، ج ۱، ص ۱۶۹، دلائل النبوة لابن نعیم، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶) مطلب بن ابی وداعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی ناگوار بات سنی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، نبی ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا میں کون ہوں؟ مطلب نے کہا آپ رسول اللہ ہیں۔ علیک السلام آپ نے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں، بے شک اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کے دو گروہ کیے، تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کو قبائل میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا، پھر اللہ نے ان کو گھروں میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا اور سب سے بہتر شخص میں رکھا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح فریب ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۸۸، دلائل النبوة للسیوطی، ج ۱، ص ۱۷۰، المعجم الکبیر، ج ۲۰، رقم الحدیث: ۶۷۵۰، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۱۷)

امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۳۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "وتقلبک فی الساجدین" کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں "نبی ﷺ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں متقلب ہوتے رہے" حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ سے پیدا ہوئے۔ (دلائل النبوة 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو پسند کیا اور ان میں سکونت رکھی اور باقی آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہا سکونت دی۔ پھر اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سے بنو آدم کو پسند کیا اور بنو آدم میں سے عربوں کو پسند کیا اور عربوں میں سے مضر کو پسند کیا اور مضر میں سے قریش کو پسند کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کیا سو میں پسندیدہ لوگوں میں سے پسند کیا گیا ہوں۔ لہذا جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(دلائل النبوة 'ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۰، المعجم الکبیر 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۵۰، المستدرک 'ج ۲' ص ۸۷-۸۸، کمال ابن عدی 'ج ۲' ص ۳۰۱، مکمل ابن ابی حاتم 'ج ۲' ص ۳۶۸-۳۶۹، مجمع الزوائد 'ج ۸' ص ۲۱۵)

اس حدیث کی سند میں حلوین واقعہ کے سوا سب کی توثیق کی گئی ہے اور وہ بھی مستبر راوی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت واظہ بن اسحاق جہنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو پسند کر لیا اور کنانہ سے قریش کو پسند کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کر لیا۔

(مجمع مسلم، فضائل (۱) (۲۷۷) ۵۸۲۸، سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۷۵۰، مجمع ابن حبان 'ج ۳' رقم الحدیث: ۷۳۲، مسند احمد 'ج ۶' رقم الحدیث: ۱۸۸۸، المعجم الکبیر 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۵۰)

امام ابوالقاسم سلیمان بن طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا میں نے زمین کے تمام مشرق و مغرب کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا تو (سیدہ) محمد ﷺ سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا اور نہ بنو ہاشم سے افضل کسی خاندان کو پایا۔

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربیذی ایک ضعیف راوی ہے۔

(المعجم الاوسط 'ج ۲' رقم الحدیث: ۶۲۸۱، مجمع الزوائد 'ج ۸' ص ۳۰۰، طبع جدید دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ) ان تمام احادیث مجھ اور روایات مجتہدین سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ تک نبی علیہ السلام کے نسب میں تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے خیر اور افضل تھے، اور قرآن مجید میں تصریح ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے کہ مومن مشرک سے خیر اور افضل ہے، لہذا ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء کرام مومن تھے۔

ابن احلیث میں سے اہل استدلال ابن احلیث سے ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے نسب کے لیے خیر اور افضل کا لفظ ہے اور جن احادیث میں ہے کہ میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رموں کی طرف منتقل کیا گیا ہوں، ان سے اہل استدلال نہیں ہے۔ ان احادیث کو ہم نے صرف رسول اللہ ﷺ کے شرافت نسب کے لیے بیان کیا ہے۔

ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں تفسیر کبیر پر بحث و نظر

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس مسئلہ سے اختلاف کیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آذر تھا اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ یہود و نصاریٰ نے نبی ﷺ کی تکذیب پر بہت حرص تھی۔ اگر فی الواقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر نہ ہوتا اور قرآن کتا کہ ابن کے باپ آذر نے یوں کہا تو علوۃ یہود و نصاریٰ کا خاموش رہنا ممکن نہ تھا اور وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب کرتے اور کہتے کہ آذر ابن کے باپ نہیں ہیں اور جب انہوں نے نبی ﷺ کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا بیان کیا ہوا نسب صحیح ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آذر ہی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۰ دار الفکر ۱۳۹۸ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہل کتب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام نارج ہے۔ بائبل میں لکھا ہے نحر انتیس برس کا تھا جب اس سے نارج پیدا ہوا اور نارج کی پیدائش کے بعد نحر ایک سوانیس برس اور بیتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور نارج ستر برس کا تھا جب اس سے ابرام اور نحر اور حارن پیدا ہوئے۔

(پرا احمد نامہ پیدائش باب ۱۱ آیت ۲۶-۲۳ کتاب مقدس ص ۱۳ مطبوعہ بائبل سوسائٹی ناہور)

باقی رہا یہ کہ پھر اہل کتب نے نبی ﷺ پر یہ اعتراض کیوں نہیں کیا کہ قرآن نے آذر کو باپ کہا ہے جبکہ وہ حضرت ابراہیم کا چچا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتب مخلوقات عرب سے واقف تھے کہ مخلوقات عرب میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ نیز قرآن مجید میں حضرت اسماعیل کو اولاد یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمایا ہے "حلا نکہ وہ ابن کے بلا مشق چچا تھے" اور اس پر بھی اہل کتب نے اسی وجہ سے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ورنہ امام رازی کی تقریر کے مطابق یہودیوں کو اس کی تکذیب کرنی چاہیے تھی۔

نیز امام رازی نے لکھا ہے کہ شیعہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آباء و اجداد میں سے کوئی شخص کافر نہیں تھا اور اس پر ان کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے "الذی ہراکتہ حین نفوم و تغلبک فی المساجد بن" (الشعراء: ۲۸) جو آپ کو حالت قیام میں دیکھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو دیکھتا ہے پھر امام رازی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے اس آیت کے دیگر محال بیان کیے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۱) لیکن ہمارا بنیادی استدلال اس دلیل سے نہیں ہے یہ دلیل تائید کے درجہ میں ہے۔ ہمارا بنیادی استدلال اس سے ہے کہ آذر کے مرنے کے تقریباً پچاس سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کی۔ (ابراہیم: ۴۱) جب کہ اس کی موت علی الشریک کی وجہ سے وہ اس سے بیزار ہو چکے تھے۔ لہذا اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کرنا ان کے ایمان کی دلیل ہے۔ امام رازی نے اس دلیل سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ شیعہ کی طرف سے دوسری دلیل انہوں نے یہ پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں غفل ہو تا رہا اور مشرک نہیں ہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے آباء مومن تھے۔ اس پر امام رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے آباء مشرک نہ ہوں کیونکہ پاکیزہ پشتوں کا معنی ہے آپ نکلح سے پیدا ہوئے ہیں نہ اسے نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا ہمارا استدلال صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہے۔ مجھے جو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سے سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔ اس سے لازم آیا کہ آپ کے تمام آباء خیر تھے اور مومن مشرک سے خیر اور بہتر ہے۔ لہذا آپ کے تمام آباء مومن ہونا ثابت ہوا اس دلیل سے بھی امام رازی نے تعرض نہیں کیا۔ امام رازی نے شیعہ کی طرف سے تیسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت ابراہیم

نے بہت شدت اور سختی کے ساتھ آزر کا رد کیا ہے، اگر وہ ان کے باپ ہوتے تو ان کے ساتھ نرمی سے کلام کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان کے چچا تھے، پھر اس دلیل کا رد کیا ہے کہ ان کی یہ سختی اس کے شرک پر اصرار کی وجہ سے تھی۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۱۷، ملاحظہ) ہر چند کہ ہم نے اس دلیل سے استدلال نہیں کیا، لیکن اس پر امام رازی کا اعتراض قوی نہیں ہے، کیونکہ کفر اور شرک کے باوجود ماں باپ کے ساتھ نرمی سے کلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھئے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، اس نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے نرم گفتاری کا حکم دیا:

إِذْ هَبْنَا إِلَيْنِي فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۖ فَفُتُّوْا لَهُ قَوْلًا
لِّتُنَاسِخَ لَهٗ بَشَرًا مِّمَّنْ خَلَّيْنَا ۚ إِنَّ فِرْعَوْنَ لَكَاظِمٌ

(اے موسیٰ اور ہارون!) آپ دونوں فرعون کے پاس جاسیے، یہ شک اس نے بہت سرانجام دیا ہے، آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں، تاکہ وہ فصاحت قبول کرے یا ڈرے۔

اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو آپ اس سے اس قدر سختی اور شدت کے ساتھ بات نہ کرتے، لہذا ثابت ہوا کہ وہ آپ کا باپ نہیں، چچا تھا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی کراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ (الانعام: ۷۷) اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو وہ اس سے اس قدر لہانت آمیز کلام نہ فرماتے۔

اس بحث کے بعد امام رازی نے لکھا ہے کہ رہے ہمارے اصحاب تو ان کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد کافر تھے، اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں تصریح ہے کہ آزر کافر تھا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا۔

(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ، طبع قدیم)

ہم اس قول کی شناخت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ امام رازی صحیح العقیدہ تھے، دین اسلام کے لیے ان کی بڑی خدمات ہیں اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قول سے رجوع کی توفیق دی۔ جس دلائل کو انہوں نے تفسیر کبیر میں رد کر دیا ہے، اسرار التنزیل میں ان ہی دلائل سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین اور آپ کے تمام آباء کرام کا ایمان ثابت کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے، ہم اس کا اقتباس یہاں پیش کر رہے ہیں۔

ابوین کریمین کے ایمان کے متعلق امام رازی کا صحیح موقف

مسئلہ ثانی: نبی ﷺ کے والدین سے شرک ثابت نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے جد اکرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین خلیفہ پر تھے، جیسا کہ عرب کی ایک جماعت اس دین پر تھی۔ مثلاً زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہ، اور یہ علماء کی ایک جماعت کا مسلک ہے۔ ان ہی میں سے امام محمد بن زید بن زبیر ہیں، انہوں نے اپنی کتب اسرار التنزیل میں لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے ایک قول یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا اور اس پر کئی وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہیں تھے اور اس پر کئی دلائل ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الذی یراکھ حین تقوم وتقلبک فی المساجد" اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کا اور ایک مساجد سے دوسرے مساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اس تقدیر پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے اور آپ قطعی طور پر یہ کہنا واجب ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کافروں میں سے نہیں تھے اور آزر آپ کا چچا تھا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا

سکا ہے کہ ”وَنَقْلِبَكَ فِي السَّاجِدِينَ“ کے اور بھی کئی محال ہیں اور جب کہ ہر محل کے متعلق ایک روایت وارد ہے اور ان میں باہم کوئی منکالت بھی نہیں ہے تو اس آیت کو ان تمام محال پر محمول کرنا واجب ہے اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدیت پر ستوں میں سے نہیں تھے۔ پھر امام رازی نے فرمایا سیدنا محمد ﷺ کے تمام آیات کے مشرک نہ ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رموں کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”انما المشرك كون نجس“ مشرک محض ناپاک ہیں پس واجب ہوا کہ آپ کے اجداد کرام سے کوئی محض مشرک نہ ہو۔ امام رازی کا کلام ختم ہوا۔

تم امام رازی کی امامت اور جلالت پر غور کرو، وہ اپنے زمانہ میں اہل سنت کے امام ہیں اور بدعتی فرقوں کا رد کرنے والے ہیں اور وہ اپنے زمانہ میں مذہب اشاعہ کے ناصر اور موبد ہیں اور وہی چھٹی صدی ہجری میں ایسے عالم ہیں جو اس مسئلہ کے لیے بہ طور مجدد بھیجے گئے ہیں اور میرے نزدیک امام غفرلہ دین رازی کے مذہب کی تائید میں اور بھی دلائل ہیں۔

(الحادی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۰ مطبوعہ فیصل آباد)

امام رازی نے یہ بحث اسرار المتربیل و انوار التویل ص ۲۷۸-۲۷۹ مطبوعہ بغداد ۱۹۸۰ء میں کی ہے۔ یہ کتاب مجھے بعد میں ملی ان شاء اللہ الشرح ۲۸۱ میں اس کتاب سے امام رازی کی اصل عبارات پیش کروں گا۔ ابویں کریمین کے ایمان کی بحث میں حرف آخر

یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ حقدین علماء پر محفل رہا۔ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر منکشف کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی ۵۲۵ھ لکھتے ہیں:

لیکن متاخرین علماء نے حضور ﷺ کے والدین کریمین، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آیات و امامت کا ایمان ثابت کیا ہے اس اثبات کے لیے انہوں نے تین طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ دوسرا یہ کہ ان حضرات کو دعوت اسلام نہ پہنچی، بلکہ یہ حضرات زمانہ فترت میں ہی انتقال کر چکے تھے، ان کو حضور ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہ ملا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین کو خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آپ کے دست اقدس پر دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ اپنی حد ذات میں ضعیف ہے، لیکن متعدد طریق سے اس کی تصحیح اور تحسین کر دی گئی ہے اور یہ بات گویا حقدین سے پوشیدہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت متاخرین علماء پر کھول دی۔ ”والله يخصص برحمته من يشاء“ اس بارے میں رسائل تصنیف کیے اور دلائل سے اس مسئلہ کا اثبات فرمایا، مخالفین کے شبہات کے جوابات دیے۔ ان دلائل اور جوابات کو اگر یہاں نقل کیا جائے تو بہت لمبی ہو جائے گی۔ ان کے رسائل میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

(اشعة اللمعات ج ۱ ص ۷۱۸ مطبوعہ مطبع نجف کربلا، کھٹور)

میں نے ابویں کریمین کے مسئلہ پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ تفسیر کبیر میں امام رازی نے جو گفتگو کی ہے اس سے بہت سے صحیح العقیدہ علماء بھی متشوش تھے اس لیے میں نے چاہا کہ امام رازی کی تفسیر کبیر کی بحث کا جواب لکھوں اور یہ واضح کروں کہ امام رازی نے اس نظریہ سے رجوع فرمایا ہے اور یہی سلف صالحین اور علماء و مفسرین کی نشانی ہے۔ آخر میں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور مجھے اپنی رضا اور اپنے حبیب اکرم ﷺ کی خوشنودی عطا فرمائے اس بحث کی مزید تفصیل کے لیے البقرہ ۷۹ کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

بتوں کی پرستش کا کھلی ہوئی گمراہی ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب ابراہیم نے اپنے (یعنی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ (الانعام: ۸۲)

یعنی تمہاری عبادت کا طریقہ ہر صاحب عقل سلیم کے نزدیک کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے اور اس سے زیادہ واضح جہالت اور گمراہی کیا ہوگی کہ تم اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَنْجِبُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصافات: ۲۵-۲۶)

خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔

اور یہ بت بالکل برے ہیں، تمہاری فریاد کو نہیں سنتے، نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں۔

ابراہیم نے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کچھ نفع پہنچائیں اور نہ نقصان، تف ہے تم پر (اور تمہارے بتوں پر) جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو پس کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

قَالَ آمْتَعِبْدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (الانبیاء: ۲۲-۲۳)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ بتوں کی پرستش کا بطلان بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۚ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِذُوهُ ۚ إِنَّهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ (الحج: ۱۷)

پھر ایسے کمزور، لاچار، بے حس اور بے جان تراشیدہ پتھروں کو اپنا خدا مانتا اور ان کی پرستش کرنا کھلی ہوئی گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بدوشی دکھائی اور اس لیے کہ وہ کمال یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے ملکوت کا مصداق

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سات آسمان کھل گئے، حتیٰ کہ عرش بھی، پھر انہوں نے ان کو دیکھ لیا اور ان کے لیے سات زمینیں کھل گئیں اور انہوں نے ان کو بھی دیکھ لیا۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان کے ملک کے لوہے اٹھایا گیا تو انہوں نے ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس کے خلاف دعا کی، وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں دوبارہ اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس کے خلاف دعا کی، وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں پھر اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے

دیکھا انہوں نے پھر اس کے خلاف دعا کی تو ان کو برا کی گئی اے ابراہیم! تم مستجاب بندے ہو اور میرے اپنے بندہ کے ساتھ تین محلات ہیں یا تو وہ مجھ سے توبہ کرے تو میں اس کی توبہ قبول فرماؤں گا یا میں اس سے نیک اولاد پیدا کروں گا یا بدکاری میں اس کو ڈھیل دوں گا اور پھر میں اس کو دیکھ لوں گا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ نے شریح حوشب سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۳۶)

قدہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ سے بھاگ کر ایک سرنگ میں چھپ گئے اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق ان کی انگلیوں کے پوروں میں رکھ دیا۔ جب بھی وہ اپنی انگلی کو چومتے تو ان کو رزق مل جاتا۔ جب وہ اس سرنگ سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی حکومت دکھائی ان کو سورج اور چاند اور ستارے اور پلوں اور ایک عظیم مخلوق دکھائی اور ان کو زمین کی حکومت دکھائی تو ان کو پہاڑ سمندر دریا درخت اور ہر قسم کے جانور اور ایک عظیم مخلوق دکھائی۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ ملکوت کی زیادہ بستر تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان اور زمین کا ملک دکھایا اور جو چیزیں ان میں پیدا کی گئی ہیں مثلاً سورج چاند ستارے اور جانور وغیرہ اور ان کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے اور مخلوق کے اعمال میں سے کوئی عمل ان سے مخفی نہیں رہا اور جب وہ گناہ کرنے والوں پر لعنت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کو پہلی کیفیت پر لوٹا دیا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۳۷)

حضرت عبدالرحمن بن عائش جہیز بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی آپ سے کسی نے کہا میں نے آج سے پہلے آپ کو زیادہ خوش نہیں دیکھا آپ نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو۔ میرے پاس میرا رب (خواب میں) نہایت حسین صورت میں آیا۔ اس نے کہا اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا تو ہی خوب جانتا ہے! پھر اللہ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جان لیا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَلِيُخْشِيَ اللَّهَ الْمَوْقِفِينَ"

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۳۲ مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۳۳۱۷۰ طبع جدید دار الفکر شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۳۳۰۰۸ طبع دار الحدیث قاہرہ مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳ طبع قدیم سنن ترمذی ج ۵ رقم الحدیث: ۳۳۳۶ ۳۳۳۵ ۳۳۳۴ شرح السنہ ج ۲ رقم الحدیث: ۳۳۵۵ الشریعہ لاجزی ص ۳۳۲-۳۳۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۶۰۸) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام حکومت اور مخلوق دکھائی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر برقرار رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی ہدایت دی ہے اس کی حقیقت کو جان لیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اور اپنی قوم کی گمراہی اور جماعت پر بصیرت حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ان پر رات کی تاریکی پھیل گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب انہوں نے جگمگاتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ (بھی) ڈوب گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ پھر

جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بڑا ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (الانعام: ۷۹-۷۶)

ستارے، چاند اور سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنا

جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بہت چمک دار ستارہ دیکھا، انہوں نے اپنی قوم سے اثناء استدلال میں فرمایا یہ میرا رب ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول قوم کے سامنے ستارے کی ربوبیت کے انکار کی تمہید تھی اور ان کے خلاف جہت قائم کرنے کا مقدمہ تھا، تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کے موافق ہیں۔ پھر مشاہدہ اور عقل سے اس قول کا رد فرمایا، چنانچہ جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا یہ کیا بات ہوئی؟ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ خدا وہ ہے جس کا تمام کائنات پر غلبہ ہے، وہ تمام دنیا کو ہر وقت دیکھنے والا ہے، ان کی باتوں کو سننے والا ہے، وہ کبھی کسی چیز سے غافل ہوتا ہے نہ غائب ہوتا ہے۔

ستارہ کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام چاند کی الوہیت کو باطل کرنے کے ورپے ہوئے، جو ستارہ سے زیادہ روشن تھا، اور اسی طرح انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے اور جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اپنی قوم کو سننے کے لیے فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں ان کی قوم پر تعریض ہے کہ وہ گمراہی کا شکار ہے، اور اس میں یہ بھیہ ہے کہ جس نے چاند کو خدا المائدہ بھی گمراہ ہے اور اس میں یہ رہنمائی ہے کہ الوہیت کے متعلق صحیح عقیدہ کی معرفت وحی الہی پر موقوف ہے۔

چاند کی خدا کی کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، تمام سیاروں میں سب سے عظیم سیارہ سورج ہے۔ اس کی حرارت، اس کی روشنی اور اس کا نفع سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے، یہ تمام ستاروں اور سیاروں میں سب سے بڑا ہے۔ سو یہی سب کی بہ نسبت الوہیت کے زیادہ لائق ہے اور جب دیگر ستاروں کی طرح سورج بھی ان کے اتق سے غروب ہو گیا، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عقیدہ کی تصریح کی اور اپنی قوم کے شرک سے بیزاری کا اظہار کیا اور فرمایا اے میری قوم! میں ان سب سے بڑا ہوں جن کو تم اپنا رب قرار دیتے ہو، میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے کی طرف اپنا رخ کر چکا ہوں، میں ہر گمراہی کے عقیدہ سے منہ موڑ کر دینِ حنیف، دینِ حق اور دینِ توحید پر ثابت قدم اور برقرار ہوں۔ میں ان مشرکوں کے گروہ سے نہیں ہوں، جو اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمام کائنات کا خالق، اس کا رب اور اس کا ربی ہے، جس کے قبضہ و قدرت میں ہر چیز ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو ”ہذا ربی“ کہنا شک کی بنا پر نہیں تھا

اس استدلال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا یہ میرا رب ہے، یہ آپ نے بطور تنزل فرمایا تھا کہ اگر برسمیل فرض یہ ستارہ میرا رب ہو تو اس کا غروب ہو جاتا اس کے رب ہونے کی تکذیب کرتا ہے اور یا یہاں استغمام محذوف ہے، جس کا آپ نے ذکر نہیں فرمایا کہ کہیں قوم بات اور استدلال مکمل ہونے سے پہلے ہی بدک نہ جائے۔ اس لیے آپ نے سوال کو دل میں رکھ کر فرمایا یہ میرا رب ہے، اور آپ کا فضا تھا کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ توجیہات اس لیے ضروری ہیں کہ نبی ایک آن کے لیے بھی حقیقتاً ستارہ کو اپنا رب نہیں کہہ سکتا اور نہ کبھی اسے اللہ تعالیٰ کی توحید میں تردد ہو سکتا ہے، ہر نبی پیدائشی مومن اور نبی

ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں تصریح ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ کرنے سے پہلے بھی مومن تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُسْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ
عَلِيمِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ
الْتَّمَائِلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ

(الانبیاء: ۵۱-۵۲)

إِنَّ لِلَّذِينَ هُمْ كَمَا أَنْتُمْ قَارِبَاتُ لَوْ حَبِثْنَا وَلَمْ
يَكُنْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِراً لِنِعْمِهِ
إِجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

(السجۃ: ۲۱-۲۰)

استدلال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا

ان آیات میں الوہیت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات کے لیے مناظرہ کا ثبوت ہے اور یہ کہ دین حق کے اثبات اور اس کی نصرت کے لیے مناظرہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جو فروغ یا غائب ہو جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ خدا جسم نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو وہ کسی ایک افق کے سامنے ہوتا تو دوسرے افق سے غائب ہوتا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا اصغلات مخلوق کا عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ جو عمل حوادث ہو وہ خفیر ہو گا اور خفیر خدا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح فروغ ہونے والا خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں بھی تغیر کا معنی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے بلکہ عقائد و دلائل پر مبنی ہوتے ہیں ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس استدلال کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے عقائد و دلائل پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مخلوق کے احوال سے استدلال کیا جائے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ، چاند اور سورج کے فروغ ہونے سے یہ استدلال کیا کہ ڈوبنے والا اور خفیر خدا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ مگر انہوں نے اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ (الانعام: ۸۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مباحثہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم کو اپنے جوں سے ڈرایا اور کہا اگر تم ہمارے خداؤں کی مخالفت کرتے رہے تو تم ہر صبح میں جلا ہو جاؤ گے یا تمہارے اعضاء خراب ہو جائیں گے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ مگر انہوں نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۳۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا ہے جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان

کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے مطلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ پس ہر دو فرق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو۔ (الانعام: ۸۱)

یہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب ہے جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو اپنے بتوں سے ڈرایا تھا کہ اگر تم نے ان کی مذمت کرنا نہ چھوڑی تو تمہیں کوئی آفت یا مصیبت پہنچے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں ان بتوں سے کیسے ڈروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جو کسی کو نفع پہنچانے یا اس کو ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی چیز پر کچھ قادر ہوتے تو جس وقت میں نے ان کو کھاڑے سے گلاے گلاے کیا تھا اسی وقت میرا کچھ بگاڑ لیتے اور میں ان بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جو کسی نفع اور نقصان پر قادر نہیں ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون مامون اور محفوظ ہے؟ جو اس کی عبادت کرتا ہے جس کی قدرت میں نفع اور ضرر پہنچاتا ہے یا وہ جو اس کی عبادت کرتا ہے جو کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ علم کو نہیں ملایا، ان ہی کے لیے ہے خونی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (الانعام: ۸۲)

اس مباحثہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان جو مباحثہ ہوا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ سنایا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے وہی محفوظ رہے گا جس نے اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کی ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کی آمیزش نہ کی ہو اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب ہے جب انہوں نے فرمایا میں ہر دو فرق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ علم کو نہیں ملایا تو وہی دنیا اور آخرت میں محفوظ اور مامون ہونے کے زیادہ حقدار ہیں، لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔

اس آیت میں علم سے مراد شرک ہے، کیونکہ علم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا اور جو شخص غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ عبادت کو اس کے محل میں نہیں رکھتا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "الذین آمنوا ولم يلبسوا ایمانہم بظلم" (الانعام: ۸۲) تو یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پر بہت دشوار ہوئی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اپنی جان پر کچھ نہ کچھ علم کرتا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کا یہ معنی مراد نہیں ہے۔ کیا تم نے عقلمان کا اپنے بیٹے کے مطلق یہ قول نہیں سنا کہ شرک علم عظیم ہے۔

(صحیح ابوداؤد: ج ۱، رقم الحديث: ۴۲۰۳، سنن الترمذی: ج ۵، رقم الحديث: ۳۰۷۸، السنن الکبریٰ للبخاری: ج ۱، رقم الحديث: ۳۲۱۱، مسند احمد: ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۳۱، السنن الکبریٰ للبخاری: ج ۶، ص ۱۸۵، جامع البیان: ج ۷، ص ۳۳۱-۳۳۲)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ

یہ حق ہماری وہ تری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی ،

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأٍ ۖ إِنَّ رَأْيَكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ وَهَبْنَا

ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بیشک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ۝ اور ہم نے ابراہیم کو

لَهُ اسْحَقَ وَيَعْقُوبَ ۖ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ

اسحاق (بٹیا) اور یعقوب (پوتا) عطا کیے، اور ہم نے سب کو ہدایت دی، اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی

وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ

اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ

ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نبی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں ۝ اور زکریا اور یحییٰ

وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۚ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٥﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

اور عیسیٰ اور ایلیاس، یہ سب صالحین میں سے ہیں ۝ اور اسمعیل اور اسحاق

وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾ وَمِن آبَائِهِمْ

اور یونس اور لوط، اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی ۝ اور ان کے باپ اور

وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ

اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان سب کو صراط

مُسْتَقِيمٍ ﴿٨٧﴾ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِّنْ عِبَادِهِ ۖ

مستقیم کی ہدایت دی ۝ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے نیک عمل ضائع ہو جاتے ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن کو

آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ

ہم نے کتاب اور حکم و نبوت عطا کی تھی، پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں تو کوئی

وَكُنَّا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَفِرِينَ ۝ اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰى

حرج نہیں، ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے ۝ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے

اللَّهُ فَبِهٰدٰىهِمْ اَقْتَدِهٖ قُلْ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا

ہدایت ہی ہے، اور آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں، آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ اسلام) پر تم سے کوئی سادہ طلب نہیں کرتا، یہ تو صرف

ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ تمہی ہماری وہ قوی دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۸۳)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیئے ہوئے ان تمام دلائل کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آچکا ہے۔ ان کی قوم کے کافروں نے کہا تھا کہ تم ہمارے بتوں کی مخالفت کرتے ہو، اس لیے ہمیں ان کی مخالفت کی وجہ سے کوئی آفت یا مصیبت پہنچ جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کی آمیزش نہیں کی، وہی لوگ ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی آفت اور مصائب کا شکار رہتے ہیں۔ پھر یہ کتنا کس طرح صحیح ہو گا کہ ایمان والے دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ آفت اور مصائب انسان کی اپنی بعض بد اعمالیوں کے سبب سے لاحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَتَعْفُو عَنْ کَثِیْرٍ (الشوری: ۳۰)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو وہ تمہارے اپنے کرتوتوں کے جب تمہیں پہنچی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صلح مندوں کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور اس آزمائش میں ان کی استقامت اور ان کا ضبط اور صبر ان کے تقرب اور ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو جو بلند درجات عطا فرمائے گا، تو اس کی دلیل اور حجت کے طور پر آفت، مصائب اور مشکلات میں ان کی استقامت اور ان کے صبر و ضبط کو ظاہر فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَحْسِبَ النَّاسَ اَنْ یُّخْرِکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ (العنکبوت: ۲۴)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ (مخلص) ان کے اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ

اور ہم تم کو کچھ خوف اور بھوک اور مال اور جان اور

پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنائیے جب ان لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں 'بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تَقْصِرَ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالتَّحَرُّتِ وَتَنْشِيرَ الْعُسْبِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (البقرہ: ۱۵۵-۱۵۷)

انبیاء علیہم السلام علماء اور مومنین کے درجات کی بلندی

نیز اس آیت میں فرمایا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے ان کے درجات بلند کرتے ہیں۔ یہ درجات ایمان، علم و حکمت اور نبوت کے درجات ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُلَٰكُكَ الرُّسُلُ قَطْلًا نَّعَصْتَهُمْ عَلَىٰ تَعْصٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (البقرہ: ۲۵۳)

یہ سب رسول ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کسی کو (سب پر) درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے۔

رسولوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور علماء کے درجات کی بلندی کا بھی ذکر فرمایا ہے:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ دَرَجَاتٍ (المجادلہ: ۱۷)

تم میں سے جو لوگ کامل ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اجر و ثواب کے اعتبار سے ان کے درجات بلند فرمائے گا۔ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کی قوت اور ظہر کے اعتبار سے دنیا میں بلند درجہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے سب کو ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (الانعام: ۸۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تسلسل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ نعمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار کے مقابلہ میں حجت اور دلیل کے اعتبار سے غالب اور سرخرو کیا اور دوسری نعمت یہ تھی کہ ان کے درجات بلند فرمائے اور تیسری نعمت یہ ہے کہ ان کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہ دونوں بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے ان کے پاس فرشتے آئے اور ان کو حضرت اسحق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔ اس بشارت سے حضرت سارہ کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا

قَالَتْ يَوَٰئِلَتِي مَآ لِيذَٰلِكَ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ الثَّوْرِ حَمَتِ الثَّوْرُ وَبَرَكَتُهُ سَارَہ نے کہا ہائے افسوس! کیا میں بچہ جنوں کی حاملہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر (بھی) بوڑھے ہیں، بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے حکم سے

عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَبِيبٌ مَحْبُودٌ ۝
 (ہود: ۷۳-۷۴) اور برکتیں ہوں، ہے شک وہی ہے تعریف کیا ہو بڑی بزرگی والا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کے نبی ہونے کی بشارت دی:
 وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ
 (الصافات: ۵۷) سے ہیں۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں

اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کے بعد حضرت سارہ کو ان کے پوتے حضرت یعقوب کی بشارت دی:
 فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَ مِنْ قُرْآنٍ إِسْحَاقَ
 (ہود: ۷۱) یعقوب کی۔

حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل کو ذکر کرنے کی وجہ
 اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے حضرت اسحاق کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے پوتے ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کا ظہور اول حضرت اسحاق کی پیدائش سے ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جگہ انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر کرنا مقصود ہے اور بنو اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی اولاد سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت اور حکمت سے نوازا تھا اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بڑی نعمت ہے ان کے بعد اکرم نبی تھے۔ وہ خود بھی نبی تھے اور ان کی اولاد میں بھی انبیاء علیہم السلام ہیں۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام یہ سب ان کی ذریت طیبہ ہے۔

ذُرِّيَّتُهُ لَبَّسُوا مِسْرًا ۖ تَفْعُضُ (آل عمران: ۳۳) ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ من دربتہ کی ضمیر حضرت ابراہیم کی طرف راجع ہے یا حضرت نوح کی طرف۔ اگر یہ ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہو تو اس آیت کا معنی ہو گا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر یہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہو تو یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد قرار پائیں گے۔ اس اعتبار سے تو یہ مناسب ہے کہ اس کلام کا سیاق و سباق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نعمتوں کا بیان ہے اور یہ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ یہ سارے انبیاء علیہم السلام ان کی اولاد ہیں، لیکن اس پر اعتراض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلی بیٹے نہیں ہیں، بلکہ وہ ان کی بیٹی حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور دور کی پشتوں میں جا کر آپ کے نواسے ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی اولاد کا اطلاق کس طرح درست ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کی مزید تفصیل ان شاہ اللہ ہم آیت ۸۵ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب صالحین میں سے ہیں۔ (الانعام: ۸۵)

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ من دربتہ کی ضمیر کا مرجع حضرت نوح ہیں یا حضرت ابراہیم۔

ابو ذریا یحییٰ بن زیاد القراء المتوفی ۳۰ھ نے لکھا ہے یہ ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہے۔ (معانی القرآن ج ۱ ص ۳۳۲)
نواسوں کا اولاد میں داخل ہونا

امام ابن ابی حاتم متوفی ۲۴۱ھ ابو لاسود سے روایت کرتے ہیں کہ حجاج نے یحییٰ بن یصور کو بلا کر کہا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ حضرت حسن اور حضرت حسینؑ کی بیویوں کی اولاد ہیں۔ کیا قرآن مجید میں اس پر کوئی دلیل ہے؟ میں نے اول سے آخر تک قرآن مجید پڑھا مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں ملی یحییٰ بن یصور نے کہا تم نے سورۃ الانعام کی یہ آیت نہیں پڑھی ومن ذریئہ الہی قولہ وبیحسی وعیسیٰ اس نے کہا کیوں نہیں مانوں نے کہا کیا حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں؟ حنانکہ ابن کا کوئی باپ نہیں ہے۔ حجاج نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۳ ص ۱۳۳۵ مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض ۱۴۱۷ھ)

ابو اسحق ابراہیم الزجاج المتوفی ۳۱۶ھ نے لکھا ہے جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں۔

(معانی القرآن و اعرابہ لاجاج ج ۲ ص ۲۶۹ مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۰۸ھ)

قاضی عبدالحق بن غالب بن علیہ اندلسی متوفی ۵۳۶ھ لکھتے ہیں:

حجاج نے کہا ہے کہ من ذریئہ کی ضمیر کا ابراہیم کی طرف پوچھا بھی جائز ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ ان انبیاء میں حضرت لوط علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ ان کے بھتیجے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے بھائی ہیں اور جو شخص ماموں پر باپ کا اطلاق کرتا ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف لوثی ہے اور یہ بہت مناسب ہے۔

(الحرد الوجیز ج ۶ ص ۹۷ مطبوعہ مکتبہ تہاد یہ مکہ مکرمہ)

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ ماموں بھی والد ہے اور چچا بھی والد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی ان کے ماموں کی طرف نسبت کی ہے اور فرمایا "ومن ذریئہ الہی قولہ) و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ والیاس کل من الصالحین۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۳ ص ۱۳۳۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض ۱۴۱۷ھ)

نواسوں کو اولاد میں شمار کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ مذکور انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس آیت میں حضرت یونس اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر بھی کیا گیا اور وہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں حضرت لوط ان کے بھتیجے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے بھائی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی طرف منسوب ہیں اگرچہ ان میں بعض انبیاء ایسے ہیں جو ماموں اور باپ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے نہیں ہیں کیونکہ حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھائی کے بیٹے ہیں اور عرب چچا کو باپ کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے نقل فرمایا ہے انہوں نے کہا

نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَ

ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ

ظہان القرآن

إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ (البقرہ: ۱۲۳)

دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں
گے۔

حلائکہ حضرت اسماعیلؑ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریعہ سے شمار فرمایا ہے، حلائکہ وہ ان کی بیٹی کے بیٹے ہیں، اسی بناء پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد نبیؐ چچہ کی ذریعہ سے ہے اور جو فقہاء بیٹیوں کی اولاد کو بھی اولاد میں داخل کرتے ہیں، وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت حسنؓ کو لے کر آئے اور ان کو منبر پر چڑھایا، پھر آپ نے فرمایا میرا یہ چچا سید ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اسی کے حب سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۹، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحديث: ۳۷۹۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحديث: ۳۶۳۳، سنن النسائی، ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۹۹، صحیح ابن حبان، ج ۵، رقم الحديث: ۳۷۳، مسند احمد، ج ۷، رقم الحديث: ۲۰۴، طبع جدید، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۳، طبع قدیم، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحديث: ۲۵۹، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۷۵)

ہمیں کسی کے متعلق یہ علم نہیں ہے کہ اس نے بیٹیوں کی اولاد پر حق کے بتا کی اولاد کے اطلاق کو ناجائز کہا ہو اور لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ولد (بیٹا) کا لفظ تولد سے مشتق ہے اور وہ لاحقہ اپنی ماں کے باپ سے متولد ہیں۔ سو قرآن مجید کی آیت ”وَمَنْ ذَرِيَّتُهُ“ (الانعام: ۸۳) اس حدیث اور لغت سے یہ ثابت ہے کہ کسی شخص کی بیٹی کی اولاد پر بھی اس شخص کی اولاد کا اطلاق ہوتا ہے، اس سے حسب ذیل مسئلہ ختم ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی اولاد اور لولاد کی اولاد کے لیے کسی جائیداد کو وقف کیا تو اس میں اس کی بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی، اسی طرح جب کسی شخص نے اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کی تو اس میں بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم کو قرابت شامل ہے، اور ان کے نزدیک اس وصیت سے بچا، پھر بھی، ماہوں اور غلام کے بیٹے ساقط ہو جائیں گے، کیونکہ وہ محرم نہیں ہیں اور امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم اور اس کے غیر کو قرابت شامل ہے، سو ان کے نزدیک اس وصیت سے بچا کا بیٹا اور اس کا غیر ساقط نہیں ہوگا، اور امام مالک کے نزدیک اس وصیت میں بیٹیوں کی لولاد داخل نہیں ہوگی اور اس کا اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وصیت کرنے کی مثل ہے اور اس وصیت میں بیٹے کی لولاد داخل ہوگی اور بیٹیوں کی لولاد داخل نہیں ہوگی۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اسی طرح ہے۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (النساء: ۱۱)

اللہ تمہاری اولاد (کے حصوں) کے متعلق حکم دیتا ہے۔

تمام مسلمان اس آیت کا یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں اولاد سے مراد صلی اولاد ہے اور خصوصاً بیٹا مراد ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ (الانفال: ۳۲)

رسول کے لیے اور اس کے قرابت داروں کے لیے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ حصص قرابت و اردوں میں سے بچا کر دیئے، مہموں کو نہیں دیئے، اسی طرح عرف میں بیٹیوں کی اولاد ان کے بھائی کی طرف منسوب نہیں کی جاتی اور شجرہ نسب میں وہ بھائی کے ساتھ نہیں لگتی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

بچی کی اولاد پر اولاد کے اطلاق اور اولاد میں اس کے داخل ہونے پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ حَاكَمَكَ فَيَوُفُّ مَعَهُ مَآجِدًا كَذِبًا
الْيَعْلِمُ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَآبَاءَكُمْ وَ
يَسَاءَ تَأْوِيلُ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ وَآتُفَسِّسُوا أَنْفُسَكُمْ ثُمَّ
تَبْتَهِلُ فَتَجْعَلُ الْكُذِبَ عَلَى
الْكُذِبِ ۚ (آل عمران: ۶۱)

پھر (اے رسول مکرم!) آپ کے پاس وحی آنے کے بعد بھی جو لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق بحث کریں تو آپ (ان سے) کہیں، "آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو بلا لیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے آپ کو اور تم اپنے آپ کو" پھر ہم عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کریں اور ہمہ تنوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے بیٹوں کے لیے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا تھا اس سے واضح ہوا کہ بچی کی اولاد بھی اولاد میں داخل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ، امام سعید بن منصور، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر اور امام ابو نعیم شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ اہل نجران عیسائیوں کی ایک بڑی قوم تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق ایک عجیب بات کہی اور وہ نبی ﷺ سے اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مہلکہ کرنے کا حکم دیا۔ صبح کو نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں، تو انہوں نے مہلکہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر صلح کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے سب نے بشارت دی تھی حتیٰ کہ درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں نے بھی کہ اگر یہ مہلکہ کرتے تو تمام اہل نجران ہلاک ہو جاتے۔

امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن المنذر، امام حاکم اور امام بیہقی نے (اپنی سنن میں) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل تعالوا نَدْعُ آبَاءَنَا وَآبَاءَكُمْ" تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا اے اللہ! یہ سب میرے اہل بیت ہیں۔

(در مشورہ ج ۳، ص ۲۳۲-۲۳۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۸۰ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بچی کی اولاد کو بیٹا کہنا یہ نبی ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اور ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) کے اس مسئلہ میں تلفظ فتویٰ ہیں اور میرا رجحان یہ ہے کہ بچی کی اولاد اولاد میں داخل ہے۔

(روح الباقی ج ۷، ص ۲۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت الیاس کانسب اور ان کا مصداق

حضرت الیاس علیہ السلام کے نسب اور ان کے مصداق میں اختلاف ہے۔ امام ابن جریر متوفی ۵۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور یس الیاس ہیں اور اسرائیل یعقوب ہیں۔

اور اہل انساب نے یہ کہا ہے کہ اور یس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے جد (دادا) ہیں۔ وہب بن منبہ سے اسی طرح مروی ہے، کیونکہ اس آیت میں حضرت الیاس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت قرار دیا ہے تو پھر وہ حضرت اور یس کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ حضرت اور یس علیہ السلام تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں اس لیے اہل انساب کا قول صحیح ہے۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۳۳۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود جرحیہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت اور یس ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۳، ص ۳۳۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۹۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم نے یہ وہم کیا ہے کہ المسیح ہی الیاس ہیں، ملائکہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت المسیح حضرت الیاس کے شاگرد ہیں اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت اور یس ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت اور یس حضرت نوح کے دادا ہیں اور حضرت الیاس ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت خضر ہیں اور وہ سراقول یہ ہے کہ نہیں، بلکہ حضرت المسیح حضرت خضر ہیں۔

(جامع البیان، ج ۷، ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے حضرت الیاس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے، الیاس بن یس بن فہام بن العیر بن ہارون۔ یہ وہ ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کے بھائی ہیں۔ قسی نے نقل کیا ہے کہ حضرت الیاس حضرت یوشع کے نواسے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل کے نواسے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے کہا وہ اور یس ہیں، اور امام ابن اسحاق نے حضرت اور یس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے، اور یس بن یرد بن عاتیل بن انوش بن قینان بن شیش بن آدم اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت نوح اور حضرت اور یس کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ (روح المعانی، ج ۷، ص ۲۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسماعیل اور المسیح اور یونس اور لوط اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہنم والوں پر فضیلت دی اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو جن لیا اور ان سب کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دی (الانعام: ۸۶-۸۷)

علامہ قرطبی نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت المسیح حضرت الیاس کے صاحب تھے اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں ایک نوع کی مناسبت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں۔ پھر ان کی اولاد میں سے چودہ نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہیں۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت الیاس، حضرت اسماعیل، حضرت المسیح، حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام اور یہ کل اٹھارہ نبیوں کا ذکر ہے۔

جب متعدد شخصیات کا ذکر ہو تو ان کے درمیان ترتیب یا تو سخن و قات کے اعتبار سے ہوتی ہے اور یا فضل اور شرف کے اعتبار سے ترتیب ہوتی ہے۔ امام رازی نے یہاں ترتیب کی ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حصول ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک، سلطنت اور قدرت کی عظیم نعمت عطا فرمائی تھی۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا، انہیں مصائب میں مصروف و مضطرب اور آزمائش میں ثابت قدم رہنے کی بہت بڑی نعمت عطا فرمائی تھی اور ان کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا، وہ ان دونوں نعمتوں کے جامع ہیں۔ پہلے انہوں نے سخت مصائب برداشت کیے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک اور سلطنت سے نوازا۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام پر نعمتوں کا دوسرا سلسلہ ہے۔ وہ ان کے معجزات کی قوت اور ان کے دلائل اور براہین کی کثرت ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو یہ نعمت پوری طرح حاصل تھی۔ لہذا ان کا ذکر فرمایا، اس کے علاوہ نعمت کی ایک قسم ہے دنیا سے ترک تعلق کر کے زاہدانہ زندگی گزارنا اور حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس اس نعمت کے حامل ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو صالحین کے وصف کے ساتھ متصف کیا ہے۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ایک وہ نوع ہے جن کے دنیا میں ہیروکار باقی نہیں رہے اور وہ یہ ہیں۔ حضرت اسماعیل، حضرت الہسع، حضرت یونس اور حضرت نوح علیہم السلام۔ ان انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں یہ ایک عمدہ مناسبت ہے جس کو امام رازی نے مستنبط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہم نے ان کو ہدایت دی، اس کا معنی ہے ہم نے ان کو جنت کے راستوں کی طرف ہدایت دی، یا اس کا معنی ہے ہم نے ان کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے اور محاسن اخلاق کو حاصل کرنے کی ہدایت دی۔

انبیاء علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان (سب) انبیاء کو تمام جنات والوں پر فضیلت دی اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں، کیونکہ عالم کالفاظ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود کو شامل ہے اور ملائکہ بھی عالمین میں داخل ہیں۔ سو اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں اور اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لیے سجدہ کا حکم دیا جائے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء کی تعلیم دی اور پھر فرشتوں سے ان چیزوں کے متعلق سوال فرمایا اور جب وہ ان چیزوں کے نام نہ بتا سکے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا آپ انہیں ان چیزوں کے نام بتائیں اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیے تو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ سورہ بقرہ ۳۳-۳۴ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی فرشتوں سے افضل ہوتا ہے اور جو تھی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں شہوت اور غضب کو رکھا ہے جو علی اور عملی کمالات کے حصول سے مانع ہیں، پھر اس میں فحش، خائلی اور تمدنی ضروریات اور حاجات رکھی ہیں اور کمزوریاں اور بیماریاں رکھی ہیں جو فضائل اور محاسن کے حصول سے مانع ہوتی ہیں اور فرشتوں کے اندر ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ ہر وقت تسبیح، تہلیل اور عبادت کرتے ہیں اور ان کے لیے کوئی چیز مانع اور حائل نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مشاغل، صوارف اور موانع کے باوجود معرفت الہی اور عبادات میں کمال حاصل کرنا زیادہ اخلاص اور فضیلت کا موجب ہے۔ اس لیے عام اور خاص ملائکہ سے انبیاء علیہم السلام افضل ہیں اور عام ملائکہ سے کمال مسلمان اور عبادت گزار مومنین افضل ہیں، لیکن وہ خاص ملائکہ یعنی رسل ملائکہ سے افضل نہیں ہیں، بلکہ رسل ملائکہ ان سے افضل ہیں اور فسق، فجار اور کفار سے عام ملائکہ بھی افضل ہیں۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام اولیاء سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کو اعلیٰ ترین فضیلت دی ہے اور اعلیٰ ترین میں اولیاء کرام بھی داخل ہیں۔

یہ ظاہر اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ سے بھی افضل ہوں، کیونکہ اس میں فرمایا ہے ہم نے ان (سب) کو العلیٰ میں پر فضیلت دی ہے اور العلیٰ میں ہمارے نبی بھی داخل ہیں۔ اس لیے مفسرین نے اس آیت میں یہ قید لگائی ہے کہ ان سب کو اپنے اپنے زمانوں میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے، ان کے علاوہ قرآن مجید میں سات انبیاء علیہم السلام کا اور ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں: حضرت آدم، حضرت اوریس، حضرت حود، حضرت ذوالکفل، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد خاتم الانبیاء و المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

ان آیتوں میں اس پر دلیل ہے کہ جس رسول نے سب سے پہلے حلال اور حرام اور دیگر شرعی احکام بیان کیے، وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے نیک اعمال ضائع ہو جاتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی تھی۔ پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں (تو کوئی حرج نہیں) ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرمادیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے۔ (الانعام: ۸۸-۸۹)

اللہ کی ہدایت

یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اس سے مراد وہ ہدایت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو ہدایت دی ہے اور ان کو دین حق کے ساتھ متصف ہونے کی توفیق دی ہے، جس کے سبب سے انہوں نے دنیا اور آخرت کی عزت اور کرامت کو حاصل کیا اور اللہ کی ہدایت کا معنی ہے اللہ کی توحید کا اقرار کرنا، ہر قسم کے شرک سے انکار، مجتنب رہنا اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنا۔ پھر فرمایا (بہ فرض محال) اگر ان نبیوں اور رسولوں نے بھی شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کی آمیزش کے ساتھ کسی نیک عمل کو قبول نہیں فرماتا۔ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لیے تعریف ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اگر انہوں نے بالفرض شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے تو ان کی امتیں کس گنتی شمار میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ وہ انبیاء ہیں جن کو ہم نے کتابیں دی ہیں ان کتابوں سے مراد حضرت ابراہیم کے صحیفے ہیں اور حضرت موسیٰ کی تورات ہے، حضرت داؤد کی زبور ہے اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی انجیل ہے اور حکم سے مراد ہے کتاب اللہ میں مذکور احکام کی قسم اور معرفت اور نبوت کا معنی ہے اللہ کی طرف سے غیب کی خبریں اور احکام شریعہ حاصل کر کے بندوں تک پہنچانا۔

پھر فرمایا اگر اہل مکہ نے میری کتاب کی ان آیات کا کفر اور انکار کیا تو میں نے ان آیات پر ایمان لانے کے لیے ایسی قوم کو مقرر کیا ہے جو اس کا انکار نہیں کریں گے۔ ابن جریج نے کہا اس قوم سے مراد اہل مدینہ اور انصار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اہل مدینہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے اہل ایمان کے لیے مدینہ میں جگہ بنا چکے تھے۔ قتادہ نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اگر قریش نے ہماری آیات کی تکذیب کی (تو کیا نقصان ہے) ہم نے اس سے پہلے

’ٹھارہ نبیوں کا ذکر کیا ہے جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں۔ امام ابن جریر نے اسی تفسیر کو رائج قرار دیا ہے۔

(جامع البیان ’ج ۷‘ ص ۳۳۵-۳۳۲‘ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ آپ کہتے ہیں اس (تبلیغ اسلام) پر تم سے کوئی مخلوق طلب نہیں کرتا یہ تو صرف تمام جن والوں کے لیے نصیحت ہے۔ (الانعام: ۹۰)

اس آیت کا معنی ہے اے رسول مکرم! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور جس منہاج پر یہ چلتے رہے ہیں اس منہاج پر چلیں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے آپ اس طرح زندگی گزاریں اور ان تمام نبیوں اور رسولوں کے جس قدر محاسن اور خوبیوں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کر لیں۔ اس آیت میں نبی کریم کی عظیم منقبت ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو خوبیاں اور کمالات الگ الگ اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ سب کمالات آپ کی ذات میں جمع ہو گئے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام مالک بن انس اسکی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ کریم نے فرمایا میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(الموطا‘ رقم الحدیث: ۱۶۷۷‘ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۰۶۷-۵۰۶۶)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کریم نے فرمایا مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(المستدرک ’ج ۲‘ ص ۳۳‘ سنن کبریٰ لطیفی ’ج ۲‘ ص ۱۳۳‘ الاستذکار ’ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۸۴۲‘ مسند احمد ’ج ۹‘ رقم الحدیث: ۸۹۳۲‘ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے‘ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ‘ مسند احمد ’ج ۲‘ ص ۳۸۸‘ طبع قدیم کنز العمال ’ج ۹‘ رقم الحدیث: ۳۱۵۹۹)

امام احمد بن عمر حسی بزار متوفی ۴۳۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کریم نے فرمایا مجھے صرف مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

(مسند البراء ’ج ۳‘ رقم الحدیث: ۷۳۷۰‘ المعجم الاوسط ’ج ۷‘ رقم الحدیث: ۶۸۹۰‘ علل التیشی نے کہا امام بزار کی سند صحیح ہے‘ مجمع الزوائد ’ج ۹‘ ص ۱۵۰‘ طبرانی کی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے‘ الدر المنثور رقم الحدیث: ۱۶۸)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہمارے رسول کریم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ صفات کمال اور فاضل شرف اس میں متفق ہیں۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نعت پرست شکر کرنے والے تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام آزمائشوں پر بہت صبر کرنے والے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام صبر اور شکر کے جامع تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی شریعت کے بانی اور غالب معجزات کے حامل تھے اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہم السلام زہد میں رائج قدم رکھتے تھے۔ حضرت اسماعیل پر صدق ملب تھا اور حضرت یونس اللہ

کی بارگاہ میں بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء علیہم السلام کا یہاں ذکر فرمایا ہے ان میں سے ہر ایک پر شرف اور فضیلت کی کوئی نہ کوئی صفت غالب تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وہ ان تمام انبیاء کی اتباع کریں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ عیون اور اطاعت کی کل صفات جو ان تمام انبیاء علیہم السلام میں متفق طور پر پائی جاتی ہیں آپ تمام ان صفات سے متصف ہو جائیں اور خصائل رفیعہ اور شائکھ جلیلہ کو اپنی ذات میں جمع کر لیں اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تو یہ محل ہے کہ آپ ان صفات کمال کے حصول میں کوئی کوتاہی کریں۔ پس ثابت ہوا کہ شرف اور فضیلت کی یہ تمام صفات آپ کی ذات میں جمع ہو گئیں اور جو کمال تمام انبیاء علیہم السلام میں متفق تھے وہ سب آپ کی ذات مبارکہ میں جمع ہو گئے۔ لہذا یہ کمال واجب ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ مصر)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہنے میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی معاذہ طلب نہیں کرتا اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت یہ تھی کہ وہ دین کو پہنچانے اور شریعت کی تبلیغ کرنے پر اجر اور معاذہ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے تو آپ نے بھی ان کے طریقہ کی پیروی کی اور فرمایا میں دین کے پہنچانے کے عوض تم سے کسی معاذہ کا مطالبہ نہیں کرتا اور یہ قرآن تو تمام جنات والوں کے لیے نصیحت ہے یعنی تمام انسانوں کو اپنی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کی طرف مبعوث ہیں نہ کہ کسی ایک قوم کی طرف۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۚ قُلْ مَن أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں

کیا، آپ کہیے پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے، وہ لوگوں کے لیے نور اور

لِلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۚ

ہدایت تھی، تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنائے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو اور

عَلَيْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ وِلَآٰءُكُمْ قُلِ اللَّهُ شَٰدِدُهُمْ

نہیں وہ علم دیا گیا جس کو تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہیے اللہ ہی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے (پھر ان کو ان

فِي خُوفِهِمْ يَلْعَبُونَ ۚ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ

کی گنج بخش میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں ۝ یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والا ہے، یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ

کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ کو والدین اور اس کے گرد نزاح کے لوگوں کو (مذاسب) ڈرائیں اور ان

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩٢﴾

لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے اور اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ○

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے

وَلَمْ يُوْحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ

ملائکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل

اللَّهُ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ

کی ہے، اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے

بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ

ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا

الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ

دی جائے گی کیوں کہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے

آيَتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْتُمْ

تکبر کرتے تھے اور بیشک تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ

تنہا پیدا کیا تھا اور جو کہ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان

شُفَعَاءَ كَمَا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَدْ تَقَطَّعَ

سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھ رہے ہیں جن کے متعلق تم یہ گھنڈہ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں ہمارے

شہیدان القرآن

بَيْنَكُمْ وَصَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ع

شریک ہیں، بیشک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور جن پر تم گمراہ کرتے تھے وہ تم سے جاتے رہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی قدرت کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ آپ کہتے: پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے؟ وہ لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی، تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنالے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو، اور تمہیں وہ علم دیا گیا ہے جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہتے: اللہ (ہی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان کی کج بھٹی میں کھینٹنے کے لیے چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۹۱)

مناسبت اور شان نزول

قرآن مجید کا موضوع توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کرتا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کردہ دلائل توحید کو نقل فرمایا پھر ان کو مزید مستحکم فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نے رسالت کے اثبات کے لیے دلائل کو ذکر فرمایا۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے یا مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہودیوں کے متعلق نازل ہونے پر یہ قرینہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے یہود معتقد تھے، اس لیے اس آیت میں جو معارضہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی بشر کوئی چیز نازل نہیں ہوتی تو تھوڑا سا موسیٰ پر تو رات کیسے نازل ہوئی؟ یہ معارضہ صرف یہود پر ہی محبت ہو سکتا ہے، مشرکین تو نبوت اور رسالت کے معتقد نہیں تھے۔ تاہم اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ بعض مشرکین اہل کتاب سے سن کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی رسالت کے معتقد تھے، وہ صرف سیدنا محمد ﷺ کی رسالت ماننے سے انکار کرتے تھے اور مشرکین کے متعلق اس آیت کے نزول پر یہ قرینہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور پوری سورت یکبارگی نازل ہوئی ہے اور یہود سے نبی ﷺ کے مناظرے مدینہ منورہ میں ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ آیت مشرکین ہی سے متعلق ہے، لیکن اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ایک آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور نبی ﷺ نے اس آیت کو اس سورت میں رکھوا دیا اور روایات دونوں کے متعلق ہیں۔

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ مالک بن صفیہ نام کا ایک یہودی نبی ﷺ کے ساتھ بحث کر رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات کو نازل کیا ہے۔ کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ مونے عالم کو پسند کرتا ہے اور وہ مونے عالم تھا، وہ غضب ناک ہو گیا، اس نے کہا یہ خدا اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۳۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور مشرکین کے متعلق یہ روایت ہے:

عابد بیان کرتے ہیں کہ مشرکین قریش نے یہ کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، تو اللہ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل کی۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا آخری حصہ جس میں یہ مذکور ہے تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنالے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر

حصہ کو چھپا لیتے ہو یہ اس روایت کو مسترد کرتا ہے، کیونکہ تورات میں تحریف کرنا ہر حال یہودیوں کا کام تھا۔ مشرکین کا کام نہیں تھا اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔
تورات میں تحریف کے متعلق امام رازی کا موقف اور بحث و نظر
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں۔

اس آیت میں تورات کو نور اور ہدایت فرمایا ہے اور یہی نور سے مراد نور معنوی ہے اور ہدایت بھی نور معنوی ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ پہلی جگہ نور سے مراد اس کافی نفسہ ظاہر ہوتا ہے اور دوسری جگہ اس سے مراد دوسروں کے لیے مظہر ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا تم نے اس کے الگ الگ کلمہ بنا لیے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر کتاب کو کلمہوں میں محفوظ کیا جاتا ہے تو اگر یہود نے تورات کو کلمہوں میں محفوظ کر لیا تھا تو ان کی مذمت کس وجہ سے کی جا رہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مذمت کلمہوں میں محفوظ کرنے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کتاب کے دو حصے کر دیئے تھے۔ ایک حصہ لوگوں پر ظاہر کرتے تھے اور اس کا اکثر حصہ چھپا لیتے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہود تورات کو چھپانے پر کیونکر قادر تھے؟ جبکہ وہ مشرق اور مغرب میں پھیل چکی تھی اور بہت سے لوگوں نے اس کو حفظ کر لیا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اب کوئی شخص قرآن مجید سے کچھ آیتوں کو چھپانا چاہے تو اس پر قہر نہیں ہو سکے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تورات میں تحریف کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی آیات کی من گھڑت اور باطل تفسیر کی تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا محمد ﷺ کے متعلق تو تورات میں بہت کم آیات تھیں، اگر آیات کو چھپانے سے مراد ان کا صحیح حمل چھپانا اور ان میں باطل تاویل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا ہے کہ تم اس میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود بعض احکام کی آیات میں بھی باطل تاویل کرتے تھے۔ مثلاً رجم کی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ، مطبوعہ مصر)

یہ امام رازی کی تقریر ہے لیکن اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اور رجم کے متعلق مل کر بھی آیات بہت گلیل ہیں، جبکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ تم اس کا اکثر حصہ چھپا لیتے ہو۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہودی تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی تحریف بھی کرتے تھے اور امام رازی کا اس کو قرآن مجید پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ کسی دور میں بھی تورات کی اشاعت قرآن مجید کی طرح نہیں ہوئی اور نہ اس کے قرآن مجید کی طرح حافظ ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید سے کسی آیت کا چھپالینا ممکن نہیں ہے اور تورات سے کچھ چھپالینا کچھ دشوار نہ تھا، خصوصاً جس زمانہ میں قرآن کریم نازل ہوا یا اس سے پہلے کیونکہ اس وقت نشر و اشاعت کے اسٹنڈرڈز اور وسائل نہ تھے اور یہودیوں کی تعداد اس وقت بھی دنیا میں بہت کم تھی اور وہ مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے نہ تھے، اس لیے قرآن مجید کے الفاظ کو بلا وجہ ان کے ظاہری اور حقیقی معنی سے ہٹانا اور آیات کے چھپانے کو باطل تاویل پر محمول کرنا ہماری رائے میں درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آیت مذکورہ کا منسوخ نہ ہونا

اس کے بعد فرمایا آپ کیسے کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مثل سلیم یہ شلوت دیتی ہے کہ جو کتاب ہدایت اور نور ہے اور

جس کی تائید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے قوی معجزات لے کر آئے ہوں اس کو نازل کرنے والا اللہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ اور یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص وجود باری پر استدلال کرتے ہوئے کہے وہ کون ہے جو مردہ میں جان ڈالتا ہے؟ وہ کون ہے جو لاطنی کے بعد علم پیدا کرتا ہے؟ وہ کون ہے جس نے آنکھ کے ڈھیلے میں پتلی رکھی؟ وہ کون ہے جس نے کھن کے سوراخ میں سماعت رکھی؟ پھر وہ کہنے والا خود کہے: اللہ اور اس سے متصور یہ ہے کہ جب کلام میں تک پہنچے گا تو ہر صاحب عقل اعتراف کرے گا کہ اس فعل کا قائل اللہ ہی ہے اور اخیر میں فرمایا پھر ان کو ان کی کج بخشی میں کھینٹنے کے لیے چھوڑ دیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ نے ان کے خلاف حجت پوری کر دی اور ان کے تمام شکوک و شبہات کو زائل کر دیا اور ان کو عذاب خداوندی سے ڈرا چکے تو آپ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قَيَّانُ أَغْرَضُوا قَمَاتَ أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ
حَبِطًا إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (الشوری: ۳۸) نہیں سمجھا آپ کا کام تو صرف پہنچانا ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت 'آیت قتل سے منسوخ ہے۔ یہ قول بعید ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر ان کو ان کی کج بخشی کے لیے چھوڑ دیں یہ ارشاد بطور تہدید ہے اور یہ حصول قتل کے منافی نہیں ہے لہذا اس آیت کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی قدر ناشناسی

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہ کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ امام رازی نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ یہود نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور جس نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا اس نے رسولوں کے بھیجے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر طعن کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت سے جہالت ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کرنے کا۔

انفش نے کہا اس آیت کا معنی ہے انہوں نے اللہ کی کماحقہ معرفت حاصل نہیں کی اور حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ تعظیم نہیں کی۔ اظہار یہ دور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عقدری اور ان کی تعظیم نہ کرنے کا دور ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض واعظین اولیاء اللہ کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھا دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور ولی تھے اور حضرت موسیٰ نبی تھے۔ نور حصول علم کے لیے نبی کو بھی ولی کے پاس جانا پڑتا ہے 'حلاکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے جیسا کہ ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سولہ میں بیان کیا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ حضرت زکریا کو جب بیٹے کی طلب ہوئی تو وہ ایک ولیہ حضرت مریم کے پاس گئے اور وہیں دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی 'حلاکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت زکریا جب اس طرف متوجہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم کو بے موسیٰ پھل دے رہا ہے تو ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا جو بے موسیٰ پھل دے سکتا ہے وہ مجھے بڑھا پے میں اولاد بھی دینے پر قادر ہے۔ اور پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کی اس طرح اولیاء اللہ کی شان میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عز وجل فرماتا ہے جو لوگ میری ذات سے محبت رکھتے ہیں ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

اسنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث ۲۳۹۷ مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث ۷۷۳۱ صحیح ابن حبان ج ۱ رقم الحدیث ۵۷۷۷ المعجم الکبیر

ج ۲۰ رقم الحدیث ۷۳۳ طبع الاولیاء ج ۲ ص ۱۳۸

حلاکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انبیاء اور شہداء بھی ان کی حسین کریں گے یہ اس بات کی چند مثالیں ہیں کہ آج کل کے واعظین اولیاء اللہ کو نبی اور رسول سے بڑھا دیتے ہیں اور اب چند مثالیں اس امر کی بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام دارقطنی اور امام ابن شہین نے اپنی اپنی حدود سے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں حضرت قتادہ بن نضال جوشہ کی آنکھ نکل کر رخسار پر گر گئی نبی ﷺ نے اس آنکھ کو لوٹا دیا اور وہ دونوں آنکھوں میں زیادہ تندرست اور صحیح آنکھ تھی۔

(الاصابہ ج ۳ ص ۲۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس دور کے واعظین اس حدیث میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ میں وہ روشنی نہیں تھی جو مصطفیٰ ﷺ کی دی ہوئی آنکھ میں تھی۔ (العیاذ باللہ!) حلاکہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے کے لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آنکھیں تو دونوں ہی خدا کی دی ہوئی تھیں لیکن پہلی آنکھ میں باپ کے واسطے سے ملی تھی اور دوسری آنکھ سرور دو عالم ﷺ کے ہاتھوں سے ملی تھی۔ اسی طرح بعض لوگ کلمہ طیبہ میں اللہ کا نام پہلے اور رسول اللہ ﷺ کا نام بعد میں لینے کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ کا نام لینے سے زبان پاک ہو جائے گی پھر اس زبان سے نام محمد ﷺ لیا جائے۔ حلاکہ اہل علم پر عقلی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک قرآن مجید کو کسی ٹپاک مودیا عورت (خواہ نجبی ہو) قلم ہو یا حائضہ و نساء ہو) کا زبان سے پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح نجبی اور بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا بھی حرام ہے اور ادب و احرام کی وجہ سے اعلویٹ کو ان حالتوں میں نہ پڑھنا اور نہ چھونا ایک الگ بات ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ ادب اور احرام اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نام کا ہے اور کلمہ طیبہ میں اللہ کے نام کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تقدیم کی جتنی بھی وجوہ ہیں وہ سب ہو سکتی ہیں تقدیم بالذات ہو تقدیم بالشرف ہو یا تقدیم بالذکر ہو ہر وجہ سے اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر مقدم ہے۔

اسی طرح ایک شعر ہے:

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد
محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اول تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ میں اختیارات کا قتل کرنا ہی غلط اور باطل ہے۔ پھر یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی طاقت اور اقتدار اور آپ کا اختیار اللہ کے اختیار اور اقتدار سے زیادہ ہے۔ (معاذ اللہ) خالص کفر اور زندہ بقی ہے۔ "وما قدرہ اللہ حق قدرہ" ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا کر نہ اسلام کی کوئی خدمت کی ہے نہ رسول اللہ ﷺ کو خوش اور راضی کیا ہے اور دلائل کے اعتبار سے بھی یہ مودود ہے۔ اللہ تعالیٰ ابوطالب ابوہب اور دیگر کفار اور مشرکین کو دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور ان کو دائمی عذاب سے نہیں چھڑائیں گے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو دیکھ کر ایک مرتبہ نبی ﷺ نے تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیر لی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ جس نازل فرمائی اور آپ کو ان کی طرف توجہ نہ کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۖ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۚ
فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ (عبس: ۸-۱۰)
اور جو دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا اور وہ اپنے رب سے ڈر رہا ہے تو آپ اس سے بے توجہی کرتے ہیں!

یاد رکھئے رسول اللہ ﷺ ایسی تعریف سے کبھی خوش نہیں ہوں گے بلکہ اس کے برعکس ناراض اور رنجیدہ ہوں گے جس تعریف میں آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کا وہم ڈالا جائے یا اس کا تصور دیا جائے۔
امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

جب بن محمد اپنے باپ سے اور وہ اپنے دوا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگ مشقت میں پڑ گئے اور بچے ضائع ہو گئے اور مل لوٹ لے گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے آپ ہمارے لیے بارش کی دعا کیجئے۔ ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفعہ بتاتے ہیں اور اللہ کو آپ کے حضور شفعہ لاتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ہے! تم کو پچھنیں تم کیا کہہ رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ کے اصحاب کے چہروں پر خوف کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے پھر فرمایا تم پر افسوس ہے اللہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے پاس شفعہ اور سفارشی نہیں بتایا جاتا اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ تم پر افسوس ہے! کیا تم کو پتا ہے اللہ کی کیا شان ہے؟ اس کا عرش تمام آسمانوں پر اس طرح محیط ہے آپ نے اپنی انگلیوں سے گنبد بنا کر دکھایا اور وہ اس طرح چڑھا رہا ہے جس طرح سواری کے بوجھ سے پالان چڑھتا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۳، رقم الحدیث ۴۷۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حافظ ذکی الدین ابو محمد المنذری المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت بیان کرنے کے لیے یہ مثل ذکر فرمائی ہے تاکہ سننے والے کو اللہ تعالیٰ کی بلند شان، جلالت قدر اور عظیم ذکر کا اندازہ ہو اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے پاس سفارشی نہ بتائے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے اور نہ وہ کسی صورت سے کیمت ہے۔ (مختصر سنن ابو داؤد ج ۷، ص ۹۹، مطبوعہ دار العرفہ بیروت)

ایک اعرابی نے اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کے پاس سفارشی بتایا تو نبی ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے ہمارے افسوس کیا اور سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا۔ آپ سوچئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کی نکتہ آفرینی کی گئی تو اس سے رسول اللہ ﷺ کو کتنا افسوس ہو گا؟

اس سے بھی بڑا ظلم یہ ہے کہ آج کل کے واعظین یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی وجہ پر آئے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی طرح چلنے لگے بعد میں ایک شخص آیا۔ اس کو بھی دریا کے پار جانا تھا اور کشتی کوئی نہ تھی اس نے حضرت کو جلتے ہوئے دیکھا تو پوچھا میں کس طرح آؤں؟ آپ نے فرمایا یا جنید یا جنید کہتا چلا۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب پچ دریا میں پہنچا تو شیطان نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلاتے ہیں۔ میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں؟ اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھلیا پکارا حضرت میں چلا فرمایا وہی کہہ کہ یا جنید یا جنید! جب کہا دریا سے پار ہوا۔ بعد میں حضرت سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا ارے ملاں! ابھی تو جنید تک پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔

اس حکایت کو پڑھ کر بے اختیار زبان پر یہ آیت آتی ہے "وما قدرہ واللہ حق قدرہ" انہوں نے اللہ کی کماحقہ قدر اور تعظیم نہیں کی اس حکایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا جنید کہنے سے بندہ پار لگتا ہے اور یا اللہ کہنے سے ڈوب جاتا ہے اور اس میں مخلوق کے ذکر کو اللہ کے ذکر سے بڑا درجہ دیتا ہے اور اس حکایت میں اللہ کے ذکر کے ارادہ کو شیطان کا وسوسہ قرار دیا ہے اور یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس میں حضرت جنید پر بہتان ہے اللہ کے نیک اور صلح بندے اپنے متوسلین کو اللہ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں نہ کہ اپنے ذکر کی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا ضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ سے اس حکایت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کا رد فرمایا۔ مسئلہ: از شفا خانہ فرید پور ذاک خانہ خاص اشیش پتھر پور مسئلہ: عظیم اللہ کیونکر ۷ رمضان ۱۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جینہ ایک بزرگ کامل تھے انہوں نے سفر کیا راستے میں ایک دریا پار کیا اس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ مجھ کو بھی دریا کے پار کر دیجئے۔ تب ان بزرگ کامل نے کہا تم میرے پیچھے یا جینہ یا جینہ کہتے چلے آؤ اور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا۔ درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگا تب وہ ڈوبنے لگا اس وقت ان بزرگ نے کہا کہ تو اللہ اللہ مت کہو یا جینہ یا جینہ کہو تب اس آدمی نے یا جینہ یا جینہ کہا جب وہ نہیں ڈوبا یہ در سے ہے یا نہیں اور بزرگ کامل کے لیے کیا حکم ہے اور آدمی کے لیے کیا حکم ہے؟ بیسوا نوحروا۔

الجواب: یہ غلط ہے کہ سفر میں دریا ملا بلکہ دجلہ ہی کے پار جانا تھا اور یہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا اور یہ محض افترا ہے کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ اللہ مت کہو۔ یا جینہ کہنا خصوصاً حیات دنیوی میں خصوصاً جبکہ پیش نظر موجود ہیں اسے کون منع کر سکتا ہے کہ آدمی کا حکم پوچھا جائے اور حضرت سیدنا اللہ جینہ بعد آدمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حکم پوچھنا مکمل ہے اولیٰ و مستغنی و دریدہ و اہلی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۹، ص ۱۹۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اعلیٰ حضرت نے اس حکایت کا جو رد کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ (اللفوظ ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ مدینہ جیشنگ کمپنی کراچی اور ج ۲، ص ۷۷، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) میں اس حکایت کی نسبت جو اعلیٰ حضرت کی طرف کی گئی ہے اور اس کو اعلیٰ حضرت کا لفظ قرار دیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جو عظمت اور جلالت ہے اس سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ ایسی حکایت بیان کریں اس سلسلہ میں یقیناً اللفوظ کے مرتب کو سہوا ہے۔ اس پر دلیل فتاویٰ رضویہ کی مذکور العذر عبارت ہے

وما قدرہ واللہ حق قدرہ (الانعام: ۹۱) اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر

کرنے کا حق تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے اپنے دور کے واعظین کی چند مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور معرفت سے بے بہرہ ہیں اور وہ نبی ﷺ اور اولیاء کرام کی شان میں غلو کرنے کے لیے ان کی قدر و منزلت کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں اور ان کو بڑھانے کے لیے اللہ کی شان کو ان سے کم دکھاتے ہیں معلوم اللہ۔ اس تحریر سے ہمارا مقصد صرف اصلاح ہے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو نفع آور بنائے اور اس عاجز کو سلامتی کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور عزت اور کرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرمائے اور اپنے فضل سے مغفرت فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والی ہے یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو (عذاب سے) ڈرائیں اور ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (الانعام: ۹۲)

قرآن مجید کی خیر اور برکت

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یسوع کے اس قول کو باطل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر کو کوئی چیز نازل نہیں کی اور جب

یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کی ہیں تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، ہم نے اس کتاب کو بہت خیر اور برکت والی بتایا ہے اور یہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تائید تصدیق اور حفاظت کرتی ہے۔

اس کتاب کی خیر و برکت یہ ہے کہ انسان کو علم اور عمل کی تفصیلات سے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور سب سے افضل اور اشرف علم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہے اور نبی کی ضرورت اور اس کے مقام و منصب اور احکام شریعت کا علم ہے اور اس علم کا مکمل قرآن مجید ہے اور سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرنا ہے اور اس علم کا منبع بھی قرآن کریم ہے۔ سو جس نے قرآن مجید کا علم حاصل کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا، اسے دین اور دنیا کی خیر اور برکت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امراء، حکام اور سرملیہ داروں کو وہ عزت حاصل نہیں ہے جو علماء کرام کو حاصل ہوتی ہے۔

زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ہم نے دیکھا ہے کہ گزرے ہوئے بادشاہوں کے مقبرے ویران پڑے رہتے ہیں، وہیں لوگ ہلکے ہلکے مٹاتے اور سیر و تفریح کے لیے تو جاتے ہیں، تلاوت قرآن اور ایصالِ ثواب کے لیے کوئی نہیں جاتا۔ اس کے برعکس علماء اور اہل اللہ کے مزارات مرجعِ خلافت ہوتے ہیں اور وہیں دن رات مسلمانوں کا ہجوم رہتا ہے اور یہ صرف قرآن مجید پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی خیر و برکت ہے۔

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ کتاب سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس تصدیق کی تفصیل یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اصول اور فروع، اصول سے مراد ہیں عقائد، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، توحید، رسالت، ملائکہ، تقدیر، قیامت، مرنے کے بعد اٹھنا، جزا و سزا، جنت اور دوزخ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ زمان و مکان کی تبدیلی اور انبیاء کے فرق سے ان عقائد میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ تو رات، زبور اور انجیل میں جو عقائد تھے، وہی عقائد قرآن مجید میں ہیں، اس لحاظ سے قرآن مجید ان سابقہ کتابوں کا مصدق ہے اور فروع سے مراد ہیں احکام شریعت اور ہر زمانہ کے مخصوص حالات، رسم و رواج اور تمدن و تمدن کے اعتبار سے اس زمانہ کے نبی کی شریعت دوسرے انبیاء سے مختلف ہوتی ہے اور یوں تمام انبیاء کے احکام شریعت ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن نفسِ عبادت اور اطاعت رسول اور اتباع شریعت میں تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں اور اس چیز میں قرآن ان کا مصدق ہے۔ نیز ان تمام سابقہ آسمانی کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آخری زمانہ میں نبی آخر سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا جائے گا جو سابقہ شریعت کو منسوخ کر دیں گے اور سب لوگوں کو صرف ان کی شریعت کی اتباع کرنی ہوگی اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہو گئے اور قرآن مجید کے ذریعہ آپ کی شریعت نافذ ہو گئی تو سابقہ آسمانی کتابوں کی یہ بشارت پوری ہو گئی، اس لحاظ سے قرآن مجید تمام سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہے۔

کہ مکرمہ کا ام القرئی ہونا

اس آیت میں کہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے ام القرئی فرمایا ہے، ام القرئی کا لفظی معنی ہے شہوں کی ماں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مکرمہ کو ام القرئی اس لیے فرمایا ہے کہ تمام زمینیں اس کے نیچے سے نکل کر پھیلائی گئی ہیں اور ابو بکر اصم نے کہا ہے کہ مکرمہ تمام دنیا والوں سے پہلے آباد ہوا ہے، تو گویا یہی اصل ہے اور باقی تمام شہر اور قصبے اس کے تابع ہیں۔ نیز تمام دنیا کے مسلمانوں کی ہر دور میں مرکزی عبادت گاہ ہے اور حج کہ مکرمہ میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے تمام مخلوق کہ مکرمہ میں

جمع ہوتی ہے جیسے بچے مل کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو ام القرئی فرمایا نیز حج کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں انواع و اقسام کی تجارت ہوتی ہے اور اس شہر میں کسب معاش اور روزی حاصل کرنے کے ذرائع دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ ہیں اس لیے اس کو ام القرئی فرمایا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ کی جلالت کا پہلا گھر مکہ مکرمہ میں بنایا گیا اس لیے اس کو ام القرئی فرمایا۔

نبی ﷺ کی عمومی بعثت پر یہودیوں کے اعتراض کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو ڈرائیں۔

یہودی کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ نبی ﷺ صرف جزیرہ عرب کے رسول ہیں اور وہ اس آیت سے مسلمانوں پر الزام قائم کرتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مکہ اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو ڈرانے کا ذکر ہے اور باقی علاقہ کے لوگوں کو ڈرانے کی نفی نہیں ہے جبکہ دوسری آیات سے ثابت ہے کہ آپ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب الہی سے) ڈرانے والے ہیں۔

تَسْرِكُ الَّذِي تَرَى الْعُرْقَانِ عَلَى عَشِيرَةٍ
لِّبَكُورٍ لِّمُعَلِّمِينَ نَدِيرًا (العنقران: ۱۱)
وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر
فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے
ڈرانے والے ہوں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
حَقِيقًا (الاعراف: ۱۵۸)
آپ کہنے لگے لوگو! اے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا
رسول ہوں۔

وَقُلْ لِلدِّينِ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأَمِيتِينَ
وَاسْأَلْنَهُمْ قُلُوبُكُمْ أَفْقَدُوا هُدًى وَآوَانُ تَوَلَّوْا
فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ (آل عمران: ۴۰)
اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہئے: کیا تم
اسلام لے آئے؟ اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے
ہدایت پائی اور اگر انہوں نے اعراض کیا تو آپ کا کام صرف حکم
پہنچانا ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اہل کتب اور غیر اہل کتب دونوں کے لیے رسول ہیں اور اس سے پہلی آیات
میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ تمام مخلوق کے لیے رسول ہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے۔

حضرت جابر جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو
نہیں دی گئیں پہلے نبی بالخصوص ایک قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے بالعموم تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے لیے
محبتیں حلال کر دی گئیں اور وہ مجھ سے پہلے حرام تھیں اور میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنادی گئی اور
ایک ملک مسافت سے دشمن پر میرا رب طاری کر دیا جاتا ہے اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

(سنن دارمی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۳۸۹، صحیح البیہقی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۲۳۵، صحیح مسلم 'المصابہ' ۳ (۵۷۱) ۳۳۳، سنن الترمذی '۳' رقم
الحدیث: ۱۵۵۹، سنن الترمذی 'ج' ۱، رقم الحدیث: ۳۳۲، ۳۳۳)

آخرت پر ایمان نبی ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے

اس آیت میں فرمایا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور اس آیت کا یہ ظاہر یہ
معنی ہے کہ آخرت پر ایمان لانا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ علماء نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں۔ ایک وجہ

تارک نماز کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن جبر کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس کے گور کفر کے درمیان کوئی مانع اور حجاب نہیں ہے وہ کافر ہو گیا اور یہ حدیث اسی ظاہری معنی پر محمول ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب وہ نماز ترک کر دے تو توبہ اور کاقول یہ ہے کہ اگر اس نے آخر وقت تک نماز نہیں پڑھی تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت علیؓ امام احمدؒ امام ابن المبارکؒ اسحاقؒ اور علامہ ابن حبیب مالکی کے نزدیک اس کو کفر کی بنا پر قتل کیا جائے گا اور امام مالکؒ امام شافعیؒ اور دیگر علماء کے نزدیک اس کو حد ا قتل کیا جائے گا۔ فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کو اس وقت تک سزا دی جائے گی اور قید میں رکھا جائے گا جب تک وہ نماز نہ پڑھ لے۔

مجھ یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہیں کیونکہ کفر انکار کو کہتے ہیں اور یہ نماز کی فریضت کا منکر نہیں ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبید بن الصامتؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جس شخص نے ان نمازوں کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور ان کو اپنے اوقات میں پڑھا اور ان کا پورا پورا رکوع اور خشوع کیا تو اللہ نے اذن لو کرم اس کی مغفرت کرنے کا ذمہ لیا ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اللہ پر اس کا کوئی ذمہ نہیں ہے اگر وہ چاہے تو اس کو بخش دے اور وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱، رقم الحدیث: ۴۲۵، سنن الترمذی ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۰، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۱، مسند احمد ج ۵، رقم الحدیث: ۲۲۷۵۱، ۲۲۷۵۲، ۲۲۷۵۳، طبع دار الفکر، مسند احمد ج ۵، ص ۳۲۲، ۳۱۷، طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نماز کا ترک کرنا کفر نہیں ہے اور یہ شرک سے کم درجہ کی معصیت ہے اور شرک سے کم درجہ کی معصیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کرنے کا اعلان فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم درجہ کے گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

قرآن مجید اور حدیث شریف کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ سستی اور کللی سے نماز کو ترک کرنا کفر اور شرک نہیں ہے۔

(۱) المنہج ج ۱، ص ۲۷۴-۲۷۵، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ

تارک نماز کو قتل کرنے کے حکم جواز پر یہ دلیل ہے کہ اسلام میں صرف تین جرموں کی سزا قتل ہے کسی مسلمان کو ناجائز قتل کیا ہو، شادی شدہ شخص نے زنا کیا ہو یا کسی شخص نے اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لیا ہو۔ ان تین جرموں کے سوا اور کسی جرم میں کسی مسلمان کو (بطور حد) قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان مرد کو جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، تین جرموں میں سے کسی ایک کے سوا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ (وہ یہ ہیں) جان کا بدہ جان، شادی شدہ زانی اور دین سے نکلنے والا اور جماعت کو چھوڑنے والا۔

اصح البخاری ج ۸، رقم الحديث ۶۸۷۸، صحیح مسلم، قبلہ ۲۵ (۱۷۷۶) ۲۲۹۱، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث ۳۳۵۲، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحديث ۳۰۷۰، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث ۶۵۳۴، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، سنن نسائی ج ۷، رقم الحديث ۳۰۳۰، ۳۰۴۰، صحیح ابن حبان ج ۱۰، رقم الحديث ۳۳۰۸، مسند احمد ج ۱، ص ۳۲۸، ۳۲۹، مطبع قدیم، مسند احمد ج ۲، رقم الحديث (۳۶۲۱)

یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کہ تارک نماز کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے اور اے مخاطب! کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی تختیوں میں جٹا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) نکلا اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں قرآن مجید اور نبی ﷺ کی منسلات بیان فرمائی تھیں پھر اس آیت میں ان لوگوں پر وعید ہے جنہوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔

امام ابن جریر متوفی ۵۳۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ آیت کا پسلا حصہ یعنی اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے، حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی، مسیلہ کے متعلق نازل ہوا ہے، جو بنو مدی بن حنیفہ کے قبیلہ سے تھا اور آیت کا دوسرا حصہ یعنی "اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے" یہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوا ہے، یہ بنو عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھا، یہ نبی ﷺ کے لیے وحی لکھتا تھا۔ اس نے ایک دن عسیر حکیم کی جگہ عمود رحیم لکھ دیا اور کہنے لگا یہ دونوں بھائی ہیں پھر یہ اسلام سے مرتد ہو کر قریش کے ساتھ جا ملا، پھر فتح مکہ کے موقع پر دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ (جامع البیان ج ۷، ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مسیلہ اور اسود الغسانی کے احوال

علامہ ابوالعباس احمد بن محمد المالکی القرطبی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں

امام ابن احنظف نے بیان کیا ہے کہ مسیلہ کا نام مسیلہ بن ثلمہ بن کثیر تھا، یہ قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دس ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا، یہ کلمہ پڑھتا تھا "لا الہ الا اللہ وان محمدًا عبده ورسوله" اس کا زعم تھا کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ نبوت میں شریک ہے، بنو حنیفہ بہت جلد اس کے تبلیغ ہو گئے۔ اس نے اپنی قوم کے دو آدمیوں کو اپنا خطا دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، اس میں لکھا تھا، یہ مسیلہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کی طرف ہے۔ سلام علیک! میں اس معاملہ میں تمہارا شریک ہوں، سو نصف زمین میری ہے اور نصف تمہاری ہے، لیکن قریش بے انصاف قوم ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس مکتوب کو پڑھا تو آپ نے اس کے قصصوں سے فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا وہی جو ہمارے صاحب نے کہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اہل بیوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب لکھ کر بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلہ کذاب کی

تبیان القرآن

طرف اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیرو کار ہے:

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ عِبَادَهُ وَ
الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف: ۸۸)

بے شک زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے
جس کو چاہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام اللہ سے
ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

جب میلہ نے یہ جواب پڑھا تو وہ یاس ہو گیا اور بنو حنیفہ نے کہا ہمارا خیال ہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ ہمارے صاحب کو اپنا
شریک بنانے پر تیار نہیں ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا رسول اللہ ﷺ کے عہد میں میلہ اور صنعاء کے صاحب اسود بن عزیہ الغنسی اور طلحہ جہد اور سجاح
نہمیہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا سجاح میلہ کے پاس گئی اور کہنے لگی 'تم پر کیا وحی آئی ہے' اس نے کہا مجھ پر یہ وحی آئی ہے:

السم تر السی ربک کبف خلق الحبلی
احرج منها نسمة نسعی ہیں صفاق
وحشا
کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا اس نے کس
طرح عالم کو پیدا کیا اس سے ایک روح نکالی جو باریک کھال
اور پیٹ کے اندر دوڑتی ہے۔

اس نے کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ تم نبی ہو۔ میلہ نے کہا تم مجھ سے شادی کر لو ہم دونوں مل کر عرب کو کھالیں گے۔
اس نے شادی کر لی اور اس کے ستلوی نے ندا کی 'سنو! ہم بنو حنیفہ کے دین میں داخل ہو گئے ہیں اور بنو حنیفہ کے منادی نے ندا
کی 'سنو! ہمارے نبی نے تمہاری نیبہ سے شادی کر لی ہے اور سجاح نے میلہ سے کہا 'اپنی قوم سے یہ دو لمبی نمازیں عشاء اور فجر
منسوخ کر دو' تو میلہ کے ستلوی نے ان دو نمازوں کے منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا اس سے بنو حنیفہ بہت خوش ہوئے۔

پھر میلہ اسی حال میں یلمہ چلا گیا یلمہ تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصل ہو گیا اور تمام اہل یلمہ اسلام سے مرتد ہو کر
میلہ کے تابع ہو گئے اور دیگر مرتدین بھی آکر ان سے مل گئے اور ان کی شوکت بہت بڑھ گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے
اس کی طرف بہت خطوط لکھے اس کو بہت بھیجیں کیں اور بہت ڈرایا بلا آخر آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں
مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر بھیجا جس نے میلہ سے قتل کیا اور انجام کار میلہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

(المعجم علی المسلم ج ۶، ص ۳۱-۳۹، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۱ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میرے
ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے ہیں۔ میں ان سے گھبرا گیا اور ان کو بچہ بند کیا پھر مجھے ان کو بھونک مارنے کی اجازت
دی گئی تو وہ اڑ گئے میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ میرے بعد دو کذاب نکلیں گے۔ بعید اللہ نے کہا ان میں سے ایک الغنسی ہے
جس کو فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا میلہ ہے۔

اصح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۷۳، صحیح مسلم، روایا: ۲۲ (۵۸۲۱) سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۹۹، صحیح ابن
حبان ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۸۵۳، دلائل النبوة للشمسی ج ۵، ص ۳۳۵، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۸۲۵۶، طبع دار الکتب

اس حدیث میں ہے کہ دو کذاب نکلیں گے۔ اس کا سنی ہے میری وفات کے بعد ان کا ظہور اور غلبہ ہو گا ورنہ وہ رسول
اللہ ﷺ کی حیات میں موجود تھے اور ان کے متبعین بھی تھے۔ صنعاء اور یلمہ کے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور اسلام
کے صلحوں اور مددگار تھے لیکن وہ لوگ میلہ اور الغنسی کی سنہری باتوں میں آ گئے۔ یہ دونوں شہر بنی حنیفہ کے دو ہاتھوں کی طرح

تھے، کیونکہ آپ ان سے قوت حاصل کرتے تھے اور سونے کے دو کنگن صاحبِ ہمامہ اور صاحبِ صنعاء تھے، اور ان کی چکنی چڑی باتوں کو سونے کی طبع کاری سے تشبیہ دی ہے اور آپ نے جو ان کو پھونک مار کر اڑایا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ آپ کی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوں گے۔

امام ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ صاحبِ صنعاء اسود بن کعب ہے، اس کا لقب ذو حمار ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک دن یہ جارہا تھا اور سامنے سے ایک گدھا آ رہا تھا، وہ لڑکھڑایا اور منہ کے بل گر گیا تو اس نے کہا اس گدھے نے مجھے سجدہ کیا ہے۔ پھر یہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، جاہل لوگ اس کے پیروکار ہو گئے اور یہ صنعاء پر قابض ہو گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے عامل صاجر بن اسد مخزومی کو صنعاء سے نکل دیا۔ فیوز دہلی اور قیس بن کشوح نے اس کو قتل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا سر لے کر آئے اور بعض مورخین نے کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔ اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ میرے بعد نکلیں گے۔ یعنی ان کا ظہور اور غلبہ میرے بعد ہو گا۔ (المعجم، ج ۶، ص ۳۵، ۳۴، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں کا رد اور ابطال

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ نبوت کے جھوٹے دعویٰ داروں کی سنگ میں وہ لوگ غسلک ہیں جو نقدِ حدیث اور علومِ دہیہ کے حصول سے اعراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات واقع ہوئی ہے یا میرے دل نے یہ کہا ہے اور ان کا یہ زعم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا دل گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے پاک اور صاف ہے اور وہ غیر اللہ کے اختلاط سے مامون ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے دل پر علوم اور معرفت کی تعلیمات نازل فرماتا ہے اور وہ حقائق رہائے اور اسرار کائنات کے واقف ہیں، اس وجہ سے وہ قواعد شرع سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شرعی احکام عام لوگوں کے لیے ہیں اور خواص اور اولیاء اللہ ان سے مستثنیٰ ہیں اور وہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت واہب بن معبد الاسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے واہب سے فرمایا تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا جی! آپ نے ان کی انگلیوں کو اکٹھا کر کے ان کے سینہ پر مارا اور تین بار فرمایا اے واہب! اپنے نفس سے فطرتی نو، اپنے دل سے فطرتی نو، نیکی وہ ہے جس پر تمہارا نفس مطمئن ہو، جس پر تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس سے تمہارے ضمیر میں غلغلہ ہو اور تمہارے سینہ میں کھٹک ہو، خواہ لوگ تمہیں فتوے دیتے رہیں۔

(سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۳۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابو ثعلبہ خثنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کیا چیز میرے لیے حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ انہوں نے کہا پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور نظر جھٹکائی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا نیکی وہ ہے جس پر ضمیر پر سکون ہو اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس پر ضمیر میں غلغلہ ہو اور دل مطمئن نہ ہو، خواہ تمہیں مفتی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۵۷۷، مطبوعہ دار العکبر، مسند احمد، ج ۳، ص ۹۳، مطبوعہ قدیم)

ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ جس پیش آمدہ مسئلہ میں قرآن مجید اور حدیث شریف کی صریح ہدایت نہ ہو اور نہ اس کے متعلق اجماعی حکم موجود ہو اور اس میں حلال اور حرام مشتبہ ہو، اس میں انسان اپنے ضمیر کے فیصلے پر عمل کرے۔ مثلاً روزے میں انجکشن لگوانے کے متعلق ہمارے دور کے اکثر مفتی کہتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹا، لیکن ایک سلیم الفطرت انسان کا

ضمیر یہ کہتا ہے کہ جب منہ سے دوا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور منہ سے کھائی ہوئی دوا نظام ہضم کے مراحل طے کرنے کے بعد خون میں مل جاتی ہے اور اسی وقت وہ دوا موثر ہوتی ہے تو اگر وہ دوا انجکشن کے ذریعہ براہ راست خون میں پہنچادی جائے تو یہ طریق ادنیٰ روزہ ٹوٹ جانا چاہیے۔ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید 'احادیث اور ائمہ مجتہدین سے بے نیاز ہو کر انسان اپنے بے لگام دل کے فیصلوں پر عمل کرے' جیسا کہ ابن ہلوانی بیرونی اور معرفت کے جھوٹے دعویٰ وادوں نے سمجھ رکھا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ابن لوگوں کے زندگی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے 'اسلامی حکومت ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان سے توبہ طلب کی جائے نہ ان سے بحث کی جائے' کیونکہ ان کے اقوال سے احکام شرعیہ کا مستدم ہونا اور ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا اثبات لازم آتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن 'جزء ۷' ص ۳۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت 'مختصر اوموضعا')

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے احوال

اس آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا ہے اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوئی ہے 'وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتا تھا' یہ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا تھا۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین۔۔۔ ثم انشاه حلقا اخر" (المومن: ۳۰-۳۱) تو عبداللہ بن سعد کو انسان کی خلقت پر مست تعجب ہوا اور اس نے بے ساختہ کہا "نبارک اللہ احسن الخالقین" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس وقت عبداللہ بن سعد کو اپنے ایمان میں شک پڑ گیا اور اس نے کہا اگر اسیدنا محمد ﷺ صادق ہیں تو مجھ پر بھی ایسی ہی وحی کی گئی ہے جیسی ان پر وحی کی گئی ہے۔ پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس کی مذمت میں نازل کی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۱۷۷ھ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے۔ ان کو شیطان نے لغزش دی وہ کفار کے ساتھ جا ملے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان بن حنیف نے ان کے لیے پتلہ طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پتلہ دے دی۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۴' رقم الحدیث ۴۳۵۸، سنن الترمذی 'ج ۷' رقم الحدیث ۳۰۸۰)

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان بن حنیف کے پاس پہنچ گئے پھر حضرت عثمان نے ان کو لا کر نبی ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبداللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے سراقہ بن اوپر اٹھایا اور تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کر دیا پھر تین بار انکار کے بعد بیعت کر لیا پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے انکار کر رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم نہیں جان سکے کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے آنکھوں سے ہماری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۴' رقم الحدیث ۴۳۵۹، سنن الترمذی 'ج ۷' رقم الحدیث ۳۰۷۸)

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۸۰ھ نے اس کو زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا سب کو امن دے دی۔ وہ

چار سو یہ تھے۔ عکرمہ بن ابی جہل، عبد اللہ بن خثلم، مقیس بن صلبہ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح۔ آپ نے فرمایا اگر یہ لوگ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکے ہوئے ہوں تو ان کو قتل کر دیتا۔ عبد اللہ بن خثلم کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا پکڑا گیا۔ حضرت سعد بن حریث اور حضرت عمار بن یاسر نے اس کو پکڑا اور حضرت سعد نے حضرت عمار پر سبقت کی۔ وہ دو مردوں سے زیادہ جوان تھے، انہوں نے اس کو قتل کر دیا، اور مقیس بن صلبہ کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا اور عکرمہ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہو گئے، اس کشتی کو تیز ہواؤں نے آیا۔ کشتی والوں نے کہا ظلوں کے ساتھ اللہ سے دعا کرو کیونکہ تمہارے معبود یہاں پر کسی کام نہیں آسکتے۔ عکرمہ نے دل میں کہا یہ خدا اگر اس سمندر میں میری نجات صرف اخلاص سے ہو سکتی ہے تو تشکی میں بھی صرف اللہ کے ساتھ اخلاص ہی کام آسکتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس گرداب سے بچا لیا تو میں سیدھا (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور جا کر ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دوں گا اور میں ان کو ضرور مغف کرنے والا اور کریم پاؤں گا، پھر وہ آپ کے پاس گئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور رہے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان بن عفان جرحش کے پاس چھپ گئے، جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان نے ان کو لے جا کر نبی ﷺ کے پاس کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبد اللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کیا، پھر تین بار انکار کے بعد آپ نے بیعت کر لیا۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں ایسا شخص دار شخص کوئی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں کیا پتا تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے ہماری طرف آنکھوں سے اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن ابی داؤد، ج ۲، رقم الحدیث ۲۶۸۳، ج ۳، رقم الحدیث ۱۳۳۵۹)

حافظ ابو عمرو سفین بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القریطی المالکی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح فتح مکہ کے ایام میں دوبارہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اسلام پر بہت اچھی طرح عمل کیا اور اس کے بعد ان سے کوئی بچہ نہ رہا، بہت صلہ نہیں ہوئی، وہ قریش کے معزز دانش مند سرداروں میں سے ایک تھے، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۲۵ھ میں انہیں مصر کا گورنر بنادیا، ۳۷ھ میں انہوں نے افریقہ کو فتح کیا۔ مصر کی فتح کے موقع پر حضرت عمرو بن العاص صاحب مینہ تھے، مصر کی تمام جنگوں میں حضرت عمرو بن العاص ہی والی تھے، جب حضرت عثمان نے ان کو معزول کر کے حضرت عبد اللہ بن سعد کو ان کی جگہ مقرر کیا تو حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمان جرحش پر ہتھ پھینی کرنے لگے اور ان کی خلافت پر تنقید کرنے لگے، حضرت عبد اللہ بن سعد حضرت عثمان کی شہادت تک فلسطین میں رہے۔ انہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، حضرت معاویہ کی خلافت منعقد ہونے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی۔ ایک قوس یہ ہے کہ یہ افریقہ میں فوت ہوئے اور صحیح یہ ہے کہ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں عسقلان میں فوت ہوئے۔

(الاستیعاب، ج ۲، ص ۶۰۳، ۶۰۴، علی حاشیہ، مختصر تاریخ دمشق، ج ۱۲، ص ۲۲۱-۲۲۲، ملخصاً)

کافر کے جسم سے روح نکالنے کی کیفیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی تختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے، نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی، کیونکہ تم اللہ پر ناحق بستن تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ کافروں میں بلکہ کسی بھی انسان میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے بدن سے اپنی جان نکال سکے پھر ان کو یہ حکم دینے کا کیا فائدہ ہے کہ "نکالو اپنی جانوں کو" اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر ممکن کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ان کو عاجز کرنے اور ان کو رسوا کرنے کے لیے ہے موت کے وقت کفار بہت سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اور جس طرح کوئی کانٹے دار شاخ کچڑ اور گارے میں پھنسی ہوئی ہو تو اس کو کھینچ کر بڑی سختی سے نکالا جاتا ہے اسی طرح ان کی روح ان کے بدن سے عذاب اور سختی کے ساتھ نکال جائے گی اس وقت ان سے فرشتے کہیں گے کہ اگر تم آسمانی کے ساتھ روح کو اپنے بدن سے نکال سکتے ہو تو نکال لو۔ کافر مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور اللہ سے ملاقات کے منکر تھے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ذلت والے عذاب میں مبتلا کر کے ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالواتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات سے محبت رکھے اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۵۰۰، صحیح مسلم، حدیث ۳، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث ۱۰۶۸، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث ۱۸۳)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۰ھ نے لکھا ہے کہ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کو عذاب اور سزا اور گلے میں ڈالے جانے والے طوقوں اور زنجیروں، دوزخ، گرم پانی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی بشارت دیتے ہیں تو اس کی روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے اور جسم سے نکلنے سے انکار کرتی ہے۔ تب فرشتے اس کے چہرے اور دہر پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی، کیونکہ تم اللہ پر ناحق بستن تراشتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کافر بندے پر موت وارد کرتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور اس کے پاس ایک ٹاٹ کا ٹکڑا بھیجتا ہے۔ جو ہر بدبودار چیز سے زیادہ بدبودار اور ہر سخت چیز سے زیادہ سخت ہوتا ہے فرشتے اس سے کہتے ہیں اے خبیث روح! جنم کی طرف نکل اور دردناک عذاب کی طرف اور تیرا رب تجھ پر ناراض ہے! باہر نکل تو نے بہت برے اعمال کیے ہیں وہ روح ایسے بدبودار مردہ کی طرح نکلے گی کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دیکھ لے تو اپنی ناک بند کر لے اور آسمان کے ارد گرد والے فرشتے کہیں گے سبحان اللہ! زمین سے ایک مردہ اور خبیث روح آئی ہے اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ پھر اس کے جسم کو زمین پر پھینکنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کی قبر میں تنگی کی جائے گی اور اس کو اونٹ کی گردن جتنے موٹے سپاہوں سے بھر دیا جائے گا وہ اس کا گوشت کھائیں گے اور اس کی ہڈیوں میں سے بھی کچھ نہیں چھوڑیں گے پھر اس کے پاس ہرے اور اندھے فرشتے بھیجیں جائیں گے ان کے پاس بوبے کے ہتھوڑے ہوں گے وہ کچھ دیکھیں گے نہیں تاکہ انہیں رحم آئے اور کوئی آواز نہیں سنیں گے تاکہ انہیں اس پر ترس آئے۔ وہ اس کو بری طرح ماریں گے اور اس کے لیے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دی جائے گی جس سے وہ صبح و شام کو دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھے گا اور وہ اللہ سے یہ دعا کرے گا کہ وہ اس کو اسی جگہ رکھے اور دوزخ میں نہ بھیجے۔

حافظ ابوشامہ الترمذی نے ۸۰ھ کے لکھا کہ یہ حدیث النعم الکبیر میں ہے اور اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم ہمارے پاس اسی طرح تہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (تہا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی

نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ گھنڈ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں ہمارے شریک ہیں، بے شک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور جن پر تم گھنڈ کرتے تھے وہ تم سے جاتے رہے۔ (الانعام: ۹۳)

مال و دولت اور شرک کے پرستاروں کی آخرت میں محرومی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ کفار دنیا میں مل جمع کرتے تھے اور اس کی طاقت پر بھروسہ کرتے تھے اور بتوں کی شفاعت اور مدد پر دستک کرتے تھے، لیکن قیامت کے دن وہ تھا آئیں گے، ان کے پاس مل ہو گا نہ ان کے ساتھ ان کے خود ساتھ اور باطل معبود ہوں گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مخنوں حالت میں جمع کیا جائے گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورتیں اور مرد جمع ہوں گے، کیا وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اس دن معاملہ اس سے بہت ہولناک ہو گا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔

(صحیح البخاری ج ۷، رقم المسند: ۵۴، صحیح مسلم ج ۲، سنن الترمذی ج ۳، رقم المسند: ۲۰۸۳، سنن ابن

ماجد ج ۳، رقم المسند: ۳۲۷۶، سنن کبریٰ للشیخ ج ۳، رقم المسند: ۲۲۸)

اس آیت سے حسب ذیل سبق حاصل ہوتے ہیں:

انسان کو دنیا میں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اس کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق زندگی بسر کرے اور اگر اس نے اپنی زندگی شیطان اور نفس کی پیروی میں گزار دی تو آخرت میں وہ بالکل نیک و تہنا ناکام اور خائب و خاسر ہو گا، جو انسان ساری عمر مل و دولت کے حصول میں سرگرداں رہا اور دنیا کی دلقریہوں میں منہمک اور مشغول رہا اور اس نے نجات اخروی کی کوئی تیاری نہیں کی، وہ محض قیامت کے دن کف السوس ملتا ہوا رہ جائے گا جو محض دنیا میں جموئی امیدوں سے وابستہ رہا اور باطل مذاہب کے ساتھ پیوستہ رہا، قیامت کے دن جب اس پر ان جموئے خداؤں کا جھوٹ ظاہر ہو گا، اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے سے قریب کا پردہ اتر جائے گا، وہ سلامتی اور سچائی کی راہ پر واپس آنا چاہے گا، لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ فَلِقُ الْحَبِّ وَالْتَوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

بے شک اللہ ہی دلنے اور نکالنے والا ہے، وہی زندہ کو مردہ سے

الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ فَاَنَّىٰ

نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتے والا ہے، یہی تو اللہ ہے، تم کہاں

تَوْفَكُونَ ﴿۹۵﴾ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَكُنِ الْيَلُ سَكَنًا وَالشَّمْسُ

بشک رہے ہو ۵ وہ رات کو چاک کر کے سج نکالتے والا ہے، اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج

وَالْقَمَرِ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي

اور چاند کو حساب کے لیے ، یہ بہت غالب اور بے مدد علم والے کا قدر کیا ہوا اندازہ ہے ۵ وہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ قَدْ

تجسّسے لیے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان سے فطرت اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو ، بیشک

فَصَلَّنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ

ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں ۵ وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا

وَإِحْدَةٍ ۚ فَمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾

کیا ، پھر مزید ایک کے ٹھکانے کی جگہ اور اس کی پرکھ کی جگہ ہے ، بیشک ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَآخَرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا ، پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائی ، پھر

شَيْءٍ ۖ فَآخَرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نَّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا ۖ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ

اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے ، پھر ان سے تہ بہ تہ کئے ہوئے دانے اور کھجور کے

طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَ

نخلوں سے پھلوں کے کچے پیدا کیے جو جگے پڑتے ہیں اور انجوروں اور زیتون اور انار

الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ انْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ

کے باغ اگائے جو ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں ، جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے

وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾

کچنے کی طرف دیکھو ، بیشک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۵

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ

اور انہوں نے اللہ کے لیے جن کو شریک قرار دیا مالاکھ اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے

يَغْيُرْ عَلَيْهِمْ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱۰۰﴾

اور بیشیاں گزریں، اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ ہی دانے اور گمشدگی کو پھاڑنے والا ہے، وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتے والا ہے، یہی تو اللہ ہے تمام کمال بھگ رہے ہو؟ (الانعام: ۹۵)

زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت اور قرآن مجید کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور وجود باری پر دلائل دیئے ہیں۔ ایک پارک سے دانہ کو حیر کر اللہ تعالیٰ اس میں ایک کو نکل پیدا کرتا ہے، وہ کو نکل اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر سل دیں تو ہمارے ہاتھ میں صرف پانی کی نمی رہ جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس کو نکل میں اتنی قوت پیدا فرماتا ہے کہ وہ سخت سے سخت زمین کو چیر کر زمین کے اندر نفوذ کر جاتی ہے، اس کا ایک حصہ زمین کے نیچے چلا جاتا ہے اور ایک حصہ زمین کے اوپر نکل آتا ہے، پھر نچلے حصہ سے جڑیں بنتی ہیں جو دور تک زمین کی گہرائی میں چلی جاتی ہیں اور اوپر کے حصہ سے ایک درخت بن جاتا ہے جس میں شاخیں ہوتی ہیں، ان میں سرسبز پتے ہوتے ہیں، شگوفے کھلتے ہیں اور پھل اور پھول لگتے ہیں، اسی ایک دانہ سے جس کی طبیعت واحد ہوتی ہے، مختلف رنگ کے پھل، پھول اور پتے پیدا ہوتے ہیں، مختلف ذائقے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان میں مختلف خواص اور الگ الگ تاثیریں ہوتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ خود بہ خود ہو رہا ہے؟ کیا یہ صرف دانہ باج کا کارنامہ ہے؟ کیا یہ کسی بے جان بت یا دیوی یا دیوتا کا کیا دھرا ہے؟ یہ دیوی اور دیوتا تو خود اپنے مرنے اور جینے میں کسی اور کی مشیت کے پابند ہیں، سورج، چاند اور ستارے ایک مقرر شدہ نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ پھر ان میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اس نظام کی تخلیق کا موجب ہے۔ ہذا اللہ کے سوا کون ہے جو اس تخلیق کا دعویٰ رکھتا ہے؟ کیا بھی کسی نے یہ نہوا لگایا کہ میں اللہ کا شریک ہوں؟ کیا بھی کسی نے کسی نبی، کسی رسول کو بھیجا، کوئی کتاب نازل کی کہ اللہ کے سوا اٹھائیں اٹھائیں اور بھی اس کار تخلیق میں اس کے معاون اور شریک ہیں؟ پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ جلاوچ، جلا دلیل اور بلاد دعویٰ کے کسی کو اللہ کا شریک بن لیں؟

اسی ایک درخت پر غور کر لو، اس کی جڑیں بھی لکڑی کی ہیں، اس کا تن بھی لکڑی کا اور جڑیں زمین کے نیچے جا رہی ہیں اور تن زمین کے اوپر جا رہا ہے، اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے نیچے جانا ہے تو تن اوپر کیوں جا رہا ہے؟ اور اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے اوپر جانا ہے تو جڑیں زمین کے نیچے کیوں جا رہی ہیں؟ معلوم ہوا کہ لکڑی کی طبیعت کا تقاضا کچھ بھی نہیں، یہ سب کچھ ایک قدر قیوم کے حکم سے ہو رہا ہے، وہ جس حصہ کو چاہتا ہے، اس کو نیچے کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے، اوپر کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتے والا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ خلفہ سے زندہ بشر پیدا فرماتا ہے اور زندہ بشر سے خلفہ نکالتا ہے، اسی طرح بے جان انڈے سے مرغی کا چوڑہ نکالتا ہے اور زندہ مرغی سے بے جان انڈا نکالتا ہے، اور ایک ضد سے دوسری ضد نکالتا، اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ سب کچھ محض طبعی تقاضوں سے نہیں ہو رہا، بلکہ ایک زبردست مدد اور عظیم کی قدرت سے ہو رہا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بے جان بیج سے سرسبز کو نکل نکل آتی ہے اور سرسبز درخت سے بے جان بیج نکل آتے ہیں، اسی طرح کافر کے ہاں مومن اور مومن کے ہاں کافر پیدا

ہوتا ہے اور عالم کے ہاں جاہل اور جاہل کے ہاں عالم پیدا ہوتا ہے۔

اور جب تم اللہ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کے ان دلائل کا مشاہدہ کر رہے ہو تو پھر ان باتوں کی پرستش کیوں کر رہے ہو؟ اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو کیوں پکارتے ہو؟ ان کی عبودیت کیوں کرتے ہو؟ اور ان سے خشتیں اور مرادیں کیوں مانگتے ہو؟ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جب تم یہ مشاہدہ کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ پیدا کر دیتا ہے تو تم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جب وہ ایک بے جان قطرہ سے جیتا جاتا انسان کھڑا کر دیتا ہے تو وہ تمہارے مرنے اور پھر ریزہ ریزہ ہونے کے بعد تم کو ان ہی منتشر ذرات سے دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا؟ تم سوچتے کیوں نہیں اور ادھر ادھر کیوں مارے مارے پھر رہے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے یہ بہت غالب اور بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ (الانعام: ۹۶)

آسمان کی نشانیوں سے وجود باری اور توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نباتات اور زمین کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں سورج اور چاند اور آسمان کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا ہے۔

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا ہے اب فرمایا ہے کہ وہ رات کی ظلمت اور تاریکی کو چیر کر صبح کی روشنی کو پیدا فرماتا ہے جو آسمان کے کناروں پر پھیل جاتی ہے اور اس سے رات کی سیاہی منسلک ہوتی ہوئی ظہور ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی قدرت سے مختلف چیزیں پیدا فرماتا ہے اور اس سے اس کی غالب قدرت اور عظیم سلطنت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا یعنی رات کو جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو لوگ دن کے کام کاج سے رک جاتے ہیں اور تھکے ہارے لوگ رات کی گود میں سو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۖ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۖ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (الباء: ۹۷)

اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا اور ہم نے رات کو پردہ پوش کر دیا اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔

پھر فرمایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا یعنی سورج کے یومیہ دورہ سے دن اور رات وجود میں آتے ہیں جن کو تم جو ہیں ساعتوں میں تقسیم کرتے ہو اور چاند کے حساب سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو اور بارہ مہینوں کی گنتی سے تم سال کا حساب کرتے ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرحمن: ۵)

ہو الٰہی جعل الشمس حسیبا ۖ والقمر نورا ۖ و قدرہ مہارل لتعلموا عذد الیومین و الحسبات (یونس: ۵)

سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ اگر گردش میں ہیں۔

فرمایا ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نور اور اسکی شریں

مقرر کیں کہ تم لوگ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرنا

کر۔

یعنی سورج اور چاند کی گردش کے لیے ایک سال کا نصب اور نظام مقرر کر دیا ہے۔ گرمیوں میں دن کا بڑا ہونا اور سردیوں

میں دن کا چھوٹا ہونا اسی مقررہ نصب اور نظام کی وجہ سے وجود میں آتا ہے اور سورج کے طلوع اور غروب میں اور طلوع کے بعد

بتدریج نصف النہار تک پہنچنے میں اور زوال کے بعد ڈھل جانے میں تمہاری نمازوں کے اوقات اور ہمارے رمضان میں سحری اور

نظاری کے اوقات ہیں اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علامتوں سے تم میںوں کا تعین کرتے ہو اور ماہ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور حج کی عبادت انجام دیتے ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں، رات کو چہر کر صبح کو پیدا کرنا، رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا۔

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے ساتھ شہداء کر کے دعا کی ہے۔

امام مالک بن انس ابھی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

امام مالک کو یحییٰ بن سعید سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! (رات کی تاریکی سے) صبح کو چہر کر نکالنے والے اور رات کو آرام کے لیے بنانے والے، سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنانے والے، میری طرف سے قرض کو ادا کر دے اور مجھے فقر سے غنی کر دے اور میری سماعت اور بصارت اور میری طاقت سے مجھے اپنے راستہ میں نفع عطا فرما۔ (موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۴۴۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو، بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۷)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو پیدا کرنے کا قاعدہ بیان کیا کہ تم اپنے سطروں میں سورج اور چاند کے علاوہ ستاروں سے بھی راہنمائی حاصل کرتے ہو۔ ان کی مدد سے انسان راستوں کو تلاش کرتا ہے اور راستہ بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے، جب انسان آسمان کی ان نشانوں اور ان کی باریکیوں اور ان کے اسرار و رموز پر غور کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حکمت منکشف ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں، یعنی ہم نے قرآن مجید کی آیات کو اور کائنات میں وجود باری تعالیٰ پر بکھری ہوئی نشانوں کو اہل علم اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اسرار کو پاسکیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کے علم اور اس کی قدرت پر استدلال کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا کیا، پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے، بے شک ہم نے سمجھنے والوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۸)

انسان کے نفس سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

زمین اور آسمانوں میں وجود باری اور اس کی توحید پر نشانوں کا بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ نشانیاں بیان فرمائیں جو خود انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے تم کو ایک نفس سے پیدا فرمایا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کی نسل سے ازواج اور نسل کے ذریعہ تمام انسان پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْفُؤْا رَتَكُمْ اَلَدُّى خَلَقَكُمْ
قَوْى تَفِىسٌ وَّ اَحَدٌ وَّ خَلَقَ مِنْهَا رَوْحَهَا وَاَبَتْ
مِنْهَا نَارَ خَالٍ كَثِىْرٌ وَّاُنْثٰى (النساء: ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ (حواء) کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدت، اس کے علم اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلائل کرتا ہے کہ انسان غور کرے جس طرح تمام انسانوں کا سلسلہ ایک نفس پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کائنات اور حوادث کا سلسلہ بھی ایک اصل اور ایک قائل مختار پر ختم ہو جاتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ ہے اور وجود واحد ہے اور

واجب اور قدیم ہے، ورنہ اسے بھی کسی موجد کی ضرورت ہوتی اور اس تمام کائنات کو اس نطفہ واحد پر اس نے علم اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ظاہر ہے اس کے علم اور قدرت کے بغیر انسانوں کا یہ سلسلہ وجود میں نہیں آسکتا تھا۔
تمام انسان نسلانہ برابری ہیں

تمام انسانوں کا ایک نفس سے پیدا ہونا جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت کا ذریعہ ہے، اسی طرح اس میں یہ رہنمائی بھی ہے کہ تمام انسان ایک اصل اور ایک نوع سے ہیں، ان کا ایک خیر ہے۔ یہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، یہ سب آپس میں بھائی ہیں، انہیں باہم بھائیوں کی طرح شہر و شہر رہنا چاہیے اور اختلاف اور انتشار نہیں کرنا چاہیے، ان میں رنگ، نسل اور علاقہ اور زبان کا جو اختلاف ہے، وہ محض شہادت اور تعارف کے لیے ہے، ورنہ اصل میں سب کی ایک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ (الحجرات: ۱۳)
اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہیں (مختلف) بڑی قومیں اور قبائل بنایا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابو نصرہ بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے وسط میں جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سنا، اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے، کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ (المحدث)
(مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۳۸، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۹، طبع قدیم، حفظ المیشی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی سچ ہیں۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۲۹)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں ہمیں حجۃ الوداع کا خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے، نہ صرف تقویٰ سے، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو، سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تو حاضر عتاب تک یہ پیغام پہنچا دے۔

(شعب الایمان، ج ۳، ص ۲۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

مستقر اور مستودع کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا استقرار کی جگہ رحم ہے اور سپردگی کی جگہ وہ زمین ہے جہاں وہ دفن ہو گا اور حسن بصری نے کہا استقرار کی جگہ قبر میں ہے اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ استقرار کی جگہ قبر ہے اور سپردگی کی جگہ طلب (پشت) میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ استقرار کی جگہ زمین میں ہے اور سپردگی کی جگہ پشت میں ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کیا تم نے شلای کر لی ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا اللہ عزوجل تمہاری پشت سے ان

تبیان القرآن

کو نکالے گا جن کو اس نے تمہاری پشت کے سپرد کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ مستقر وہ ہیں جو پیدا ہو چکے اور مستودع وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت یہ ہے کہ مستودع وہ ہیں جو اللہ کے نزدیک ہیں۔ (المجموع لاحکام القرآن ۷: ۷۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید کی ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حَبِيرٍ اور تمہارے لیے ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنے (البقرہ: ۱۲۶) کی جگہ اور قاعدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائی پھر اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے پھر ان سے تمہارے لگے ہوئے دانے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچے پیدا کیے جو جھگے پڑتے ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار کے باغ اگائے جو ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکتنے کی طرف دیکھو بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ (الانعام: ۹۹) سابقہ آیات سے ارتباط

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر استدلال کیا دوسری بار آسمان کی نشانیوں میں سے سورج اور چاند سے استدلال کیا پھر تیسری بار ستاروں سے استدلال کیا چوتھی بار فقس آسمان سے استدلال کیا اور اب پانچویں بار آسمان سے غزل ہونے والی بارش سے استدلال کیا۔ اس آیت میں وجود باری اور اس کی توحید پر دلیل بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ لولا آسمان سے پانی بارشوں کی طرف آتا ہے اور پھر بارشوں سے زمین پر پانی برستا ہے۔ بعد بعض علماء کہتے ہیں کہ دریاؤں اور سمندروں سے بخارات اٹھ جاتے ہیں اور بادل بن جاتے ہیں اور برسنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا اس کا معنی ہے آسمان کی جانب سے پانی برسایا۔

کھجور کے فضائل اور اس کا مومن کی صفت پر مشتمل ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چار قسم کے درخت بیان فرمائے ہیں۔ کھجور، انگور، زیتون اور انار اور درخت کے پھلوں سے پہلے کھیتوں کا ذکر فرمایا کیونکہ کھیتوں سے غذا حاصل ہوتی ہے اور درختوں کے پھلوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اور غذا لذت سے اہم اور اس پر مقدم ہے اور کھجور کو باقی پھلوں پر مقدم کیا کیونکہ کھجور غذا کے قائم مقام ہے خصوصاً عربوں میں اور علماء نے بیان کیا ہے کہ کھجور کی حیوان کے ساتھ کئی وجوہ سے مناسبت ہے اس کے متعلق حدیث میں ہے:

امام احمد بن علی المشی انعمی المتوفی ۷۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھجور کے درخت کی توقیر اور تعظیم کرو وہ تمہاری پھوپھی ہے کیونکہ وہ اس مٹی سے پیدا کی گئی ہے جس سے حضرت آدم پیدا کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کسی درخت کو گابھن نہیں کیا جاتا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بچہ جننے والی عورتوں کو تازہ کھجوریں کھاؤ اور تازہ کھجوریں میسر نہ ہوں تو چھوڑ دے کھاؤ اور اللہ کے نزدیک اس درخت سے زیادہ اور کوئی عزت والا درخت نہیں ہے جس کے نیچے مریم بنت عمران اتری تھیں۔ (مسند ابو یعلیٰ موسلی ج ۱ رقم الحدیث: ۴۵۵ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳ کمال ابن عدی ج ۱ ص ۲۳۲ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۸۹)

اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ عروہ بن رویم کی حضرت علی سے ملاقات نہیں ہے، اس کے علاوہ اس کا ایک راوی مسرور بن سعید ضعیف ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے۔ مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا، حضرت عبداللہ نے کہا میرا ذہن کجور کے درخت کی طرف گیا، لیکن مجھے (بڑے لوگوں کے سامنے بولنے سے) شرم آئی۔ پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! تم ایسے اوہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کجور کا درخت ہے، میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اگر تم اس وقت یہ بتا دیتے کہ یہ کجور کا درخت ہے تو مجھے یہ فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، صحیح مسلم، مناقب، ۳، ۶۶۵ (۲۸۸)، سنن کبریٰ لمسلم، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۳۷۸، مسند احمد، ج ۲، ص ۴۳، طبع قدیم)

رسول اللہ ﷺ نے کجور کے درخت کو مومن اور مسلم کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ اس درخت میں خیر بہت زیادہ ہے، اس کا سایہ دائمی ہے، اس کا پھل میٹھا ہے اور یہ ہمیشہ کھایا جاتا ہے۔ تازہ بھی اور خشک بھی، اس کے منافع بہت ہیں، اس کے تنے کے شتیر ملتے ہیں جو تعمیر کے کام آتے ہیں۔ اس کے چوں سے رسی، پنکلی، ٹوپی اور پگھے بنائے جاتے ہیں، اس کی محضل سے تصحیح بنتی ہے اور کئی قسم کے کام آتی ہے، پھر یہ بہت حسین و جمیل درخت ہے۔ اسی طرح مومن میں بھی بہت خیر ہے۔ اس کا عبادت کرنا، اچھے اخلاق سے پیش آنا، عبادت میں تو اہل حاصل کرنے کے لیے کھانا پینا، آرام کرنا اور سونگہ غرضیکہ حسن نیت سے اس کا ہر نیک کام عبادت ہے، اور اس میں اجر و ثواب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور درختوں میں کجور کے درخت کی یہ صفت ہے کہ وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے، حتیٰ کہ کجور کا ایک شتیر جس سے نیک لگا کر آپ خطبہ دیتے تھے، وہ آپ کے فراق سے چلا چلا کر رونے لگا، مومن کی محبت کے متعلق یہ حدیث ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو گا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل، اس کے مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ ایک اور روایت میں ہے حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، صحیح مسلم، ایمان، ۱۷، ۱۲۱-۱۲۲ (۳۳)، سنن ابی یوسف، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۰۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۷۷۷)

اور آپ سے محبت کی بنا پر آپ کے فراق میں کجور کے درخت کے رونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن کجور کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ انصار کی ایک خاتون نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے لیے ایک منبر نہ بنا دوں یا آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو انہوں نے آپ کے لیے ایک منبر بنادیا، پھر جب جمعہ کا دن آیا تو آپ منبر پر کھڑے ہو گئے، تو وہ کجور کا تاجچہ کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا، آپ

نے اس کو اپنے ساتھ لپٹا تو وہ بچہ کی طرح سسکیں اور سکیاں بھرنے لگا۔ حضرت جابر نے کہا وہ آپ کے ذکر کے فراق سے رو رہا تھا۔ دوسری سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں سے بنی ہوئی تھی اور نبی ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر بنادیا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس تنے سے اس طرح رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچوں کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی ﷺ نے آکر اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو پھر اس کو قرار آ گیا۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۸۵، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۵۰۵، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۹، سنن النسائی ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۵، مسند احمد ج ۵، ص ۳۹، طبع قدیم، مسند ابو یعلیٰ ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۶، دلائل النبوة لابی نعیم ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰-۳۰۴، المعجم الاوسط ج ۶، رقم الحدیث: ۵۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۷۹۱-۱۷۹۰، مجمع الزوائد ج ۲، ص ۱۸۸-۱۸۹)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن داری سرقدی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ بن حبش بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ خطبہ دیتے وقت طویل قیام کرتے ہوئے تھک جاتے تو ایک کھجور کے تنے کے سارے کھڑے ہو جاتے۔ صحابہ میں سے کسی شخص نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ پسند کریں تو میں آپ کے لیے منبر بنادوں جس پر بیٹھ کر آپ خطبہ دیں۔ آپ نے فرمایا بنادو تو انہوں نے تین یا چار بیڑھیوں کا منبر بنادیا، نبی ﷺ کو اس میں آرام ملا، جب نبی ﷺ اس تنے سے الگ ہوئے اور منبر پر بیٹھے تو نبی ﷺ کی ہدائی کی وجہ سے وہ ناک اونٹنی کی طرح جھج جھج کر رونے لگا۔ جب آپ نے اس کے رونے کی آواز سنی تو آپ نے اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا تم دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو، اگر تم چاہو تو میں تم کو اسی جگہ رہنے دوں اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں، تم جنت کی نسوں اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو، تمہارے پتے اور پھل خوبصورت ہوں اور اولیاء اللہ تمہارے پھلوں سے کھائیں۔ اس تنے نے نبی ﷺ سے کچھ کہا جس کو آپ نے سنا اور فرمایا اس نے یہ اختیار کر لیا ہے کہ میں اس کو جنت میں لگا دوں۔

(سنن داری ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲، المعجم الاوسط ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲، دلائل النبوة لابی نعیم ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰)

امام طبرانی اور امام ابو نعیم کی روایت میں ہے، تمہارے پھلوں سے متقی اولیاء اللہ اور انبیاء و مرسلین کھائیں۔

کھجور، انگور، زیتون اور انار کے خواص

کھجور کا مزاج گرم خشک ہے، اس کی اصلاح انار اور سنگھین سے ہو جاتی ہے۔ اس میں دھنڑا (حیاتین) اور تمام اہم معدنی نمکیات پائے جاتے ہیں، اس کے استعمال سے خون کے سرخ ذرات میں اضافہ ہوتا ہے، یہ کولیسٹرول کو متوازن رکھتی ہے، مدینہ منورہ کی کھجور مجوہ خاص طور پر دل کے لیے مفید ہے، یہ پیٹ کے کڑے مارتی ہے اور پیشاب کھول کر لاتی ہے، سو گرام کھجور میں ۲۳۳ حرارے، ۲ گرام پروٹین، ۳۷ گرام نشاستہ، ایک گرام چکنائی، ۵۵ ملی گرام کیکسٹیم، ۲۶۹ گرام سوڈیم، ۷۶۰ ملی گرام پوٹاشیم، ۷۲ ملی گرام فاسفورس، ۳۵۰ ملی گرام فولاد اور ۷ ملی گرام بھوک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کھجور کے بعد انگور کا ذکر فرمایا، کیونکہ انگور تمام پھلوں میں افضل ہے، کیونکہ یہ پھل بھی اول سے لے کر آخر تک نفع بخش ہے۔ اس سے سرکہ اور نمیز بھی بنایا جاتا ہے۔ انگور دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک چھوٹا انگور ہوتا ہے، یہ جب خشک ہو جائے تو اس کو کشمش کہتے ہیں، اور بڑا انگور جب خشک ہو جائے تو اس کو متقی کہتے ہیں۔ انگور کا مزاج گرم تر ہے، یہ زود ہضم اور کثیر اللہ ہے۔ خون صالح بہ کثرت پیدا کرتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے، سو گرام انگور میں ۶۹ حرارے، ایک گرام پروٹین، ۱۶

گرام نشاستہ ایک گرام پکتلی، ۷۱ ملی گرام میٹھیم، ۲۱ ملی گرام فاسفورس، ۶۶ ملی گرام فولاد، ۱۰۰ ملی گرام وٹامن اے، ۷۰۷ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۲ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

انگور کے بعد زیتون کا ذکر فرمایا ہے اس کا پھل سبز اور سیاہ دو رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ فلسطین، عرب، ایران اور جنوبی یورپ میں پیدا ہوتا ہے۔ زیتون کا تل بہت مفید ہے۔ سردی کے دروں میں اس سے بدن پر مالش کی جاتی ہے۔ یہ بدن کو غذائیت بخشتا ہے۔ اعصاب کو تقویت دیتا ہے، بڑھاپے کے تمام عوارض میں مفید ہے، جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ روغن زیتون کو ایسٹرول کو حل کر لیتا ہے۔

انار دو قسم کا ہوتا ہے۔ سرخ دانوں والا اور سفید دانوں والا۔ سرخ دانوں والے کا ذائقہ کھٹا مٹھا ہوتا ہے اور سفید دانوں والا شیریں ہے۔ اس کا مزاج سرد تر ہے۔ اس میں غذائیت کم ہے، خون صلیح پیدا کرتا ہے۔ اس میں جراثیم کش خصوصیات بھی ہیں، ۱۰۰ گرام انار میں ۳۳ ملی گرام میٹھیم اور ۲۵ ملی گرام فاسفورس، ۲۴ ملی گرام فولاد، ۲۲۰ ملی گرام وٹامن اے، ۱۰۸ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۸ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

پھلوں کی ابتدائی حالت اور ان کے پکنے سے وجود باری پر استدلال

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے ”جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو، بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔“

اس آیت کا یہی حصہ موضع استدلال ہے، اور یہی اس آیت سے مقصود ہے، کیونکہ پھل کے پکنے کے بعد اور اس کی ابتداء کی حالتیں، شکل و صورت، رنگ، ذائقہ اور مزاج کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پھلوں کا رنگ ابتداء میں سبز ہوتا ہے اور پکنے کے بعد سرخ یا زرد ہو جاتا ہے اور ابتداء میں ان کا ذائقہ ترش ہوتا ہے اور بعد میں شیریں ہو جاتا ہے اور ابتداء میں ان کی تاثیر سرد ہوتی ہے اور پکنے کے بعد گرم ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھلوں کی نشوونما میں جو یہ تغیر ہوتا ہے اس کا موجد اور خالق کون ہے؟ پھلوں کی طبیعت، موسم، ستارے اور افلاک تو ان کے موجد نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کی نسبت سب چیزوں کی طرف مساوی ہے اور جس کی نسبت سب کی طرف مساوی ہو، اس سے بعض میں مثلاً سرد اور بعض میں گرم، تاثیرات صادر نہیں ہو سکتیں۔ نیز موسم، ستارے اور افلاک تو خود ایک گئے بندھے نظام کے تابع ہیں، ان سے یہ اثرات صادر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ ان مختلف اور متضاد اثرات کا خالق وہی قادر و قیوم اور مدبر عالم ہے جو اپنی رحمت، مصلحت، حکمت، علم اور قدرت سے اس ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔

توڑے بغیر پکنے سے پہلے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیج کا عدم جواز

امام محمد بن اسماعیل بخاری متونی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کے بیج سے منع فرمایا، بیجے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مجوروں کی بیج سے منع فرمایا، تو قنیکہ وہ سرخ یا زرد نہ ہو جائیں اور سفید ہونے سے پہلے بلیوں کی بیج سے منع فرمایا، تو قنیکہ وہ آفت سے محفوظ نہ ہو جائیں۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۴۴۳، صحیح مسلم، ج ۴، رقم الحدیث: ۵۵۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۳۶۷-۳۳۶۸، سنن

ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۰، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۵۵۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۱۷)

فقہاء اختلاف کے نزدیک ظہور صلاحیت کا یہ معنی ہے کہ پھل اتنی مقدار کو پہنچ جائیں کہ وہ قدرتی آفت سے محفوظ ہو

جائیں اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس کا معنی پھلوں کا پک جانا اور اس میں مٹھاس کا آ جانا ہے۔ (مبسوط ج ۳ ص ۱۶۶)

باغوں میں پھلوں کی مروجہ بیج کے جواز کی صورتیں

ہمارے زمانہ کے اکثر اسلامی شہروں میں بلات کے پھلوں کی بیج کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیج ہوتی ہے۔ پھلوں کو درختوں سے توڑ کر بیج نہیں کرتے اور بالعموم اس وقت بیج کی جاتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا پور ظاہر ہوتا ہے اور کبھی پور کے بھی ظہور سے پہلے بیج ہو جاتی ہے۔ ان احادیث کے پیش نظر بیج کی یہ مروجہ صورتیں باطل ہیں۔ ہمارے فقہاء نے اس کے حل کی چار صورتیں بیان کی ہیں:

۱۔ علامہ سرخسی حنفی متوفی ۸۳۸ھ نے بیان کیا کہ خریدار ظہور سے پہلے پھلوں کو خرید لے اور ایک مدت معینہ تک زمین کو کرائے پر لے لے پھر پھلوں کے اتارنے تک جو زمین سے افزائش اور روئیدگی حاصل ہوگی وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہوگا۔ (المبسوط ج ۳ ص ۱۶۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

۲۔ اگر بعض پھلوں کے پور کا ظہور ہو گیا ہو اور بعض یا اکثر کا ظہور نہ ہوا ہو تو جن کا ظہور ہو گیا ہے ان کو اصل قرار دیا جائے اور جن کا ظہور نہیں ہوا ان کو تلخ قرار دیا جائے۔ یہ امام مالک، امام محمد بن حسن شیبانی، امام حلوانی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک جائز ہے اگرچہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔ (المبسوط ج ۳ ص ۱۶۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

۳۔ درختوں پر جس قدر بھی پور یا پھل ہوں ان کو خریدار خرید لے اس کے بعد فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں ان سب کو بلغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے۔

(المبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۷، فتح القدر ج ۵ ص ۲۹۲، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، بیروت ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ مصر)

یہ تین حل صرف اس صورت میں ہیں جب بلغ کے درختوں میں سے کسی ایک پر بھی کم از کم پور لگ گیا ہو لیکن ہمارے ہاں اس وقت بلغ کے پھلوں کی بیج ہوتی ہے جب بلغ کے کسی ایک درخت پر بھی پور تک نہیں ہوتا۔ اس صورت میں صرف یہ حل ہے کہ اس بیج کو حکماً بیج سلم قرار دیا جائے اس لحاظ سے یہ بیج جائز ہو جائے گی۔

علامہ سید محمد امین ابن علیہ بن شامی حنفی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ضرورت کا متحقق ہونا حنفی نہیں ہے۔ خاص طور پر دمشق میں جہاں پھلوں کے درخت بہت زیادہ ہیں اور چونکہ لوگوں پر جمالت کا غلبہ ہے اس لیے شریعی حل پر ان سے عمل کرنا علوقہً محال ہے۔ ہر چند کہ انفرادی طور پر بعض لوگوں سے عمل کرنا ممکن ہے لیکن دنیا کے تمام لوگوں سے اس پر عمل کرنا محال ہے اور لوگوں سے ان کی عادت چھڑانے میں بہت حرج ہے اور اس صورت میں جن شہروں میں صرف اس طرح پھلوں کی بیج ہوتی ہے ان کے لیے ان پھلوں کا کھانا حرام ہو جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت ضرورت کی بناء پر ہی وہی ہے حالانکہ وہ بھی بیج المہدم ہے۔ پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہے اس لیے اس بیج کو بیج سلم کے ساتھ بطریق ولالت لاحق کرنا ممکن ہے۔ سو اب یہ بیج اس حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ ”کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے۔“ اس وجہ سے فقہاء نے اس بیج کو استسنا جائز قرار دیا ہے جبکہ ظاہر قیاس کے مطابق اس بیج کو ناجائز ہونا چاہیے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۵۳، مطبوعہ استنبول ج ۳ ص ۲۹-۲۸، مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کے لیے جنوں کو شریک قرار دیا حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۰۰)

مشرکین کے اپنے شرکاء کے متعلق نظریات اور ان کے فرقے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر پانچ دلیلیں قائم کیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے نظریات بیان فرما رہا ہے اور ان کے باطل نظریات کا رد فرما رہا ہے۔

حسن بھری وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کا معنی یہ ہے کہ وہ جنوں کی اس طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح اللہ عزوجل کی اطاعت ہوتی ہے۔ قلدہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کلبی نے کہا یہ آیت زندہ بیٹوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں اور موسیٰ کی کا خالق ہے اور ابلیس جنات، درندوں اور چھوڑوں کا خالق ہے اور اس قول کے قریب محسوس کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ اس جہان کے دو بنانے والے ہیں۔ ایک خدا قدیم ہے اور دوسرا شیطان حادث ہے۔ کپلور ان کا زعم یہ ہے کہ برائی کا پیدا کرنے والا حادث ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ۷: ۷۷، ص ۴۸، ۴۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام غزالی نے محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے شریک قرار دینے والوں کے حسب ذیل فرقے ہیں:

۱۔ بت پرست لوگ ہیں۔ یہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ جنوں کو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں ہے، لیکن یہ جنوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں اور جنوں کی عبادت کرتے ہیں۔

۲۔ بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کے مدبر کو اکب ہیں اور ان کے دو فرقے ہیں ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ کو اکب واجبة الوجود لذواتہا ہیں اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ یہ ممکنۃ الوجود لذواتہا ہیں اور حادثہ ہیں اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے مگر اللہ سبحانہ نے اس عالم اسفل کی تدبیر ان کی طرف سونپ دی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ہی سے مناظرہ کیا تھا جب کہتا تھا "لا احب الا فلیس"۔

۳۔ بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس جہان کے دو خدا ہیں۔ ایک برائی کا خالق ہے، وہ اہرمن ہے اور ایک بھائی کا خالق ہے، وہ یزدان ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت زندہ بیٹوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں، موسیٰ اور نیکیوں کا خالق ہے اور ابلیس درندوں، سانپوں، چھوڑوں اور برائیوں کا خالق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو مذہب بیان کیا ہے، وہ محسوس کا مذہب ہے جو یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں۔

۴۔ کفار یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جن سے مراد فرشتے ہیں، کیونکہ جن کا معنی ہے چھپی ہوئی چیز اور فرشتے بھی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔

۵۔ یہود حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۸۸-۹۰، مختصر ادب موضح، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے مولود نہ ہونے پر دلائل

اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گزلیں۔ وہ اس سے پاک اور بلا تر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی پر علماء اسلام نے حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

۱۔ خدا اور معبود کا واجب لذات ہونا ضروری ہے، اگر خدا کے لیے بیٹے کو فرض کیا جائے تو وہ واجب لذات ہو گا یا ممکن لذات ہو گا؟ اگر وہ واجب لذات ہو تو اس کا مولود ہونا باطل ہے، کیونکہ مولود والد سے متاخر اور اس کی طرف محتاج ہوتا ہے اور واجب لذات کسی سے متاخر اور کسی کا محتاج نہیں ہوتا، بلکہ مستغنی اور قدیم ہوتا ہے اور اگر وہ ممکن لذات ہو تو پھر وہ اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق ہو گا اور مولود والد کا بندہ اور اس کی مخلوق نہیں ہوتا، نیز مولود والد کی جنس سے ہوتا ہے اور ممکن، محتاج اور حادث واجب، مستغنی اور قدیم کی جنس سے نہیں ہے۔

۲۔ مولود کی احتیاج اس لیے ہوتی ہے کہ والد کی موت کے بعد وہ اس کا قائم مقام ہو اور اس کے مشن کو آگے بڑھائے اور اللہ عزوجل پر موت کا اتنا محل ہے اس لیے اس کا مولود بھی محل ہے۔

۳۔ مولود والد کا جڑ ہوتا ہے اور جس کا کوئی جڑ ہو وہ مرکب ہوتا ہے اور مرکب حادث ہوتا ہے اس لیے اللہ کا مولود ہونا اس کے مرکب اور حادث ہونے کو مستلزم ہے اور اس کا مرکب اور حادث ہونا محل ہے اس لیے اس کا مولود بھی محل ہے۔

۴۔ مولود والد کے مشابہ ہوتا ہے اور اللہ کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے اس لیے اللہ کا مولود ہونا محل ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ موجودہ عیسائی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو باپ اور عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مجازاً کہتے ہیں، باپ سے مراد رحیم اور شفیق ہے۔ جسمانی لحاظ سے باپ مراد نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ کو خصوصیت سے بیٹا کیوں کہتے ہو؟ اور اس پر اصرار کیوں کرتے ہو؟ ساری کائنات کو اللہ کا بیٹا کہو، وہ سب پر شفیق اور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو شفیق اور رحیم اور حضرت عیسیٰ کو عزیز اور رحیم کیوں نہیں کہتے۔ جب کہ باپ اور بیٹا کے الفاظ جسمانی رشتہ کو ظاہر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے صراحتاً نقص ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متصور نہیں کہ وہ خدا کو باپ کہیں جو اس کے لیے نقص کا موجب ہے۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنۡیۡ یَّکُوۡنُ لَہٗ وَلَدٌۭ وَلَہٗ تَکُنۡ لَّہٗ صَاحِبَۃٌۭ

وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے، اس کی اولاد کیونکر ہوگی حالانکہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے،

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَہُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیۡمٌۭ ذٰلِکُمۡ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَاۤ اِلٰہَ

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ یہی ہے اللہ جو تبارک و تعالیٰ، اس کے سوا

اِلَّا ہُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوۡہُ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو تم اس کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز کا نیکیاں

وَّکِیۡلٌۭ ۙ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَہُوَ یَدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَہُوَ

ہے۔ انھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ نہایت باریکبین

اللطیفُ الْخَبِیۡرٌۭ ۙ قَدْ جَآءَکُمۡ بِصَآئِرٍ مِّنۡ شَآئِکُمْ فَمَنۡ اَبْصَرَ

بہت باخبر ہے۔ بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن نشانیاں آگئیں، سو جس نے انھیں

فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَنِ فَعَلِهَا وَمَا آتَاكُمْ بِحَفِظٍ ۝۱۰۳

کھول کر دیکھ لیا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے، میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں ۝

كَذَلِكَ نَصْرَفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا اَدْرَسَتْ وَلِنُبَيِّنَنَّ لِقَوْمٍ

بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے، اور تاکہ ہم اس قرآن کو علم والوں

يَعْلَمُونَ ۝۱۰۴ اَتَّبِعْ مَا اَوْحَىٰ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ

کے لیے بیان کر دیں ۝ آپ اس چیز کا پیروی کیجیے جس کی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝۱۰۵ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اشْرَكُوا وَمَا

کاستق نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجیے ۝ اور اگر ارادہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے

جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۝۱۰۶ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝۱۰۷ وَلَا

آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا، اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں ۝

تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدُوًّا

(اے مسلمانو!) تم ان کو برا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ یہ بے علمی اور جہالت سے اللہ کو

بَغْيٍ عَلَيْهِمْ كَذَلِكَ نَرِيَّكَ لِكُلِّ اُمَّةٍ عَلَيْهِمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ

بُرا کہیں گے، ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزید کر دیا ہے، پھر انہوں نے اپنے رب کی

مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸ وَاَقْسَمُوا بِاللّٰهِ

عزت لٹاتا ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے ۝ اور انہوں نے جی کہیں کہا میں کہ

جَهْدًا اَيُّمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ اٰيَةٌ لِّیَوْمٍ مِّنْ بَیْنِ اَیْمَانِنَا

اگر ان کے پاس کوئی نشان آگئی تو وہ مزید اس پر ایمان لائیں گے، آپ کہیے کہ نشانیاں تو

الْآیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعُرُكُمْ اَنْهَا اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۹

صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ ہم پر ایمان نہیں لائیں گے ۝

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ

ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے

وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝۱۱۰

اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ آسمانوں اور زمینوں کا سوجد ہے اس کی اولاد کو مگر ہو کی ملامت اس کی پوری ہی نہیں ہے

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۰۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا دلائل سے رد

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا تھا کہ مشرکین کے عقائد باطل ہیں اور اس آیت میں ان کے باطل ہونے

پر دلائل قائم کیے ہیں ان دلائل کی تشریح امام رازی نے اس طرح فرمائی ہے:

۱۔ بدیع کا معنی ہے کسی چیز کو بغیر کسی سابقہ مثل اور نمونہ کے پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء بغیر کسی

سابقہ مثل کے پیدا کرنے والا ہے اور یہی عیسائیوں کے عقیدہ کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے جس کی پہلے کوئی نظیر اور مثل نہیں تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء بغیر کسی سابقہ

مثل اور نمونہ کے پیدا کیا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ ہے اور اگر اس وجہ سے وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا

باپ نہیں ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس وجہ سے کیسے باپ ہو سکتا ہے؟

۲۔ عیسائی جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا باپ ہے۔ اگر اس سے ان کی یہ

مراد ہے کہ جیسے انسانوں میں معروف طریقہ سے اولاد ہوتی ہے اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں تو

اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تو بیوی ہی نہیں ہے تو اس کا بیٹا کیسے ہو گا؟ نیز معروف طریقہ سے اولاد کے حصول میں

وہ نقص محسوس ہو گا جو علی الفور کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ نوحہ کے انتظار کے بعد اولاد کو حاصل کرے گا لیکن جس کی

شکل یہ ہو کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو وہ ایک لفظ کن فرماتا ہے اور وہ چیز اسی وقت موجود ہو جاتی ہے۔ وہ اس معروف

دنیاوی طریقہ سے اولاد کو کیوں حاصل کرے گا؟ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے اور اس نے

ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

۳۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا فرض کیا جائے تو وہ قدیم ہو گا یا حادث؟ اس کا قدیم ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹا باپ سے

متاخر ہوتا ہے اور قدیم کسی چیز سے متاخر نہیں ہوتا اور اس کا حادث ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹے کے ہونے سے اللہ تعالیٰ کو

کوئی صفت کمال حاصل ہوگی یا صفت نقص۔ نقص کا فرض باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عل نقص نہیں اور صفت کمال حاصل

ہونا اس لیے باطل ہے کہ وہ قدیم اور ازلا تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ پھر بیٹے کو قدیم ہونا چاہیے ملامت اس کو حادث

فرض کیا تھا اور اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے کیونکہ اگر

اس کے علم میں یہ ہوتا کہ بیٹے کا ہونا اس کے لیے باعث کمال ہے تو بیٹا انبی اور قدیم ہوتا ملامت بیٹا باپ سے متاخر ہونا ہے اور

ضمیمہ القرآن جلد سوم

متاخر ہو ناقدیم کے ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیداکرنے والا ہے، سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ (الانعام: ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا ذکر فرمایا ہے کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

۱۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کی تخلیق کے لیے ایک صانع 'عالم' قادر اور مدبر کافی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ صانع کی ضرورت ہے تو ہم پوچھتے ہیں، کتنے صانعین کی ضرورت ہے؟ اگر تم کسی عدد کی تخصیص کرو، مثلاً تین یا چار کی تو یہ ترجیح بلا مرجع ہے، کیونکہ تمام اعداد مساوی ہیں اور اگر تم کسی عدد میں صانع کا حضرت کو تو غیر متناہی صانعین کا ہونا لازم آئے گا اور یہ برائمتین ابطال تسلسل سے باطل ہے۔

۲۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کو پیداکرنے کے لیے ایک صانع کافی ہے، جو تمام معلومات کا عالم ہو اور تمام ممکنات پر قادر اور مدبر ہو۔ اب اگر دو سرا صانع فرض کیا جائے تو یا تو ان دونوں میں سے ہر ایک اس جنم کے حوادث میں سے کسی چیز کو وجود میں لانے کا مستقل غافل ہو گا اور دوسرے کو اس میں مداخلت کرنے سے مانع ہو گا۔ ایسی صورت میں کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے ان دونوں میں سے صرف ایک کافی ہو گا اور دوسرا عاجز اور معطل ہو گا اور اگر کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے وہ دونوں باہم اشتراک اور تعاون کے محتاج ہوں تو یہ باطل ہے، کیونکہ جو محتاج ہو وہ الوہیت اور خدا کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۳۔ اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ضروری ہے کہ وہ دونوں صفات کمال کے جامع ہوں اور اس صورت میں تمام صفات کمال ان دونوں میں مشترک ہوں گی، پھر ان دونوں میں امتیاز کے لیے ایک امر تمیز ماننا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تعدد اور افسہیت بلا امتیاز باطل ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ امر تمیز صفت کمال ہے یا صفت نقص۔ اگر وہ صفت کمال ہے، تو پھر دونوں تمام صفات کمال کے جامع نہ رہے، کیونکہ یہ ایک اور صفت کمال ہے اور اگر وہ انہی صفات کمال میں سے ہے، تو یہ ماہہ الاشتراک ہے ماہہ الامتیاز نہیں ہے اور اگر یہ تمیز صفت نقص ہے تو نقص کا حامل الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۴۔ اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو وجوب وجود اور قدم ان میں مشترک ہو گا اور کیونکہ افسہیت بلا امتیاز باطل ہے، اس لیے ان میں ایک اور تمیز ہو گا اور ہر خدا دو چیزوں سے مرکب ہو گا امر مشترک اور امر تمیز اور جو مرکب ہو، وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۵۔ اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو اگر ایک معین وقت میں مثلاً ایک خدا زید کو متحرک کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کو ساکن کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں کا ارادہ پورا ہونا محال ہے، کیونکہ یہ اجتماع ضدین ہے۔ اس صورت میں صرف ایک کا ارادہ پورا ہو گا اور وہی غالب ہو گا اور دوسرا مغلوب ہو گا اور مغلوب الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں اتفاق کر لیتے ہیں اور اختلاف نہیں کرتے، تو ہم کہتے ہیں کہ ان میں اختلاف کرنا ممکن ہے یا نہیں، اگر اختلاف کرنا ممکن نہیں تو وہ عاجز ہوں گے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر اختلاف کر سکتے ہیں تو پھر وہی پہلی تقریر جاری ہوگی۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ اتفاق کرتے ہیں تو ضرور ایک دوسرے کی موافقت کرے گا اور جو موافقت کرے گا، وہ تابع ہو گا اور تابع الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اشارہ فرمایا ہے

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ
إِذْ أَذْهَبَ كُلَّ إِلَهٍ مِمَّا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ
عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ
اللَّهُ بَعْدَ مَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَعَسَ تَتُوبَ
(المؤمنون: ۹)

اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی
معبود ہے اور نہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ہر ایک
معبود دوسرے پر غلبہ پاتا، اللہ ان چیزوں سے پاک اور بالا تر ہے
جو وہ اس کے حلق بیان کرتے ہیں۔

لو كَانَ مِنْهُمْ آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا
(الانبیاء: ۲۲)

اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو
ضرور وہ دونوں (آسمان اور زمین) تباہ ہو جاتے۔

۶۔ اگر دو خدا ہوں تو یا تو وہ صفات ذاتیہ میں ایک دوسرے کے بالکل مساوی ہوں گے یا ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ ہو گا۔ پہلی
صورت اس لیے باطل ہے کہ الٰہیت بلا امتیاز محال ہے اور دوسری صورت اس لیے باطل ہے کہ جو ادنیٰ ہو وہ الوہیت کی
صلاحیت نہیں رکھتا۔

۷۔ اگر دو خدا ہوں تو یا تو ان میں سے ہر ایک اپنی مصنوع پر خصوصی دلیل قائم کرنے پر قادر ہو گا یا کوئی قادر نہیں ہو گا یا
صرف ایک قادر ہو گا؟ موخر الذکر دونوں صورتیں اس لیے باطل ہیں کہ قادر نہ ہونا مجز ہے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں
رکھتا اور اول الذکر صورت اس لیے باطل ہے کہ جب فی الواقع کسی مصنوع کے دو صانع ہوں تو عقل کے نزدیک یہ محال ہے کہ
اس کی دلالت کسی ایک صانع پر ہو نہ کہ دوسرے پر۔ مثلاً ایک درخت تل رہا ہے اب اس کا ہلنا اس پر دلیل ہے کہ اس کا کوئی
ہلانے والا ہے، لیکن عقل کے نزدیک اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا ہلانے والا فلاں ہے اور فلاں نہیں ہے۔

۸۔ اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ قادر نہ ہو
تو اس کا مجز لازم آئے گا اور اگر وہ اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہو تو دوسرے خدا کا جمل لازم آئے گا اور نہ عاجز
خدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ جمل۔

۹۔ اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعذیب کے مستحق تمام جہنم کو پیدا کرنے پر قادر ہے یا
نہیں؟ اگر وہ اس پر قادر نہیں ہے تو عاجز ہو گا اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعاون
کے مستحق تمام جہنم کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوسرے کا محصل ہو بلا لازم آئے گا اور اس کو خدا ماننا محبت ہو گا۔

۱۰۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہنم کا نظام ایک نقطہ اور طرز واحد پر چل رہا ہے اور کبھی اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج چاند
اور ستارے ہمیشہ ایک مخصوص جہت سے طلوع ہوتے ہیں اور اس کے مقابل جانب غروب ہوتے ہیں۔ بارش آسمان کی جانب
سے ہوتی ہے اور غلہ زمین سے پیدا ہوتا ہے، کبھی اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ انسان کے ہاں ہمیشہ انسان پیدا ہوتا ہے، بندر یا
لنگور پیدا نہیں ہوتا اور شیر کے ہاں شیر پیدا ہوتا ہے کبھی لومڑی پیدا نہیں ہوتی۔ سیب کے درخت میں کبھی تربوز نہیں لگتا اور
گندم کی ہالیوں میں کبھی جوار نہیں لگتا۔ یہ ساری کائنات نظام واحد پر چل رہی ہے، لہذا اس کا نظام واحد پر جاری ہونا زمین حال
سے بتاتا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے خالق متعدد ہوتے تو اس میں متعدد نظام ہوتے اور ان میں یکسانیت
اور وحدت نہ ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمود کے سامنے اسی دلیل کی طرف اشارہ فرمایا تھا:

قَالَ إِنِّي أَنبِئُكُمْ قِيَامَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ بِالْشَّمْسِ مِن
الشَّيْءِ قَاتٍ يَأْتِيَنَّهَا مِنَ الْغُيُوبِ
إبراهيم نے کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو
مغرب سے نکال۔

(البقرہ: ۲۵۸)

۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور جو کثرت کسی وحدت کے تابع نہ ہو تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ مثلاً کلاس میں طلبہ کسی ایک استاد کے تابع ہوتے ہیں اور جب اسکول میں متعدد استاد ہوں تو وہ کسی ہیڈ ماسٹر کے تابع ہوتے ہیں۔ صوبہ میں جب کئی وزیر ہوں تو ان کے اوپر وزیر اعلیٰ واحد ہوتا ہے اور متعدد مرکزی وزراء پر وزیر اعظم واحد ہوتا ہے۔ کسی ملک میں دو بادشاہ نہیں ہوتے نہ دو صدر ہوتے ہیں نہ دو وزیر اعظم ہوتے ہیں نہ کسی فوج کے دو کمانڈر انچیف ہوتے ہیں نہ کسی ادارہ میں دو چیف ڈائریکٹر ہوتے ہیں۔ ہر شعبہ میں مرکزی اقتدار صرف ایک کے پاس ہوتا ہے اور ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے۔ سو اسی طرح اس کائنات کا کار ساز مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے صانع اور مدبر بھی دو یا دو سے زائد ہوتے تو اس کا نظام بھی فاسد ہو جاتا۔ اور جس طرح کسی مملکت کے دو صدر نہیں ہو سکتے اسی طرح اس کائنات کے بھی دو خدا نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر جو میں نے دلائل پیش کیے ہیں ان میں سے کچھ دلائل علماء حقہ میں سے مستفاد ہیں جن کی میں نے اپنے انداز سے تقریر کی ہے اور ان میں سے کچھ دلائل اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمائے ہیں۔ واللہ الحمد علی ذالک حمدا کثیرا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہ نہایت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

رویت باری کے حلق فقہاء اسلام کے نظریات

تقریباً ہر دور کے علماء اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت (اس کا دکھائی دینا) دنیا اور آخرت میں ممکن ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے اس کا انکار کیا اور جمہور علماء اسلام کا موقف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے اور دنیا میں یہ رویت صرف سیدنا محمد ﷺ کے لیے معراج کی شب واقع ہوئی اور آخرت میں تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین کے لیے یہ رویت واقع ہوگی، میدان محشر میں بھی اور جنت میں بھی۔

منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات

معزلہ اور دیگر منکرین رویت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو چیز دکھائی دے وہ دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اس کے لیے ایک جانب اور جنت کا ہونا لازم آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر ہمیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا بھی انکار کر دو، کیونکہ دیکھنے والا بھی دکھائی دینے والی چیز کی جانب مختلف میں ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دیکھنے اور دکھائی دینے کا یہ متعدد ممکنات اور مخلوقات کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے جانب اور مقابلہ کی شرط ہے نہ دکھائی دینے کے لیے۔

منکرین رویت کی دوسری دلیل یہ آیت ہے جس کا معنی وہ یہ کرتے ہیں کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سلب عموم اور نفی شمول ہے۔ عموم السلب اور شمول النفی نہیں ہے۔ یعنی ہر ہر آنکھ کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے نہ ہر زمانہ میں دیکھنے کی نفی ہے نہ ہر ہر مواقع پر دیکھنے کی نفی ہے بلکہ بعض زمانہ میں بعض مواقع پر بعض لوگوں کے دیکھنے کی نفی ہے، سو دنیا میں دیکھنے کی نفی ہے اور آخرت کے بعض مواقع میں جب اللہ تعالیٰ غضب اور جلال میں ہوگا اس وقت اس کو دیکھنے کی نفی ہے اور کفار اور منافقین کے دیکھنے کی نفی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور محشر میں اور جنت میں دیگر انبیاء علیہم السلام

اور جملہ مومنین کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے۔

منکرینِ ریت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو بہ طورِ مذمت نقل کیا ہے اور اس مطالبہ پر عذابِ نازل کیا:

وَإِذْ قُلْنَا لِمُوسَىٰ لَنْ نُّؤَيِّسَ لَكَ حَتَّىٰ تَرَىٰ
اللَّهَ جَهَنَّمَ ۖ فَآخِذْ تَكَمُّمُ الضَّيْعَةَ ۚ وَ أَنْتُمْ
تَنْظُرُونَ ۝ (البقرہ: ۵۵)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھ لیں تو تم کو (بجلی کی) کڑک نے پکالیا اور تمہیں مظر کو ہر دیکھ رہے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی باتوں پر یقین کرنے کو از روئے عقل اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر مطلق کر دیا تھا اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے۔

منکرینِ ریت کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۸۰ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا جس شخص نے یہ زعم کیا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ مسروق نے کہا میں نیک لگائے ہوئے تھا میں سمجھ لیا کہ میں نے کہا اے ام المومنین! مجھے سہلت دیں اور جلدی نہ کریں، کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفُقِ الْمُبِينِ ۝ (التکوہر: ۲۳) اور ہے ملک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا۔
وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ (الحج: ۳۴) اور ہے ملک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔

حضرت عائشہ نے فرمایا میں اس امت میں وہ سب سے پہلی شخص ہوں جس نے ان باتوں کے مطلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جس صورت پر پیدا کیا گیا، میں نے اس صورت پر ان کو صریح دوبارہ دیکھا ہے۔ میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا، ان کی عظیم خلقت نے آسمان سے زمین تک کی جگہ کو بھر لیا تھا۔ حضرت عائشہ نے (مسروق سے) فرمایا کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیتیں نہیں سنیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ
آئیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

وَمَا كَانَ لِبَشِيرٍ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ
مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآيَاتِهِ
مَا يَشَاءُ (الشوریٰ: ۵۱)

اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ وہ اللہ سے کام کرے، مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے جو کچھ اللہ چاہے پہنچا دے۔

(صحیح مسلم، ایمان، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، صحیح ابوداؤد ج ۵، رقم الحدیث ۴۸۵۵، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث ۳۷۹۸، سنن احمد ج ۴، رقم الحدیث ۳۷۹۸، السنن الکبریٰ للعلانی ج ۲، رقم الحدیث ۷۳۷۷)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا، جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل نہیں تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا

ہے، لیکن وہ آخرت میں رستہ باری کا انکار نہیں کرتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل تھے اور جمہور علماء اسلام ان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ الانعام کی جس زیر بحث آیت سے استدلال کیا ہے اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں نہ یہ کہ آنکھیں اس کا مطلقاً اور اک نہیں کر سکتیں۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَجَنَّةٌ يُؤْمِنُ بِهَا خَيْرٌ مِّنْ اِلٰہِی رَبِّہَا نَظَرٌ ۝ (القیامہ: ۳۲-۳۳)

کتنے ہی چہرے اس دن ترو تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اس آیت میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی تصریح ہے:

كَذٰلِكَ اَنۡہَمۡ عَنْ ذَرِّہُمۡ یَوْمَئِذٍ لَّا یَسْمَعُوۡنَ (التطہیف: ۸۵)

بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے اور یہ چیز ان کے لیے اسی وقت باعث حزن و یاس ہوگی جب مسلمان اس دن اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گی۔ اگر ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو اور نہ کافروں کو تو پھر یہ چیز ان کے لیے باعث افسوس نہیں ہوگی۔

لَا تُدۡرِکُہُ الْاَبۡصَارُ (الانعام: ۱۰۳)

آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں ہے اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہو گیا ہو۔ اسی چیز کی نفی وجہ کمال ہوئی ہے جس کا ثبوت ممکن ہو۔ مثلاً ہوا خوشبو اور آواز کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کی مدح اور تعریف میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ہوا خوشبو اور آواز کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں تو اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں یہ اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف اسی وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہو۔ سو یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے:

قَالَ رَبِّ اَرۡسٰی اَنۡظُرُ اِلَیۡکَ (الاعراف: ۱۳۳)

موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں تجھے دیکھوں۔

اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہ کرتے۔

وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدۡعُوۡنَ (احم السجدہ: ۱۳۴)

اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے۔

نیک اور صاف دل لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار طلب کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ان کی ہر خواہش پوری فرمائے گا سو یہ آیت جنت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ نے چودھویں رات کے چاند کی

طرف دیکھ کر آپ نے فرمایا تم عقیقہ اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو تو اس طرح کرو۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۵۵۳، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۳۶، ۵۳۵، ۵۳۴، صحیح مسلم، الساجد ۲۸، ۲۹، ۳۰، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۹، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۶، سنن کبریٰ للنسائی ج ۱، رقم الحدیث: ۳۶۰، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۳۷۷، سنن احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۸، طبع قدیم)

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۳۷۹ھ روایت کرتے ہیں

حضرت صیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

يَلْبَسُ أَحْسَنَ الْحُسْنَى وَرِبَادَةً جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور

(ابونفس: ۳۶) — اس سے بھی زیادہ۔

آپ نے فرمایا جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک متلوی ندا کرے گا کہ اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے وہ کہیں گے کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا پھر حجاب کھول دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا جنتیوں کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۵۷۷، صحیح مسلم، ایمان ۲۹، ۳۰، ۳۱، سنن الکبریٰ للنسائی ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۷، سنن احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳، ۳۳۴، طبع قدیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کا دینی درجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنی جنتوں، اپنی بیویوں اور اپنی نعمتوں اور اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہو گا جو صبح اور شام اس کے چہرے کی زیارت کرے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَجُودُهُ يُؤْمِنُ بِهَا جَسَدُهُ ۝ وَالنَّارُ رِيَّتُهَا سَائِرُهُ ۝

(القیامہ: ۲۲-۲۳) طرف دیکھتے ہوں گے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ (سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۳)

حضرت ابو بکر بن عبد اللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سونے کا ہے اور ان لوگوں اور ان کے رب کے دیدار میں صرف اللہ کی کبریائی کی چلار ہے جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان ۲۹، ۳۰، ۳۱، صحیح البخاری ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۷۸، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۳۶، سنن الکبریٰ للنسائی ج ۳، رقم الحدیث: ۷۷۷، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۶، صحیح ابن حبان ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۷۷، سنن احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، طبع قدیم، المستدرک ج ۱، ص ۱۸۰)

شب معراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق علماء امت کے نظریات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۵۷۶ھ، صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

حقدین اور متاخرین کا اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے میں اختلاف رہا ہے۔ اکثر مبتدعین دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں اور اہل السنہ اور اہل السلف دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے جواز اور وقوع کے قائل ہیں۔ پھر اس میں بھی حقدین اور متاخرین کا اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو ہریرہؓ مشہور روایت کے مطابق حضرت ابن مسعودؓ سلف صالحین اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے اور سلف صالحین کی ایک عظیم جماعت نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے کہا حضرت موسیٰ کلام کے ساتھ خاص کیے گئے۔ حضرت ابراہیم خلت کے ساتھ اور سیدنا محمد ﷺ رویت کے ساتھ خاص کیے گئے۔ حضرت ابوذرؓ کعبؓ حسن بصریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا یہی نظریہ ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ امام ابو الحسن اشعریؒ اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی مقول ہے، مثل کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا اس کی نفی اور اثبات پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، لیکن یہ عقلاً جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً اور نقلاً جائز ہے، عقلی دلائل علم کلام میں ہیں اور نقلی دلائل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رویت کا سوال کرنا ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہو تا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے۔ نیز املیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ (المفہم ج ۱ ص ۳۰۳-۳۰۴ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی مالکی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن خالد نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے کہا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیمؑ کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰؑ کے لیے ہو اور دیدار سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو۔ پھر حضرت ابی بن کعبؓ نے بہت بلند آواز سے کہا اللہ اکبر! حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے رویت اور کلام کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور امام عبد الرزاقؒ نے روایت کیا ہے کہ حسن بصریؒ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور ابو عمر الطلمنکی نے اس قول کو عکرمہ سے روایت کیا ہے اور بعض متکلمین نے اس قول کو حضرت ابن مسعودؓ سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاقؒ نے روایت کیا ہے کہ موان نے حضرت ابو ہریرہؓ جثو سے سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اور نقاش نے امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے مطابق کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

دو بار بار کہتے رہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمد کا سانس منقطع ہو گیا۔ شیخ ابو الحسن اشعریؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی نظریہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت انسؓ حضرت ابن عباسؓ عکرمہؓ ربیع اور حسن بصریؒ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابو العالیہؒ قرطبی اور ربیع بن انسؓ کا یہ قول ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہؓ سے بھی یہ قول منقول ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے امام احمد سے بھی اس قول کی حکایت کی ہے۔ امام مالک بن انسؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہیں دکھائی دیتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی کو نہیں دیکھا جاسکتا اور جب مسلمان آخرت میں پہنچیں گے تو ان کو باقی رہنے والی آنکھیں دی

جائیں گی تو پھر باقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھ لیں گے۔ قاضی عیاض نے کہا یہ عمدہ کلام ہے۔ اس دلیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی اس دنیا میں قدرت ضعیف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اتنی قدرت عطا فرما دے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بوجھ اٹھا سکے تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رویت مستح نہیں ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن ۷: ۷۲، ص ۵۷-۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار رویت کے جوابات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۰۶ھ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب تحریر کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا اس مسئلہ میں بہت دلائل ہیں لیکن ہمارا استدلال اس قوی حدیث سے ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ غلط حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رویت سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو مگر میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں ایک معتد سند کے ساتھ حضرت انس جوڑی سے موسیٰ ہے کہ انہوں نے کہا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس مسئلہ میں دلیل جبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ صحابہ کرام مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت عمر جوڑی نے بھی اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا ہے اور ان سے یہ سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دیکھا ہے اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت سے کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے یہ روایت نہیں کیا کہ آپ نے فرمایا ہے میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے خود قرآن مجید کی دو آیتوں سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور جب صحابی کا قول کسی دوسرے صحابی کے قول کے خلاف ہو تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ رویت ثابت ہے تو اس روایت کو قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا اور اس میں قطعی دلائل کافی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ ممکن کرنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے عن اور اجتہاد سے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور معمر بن راشد نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زائد نہیں ہیں اور حضرت ابن عباس نے ایک چیز کو ثابت کیا ہے جس کی دوسروں نے نفی کی ہے۔ اور ثبت روایت علی پر مقدم ہوتی ہے۔ (صاحب تحریر کا کلام ختم ہوا)

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے کیونکہ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور یہ انہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ سے من کر ہی بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ کا استدلال صرف آیتوں سے ہے پس سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۳ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اور اک بہ طور اعطاف کی نفی ہے اور سورۃ شوریٰ کی آیت ۱۱۱ سے جو انہوں نے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بلا حجب رویت کی نفی نہیں ہے بلکہ بلا حجب کلام کی نفی ہے اور رویت کلام کو مستلزم نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو اور دیدار کے وقت کلام نہ کیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں عام قلمبند بیان کیا ہے اور عام مخصوص البعض ہے اور دوسرے دلائل سے ہمارے نبی ﷺ اس عام قلمبند سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی ج ۱ ص ۹۸۳-۹۸۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ریلوے ضلع ۱۳۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں آگئیں سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے میں تمہارا تمکین نہیں ہوں۔ (الانعام: ۱۰۳)

کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز آپ کے ذمہ نہیں ہے!

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا بیان کیا تھا اور اس آیت میں رسالت کا بیان فرمایا ہے کہ کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز رسول کے ذمہ نہیں ہے۔ دین حق کی دعوت دینا دلائل اور معجزات سے رسالت کو ثابت کرنا اور شبہات کو زائل کرنا اور احکام شرعیہ کو بیان کرنا یہ رسولوں کے ذمہ ہے اور کسی شخص کا ایمان لانا اور کفر کو ترک کر دینا یہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ نہیں۔ یہ انسان کے اپنے ذمہ ہے وہ ایمان اور کفر میں سے جس کو بھی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے پیدا کرتا ہے۔ سو نبی ﷺ کی تبلیغ سے ایمان لانے میں بندوں کا اپنا نفع ہے اور کفر پر برقرار رہنے میں ان کا اپنا نقصان ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے دین حق کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ اب لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور دین حق کو قبول کر لیں یہ ان کے اختیار میں ہے۔ ان کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع کے لیے دین حق پر بصیرت افروز دلائل بیان کر دیئے ہیں ان سے ہمیں فائدہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ان دلائل میں غور و فکر نہیں کرے گا تو اسے نقصان ہو گا اللہ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے اور یہ کہ دین حق کو قبول کرنا یا نہ کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور اس میں جبر کے مذہب کا رد ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت میں ایمان لانے یا نہ لانے کا جو اختیار دیا ہے وہ قتل اور جہاد کی آیتوں سے منسوخ ہو گیا۔ یہ قول صحیح نہیں ہے جہاں تک ممکن ہو آیات کو عدم نسخ پر محمول کرنا چاہیے اور جہاد اور قتل کے بعد بھی ایمان کا لانا یا نہ مانا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے اور تاکہ ہم اس قرآن کو علم والوں کے لیے بیان کر دیں O (الانعام: ۱۰۵)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کا شبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مکرین رسالت کا ایک شبہ بیان فرما رہا ہے۔ اس کی تمہید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک آیت کر کے قرآن نازل فرماتا ہے اور ایک معنی کو مختلف اسالیب سے بیان فرماتا ہے تاکہ اہل علم پر اللہ تعالیٰ کی مراد منکشف ہو جائے اور ان کے ذہنوں میں وہ معنی مستقر ہو جائے لیکن کفار کو اس سے یہ شبہ ہوا کہ نبی ﷺ علماء سے مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں۔ پھر اس بحث و تحقیق سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو مختلف فقہوں اور جملوں میں ڈھالتے ہیں۔ پھر اس کو یاد کر کے ہمارے سامنے پڑھتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ سب آپ کا لوگوں سے پڑھا ہوا اور حاصل کیا ہوا ہے۔ ورنہ اگر یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہوتا تو ایک ایک جملہ کی شکل میں کیوں نازل ہوتا؟ ایک بارگی پوری کتب نازل ہوتی کفار کے اس شبہ کا بیان اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی آیات میں کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا كَلِمَتُ الْأَوَّلِينَ
أَعْتَابَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءَ وَاطْلَمًا
وَرُورًا وَقَالُوا نَسِيطِرُ الْأَوَّلِينَ أَكُنْتُمْ أَهْلًا
نُفْلِي عَلَيْهِ بَكْرَةً وَأَصِيلًا (العنقران: ۵-۴)

اور کافروں نے کہا یہ (قرآن) صرف بہتان ہے جس کو اس رسول نے گھڑ لیا ہے اور اس کام پر دوسرے لوگوں نے ان کی مدد کی ہے (یہ کہہ کر) انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا اور انہوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کے (جھوٹے) قصے ہیں جو اس (رسول) نے

لکھوا لے ہیں۔ سو وہ صبح شام ان پر پڑھے جاتے ہیں۔

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ قرآن ایک آدمی سکھاتا ہے، حالانکہ جس کی طرف یہ (سکھانے کی) جموٹی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجی ہے اور یہ قرآن نہایت روشن عربی ہے۔

وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ الْقُرْآنَ بِأَفْهَمِ لِسَانٍ
الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْصَىٰ وَهَذَا
لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ (النحل: ۱۰۳)

ان کے اس شبہ کا قرآن مجید نے متعدد بار جواب دیا ہے مگر اگر تمہارے ذہن میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اور کسی انسان کا بتایا ہوا یا سکھایا ہوا کلام ہے تو تم اس کی کسی جموٹی سورت کی ہی مثال بنا کر لے آؤ، لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر نہیں لاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس چیز کی پیروی کیجئے جس کی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ (الانعام: ۱۰۶)

کفار کی دل آزار باتوں پر نیا پیچہ کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا تھا کہ کفار آپ پر یہ بہانے بنا رہے ہیں کہ آپ نے کچھ علماء سے کچھ مضامین سکھ لے لیے ہیں اور ان کو آپ الفاظ میں داخل کر پیش کر دیتے ہیں اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ اپنے رب کی نازل کی ہوئی وحی کی پیروی کیجئے، تاکہ ان کی طعن آمیز باتوں سے آپ کی دعوت اور تبلیغ متاثر نہ ہو۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان کے اس شک و شبہ اور طعن و تشنیع سے جو آپ کو حزن و ملال ہوا ہے، وہ زائل ہو جائے اور آپ کے دل کو تقویت حاصل ہو۔ پھر فرمایا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اس قول میں اس پر متنبہ کیا کہ آپ صرف اس کی اطاعت کیجئے اور جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے اپنے مشن کو متاثر نہ ہونے دیں اور فرمایا مشرکین سے اعراض کیجئے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت 'آیت قتل' سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ان سے مقابلہ نہ کریں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی دل آزار باتوں سے اعراض کریں اور ان پر غم اور افسوس نہ کریں، تاکہ آپ کی دعوت اور تبلیغ کا مشن متاثر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔ (الانعام: ۱۰۷)

اس آیت کا تعلق بھی اسی سابق طعن سے ہے، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ نے علماء سے مذاکرات کر کے یہ قرآن بنالیا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کی ان جہلانہ اور معاندانہ باتوں کی طرف توجہ نہ کریں اور ان کا کفر آپ پر بوجھ نہ بنے، کیونکہ اگر میں ان سے کفر زائل کرنے کا ارادہ کرتا تو میں اس پر قادر تھا، لیکن میں نے باوجود قدرت کے ان کو ان کے کفر پر چھوڑ دیا تو آپ بھی ان کی طعن آمیز باتوں سے اپنے دل پر اثر نہ لیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو موکد کرنے کے لیے فرمایا کہ آپ ان کے کفر کی وجہ سے کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو ان کا نگہبان اور ذمہ دار نہیں بنایا، آپ کے ذمہ صرف عقائد کی تعلیم دینا ہے اور احکام شرعیہ کا پہنچانا ہے۔ اگر انہوں نے آپ کے پیغام کو قبول کر لیا تو اس کا نفع ان کو ہو گا اور اگر آپ کے پیغام کو قبول نہیں کیا تو اس کا ضرر بھی صرف ان کو ہو گا اور آپ کے منصب رسالت پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم ان کو برا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، ورنہ یہ بے

علی اور جہالت سے اللہ کو برا کہیں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے پھر انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر وہ ان کو خیر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔ (الانعام: ۱۰۸)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے

اس آیت کا بھی اس سابق آیت کے ساتھ ربط ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ شبہ بیان فرمایا تھا کہ انہوں نے اہل علم کی باتیں سن کر فخر سے بٹے ہیں اور یہ قرآن جمع کر لیا ہے اور اس وقت یہ بعید نہیں تھا کہ مسلمان اس بات کو سن کر مشتعل ہوتے اور بطور معارفہ کے کفار کے جوں کو برا کہتے۔ اس لیے پیش بندی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے جوں کو برا کہنے سے منع فرمایا تاکہ کفار اس کے جواب میں اپنی جہالت سے مسلمانوں کے خدا کو برا نہ کہنے لگیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی جہل سے سابقہ ہو تو انسان اس کو کوئی سخت بات نہ کہے ورنہ وہ اس سے بھی زیادہ سخت بات کہے گا۔

اہم ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قلوبہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان کفار کے جوں کو برا کہتے تھے تو کفار اس کا معارفہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو برا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا تم ان کے جوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ اپنی جہالت سے تمہارے خدا کو برا کہیں گے۔

(جامع البیان 'جزء ۷' ص ۲۰۳ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار کہہ اور قریش اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے اور جوں کی عبادت بھی اس لیے کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں تو ان سے یہ کس طرح متصور ہے کہ وہ اللہ کو برا کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان جوں کو برا کہتے تھے تو دراصل کفار اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہنا اللہ تعالیٰ کو برا کہنا قرار دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ

(الفتح: ۱۰) اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

اسی طرح جب ستر انصار نے عقبہ ثانیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا جب ہم اپنی جانوں اور مالوں کو آپ کی اطاعت میں خرچ کریں تو ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت تو یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآنَ لَهُمُ الْجَنَّةُ (التوبہ: ۱۱)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا

(الاحزاب: ۵۷)

اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا متصور نہیں ہے اور اصل رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانا ہی اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا ہے۔

يُخَذُّ عُنَى اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا (البقرہ: ۹۷) وہ اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے ان کا اختلاف صرف رسول اللہ ﷺ سے تھا۔ ان کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ممکن نہ

تھا وہ اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ کو دھوکا نہ تھا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ
جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔ (النساء: ۸۰)

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔ آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے۔ آپ کو ایذا نہ تھا اللہ کو ایذا نہ تھا ہے۔ آپ کو دھوکا نہ تھا اللہ کو دھوکا نہ تھا ہے اور آپ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور جب آپ کے ساتھ کوئی معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے تو آپ کو برا کہنا اللہ کو برا کہنا ہے۔ اس لیے بتوں کو برا کہنے کے جواب میں کفار رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تم ان کے بتوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ اللہ کو برا کہیں گے۔

امام ابن جریر حنفی ۳۱۰ھ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو قریش نے کھان کے پاس چلو اور ان سے کہو کہ وہ اپنے بھتیجے کو منع کریں کیونکہ ہم کو اس سے حیا آتی ہے کہ ان کی موت کے بعد ہم ان کے بھتیجے کو قتل کریں۔ لوگ کہیں گے کہ وہ اپنے بھتیجے کا دفاع کرتے تھے اور ان کے مرنے کے بعد انہوں نے ان کے بھتیجے کو قتل کر دیا۔ تب ابو سفیان، ابو جہل، نضیر بن الحارث، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن العاص اور الاسود بن ابی العری نے ایک آدمی بھیج کر ابو طالب سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت مل گئی تو انہوں نے کہا اے ابو طالب! تم ہمارے بڑے اور ہمارے سردار ہو اور (سیدنا) محمد ﷺ ہمیں اور ہمارے خداؤں کو اذیت پہنچاتے ہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر ان سے کہو کہ وہ ہمارے خداؤں کا ذکر نہ کیا کریں ابو طالب نے آپ سے کہا آپ کی قوم نے انصاف کی بات کی ہے۔ نبی ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا یہ بتاؤ اگر میں ایسا کروں تو کیا تم مجھے ایک ایسا کلمہ دو گے کہ اگر تم وہ کلمہ دے دو تو تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارے بائیکاٹ ہو جائیں گے۔ ابو جہل نے کہا ہاں! تمہارے باپ کی قسم ہم تم کو ضرور وہ کلمہ دیں گے بلکہ اس کا دس گنا دیں گے۔ بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم کو لا الہ الا اللہ انہوں نے اس کو پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ابو طالب نے کہا اے بھتیجے! کوئی اور بات کہو تمہاری قوم اس کلمہ سے بدکتی ہے آپ نے فرمایا اے میرے چچا! میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہوں گا حتیٰ کہ یہ سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں اور اگر انہوں نے سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا تب بھی میں اس کلمہ کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔ تب وہ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے آپ ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ کو بھی برا کہیں گے اور جو آپ کو حکم دیتا ہے اس کو بھی برا کہیں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۳۰۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۴، ص ۱۳۶، تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۷۹-۷۸)

سد ذرائع کی بناء پر بتوں کو برا کہنے کی ممانعت

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی حنفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کفار کے خداؤں کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم اس امت میں ہر حال میں باقی ہے لہذا جب تک کفر اپنی مخالفت میں ہو اور یہ خدا نہ ہو کہ وہ اسلام کو یا نبی ﷺ کو یا اللہ عزوجل کو برا کہے گا تو کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی صلیب کو یا ان کے دین کو یا ان کی عیادت گاہوں کو برا کہے اور نہ کسی ایسے کلم کے درپے ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو برا کہیں کیونکہ یہ معصیت پر ابھارنے کے قائم مقام ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ جو کلام کسی برائی کا ذریعہ بنے اس کو روکنا اور اس کا نہ کرنا واجب ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بعض لوگ کسی حذر کو اس کا حق وصول کرنے سے اس لیے روک دیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے دین میں کسی ضرر کے پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اگر حق واجب ہو تو اس کو ہر حال میں وصول کرے اور اگر جائز ہو تو پھر اس میں یہ قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہر امت گزاروں کے لیے ہدایت کو مزین کر دیا ہے اور کافروں کے لیے کفر کو مزین کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے یہی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔ آپ کہتے کہ نشانی تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانی آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۰۹)

فرمانشی معجزات نہ دکھانے کی وجہ

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو کافی پیچھے کی نبوت میں ایک شہ بیان کیا پھر اس کے جوابات دیئے اور اس میں آپ کی نبوت میں ان کا دوسرا شہ بیان فرمایا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری حنفی ۳۰۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اے محمد آپ ہمیں یہ خبر دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پاس ایک لاٹھی تھی جس کو انہوں نے پتھر پر مارا تو اس سے بارہ جٹے پھوٹ پڑے اور آپ خبر دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مرثدوں کو زندہ کرتے تھے اور آپ خبر دیتے ہیں کہ نوح کے پاس ایک لوتھی تھی تو آپ بھی ان معجزات میں سے کوئی معجزہ پیش کریں، تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں کس قسم کا معجزہ دکھاؤں؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے صفا پہاڑ سونے کا بنا دیں۔ آپ نے پوچھا اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! یہ خدا اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپ کی اطاعت کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا آپ کو اختیار ہے اگر آپ چاہیں تو صبح کو یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے گا اور اگر یہ معجزہ پیش کر دیا گیا اور یہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو ہم ان سب کو عذاب دیں گے اور اگر آپ چاہیں تو آپ ان کو پھوڑ دیں حتیٰ کہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ آپ نے فرمایا بلکہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے۔ تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان، ج ۷، ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکا رہا پھوڑ رہے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۰)

جب اللہ نے کفار کے دلوں کو پھیر دیا تو ان کا کفر میں کیا قصور ہے؟

یہ آیت بھی ان آیات میں سے ایک ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کفر اور ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کفار کے طلب کردہ معجزات پیش کر دیئے گئے اور کفار کو پتا چل گیا کہ یہ معجزات سیدنا محمد ﷺ کے دعوتی نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور آنکھوں کو اس صحیح دلالت سے پھیر دیا تو وہ اپنے کفر پر قائم رہے اور ان معجزات کی دلالت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں اور آنکھوں کو سچائی، ہدایت اور اسلام کی راہ سے پھیر دیا تو پھر ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو نگہ پہلی بار جب ان کا فریشتہ مجروح دکھایا گیا اور چاند کو شق کر دیا گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو دوسری بار اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ جب مجروح نہیں ہو سکتے تو صدق پر دلالت کرتا تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو دوسرے کے سطحوں اور انگاروں کی طرف پھیر دے گا تاکہ ان کو عذاب ہو جس طرح دنیا میں یہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو دوسرے کے سطحوں اور انگاروں کی طرف پھیر دے گا تاکہ ان کو عذاب ہو جس طرح دنیا میں یہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَكَةَ وَكَلَّمَهُمُ

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مُردے ان سے

السَّمَوَاتِ وَحِشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قَبْلًا مَا

باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی وہ

كَانُوا الْيُومِنُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يَعْجَلُونَ ﴿۱۱۷﴾

ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے کہ اللہ کی مشیت ہوگی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں ○

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا جو (لوگوں کو) دھوکے

يُورِثِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ

میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش فہمیاں اتار دیتے ہیں اور اگر آپ کا

مَا فَعَلُوهُ قَدْ أَفْتَرُوهُ وَمَا يَقْتُرُونَ ﴿۱۱۸﴾ وَلِتَصْغَى إِلَيْهِ أَفِئْدَةٌ

چاہتا تو وہ یہ نہ کہتے، سوائے ان کے کہ ان کے خیال پر چڑھیں ○ تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلَيَرْضَوْهُ وَلَيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ

وہ ان (خوش فہمیاں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا

مُقْتَرِفُونَ ﴿۱۱۹﴾ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكْمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ

وہ ارتکاب کرنے والے ہیں ○ تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور احکام کرنے والا تلاش کروں حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری

الْكِتَابِ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ

طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے

مِّنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُتَكِبِّينَ ﴿۱۱۳﴾ وَتَمَّتْ

حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، (وہاں مخاطب:) تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ○ اور آپ کے رب کی

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ

بات بچائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہوئی، اس کے احکام کو کوئی بدسننے والا نہیں ہے، اور وہ بہت سننے والا،

الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾ وَإِنْ تَطِعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ

خوب جاننے والا ہے ○ اور (وہاں مخاطب:) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ

سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۶﴾

کر دیں گے، وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں ○

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ

بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہوگا، اور وہ ہدایت پانے والوں

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾

کو (وہی) خوب جانتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے سوائے اس کے کہ یہ اللہ کی مشیت ہو لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الانعام: ۱۱۷)

اللہ تعالیٰ کا مطلوب بندوں کا اختیارِ ایمان ہے

اس سے پہلے آیت ۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیوں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے (الانعام: ۱۰۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے تمام مطلوبہ معجزات فراہم کر دے بلکہ اس سے بھی زیادہ مہیا کر دے کہ فرشتے نازل کر دے اور مردے ان سے کلام کریں بلکہ ہر چیز ان کے سامنے جمع کر کے پیش کر دی جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ایمان صرف وہی لوگ لاسکتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان لانا مقدر کر دیا تھا اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لانے

والے نہیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان مقدر نہیں کیا وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ اب اگر اللہ تعالیٰ ان میں جبر ایمان پیدا کر دے، یہ تبھی ایمان لائیں گے، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

یہ واضح رہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے اختیار سے ایمان لائیں اور وہ کسی میں جبر ایمان پیدا نہیں کرنا چاہتا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندے اپنے ایمان کے خالق ہیں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندے اپنے اختیار سے ایمان لانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں ایمان پیدا کر دیتا ہے، بندہ کسب اور ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خلق اور پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنادیا جو (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نمائشیں القاکرتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۰)

انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین (سرکشوں) کا ہونا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے لیے سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنادیا تھا، اسی طرح آپ کے لیے بھی سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنادیا ہے۔

اس آیت میں شیاطین الانس والجنس فرمایا ہے۔ اس کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ شیطان سے مراد سرکش ہے اور انسانوں اور جنوں میں سے بعض سرکش ہوتے ہیں اور یہ دونوں مومنوں کو بھگانے اور گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ تمام شیطان ابلیس کی اولاد ہیں، اور اس نے ان کے دو گروہ کر دیے ہیں۔ ایک گروہ انسانوں کو بھگاتا ہے اور دوسرا گروہ جنوں کو بھگاتا ہے اور ان دونوں گروہوں کو شیاطین الانس والجنس کہا جاتا ہے، لیکن پہلی تفسیر راجح ہے اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ جونیج بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منیہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور صحابہ کا یہ گمان تھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، اس لیے وہ آپ کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوذر جونیج آکر آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر! کیا تم نے آج نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اب کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب انہوں نے چار رکعات چاشت کی نماز پڑھ لی تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے پناہ طلب کیا کرو، انہوں نے کہا یا نبی اللہ! کیا انسانوں کے لیے بھی شیطان ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! جن اور انس کے شیاطین (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نمائشیں القاکرتے ہیں۔ الحدیث بطول۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۲۸۸، ۲۲۸۹، طبع دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۲۹، ۲۳۵، طبع قدیم، سنن الترمذی، ج ۸،

رقم الحدیث: ۵۵۲۲، المعجم الکبیر، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۷، مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۵۵)

وحی، زخرف القول اور غرور کے معنی

اس آیت میں فرمایا ہے ان میں سے بعض، بعض کی طرف غرور (دھوکے) میں مبتلا کرنے کے لیے زخرف القول کی وحی کرتے ہیں۔

وحی کا معنی ہے اشارہ کرنا، لکھنا اور کلام غنی۔ جب وحی کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر بلا واسطہ یا فرشتے کی وساطت سے نیند یا بیداری میں نازل فرماتا ہے اور جب اس کی نسبت عام مسلمانوں کی طرف ہو تو اس سے مراد الہام ہوتا ہے۔ یعنی کسی خیر اور نیک بات کا دل میں ڈالنا اور جب اس کی نسبت شیطان کی طرف ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے تو اس کا معنی ہے دوسرے یعنی کسی بری بات یا برے کام کی طرف انسانوں کے دل کو مائل اور راغب کرنا۔ زخرف اس چیز کو کہتے ہیں جس کا باطن باطل، برائی اور گنہگار ہو اور اس کا ظاہر مزین، خوش نما اور خوب صورت ہو۔ جیسے چاندی پر سونے کا طبع کر کے اسے سونا بنا کر پیش کیا جائے۔

غور کے معنی ہیں دھوکا، مضروبہ، غصہ ہے جو کسی چیز کو مصلحت کے مطابق عمدہ اور نفع آور بنان کرے اور درحقیقت وہ اس طرح نہ ہو۔

شیطان کے دوسرے اندازی کی تحقیق

شیطان کے دوسرے دھوکا کھانے کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک انسان کسی چیز کے متعلق یہ یقین نہ کرے کہ اس میں خیر غالب ہے اور نفع زیادہ ہے، تو اس چیز میں رعبت نہیں کرتا اور اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتا۔ پھر اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق ہو تو یہ حق اور صدق ہے اور اگر یہ یقین کسی فرشتے کے اتمام کرنے کی وجہ سے ہے تو یہ الہام ہے اور اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق نہیں ہے اور اس کا ظاہر حسین اور مزین ہے اور اس کا باطن قاسد اور باطل ہے تو یہ کلام مزخرف ہے۔ اب یاد رہے کہ اپنی لامطی کی وجہ سے بری چیز کو اچھا اور محل کو سونا سمجھ لیا اور یا ارواح خبیثہ نے اس کے دل میں یہ دوسرے ڈالا ہے اور اس کے ذہن میں برائی کو خوش نما بنا کر پیش کیا ہے اور یہی معنی اس آیت میں مراد ہے۔

درحقیقت وہ جس دھوکے کی ہوتی ہیں، ایک طیبہ اور ظاہر ہوتی ہیں یہ فرشتے ہیں اور دوسری ہلاک اور شریر ہوتی ہیں یہ شیاطین ہیں۔ ارواح طیبہ جس طرح لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کو بھی نیکی کا حکم دیتی ہیں اور ارواح خبیثہ جس طرح لوگوں کو برائی کا حکم دیتی ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کو بھی برائی کا حکم دیتی ہیں۔ پھر انسانوں میں جن کی سرشت نیک ہوتی ہے اور ان پر پاکیزگی اور خیر کا غلبہ ہوتا ہے، ان کی فرشتوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان پر الہام ہوتا ہے اور جن کی سرشت خبیثہ ہوتی ہے اور ان پر برائی کا غلبہ ہوتا ہے، ان کی شیطانوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں شیطان دوسرے ڈالتے رہتے ہیں۔ پھر انسانوں میں جو زیادہ خبیث اور سرکش ہوتے ہیں، وہ دوسرے انسانوں کے دلوں میں دوسرے اندازی کرتے ہیں اور برائیوں کو خوش نما بنا کر دوسرے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں اور گناہوں پر راغب کرتے ہیں۔ اس آیت میں یہی بتایا ہے کہ شیطان جن اور شیطان انسان لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے برائیوں کو خوش نما بنا کر بیان کرتے ہیں، اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے شیطان انسانوں اور شیطان جنوں سے پتہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

اس بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔

امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی حوالی ۱۷۷۷ء میں روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن آدم کے قریب ایک شیطان کا نزول ہوتا ہے اور ایک فرشتہ کا نزول ہوتا ہے (یعنی اس کے دل میں ایک اتمام کرنے والا شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ) شیطان کی طرف سے اتمام کرنے والا اس کو مصائب سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کرتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے اتمام کرنے والا خیر کی بشارت دیتا ہے۔ جو شخص اس کو اپنے دل میں پائے وہ اللہ کا شکر بخالائے اور جو شخص اپنے دل میں دوسری بات پائے وہ اعدوہ باللہ من الشیطان

الرحیم چمے پھر آپ نے یہ آیت چمی:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ
بِالْفَحْشَاءِ (البقرہ: ۲۷۸)

۴۔

امام ابو حنیفہ نے کہا یہ حدیث حسن قریب ہے۔

(سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۹۹۹، صحیح ابن حبان 'ج ۳' رقم الحدیث: ۹۷۷۷، السنن الکبریٰ 'ج ۶' رقم الحدیث: ۳۰۵۵)

امام مسلم بن حجاج قشوری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری امانت فرمائی کہ میں مسلمان ہو گیا۔ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم 'متفقین' ۶۱، (۲۸۸۳) ۶۹۷۵، مسند احمد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۳۸)

کافی عیاض نے کہا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کا جسم 'آپ کا دل اور آپ کی زبان شیطان کے آثار سے محفوظ ہے اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کا قرن جن (ہم زلنا نبی ﷺ کی برکت اور آپ کی مبارک صحبت سے مسلمان ہو گیا اور برائی کا حکم دینے والا نیکی کا حکم دینے والا بن گیا اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو شیطان کے افواء اور اس کے وسوسوں سے بچانے کی کوشش کریں۔

شیطان کی طرف سے القاء وسوسہ ہوتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء الہام ہوتا ہے۔ شیطان کفر، فسق اور ظلم کے وسوسے ڈالتا ہے اور توحید، رسالت، معرفت کے بعد اثنیۃ، قیامت اور جنت اور دوزخ کے انکار کی تلقین کرتا ہے اور فرشتہ 'اللہ' اور رسول اور قرآن مجید کی تصدیق کی تلقین کرتا ہے اور نماز، روزہ اور دیگر نیکی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ جب اس کے دل میں اس قسم کی باتیں آئیں تو اللہ کا شکر ادا کرے اور جب اس کے خلاف باتیں آئیں تو شیطان کے شر سے بچتا رہے۔ ہر چند کہ احکام شریعہ میں الہام مستہر نہیں ہے، لیکن دوسلوں شیطان سے اجتناب میں وہ مستہر ہے، عارفین نے کہا ہے کہ جو شخص حرام کھاتا ہو، وہ الہام اور وسوسہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے، سو آپ انہیں اور ان کی افتراء پر دازیوں کو ان کے

مل پر چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۱۱۷)

شیاطین کو پیدا کرنے کی حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسانوں اور جنوں میں سرکش اور شیاطین ساجدہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے امتیوں کو اپنے وسوسوں اور سازشوں سے نقصان نہ پہنچاتے اور اسی طرح وہ آپ کو اور آپ کی امت کو بھی ضرر پہنچانے سے باز رہتے، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حیثیت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حیثیت یہ ہے کہ بعض نیک لوگ ان شیاطین کی سازشوں اور وسوسوں کی وجہ سے ضرر میں مبتلا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ ان شیاطین کو آخرت میں مزادے اور نیک لوگوں کو ان کے امتحان میں کامیاب ہونے اور مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے جزا دے، تو آپ انہیں اور اس کے پیروکاروں کو اور ان کی مزخرف باتوں کو ان کے مل پر چھوڑ دیجئے۔ یہ آیت کفر، عذاب کی وعید اور اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کی بشارت کو مستحسن ہے۔ اور اس میں نبی ﷺ کو قسلی دینا ہے اور آپ کے قلب مبارک سے غم کو زائل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہ ان (خوش نماباؤں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا وہ ارتکاب کرنے والے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۳)

لتصغنی کا معنی

اس آیت میں لتصغنی کا لفظ ہے، اس کا لہو معنی ہے۔ علامہ جبار اللہ محمد بن عمر زعفرانی متوفی ۵۸۳ھ نے اس کا معنی لکھا ہے، معنی کا معنی ہے کسی چیز کی طرف میلان کرنا اور جھکاؤ۔ (الفتح ج ۲، ص ۲۵۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۷۱ھ)

اور علامہ ابن اثیر محمد جزری متوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

یہی کی حدیث میں "کان یصغی الیہ الیاء" وہ اس کے لیے برتن جھکاتے تھے، تاکہ وہ سوت سے پانی پی لے۔ اور حدیث میں اس کا معنی کان لگا کر سنتا بھی ہے۔ (المصنف ج ۳، ص ۲۳، مطبوعہ ابن کثیر، ۱۳۶۷ھ)

اس آیت کا معنی ہے یہ شیاطین ایک دوسرے کی طرف مزخرف اور مزین اقوال پہنچاتے ہیں، تاکہ نیک مسلمانوں کو برکائیں اور ان کی طرف ان کفار اور فسق کے دل مائل ہوں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، کیونکہ ان کے دوسرے ان کی خواہشوں کے موافق ہیں اور تاکہ وہ ان سے خوش ہوں، لیکن جو مسلمان انجام پر نظر رکھتے ہیں، وہ ان کی خوش نماباؤں میں نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ کہئے) تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور انصاف کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، سو اے مخاطب! تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (الانعام: ۱۱۳)

نبوت کی دو دلیلیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفر نے کئی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیئے جائیں تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ ان معجزات کے دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو چکی ہے، اور وہ قرآن مجید ہے۔ وہ کتاب مفصل ہے جس میں علوم کثیرہ ہیں اور وہ انتہائی فصیح اور بلیغ کلام پر مشتمل ہے جس کے معارضہ سے تمام مخلوق عاجز ہو چکی ہے، اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل نازل کی جن میں آپ کی نبوت پر دلائل اور پیشین گوئیاں ہیں اور تورات اور انجیل کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ آپ سچے اور برحق نبی ہیں، سو ان دو دلیلوں کے بعد اب اور کون سی دلیل کی ضرورت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آپ کہئے) کیا میں اللہ کے سوا اور کوئی حکم تلاش کروں؟ یعنی آپ کہئے کہ تم مجھ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے ہو، کیا اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد اور کسی کی شہادت کی ضرورت ہے جس نے میری نبوت کی تصدیق کے لیے قرآن مجید کو نازل کیا جو کتاب معجزہ ہے اور جو اس کتاب سے پہلے تورات اور انجیل کو نازل کر چکا ہے، جس میں میرے نبی ہونے کی پیش گوئی ہے، اور میری علامتیں اور نشانیاں بیان کر دی گئی ہیں اور جن لوگوں نے تورات اور انجیل کو پڑھا ہے جیسے حضرت سلمان فارسی، حضرت صیب رومی، حضرت عدی بن حاتم اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم وغیرہم وہ آپ کے نبی ہونے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔

پھر فرمایا نبوت کی ان دو دلیلوں کے آنے کے بعد تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اس میں بہ ظاہر آپ کو خطاب

ہے، لیکن مراد اس سے آپ کی امت ہے، یا اس میں ہر پڑھنے والے کو خطاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہو گئی، اس کے احکام کو کوئی

بدلنے والا نہیں ہے اور وہ بہت سنے والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۵۵)

کلمات رب کے صادق اور عادل ہونے کے معانی

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا تھا کہ قرآن مجید معجز ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کے رب کا کلمہ صدق اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا۔ یعنی قرآن مجید جو معجز کلام ہے، وہ پورا ہو گیا، جو نبی ﷺ کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مکلفین کو قیامت تک علم اور عمل کے اعتبار سے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ سب قرآن مجید میں جملہ موجود ہیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے وہ سب تمام اور مکمل ہیں، ان میں نہ کوئی تغیر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۵۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قلم اٹھالے گئے ہیں اور صحیفہ خشک ہو گئے ہیں۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے علم پر قلم خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم جن چیزوں سے ملاقات کرنے والے ہو، ان کے متعلق قلم (اللہ) کا خشک ہو چکا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب اللہ، باب ۲)

حضرت عبداللہ بن العاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ، اس نے کہا اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت تک ہر چیز کی تقدیر لکھ۔ (الحدیث)

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۰۰، سنن احمد، ج ۵، ص ۳۱۷، المعجم الکبیر، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۲۲۷، ۲۲۲۸، السنن الکبریٰ للبخاری، ج ۱۰، ص ۲۰۳، مختصر تحف السلاۃ المہرۃ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۲۲)

علامہ ابوبکر بن اسماعیل بویہری متوفی ۸۳۰ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد بن منیع نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد الطیالسی اور امام ابوداؤد بھستانی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس کی سند میں احمد بن سلیم ضعیف ہے۔ (اتحاف السلاۃ المہرۃ بزوائد المسند العشرہ، ج ۱، ص ۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں اللہ کے کلمہ کو جو صدق اور عدل فرمایا ہے، اس کا چوتھا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم میں خبریں ہیں اور دوسری قسم میں عقائد اور احکام شرعیہ ہیں۔ صدق کا تعلق قرآن مجید کی وہی ہوئی خبروں کے ساتھ ہے اور عدل کا تعلق عقائد اور احکام شرعیہ کے ساتھ ہے، یعنی اس کی وہی ہوئی تمام خبریں صادق ہیں اور اس کے بیان کردہ عقائد اور احکام شرعیہ سب عادل ہیں، یعنی متوسط ہیں اور صحیح ہیں۔ کیونکہ عدل کا معنی متوسط ہے جو افراتو اور تفریط کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ کا کلمہ صلوٰۃ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید دونوں میں خلف محال ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۵ مطبوعہ دارالامیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اشاعتِ وعدہ کے قائل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بہ ظاہر خلف وعید کو جائز کہتے ہیں لیکن حقیقتاً جائز نہیں کہتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی جرم کی کوئی سزا بیان کی ہے وہاں پر یہ شرط یا یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر میں معاف نہ کروں یا اگر میں چاہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو عذاب دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تو عذاب نہیں دے گا۔ لہذا اب وعدہ کے خلاف نہیں ہو گا بلکہ شرک پر جو عذاب کی وعید سنائی ہے وہاں یہ قید ملحوظ نہیں ہے اور اس وعدہ کا خلاف ہو نا اور کافر اور شرک کا پیشا جانا محال ہے اور امام رازی نے جو کہا ہے کہ خلف وعید محال ہے اس سے مراد شرک کی وعید ہے۔ دیگر گناہوں پر جو وعدہ ہے اس کا خلف مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کے علاوہ ہر گناہ کو ہر حال میں عذاب دے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خلف وعید کذب کو مستلزم ہے اور خلف وعید کا امکان کذب کا امکان ہے ان کا یہ قول باطل ہے کیونکہ خلف وعید تو بالفعل واقع ہو گا لہذا ان کے قاعدہ پر اللہ کے کلام کا بالفعل کذب ہو نا لازم آئے گا۔ معذرت اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مصلح) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔ وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۶۶)

عقیدہ اور عمل کی گمراہیوں کی تفصیل

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کے شبہات بیان کیے اور ان کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد فرمایا جب حق واضح ہو گیا پھر بھی اگر کوئی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرے اور آپ کے پیغام کو نہ مانے تو وہ محض اپنے گمان کی پیروی کرنے والا ہو گا اور گمراہ ہو گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ زمین کے اکثر لوگ جنہیں گمراہ کر دیں گے اور گمراہ کرنا گمراہ ہونے کی فرع ہے اور گمراہی تین چیزوں میں تصور ہو سکتی ہے۔ الوہیت کے اعتقاد میں نبوت کے اعتقاد میں اور احکام شرعیہ کے اعتقاد میں۔

الوہیت کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ کوئی شخص خدا کے وجود کو نہ مانے۔ جیسے دہریے ہیں یا متعدد خدا مانے۔ جیسے مشرکین اور بت پرست ہیں یا وہ لوگ جو خدا کے بیٹے مانتے ہیں۔ جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ کو اور یہودی حضرت عزیر کو۔

نبوت کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ مطلقاً نبی کو نہ مانے۔ جیسے ہندو کہہ لور بدھ مذہب والے یا سیدنا محمد ﷺ کے آنے اور ختم نبوت کے بعد کسی اور نبی کی بعثت کا اعتقاد رکھے۔ جیسے مرزائی، بھائی اور دیگر اور جو صدیق جن بشو شہ کو مانتے ہیں یا سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کو لعنت اور حیرا کرنے والے جیسے رافضی ہیں یا آپ کی آل اطہار کو برا کہنے والے جیسے مامی ہیں یا دونوں کو برا کہنے والے جیسے خارجی ہیں یا رسول اللہ ﷺ کی تنقیص اور بے لوثی کرے، آپ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہے اور جوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو آپ پر منطبق کرے، آپ کے لغو کلام اور کلمات کو کم کرنے اور چھپانے میں کوشش رہے، یا جو دوسری جانب غلو کرے، آپ کے بشر ہونے کا انکار کرے، یا آپ کے لیے ذاتی علم غیب اور ذاتی قدرت مانے یا آپ کے کلمات اللہ تعالیٰ کے مساوی یا زائد قرار دے۔

احکام شرعیہ میں گمراہی یہ ہے کہ جس کام کو نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہو اس کو مستحب جانتے جیسے شیعوں کو مستحب جانتے ہیں۔ یا جس کام کو نبی ﷺ نے حرام نہ کہا ہو اس کو حرام کہنا جیسے کوئی شخص عرفاتین مقرر کر کے ایصالِ ثواب

کے جیسے سوئم، چلم، عرس، گیارہویں شریف میں بھیل ڈوب کیا جاتا ہے تو اس کو حرام کہا جائے یا میلاد شریف کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ کے خدا کی آپ کی سیرت اور آپ کا ذکر خیر کیا جائے تو اس کو حرام کہا جائے تو یہ احکام شریعہ میں گمراہی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص سوئم، چلم، عرس، گیارہویں شریف اور میلاد شریف کو فرض یا واجب کے یا ان کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کرے یا اس طور کہ نہ کرنے والے کو ملامت کرے اور گمراہ جانے یا ان سے پہلے یا بعد ملاقات و سلام پڑھنے کو واجب کے یا اللہ کے بجائے اولیاء اللہ کی نذر اور معتدلے یا ان کی قبروں کا خوف کرے یا عید، تعجیل کرے یا اولیاء اللہ کو مستقل فی التصرف جانے، نور یہ جان کر ان کو پکارے اور ان سے مدد چاہے تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ امور احکام شریعہ میں گمراہی ہیں۔

اتباع عمن کی مذمت کی وضاحت

اس آیت میں اتباع عمن کی مذمت کی گئی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اخبار احوال اور قیاس پر جو عمل کیا جاتا ہے وہ بھی تو عمن کے درجہ میں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین جو عمن کی اتباع کرتے تھے تو اس کا استدلال قطعی دلیل پر نہیں تھا۔ اس کے برخلاف اخبار احوال اور قیاس کا استدلال قطعی پر ہے جو قرآن کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کا رب زیادہ بخیر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہو گا اور وہ ہدایت پانے والوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۱۱۷)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے تو پھر آپ ان مخالفین کے درپے نہ ہوں بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے؟ وہ ہر شخص کو اس کے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے جدا کرے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کافر اگرچہ ہمت یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں لیکن وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے احوال پر مطلع ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ گمراہی کے راستے میں بھٹک رہے ہیں اور جہالت کی دلوں میں سرگرداں ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ

اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا

بَآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ

نام، یا گیا ہو ۵ اللہ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ سے نہیں کھاتے جس پر

اللَّهُ عَلَيْهِ وَقَدْ فَضَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

اللہ کا نام یا گیا ہے، حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتا دی

إِلَيْهِ وَإِنْ كَثِيرٌ لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ

ہے، اللہ بیشک بہت سے لوگ بطور علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں، اللہ بیشک آپ کا رب

هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ﴿۱۲۰﴾

مدرسے پڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے ۱ اور کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو ، بیشک جو

الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيَجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۲۰﴾

رک گناہ کرتے ہیں ان کو عقرب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی ۱

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْثَالَهُمْ يَذْكُرُ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَّارٍ ﴿۱۲۱﴾

اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بیشک اس کو کھانا گناہ ہے ، بیشک شیطان

الشَّيْطَانُ لِيُوْحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَِّهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ

اپنے دوستوں کے دلوں میں دوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں ، اور اگر تم نے ان کی اطاعت

إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۲۱﴾

کی ترقم مشرک ہو جاؤ گے ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو (الانعام ۱۱۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ اور مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم اس جانور کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور مشرکین کی طرف توجہ نہ کرو جو موار تو کھا لیتے ہیں اور مسلمان جس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں اس کا کھانا برا جانتے ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ لوگوں نے آکر کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس کو کھالیں جس کو ہم نے قتل کیا ہے اور اس کو نہ کھائیں جس کو اللہ نے قتل کیا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

(سنن ترمذی ج ۵، رقم الحديث ۳۰۸۰، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث ۲۸۸۹، سنن النسائی ج ۷، رقم الحديث ۳۴۴۹، السنن

الکبریٰ للنسائی ج ۶، رقم الحديث ۱۱۷۱)

بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور اس پر بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے۔ البتہ اگر وہ عدا بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دے تو پھر اس ذبیحہ کو کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیلی بحث سورۃ الانعام ۵۱ میں انشاء اللہ آئے گی۔

مشرکین یہ کہتے تھے کہ مسلمان خدا کے بارے ہوئے جانور کو حرام کہتے ہیں اور اپنے بارے ہوئے جانور کو حلال کہتے ہیں

ان کا یہ قول حماقت پر مبنی تھا۔ کیونکہ دونوں جانوروں کو مارنے والا اللہ ہے۔ البتہ جو طبعی موت مرا ہے اس کی جان خدا کے نام پر نہیں نکلی اور جس جانور کو مسلمانوں نے اللہ کے نام پر ذبح کیا ہے اس کی جان خدا کے نام پر نکلی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ کو نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتادی ہے اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں اور بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۱۱۰)

مکی سورت میں مدنی سورت کے حوالہ کا اشکال اور اس کا جواب

حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل تمہیں بتادی ہے۔ اس کے متعلق اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس تفصیل سے مراد وہ تفصیل ہے جو سورۃ المائدہ ۳ میں بیان فرمائی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْيَحْيِ يَرَوْهَا أَهْلُ لَيْعِبِ الْذَّوْبِ (الایہ)

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورۃ المائدہ مدنی ہے اور سورۃ الانعام مکی ہے لہذا یہ تفصیل اس سورت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ تو اس سے پہلے نازل ہونے والی سورت میں اس کے بعد نازل ہونے والی سورت کا حوالہ کس طرح دیا جاسکتا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ سورۃ الانعام میں بھی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے اور وہ یہ آیت ہے:

قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ يَحْيِ يَرَوْهَا أَهْلُ لَيْعِبِ الْذَّوْبِ (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہتے کہ جو وحی میری طرف کی گئی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لیے ان کے سوا کوئی کھانے کی چیز حرام نہیں پاتا کہ وہ مردار ہو یا پھنے والا خون ہو یا خسر ہر کا گوشت ہو، سو وہ بے شک نجس ہے یا تاقرانی کے لیے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیت ۱۴۵ میں آیت ۱۴۴ کا حوالہ دینا کس طرح درست ہو گا؟ اس کا امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ترتیب وضع کے اعتبار سے ہے، ہو سکتا ہے اس کا نزول پہلے ہو گیا ہو۔

لیکن یہ جواب اس لیے درست نہیں ہے کہ سورۃ الانعام پوری کی پوری یکبارگی نازل ہوئی ہے اور اس میں کوئی آیت دوسری آیت پر نزول کے اعتبار سے مقدم یا موخر نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حرام چیزوں کی یہ تفصیل نبی ﷺ نے مسلمانوں کو پہلے ہی بتادی تھی اور مکہ مکرمہ کی زندگی میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں، اگرچہ ان کے متعلق آیت بعد میں نازل ہوئی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مکہ میں وضوء کرنا شروع تھا اور مسلمان وضوء کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اگرچہ آیت وضوء مدینہ میں سورۃ مائدہ میں نازل ہوئی ہے۔

تقلید صحیح اور تقلید باطل کا فرق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد عمرو بن لُحی اور اس کے بعد کے مشرکین ہیں، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین میں تغیر کیا اور بحیرہ اور سائبہ کو حرام قرار دیا اور مردار کھانے کو جائز کہا اور عمرو بن لُحی نے محض اپنی حماقت سے یہ مذہب نکالا۔

ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مولد کو حلال کہتے ہیں اور تم سے اس کے حلال ہونے کے متعلق متاخرے کرتے ہیں اور اس طرح وہ تمام لوگ جو اس گمراہی میں مبتلا ہیں وہ محض اپنی ہولناکیوں کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی بصیرت ہے نہ کوئی علم ہے۔ (معانی القرآن و اعرابہ للراجح ج ۳ ص ۲۸ مطبوعہ عالم الکتاب بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ محض ہوا نفسانی کی بنا پر عقیدہ کفرانہ سوم اور حرام ہے اور ہم جو ائمہ دین کی عقیدہ کرتے ہیں وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ کے اقوال قرآن اور حدیث کی خصوص پر مبنی ہیں اور ہمارے ائمہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر ہمارا قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو چھوڑ کر حدیث صحیح پر عمل کرو اور عقیدہ صحیح اور عقیدہ باطل میں یہی فرق ہے کہ عقیدہ صحیح کا جی قرآن اور حدیث ہے اور عقیدہ باطل کا جی ہوائے نفس ہے۔

لہذا تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کھانا کھانہ اور پوشیدہ کھانا کھانہ ہے غلبہ جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو مغربہ ان کے گناہوں کی سزا دی جائے گی۔ (الانعام: ۱۲۱)

ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کی ممانعت

قرآن مجید کی ایک اور آیت میں بھی ظاہر اور مخفی گناہوں سے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ
اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ۔ (الانعام: ۱۵۱)

فحاک نے بیان کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ چھپ کر زنا کرتے تھے اس کو وہ حلال کہتے تھے اور عہد نبی نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ بدکار عورتوں کی دکانوں پر جا کر زنا کرتے تھے اس کو برا جانتے تھے اور سعید بن جبیر نے کہا ظاہری گناہ باطنی گناہوں سے نکاح کرنا تھا اور باطنی گناہ زنا کرنا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں کی ممانعت کر دی۔

(جامع البیان ج ۸ ص ۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اثم کا معنی

علامہ رافع ابن خضام رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ اثم بن الخلیل کو کہتے ہیں جو ثواب کو ساقط کرنے کے موجب ہوتے ہیں۔ نیز انہوں نے لکھا ہے اثم عدوان سے عام ہے۔ (المفردات ص ۲۰ مطبوعہ ابراہیم بن محمد)

علامہ فیروز آبادی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے اثم کا معنی ہے ذنب (گناہ) خیر اور قمار اور ہر ناجائز کام کرنے کو اثم کہتے ہیں اور اثم کا معنی ہے کذاب۔ (التحف المجلد ج ۳ ص ۹۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اثم کی تعریف اور مصادیق کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

حضرت نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا (تو اثم) اور اثم (گناہ) کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا: اثم اخلاق ہیں اور اثم وہ کام ہیں جو تمہارے دل میں اضطراب پیدا کریں اور جس کام پر تم لوگوں کے مطلع ہونے کو پسند نہ کرو۔

(صحیح مسلم المبرج ص ۲۵۵ (۲۵۵) سنن الترمذی ج ۲ رقم الحدیث ۱۳۹۱ صحیح ابن حبان ج ۲ رقم الحدیث ۲۹۷۷ الادب المفرد

رقم الحدیث ۲۴۰۳۷ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث ۱۶۵۰ مطبوعہ دار الفکر)

اس آیت میں مسلمانوں کے اندر بے حیائی کی بات پھیلنے کے پسند کرنے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے اور یہ پسند کرنا دل کا فعل ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

اصنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کے لیے جانے لگا تو میری ملاقات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا میں اس شخص کی مدد کروں گا انہوں نے کہا لوٹ جاؤ۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان گمراہوں سے لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے مقابل کو قتل کرنے پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث: ۳۱، ج ۲، رقم الحديث: ۷۸، ج ۸، رقم الحديث: ۷۰۸۳، صحیح مسلم، متن ۳، ۷۹ (۲۸۸۸)، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۳۲۷۸، ۳۲۷۹، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۰، ۳۳۱، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۹۷۵، سنن کبریٰ ج ۸، ص ۱۵۰، طبع لادلیہ ج ۳، ص ۳۰۳، ج ۶، ص ۳۳، الکامل للابن عدی ج ۲، ص ۳۷۵، مشکوٰۃ، رقم الحديث: ۳۵۳۸) اس حدیث میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کی حرص پر عذاب کی وعید ہے اور یہ حرص دل کا فعل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کی جوتی اچھی ہو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جیل ہے اور جیل کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

(صحیح مسلم، ایمان ۷، ۷۹ (۹)، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۲۰۰۶، ۲۰۰۵، صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث: ۶۶۵۷، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۳۰۹۱، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۵۹، ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۱، صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحديث: ۵۶۸۰، مسند احمد ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰، ص ۱۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو دشمنی نہ رکھو بغض نہ رکھو حسد نہ کرو اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ امام ابو نعیم نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۱۸۳۲، صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث: ۷۰۷۶، صحیح مسلم، رقم الحديث: ۲۵۵۹، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۳۰۹۰، صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحديث: ۵۳۳، مسند عبدالرزاق ج ۱، رقم الحديث: ۲۰۲۲۲، مسند احمد ج ۳، رقم الحديث: ۷۰۷۶، موطا امام مالک، رقم الحديث: ۲۷۸۳، مسند ابی یاسر، رقم الحديث: ۲۰۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۳۰۳)

اس حدیث میں ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے، بغض رکھنے اور حسد کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ سب دل کے افعال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بے شک اس کو کھانا گناہ ہے۔ بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں دوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بھٹ کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔ (الانعام: ۱۲۱)

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کے متعلق مذہب فقہاء

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کے متعلق فقہاء مذہب کی مختلف آراء ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مسلمان نے جس جانور کو ذبح کیا ہو اس کا کھانا حلال ہے۔ خواہ اس نے عہد اسم اللہ نہ پڑھی ہو یا نسیاناً۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام احمد کے نزدیک اگر بھولے سے بسم اللہ نہیں پڑھی تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر عہد اسم اللہ کو ترک کر دیا ہے تو اس میں ان کے دو قوی ہیں۔ (زار المسیر، ج ۳، ص ۵۵، طبع بیروت، ۱۳۵۰ھ)

امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر عہد اسم اللہ کو ترک کر دیا تو وہ ذبیحہ حرام ہے اور نسیاناً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو پھر وہ ذبیحہ حلال ہے۔ (بدایہ المجتہد، ج ۲، ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر دلائل

امام ابو بکر احمد بن علی رازی، جصاص خفی متوفی ۳۷۰ھ اس پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ عہد اسم اللہ ترک کرنے سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اس آیت کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ خواہ عہد اسم نہ لیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنا موجب حرمت نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے کہا یہاں نسیان مراد نہیں ہے اب اگر بسم اللہ کو عہد ترک کرنا بھی جائز ہو تو اس آیت پر بالکل عمل نہیں ہو گا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذْ تَكُونُ الْأَنْفُسُ الْفُجُورِ (العنکبوت ۱۳)

شکار پر (سہ ہائے ہوئے کتے کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام

اور امر واجب کا تقاضا کرتا ہے اس لیے شکار پر شکاری جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور ملت سے بھی اس پر دلیل ہے۔ حضرت عدی بن حاتم جہنمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم سے شکاری کتے کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا جب تم اپنا سہ چلایا ہو اکتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھو تو اس کو کھاؤ بشرطیکہ اس نے تمہارے لیے شکار کو (کھانے سے) روک رکھا ہو اور جب تم اس کے سوا دوسرا کتا دیکھو جس نے ہلاک کیا ہو تو اس کو نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی۔ اس آیت اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذبیحہ پر بھی بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کو عہد ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۶۰، مطبوعہ لاہور)

اور اگر بھولے سے بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو ذبیحہ کے حلال ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمانوں نے نبی کریم سے عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں ہمیں پتا نہیں کہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا تم اس پر بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ حضرت عائشہ نے کہا اس وقت لوگ نے نے کفر سے نکلے تھے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۵۰۷، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۴۴۸، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۷۳، مصنف

عبد الرزاق، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۷۵، کنز العمال، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۹۸، سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم نے فرمایا مسلمان کے لیے اللہ کا نام کافی ہے۔ اگر وہ ذبح کے

وقت اللہ کا نام لینا بھول گیا تو وہ کھانے کے وقت ہم اللہ پڑھ کر کھالے۔ (اس حدیث کی سند حسن ہے)

(سنن دار قطنی ج ۳، رقم الحدیث ۳۷۶۳، سنن کبریٰ للسیوطی ج ۹، ص ۲۳)

حلال کو حرام کرنے یا حرام کو حلال کرنے کا شرعی حکم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں دوسے ڈالتے رہتے ہیں، تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔

اس دوسرے کا بیان اس حدیث میں ہے۔ امام ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ شرکین یہ کہتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے، اس کو نہ کھلاؤ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، اس کو کھالو۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث ۳۱۷۳، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث ۲۸۱۸)

اور وہ بحث یہ کرتے تھے کہ یہ کیا بات ہے جس کو اللہ نے مارا ہے اس کو تم نہیں کھاتے اور جس کو تم نے قتل کیا ہے اس کو کھا لیتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم شرک ہو جاؤ گے

یہ آیت اس پر دلائل کرتی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حلال کیے ہوئے کو حرام کیا یا اس کے حرام کیے ہوئے کو حلال کیا، تو وہ شرک ہو جائے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال اعتقاد کرے۔ تب وہ کافر اور شرک ہو گا اور اگر وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں کو اپنی نفسانی خواہش سے کرتا ہو، لیکن وہ ان کاموں کو حرام ہی جانتا ہو تو وہ فاسق اور مرتکب معصیت کبیرہ ہو گا کافر اور شرک نہیں ہو گا۔

أَوْ مَنْ كَانَ مِيثًا فَاحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا

کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے

یُمِشِّي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

ایک نور بتایا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل

مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۳﴾ وَكَذَلِكَ

نہ سکتا ہو، اسی طرح کافر جو عمل کرے وہ ان کے لیے خوشنما بنا لیے گئے ہیں ○ اور اسی طرح

جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مَجْرِمِيهَا لِيُكَرِّرُوا فِيهَا وَمَا

ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنا دیا تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالانکہ حقیقت میں) وہ صرف

يُكْرَهُونَ إِلَّا بَأْنَفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۳۴﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ

اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں ○ اور وہ اس کا شور نہیں دیکھتے ○ اور جب ان کے پاس کوئی نشانی

تَبَيَّنَ الْآيَاتِ

جلد سوم

قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۗ

آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے،

أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۚ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ ۚ

اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کرے گا، غریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب

عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَنْكُرُونَ ﴿۱۳۳﴾ فَمَنْ يُرِدْ

پہنچے گا کیوں کہ وہ غریب کاری کرتے تھے ۝ سو اللہ جس کو چاہے

اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ

دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے

أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا ۚ كَانَسًا يَصْعَدُ

اس کا سینہ گنہ برا تنگ کر دیتا ہے گمراہ وہ سختی سے آسمان پر چڑھ

فِي السَّمَاءِ ۚ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۳۵﴾

رہا ہے، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ۝

وَهَذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۚ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

اور یہ آپ کے رب کا (پسندیدہ) سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں

يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۳۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا

کو بیان کر دیا ہے ۝ ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں اور وہی ان کا کارساز ہے کیونکہ وہ

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ هُمْ جَمِيعًا ۖ يَمْشُرُ الْجِنَّ

(نیک) کام کرتے تھے ۝ اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور نپٹائے گا) اسے جنات کی جماعت

قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ۚ وَقَالَ أَوْلِيُوهُمْ مِّنَ الْإِنْسِ

تم نے بہت انانوں کو گمراہ کر دیا، اور انانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے،

تَبَهَانِ الْقُرْآنِ جلد سوم

رَبَّنَا اسْتَمِعْ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلِّغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَ

اِسے جیسے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (نامانوس) فائدے اٹھائے اور ہم اپنی اس میناد کو پہنچ گئے جو تو نے

لَنَا قَالِ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ

ہمارے لیے مقرر کی تھی، اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا ٹھکانا ہے تم ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو مگر جسے اللہ چاہے بیشک آپ کا

حَكِيمٌ عَلَيْهِ ۝۱۲۸ وَكَذَلِكَ نُؤَيِّنُ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا

رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ۱۲۸ اور ہم اسی طرح بعض ظالموں میں سے بعض کو مسلط کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ (معصیت کے)

كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۱۲۹

کام کرتے تھے ۱۲۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل نہ سکتا ہو اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ ان کے لیے خوش بنایا دیئے گئے ہیں۔ (الانعام ۳۲)

کافر کے مردہ اور مومن کے زندہ ہونے کی مثالیں

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ حضرت زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، اے اللہ! ابو جہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کے غلبہ کا سبب بنادے۔ یہ دونوں گمراہی میں مردہ پڑے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو اسلام سے زندہ کیا اور ابن کو عزت اور توقیر دی اور ابو جہل کو گمراہی کی موت میں برقرار رکھا۔ زید بن اسلم نے کہا ہے: یہ آیت ان دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۴، ص ۱۳۸۱، مطبوعہ مکتبہ زرار مصطفیٰ، ۱۴۱۷ھ)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں: اس آیت میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور ابو جہل مراد ہیں، کیونکہ ایک دن ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ پر لید پھینک دی اس وقت تک حضرت حمزہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ابو جہل کی اس حرکت کی حضرت حمزہ کو خبر دی گئی، وہ اس وقت ہاتھ میں کلن لیے ہوئے شکار سے واپس آ رہے تھے، یہ سن کر غضبناک ہوئے اور جا کر ابو جہل کو کلن سے مارا، ابو جہل فریاد کر رہا تھا کہ تم کو ہاتھ نہیں وہ کم عقل کیا کہتا ہے؟ ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے اور ہمارے باپ دادا کی مخالفت کرتا ہے۔ حضرت حمزہ نے کہا تم سے بڑا بے وقوف اور کون ہے؟ تم اللہ کو چھوڑ کر بتھوروں کی عبادت کرتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی مہبت کا مستحق نہیں ہے، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

(اسباب النزول، رقم الحديث ۳۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان حدیثوں کے مطابق حضرت عمر یا حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہما پہلے کفر میں مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو

اسلام سے زندہ کیا اور ان کو اسلام کی نمایاں خدمات کرنے کی توفیق دی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ میں وہ دونوں آج تک روشن ہیں اور بعد کے لوگوں کے لیے متارۂ نور ہیں۔ ایسے لوگ ابو جہل جیسے لوگوں کی مثل کب ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ کفر کے اندھیروں میں رہے اور ان اندھیروں سے کبھی نکل نہ سکے۔ برہنہ کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں، لیکن مفسرین نے کہا ہے کہ ان آیتوں میں مطلقاً مومن اور کافر مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔

علم اور جہل کے مراتب

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۲۶ھ نے کہا ہے کہ ادراج بشریہ کی معرفت میں چار مراتب ہیں۔ پہلے مرتبہ میں اس کو بافضل کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن وہ علوم اور معارف کی استعداد رکھتا ہے، بسا اوقات یہ استعداد کامل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ استعداد کم اور ضعیف ہوتی ہے۔ اس مرتبہ کو اس آیت میں موت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو علوم کلیہ اولیہ حاصل ہوتے ہیں اس کو عقل کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کی طرف اس آیت میں صاحبینا و ایم نے اس کو زندہ کیا سے اشارہ فرمایا ہے۔ تیسرے مرتبہ میں انسان معلومات بدیہ سے بحولات نظریہ کو حاصل کرتا ہے اس کی طرف اس آیت میں و جعلناہ نوراً (اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا) سے اشارہ فرمایا اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ تمام معارف قدسیہ اس کے سامنے حاضر بالفعل ہوں اور وہ روح ان معارف کے ساتھ منور اور کامل ہو جائے۔ اس کی طرف اس آیت میں بمسنى سے ہی الساس (جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے) سے اشارہ فرمایا ہے اور اس مرتبہ کے حصول کے بعد نفس انسان کی معلومات کے درجات مکمل ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیکھنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ تاکہ سلامت ہو اور کوئی خارجی روشنی بھی ہو اسی طرح بصیرت کے لیے بھی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ عقل سلیم ہو اور نور دنی اور نور کتب دستیاب ہو۔ اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد دین ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد حکمت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمراہ بصیرت کے لیے تاکہ اور عقل سالم ہو تا اور خارجی روشنی اور نور قرآن کا میسر ہو تا ضروری ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے مومن کو عطا کی ہیں اور رہا کافر تو وہ ہمیشہ جہل، برے اخلاق اور بد اعمالیوں کی تاریکیوں اور کفر اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے اور خوف، دہشت اور عجز کے اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۳۳-۱۳۴، طبعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۵۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بھروسوں کو سردار بنادیا تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالاںکہ وہ حقیقت میں) صرف اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ۱۲۳)

کفار اور فساق کو مقتدر بنانے کی حکمت

بھروسوں کو ان بستیوں کا سردار اس لیے بنایا کہ عمدہ شکنی، عکرو فریب اور جھوٹی اور باطل باتوں کو لوگوں میں رائج کرنا ان ہی لوگوں کی زیادہ قدرت اور اختیار میں تھا۔ نیز ان کی کثرت اور منصب کی قوت انسان کو ان کی مخالفت میں زیادہ کوشش کرنے پر ابھارتی ہے اور اس کے لیے انسان ہر قسم کے جائز اور ناجائز حیلے اختیار کرتا ہے اور جھوٹ، عکرو اور فریب، عمدہ شکنی اور دغا بازی سے کام لیتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اہل مکہ کے اہل ان کے لیے مزن کر دیئے گئے ہیں اسی طرح انسانی معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ ہر بستی میں اس کے فسق اور فجار کو مقتدر اور سردار بنادیتا ہے اور اس وجہ سے حق اور باطل

ایمان اور کفر کے درمیان شورش پھا رہی ہے۔ ان بستیوں کے سردار انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو تنگ کرتے ہیں۔ اور ان کے خلاف فریب سے کام لیتے ہیں، لیکن درحقیقت اس فریب کا نقصان ان ہی کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس وجہ سے آخرت میں ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ دنیا میں کفار اور فاسق کو غلبہ دینے کی حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا جائے اور جو مسلمان اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہوں، ان کو آخرت میں بلند درجات دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے، جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا، عنقریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا، کیونکہ وہ فریب کاری کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۴)

حصول نبوت کا معیار

ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اگر نبوت حق ہوتی تو آپ سے زیادہ میں نبوت کے لائق تھا، کیونکہ میں آپ سے عمر میں بھی بڑا ہوں اور میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور ابو جہل نے کہا بخدا، اہم اس وقت تک ان سے راضی نہیں ہوں گے اور ان کی پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس اس طرح وحی نہ آئے جس طرح ان کے پاس آتی ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ ہر کافر یہ چاہتا تھا کہ اس کو وحی اور رسالت کے ساتھ خاص کر لیا جائے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ اُمَّيَةٍ مِنْهُمْ اَنْ يُّوْحِيَ عَلَيْهِمْ كُتُبٌ
مِّنْ سَمَوٰتٍ (المائدة: ۱۰۵)

بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کو دیئے جائیں۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں، حصول نبوت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نفس حقیقت کے لحاظ سے تمام انسان حصول نبوت میں مساوی ہیں اور بعض انسانوں کا رسالت کے ساتھ مخصوص ہونا، یہ شخص اللہ کا فضل اور احسان ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ نفس انسانی اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، بعض رو میں پاکیزہ ہوتی ہیں، تعلقات جسمانیہ سے منزہ اور انوار الہیہ سے منور ہوتی ہیں اور بعض رو میں خفیس اور مدہر ہوتی ہیں اور جسمانی تعلقات میں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ پس اس قسم کی رو میں حصول وحی کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور پہلی قسم کی رو میں حصول وحی کی صلاحیت رکھتی ہیں، پھر ان میں بھی مراتب اور درجات ہیں۔ اس لیے نبیوں اور رسولوں کے درجات بھی متفاوت ہیں، بعض کی عمر اور معجزات زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار کم ہوتے ہیں۔ اور بعض کی عمر اور معجزات کم ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار زیادہ ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۶۰-۳۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۸۵ھ)

علماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد

رسولوں کو بھیجنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ جو لوگ عبادات میں سخت ریاضات کریں اور خلوت میں مجاہدے کریں اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور جن کے جوہر ذات میں گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے تیز اور قسور ہو اور ان کی فطرت باوقار اور روشن ہو اور وہ عایت درجہ کے ذکی ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ رسول بنالیتا ہے، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ لہذا نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عطا ہے جو اس کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے، اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے گا؟ (الانعام: ۱۲۴) اور یہی اہل حق کا مذہب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

قادر مختار ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف فلاسفہ نے یہ کہا کہ نبی وہ شخص ہے جس میں تین خواص مجتمع ہو جائیں:

- ۱۔ اس کو ماضی، حال اور مستقبل کے تمام مصیبت پر اطلاع ہو۔
- ۲۔ اس کا مجردات عالیہ اور نفوس سلویہ کے ساتھ ارتباط اور تعلق ہو، اور اس کے کلام میں کلام منظم سنائی دے جس کو یاد کیا جائے اور جس کی عظمت کی جائے اور یہی وحی ہے۔
- ۳۔ اس پر فرشتہ اور کتب کا نزول ہو جس میں نظام معاش، نجات، آخرت اور بندوں کی اصلاح اور فلاح کے احکام کا بیان ہو۔

ان کے نزدیک جو شخص اوصاف ثلاثہ کا حامل ہو اس کا نبی ہو نا واجب ہے، لیکن سورۃ الانعام: ۳۳ کی روشنی میں ان کا یہ قول باطل ہے۔ نیز اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اولیاء اللہ کو بھی بعض مصیبت کا علم ہوتا ہے اور تمام اوصاف بعض انبیاء میں نہیں پائے جاتے، مثلاً ہر نبی پر کتب کا نزول نہیں ہوتا۔

(شرح مقاصد ج ۵ ص ۱۹۰۲، مطبوعہ مطبوعہ ایراں ۱۳۰۹ھ، شرح مواقف ج ۸ ص ۲۲۲-۲۱۸، مطبوعہ مطبوعہ ایراں) اہل حق کے نزدیک ثبوت نبوت کا منشاء علامہ محمد السخاوی الحنبلی المتوفی ۴۸۸ھ لکھتے ہیں:

رسولوں کو بھیجتا کتبوں کو نازل کرنا اور شریعتوں کو مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے، یہ اس پر واجب نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد پیغمبر تک اللہ تعالیٰ نے جس قدر نبی اور رسول بھیجے، یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور کرم ہے۔ تاکہ وہ اللہ سبحانہ کے امر اور نہی اور وعدہ اور وعید کو بیان کریں اور اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کو یہ بتائیں کہ وہ اپنے معاش اور معلوم کن احکام کے محتاج ہیں۔ بندے تین اصولوں کی معرفت میں رسولوں کے محتاج ہیں:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی صفات، تقدیر، ملائکہ اور اللہ کے اولیاء اور اعداء کے انجام کا بیان۔
- ۲۔ احکام شریعہ کی تفصیل کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کو کیا پسند اور کیا پسند ہے؟
- ۳۔ قیامت، جنت، دوزخ، حساب و کتب اور ثواب اور عذاب۔

نبی کی صفات لازمہ

نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو، وہ اس میں سب سے اشرف اور مکرم ہو اور وہ آزاد ہو کیونکہ غلامی ایک نقص ہے جو مقام نبوت کے لائق نہیں ہے اور مرد ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا سُوِّجِيًّا
(یوسف: ۶۹) نہیں بھیجا۔ اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں کے سوا کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔

اس آیت کی بناء پر جسور اہل سنت کے نزدیک عورت کا نبی ہونا جائز نہیں ہے۔ امام ابو الحسن اشعری اور علامہ قرطبی مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ حضرات حضرت مریم، آسیہ، سارہ، عاقرہ اور حضرت موسیٰ کی والدہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ نیز نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوی ہو، فہیم اور عالم ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں، تاکہ لوگ سمولت کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔ انبیاء علیہم السلام بکل 'بزدلی' لغو اور بے فائدہ کاموں اور تمام رذائل سے مجتنب ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کی حرص سے بھی منزہ ہوتے ہیں اور اپنی قوم میں ان کا نسب سب سے عمدہ اور اشرف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقل، ذکاوت اور شجاعت کے لحاظ سے وہ نوع انسان کے کمال ترین فرد ہوتے ہیں اور وہ ہر ایسی صفت و کیفیت سے منزہ ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلیمہ متغیر ہو۔ مثلاً ان کے آباء میں کوئی رذالت نہیں ہوتی نہ ان کی ماؤں کی طرف بدکاری کی نسبت ہوتی ہے اور نہ ان پر کوئی ایسی بیماری آتی ہے جس سے لوگ خطر ہوں، مثلاً برص اور جذام وغیرہ۔ اور نہ وہ عامیانہ کام کرتے ہیں، مثلاً بازاروں میں چہتے پھرتے اور کھاتے نہیں اور نہ کوئی ایسا کسب کرتے ہیں جو لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہو۔

بدن کو گناہوں کی کدورت سے پاک کرنے اور محمد و اخلاق کے ساتھ متصف ہونے اور سخت عبادت اور ریاضت کرنے سے نبوت و رسالت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، نبوت عطا فرماتا ہے۔ لیکن استقرار تام اور متبع سے اور قرآن اور حدیث کے دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبوت عطا فرمائی، وہ مذکور الہدیر صفات کا حامل تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ نبی ہو، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی نبوت کو رکھے گا۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا، اولوالعزم پانچ ہیں، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ۔ کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

(الوامع الانوار الہدیہ، ج ۲، ص ۲۶۹-۲۵۶، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے اس کا سینہ گھٹا ہوا تنگ کر دیتا ہے۔ گویا وہ مشقت سے آسمان پر چڑھ رہا ہے، اسی طرح ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (الانعام: ۳۵)

اسلام کے لیے شرح صدر کی علامت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کی طرف ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے گا، اس کا سینہ دنیا میں اسلام کے لیے کھول دے گا، حتیٰ کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہے گا اور اسلام کو ترک نہیں کرے گا، یہ حالت ایمان لانے کے بعد ہوگی، جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

وَمَنْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ يَجِدْ لَهُ يَخْرُجَ الْإِيمَانُ لَيْسَ بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ
اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا، اللہ اس کے دل کو ہدایت فرمائے گا۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا فِرْعَوْنَ بِآيَاتِنَا يُكْفَرُ بِهِمْ
اور جس لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا، ہم ضرور انہیں (العنکبوت: ۲۶) نے ناپی دیا، ان کو کھائیں گے۔

اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت معلویہ جرحیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، صحیح مسلم، ۱۰۴، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳)

(۳۶۳)

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت مانا ہوئی، جس پر اللہ نے ہدایت فرمائی، بشرح صدر لایا، تو صحابہ نے پوچھا اس کا شرح صدر کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا جب اس کے دل میں نور مانا ہوگا تو

اس کا سینہ کھل جائے گا، صحابہ نے پوچھا کیا اس کو پہچاننے کی کوئی علامت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کا دل آخرت کی طرف راغب ہو گا اور دنیا سے وہ پہلو بچائے گا اور موت کے آنے سے پہلے وہ موت کے لیے تیار رہے گا۔

(جامع البیان، ج ۸، ص ۳۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں نبی کریم کو قتل دی گئی ہے کہ مشرکین جو دعوت اسلام کو مسترد کر رہے ہیں، آپ ان سے رنجیدہ نہ ہوں جو شخص اللہ کے ارادہ اور اس کی تقدیر میں ایمان لانے کا اہل ہو گا اللہ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دے گا جیسا کہ ان آیات میں ہے:

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى
نُورٍ قَيِّمٍ زِينَةٍ (الرعد: ۲۴)

تو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے
رب کی طرف سے (عظیم) نور پر ہے۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَرَبَّاهُ فِي
قُلُوبِكُمْ وَكَثَّرَ الْإِيمَانَ الْأَكْمَرُ وَالْيُسُوقَ وَ
الْيُعْصِيَانِ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ ۝

لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا کی اور اس کو
تمہارے دلوں میں عزیز کر دیا اور کفر اور فسق اور معصیت
سے تمہیں بچھڑ کر دیا، یہی لوگ کامل ہدایت یافتہ ہیں۔

(الحجرات: ۷)

اور جس شخص نے شرک سے اپنی فطرت کو فاسد کر دیا اور فسق اور معصیت سے اپنے دل کو میلا کر دیا، وہ اسلام کو قبول
کرنے سے اپنے دل میں شدید تنگی اور ٹھٹھن محسوس کرتا ہے اور کسی بھی نیکی کے لیے اس کے دل کے دروازے نہیں کھلتے۔
جیسے کوئی شخص اپنے سلطان طبی کے خلاف آسمان کی جانب چڑھ رہا ہو تو اس کو اپنا دم گھٹنا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے
اوپر اللہ شیطان کو مسلط کر دے گا اور اسی طرح ان لوگوں پر بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں، پھر
شیطان اس کو گمراہ کر دے گا اور سیدھے راستہ سے ہٹا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ کے رب کا پسندیدہ سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے
تفصیل سے آجوں کو بیان کر دیا ہے۔ (الانعام: ۱۵۱)

اس آیت کا معنی ہے: یہ اسلام جس کے لیے اللہ تعالیٰ مومنوں کا سینہ کھول دیتا ہے، یہی آپ کے رب کا وہ طریقہ ہے جس
کو اس نے لوگوں کے لیے پسند کر لیا ہے اور یہی طریق مستقیم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بیان کیا ہوا راستہ مستقیم ہی ہوتا ہے جیسا کہ
اس حدیث میں قرآن مجید کے متعلق ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کریم نے فرمایا یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور یہ ذکر حکیم ہے اور یہ صراط
مستقیم ہے۔ اسنن اترذیٰ بن ۲، رقم الحدیث ۲۹۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آجوں کو بیان کر دیا ہے اور جو لوگ اسلام پر صحیح عمل کرتے ہیں،
ان کے لیے جنت ہے جو سلامتی کا گھر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں، اور وہی ان کا کارساز ہے، کیونکہ وہ
(نیک) کام کرتے تھے۔ (الانعام: ۷۳)

جنت کو دار السلام فرمانے کی وجوہات

اس آیت میں جار مجرور کی تقدیم مفید تھوڑی ہے۔ یعنی دار السلام ان ہی کے لیے ہے، ان کے غیر کے لیے نہیں ہے۔

دارالسلام کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ پس دارالسلام کا معنی ہے وہ گھر جس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ اضافت تشریف اور عزت افزائی کے لیے ہے۔ چیتے بیت اللہ اور بیتہ اللہ میں ہے۔

اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ سلام دار کی صفت ہے یعنی یہ سلامتی کا گھر ہے اور جنت کو دارالسلام اس لیے فرمایا ہے کہ جنت میں ہر قسم کے عیوب، تکلیفوں اور مشقتوں سے سلامتی ہے۔

جنت کو دارالسلام کہنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جنتیوں کو جنت میں دخول کے وقت سلام کیا جائے گا اللہ کی طرف سے فرشتوں کی طرف سے اور اہل اعراف کی طرف سے ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور جنتی بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

و سادوا اصحاب الجنة ان سلام علیکم (الاعراف ۴۶) و تحببهم فسها سلام
ایونس ۱۰ سلام علیکم بما صبرتم فمعهم عقی الدار (الرعد ۲۴) ادخلوها بسلام امنیں
(الحجر ۴۶) یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون (السجدة ۴۲) سلام
قولاً من رب رحیم (یس ۵۸) وقال لهم حررتھما سلام علیکم طبتھما فادخلوها جالدين
(المرمر: ۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (ناجائز) فائدے اٹھائے اور ہم اپنی اس مینلا کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا ٹھکانا ہے تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو مگر جسے اللہ چاہے بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

(الانعام ۱۲۸)

جہنم کے خلود سے استثناء کی توجیہات

یعنی جب ہم قیامت کے دن تمام انسانوں اور جنات کو جمع کریں گے اور کہیں گے اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور جن انسانوں نے جنت کے دوسرے غور سے بنے تھے اور ان سے محبت رکھی تھی اور ان کی اطاعت کی تھی وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے جواب میں کہیں گے ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے نفع اٹھایا انسانوں نے شیطانوں سے نفع اٹھایا کیونکہ شیطانوں نے ان کو اس کی شہوت پوری کرنے کے ناجائز ذرائع بتائے اور جب انسانوں نے ناجائز ذرائع اور گناہ کے راستوں پر چل کر اپنی شہوت کو پورا کر لیا تو شیاطین جو ان کو گمراہ کرنا چاہتے تھے ان کا مقصد پورا ہو گیا اس طرح ہر ایک فریق نے دوسرے فریق سے فائدہ اٹھایا۔ پھر وہ کہیں گے کہ ہم نے وہ مینلا پوری کر لی جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی یعنی ہم نے طبعی زندگی پوری کر لی اور ہم پر موت آگئی اور یا ہم اس مینلا کو پورا کر کے میدان حشر میں پہنچ گئے۔ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ حشر کا دن بہت ہولناک دن ہو گا اور اس دن سب اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیں گے اور اپنی تقصیرات پر حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے تو مالک اور احکم الحاکمین ہے ہمارے متعلق جو چاہے فیصلہ فرما۔

پھر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تم دونوں ٹھکانوں کا دوزخ کی جگہ ہے جس میں تم ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اس کے بعد فرمایا مگر جسے اللہ چاہے اس استثناء کی دو توجیہات ہیں۔ (۱) وہ ہمیشہ دوزخ کی جگہ میں رہیں گے مگر اس سے دو وقت مستثنیٰ ہیں۔ ایک قبر سے حشر تک کا زمانہ اور دوسرا میدان حشر میں ان کے محاسبہ تک کا وقت۔ اس کے بعد ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اس میں

ہمیشہ رہیں گے۔ (۳) جب دوزخی دوزخ کی آگ کی شدت سے فریاد کریں گے 'تو ان کو دوزخ کی آگ سے نکل کر زمہریر (سخت لہندہ اور برقی طبقہ) میں ڈال دیا جائے گا اور جب زمہریر کی لہندہ سے گھبرا کر فریاد کریں گے 'تو ان کو پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' الغرض اودہ ہر مل میں ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوں گے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ حکم لگائے کہ وہ اپنی کسی مخلوق کو جنت میں نہیں داخل کرے گا یا دوزخ میں نہیں داخل کرے گا۔

(جامع البیان '۸۷۲' ص ۳۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم اسی طرح بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں 'کیونکہ وہ (معصیت کے) کام کرتے تھے۔' (الانعام: ۳۹)

ظالم حکومت کا سبب عوام کا ظلم ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ بعض جن اور انسان ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کا یہ باہمی استفادہ اللہ تعالیٰ کے سابق علم اور قضاء و قدر کے موافق تھا اور وہ جس چیز کا ارادہ کرتے تھے 'اللہ تعالیٰ ان میں وہی چیز پیدا کر دیتا تھا' اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض کا ولی مقرر کرتا ہے اور مددگار بنادیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (التوبہ: ۱۶)

وَاللّٰیۤنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (الانصاف: ۷۳)

(الانصاف: ۷۳)

اور جس طرح بعض انسان اور جن ایک دوسرے کے کام آتے تھے 'اسی طرح کافر کفار اور معصیت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔'

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دے گا اور اس آیت میں ہر قسم کے ظالم داخل ہیں۔ وہ شخص جو معصیت کر کے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور جو حاکم اور افسر اپنے ماتحت لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور جو تاجر جعلی اشیاء اور ملوث و فاسد چیزیں فروخت کر کے صارفین پر ظلم کرتا ہے 'اسی طرح جو چور اور ڈاکو مسافروں اور شہریوں پر ظلم کرتے ہیں اور سیاسی عہدہ دار اور وزراء عوام کے ٹیکسوں سے الٹے تلے کرتے ہیں اور ٹیکس پر ٹیکس لگا کر عوام کی دگوں سے خون چمڑتے رہتے ہیں 'ان سب ظالموں پر اللہ تعالیٰ کوئی ان سے بڑا ظالم مسلط کر دیتا ہے۔'

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی حوالہ ۵۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا 'آپ ہمارے لیے اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ اس کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے اور اس کے ناراض ہونے کی علامت کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'اے موسیٰ! انہیں یہ بتاؤ کہ جب میں ان کے اچھے لوگوں کو ان پر حاکم بنائوں تو میں ان سے راضی ہوں اور جب میں ان کے برے لوگوں کو ان پر حاکم بنائوں تو میں ان سے ناراض ہوں۔'

(شعب الایمان 'ج ۶' رقم الحدیث ۳۸۸، مطبوعہ دار الکتب اعلیٰ، بیروت، ۱۳۱۰ھ)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے مطابق بادشاہ مقرر کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی

بہتری کا ارادہ کرے تو نیک بادشاہ مقرر کرتا ہے اور جب ان کی ہلاکت کا ارادہ کرے تو عیش پرست بادشاہ مقرر کرتا ہے۔

(شعب الایمان 'ج ۶' رقم الحدیث ۷۳۸۹)

ابراہیم بن عیش بیان کرتے ہیں کہ میرے والد یہ کہتے تھے 'اے اللہ! تو نے ہمارے اعمال کے مطابق ہم پر حکام مسلط کر دیے جو ہم کو پہچانتے ہیں نہ ہم پر رحم کرتے ہیں۔' (شعب الایمان 'ج ۶' رقم الحدیث ۷۳۹۰)

یونس بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسے تم ہو گے ویسے تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (شعب الایمان 'ج ۶' رقم الحدیث ۷۳۹۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ظلم پر مدد کی وہ تلوم مرگ اللہ کی ناراضگی میں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث ۲۵۹۸، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث ۲۳۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو سزا دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس پر بدترین لوگوں کو حاکم بناتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (الشوری: ۱۳۰) کاموں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو وہ معاف فرماتا ہے۔

يَعُشِّرَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ

اسے جنات اور انسانوں کے گروہ: کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان

آیتي وَيُنذِرُوكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ

کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے: وہ ہمیں گے ہاں ہم خود اپنے خلاف گواہی

أَنفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ

دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا اور اسے اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی

أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿١٣١﴾ ذَلِكَ أَنَّ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ

کہ وہ کافر تھے ○ یہ (گواہی اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو تھن ہلاک کرنے

الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَفُلُونَ ﴿١٣٢﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّمَّا عَمِلُوا

والا نہیں ہے درآں حالیکہ ان میں رہنے والے (شریعت) بے خبر ہوں ○ اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٣﴾ وَرَأَيْكَ الْغَنَىٰ ذُو الرَّحْمَةِ

اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ○ اور آپ کا رب ہی مستغنی رحمت والا ہے

تبيين القرآن جلد سوم

إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا

اگر وہ چاہے تو تمہیں سے جانے اور تمہاری جگہ جن لوگوں کو چاہے سے آئے، جس طرح تم کو ایک

أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿١٢٦﴾ إِنَّ مَا تُوْعَدُونَ لَآتٍ

اور قوم سے پیدا کیا ہے ○ بیشک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿١٢٧﴾ قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ

کی گیا ہے وہ ضرور آئے والا ہے اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو! آپ کہیے اسے میری قوم: تم اپنی جگہ میں کرتے رہو

إِنِّي عَامِلٌ فَمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٢٨﴾ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ

میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں، سو تم غریب جان لو گے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے۔

الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿١٢٩﴾

بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے 'ہاں! ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ کافر تھے۔ (الانعام: ۱۳۰) جنات کے لیے رسولوں کے ذکر کی توجیہات

اس آیت میں یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات سے بھی رسول مبعوث ہوتے رہے ہیں، حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ رسول صرف انسانوں سے مبعوث کیے گئے ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ جنات کے رسول سے رسول کا اصطلاحی اور معروف معنی مراد نہیں ہے، یعنی وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے احکام کی تبلیغ کے لیے لوگوں کے پاس بھیجا ہو اور اس پر وحی اور کتب کا نزول ہو، بلکہ یہاں رسول سے نفی معنی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جنات کے رسول وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وحی سن کر اپنی قوم کو پہنچائی، یعنی مبلغ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اور یاد کیجئے جب ہم آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو لائے، سو جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے (آپس میں) کہا خاموش رہو! پھر جب (قرآن کی تلاوت) ہو چکی تو وہ اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے لوٹے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ﴿١٣١﴾ (الاحقاف: ۲۹)

آپ کہنے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک

قُلْ أُوْحِي إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرَتَيْنِ الْجِنِّ

مَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۖ يَهْدِي إِلَى
الْرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۖ
(الحسن: ۱۲۴)

جماعت نے میری تلاوت کو غور سے سنا تو انہوں نے (اپنی قوم سے) کہا بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۲۔ مجاہد نے کہا انسانوں کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا گیا ہے اور جنت کی طرف منذرین کو نور اس آیت میں جنت کے رسول سے مراد منذرین ہیں، یعنی ڈرانے والے۔

۳۔ کلبی نے کہا کہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانوں اور جنت دونوں کی طرف رسول بھیجے جاتے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ سے پہلے ہر رسول صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور آپ کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک باد کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا، تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور طہارت کا آلہ بنا دی گئی۔ پس میرا امتی جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے، وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے خیموں کو حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں اور مجھے شفاعت دی گئی اور پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۳۲، صحیح مسلم، الساجد، ۳، (۵۳۱) ۳۳۳، سنن الترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۲، ج ۲، رقم الحدیث: ۷۳۶)

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا پہلے صرف انسانوں کی طرف رسول مبعوث ہوتے تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ انسانوں کے بھی رسول ہیں اور جنت کے بھی رسول ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے (سابق) انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع العلم (جس کلام میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ) عطا کیے گئے ہیں۔ رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے خیموں کو حلال کر دیا گیا اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا اور انبیاء کی بعثت مجھ پر ختم ہو گئی۔

(صحیح مسلم، الساجد، ۵، (۵۳۲) ۳۳۷، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۵۸، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۶۷، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸، طبع جدید دار الفکر)

۵۔ اس آیت میں تظلیبہ جنت کے مبلغین پر رسولوں کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسے مذکر کو مونث پر ظہر دیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات میں صرف مذکر کو خطاب کیا جاتا ہے اور مونث پر بھی مذکر کے صیغہ کا اطلاق کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ مذکر نہیں ہوتیں۔ اسی طرح جنت کے مبلغین پر بھی رسول کا اطلاق کر دیا گیا ہے، حالانکہ جنت میں معروف اور معطل معنی میں رسول نہیں ہوتے۔ جنت کے مبلغین پر تظلیبہ رسول کا اطلاق اس لیے فرمایا ہے کہ میدان قیامت میں صرف انسانوں اور جنت سے حساب لیا جائے گا اور باقی مخلوق سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جب ان دونوں گروہوں سے ثواب اور عذاب کے ترتیب کے لیے ایک طرح کا

حساب لیا جائے گا تو گویا یہ دونوں ایک جماعت ہیں اور ان سے ایک خطاب کیا گیا۔

جنت کو سطوں والی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انہیں کو ملی سے پیدا کیا گیا ہے 'دونوں کی خلقت الگ الگ ہے۔ ان میں بھی مومن اور کافر ہوتے ہیں اور ابلیس دونوں کا دشمن ہے 'وہ ان کے کافروں سے دوستی رکھتا ہے اور ان کے مومنوں سے عداوت رکھتا ہے۔ ان میں بھی شیعہ 'قدریہ اور مرثیہ وغیرہ فرقتے ہیں۔ وہ ہماری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں 'اللہ تعالیٰ نے جنت کا یہ قول نقل کیا ہے:

وَأَنۡتَ مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِمَّا دُوۡرَ ذَٰلِكَ كُنَّا
طَرِيقَ يَمۡدُودَ (الحسن: ۴۰)

اور ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف 'ہم کئی
سلکوں میں حفرق ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھ دیا ہے 'اور قیامت کے دن
جب ان کے معاذ خود ان کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ اپنے شرک کا اعتراف کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (گوایں اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلمتِ بِلَاک کرنے والا نہیں ہے
در آنجا ایک ان میں رہنے والے (شریعت سے) بے خبر ہوں۔ (الانعام: ۴۱)

جن علاقوں میں اسلام کا پیغام نہیں پہنچا وہاں کے باشندوں کا حکم
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسولوں کو بھیجا ہے 'اور انہوں نے لوگوں کو کفر اور شرک پر عذاب الہی سے
ڈرایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحائف نازل کیے ہیں 'اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ جب تک کسی
قوم کے پاس اللہ کی طرف سے ایمان لانے کی دعوت نہ پہنچے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملامت کرنے کے لیے عذاب نہیں بھیجتا۔ اللہ
تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنۡ مِّنۡ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيہَا نَذِيرٌ (فاطر: ۲۴)
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا
اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (الحمل: ۳۶)

اور ہر قوم میں ایک ڈرانے والا نذر چکا ہے۔
اور بے شک ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی
عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک
(بنو اسرائیل: ۱۵۰) کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔

ان آیتوں سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ جن علاقوں میں باغرض اسلام کا پیغام نہیں پہنچا ان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ
کے وجود اور اس کے واحد ہونے کو مان لینا کافی ہے 'ان کی نجات ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں اور آپ کا رب ان کے اعمال سے
بے خبر نہیں ہے۔ (الانعام: ۴۲)

آیا مومن جن جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن لوگ ان میں سے ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی۔ اس آیت سے ثابت
ہوتا ہے کہ مومن جن بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ حسب ذیل آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ مِنِّي أَنَّهُمْ
 قَدْ خَلَكْتُ مِنْ قَبْلِهِمْ قَبْلَ الْبَرِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ
 كَانُوا خَاسِرِينَ ۝ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ تَسَاءَعَيْتُمْ
 يَوْمَئِذٍ لَهُمْ أَعْمَالُهُمْ وَهُمْ لَا يَخْلَتُمُونَ ۝

یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ لوگ
 ہیں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی یہ یقیناً نقصان اٹھانے
 والوں میں سے تھے اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے
 مطابق درجات ہیں تاکہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا

(الاحقاف: ۱۸-۱۹) ترجمہ اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسانوں کی طرح جنت میں سے بھی جو اطاعت گزار اور نیکو کار ہو گا وہ جنت میں جائے
 گا اور جو نافرمان اور بدکار کافر ہو گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ اس مسئلہ میں زیادہ صحیح قول یہی ہے اس کے برخلاف بعض علماء کی
 رائے یہ ہے کہ جنت جنت میں نہیں جائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن ۷/۲۷۷ ص ۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
 جنت کے دخول جنت کے متعلق علماء کی آراء

علامہ احمد شہاب الدین بن ابی الجراح البیہقی الحلی المتوفی ۷۹۹ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنت میں سے کافروں کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ ابو الزنادی بیہقی بن ابی سلیم
 سے یہ روایت ہے کہ جنت میں سے مومنین کو آخرت میں کوئی ثواب نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ ان کو دوزخ سے نجات ہو جائے
 گی۔ پھر حیوانوں کی طرح ان سے بھی کہا جائے گا کہ تم مٹی ہو جاؤ اور صحیح قول وہ ہے جس کو ابی ابن لیلیٰ اوزاعی امام مالک امام
 شافعی امام احمد اور ابن کے اصحاب نے کہا ہے کہ ان کو ان کی عبادات پر ثواب دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور ابن کے اصحاب
 رضی اللہ عنہم سے یہ معقول ہے کہ جنت میں سے مومنین جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ قول ابن حزم نے جمہور سے نقل کیا
 ہے اور اس پر سورۃ الانعام کی اس آیت سے استدلال کیا ہے وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا (۱۳۲) کیونکہ اس آیت کو جن
 اور انس کے ذکر کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ کل ملائکہ جنت میں ہوں گے
 اور کل شیاطین دوزخ میں ہوں گے اور جنت اور دوزخ دونوں میں انسان اور جن ہوں گے۔

(فتاویٰ حدیثہ ص ۱۱۱ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی حلی واولادہ بیروت ۱۴۵۶ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل نہ ہونے کے دلائل

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:
 مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا مومن جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ وہ ابلیس کی اولاد ہیں
 اور ابلیس کی اولاد جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۹)
 امام ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد اصفہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

مسلم نے کہا کہ جن جنت میں داخل ہوں گے نہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کو جنت سے نکال دیا۔ اب وہ ان
 کے باپ کو جنت میں لوٹائے گا نہ ان کو۔ (کتاب المعطلۃ رقم الحدیث: ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل ہونے کے دلائل

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:
 یعقوب بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ جنوں کو ثواب ملے گا اور اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:
 وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ تَسَاءَعَيْتُمْ (الاحقاف: ۱۲۹) اور (جن و انس میں سے) ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے

مطابق درجات ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۲، ص ۸۹، ۱۳۸)

امام ابو الشیخ عبد اللہ بن عمر اسماعیلی متوفی ۳۹۱ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مخلوق کی چار قسمیں ہیں۔ ایک قسم مکمل جنت میں جائے گی، وہ فرشتے ہیں اور دوسری قسم کل دوزخ میں جائے گی، وہ شیاطین ہیں، اور مخلوق کی دو قسمیں جنت اور دوزخ میں جائیں گی۔ وہ جن اور انسان ہیں، ان کو ثواب بھی ہو گا اور عذاب بھی ہو گا۔ (کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۱۶۰، مطبوعہ بیروت)

ضحاک نے کہا جن جنت میں داخل ہوں گے اور کھائیں اور پیئیں گے۔ (کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۱۶۱، مطبوعہ بیروت)

ارطاة بن المنذر نے عمرہ بن حبیب سے پوچھا کیا جن جنت میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

لَمْ يَطْمِئِنُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

ان حوروں کو اس سے پہلے نہ انسان نے پھوایا ہے نہ جنوں

(الرحمن: ۵۶) نے۔

انہوں نے کہا جنوں کے لیے جنت میں جنات ہیں اور انسانوں کے لیے انبیاء ہیں۔

(کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۱۶۲، مطبوعہ بیروت)

حرمہ بیان کرتے ہیں کہ ابن وہب سے سوال کیا گیا کہ آیا جنوں کے لیے ثواب اور عذاب ہو گا؟ ابن وہب نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَحَقُّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ مِمَّا أُمِّمَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِم مِّنَ الْبِحْرِ وَالْأَنْبِيَاءِ كَمَا أَوْفَوْا بِمَا عَاهَدُوا بِهِ عَلَيْهِمْ وَلَكُلَّ دَرَجَةٍ يَّمْنًا عَمِلُوا وَلِيُوفيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی۔ یہ یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے مطابق درجات ہیں، تاکہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا اجر دے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(الاحقاف: ۱۸-۱۹)

(کتاب العظمت، رقم الحدیث: ۱۶۳، مطبوعہ بیروت)

قرآن مجید کے ان واضح دلائل کے اعتبار سے انہی علماء کا نظریہ درست ہے جو کہتے ہیں کہ مسلمان جن جنت میں جائیں گے اور کافر جن دوزخ میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب ہی مستغنیٰ رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ

جن لوگوں کو چاہے لے آئے، جس طرح تم کو ایک اور قوم سے پیدا کیا ہے۔ (الانعام: ۱۳۲)

اللہ تعالیٰ کے مستغنیٰ ہونے کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب نے اپنے بندوں کو بعض کام کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض کاموں سے منع کیا ہے، اس کا یہ حکم دینا اپنے کسی فائدہ، کسی غرض یا کسی عوض کے لیے نہیں ہے، بلکہ ان کو اپنی عبادت کرنے اور احکام بجالانے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت، ان کا رزق اور ان کی روزی اور ان کا نفع اور ان کا نقصان اس کے ہاتھ میں ہے، وہ اس کے مکمل طور پر محتج ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت کر کے اپنی احتیاج اس کے

سامنے ظاہر کریں، تاکہ وہ ان پر اپنا لطف و کرم اور اپنا فضل و احسان کرے۔ نیز گناہوں کی آلودگی اور معصیت کے زنگ سے ان کی رو میں مکدر اور ظلمانی ہوں گی۔ اس لیے ارواح بشریہ اور نفوس انسانیہ کو مطمئن اور ابرار کے درجہ میں پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو اطاعت و عبادت کی ترغیب دی جائے اور منوعات اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ سو اس لیے فرمایا کہ آپ کا رب مستغنی ہے، یعنی اس کو بندوں کی اطاعت اور عبادت کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ رحمت والا ہے، اس لیے یہ احکام اس کی رحمت کا تقاضا ہیں، تاکہ اس کے بندے دائمی فوز و فلاح حاصل کر سکیں۔

استغناء اور رحمت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اگر وہ مستغنی نہ ہو تو وہ اپنے کمال کے حصول میں غیر کا محتاج ہو گا اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور یہ کلام مفید حصہ ہے، یعنی اس کے سوا اور کوئی مستغنی نہیں ہے، کیونکہ واجب لذات واحد ہی ہوتا ہے اور اس کے سوا سب ممکن ہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اسی طرح رحم فرمانے والا بھی دی ہے، اس کے سوا اور کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، بھوکے کو کھانا کھلاتے ہیں، پیاسے کو پانی پلاتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی چیزیں پیدا نہ کرتا تو وہ کیسے کھلاتے اور پلاتے اور اگر یہ چیزیں پیدا کر دی تھیں پھر بھی اگر رحم کرنے والے میں اتنی قدرت نہ ہوتی کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا تو وہ کیسے ان کو کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر قدرت بھی ہوتی، لیکن اس کے دل میں اللہ تعالیٰ رحم کا جذبہ پیدا نہ کرتا تو وہ کیسے کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر یہ سب کچھ ہوتا لیکن جس کو کھانا پلاتا ہے، اس میں کھانے پینے کی قدرت نہ ہوتی، مثلاً اس کے منہ میں ماسور ہو نایا اس کا اوپر کا جیرا اٹھلے جڑے پر بیٹھ جاتا اور اس کا منہ بند ہو جاتا تو وہ کیسے کھانا پیتا؟ اور یہ کیسے اس کو کھلاتا اور پلاتا؟ پس فوراً سمجھئے کھانے پینے کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں، ان کے حصول کی قدرت بھی اس نے دی، دل میں رحم کا جذبہ بھی اس نے پیدا کیا، بھوکے اور پیاسے میں کھانے اور پینے کی صلاحیت اور قدرت بھی اس نے دی تو وہی رحم کرنے والا ہے۔ بندے نے کیا کیا ہے؟ پھر بندہ کا رحم کرنا کسی غرض اور کسی عوض کے لیے ہوتا ہے، کبھی سابق احسان کو اتارنے کے لیے رحم کرتا ہے، کبھی دنیا میں شریف، کبھی آخرت میں اجر کے لیے رحم کرتا ہے، کبھی اس لیے رحم کرتا ہے کہ وقت پڑنے پر اس پر بھی رحم کیا جائے اور کبھی اس لیے کہ کسی ضرورت مند کو دیکھ کر اس کے دل میں جو وقت پیدا ہوتی ہے، اس کو زائل کرنے کے لیے رحم کرتا ہے۔ سو بندہ جو رحم کرتا ہے، اس میں کسی غرض یا کسی عوض کی احتیاج ہوتی ہے اور ان اسباب کی احتیاج ہوتی ہے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور جو ہر سبب، ہر عوض اور ہر غرض سے مستغنی ہو کر رحم کرتا ہے، وہ صرف اللہ عز و جل ہے۔ اسی لیے فرمایا آپ کا رب ہی مستغنی ہے اور وہی رحمت والا ہے۔

اس آیت میں چونکہ رحمت کا ذکر فرمایا ہے، اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی جہنم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس جہنم کے لوگوں نے اس کی اطاعت نہیں کی تو وہ اس جہنم کے لوگوں کو فنا کر کے ایک اور قوم کو پیدا کر دے گا، جیسا کہ وہ ان لوگوں کو ایک اور نسل سے پیدا کر چکا ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ اس کے رحیم ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کی رحمت کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ وہ ہر قوم سے مستغنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ ضرور آنے والا ہے، اور تم (اللہ کو)

عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ (الانعام: ۱۳۴)

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان سے قیامت کا وعدہ کیا گیا تھا اور وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آنے والی ہے اور تم اللہ کو اس کے لانے سے عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اس میں اور بھی کئی احتمال ہیں کہ مسلمانوں سے جو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کفار اور منافقین کو جو عذاب کی وعید سنائی ہے وہ بھی آنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں سو تم عنقریب جن لوگوں کے آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے بے شک ظالم ظالم نہیں پاتے۔ (الانعام: ۱۳۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے طریق کار پر قائم رہو میں اپنے طریق کار پر قائم ہوں۔ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار کو کفر کے طریقہ پر قائم رہنے کا حکم کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم ملک کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ تہدید اور سرزنش کے طور پر ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ
سَوْجَادٌ لِّإِيمَانٍ لَّائِيٍّ أَوْ سَوْجَادٌ لِّكُفْرٍ

(الکہف: ۱۲۹)

اور اس تہدید پر اس آیت کا یہ آخری جملہ دلالت کرتا ہے سو عنقریب تم جن لوگوں کے آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ

اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ

نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ

کے لیے متوز کر لیا اور بڑے عیش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاؤں کے لیے ہے، سو جو حصہ ان کے

لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ

شرکاؤں کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاؤں کی طرف

إِلَى شُرَكَائِهِمْ طَسَاءً مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ

پہنچ جاتا ہے، یہ لوگ کیا بڑا فیصلہ کرتے ہیں ۵ اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ أَوْلَادَهُمْ شُرَكَائِهِمْ لِيُردُّوهُمْ

شرکاؤں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور

لِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ط وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوا فَنَارَهُمْ

ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو آپ ان کو اور

وَمَا يَفْقَرُونَ ﴿۱۲۷﴾ وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْتُ حِجْرًا لَّيَطْمَعُهَا

ان کی افترا پر ازیوں کو چھوڑ دیکھے ○ اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی مزرع ہیں ، ان کو وہی کھائے گا جس کو

الَا مَنْ تَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ

ہم چاہیں گے ، (یہ پابندی ، ان کے زعمِ باطل میں ہے ، اور بعض مویشیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض مویشیوں

لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا

پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے ، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے ، وہ مغرب ان کو ان کی افترا پر ازیوں

كَانُوا يَفْقَرُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ

کی سزا دے گا ○ اور انہوں نے کہا جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں

لَذِكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَثَرِ وَإِن يَكُن مِّمَّةً فَهُمْ

کے لیے مخصوص ہیں اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہیں ، اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں مرد

فِيهِ شُرَكَاءٌ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور عورتیں سب شریک ہیں وہ ان کی من گھڑت باتوں کی مغرب سزا دے گا ، بیشک وہ بہت حکمت والا بہت جاننے والا ہے ○

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا

بیشک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے عاقبت اور جہالت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا تھا

رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۳۰﴾

اللہ پر افترا پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا ، بیشک یہ گمراہ ہو گئے اور یہ ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا اور بزمِ خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

(الانعام: ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کے محال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس لیے مذمت کی تھی کہ وہ قیامت کا اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا انکار کرتے

ہیں اور ان کے دیگر جاہلانہ اقوال کی مذمت کی تھی اور ان کی عقل اور سوچ کا ضعف اور قسولویان فرمایا تھا۔ ان کی ان ہی جملات میں سے ایک یہ جملہ تھا کہ وہ اپنی زرعی پیداوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دیتے اور کچھ حصہ اپنے بتوں کے لیے اور اپنے ذمم فاسد کے مطابق کہتے کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ بتوں کا ہے اور یہ ان کا محض جھوٹ تھا اور یہ جھوٹ اس لیے تھا کہ انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے دو حصے کیے۔ ایک اللہ کا اور ایک بتوں کا۔ حالانکہ سب کچھ اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور سب اسی کی ملکیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جن پھلوں کو انہوں نے اللہ کا حصہ قرار دیا تھا اگر ان میں سے کچھ پھل شیطان کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چھوڑ دیتے اور اگر شیطان کے حصہ کے پھلوں میں سے کچھ پھل اللہ کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو جن کر ان کی حفاظت کرتے اور ان کو شیطان کے حصہ میں ڈال دیتے۔ اسی طرح اللہ کے حصہ کی کھیتی میں پانی دیتے ہوئے اگر کچھ پانی کھیت سے نکل جاتا تو اس کو نکلنے دیتے اور شیطان کے حصہ کی کھیتی میں سے پانی نکلنے لگتا تو اس کو روک لیتے۔

۲۔ حسن نے کہا اگر بتوں کے لیے رکھے ہوئے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں اللہ کے حصہ میں سے اتنی چیز اٹھا کر بتوں کے حصہ میں رکھ دیتے اور اگر اللہ کے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز نہ اٹھاتے۔

۳۔ قتادہ نے کہا اگر قحط آجائے تو اللہ کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو کھانے پینے کے کام میں لائے۔ لیکن بتوں کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو اسی طرح محفوظ رکھتے۔ (جامع البیان 'جز ۸' ص ۵۶-۵۷، 'ملسا'، 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۳۱۵ھ)

اس تقسیم کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں؟ اس فیصلہ کے برے ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱۔ پھلوں اور غلہ کی حفاظت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حصہ پر بتوں اور شیطان کے حصہ کو ترجیح دی۔

۲۔ انہوں نے از خود کچھ حصہ بتوں کے لیے مخصوص کیا اور کچھ اللہ کے لیے۔ حالانکہ سب اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا تھا۔ یہ ان کی جہالت ہے۔

۳۔ حصوں کی یہ تقسیم انہوں نے بغیر کسی عقلی اور شرعی دلیل کے کی اور یہ ان کی جہالت ہے۔

۴۔ پھلوں اور مویشیوں کی پیدائش میں بتوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ وہ ان پھلوں اور مویشیوں سے کوئی نفع حاصل کر سکتے ہیں تو پھر بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں میں سے حصہ رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا محض ان کی جہالت ہے۔

ان وجوہ سے ظاہر ہو گیا کہ مشرکین کا یہ بہت برا فیصلہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو آپ ان کو اور ان کی انفرادی چیزوں کو چھوڑ دیجئے۔ (الانعام ۷: ۳۱)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کرنا اپنے خالق اور منعم کی

صرفت سے نہایت جہالت تھی 'اسی طرح شیطان کے ورغلانے سے اپنی اولاد کو قتل کرنا بھی ان کی نہایت جہالت اور گمراہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے احکام اور افعال لغو اور باطل ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

مطلب نے بیان کیا ہے کہ ان کے شیاطین نے ان کو یہ حکم دیا کہ یہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں 'تاکہ رزق میں کمی کی وجہ سے ان کو اولاد کی پرورش کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ اور بعض نے یہ کہا کہ شیطان نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیں 'تاکہ بیٹی کے بپ کو جس عار اور ذلت کا سامنا ہوتا ہے 'اس سے یہ بچ جائیں۔

(جامع البیان '۸/۲' ص ۵۷۷ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب اور تشہیر کا شرعی حکم

شیطان نے جو ان کے لیے قتل اولاد کو مہین کیا تھا 'اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شیاطین نے ان کے دلوں میں یہ خوف ڈالا کہ اگر بچے زیادہ ہو گئے تو ان کی پرورش مشکل ہوگی 'سودہ بچی رزق کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل کر دیتے تھے 'جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا نِكَاحًا ۚ سَرُّهُمْ وَرِثَتُكُمْ ۚ إِنَّكُمْ لَعَاكِفُونَ (الاسراء: ۳۱)

اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو 'تاکہ وہ بالغ ہو جائیں اور تم ان کی پرورش کر سکو۔' (اسراء: ۳۱)

آج کل حکومتی ذرائع نشر و اشاعت سے ضبط تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کا بہت زبردست پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ کم بچے اور خوش حال گھرانہ اور یہ کہا جاتا ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک (۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۳ء) پچاس سال میں ملک کی آبادی تقریباً چار گنی ہو چکی ہے 'اور ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنا ضروری ہے۔ ملک کے وسائل آبادی کے اس سیلاب کے تحمل نہیں ہیں 'اس لیے بچے دوسی اچھے۔ لیکن خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کی بنیاد بچی رزق کا خوف ہے اور یہی زمانہ جہالت میں کافروں اور مشرکوں کا نظریہ تھا۔ جس کا قرآن مجید نے سختی کے ساتھ رد کیا ہے 'اور نبی ﷺ نے اس پر زور دیا ہے کہ بچے زیادہ پیدا کیے جائیں۔

امام ابو داؤد و سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقیل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا 'مجھے ایک عورت ملی ہے جو بہت خوبصورت اور عمدہ خاندان کی ہے 'لیکن اس سے بچے نہیں ہوتے (وہ بانجھ) ہے 'کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں 'اودہ دوبارہ آیا اور پھر اجازت طلب کی 'آپ نے پھر منع فرمایا۔ اس نے تیسری مرتبہ آکر اجازت طلب کی 'تب آپ نے فرمایا محبت کرنے والی اور بچہ پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو 'کیونکہ بے شک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابو داؤد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۵۰ 'سنن نسائی 'ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۲۷ 'صحیح ابن حبان 'ج ۹' رقم الحدیث: ۳۰۵۷ '۳۰۵۸ 'سنن سعید بن منصور 'رقم الحدیث: ۳۶۰ 'مسند احمد 'ج ۳' ص ۲۳۵ '۸۸' سنن کبریٰ للبخاری 'ج ۷' ص ۸۱-۸۲ 'مجمع الزوائد 'ج ۳' ص ۲۵۸-۲۵۹ 'المجموع للاوسط 'ج ۶' رقم الحدیث: ۵۷۳۲)

قرآن مجید کی اس صریح آیت اور اس حدیث صحیح کا صاف اور صریح فشاء اولاد کی کثرت ہے 'نہ کہ اولاد کی قلت! اس لیے خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کا دوسا کل پیداوار میں کمی کی بنیاد پر پروپیگنڈہ کرنا اسلام کے خلاف ہے 'اور اس کو کسی جبری قانون کے ذریعہ عوام پر لاگو کرنا شرعاً جائز نہیں ہے 'البتہ کسی صحیح شرعی عذر کی بناء پر جدید طبی طریقہ سے ضبط ولادت کو روکا

جلے تو وہ جائز ہے۔

ضبط تولید کے بارے میں مصنف کی تحقیق

خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ جبراً تمام مسلمانوں پر لاگو کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اول تو اس کی اجابت تمام مکاتب فقہ کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے۔ شیخ ابن حزم اور علامہ رویانی عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اور جو فقہاء اس کی بلا کراہت اجازت دیتے ہیں وہ اس کو بیوی کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ اس لیے خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ ہر شخص پر لازم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور انفرادی طور پر بھی دو صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی اصلاً جائز نہیں ہے۔

(الف) کوئی شخص تنگی رزق (حسبۃ املاق) کے خوف کی وجہ سے ضبط تولید کرے، یہ اس لیے ناجائز ہے کہ اس کا حرمت کی علت ہونا قرآن مجید میں مخصوص ہے لا تفعلوا اولادکم بحسبۃ املاق (اسراء: ۳۰)۔

(ب) کوئی شخص لڑکیوں کی پیدائش سے احتراز کے لیے ضبط تولید کرے، کیونکہ ان کی تزویج میں مشقت اور عار کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ نیت زمانہ جاہلیت کے مشرکین عرب کی ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی مست زیادہ مت کی گئی ہے۔ جن صورتوں میں مخصوص حالات کے تحت انفرادی طور پر ضبط تولید جائز ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(الف) لونڈیوں سے ضبط تولید کرنا تاکہ اولاد مزید لونڈی اور غلام بننے سے محفوظ رہے، ہر چند کہ اب لونڈی غلاموں کا رواج نہیں ہے، لیکن اسلام کے احکام دائمی اور کلی ہیں۔ اگر کسی زمانہ میں یہ رواج ہو جائے تو لونڈیوں کے ساتھ ضبط تولید کا عمل جائز ہوگا۔

(ب) اگر سلسلہ تولید کو قائم رکھنے سے عورت کے شدید بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو ضبط تولید جائز ہے۔

(ج) اگر مسلسل پیدائش سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں حرج کا خدشہ ہو تو وقفے سے پیدائش کے لیے ضبط تولید جائز ہے، کیونکہ جب گھر میں صرف ایک عورت ہو اور نو دس ماہ بعد دو سر اچھے آجائے تو اس کے لیے دونوں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔

(د) حمل اور وضع حمل کے وقفوں کے دوران بعض صورتوں میں منسل اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتا اس لیے زیادہ عرصہ تک بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے ضبط تولید کرنا جائز ہے۔

(ه) بعض عورتوں کو آپریشن سے بچہ ہوتا ہے، بیوی کو آپریشن کی تکلیف اور جن کے خطرہ سے بچانے کیلئے یہ عمل جائز ہے۔

(و) جب ہیٹ میں مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے تو فیما طریقہ اختیار کرنا واجب ہے، جس سے سلسلہ تولید بالکل بند ہو جائے۔

(ز) اگر ماہر ڈاکٹریہ کے کہے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی، تب بھی سلسلہ تولید کو بند کرنا واجب ہے۔

عزل کے علاوہ ضبط تولید کے حسب ذیل مروج طریقے بھی شرعاً جائز ہیں:

(الف) کھانے والی گولیاں اور انجکشن (ب) کیمیائی اشیاء (Chemical Methods) مثلاً فوم جیلی اور کریم وغیرہ کا

بیرونی استعمال (ج) ساقھی (Condom) (د) ڈایافرام۔ (ه) محلہ (Loop) (و) فل بندی (Tubal Ligation)

آخر الذکر عمل، یعنی فل بندی میں عورت کے بیضہ دھن کی ٹیبل کو (Fallopian Tube) کلٹ کر باندھ دیا جاتا ہے، اس

عمل کے بعد عورت کبھی بھی بچہ پیدا کرنے کے قائل نہیں رہتی یہ عمل صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ ایک اس صورت میں جب عورت کا آپریشن سے بچہ پیدا ہوتا ہو اور مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے اور دوسری اس صورت میں جب کوئی ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ بچہ پیدا ہونے سے یا مزید بچے پیدا ہونے سے عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ ان صورتوں میں قل بندی صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

ضبط تولید کا ایک طریقہ شرعاً ممنوع ہے اور وہ ہے نس بندی (Vasec Tomy) اس عمل میں مرد کی جن ٹیبلوں سے تولیدی جراثیم (Sperm) گزرتے ہیں ان ٹیبلوں کو کٹ کر باندھ دیا جاتا ہے۔ اس عمل کے بعد مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔

نس بندی سے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے مرد بانجھ ہو جاتا ہے اور مرد کا اپنے آپ کو بانجھ کرالینا جائز نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں ہے انسان خود کو بیچ سکتا ہے نہ خود کشی کر کے خود کو ختم کر سکتا ہے نہ اپنا کوئی عضو کٹ کر کسی کو دے سکتا ہے اسی لیے اسلام میں اعضاء کی بیوند کاری بھی جائز نہیں ہے۔ بتائیں نس بندی بھی جائز نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ بعض صحابہ نے عسرت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ سے خسی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت نہیں دی اور شہوت کم کرنے کے لیے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۹ مطبوعہ کراچی)

استقرار حمل کو روکنے کے لیے گولیاں کھائی جائیں، کیمیائی اشیاء لگائی جائیں یا خارجی حائل (ساتھی اور بھلا وغیرہ) کا استعمال کیا جائے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی حمل سے رکاوٹ کا قیاسی سبب نہیں ہے۔ بسا اوقات دوائیں اور کیمیائی اشیاء اثر نہیں کرتیں بعض مرتبہ ڈایا فرام کے استعمال کے باوجود قطرات رحم میں چلے جاتے ہیں اور حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بھلا کے استعمال کے باوجود حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات کنڈوم (ساتھی) پھٹ جاتا ہے اور قطرے رحم میں چلے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہے جس پانی سے بچہ پیدا ہوتا ہے اگر تم اس کو پھر بھی ڈال دو تو اللہ تعالیٰ اس سے بچہ پیدا کر دے گا اور یہ بارہا مشاہدہ ہوا کہ ضبط تولید کے تمام ذرائع استعمال کرنے کے باوجود بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات جڑواں بچے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں ان تمام چیزوں کے مضر اثرات بہت زیادہ ہیں۔ بھلا اور ڈایا فرام کے استعمال سے الریح اور انفیکشن کی شکایات عام ہیں اور کھانے والی دواؤں سے سنا کیا ہے کہ چھاتی کا کینسر ہو جاتا ہے۔ انسان جب بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری اور طبعی نظام سے ہٹ کر کوئی کام کرے گا مشکلات میں گرفتار ہو گا۔ اس لیے ناگزیر حالات کے علاوہ ضبط تولید سے احتراز کرنا چاہیے۔

امام غزالی نے اپنے زمانے 'حالات' ضروریات اور وسائل کے اعتبار سے عمل کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک صورت حرام، ایک بدعت اور تین صورتیں جائز قرار دی ہیں۔ اب چونکہ ترقی یافتہ دور ہے بہت سے نئے اسباب اور وسائل وجود میں آچکے ہیں اور ضروریات اور تقاضے بھی بڑھ گئے ہیں اور مسائل بھی زیادہ ہیں۔ اس اعتبار سے ہم نے ضبط تولید کی نو صورتیں بیان کی ہیں جن میں پانچ مباح (جائز ہیں) دو ناجائز ہیں۔ اور دو صورتوں میں سلسلہ تولید ختم کرنا واجب ہے۔ ان میں عورت کی نسوانی اندوں والی نس (Fallopian Tube) کو کٹ کر باندھ دیا جاتا ہے تاکہ یہ نسوانی اندے رحم میں نہ داخل ہو سکیں اس عمل کو قل بندی (Tubal Ligation) کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ پریشانی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ہے وما من دابة الا راس الاعلىٰ الله رزقها (محد ۶)

زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لیے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف ہے؟ ایسے لوگوں سے میں یہ کہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ لے لیا ہے تو وہ حصول رزق کے لیے نوکیلیاں اور کاروبار کیوں کرتے ہیں؟ مستقبل کے لیے رقم پس انداز کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان کے یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہیں؟ جس طرح حصول رزق کے ذرائع اور اسباب کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہے اسی طرح ہر معیشت کو کم کرنے کے لیے ضبط تولید کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر ایمان اور توکل کے خلاف نہیں ہے اور بعض لوگوں کو یہ الجھن ہوتی ہے کہ ضبط تولید کرنا تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر آپ مصائب اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں کرتے ہیں؟ جب تقدیر کا ہونا اٹل ہے اور تقدیر بدل نہیں سکتی تو آپ دعا کریں یا نہ کریں جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اسی طرح آپ بیمار پڑ جانے پر علاج کیوں کرتے ہیں؟ اگر تقدیر میں بیمار رہنا ہے تو آپ لاکھ علاج کریں، صحت مند نہیں ہو سکتے لیکن اس موقع پر آپ یہی کہتے ہیں کہ اسباب کو اختیار کرنا بھی جائز ہے اسباب کو اگر اس نیت سے اختیار کیا جائے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر مبرم کو بدل دیں گے تو یہ یقیناً ناجائز اور کھلا ہوا کفر ہے۔ لیکن اگر اسباب کو اس نیت سے بروئے کار لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں علاج کے حصول کے لیے اسباب کو پیدا کیا ہے اور اسباب کے حصول کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہی دراصل تقدیر ہوتی ہے۔ ہم دعا اور علاج تقدیر بدلنے اور نظام قدرت میں مداخلت کے لیے نہیں کرتے بلکہ اس لیے دعا اور علاج کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو راحت اور شفاء ہمارے لیے مقدر کی ہے اس کو وجود میں لائیں۔ اسی طرح ضبط تولید کا عمل تقدیر کو بدلنے یا اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے نہیں ہے (اور اگر کوئی اس نیت سے کرے تو اس کے کلمے میں کوئی شک نہیں) بلکہ ضبط تولید کا یہ عمل اس رکاوٹ اور پیدائش میں اس وقت کو وجود میں لانے کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کیا ہے۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عزل کرتے تھے اور بچہ کی پیدائش سے احترازی کے لیے کرتے تھے۔ کیا کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل نہیں تھا؟ اس لیے عزل کرتے تھے؟ یا صحابہ کرام کا تقدیر پر ایمان نہیں تھا؟ اس لیے عزل کرتے تھے؟ یا صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے عزل کرتے تھے۔ پس جان لیجئے کہ جس طرح صحابہ کرام کا عزل کرنا ان خرابیوں کی نیت سے نہیں تھا بلکہ نیت صحیحہ کی بناء پر تھا اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے اس عمل کو بھی نیت صحیحہ پر محمول کرنا چاہیے۔

یاد رکھئے اسباب و علل کو اختیار کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی سیرت ہے۔ آپ کئی کئی دنوں کے لیے کھانا لے کر غار حرا میں جاتے تھے ازدواج کو ایک سال کے لیے خرچ دیتے تھے؟ ذرہ میں ملیں ہو کر میدان جنگ میں جاتے رہے ہیں بیماری میں مختلف انواع سے آپ نے علاج کیا ہے اور صحابہ کرام اور عام مسلمانوں کو علاج کرانے کی ہدایت دی ہے اس لیے کسی ضرورت کے وقت ضبط تولید کرنا تعلیمات اسلام کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

ہم نے ضبط تولید کے مسئلہ پر جو بحث کی ہے اور اس کی اباحت کی جو صورتیں بیان کی ہیں یہ خلاص علمی اور فقہی نوعیت کی بحث ہے۔ اور اس کو اسی تناظر میں پڑھنا اور سمجھنا چاہیے اور یہ بحث اسلام کے اس عمومی فلسفے پر مبنی ہے کہ اسلام دین میر ہے اور اس کے مہلکات اور اصولوں میں اتنی جامعیت اور ہمہ گیری ہے جو ہر دور کے پیش آمدہ مسائل اور پیچیدگیوں کا مثبت حل پیش کر سکتے ہیں۔ اس سے خلاص ماہر پرستندہ اور سیکولر فلسفے پر مبنی خاندانی منصوبہ بندی کی اس بین الاقوامی تحریک کی تائید و حمایت یا حوصلہ افزائی ہرگز مقصود نہیں ہے جو موجودہ دور میں پراپیگنڈے کے محرور ترغیب و تحریص کے مختلف طریقوں کو

برائے کار لا کر چلائی جا رہی ہے، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ کسی اضطراری صورت حال، کسی فرد کی ایسی خالص شخصیت وجود جو معقولیت پر مبنی ہوں یا واقعی ضرورت کے پیش نظر اسلام کی دی ہوئی رخصتوں کو بیان کر دیا جائے۔

جہاں تک دور جدید کے بلوہ پرستانہ نظریہ خاندانی منصوبہ بندی کا تعلق ہے تو یہ خالص اگلو پر مبنی ہے اور اسلام میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس نظریہ کا مرکزی نقطہ اور محور یہ ہے کہ انسانی آبادی کے پھیلاؤ کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت محدود کر دیا جائے تاکہ وسائل معاش اور اسباب معیشت کی تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے، یہ خالص خود غرضی پر مبنی فلسفہ ہے۔ جس کی اساس یہ ہے کہ ہم اپنی آسائش کے لیے دوسرے انسانوں کا وجود برباد کر دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ تاریخ انسانیت کا مطالعہ اور دور حاضر کے انسانوں کا مشاہدہ اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ہر نئے دور میں نسل انسانی کی افزائش کے بلوہ وجود بحیثیت مجموعی انسان نے اپنے گزشتہ اودار کے مقابلہ میں زیادہ سہل اور پر آسائش زندگی بسر کی ہے اور وہ وسائل رزق کے اعتبار سے بھی مرفہ الحال رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون قدرت ہے اور وسائل واسباب سے برتر اور بالاتر رزق مخلوق کی حقیقی منصوبہ بندی قادر مطلق نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ البتہ ایہ ضرور ہے کہ جب اور جہاں ظاہری طور پر جغرافیائی، موسمی یا سائنسی اور علمی و فنی وجوہ کی بنا پر وسائل رزق انسانوں کے کسی گروہ یا کسی ملک یا قوم کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ مجتمع ہوئے تو بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ انہوں نے اس سے مخلوق خدا کو فیض یاب کرنے کی بجائے لاکھوں من فائدہ سمندر میں بھادینا یا اسے ضائع کر دینا (Damping) زیادہ مناسب سمجھا، درحقیقت یہی وہ اقوام ہیں جو فلاح انسان اور انسان دوستی کے پرکشش نام پر زر کثیر صرف کر کے خاندانہ منصوبہ بندی کی مہم کو پس ماندہ اقوام اور تیسری دنیا کے ممالک میں پھیلا رہی ہیں، حالانکہ آج بھی ایک سادہ لوح و ساقی سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہتا ہے کہ انسان کھانے کے لیے ایک منہ اور کھانے کے لیے دو ہاتھ لے کر پیدا ہوا ہے۔ گویا قدرت الہی اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اگر تم محنت اور مشقت کو گے تو روزی کے دروازے کبھی تم پر تنگ نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (طلاق: ۳) جس شخص کے دل میں خوف خدا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے (اعلم غیب سے) راہیں کھول دے گا اور وہاں سے رزق عطا فرمائے گا، جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا یہ موسیٰ اور کھیتی منوع ہیں، ان کو وہی کھائے گا جس کو ہم چاہیں گے (یہ پابندی) ان کے زعم باطل میں ہے اور بعض موسیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض موسیوں پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے، اللہ پر انہما کرتے ہوئے، وہ عنقریب ان کو ان کی انہما پر دازیوں کی سزا دے گا۔ (الانعام: ۱۳۸)

مشرکین کے خود ساختہ احکام کا رد اور ابطال

کفار اور مشرکین نے زمانہ جاہلیت میں اپنے موسیوں اور اپنے کھیتوں کی تمن قسبیں کر دی تھیں۔

۱۔ وہ موسیٰ اور کھیت جن کے متعلق وہ کہتے تھے، ان سے قطعاً کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہے، یہ ان کے باطل معبودوں اور بتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ کہتے تھے ان کو وہی شخص کھا سکتا ہے جس کو ہم کھانا چاہیں اور ان کو صرف بتوں کے مرد خادم کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں کھا سکتیں اور ان کے اس خود ساختہ قول پر کوئی دلیل نہیں تھی، عقل نہ نقلی۔

۲۔ وہ موسیٰ جن کی پشت حرام کر دی گئی تھی، ان پر کوئی سواری کر سکتا تھا اور نہ ان پر سنان لاد سکتا تھا، ان جانوروں کو وہ انہما، السوائب اور الحوامی کہتے تھے۔ ان کی تفصیل المائدہ: ۱۰۳ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ وہ جانور جن پر ذبح کے وقت وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، وہ ان پر ذبح کے وقت صرف بتوں کا نام لیتے تھے اور ان سے

کوئی نفع نہیں اٹھاتے تھے، حتیٰ کہ حج میں بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔

انہوں نے جو یہ تقسیم کی تھی یہ محض اللہ تعالیٰ پر انفرادی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو مشروع نہیں کیا تھا اور ان کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ از خود اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اَرْحَمْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِمِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلٰلًا قُلْ اَللّٰهُ اَدُوٌّ لَّكُمْ
اَمْ عَلٰى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس: ۵۹)

آپ کہئے کہ بھلا ایمان تو میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تھا، تم نے اس میں سے بعض کو حرام کر لیا اور بعض کو حلال کر لیا۔ آپ پوچھئے کیا تمہیں اللہ نے (اس کی)

اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی کہ عنقریب اللہ ان کو ان کی انفرادی پرواؤں کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا جو کچھ ان مومنین کے بیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہیں اور ہماری عورتوں پر حرام ہیں اور اگر وہ بچہ مرد پیدا ہوا تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہیں، وہ ان کی من گھڑت باتوں کی عنقریب سزا دے گا، بے شک وہ بہت حکمت والا امت چاہئے والا ہے۔ (الانعام: ۱۳۹)

جو کچھ ان مومنین کے بیٹوں میں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد دودھ ہے۔ عامر نے کہا بکیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے تھے اور اگر بکیرہ مر جائے تو اس کا گوشت مرد اور عورتیں دونوں کھاتے تھے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ جو کچھ ان کے بیٹوں میں ہے اس سے مراد دودھ ہے۔ وہ اس دودھ کو عورتوں پر حرام قرار دیتے تھے اور اس دودھ کو صرف مرد پیتے تھے اور بکری جب زکوٰۃ جنتی تو اس کو صرف مرد کھاتے اور عورتیں نہیں کھاتی تھیں اور اگر وہ لحدہ کو جنتی تو اس کو ذبح نہیں کرتے تھے اور اگر وہ مردہ جنتی تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ (جامع البیان، ۸: ۷۳، ۷۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو ان کے اس جھوٹ کی سزا دے گا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّبْكُوتُ
هٰذَا حَلَالٌ وَ هٰذَا حَرَامٌ لَّنَقْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ
الْكُذِبَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَقْتَرُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْكُذِبَ
لَا یَعْمَلُ شَیْئًا (السجۃ: ۴)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں، ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

خود ساختہ شریعت سازی کا رد اور ابطال

ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اپنی طرف سے بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو فرض یا واجب قرار دینا یا بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو ناجائز اور حرام کہنا، اللہ تعالیٰ پر انفرادی بات کرنے کے مترادف ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ امام جعفر صادق کی نیاز کی کھیر پوریوں کو اسی جگہ بیٹھ کر کھایا جائے اور اس کو وہاں سے نخل کرنا جائز نہیں ہے، یا جیسے لوگ بغیر کسی شرعی دلیل کے قبضہ بھر دازمی کو واجب کہتے ہیں، یا جیسے بعض لوگ میلاد شریف، گیارہویں شریف، سوئم نور، چلم وغیرہ کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ یار سون اللہ کہنے کو حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ ائمہ کی تقلید کو ناجائز اور حرام بلکہ شرک کہتے ہیں، اور بعض لوگ یار رسول اللہ کہنے کو بھی شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں اس پر وعید ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف ہے، ان میں سے یہ ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھے گا حتیٰ کہ جب تم اس پر

قرآن کا نور دیکھو گے اور وہ اسلام کی پشت پناہ ہو گا تو قرآن اس سے جاتا رہے گا اور وہ اس کو پس پشت پھینک دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار سے حملہ کرے گا اور اس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان میں سے کون شرک کا مصداق ہو گا؟ جس پر شرک کی تہمت لگائی گئی ہے؟ یا شرک کی تہمت لگانے والا۔ آپ نے فرمایا بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ موصلی نے روایت کیا ہے۔

۱) مختصر اتحاف السادة المحمرة بزوائد الشرع، ج ۸، رقم الحدیث: ۶۶۹۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے جہالت اور حماقت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا تھا، اللہ پر افترا پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا، بے شک یہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں۔ (الانعام: ۱۳۰)

بیشیوں کو قتل کرنے کی شقاوت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا اور ان کو زندہ درگور کر دیا، ان لوگوں نے نقصان اٹھایا۔ ان لوگوں نے اپنی جہالت سے اپنی اولاد کو قتل کیا۔ یہ تنگ دستی اور حماقت رزق سے ڈرتے تھے اور یہ لوگ اس بات سے جاہل تھے کہ رزق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پاکیزہ رزق دیا تھا، اس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھ کر حرام کر دیا اور یہ کھلی گمراہی میں پڑ گئے، کیونکہ انہوں نے دین اور دنیا کی سعادت کو کھو دیا اور یہ ہدایت کو حاصل کرنے والے تھے بھی نہیں۔

علامہ قرطبی مالکی متونی ۶۶۸ھ نے بیان کیا ہے کہ روایت ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص ہمیشہ مغموم رہتا تھا، آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ تم کیوں مغموم رہتے ہو؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بہت بڑا گناہ کیا تھا اور میں ڈرتا ہوں کہ اللہ میرے اس گناہ کو نہیں بخشے گا، خواہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ تمہارا گناہ کیا تھا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیشیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ میرے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی، اس کی ماں نے مجھ سے سفارش کی کہ میں اس کو چھوڑ دوں حتیٰ کہ وہ بڑی ہو گئی، حتیٰ کہ وہ عورتوں میں حسین ترین لڑکی تھی۔ لوگوں نے اس سے نکاح کرنے کا پیغام دیا، مجھے اس پر عار آیا اور میرے دل نے یہ برداشت نہیں کیا کہ میں اس کا نکاح کر دوں، یا اس کو بغیر نکاح کے رہنے دوں۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا میں اس کو فلاں فلاں قبیلہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملانے کے لیے جا رہا ہوں، وہ یہ سن کر خوش ہوئی۔ اس نے اس کو اچھے کپڑے اور زیور پہنائے، میں اس کو لے گیا حتیٰ کہ میں ایک کنوئیں پر پہنچا اور میں نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا، وہ لڑکی مجھ گئی کہ میں اس کو کنوئیں میں ڈالنا چاہتا ہوں، وہ مجھے چٹ گئی اور رونے لگی اور کہنے لگی، اے میرے باپ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟ مجھے اس پر رحم آیا، پھر میں نے کنوئیں کی طرف دیکھا اور مجھ پر پھر عار غالب آگیا۔ وہ لڑکی پھر مجھ سے چٹ گئی اور کہنے لگی، اے میرے باپ! میری ماں کی امانت کو ضائع نہ کر۔ میں نے پھر دوسری مرتبہ کنوئیں کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھا، مجھے اس پر رحم آیا لیکن مجھ پر شیطان غالب آگیا، میں نے اس کو پکڑا اور اس کو اوندھے منہ کنوئیں میں ڈال دیا اور وہ کنوئیں میں چلا رہی تھی، اے میرے باپ! تو نے مجھے مار ڈالا؟ میں اس کنوئیں پر غصہ رہا جتنی کہ آواز آتی بند ہو گئی، پھر میں واپس آگیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب یہ سن کر رونے لگے۔ اور آپ نے فرمایا اگر میں کسی شخص کو زمانہ جاہلیت کے فعل پر سزا دیتا تو تمہیں دیتا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۸۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرِ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَ

اللہ وہی ہے جس نے بیلوں والے باغ پیدا کیے اور جس نے درختوں والے باغ پیدا کیے اور گھوڑے کے درخت اور کھیت اگانے جن کے کھانے

الزُّرْعُ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونُ وَالزُّمَانُ مُتَشَابِهًا وَغَيْرُ مُتَشَابِهٍ

مختلف ہیں اور زیتون اور انار اگاسے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِقُوا

جب وہ درخت پہلے دیکھیں تو ان کے چلوں سے گھاؤ اُڑ جائے گا جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کر داور

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣٧﴾ وَمِنَ الْإِنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرَشَاتُ كُلُوا

بے جا خرچ نہ کر، بیشک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۱۰ اور اس نے بعض (قد آدر) موشی پیدا کیے جو بوجہ اٹھانے

وَمَارَئَكُمْ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

والے ہیں اور بعض زمین سے لگے بگئے (کوٹاہ قد) مریخی پیدا کیے، انھوں نے ہمیں جو رزق دیا ہے اس کا ذرا اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بیشک وہ

مَبِينٌ ﴿٣٦﴾ تَكْمِيلُهُ أَشْرَاجٌ مِنَ الصَّانِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمُعْزِ

تہارا کھلا ہوا دشمن ہے ○ اشد نے آٹھ جڑ سے پیدا کیے ، دو بیٹر کی قسم سے اور دو بھری کی قسم سے ،

اَتَيْنِي قُلُوبُ الْكَافِرِينَ حَرَّمَ امَّ الْاَتْنَيْنِ اَمَّا اَشْمَلَتْ

آپ کیسے کیا اس نے دوزخ حرام کیے یا دودادہ حرام کیں ، یا وہ جسے دوزخ مادہ اپنے

عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ بَعْلُهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣٣﴾

جیٹوں میں یسے جوئے ہیں ، مجھے علمی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو ۰

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكُرَيْنِ

اور اشرے اونٹ کی قسم سے در اور گھاسنے کی قسم سے (دو چوڑے) پیدا کیے آپ کیسے کیا اس نے دوز

كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ وَصَّيْكُمْ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰى

وقت و منزلتے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا، سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اللہ

عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

پر افترا پردازی کرے تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

انہیں دیتا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے بیلوں والے بلغ پیدا کیے اور جس نے درختوں والے بلغ پیدا کیے اور کجور کے درخت اور کھیت اگائے جن کے کھانے مختلف ہیں اور زمین اور انار اگائے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی۔ جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاتے اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الانعام: ۱۳۱)

مشکل الفاظ کے معانی

معروضات: یہ لفظ عرش سے بنا ہے، عرش کا معنی ہے چھت۔ جس چیز پر بلا شلہ بیٹھتا ہے اس کو بھی بلندی کی وجہ سے عرش (تخت) کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں عرش الکرم میں نے انکوڑ کی چھت بنادی، یعنی انکوڑ کی بلیں اس طرح پھیلا دیں کہ ان سے چھت بن گئی۔ اس آیت میں محسوسات معروضات سے مراد وہ بلغ ہیں جن میں پھلوں کی بلیں ہوں مثلاً انکوڑ کی یا خربوزہ اور تربوز کی۔

غیر معروضات: جن پھلوں کے درختوں کو زمین پر چھوڑ دیا گیا ہو جو اپنے ستنے اور شاخوں کی وجہ سے کسی چھت پر ڈالے جانے سے مستثنیٰ ہوں۔

حصاد: یہ لفظ حد سے بنا ہے اس کا معنی ہے فصل کاٹنا۔ درختوں سے پھلوں کے توڑنے کو بھی حصد کہتے ہیں۔

وجود باری اور توحید پر دلیل

قرآن مجید کا موضوع توحید، رسالت، احکام شریعہ، معلول اور جہاد و سزا کو بیان کرتا ہے۔ اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو سزاؤں کی تھی جو شرک کرتے تھے اور انہیں خود احکام بتا لیتے تھے اس کے بعد اب پھر اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوا اور وجود باری اور توحید پر دلائل دیئے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیلوں اور درختوں والے پھلتے پیدا کیے اور کجور کے درخت اور کھیت پیدا کیے۔ ان پھلوں کی شکل و صورت، ان کا رنگ، ان کی خوشبو اور ان کا ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح کھیتوں سے جو لہ پیدا ہوتا ہے، ان کی صورت، ان کا ذائقہ اور ان کے فوائد ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ چیزیں از خود تو پیدا نہیں ہوئیں، اور نہ یہ چیزیں سورج، چاند اور ستاروں نے پیدا کی ہیں۔ کیونکہ جب وہ غروب ہو جاتے ہیں تب بھی یہ چیزیں اسی طرح برقرار رہتی ہیں۔ پھر دنیا بھر کے لوگ جو اللہ کے سوالیہ چیزوں کی خدائی کے قائل ہیں، ان چیزوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ

نہیں کیا کہ وہ ان بانگوں اور کھیتوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔ بلکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کے پیدا کرنے کا دعویٰ دار نہیں ہے تو پھر ہم کیوں نہ مانیں کہ اللہ ہی دنیا بھر کے بانگوں، کھیتوں اور ہرے بھرے جنگلوں کا خالق ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ نباتات کا خالق ہے تو جمادات، حیوانات، انسانوں، جنوں اور فرشتوں اور ساری کائنات کا بھی وہی خالق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔

فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر ہے یا عام صدقہ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب فصل کی کٹائی کا دن آئے تو اس کا حق ادا کرو۔

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی بصالح حنفی متوفی ۷۰۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس، جابر بن زید، محمد بن حنفیہ، حسن بصری، سعید بن مسیب، طاہس، زید بن اسلم، قلوہ اور ضحاک کا یہ قول ہے کہ اس حق سے مراد عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) اور نصف العشر (پیداوار کا بیسواں حصہ) ہے اور حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس حق کو اس حدیث نے منسوخ کر دیا جس میں عشر اور نصف عشر کو فرض کیا گیا اور یہ قول اس اصول پر مبنی ہے کہ قرآن کے حکم کو سنت سے منسوخ کرنا جائز ہے، حسن بصری سے روایت ہے کہ اس حکم کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا، ضحاک نے کہا ہے کہ قرآن میں مذکور ہر صدقہ کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا، اور حضرت ابن عمر اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت ٹھکے (غیر منسوخ) ہے اور فصل کی کٹائی کے وقت اس حق کو لوار کرنا واجب ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے رات کے وقت کھجور توڑنے اور فصل کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یہ ممانعت اس لیے ہے تاکہ دن میں کٹائی کے وقت مساکین آسکیں۔ مجاہد نے کہا جب فصل کٹی جائے تو اس میں سے کچھ حصہ مساکین کو دیا جائے، اس طرح جب درخت سے کھجوریں توڑی جائیں تو کچھ کھجوریں ان کو دی جائیں۔ اسی طرح جب ان کو صلع کے صلب سے لپا جائے تو ان کو کچھ کھجوریں دی جائیں۔ (الحکم القرآن ج ۲ ص ۹، مطبوعہ سبیل الہدٰی لاہور ۱۳۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر یا نصف عشر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس حق سے مراد عام صدقہ ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس لیے راجح ہے کہ احادیث میں بھی ارضی پیداوار کی زکوٰۃ، عشر یا نصف عشر بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ہلغ یا کھیت بارش سے یا چشموں سے یا بارش کے جمع شدہ پانی سے میرا ب کیا گیا ہو، اس میں عشر ہے اور جن کو کنوئیں سے پانی حاصل کر کے میرا ب کیا گیا ہو، اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۷۰، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث ۳۰، صحیح مسلم، زکوٰۃ ۷، ۹۸۸، ۲۲۳۶، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۱۵۹، سنن النسائی ج ۵، رقم الحدیث ۲۳۸۹)

عشر کے نصاب میں نہ اہب فقہاء

امام ابو حنیفہ کے نزدیک زمین کی پیداوار قلیل ہو یا کثیر، اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانچ وسق (تقریباً تین من) سے کم کی مقدار میں عشر واجب نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اونٹ دو سو درہم، ۳۰۶ گرام، ساڑھے بلون تولہ چاندی سے کم میں صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۷۷، صحیح مسلم، زکوٰۃ ۱: (۹۷۹) ۲۲۷۷، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۸، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۱۱، سنن النسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۲۳۳۵، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۹۳)
امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل

امام ابو حنیفہ کی دلیل قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اس کی یہ تقریر کی ہے۔
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا قلیل اور کثیر میں عشر واجب ہے اور جمہور نے کہا جب زمین کی پیداوار پانچ دستق کو پہنچ جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام: ۱۴۲) اور فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

یہ آیت قلیل اور کثیر میں حق کے ثبوت پر دلیل ہے اور جب یہ حق زکوٰۃ (عشر) ہے تو قلیل اور کثیر میں وجوب زکوٰۃ کا قول کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۱۷۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نیز امام ابو حنیفہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش، چشمے یا بارش کا جمع شدہ پانی سیراب کرے، اس میں عشر ہے اور جو زمین کنوئیں کے پانی سے سیراب کی جائے، اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۸۸۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۵۹۶، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۱۱، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۸۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۸۷۷، سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۲۰۴۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۲۸۷، ۳۲۸۸، ۳۲۸۹)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے زمین کی پیداوار پر ہر سبیل عموم عشر یا نصف عشر واجب کیا ہے اور اس کو پانچ دستق کے ساتھ خاص نہیں کیا اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے لہذا جس حدیث میں آپ نے پانچ دستق پر وجوب زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے وہ مل تجارت پر محمول ہے، یعنی جس شخص کے پاس پانچ دستق سے کم مل تجارت ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی اور اس وقت پانچ دستق دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے۔

نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اس آیت سے بھی ہے:

تَبَاتُهَا الْاَرْضُ اَمْثَلُ اَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ۔ (البقرہ: ۲۶۷) اے ایمان والو! اپنی کمائی ہوئی پسندیدہ چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر سبیل عموم فرمایا ہے کہ زمین سے ہم نے جو کچھ پیدا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرو اور اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی مقدار اور نصاب کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اس میں امام ابو حنیفہ کے موقف کی تائید ہے کہ زمین کی پیداوار خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر واجب ہے۔

نقلی صدقہ کرنے میں کیا چیز اسراف ہے اور کیا نہیں؟

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اہل لغت کے اسراف میں دو قول ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے اور شمر نے کہا مل کو نفو اور بے فائدہ کاموں میں خرچ کرنا اسراف ہے۔ (لسان العرب ج ۹، ص ۳۸۸، مطبوعہ ایران)

انسان جب اپنا تمام مل صدقہ کر دے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ چھوڑے تو یہ بھی اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا
تَخْشَوْنَ (الاسراء: ۳۴)
اور نہ اپنا ہاتھ پوری طرح کھول دے کہ بیچارہ ہلاکت
کیا اور احتکارا۔

ابن جریر نے کہا یہ آیت ثابت بن قیس بن شمس کے حطلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے درخت سے کھجوریں
توڑیں اور کہا آج جو شخص بھی آئے گا میں اس کو کھلاؤں گا پھر وہ لوگوں کو کھجوریں کھلاتے رہے۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی اور ان کے
پاس ایک کھجور بھی باقی نہیں رہی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ بے جا خرچ نہ کرو بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے
والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (جامع البیان ۸: ۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت حکیم بن حزام جو بیٹو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو خوشحالی کی حالت میں دیا
جائے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

(صحیح مسلم ۱۰/۱۰۳۳) سنن النسائی ج ۵، رقم الحديث: ۲۵۳۳، صحیح البخاری ج ۶، رقم الحديث: ۵۳۵۶)

حضرت ابو ہریرہ جو بیٹو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو خوشحال چھوڑے اور والا ہاتھ نیچے
ہاتھ سے بہتر ہے۔ صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو بیوی کے کی مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو تو کر کے گا مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام
لو بیٹا کے گا مجھے کھلاؤ مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحديث: ۵۳۵۵، مسند احمد ج ۲، ص ۲۴۵، المستدرک ج ۱، رقم الحديث: ۷۵۱، مسند النسائی، رقم الحديث: ۱۲۳۲)

حضرت ابو ہریرہ جو بیٹو بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا صدقہ کرو ایک شخص نے
کہا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار
ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر
خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا تم کو زیادہ معلوم ہے یعنی تم کو زیادہ معلوم ہے تمہارے
رشتہ داروں میں کون زیادہ ضرورت مند ہے؟ اس کو دو۔

(سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث: ۴۷۸، سنن النسائی ج ۵، رقم الحديث: ۲۵۳۳، مسند الشافعی ج ۲، ص ۳۳۰، مسند احمد ج ۲،

ص ۲۵۱، صحیح ابن حبان ج ۸، رقم الحديث: ۳۳۳۸، المستدرک ج ۱، ص ۳۵۵، سنن کبریٰ للبخاری ج ۱، ص ۳۲۱)

حضرت طارق عمار بن جریج بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا دینے والے کا
ہاتھ بلند ہو تب سے اور صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔ اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بہن اور اپنے بھائی کو دو۔ پھر جو تمہارے زیادہ
قریب ہوں اور جو بہن سے قریب ہوں۔

(سنن النسائی ج ۵، رقم الحديث: ۲۵۳۱، صحیح ابن حبان ج ۸، رقم الحديث: ۳۳۳۱، سنن دارقطنی ج ۲، رقم الحديث: ۲۵۵، مسند

ابن ابی شیبہ ج ۳، ص ۲۳، المعجم الکبیر ج ۸، رقم الحديث: ۸۷۷، سنن کبریٰ للبخاری ج ۱، ص ۳۴۵، مسند احمد ج ۲، ص ۳۳۱)

ان احادیث میں ماں باپ اور بیوی بچوں پر جو صدقہ کی ابتداء کرنے کا حکم ہے اس سے مراد صدقہ نفل ہے کیونکہ صدقہ
واجبہ کو ان پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس شخص کا دل مضبوط ہو اور اس کا نفس مستغنی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ پر متوکل ہو اور وہ
اکیلا ہو اس پر ماں باپ بیوی بچوں اور بہن بھائیوں کی ذمہ داری اور ان کی پرورش کا بار نہ ہو اور وہ مالی حقوق سے حطلق اللہ
تعالیٰ کے تمام فرائض ادا کر چکا ہو تو وہ اگر اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دے تو یہ جائز ہے اور اسراف نہیں ہے۔

امام عبد الرحمن بن محمد بن لویس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا اگر تم ابو قیس (ایک پہاڑ) کے برابر سونا بھی اللہ کی اطاعت میں خیرات کر دو تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر تم ایک صاع (چار کلو) بھی اللہ کی معصیت میں خرچ کر دو تو یہ اسراف ہے۔ (ترمذی: ۱۷۹۳)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۳۹۹ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ کٹرہ ۱۳۱۷ھ)

امام ابو الشیخ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ابو جہر نے بیان کیا کہ لوگوں نے ایاس بن معلویہ سے پوچھا اسراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب تم اللہ کے حکم سے تجاوز کر دو تو یہ اسراف ہے۔ سفیان بن حسین نے کہا جب تم اللہ کے حکم میں کمی کر دو تو یہ اسراف ہے۔ (در مشور ج ۲ ص ۳۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے بعض قد آور مویشی پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں اور بعض زمین سے جگ ہوئے (کو تلو تلو) مویشی پیدا کیے اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس سے کھلو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (الانعام: ۱۴۴)

مویشیوں کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مزید رحمتوں اور برکتوں کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے سواری اور بوجھ لادنے کے لیے بڑے بڑے اور قد آور جانور پیدا کیے جیسے گھوڑے، اونٹ، بیل اور بھینسے وغیرہ اور چھوٹے جانور پیدا کیے جن کو زمین پر بچھا کر ذبح کیا جا سکتا ہے جیسے بھیڑ، بکری اور بٹے وغیرہ۔ ان جانوروں سے دودھ حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری غذائی ضرورت پورا کرتے ہیں اور ان سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری لباس کی ضرورت پورا کرتے ہیں جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا غَنَمًا
يَذُبُّهَا عَنْهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۖ وَذَلَّلْنَاهَا
لَهُمْ فَيَمْشِي أَوَّلَهُمْ كَمَا يَمْشِي الْغَنَمُ ۖ وَلَهُمْ
مِنْهَا مَنَافِعُ وَمِنْهَا يَشْكُرُونَ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے

ان کے لیے مویشی پیدا کیے جن کے وہ مالک ہیں اور ہم نے ان

مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا سو وہ بعض پر سواری کرتے ہیں اور

بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان مویشیوں میں بہت

فائدے ہیں اور اپنے کی چیزیں ہیں تو کیلئے شکر نہیں کرتے۔

(یس: ۶۴-۶۵)

وَأَن لَّكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ لِّتُؤْذِنُوا مِنَّا

فِي بُطُوبِهِ مِن تَبْيِئِ قَرْيَةٍ وَتَذَكُّرِ الْخَالِصِ

سَاتِعًا لِلشَّيْرِ بَيْنَ ۖ (الحمل: ۱۴)

اور ہے شک مویشیوں میں تمہارے لیے مقام غور ہے ہم

تمہیں اس چیز سے چلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے گوہر اور

خوش کے درمیان سے پینے والوں کے لیے خاص خوش گوار

دودھ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جس طرح غلہ جات اور پھلوں سے کھانے کا حکم دیا تھا اسی طرح اب ان مویشیوں سے کھانے اور ان کا

دودھ پینے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ درخت اور کھیت ہوں یا مویشی سب کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے منافع اور فوائد کے لیے پیدا

فرمایا ہے سو اس کو چاہیے کہ ان سے نفع حاصل کرے اور شیطان کے قدموں پر نہ چلے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن

ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ارشاد ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا

إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ

السَّعِيرِ ۖ (فاطر: ۶)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی اس کو دشمن

بنائے رکھو وہ اپنے گردہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ

والے ہو جائیں۔

إِنَّمَا يَأْتُرْكُكُمْ بِالشُّرُوءِ وَالْعَحْثَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۱۷۴) اللہ کے حلق ایسی بات کہنے کا جس کو تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے 'دو بھیڑ کی قسم سے' اور دو بکری کی قسم سے 'آپ کہئے کہ کیا اس نے دو زحرام کیے یا دو مادہ حرام کیسے' یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ مجھے علمی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو O اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو پیدا کیے۔ آپ کہئے کہ کیا اس نے دو زحرام کیے 'یا دو مادہ حرام کیسے' یا وہ جسے وہ دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں 'یا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا' سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا؟ جو اللہ پر افترا پردازی کرے 'تا کہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے' بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الانعام: ۱۴۳-۱۴۴)

مناظرہ اور قیاس کی اصل

وہ مویشی جو دراز قد اور کوتاہ قد ہیں ان کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک اونٹ اور اونٹنی کا جوڑا ہے 'دو سرائیل اور گائے کا جوڑا ہے' تمہارا میزدا اور بھیڑ کا جوڑا ہے اور چوتھ بکرے اور بکری کا جوڑا ہے اور یہ کل آٹھ عدد ہیں۔

مشرکین عرب نے مویشیوں میں سے بھیڑ، سائب، دمیلا اور عام بنار کہتے تھے اور عام لوگوں کے لیے ان پر سواری کرنا بوجھ لادنا ان کو کھانا اور ان کا دودھ پینا حرام کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو زحرام کیے ہیں 'اگر اللہ تعالیٰ نے زحرام کر دی ہے تو تم زحرام کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے مادہ کی صنف حرام کر دی ہے تو تم مادہ کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے دونوں حرام کر دیئے ہیں تو پھر تم زحرام اور مادہ دونوں کیوں کھاتے ہو؟

اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی صنف کو حرام نہیں کیا۔ یہ تحریم کے دعویٰ میں محض جھوٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس انکار کو مزید مؤکد کرنے کے لیے فرمایا کیا تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام کرنے کی وصیت فرمائی تھی؟ سو یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے اور اگر تم سچے ہو تو بتاؤ اللہ تعالیٰ نے کس نبی کی کتاب میں ان جانوروں کی تحریم نازل کی تھی یا کس نبی پر وحی آئی تھی؟ اگر تمہارے پاس کوئی نقل ہے تو پیش کرو 'ان آیتوں میں علمی مباحثہ اور مناظرہ کے جواز پر دلیل ہے اور اس میں قیاس کی بھی اصل ہے کہ اگر اللہ نے ذکر کو حرام کیا ہے تو ہر ذکر حرام ہے اور اگر اونٹ کو حرام کیا ہے تو ہر اونٹ حرام ہے۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى

آپ کہئے کہ میری طرف سے جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے

طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ

دائے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا: وہ مردار بھرا یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا

خَنَزِيرٌ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطَرَّ

گوشت ہو کیوں کہ وہ نجس ہے یا یہ طور نامرمانی کے اس پر دفع کے وقت، غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور

غَيْرَ يَاجِرٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۳۸﴾ وَعَلَى الَّذِينَ

ہم اور نہ وہ سرکش کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بیشک آپ کا سب بہت بخشنے والا ہے اور ہم فرشتے والا ہے ○ اللہ ہم دیوں پر

هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا، اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی

شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَبَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ

تھی، مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو یا ان کی آنتوں پر ہو یا جو چربی ان کی بڑی

بَعْضُهُمْ ذَلِكَ جَزَيْنَهُم بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۳۹﴾ فَإِن

پر ہو، یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں ○ پس اگر وہ آپ

كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ

کی تکذیب کریں تو آپ کہیے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے اور اس کا مذاب جرم کرنے

الْقَوْمِ الْمَاجِرِينَ ﴿۱۴۰﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا

داؤں سے ٹالا نہیں جاسکتا ○ اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے

أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ

باپ دادا اور نہ ہم کبھی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ

بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا مذاب چکھا، آپ کہیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے تو)

فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿۱۴۱﴾

اس کو ہمارے سامنے پیش کرو، تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم معض الظن کہو سے بات کرتے ہو ○

قُلْ فِدْلِهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۴۲﴾

آپ کہیے کہ قوی دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے، پس اگر اللہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دے دیتا ○

قُلْ هَلْ مَشَهِدَآءُ كُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَزَمَ هٰذَا

آپ بھیجیے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کر دو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاَ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا

یہ دھڑائی گواہی دیں تو (اسے مخاطب) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا

بِآيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ يَرِثُهَا يَعْذِلُوْنَ ۝۱۵۰

جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں ۱۵۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ہن چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور تافرنی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا ہے حد پر تم فرمائے والا ہے۔ (الانعام: ۱۴۵)

قرآن اور حدیث میں حرام کیے ہوئے طعام کی تفصیل

زمانہ جاہلیت میں کفار اور مشرکین بعض اشیاء کو از خود حلال کہتے اور بعض اشیاء کو از خود حرام کہتے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ کسی چیز کا حلال کرنا اور کسی چیز کا حرام کرنا صرف وحی سے معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کہئے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں صرف چار چیزیں حرام کی گئی ہیں وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ مردار، بہا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ ان کی تفسیر ہم البقرہ: ۱۷۳ اور المائدہ: ۳ میں تفصیل سے کر چکے ہیں ان کا وہاں مطالعہ فرمائیں۔ یہ سورت کی ہے اس لیے اس میں صرف ان چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں میں اور بھی کئی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے بعض دیگر جانوروں اور شراب کی حرمت کا بیان المائدہ میں ہے:

(یہ چیزیں) تم پر حرام کر دی گئی ہیں مردار، خون، حسیبہر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور جس کا کلا گھٹ گیا ہو اور جو ضرب سے مارا گیا ہو اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو اور سینگ مارا ہو اور جس کو درد نے کھالیا ہو سو اس کے جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور جو بھٹوں کے تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور جو بھٹوں کے خیموں سے اپنی قسمت معلوم کرنا بھی تم پر حرام کیا گیا ہے۔ یہ سب کام گناہ ہیں۔

اسے ایمان والا شراب، جوایت اور قسمت معلوم کرنے کے تیر (سب) ٹپاک ہیں۔ شیطان کا سون سے ہیں سو تم ان

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخَيْزُرِيِّ وَمَا اِهْلَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْدَةُ وَالْمُسْتَرْذِيَّةُ وَالطَّيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا دَخَلْتُمْ وَمَا دَخَلَ عَلَى النَّصَبِ وَ اَنْ تَسْتَفْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ

(المائدہ: ۳)

مَا تَهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِلَّا مَا لَعَنُوا الْمَيْتَةُ وَالْمُسْتَرْذِيَّةُ وَالْمَوْقُوْدَةُ وَالْمُسْتَرْذِيَّةُ وَالْمُسْتَرْذِيَّةُ وَالْمُسْتَرْذِيَّةُ

تبیان القرآن

فَاَخْتِيبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ (المائدہ: ۱۰۰) سے بچنا کہ کامیاب ہو جائے۔

اور نبی ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خثنی جو پیشہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہر چکیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری 'ج ۷' رقم الحدیث: ۵۷۸۱، ۵۷۸۰، صحیح مسلم 'المسند والذبايح' ۱۳: ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، ۱۹۳۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر چکیوں والے درندے اور ہر ناخن والے پرندے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم 'المسند والذبايح' ۱۲: ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۰۳، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۲۳۲، موطا امام مالک 'رقم الحدیث: ۴۰۷۵)

حضرت ابو ثعلبہ جو پیشہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرمادیا۔

(صحیح البخاری 'ج ۶' رقم الحدیث: ۵۵۴، صحیح مسلم 'المسند والذبايح' ۱۳: ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، سنن الترمذی 'ج ۷' رقم الحدیث: ۳۹۳۳)

حضرت عبدالرحمن بن شبل جو پیشہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گدھ کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ دو مردار مچھل اور ٹڈی ہیں اور دو خون بکھی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۱۳، مسند احمد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن جانوروں کو سمندر پھینک دے یا جن سے پیچھے ہٹ جائے ان کو کھاؤ اور جو جانور سمندر میں مر جائیں اور مر کر اوپر آجائیں ان کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۸۱۵، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۳۷)

کانٹے والے کتے، سانپ، بچھو، چیل اور کوئے کو نبی ﷺ نے حرام اور غیر حرام میں قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۸۳) اس لیے ان کو کھانا بھی حرام ہے۔

حشرات الارض اور بول و براز اور دیگر ہر قسم کی نجاست کے حرام ہونے پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

مچھلی کو کھانا بلا مشق حلال ہے اور مچھلی کے علاوہ باقی دریائی جانوروں میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہیں کیونکہ وہ سب خبیث ہیں یعنی طبع سلیم ان سے تنفر ہوتی ہے اور خبیث چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

(احادیث اخیرین 'ص ۳۴۲)

وہ نبی مای ان کے لیے حیب چیزیں طار کرتے ہیں اور

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

الْخَبَائِثَ (الاعراف: ۱۵۷)

خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

امام مالک کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں، ماسوا ان کے جن کی مثل خشکی میں حرام ہے۔ مثلاً حویض (حاشیہ

الدسوقی 'ج ۲' ص ۱۵) امام احمد کے نزدیک بھی مچھلی سمیت تمام جانور حلال ہیں۔ البتہ ان کے نزدیک مینڈک کو کھانا جائز نہیں ہے۔

کیونکہ نبی ﷺ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن الترمذی) اور یہ اس کی تحریم کی دلیل ہے اور محرم چھ اور کوچ (ایک

قسم کی مچھلی جس کی سونڈ پر آرا ہو تا ہے) کو کھانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔ (مغنی ابن قدامہ)

ج ۹ ص ۳۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام شافعی کے نزدیک مینڈک کے سوا تمام سمندری جانوروں کو کھانا جائز ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے مینڈک کے کھانے کو بھی جائز کہا ہے۔ (المعذب ج ۲ ص ۲۵۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ ۹۷)

تمارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔

اور اس حدیث سے بھی ان کا استدلال ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی کم ہوتا ہے۔ اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پانی سے رو جائیں گے کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیں؟ آپ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

(سنن الترمذی ج ۱ رقم الحدیث: ۶۸، سنن ابوداؤد ج ۱ رقم الحدیث: ۸۳، سنن النسائی ج ۱ رقم الحدیث: ۵۰، سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۳۸۶، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۳، المستدرک ج ۱ ص ۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۳، المستطیٰ رقم الحدیث: ۳۳، سند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۴۳، طبع جدید، سند احمد ج ۲ ص ۲۳، طبع قدیم)

علامہ ابن قدامہ نے کہا ہے کہ عطاء اور عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے سمندر میں ہر چیز کو ذبح کر دیا ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو یا ان کی آنتوں پر ہو یا جو چربی ان کی ہڈی پر ہو یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔ (الانعام ۱۳۶)

بعض الفاظ کے معنی

دی طعمر ناخن والے اس سے مراد ایسے جانور ہیں جن کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ نہ ہوں۔ جیسے اونٹ اور دیگر مویشی اس کے برخلاف پھاڑنے والے درندوں کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ ہو جاتے ہیں جن سے وہ شکار کرتے ہیں۔ شحم کا معنی ہے چربی اور المحواہا الخویہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے آنت انتڑی۔

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ناخن والے جانوروں سے مراد اونٹ شتر مرغ اور اس قسم کے دیگر چوپائے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد ایسے جانور ہیں جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد اونٹ شتر مرغ اور پرندے ہیں۔

(جامع البیان ۸/۲ ص ۹۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ فلاں شخص نے خمر (شراب) فروخت کی ہے۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو قتل کرے وہ نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کی تھی انہوں نے اس کو پکھلایا اور پھر

فروخت کر دیا۔ (صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۲۳، صحیح مسلم، المسانید: ۲۲، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۷۰) اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو جو اسرائیل پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا حرام کیا۔ کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور سوار کھاتے تھے اور دیگر ناجائز طریقوں سے لوگوں کو مال کھاتے تھے اور یہ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی چیز کو حرام نہیں کیا مگر اس کے جس کو حضرت یعقوب نے خود اپنے نفس پر حرام کیا تھا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ماضی کی خبر دی تھی جس کا کسی کو علم نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے شک ہم اس خبر میں ضرور سچے ہیں اور یہ یہود کا منہ بھرا کی نیت کی دلیل ہے کہ آپ نے یہود کو ماضی کی ایسی بات کی خبر دی جس کا کسی کو علم نہیں تھا اور جس کو جاننے کے لیے وحی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہئے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب جرم کرنے والے لوگوں سے بڑا نہیں جاسکتا۔ (الانعام: ۱۴۷)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ یہود اس خبر میں آپ کی تکذیب کریں جو ہم نے آپ کو ابھی بیان کی ہے کہ ان کی سرکشی کی بنا پر ہم نے ان پر کیا کیا حرام کر دیا تھا تو آپ کہئے ہمارا رب سب پر رحیم ہے۔ اس کی رحمت تمام مخلوق پر محیط ہے۔ خواہ وہ اس پر ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔ نیک ہوں یا بدکار۔ وہ نہ کافروں کو جلد بھڑاتا ہے نہ گنہگاروں سے جلد انتقام لیتا ہے اور وہ ایمان لائے والوں اور اطاعت گزاروں کو پونہی نہیں چھوڑ دیتا اور ان کو ان کے اعمال کے ثواب سے محروم نہیں کرتا۔ لیکن جب مجرموں کی بد اعمالیوں کی سزا دینے کا وقت آئے گا تو پھر اس کے عذاب کو کوئی ان سے بچ نہیں سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب پکھلے آپ کہئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے تو) اس کو ہمارے سامنے پیش کر دو تم صرف غبن کی پیروی کرتے ہو اور تم محض اٹکل بچہ سے بات کرتے ہو۔ (الانعام: ۱۳۸)۔

مشرکین کے شبہات کا جواب

مجاہد نے کہا کہ کفار قریش نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ وہ بحیرہ، سائبہ اور وسیلہ وغیرہ کو حرام قرار دیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمارے آباء و اجداد کی طرف رسول بھیجتا جو ان کو شرک سے منع کرتا اور ان جانوروں کو حرام قرار دینے سے منع کرتا اور وہ ان کھوں سے رک جلتے پھر ہم بھی ان کی اتباع کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ جس طرح تم کہہ رہے ہو ماضی میں ایسا ہی ہوا تھا اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا رد فرمایا اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب پکھلے۔ یعنی جس طرح کفار مکہ نے نبی ﷺ کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دیئے ہوئے دلائل کی تکذیب کی ہے اسی طرح پہلے بھی مشرکین نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس کی بنیاد بھی کوئی علم اور عقل کی دلیل نہیں تھی۔ وہ بھی محض غبن اور اٹکل بچہ سے اپنے رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور اگر ان کا یہ قول صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب کیوں نازل فرماتا اور ان کو صغیر ہستی سے کیوں مٹا دیتا۔ یعنی جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو ان پر عذاب آیا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے

ان کی طرف رسول بھیجے تھے جنہوں نے ان کو شرک اور خود ساختہ تحریم سے منع فرمایا تھا۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ قوی دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے، پس اگر وہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ (الانعام: ۱۳۰)

جبریہ کا رد اور ابطال

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایسی دلیل جو تمام شکوک و شبہات کو بخوبی دہستہ سے اکھاڑ دے، صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس آیت میں یہ بھیہ ہے کہ اللہ واحد ہے، اس نے رسولوں کو دلائل اور معجزات دے کر بھیجا اور ہر ملک پر اپنے احکام کو لازم کیا ہے اور ان کو ملک کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی ہے کہ بندے اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں، ورنہ اگر وہ چاہتا تو جبراً سب انسانوں کو مومن بنا دیتا، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، نہ وہ بھائی و فیو کو حرام قرار دیتے، کیونکہ اس قسم کا ایمان اللہ تعالیٰ کا مطلوب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی عقل سے کام لیں، حق اور باطل کو جانیں، کھرے اور کھوٹے کو پہچانیں۔ انبیاء و علیہم السلام کی تعلیمات اور شیطان کے دوسوں میں فرقی محسوس کریں اور اپنے اختیار سے برے کاموں اور بری باتوں کو ترک کریں اور شیطان کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لانے کو اختیار کریں۔ جس چیز کو اختیار کریں گے، اللہ اسی چیز کو پیدا کر دے گا۔ ان آیتوں میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا، بھلا بنایا ہے اور ان میں جبریہ کے مذہب کا رد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے قاضی) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دنا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(الانعام: ۱۵۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مشرکین سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیرہ، سائبہ و غیرہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، وہ اس پر کوئی گواہ لائیں اور کوئی شہادت پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نبی پر اس حکم کو نازل کیا تھا یا فلاں کتاب میں یہ حکم نازل ہوا ہے اور اگر بالفرض وہ کوئی جھوٹی شہادت پیش کر دیں تو اے مسلمانو! تم ان کی تصدیق نہ کرنا اور جو لوگ فوائد اور منافع کے حصول اور مصائب اور نقصانات سے بچنے کے معاملہ میں اپنے جوں اور جھوٹے معبودوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، ان کی موافقت نہ کرنا۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ أَن تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ

آپ کہیے کہ آؤ میں تم پر تلاوت کروں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں تسلیم کی ہیں، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ

يَا لَوَالِدَيِّنِ احْسَنَّا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ خَنٍ

دو! اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو رزق میں کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم نہیں بھی

نَزَرُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنٌ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ

دزدی جیسے ہیں اللہ ان کو بھی ، اور سبے حیاتی کے کاروں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ

پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو ، یہی وہ کام ہیں

وَصُكُّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا

جن کا اللہ نے تم کو نیکو حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو ۱۵۱ اور اچھے طریقہ کے بغیر یتیم کے مال کے

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ

قریب نہ جاؤ حتی کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری پوری تاپ تول

بِالْقِسْطِ لَأَنْكُلِفَ نَفْسًا إِلَّا أَوْسَعَهَا ۚ وَإِذَا قُلْتُمْ قَاعِدُوا

کرد ، ہم ہر شخص کو صحت اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ

وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ وَيَعْهَدُ اللَّهُ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَصُكُّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ

کہو ، خواہ وہ تمہارے قریب دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرو ، یہی وہ امر ہیں جن کا تمہیں اللہ نے نیکو حکم دیا ہے

تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۲﴾ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا

تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ۱۵۲ بیشک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی راستہ پر چلو ، اور دوسرے راستوں پر

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصُكُّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ

نہ چلو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے ، اسی بات کا اللہ نے تمہیں نیکو حکم دیا ہے تاکہ

تَتَّقُونَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ

تم (مگر اب سے) بچو ۱۵۳ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ، اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک

وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ

کام کیے دراصل ہدایت اور رحمت ہے اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب کے ملاقات پر

يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵۳﴾

ایمان سے آئیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ آدم میں تم پر تلاوت کروں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں؟ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دو، اور مل باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو رزق میں کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تم کو منکد حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو ○ اور اچھے طریقہ کے بغیر مل یتیم کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری ٹاپ تول کرو، ہم ہر شخص کو صرف اس کی طاقت کے مطابق ملکت کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کو تو انصاف کے ساتھ کرو، خواہ وہ تمہارے قربت دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہی وہ امور ہیں جن کا اللہ نے تمہیں منکد حکم دیا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(الانعام: ۱۵۲-۱۵۱)

اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ مشرکین نے بعض کاموں اور بعض چیزوں کو از خود حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام فرمائی ہیں؟ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نو چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے اور ان کی ضد کو فرض اور واجب قرار دیا ہے۔ وہ نو چیزیں یہ ہیں:

(۱) اللہ کا شریک قرار دینا۔ (۲) مل باپ کے ساتھ نیک سلوک نہ کرنا۔ (۳) اولاد کو قتل کرنا۔ (۴) بے حیائی کے کام کرنا۔ (۵) ناحق قتل کرنا۔ (۶) یتیم کے مل میں بے جا تصرف کرنا۔ (۷) ٹاپ تول میں کمی کرنا۔ (۸) ناحق بات کرنا۔ (۹) اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کرنا۔

ان نو کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اور ان کی ضد اور ان کے خلاف کرنے کو فرض اور واجب فرمایا ہے۔ ہم ان میں سے ہر ایک کی قدرے تفصیل بیان کر رہے ہیں۔

شرک کا حرام ہونا

بعض مشرکین بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّهِمْ لَا يُشْرِكْ بِيَدِي شَيْئًا ۚ وَرَبِّهِمْ أَتَشْتَرِدْ صَنَمَاتًا
الْبَهَّةُ (الانعام: ۷۷) بتوں کو محبوب بنانا ہے۔

اور بعض مشرکین ستاروں کی پرستش کرتے تھے اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

فَلَمَّا أَفْلَحَ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا الْإِلَهِ الَّذِي هُوَ اللَّهُ ۚ وَرَبِّهِمْ أَتَشْتَرِدْ صَنَمَاتًا
مُجْرِبًا (الانعام: ۷۸) پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا میں ڈوب جانے والوں کو پہنچ نہیں کرتا۔

بعض مشرکین جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے تھے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ (الانعام: ۸۰) اور انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دیا۔

بعض مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں مانتے تھے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَعَرَّفُوا آلَهُ بَنِينَ وَأَسْأَلُوا بِمَنَاسِبِ الْغَيْبِ عَلَيْهِمُ
 (الانعام: ۱۵۲) لیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کا شریک ممانعہ حرام ہے۔ اور یہ یہاں تک ہے جس کی آخرت میں معافی نہیں ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر کون سا بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا پھر یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ میں نے پوچھا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا پھر یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

(صحیح البخاری ج ۵، رقم الحديث ۲۴۷۷، صحیح مسلم، ابواب النکاح، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث ۲۲۲۰، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحديث ۲۳۳۳، سنن نسائی ج ۲، رقم الحديث ۳۳۰، سنن کبریٰ للشیخ ج ۲، رقم الحديث ۳۹۸۷)

والدین کے ساتھ بد سلوکی کا حرام ہونا

اس کے بعد میں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے کیونکہ انسان پر سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کے بعد انسان کے اوپر میں باپ کا احسان ہے کیونکہ انہوں نے اس کی پرورش کی اور جب وہ بہت چھوٹا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا اس وقت اس کو ضائع ہونے سے بچایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی انتہائی تعظیم اور توقیر کا حکم دیا ہے اور اپنا شکر ادا کرنے کے بعد میں باپ کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا مَّا بَلَغَ مِنْ ذَكَرٍ
 الْكَبِيرِ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا
 أَوْفٍ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا
 أَخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
 رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا

اور میں باپ کے ساتھ نیک سلوک رکھو اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اذیت نہ دینا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا اور نرم دلی کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی سے جھکے رہنا اور یہ دعا کرنا کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

(ابن سیرین: ۲۳-۲۴)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (نیکی کا) حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ پھونکا اور برسی میں ہے (وہ حکم یہ ہے کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو (تم نے) میری ہی طرف لوٹنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اجر چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ نے پوچھا تم اللہ سے اجر چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اور ان سے نیک سلوک کرو۔ (صحیح مسلم، ابواب النکاح، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحديث ۲۲۲۰، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحديث ۲۳۳۳، سنن نسائی ج ۲، رقم الحديث ۳۳۰، سنن کبریٰ للشیخ ج ۲، رقم الحديث ۳۹۸۷)

والدین کے ساتھ نکلی یہ ہے کہ من کی قرابتوں کی اور اطاعت کی جائے۔ من کا لوب اور احرام کیا جائے۔ من کی ضروریات پوری کی جائیں اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا جائے۔ اگر وہ ظلم کریں پھر بھی ان کی اطاعت کی جائے۔ البتہ اگر شرعی احکام میں من کی اطاعت نہ کی جائے پھر بھی من کے ساتھ نرمی رکھی جائے اور اگر وہ فوت ہو جائیں تو من کی قبر کی زیارت کی جائے اور ان کے لیے استغفار کیا جائے۔

قتل اولاد کا حرام ہونا

زمانہ جاہلیت میں بعض مشرکین رزق میں کمی کے ذریعے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض عمار کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمادیا اور بعض لوگ عمل تندہ کے وقت عزل کرتے تھے۔ (یعنی انزال کے وقت اندام نسلی سے آگے باہر نکل لینا)۔

بعض مسلمان بھی عزل کرتے تھے، نبی ﷺ نے عزل کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بنو مصلح میں گئے۔ ہم نے عرب کی خوبصورت عورتوں کو قید کر لیا، ہمیں اپنی بیویوں سے الگ ہوئے کافی دن گزر چکے تھے، ہم نے چاہا کہ مشرکین سے فدیہ لے کر ان عورتوں کو چھوڑ دیں اور ہم نے یہ بھی چاہا کہ ان عورتوں سے جسمانی فائدہ بھی حاصل کریں اور عزل کر لیں (یعنی انزال کے وقت آگے باہر نکل لیں) تاکہ حمل قائم نہ ہو (پھر ہم نے سوچا کہ ہم عزل کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں تو کیوں نہ ہم آپ سے اس کا حکم معلوم کر لیں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ایسا نہ کرو کیونکہ قیامت تک اللہ تعالیٰ نے جس روح کے پیدا ہونے کے متعلق لکھ دیا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحديث: ۵۸۰۴، صحیح مسلم، نکاح، ۳۵، ۳۴۸۰، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۷۲، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحديث: ۵۰۴۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے، وہ ہماری غلامہ ہے اور ہمارے لیے پانی لاتی ہے۔ میں اس سے اپنی خواہش پوری کرتا ہوں اور اس کے حلال ہونے کو پسند کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس سے عزل کر لو، بے شک جو کچھ مقدر کیا گیا ہے وہ غریب ہو جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص آیا اور اس نے کہا وہ باندی حلال ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جو کچھ مقدر ہو گیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ (صحیح مسلم، نکاح، ۳۳، ۳۴۹، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۷۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔ سفیان نے کہا اگر یہ کوئی ممنوع چیز ہوتی تو قرآن ہمیں اس سے منع کر دیتا۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحديث: ۵۸۰۴، صحیح مسلم، نکاح، ۳۶، ۳۴۰، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۰، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۵، رقم الحديث: ۵۰۴۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحديث: ۴۴۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے، نبی ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح مسلم، نکاح، ۳۸، ۳۴۰، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۴۱۷۴)

عزل کیا جائے یا کسی اور جدید طبی طریقہ سے ضبط تولید کا عمل کیا جائے تو بلا ضرورت شرعی وہ مکروہ ہے اور اگر عقلی رزق کے خوف کی وجہ سے یا لڑکیوں سے عمار کی بنا پر عزل کیا جائے تو حرام ہے اور اگر کوئی نیک مسلمان ذاکثر یہ کہے کہ اگر ضبط تولید پر

عمل نہ کیا گیا تو عورت کی جان کو خطرہ ہے تو پھر یہ عمل واجب ہے اور اگر اس کے پکار ہونے کا خدشہ ہو تو پھر عزل کرنا جائز ہے۔
اس کی پوری تفصیل ہم (الانعام: ۱۵۷) کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔
بے حیائی کے کاموں کا حرام ہونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت کوئی زانیہ کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی عورت چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحدیث: ۵۵۷۸، صحیح مسلم ایمان ۱۰۰، (۵۷) ۱۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے اور تین بار فرمایا اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو قوم لوط کا عمل کرے۔

(شعب الایمان ج ۴، رقم الحدیث: ۵۳۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قاتل اور مفعول بہ کو قتل کر دو اور اس کو جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے۔ (شعب الایمان ج ۴، رقم الحدیث: ۵۳۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کا ذکر کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ بوڑھا زانی اور بھونکا عکرمین اور شکیر فقیر۔

(صحیح مسلم ایمان ۱۷۲، السنن الکبریٰ ج ۲، رقم الحدیث: ۷۱۳۸، شعب الایمان ج ۴، رقم الحدیث: ۵۴۰۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا سرسبز مٹی ہے اور بے شک اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنائے والا پھر دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کیسا عمل کرتے ہو؟ سنو دنیا کے فتنے سے بچو اور عورتوں کے فتنے سے بچو۔ اسنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۸، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۰، صحیح ابن ماجہ ج ۸، رقم الحدیث: ۳۲۲۱، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لاحقہ پائے گا، آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور نفس تمنا کرنا اور اشتہاء کرتا ہے اور شرمگاہ اس سب کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۶۲۳۳، صحیح مسلم قد ر ۲۰، (۲۶۵۷) ۶۶۲۹، سنن ابو داؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۵۲)

حضرت ابو المہدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان کسی عورت کے محاسن کو دیکھے اور پھر اپنی نظر پھیرے تو اللہ اس کے دل میں عیادت کی عداوت پیدا کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان ج ۴، رقم الحدیث: ۵۳۳۱)

حسن بن ذکوان کہتے تھے کہ خوبصورت بے ریش لڑکے حسین و شیرازوں سے زیادہ فتنہ انگیز ہیں۔

(شعب الایمان ج ۴، رقم الحدیث: ۵۳۹۷)

قتل ناحق کا حرام ہونا اور قتل برحق کی اقسام

قتل ناحق کو سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ قتل برحق کون کون سے ہیں۔ جو شخص نماز پڑھنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مائیں زکوٰۃ سے قتل کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر انہوں نے یہ کر لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچا لیا، ماسوا ان کے حقوق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵۰، صحیح مسلم ۳، ۲۶۰، ۳۸۱، ۳۸۲)

اور مرتد، شادی شدہ زانی اور مسلمان کے قاتل کو بھی قتل کرنا برحق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان شخص کو جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں (اس کو) قتل کرنا صرف تین میں سے ایک وجہ سے جائز ہے۔ شادی شدہ زانی ہو، کسی مسلمان کا قاتل ہو اور دین اسلام کو ترک کر کے مسلمانوں کی جماعت سے نکلے والا ہو۔

صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۸۷۸، صحیح مسلم، حدود: ۲۵، (۱۶۷۶) ۳۲۹۶، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۵۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۰۷۰، سنن ابی داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۳۳، ایک خلیفہ کے انعقاد کے بعد اگر دوسرے خلیفہ کے لیے بیعت کی جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو خلیفوں کے لیے بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو۔ (صحیح مسلم، الامارۃ: ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵) جو شخص قوم لوط کا عمل کرے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جس کو قوم لوط کا عمل کرتے دیکھو تو قاتل اور مغلول بہ کو قتل کر دو۔

سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۶۲، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۶۱، جو شخص جانور کے ساتھ بد فعل کرے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص جانور کے ساتھ بد فعل کرے اس شخص کو قتل کر دو اور اس جانور کو بھی قتل کر دو۔ (سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۶۳، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۶۰) اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ڈاکو کو قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَيُقَاتِلُونَ فِي الْأَرْضِ قِتَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ
يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ
مِّنْ جِهَتَيْنِ أَوْ يُنْقَلَبُوا فِي الْأَرْضِ (المائدہ: ۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو شہید کر دیا جائے۔

اگر ڈاکوؤں نے مل بھی لوٹا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے اور اگر انہوں نے صرف مل لوٹا ہو تو ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانبوں سے (یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر) کاٹ دیے جائیں اور اگر انہوں نے صرف دھمکیاں دیں تو ان کو شہید کر دیا جائے۔ جو لوگ مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت کریں ان کو بھی قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَإِنْ تَقَاتَلَ اِذَا جَاءَهُم مِّنَ الْأُخْرَىٰ قَاتِلُوا

اگر ایک جماعت دوسری جماعت کے خلاف بغاوت کرے

الَّتِي تَبِيتُ حَتَّى تَوْبَتِ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ
تو باقی جماعت سے قتال کرو، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف
(الصحرات: ۹) لوٹ آئے۔

جو شخص جو تھی بار شراب پیئے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔
حضرت معلو یہ بیٹھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خمر (شراب) پیئے اس کو کوڑے لگاؤ اور اگر وہ
جو تھی بار شراب پیئے تو اس کو قتل کر دو۔

(سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحديث: ۳۴۹، مصنف عبد الرزاق، ج ۹، رقم الحديث: ۱۷۸۵۹، سنن
ابوداؤد، ج ۳، رقم الحديث: ۴۴۸۴، صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحديث: ۲۴۳۶، سنن کبریٰ للعلانی، ج ۳، رقم الحديث: ۵۲۹۷، سنن کبریٰ
للصحتی، ج ۸، ص ۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحديث: ۳۵۷۳)
ذی کو قتل کرنا جائز ہے اور ذی کے قاتل کو قتل کر دیا جائے گا۔

عمو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام مسلمان (واجب
قصاص میں) ایک دوسرے کی مثل ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ اپنے حق کی سزا کرے گا (یعنی کسی کو پتلا دے گا) اور ان میں سے بعید
بھی کسی کو پتلا دے سکے گا اور وہ ایک دوسرے کی معلومت کریں گے۔ ان کے قوی کو ان کے ضعیف کے پاس لوٹایا جائے گا اور
فکری کو بیٹھے والے پر لوٹایا جائے گا اور کسی مومن کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ذی کو اس کے عہد میں
قتل کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحديث: ۲، سلیم داراللمکو، ص ۱۰۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک ذی کے بدلہ میں قتل کر
دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحديث: ۳۲۳۲، سنن کبریٰ للصحتی، ج ۸، ص ۳۰)
قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں ہم نے قتل برحق کی یہ صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۲) زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۳) مرتد کو قتل کرنا۔
(۴) شادی شدہ زانی کو سنگسار کر کے قتل کرنا۔ (۵) مسلمان کے قاتل کو قتل کرنا۔ (۶) ایک غلیظہ منعقد ہونے کے بعد
دوسرے مدعی خلافت کو قتل کرنا۔ (۷) قوم لوط کے قتل کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۸) جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کو
قتل کرنا۔ (۹) (ذاکو کو قتل کرنا) جو تھی بار شراب پیئے دلے کو قتل کرنا (۱۱) ذی کے قاتل کو قتل کرنا۔
مسلمان اور ذی کے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور باقی (۹) کو تعزیراً قتل کیا جائے گا اور ان کو قتل کرنا حکومت کا
منصب ہے۔ عوام میں سے کسی شخص کو انہیں قتل کرنے کا اختیار نہیں ہے، مسلمان کے قاتل پر قرآن مجید اور احادیث میں سخت
وعیدیں ہیں، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں:

قتل مومن پر وعید

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا قَتَلَهُ جَهَنَّمَ
حَالِدًا فِيهَا وَعَصَبَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ
وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (النساء: ۹۳)
جو شخص کسی مومن کو عداوت سے قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے
جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور اس پر
لعنت فرمائے گا اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا

ہے۔

امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر لائے گا اور آنحلیک اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا وہ کہے گا کہ اے میرے رب! اس نے مجھے قتل کیا تھا حتیٰ کہ اس کو عرش کے قریب کھڑا کرے گا۔ حضرت ابن عباس کے ساتھ لوگوں نے توبہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہوئی ہے نہ تبدیل ہوئی ہے اس کی توبہ کہیں سے ہوگی! امام احمد، امام نسائی اور امام ابن المنذر نے حضرت معلویہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ ہر گنہگار کو اللہ معاف فرمادے گا سو اس شخص کے جو کفر پر مرے اور سو اس شخص کے جو کسی مومن کو عداوت قتل کرے۔ امام ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی ایک بات سے بھی مومن کے قتل میں تعاون کرے گا قیامت کے دن جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا تو اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا کہ یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ امام سعید بن منصور، امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ابو مجلز نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ جہنم کی سزا کا مستحق ہے اگر اللہ چاہے گا تو اس کی سزا سے درگزر فرمائے گا۔

(در مشورہ ج ۲ ص ۶۲۸، ۶۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یتیم کے مال میں بے جا تصرف کا حرام ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے اور اچھے طریقہ کے بغیر مال یتیم کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور سورۃ نساء میں فرمایا ہے اور قیہوں کو جانچتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور اگر تم ان میں عقل مندی (کے آثار) دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور ان کے اموال کو فضول خرچی اور جلد بازی سے نہ کھاؤ اس ذر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔ (النساء: ۶)

سورۃ نساء کی اس آیت میں ان کی بدنی قوت کا بھی اعتبار کیا ہے جیسا کہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے اور ان کی ذہنی صلاحیت اور قوت کا بھی اعتبار کیا ہے جیسا کہ اس قید سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم ان میں عقل مندی کے آثار دیکھو کیونکہ اگر جوان ہونے کے بعد یتیم کامل اس کے حوالہ کر دیا جائے اور وہ ذہین اور عقل مند نہ ہو تو اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ اپنی خواہشوں اور شوق کو پورا کرنے میں سارا مال ضائع کر دے گا اور اس کے پاس کچھ نہیں رہے گا اس لیے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائے بل اس کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس عمر کے تعین میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا وہ بالغ ہو جائے۔ اہل مدینہ نے کہا وہ بالغ بھی ہو اور اس میں سمجھ داری کے آثار بھی ظاہر ہوں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عمر پچیس سال ہے۔

یتیم کامل ناجائز طور پر کھانے کے متعلق سخت وعید ہے:

إِنَّ الْيَتِيمَ بَأْسًا كَلُوا أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا
لَّئِمًا بَأْسًا كَلُوا فَمَنْ يَبْطُلُوا بِهِمْ سَرًّا وَنَجْوًا فَاعْلَمُوا
سَعِيرًا (النساء: ۱۰)

بے شک جو لوگ قیہوں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے
بیٹوں میں محض آگ بھڑک رہے ہیں اور وہ غریب بھڑکتی ہوئی
آگ میں پہنچیں گے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی، امام ابن حبان اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور آنحلیک ان کے مومنوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو

لوگ قیہوں کامل ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھری ہے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں شب معراج کے واقعات میں بیان فرمایا میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ان کے ہونٹ لوتڑوں کے ہونٹوں کی طرح تھے اور ان پر ایک شخص مقرر تھا جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتا اور ان کے منہ میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ڈال دیتا پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑے سے نکل جاتے اور وہ زور زور سے چلاتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق قیہوں کامل کھاتے تھے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار ایسے شخص ہیں کہ اللہ پر حق ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کرے اور نہ ان کو کوئی نعمت چکھائے۔ دائم الخمر، سودخور، یتیم کامل ناحق کھانے والا اور مایہ پاپ کا نافرمان۔ (در مشورہ ج ۳ ص ۴۴۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

ناپ تول میں کمی کا حرام ہونا

اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

وَلَا تَقْصُرُوا الْوَيْزَ بِالْكَفَالِ وَالْكَفَالُ (ہود: ۸۴)

اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو

وَلْيَقْصُرُوا كُمُ الْوَيْزَ بِالْقِسْطِ

اور لوگوں کی چیزیں کم کر کے انہیں نقصان نہ پہنچاؤ۔

لَا تَقْصُرُوا النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ (ہود: ۸۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا اور جس قوم میں بہ کثرت زنا ہوگا ان میں بہ کثرت موت ہوگی اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں بہت خون ریزی ہوگی اور جو قوم حد شکنی کرے گی اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کر دے گا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۸۸)

ناحق بات کا حرام ہونا

بِأَثَرِ الْيَمِينِ آمَنُوا كُونُوا كَوَامِلِينَ
بِالْقِسْطِ شَهِدَاءَ لِقَوْمِهِمْ وَلَوْ عَنَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ
الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ أَنْ يَكْفُرَ عَيْبًا أَوْ يَقْتُلَا
قَالَ اللَّهُ أَوَّلَىٰ بِيَهُمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ
تَعْدِلُوا (النساء: ۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے ہو جاؤ اور تمہاری جگہ اللہ کے لیے گواہی دیجئے والے ہو خواہ (وہ گواہی) خود تمہارے خلاف ہو یا والدین کے یا رشتہ داروں کے (جس کے متعلق گواہی دی ہے) خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے لہذا تم اپنی خواہش کی پیروی کر کے عدل سے گریز نہ کرو۔

پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاعْظَمُوا لِي

(النساء: ۴۴)

حضرت طارق بن شلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے رکب میں پیر رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

(سنن الترمذی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۲۲۰ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظالم حکمران کے سامنے کلمہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں جانب متعدد خطوط کھینچے اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں اور ان میں سے ہر راستے کی طرف شیطان دعوت دے رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی 'بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے' سو تم اسی راستے کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ (الانعام: ۱۵۳)

(سنن دارمی 'ج ۱' رقم الحدیث ۲۰۲، مسند احمد 'ج ۲' رقم الحدیث ۳۱۳۲، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث ۱۱) مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اس آیت میں دوسرے راستوں سے مراد بدعت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا علم کے انھنے سے پہلے علم کو حاصل کر لو اور علم کا اٹھنا یہ ہے کہ اصحاب علم اٹھ جائیں گے۔ علم کو حاصل کرو کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے کب علم کی ضرورت پیش آئے گی۔ تم غریب کچھ لوگوں کو دیکھو گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ ہمیں اللہ کی کتاب کی طرف بتا رہے ہیں 'حالاںکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لہذا تم علم حاصل کرو اور بدعت سے بچو اور تم مباح آزمائش سے اور گمراہی میں جانے سے بچو اور قدیم نظریات کے ساتھ وابستہ رہو۔ (سنن دارمی 'ج ۱' رقم الحدیث ۳۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

حضرت عریض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نصیحت کی اور وہ بہت موثر نصیحت تھی جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل خوفزدہ ہو گئے۔ ایک شخص نے کہا یہ تو ابوداع ہونے والے شخص کی نصیحت ہے۔ آپ ہم کو کیا وصیت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور حاکم کا حکم سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں 'خوادوہ حبشی غلام ہو۔ تم میں سے جو شخص بعد میں زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ تم نئی باتوں میں پڑنے سے بچنا کیونکہ نئی باتیں گمراہی ہیں۔ تم میں سے جو شخص دین میں نئی باتیں دیکھے وہ میری سنت کو لازم کر لے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم کرے اور اس سنت کو دانتوں سے پکڑو' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث ۲۸۸۵، سنن ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحدیث ۳۶۰۷، سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث ۳۲، سنن

دارمی 'ج ۱' رقم الحدیث ۵۵، مسند احمد 'ج ۶' رقم الحدیث ۳۳۵، المستدرک 'ج ۱' ص ۹۷-۹۸)

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام

علامہ محمد الدین ابن الاثیر محمد جزیری متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کے متعلق فرمایا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے (صحیح البخاری 'ج ۲' رقم الحدیث ۲۴۰۰)

بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حدی اور بدعت ضلال جو نیا کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو وہ مذموم ہے اور لائق انکار ہے اور جو نئے کام اللہ تعالیٰ کے بیان کیے ہوئے عموم استحب میں داخل ہوں اور جن پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے براگیز کیا ہو وہ کام لائق مدح ہیں اور جن کاموں کی پہلے مثل موجود نہ ہو جیسے جو دو سخا کی اقسام اور دیگر نیک کام تو وہ افعال محمودہ سے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کام احکام شرع کے خلاف ہوں کیونکہ نبی ﷺ نے ایسے کاموں کے لیے ثواب کی خبر دی ہے سو آپ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں نیک طریقہ کو ایجا کیا اس کو اس کا اجر ملے گا اور جو اس طریقہ پر عمل کرے گا اس کا اجر بھی اس کو ملے گا صحیح مسلم 'رقم الحدیث ۱۰۱۷ اور اس کی ضد کے متعلق فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجا کیا اسے اس کا کٹا ہو گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہو گا اور یہ اس وقت

ہو گا جب وہ نیا کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے، یہ پہلی قسم سے ہے اور جب کہ نیک کام لائق مدح ہیں تو حضرت عمر نے اس تراویح کو بدعت فرمایا اور اس کی تعریف کی۔ تراویح کو حضرت عمر نے بدعت اس لیے فرمایا کہ نبی ﷺ نے تراویح کو مسلمانوں کے لیے سنت نہیں کیا، آپ نے چند راتیں تراویح پڑھیں، پھر اس کو ترک فرمادیا اور اس کی حفاظت کی، نہ اس کے لیے مسلمانوں کو جمع کیا، اور نہ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی۔ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی جماعت کرانے کا اہتمام کیا اور اس کی دعوت دی، اس وجہ سے حضرت عمر نے اس کو بدعت فرمایا اور یہ درحقیقت سنت ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا میری سنت کو لازم رکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم رکھو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحديث ۴۶۰۷) اور فرمایا میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتداء کرو اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے ہر نیا کام بدعت ہے اس سے مراد دین میں وہ نئے کام ہیں جو شریعت کے قواعد کے خلاف ہوں اور سنت کے موافق نہ ہوں اور بدعت کا زیادہ تر استعمال مذمت میں ہوتا ہے۔ (نہج البلاغہ، ص ۱۶۰، مطبوعہ ایران ۱۳۶۷ھ)

علامہ محمد طاہر مہنی متوفی ۱۹۸۶ھ نے بھی بدعت کا معنی بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے اور مزید یہ لکھا ہے کہ بعض بدعات واجب ہوتی ہیں، جیسے متکلمین کا اسلام کی حقانیت اور گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں جیسے علمی کتابوں کی تصنیف کرنا، دینی مدارس کو بنانا اور تراویح اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں، جیسے انواع و اقسام کے سننے سے کھانے۔ (مجمع بحار الانوار، ج ۱، ص ۱۶۰-۱۶۱، مطبوعہ مکتبہ دارالایمان، الدین، المتورہ، ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض بدعات واجب ہوتی ہیں جیسے گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور کتاب و سنت کو سمجھنے کے لیے علم نحو کو پڑھنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں، جیسے سرائے اور مدرسے بنانا اور ہر وہ نیک کام جو اسلام کے ابتدائی عہد میں نہیں تھا، اور بعض بدعات مکروہ ہوتی ہیں جیسے مساجد کو مزین کرنا اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزیں اور عہد کپڑے۔ علامہ طحاوی نے شرح جامع صغیر میں 'علامہ نووی نے تہذیب میں اور علامہ برکلی نے الطریقۃ الحمدیہ میں اسی طرح لکھا ہے اور علامہ شمس نے بدعت محرمہ کی یہ تعریف کی ہے ہر وہ نیا عقیدہ یا نیا کام یا نیا حال جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ امور کے خلاف ہو، اس کو کسی قسم کے شبہ یا تاویل کی بنا پر دین قدیم اور صراط مستقیم بتایا جائے، جیسے شیعوں کو دھوونے کی بجائے ان کا مسح کرتے ہیں اور موزوں پر مسح کا اٹکاد کرتے ہیں۔

(رد المحتار، ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے اور انہماک وہ ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔ (الانعام: ۱۵۳)

اللہ تعالیٰ نے نواحیام ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس میں یہ رمز ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کے اختلاف سے ان احکام میں اختلاف نہیں ہوا، بلکہ یہ احکام تکلیف کے ابتدائی عہد سے لے کر قیامت تک ثابت اور مستحکم ہیں۔

اور یہ جو فرمایا ہے اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے، حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا: بنی اسرائیل میں حسن (نیک) بھی تھے اور غیر حسن (غیر نیک) بھی تھے تو اللہ تعالیٰ نے محسنین پر اپنی نعمت پوری کرنے کے لیے یہ کتاب نازل کی۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے مطابق نیک کام کرتے

تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر نعت پوری کرنے کے لیے ان کو کتب (تورات) دی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تورات میں دین کی کیا نعمتیں رکھی ہیں؟ فرمایا اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں دین کے تمام احکام، عقائد اور مسائل کی تفصیل ہے۔ لہذا اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کا بیان ہے اور آپ کی نبوت کے تمام دلائل ہیں اور یہ ہدایت اور رحمت ہے تاکہ یہ لوگ اللہ سے ملاقات پر ایمان لے آئیں اللہ سے ملاقات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثواب اور عتاب کا جو وعدہ کیا ہے اس سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا عِلْمَكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۵۹﴾

اور یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے لہذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ

(یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ ہمیں تم پر یہ اندازہ ہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک

گناہ عن دراستهم لغفیلین ﴿۱۶۰﴾ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أَنْزَلْنَا

ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے ○ یا تم یہ اندازہ ہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتاب نازل کی

الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ

جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، اور اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی

وَهَدَىٰ ذُرِّيَّتَهُ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بَيِّنَاتِ اللَّهِ وَ

اور ہدایت اور رحمت، تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے، اور

صَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ

ان سے اعراض کرے، ہم سزا دیں گے جو ہدای آیتوں کی تکذیب کرے

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُصْدِفُونَ ﴿۱۶۱﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ

تھے کہ وہ اعراض کرتے تھے ○ وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے

تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ

پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے،

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی۔ تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو

أَمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَضِرُوا

اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہیے کہ تم بھی انتظار

إِنَّمَا مُنْتَظِرُونَ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ فَزَقُوا مِنْهُمْ وَكَانُوا شِيعًا

کرد اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ۱۵۸۔ بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت

لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم

فرشتے بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ انہم کے پروردگار ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا

بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾

جو کچھ وہ کرتے تھے ۱۵۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے لہذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الانعام: ۱۵۵)

مشرکین پر اتمام حجت کے لیے قرآن مجید کو نازل فرماتا

اس آیت کا معنی ہے یہ قرآن جس کو ہم نے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا ہے یہ برکت والی کتاب ہے۔ تم اس کی پیروی کرو یعنی اس کتاب کو اپنا امام بنا لو اور جو عقائد اس میں مذکور ہیں ان کو مانو اور جو احکام اس میں مذکور ہیں ان پر عمل کرو اور ڈرتے رہو یعنی اپنے دلوں میں اللہ سے ڈرو اور اس کے خلاف عمل نہ کرو اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہ کرو۔ وسیعہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے احکام بیان کیے اور کئی احکام ملت کے لیے چھوڑ دیئے اور نبی ﷺ نے سنتیں قائم کیں اور کئی امور رائے اور قیاس کے لیے چھوڑ دیئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۵۴۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ) کہیں تم یہ (نسا) کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔ (الانعام: ۱۵۶)

ان تقولوا لعلا تقولوا کے معنی میں ہے جیسے ہمیں اللہ لکم ان تضلوا لعلا ان تضلوا کے معنی میں ہے یا کراہیۃ ان تقولوا کے معنی میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۸۷ جامع البیان ج ۸ ص ۱۲۲ بیضاری علی حاشی الاکارونی ج ۲ ص ۳۶۸ کشاف ج ۲ ص ۸۱) اس آیت میں اہل مکہ سے خطاب ہے کہ کہیں قیامت کے دن وہ یہ نہ کہیں کہ اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر تورات اور انجیل نازل کی گئی تھی اور ہم جو تک ان پڑھ تھے اس لیے ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے قاصر تھے اور ہم پر کوئی کتاب نازل

نہیں کی گئی تھی جس کی ہم پیروی کرتے، ہمیں کوئی حکم دیا گیا تھا نہ کسی چیز سے روکا گیا تھا۔ ہم سے کوئی وعدہ کیا گیا نہ ہم پر کوئی وعید نازل ہوئی اور اللہ کی جنت تو صرف ان دو گروہوں پر قائم ہوئی جو ہم سے پہلے تھے جن پر تورات اور انجیل نازل ہوئی۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے،
 لو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی اور ہدایت اور رحمت تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے، ہم عنقریب ان لوگوں کو برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، کیونکہ وہ اعراض کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۷)

اس آیت کا معنی ہے یہ کتب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے، تاکہ مشرکین مکہ اور قریش قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہم سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر کتب نازل کی گئی تھی، اور وہ یہ نہ کہیں کہ جس طرح ان پر کتب نازل کی گئی تھی، اگر اس طرح ہم پر کتب نازل کی جاتی اور ہم کو حکم دیا جاتا اور منع کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ فلاں راستہ صحیح ہے اور فلاں غلط ہے، تو ہم ان سے کہیں زیادہ صحیح راستہ پر قائم رہتے اور احکام پر عمل کرتے اور ممنوع کاموں سے باز رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب تمہارے پاس تمہاری ہی عربی زبان میں کتب آگئی ہے، اور اس میں معجز کلام ہے جس کی نظیر قیامت تک کوئی نہیں دیکھ سکا اور یہ ہدایت ہے اس میں طریق مستقیم کا بیان ہے اور جو اس پر عمل کریں اور اس کی اتباع کریں، ان کے لیے یہ رحمت ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے زیادہ ظالم، ظالماں اور حد سے بڑھنے والا اور کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے ان واضح دلائل اور حجتوں کا انکار کرے، ان کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان مکذبین کو دوزخ کے سخت عذاب کی سزا دے گا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں سے منہ پھرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں، کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے، جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہو گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ (الانعام: ۱۵۸)

قیامت سے پہلے دس نشانیوں کا ظہور

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ مشرکین جو بتوں کو اپنے رب کے مساوی قرار دیتے ہیں اور باوجود آپ کی بسیار کوشش اور تبلیغ کے ایمان نہیں لاتے، وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ موت کے فرشتے آئیں اور ان کی روحوں کو قبض کریں، یا حشر کے دن آپ کا رب مخلوق کے سامنے اپنی شان کے مطابق آئے یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آئیں جن کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔ آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اس وقت آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ نے دھوئیں کا ذکر کیا اور دجال کا اور داہۃ الارض کا اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے نزول کا اور یاجوج اور ماجوج کا اور تین بار زمین کے دھنسنے کا۔ ایک بار مشرق کا دھنسا، ایک بار مغرب کا دھنسا اور ایک بار جزیرہ عرب کا دھنسا اور سب سے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو دھکیل کر شرق کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم الترمذی: ۳۹، (۲۹۰۱) ۷۵۲، سنن ابوداؤد: ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸، سنن الترمذی: ج ۳، رقم الحدیث: ۲۹۰، سنن کبریٰ للنسائی: ج ۶، رقم الحدیث: ۳۳۸۰، سنن ابن ماجہ: ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۴۱، مسند احمد: ج ۵، رقم الحدیث: ۱۷۳۲، صحیح ابن حبان: ج ۱۵، رقم الحدیث: ۱۶۷۹، المستدرک: ج ۳، رقم الحدیث: ۳۰۲۸، مسند احمد: رقم الحدیث: ۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۵، ص ۱۲۳)

اس حدیث میں جس دھوئیں کا ذکر ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب کفار قریش پر قحط مسلط کیا گیا تو انہیں زمین اور آسمان کے درمیان دھوئیں کی شکل کی کوئی چیز دکھائی دی اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ قیامت کے قریب ایک دھواں ظاہر ہوگا جس سے کفار کا دم گھٹنے لگے گا اور مومنوں کو صرف زکام ہوگا یہ دھواں ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہے اور یہ دھواں چالیس روز تک رہے گا۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ
(الدخان: ۱۰) - لگائے گا۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ (النمل: ۸۷)

اور جب ان پر (ظہاب کا) قول واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دابة الارض) نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا یہ اس لیے کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔

اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو مٹا پھاڑ کو چھاڑ کر نکلے گی کوئی شخص اس سے بچ نہیں سکے گا مومن پر ایک نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ چمکنے لگے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان مومن لکھ دے گی کافر پر نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھ دے گی۔ اس کی شکل و صورت میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کس جگہ سے نکلے گی۔ ان میں سے کسی چیز کے متعلق حدیث مرفوع نہیں ہے بعض متاخرین نے یہ کہا ہے کہ یہ دابة انسان کی شکل میں ہوگا اور اہل بدعت اور کفار سے متاثر ہو کر اسے گا اور ان کو دلائل سے سکت کر دے گا۔

(المفہم: ج ۷، ص ۲۳۰-۲۳۹، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے فرقے بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے پھر وہ ان کو خبر دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۹)

فرقہ بندی کی مذمت

اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں:

فقہہ اور مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے اور بعد میں مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا یہ اس امت کے اہل بدعت اور اہل الشبہات ہیں اور اہل انصاف ہیں۔ (مجمع الزوائد: ج ۷، ص ۲۳-۲۴، مطبوعہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اے عائشہ! یہ لوگ اصحاب الاہواء اور اصحاب بدعت ہیں اور اہل بدعت کے سوا ہر گز گار کی توجہ ہے ان کی توجہ مقبول نہیں ہے وہ مجھ سے بری ہیں اور میں ان سے بیزار ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو اختلاف اور فرقہ بندی سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے لوگ اللہ کے دین میں جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۳۳۰ مطبوعہ مکتبہ نزار معینی، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)
ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین کے فرقے ہیں، بعض مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، بعض مشرکین بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے، اور بعض مشرکین ستاروں کو۔ دو سرائقول یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن مجید کی بعض آیتوں کو مانستے تھے اور بعض کا انکار کرتے تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس امت کے بدعتی اور گمراہ فرقے ہیں۔
غلامہ: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک نظریہ پر متقل ہونا چاہیے اور دین میں تفرقہ نہیں کرنا چاہیے اور بدعات کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَارِلَهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک بُرائی

فَلَا يُجْزَى إِلَّا امْتَارِلَهَا وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾ قُلْ إِنِّي هَدَانِي

لے کر آئے گا اس کو صرف ایک بُرائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ آپ مجھے بیشک میرے رب نے

رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا

مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے، مستقیم دین، ملتِ ابراہیم پر باطل سے قنار، اور

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٦١﴾ قُلْ إِن صَلَاتِي وَنُسُكِي وَ

وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ○ آپ مجھے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور

حَيَاتِي وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ

میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہازوں کا رب ہے ○ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور

بِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ أَغْيَرُ اللَّهَ

مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ○ آپ مجھے کہ کیا میں اللہ کے

أَبْغَى رَابًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا

سوا کرئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے؛ اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی

عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ

ذمہ دار ہے، اور کوئی برہنہ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے

فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٣﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ

تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۱۶۳ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں

خَلِيفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلند کر دیا تاکہ اس نے جو کچھ

فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ

تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، بیشک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بہت بخشنے

رَحِيمٌ ﴿١٦٤﴾

والا بے حد مہربان ہے ۱۶۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہو گا اور

جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الانعام: ۱۶۰)

دس گنا اجر سات سو گنا اور بے حساب اجر کے محال

سعید بن جبور عطاء اور ابراہیم وغیرہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں الحسنہ سے مالہ الا اللہ کتنا مراد ہے اور

السیفہ سے مراد شرک ہے۔

قلوہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ یہ فرماتے تھے کہ عمل چھ قسم کے ہیں۔ دو عمل (جزاء اور سزا کو) واجب کرتے ہیں

اور دو عمل اجر کو بخالتے ہیں اور دو عمل برابر برابر کرتے ہیں۔ جو دو عمل واجب کرتے ہیں وہ یہ ہیں جو شخص اللہ سے اس حال

میں ملاقات کرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو شخص اللہ کے ساتھ اس حال

میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک کیا ہو وہ دوزخ میں داخل ہو گا اور جو دو عمل اجر بخالتے ہیں وہ یہ ہیں جو مسلمان اللہ کی راہ

میں خرچ کرے اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور جو اپنے گمراہوں پر خرچ کرے اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جو عمل برابر برابر

ہیں وہ یہ ہیں ایک بندہ نیکی کا ارادہ کرنے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جو بندہ برائی کا

ارادہ کرے اور اس برائی کو کرے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا دس گنا اجر اعراب (دہائی) پلوہ (نشین) کے لیے ہے اور

مہاجرین کے لیے سات سو گنا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا یہ آیت اعراب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کسی نے پوچھا اور مہاجرین کے لیے کتنا اجر

ہے؟ انہوں نے کہا وہ اس سے بہت زیادہ ہے اور یہ آیت پڑھی:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ شَيْئًا وَلَئِنْ تَكَثَّرَ حَسَنَاتُ
مُصِصِفَهَا وَهُوَ يَمُنُّ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا
(النساء: ۳۰) سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اور جب اللہ کسی شے کو عظیم فرمائے تو وہ بہت بڑی ہوگی۔ (جامع البیان 'ج ۸' ص ۳۵-۳۲ 'مطبع' مطبوعہ دار الفکر بیروت)
نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا يُؤْتِي الشَّيْءَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ
(الزمر: ۳۰) مہر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہی ہوگا۔

نیک عمل کرنے والوں کو دس گنا اجر بھی ملتا ہے سہل سو گنا اجر بھی ملتا ہے اور اللہ اس سہل سو گنا کو دس گنا بھی فرماتا ہے۔
تَمَكُّلُ الدِّينِ يُسَوِّفُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ كَمَا كَمَّلَ حَبَّةَ آبَتِ سَبْعَ سَبِيلٍ فِي كُلِّ
سَبِيلَةٍ قَبْلَهُ حَبَّةً وَاللَّهُ يُعْصِمُ لِمَن يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرہ: ۲۶۱)
اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے۔

اور مہر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔
اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ایک نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے تو اگر انسان ایک دن نماز پڑھ لے اور دس دن نماز نہ
پڑھے یا رمضان کے تین دن روزے رکھ لے اور باقی ستائیس دن روزے نہ رکھے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ
ہے کہ انسان اس نماز کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اس روزے کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اجر کی یہ کثرت
اس عمل کو ساقط نہیں کرتی جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے اور اجر کی دس شکلوں میں جو ایک مثل ہے اس کو حاصل کرنے کا وہ
مکلف نہیں ہے بلکہ اس نیکی کو کرنے کا مکلف ہے جس کا اجر دس نیکیوں کی مثل ہے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کافر کا کفر تو محدود زمانہ میں ہوتا ہے اور اس کو سزا کا محدود زمانہ کی ہوتی ہے تو یہ اس جرم کے
برابر سزا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سزا میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ زمانہ جرم کے برابر ہو مثلاً اس زمانہ میں ایک شخص
کسی کو ایک منٹ میں قتل کر دیتا ہے اور اس کو سزا عمر قید کی دی جاتی ہے۔ دو سزا جواب یہ ہے کہ یہ سزا اس کی نیت کے اعتبار
سے ہے کیونکہ کافر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دانا کفر کرے گا اس لیے اس کو دوام کی سزا دی جاتی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی لے کر آئے
گا اس کو اس کی مثل دس یا اس سے زائد نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا اس کو صرف اسی کی مثل برائی کی سزا
ملے گی یا میں اس کو بخش دوں گا۔ اور جو ایک باشت میرے قریب ہوتا ہے میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے
ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس کے چار ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے میں دوڑتا ہوں اس کے پاس آتا
ہوں اور جو شخص روئے زمین کے برابر گناہ لے کر میرے پاس آئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو میں اتنی ہی مغفرت
کے ساتھ اس سے ملاقات کروں گا۔

(صحیح مسلم 'الذکر والدعا' ۲۲، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۴۱، مسند احمد 'ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۱۳۸۰، طبع قاہرہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تم کوئی گناہ کرو تو اس کے فوراً بعد کوئی نیکی کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا لا الہ الا اللہ بھی نیکیوں میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تو افضل نیکی ہے۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند ضعیف ہے۔

(مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۳۵۷، جامع البیان، ج ۸، ص ۳۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۸۷۳، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۸۱)
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیک عمل کرو، وہ اس گناہ کو مٹا دے گا اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۳۵۱، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۳، سنن داری، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۷۷۱، المستدرک، ج ۱، ص ۵۳، امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے)

اجر میں جو زیادتی کے یہ مختلف مراتب ہیں ان کی توبہ اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ نیکی کرنے والے کے احوال اور اس کے اخلاص کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بھوکے کو کھانا کھانا نیکی ہے، لیکن اگر ایک کوڑھیتی کسی بھوکے کو کھانا کھائے تو جیسے اس نے سمندر سے ایک قطرہ خرچ کیا اگر ایک لکھ پی کھائے تو وہ اس کے اعتبار سے زیادہ خرچ ہو گا اور اگر ایسا شخص کسی بھوکے کو کھانا کھائے جس کے پاس صرف وہی کھانا ہو اور اس شخص کو کھانا کھانا کر وہ خود بھوکا رات گزارے تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی کوڑھیتی اپنی ساری دولت راہ خدا میں خرچ کر دے کیونکہ اس کی کل دولت تو وہی کھانا تھا۔ اس لیے ان کے اجر کے مراتب بھی مختلف ہوں گے اور کوڑھیتی کو دس گنا اجر ملے گا، لکھ پی کو سات سو گنا اور اس تیسرے شخص کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے۔ مستحکم دین، ملت ابراہیم ہر باطل سے ممتاز اور وہ شرکوں میں سے نہ تھے۔ (الانعام: ۱۶۵)

اس سورت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ پھر مشرکین اور منکرین تقدیر کا رد فرمایا، اب اس کلام کو اس پر ختم فرمایا کہ مستحکم دین اور صراط مستقیم تو ملت ابراہیم ہے جو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر مبنی ہے اور ہدایت صرف اللہ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے اور ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ سے یہ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان بت پرستوں اور شرکوں سے کہئے کہ مجھے میرے رب نے صراط مستقیم کی ہدایت دی ہے اور یہی ملت خلیفہ مستقیمہ ہے۔ اللہ نے مجھے دین مستقیم کی ہدایت دی ہے جو حضرت ابراہیم کی ملت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام باطل ادیان سے اعراض کرنے والے تھے اور وہ مشرکین اور بت پرستوں میں سے نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (الانعام: ۱۶۴)

نسک کا معنی

صلوٰۃ سے مراد یا تو تہجد کی نماز ہے یا نماز عید ہے اور نسک نسک کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ذبیحہ اور اس کا معنی ہے حج اور عمرہ میں مینڈھاؤں کرنا اور نماز اور ذبیحہ کو اس آیت میں اس طرح جمع کیا ہے جیسے فصل لربک و اسحر (الکوثر: ۱۲) میں جمع کیا ہے۔ حسن بھری نے کہا نسک سے مراد ہے میرا دین۔ ذہاج نے کہا اس سے مراد ہے میری عبادت۔ ایک قوم نے کہا

اس آیت میں بسک سے مراد تمام نیک کام اور عبادات ہیں۔

محبتی اس سے مراد ہے میں زندگی میں جو عمل کروں گا اور معافی: اس سے مراد ہے میں وفات کے بعد جن چیزوں کی وصیت کروں گا۔

نماز کا افتتاح اسی وجہ سے واجب ہے یا تکبیر سے

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز کو اس ذکر سے شروع کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے اور اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کی تائید حدیث میں بھی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے وجہت وجہی لہذی فطر السموات والأرض حسیباً وما آما من المشرقین ان صلاتی وسکینی ومحبتی ومعافی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبدا لک امرت وانا اول المسلمین (الحدیث)

(صحیح مسلم صلوۃ المسافرین ۲۴، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۵۰۷، سنن نسائی ج ۲، رقم الحدیث ۸۹۶) امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس ذکر کے ساتھ نماز کو شروع کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ نماز کا افتتاح تکبیر کے ساتھ واجب ہے اور اس کے بعد قرآن مجید کو پڑھنا فرض ہے اور اس کے درمیان اس ذکر کو بھی پڑھنا مستحب ہے اور دیگر اذکار کو بھی۔ مثلاً: سبحانک اللہم وبحمدک کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں سبحانک اللہم وبحمدک وبارکک اسمک وتعالیٰ حدک ولا الہ غیرک پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم صلوۃ ۵۰، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۸۹۶) اور نبی ﷺ نے جب اعرابی کو نماز کی تعلیم دی تو فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کو پھر قرآن پڑھو۔ (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۷۳) آپ نے اسی وجہت کا ذکر نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اس سے افتتاح واجب نہیں ہے، بلکہ تکبیر سے افتتاح واجب اور اس سے افتتاح کرنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

(الانعام ۱۶۳)

نبی ﷺ کا اول المسلمین ہونا

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا محمد ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا آپ سے پہلے حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام مسلمان نہیں تھے؟ تو اس کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

۱۔ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ معنی اول الخلق ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم آخر ہیں اور ہم قیامت کے دن سابق ہوں گے۔

(صحیح مسلم ۸۵۵، صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۸۷۶)

۲۔ نبی ﷺ سب سے پہلے نبی ہیں جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا اس وقت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث ۳۷۳۷، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۸۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں غلٹ کے اعتبار سے تمام نبیوں میں اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے آخر ہوں۔ (کنز العمال ج ۱۰، رقم الحدیث ۳۲۳۶، کمال ابن عری ج ۲، ص ۳۹)

تبیان القرآن

قنود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بہشت میں سب سے آخر ہوں۔

(کنز العمال ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۱۹۱۶، کمال ابن عدی ج ۲، ص ۹۱۹، طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۱۳۹)

حضرت عریض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور آدم ہنوز مٹی اور گارے میں تھے۔

(دلائل النبوة لابی نعیم ج ۱، رقم الحدیث: ۹، المستدرک ج ۲، ص ۶۰۰، مسند احمد ج ۲، ص ۳۸، ۳۷، طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۱۳۹)

(مجمع الزوائد ج ۸، ص ۲۲۳)

۳۔ نبی ﷺ اپنی امت میں اول المسلمین ہیں۔ یہ قنود کا قول ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، رقم الحدیث: ۸۸۸۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے، تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۶۵)

قنود کے زمانہ میں نیک علماء کا گوشہ نشین ہونا

روایت ہے کہ کفار نے نبی ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ ہمارے دین کی طرف آئیں اور ہمارے خداؤں کی عبادت کریں اور اپنے دین کو چھوڑ دیں اور ہم دنیا اور آخرت میں آپ کی ہر ضرورت کے تکمیل ہوں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے! (الجامع لاحکام القرآن ج ۸، ص ۱۳۱)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے۔

ربیع بیان کرتے ہیں کہ عبادت گزار علماء کے لیے اس زمانہ میں صرف دو صورتیں ہیں اور ہر صورت دوسری سے افضل ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور حق کی دعوت دیں یا قنود انگیز لوگوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں اور بد کردار اور بد عنوان لوگوں کے اعمال میں شریک نہ ہوں اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہیں اور فرائض بجالائیں اور اللہ کے لیے محبت رکھیں اور اسی کے لیے بغض رکھیں۔ (جامع البیان ج ۸، ص ۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

فضول کے عقد اور وکیل کے تصرفات میں نہ اہم فقہاء

فضول کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کے لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرید لے۔ اس بیع کا جواز اس مالک کی مرضی پر موقوف ہے۔ اگر وہ اس کو جائز قرار دے تو یہ بیع جائز ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح فضول کا کیا ہوا عقد نکاح بھی لڑکے یا لڑکی کی بعد میں رضامندی سے جائز ہوتا ہے، ہمارے دور میں اکثر نکاح ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لڑکی سے نکاح کی اجازت وکیل لیتا ہے، لیکن لڑکے سے ایجاب و قبول وکیل کی بجائے نکاح خواتین کرتا ہے۔ یہ بھی فضولی کا عقد ہے، لیکن جب لڑکی رخصت ہو جاتی ہے تو گویا وہ اس فضولی کے عقد پر راضی ہو جاتی ہے اور یہ نکاح نافذ ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک فضولی کا عقد جائز نہیں ہے۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے (الانعام: ۱۶۵) یعنی دوسرا اس کا ذمہ دار نہیں ہے، لہذا اس آیت کے پیش نظر وہ فضول کے عقد کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک فضولی کی بیع جائز ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو ایک دینار عطا کیا تاکہ وہ آپ کے لیے ایک بکری خریدیں۔ انہوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں، پھر ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور نبی ﷺ کے پاس ایک بکری اور ایک دینار

لے کر آگئے، آپ نے ان کے لیے بیچ میں برکت کی دعا کی، پھر یہ ہوا کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو ان کو نفع ہوتا۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۲، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۴۸۳، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۲۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۰۴، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، طبع جدید، مسند احمد، ج ۲، ص ۷۳، طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فضولی کا عقد صحیح ہے اور اصل شخص کی رضامندی کے بعد اس کا عقد نافذ ہو جائے گا۔ نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ وکیل کا تصرف صحیح ہے اور اس کے تصرف سے جو منفعت اسے حاصل ہوگی، وہ اصل کے لیے ہوگی۔ امام مالک، امام ابو یوسف، اور امام محمد بن حسن کا یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مثلاً یہ کہے کہ سو روپے کا ایک کلو بکری کا گوشت خرید کر لاؤ اور وہ سو روپے کا دو کلو بکری کا گوشت لے آئے تو وہ زائد ایک کلو گوشت وکیل کا ہوگا۔ ہو سکتا ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو، کیونکہ اس زمانے میں احادیث کی نشر و اشاعت کے اس قدر وسائل نہیں تھے جتنے اب میسر ہیں اور احادیث کی اشاعت میں تدریجاً وسعت ہوئی ہے۔

برائی کے موجد کو اس برائی کے مرتکبین کی سزائیں سے حصہ ملے گا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے گناہوں کا عذاب بعض دوسروں کو ہوگا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے:

وَلْيَحْمِلْنَ أَثْقَالَهُمْ وَأَنْتَ لَا تَمُوتُ ۖ وَلْيَحْمِلْنَ أَثْقَالَهُمْ وَأَنْتَ لَا تَمُوتُ ۖ (المسکوت، ۳۳)

اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ اٹھائیں گے۔ تاکہ وہ (حکیر کافر) قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے اٹھائیں جنہیں وہ اپنی جمالت سے گمراہ کرتے تھے، سنو! وہ کیسا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھاتے ہیں۔

اسی طرح بعض احادیث میں بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی غلام قتل کیا جائے گا اس کے خون کی سزا سے ایک حصہ پہلے ابن آدم (قاتل) کو بھی ملے گا، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کرنے کی رسم اور گناہ کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۵، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۳۱۱، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۸۱۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۱۷۷، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۸۱، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۲۶۹۱، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۰، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۱۸۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۴، ص ۳۳، صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۸۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۱۵)

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی برائی اور گناہ کو ایجاد کیا تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی پر عمل کریں گے، تو ان کے گناہوں کی سزائیں اس برائی کے ایجاد کرنے والے کا بھی حصہ ہوگا، کیونکہ وہ ان سب لوگوں کے لیے اس برائی کے ارتکاب کا سبب بنا تھا اور بعد کے لوگوں کی سزائیں کوئی کمی نہیں ہوگی، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کو ہدایت پر

تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان متبعین کے اجر میں سے کوئی کی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی تو اس کو اس گمراہی پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور ان متبعین کی سزائوں میں کوئی کی نہیں ہوگی۔

(سنن ترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۸۳، صحیح مسلم 'رقم الحدیث: ۳۷۷۷، سنن ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۷۷، موطا امام مالک 'رقم الحدیث: ۵۰' مسند احمد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۱۷۷۷)

کوئی شخص دو سرے کے جرم کی سزا نہیں پائے گا، اس قاعدہ کے بعض مستثنیات کسی شخص کو دو سرے کے گناہ کی سزا نہیں ملے گی یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب وہ شخص دو سروں کو اس گناہ سے منع کرتا رہے، لیکن اگر کوئی شخص خود نیک ہو اور اس کے سامنے دو سرے گناہ کرتے رہیں اور وہ ان کو منع نہ کرے تو اس نیک شخص کو اس لیے عذاب ہو گا کہ اس نے ان دو سروں کو برائی سے نہیں روکا۔ قرآن مجید میں ہے:

كَانُوا لَا يَتَنَبَّهُونَ عَنْ تَمَكُّرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (المائدہ: ۷۹) وہ ایک دو سرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیے تھے، البتہ وہ بہت برا کام کرتے تھے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ غینہ سے یہ فرماتے ہوئے بیدار ہوئے لالہ الا اللہ عرب کے لیے بھی ہو اس شر سے جو قریب آپ ﷺ یا جوج ملو ج کی رکاوٹ کے ٹوٹنے سے 'آج روم فتح ہو گیا۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے دس کا عقد بتایا، میں نے عرض کیا 'یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے' 'علاؤ اللہ! ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے آپ نے فرمایا ہیں جب برائیاں زیادہ ہو جائیں گی۔

(صحیح ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۳۶، صحیح مسلم 'فقہ ۱' (۲۸۸۰) ۷۷۷، سنن الترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۸۳، مصنف عبد الرزاق 'رقم الحدیث: ۲۰۷۳۹، مسند الحمیدی 'رقم الحدیث: ۳۰۸، مصنف ابن ابی شیبہ 'رقم الحدیث: ۸۰۷۷، مسند احمد 'ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۷۳۸۶، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۲' ص ۹۳)

اسی طرح اس قاعدہ سے بعض احکام بھی مستثنیٰ ہیں، مثلاً اگر کوئی مسلمان دو سرے مسلمان کو خطا قتل کر دے یا اس کا قتل شبہ محمّد ہو (قتل شبہ محمّد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو سزا دینے کے قصد سے لاشی کو لے یا ہاتھ سے ضرب لگائے اور اس کا قصد قتل کرنا نہ ہو) تو اس کی دیت عاقلہ پر لازم آتی ہے، تاکہ اس کا خون رائیگ نہ ہو، اب یہاں جرم تو ایک شخص نے کیا ہے اور اس کا تلو ان اس کے عاقلہ ادا کریں گے۔ عاقلہ سے مراد مجرم کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جن کو عصبیت کہتے ہیں، حدیث شریف میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا اور آنکھ ایک وہ معزوبہ حائلہ تھی اور (اس ضرب سے) اس کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے ایک عورت بنو لیمان کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے قاتلہ کے عصبیت (باپ کی طرف سے رشتہ دار) پر مقتولہ کی دیت لازم کی، اور اس کے پیٹ کے بچہ کے تلو ان میں ایک باہری یا ایک غلام کا دیت لازم کیا۔

(صحیح مسلم 'المعد ۲' ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، سنن ابوداؤد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۷۸، سنن الترمذی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۷۷، سنن ابی داؤد 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۷۷، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۷۷)

اسی طرح اگر مسلمانوں کے محلہ میں کوئی مسلمان مقتول پایا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے؟ تو اس محلہ کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں گے کہ نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں اور ان کے قسم کھانے کے بعد

اللہ تعالیٰ پر دست لازم آئے گی، تاکہ مسلمان کا قتل رہیں نہ جائے، اس کو قسمت کہتے ہیں، یہاں بھی قتل کسی اور نے کیا ہے اور اس کا توبہ یہ عہدہ والے ادا کریں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک شخص یہود کی رہت والی زمین میں محتول پایا گیا۔ انہوں نے اس کا نبی پیچھے سے ذکر کیا، آپ نے یہود کے پیاس پئے ہوئے لوگوں کو بلایا اور ہر ایک سے یہ قسم لی کہ اللہ کی قسم! نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ مجھے اس کے قاتل کا علم ہے پھر ان پر دست لازم کر دی۔ یہود نے کہا یہ وہی فیصلہ ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت میں تھا۔ (سنن دار قطنی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی، تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ (انعام: ۳۱۵)

مسلمانوں کو خلیفہ بنانے کے محال

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، اس خلافت کے حسب ذیل محال

ہیں:

۱۔ سیدنا محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، اس لیے آپ کی امت خاتم الامم ہے اور چونکہ یہ امت پچھلی تمام امتوں کے بعد ہے، اس لیے یہ تمام امتوں کی خلیفہ ہے۔

۲۔ اس امت کا ہر قرن دوسرے قرن کے بعد ہے، اس لیے ہر قرن دوسرے قرن کا خلیفہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے، تاکہ وہ زمین میں اللہ کے احکام جاری کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو مطبوع کر دے گا جس کو ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جس نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

جن لوگوں کو ہم زمین میں سلطنت عطا فرمائیں، تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور انکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

الَّذِينَ إِذَا مَكَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (الحج: ۴۱)

مسلمانوں کی آزمائش

اس کے بعد فرمایا تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی، تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے، اس

میں تمہاری آزمائش کرے، یعنی عزت اور شرف، عقل اور مال، رزق اور شہادت اور عظمت میں اور تم میں یہ فرق مراتب اور تفاوت درجات اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو برابر کا درجہ دینے سے عاجز تھا بلکہ اس نے تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے تم کو ان مختلف درجات میں رکھا تاکہ دنیا والوں پر اور قیامت کے دن سب لوگوں کو معلوم ہو کہ مال اور رزق کی فراوانی سے کون دولت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلا بیٹھا اور عیش و عشرت میں پڑ گیا اور نفسانی خواہشوں کی اتباع میں فواحش و منکرات میں مبتلا ہو گیا اور کون ایسا ہے جو روپے پیسے کی ریل ریل کے بلجود خدا سے ڈرنا رہا اور اپنے مال کو اللہ کے احکام کی اطاعت اور خلق خدا کی خدمت میں صرف کرنا رہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالا رہا اسی طرح کس نے اپنی صحت کو عیادت میں خرچ کیا اور کس نے عیاشی میں ضائع کیا اور کون غربت اور افلاس میں اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرنا رہا اور کون اللہ سے شکوہ اور شکایت کرنا رہا اور عیادت سے غافل رہا اسی طرح کون بیماری میں عیادت کرنا رہا اور کون بیماری میں گلے شکوے کرتا رہا اور اللہ کی اطاعت سے گریزاں رہا۔

مسلمانوں کے گناہوں پر مواخذہ اور مغفرت کا بیان

پھر فرمایا "بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے مد مرہن ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ لائق و فہم کو بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فاسقوں کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ توبہ کر لیں؟ اور عذاب بھی آخرت میں ہو گا پھر کس طرح فرمایا کہ وہ بہت جلد سزا دینے والا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کرنے والا ہے وہ اس کے اقدار سے بہت قریب ہے اور بہت جلد ہونے والا ہے جیسا کہ قیامت کے متعلق فرمایا

وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ (السحل: ۷۷) اور قیامت محض پلک جھپکنے میں واقع ہو جائے گی بلکہ وہ اسی سے بھی قریب تر ہے۔

لَهُمْ بِرُؤْسِهِمْ عَذَابٌ وَتَرْتَابُهُمْ قَرِيبٌ (المعارج: ۶-۷) بے شک وہ یوم حشر کو بہت دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔

نیز بعض اوقات اللہ تعالیٰ بعض مسلمانوں کی خطاؤں پر جلدی دنیا میں ہی گرفت فرماتا ہے اور ان کو کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے جو ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْلَمُ مَا عَمِلْتُمْ الْغُثُورِ (الشوری: ۳۰) اور تم کو جو مصیبت پہنچی تو وہ تمہارے کرتوتوں کے سبب تھی اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ محال فرما دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے خواہ کتنا چھوٹا یا اس سے بھی کم ہو اللہ اس تکلیف کے سبب اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے یا اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم، البرہان ص ۷۷، ۲۵۷۳) سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۷۷

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے خواہ دائمی ہو، خواہ تھکاوٹ ہو، خواہ کوئی اور بیماری ہو، خواہ غم ہو، خواہ پریشانی ہو اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۶۶۶، صحیح مسلم، البرہان ص ۵۲، ۲۵۷۳) سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۶۷۸

نیز فرمایا "وہ بہت بخشنے والا ہے" وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم اور رحمت سے دنیا میں گناہوں پر پردہ رکھتا ہے اور آخرت میں انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سو من کو اس کے رب عزوجل کے قریب کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے بازو میں چھپالے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا کیا تم اس (گناہ) کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا ہاں میرے رب میں پہچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر پردہ رکھا تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کو اس کی نیکیوں کا میخہ دے دیا جائے گا اور کفار و منافقین کو تمام مخلوقات کے سامنے بلایا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا۔

اصح البخاری ج ۵ رقم الحدیث: ۲۳۴۱ صحیح مسلم التوبہ ص ۵۲ (۳۷۸) سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۱۸۳ السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ رقم الحدیث: ۱۷۳۲

حرف آخر

آج ۱۵ رجب ۱۴۳۸ھ / ۲۱ نومبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار بعد از نماز عصر سورۃ الانعام کی تفسیر کو میں اس حدیث پر ختم کر رہا ہوں اور اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں پر پردہ رکھے گا اور آخرت میں میرے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اللہ العالمین! جس طرح آپ نے مجھے سورۃ الانعام تک تفسیر لکھنے کی سعادت بخشی ہے، اپنے فضل و کرم سے مجھے باقی قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی بھی عزت عطا فرما، مجھ پر قرآن مجید کے اسرار و معارف کھول دے اور احادیث میں مجھے وسیع نظر عطا فرما، مجھے اس تفسیر میں خطا اور لغزشوں سے بچا اور باقی ماندہ زندگی میں نیکی عطا فرما اور گناہوں سے محفوظ رکھ، اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے دنیا اور آخرت میں ہر پریشانی، مصیبت اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دارین کی خوشیاں عطا فرما۔ اس تفسیر کو موثر اور مفید بنا اور اس کو اتیام قیامت فیض آفریں اور باقی رکھ، اس کے مصنف، صحیح، کپوزر، ناشر، قارئین، معجبین اور مخلصین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور ہر عذاب سے بچا اور دارین کی کامیابیاں اور کامرانیاں ان کا مقدر کر دے۔ آمین یا رب العالمین۔

واحد دعوا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد
حاتم السبیین فائد العمر المحجلین شفیع المدنیین رحمة للعالمین و علی آلہ
الطاہرین واصحابہ الکاملین و ارواحہ الطاہرات امہات المؤمنین و علی اولیاء
امنہ و علماء ملتہ من المحدثین والمفسرین والعقہاء والمجتہدین والمسلمین
اجمعین۔



ماخذ و مراجع

کتاب الہیہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ انجیل

کتاب احادیث

۴۔ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ مسند امام اعظم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۵۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۲۴۱ھ موطا امام مالک مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۴ھ

۶۔ امام عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ کتاب الزہد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷۔ امام ابو یوسف یحییٰ بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ کتاب الآثار مطبوعہ مکتبۃ اثریہ سانگھل

۸۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ موطا امام محمد مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کتاب الآثار مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۳۰۷ھ

۱۰۔ امامہ کچھن جراح متوفی ۱۹۷ھ کتاب الزہد مکتبۃ الدارینہ منورہ ۱۳۰۴ھ

۱۱۔ امام سلیمان بن داؤد بن جابر دطیالی خفی متوفی ۲۴۰ھ مسند طیالی مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۳۰۹ھ

۱۲۔ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۴۰ھ مسند مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۰ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمرو لہث متوفی ۲۵۰ھ کتاب المعاری مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۰۴ھ

۱۴۔ امام عبد الرزاق بن حاتم صنعانی متوفی ۲۴۱ھ المحضت مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۹ھ

۱۵۔ امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۲۴۱ھ المسند مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی متوفی ۲۴۲ھ مسند سعید بن منصور مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۷۔ امام ابو یکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ المحضت مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ

۱۸۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ المسند مطبوعہ مکتبۃ اسلامی بیروت ۱۳۰۹ھ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ

- ۱- امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مکتب الزهد مطبوعہ مکتبہ دار الباز کہ المکرہ ۱۳۳۳ھ
- ۲- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن دار متوفی ۵۵۵ھ مسنن دار مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۴ھ
- ۴- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ کتاب المفرد مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۵- امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفی الباز کہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ
- ۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۱ھ مسنن ابن ماجہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بمسندی متوفی ۲۷۵ھ مسنن ابو داؤد مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بمسندی متوفی ۲۷۵ھ مسنن ابو داؤد مطبوعہ نور محمد خانہ تجارت کتب کراچی
- ۹- امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ مسنن ترمذی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۱۰- امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ مشکا کل محمدیہ مطبوعہ المکتب التجاریہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۵ھ
- ۱۱- امام ابو بکر محمد بن ابی عاصم الشیبلی متوفی ۲۸۷ھ مکتب السنہ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۰ھ
- ۱۲- امام علی بن عمرو دار لفظی متوفی ۲۸۵ھ مسنن دار لفظی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۱۳- امام احمد محمد بن عبد القادر متوفی ۳۲۲ھ البحر الزخار المعروف بحسنہ البرار مطبوعہ مؤسسة القرآن بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۱۴- امام ابو عبد الرحمن شعیب نسائی متوفی ۳۳۳ھ مسنن نسائی مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۱۵- امام ابو عبد الرحمن شعیب نسائی متوفی ۳۳۳ھ عمل الیوم واللیلہ مطبوعہ مؤسسة الکتب الشافیہ بیروت ۱۳۰۸ھ
- ۱۶- امام ابو عبد الرحمن شعیب نسائی متوفی ۳۳۳ھ مسنن کبریٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۱۷- امام احمد بن علی المشی تلمیذ المتوفی ۳۳۰ھ مسند ابو یعلیٰ موصلی مطبوعہ دار المصنوع تراث بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۱۸- امام عبد اللہ بن علی بن جابر دیشاپوری متوفی ۳۳۰ھ مکتب المستقی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۱۹- امام ابو بکر محمد بن یارون رویانی متوفی ۳۳۰ھ مسند رویانی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۲۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۳۱ھ صحیح ابن خزیمہ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ
- ۲۱- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی متوفی ۳۳۳ھ مسند محمد بن عبد العزیز مطبوعہ موسسه علوم القرآن دمشق
- ۲۲- امام ابو حوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۳۲ھ مسند ابو حوانہ مطبوعہ دار الباز کہ مکرمہ
- ۲۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن حکیم الترمذی المتوفی ۳۲۰ھ نوادر الاصول مطبوعہ دار الایمان التراث القاہرہ ۱۳۰۸ھ
- ۲۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ مشکل القامح مطبوعہ مکتبہ دار الباز کہ المکرہ ۱۳۱۵ھ
- ۲۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح مشکل القامح مطبوعہ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۶- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار مطبوعہ مطبعہ مجبلیٰ پاکستان بلاور ۱۳۰۳ھ
- ۲۷- امام محمد بن جعفر بن حسین آجری متوفی ۳۳۲ھ مکالم للاخلاق مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر ۱۳۳۳ھ
- ۲۸- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۳ھ صحیح ابن حبان ترتیب ابن حبان مطبوعہ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۲۹- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری متوفی ۳۶۰ھ الشریعہ مطبوعہ مکتبہ دار السلام ریاض ۱۳۳۳ھ
- ۳۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ معجم صغیر مطبوعہ مکتبہ سفینہ منورہ ۸۸ھ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۵ھ

- ٤٩- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ٣٢٠هـ، نظم لوسط مطبوعه كتيبه للطراف رياض ١٣٠٥هـ
- ٥٠- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ٣٢٠هـ، نظم كبير مطبوعه دار احياء التراث العربي بيروت
- ٥١- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ٣٢٠هـ، مسند الثامن مطبوعه مؤسسة الرسالة بيروت ١٣٠٥هـ
- ٥٢- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ٣٢٠هـ، مكتب الدرعا مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت ١٣٣٣هـ
- ٥٣- امام ابو بكر احمد بن اسحاق بن جوري المعروف بدين السني متوفى ٣٤٣هـ، عمل اليه هو اليه مطبوعه نور محمد كازخانه قجارت كتب گراچی
- ٥٤- امام عبدالله بن عدي الجرجاني المتوفى ٣٦٥هـ، الكامل في حقهاء الرجال مطبوعه دار الفكر بيروت
- ٥٥- امام عبدالله بن محمد بن جعفر المعروف بابي الشيخ متوفى ٣٩٦هـ، مكتب العلم مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت
- ٥٦- امام ابو عبدالله محمد بن عبدالله حاكم نيشابوري متوفى ٣٠٥هـ، المستدرک مطبوعه دار الباز كركره
- ٥٧- امام ابو فسيم احمد بن عبدالله اصبهاني متوفى ٣٣٠هـ، طيحه لادلياء مطبوعه دار الكتب العربي بيروت ١٣٠٤هـ
- ٥٨- امام ابو فسيم احمد بن عبدالله اصبهاني متوفى ٣٣٠هـ، دلائل النبوة مطبوعه دار الفناكس بيروت
- ٥٩- امام ابو بكر احمد بن حسين يهقي متوفى ٣٥٨هـ، مسند كبير مطبوعه نشر لسنه ملكن
- ٦٠- امام ابو بكر احمد بن حسين يهقي متوفى ٣٥٨هـ، كتاب الاسماء والصفات مطبوعه دار احياء التراث العربي بيروت
- ٦١- امام ابو بكر احمد بن حسين يهقي متوفى ٣٥٨هـ، معرقة السنن والاكثار مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت
- ٦٢- امام ابو بكر احمد بن حسين يهقي متوفى ٣٥٨هـ، مكتب فضائل الائمة مطبوعه كتيبه المنارة ١٣١٠هـ
- ٦٣- امام ابو بكر احمد بن حسين يهقي متوفى ٣٥٨هـ، دلائل النبوة مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت
- ٦٤- امام ابو بكر احمد بن حسين يهقي متوفى ٣٥٨هـ، مكتب الاذاب مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت ١٣٠٦هـ
- ٦٥- امام ابو بكر احمد بن حسين يهقي متوفى ٣٥٨هـ، شعب الامان مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت ١٣٠٦هـ
- ٦٦- امام ابو عمرو يوسف ابن عبد البر قرطبي متوفى ٣٥٨هـ، جامع بيان العلم وفضله مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت
- ٦٧- امام حسين بن مسعود طوسي متوفى ٥٢٦هـ، شرح لسنه مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت ١٣٣٤هـ
- ٦٨- امام ابو القاسم علي بن الحسن ابن عساكر متوفى ٥٤٤هـ، مختصر تاريخ دمشق مطبوعه دار الفكر بيروت ١٣٠٣هـ
- ٦٩- امام ابو القاسم علي بن الحسن ابن عساكر متوفى ٥٤٤هـ، تنقيب تاريخ دمشق مطبوعه دار احياء التراث العربي بيروت ١٣٠٤هـ
- ٧٠- امام ضياء الدين محمد بن عبد الواحد مقدسي خبلي متوفى ٥٣٣هـ، ملاحات الحارة مطبوعه كتيبه انستة العظيمة كركره ١٣١٠هـ
- ٧١- امام زكي الدين عبد العظيم بن عبد القوي المنذري المتوفى ٦٥٦هـ، الترتيب مطبوعه دار الحديث القاهرة ١٣٠٤هـ
- ٧٢- امام ابو عبدالله محمد بن احمد مائلي قرطبي متوفى ٦٢٨هـ، مائة مرة في امور الاخرة مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت ١٣٠٤هـ
- ٧٣- امام ولي الدين حمزوي متوفى ٤٣٢هـ، مشکوة مطبوعه دار الفكر بيروت ١٣٣٤هـ
- ٧٤- حافظ جمال الدين عبدالله بن يوسف زملعي متوفى ٤٤٤هـ، منتخب الرأيه مطبوعه مجلس علي سورت هند ١٣٥٤هـ
- ٧٥- حافظ نور الدين علي بن ابى بكر البهشي المتوفى ٨٠٤هـ، مجمع الزوائد مطبوعه دار الكتب العربي بيروت ١٣٠٣هـ
- ٧٦- حافظ نور الدين علي بن ابى بكر البهشي المتوفى ٨٠٤هـ، كشف الاستار مطبوعه مؤسسة الرسالة بيروت ١٣٠٣هـ
- ٧٧- حافظ نور الدين علي بن ابى بكر البهشي المتوفى ٨٠٤هـ، موارد الظلمة مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت
- ٧٨- امام محمد بن محمد جزري متوفى ٨٣٣هـ، حصن حسين مطبوعه معشنى البلي بولوانه مصر ١٣٥٥هـ

- ۷۹- امام ابو العباس احمد بن ابوبکر و میری شافعی متوفی ۸۴۰ھ نزد آمد ابن ماجه مطبوعه دار الكتب العلميه بیروت ۱۳۷۴ھ
- ۸۰- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان نادر بنی ترکمن متوفی ۸۳۵ھ الجوزهرانی مطبوعه نشر المکتبه النکتن
- ۸۱- حافظ شمس الدین محمد بن احمد زهبی متوفی ۸۳۸ھ تلخیص المستدرک مطبوعه مکتبه دار الباز که کرم
- ۸۲- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ المطالب العلمیه مطبوعه مکتبه دار الباز که کرم
- ۸۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ المبدور السافره فی امور الاخره مطبوعه دار الكتب العلميه بیروت ۱۳۷۲ھ
- ۸۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الجوامع الصغیر مطبوعه دار المعرفه بیروت ۱۳۳۹ھ
- ۸۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جامع الاحادیث الکبیر مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۷۳ھ
- ۸۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدر المنثور فی الاحادیث المنثور مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ
- ۸۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ المعانی الکبری مطبوعه مکتبه لودییه رضویه مسکو
- ۸۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ شرح الصدور مطبوعه دار الكتب العلميه بیروت ۱۳۷۰ھ
- ۸۹- علامه عبد الوهاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ مختلف النور مطبوعه مطبعه عامه عثمانیه مصر ۱۳۰۳ھ
- ۹۰- علامه علی متقی بن حاتم الدین هندی برهان پوری متوفی ۹۷۵ھ کنز العمال مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت ۱۳۰۵ھ

کتاب تفاسیر

- ۹۱- امام حسن بن عبد الله البصری المتوفی ۱۱۰ھ تفسیر الحسن البصری مطبوعه مکتبه ادلویه که کرم ۱۳۳۳ھ
- ۹۲- امام ابو زکریا یحیی بن زیاد فراوان متوفی ۲۰۷ھ معانی القرآن مطبوعه بیروت
- ۹۳- شیخ ابو الحسن علی بن ابراهیم قتی متوفی ۳۰۷ھ تفسیر قتی مطبوعه دار الكتب ایران ۱۳۰۶ھ
- ۹۴- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ جامع البیان مطبوعه دار المعرفه بیروت ۱۳۰۹ھ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ
- ۹۵- امام ابو اسحاق ابراهیم بن محمد الزجاج متوفی ۳۳۰ھ اعراب القرآن مطبوعه مطبعه سلیمان غازی ایران ۱۳۰۶ھ
- ۹۶- امام ابو بکر احمد بن علی رازی حصار غنی متوفی ۳۷۰ھ ادکام القرآن مطبوعه سبیل الایضی کلاهدر ۱۳۰۰ھ
- ۹۷- علامه ابو الیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ تفسیر سمرقندی مطبوعه مکتبه دار الباز که کرم ۱۳۳۳ھ
- ۹۸- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ تحفیان فی تفسیر القرآن مطبوعه عالم الكتب بیروت
- ۹۹- علامه کی بن ابی طالب متوفی ۳۳۷ھ مشکل اعراب القرآن مطبوعه انتشارات نور ایران ۱۳۳۳ھ
- ۱۰۰- علامه ابو الحسن علی بن محمد حبیب سمرقندی شافعی متوفی ۳۵۰ھ انکس و العیون مطبوعه دار الكتب العلميه بیروت
- ۱۰۱- علامه ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۳۵۸ھ الویسط مطبوعه دار الكتب العربيه بیروت ۱۳۷۵ھ
- ۱۰۲- علامه جلال الدین محمود بن محمود محسوری متوفی ۵۳۷ھ مشکاف مطبوعه نشر المکتبه النکتن قم ایران ۱۳۳۳ھ
- ۱۰۳- علامه ابو بکر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ ادکام القرآن مطبوعه دار المعرفه بیروت ۱۳۰۸ھ
- ۱۰۴- علامه ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیه اندلسی متوفی ۵۴۳ھ الحرر الوجیز مطبوعه مکتبه تجاریه که کرم
- ۱۰۵- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری متوفی ۵۴۸ھ مجمع البیان مطبوعه انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۰۶ھ
- ۱۰۶- علامه ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی ضیلی متوفی ۵۹۷ھ زکرا المیز مطبوعه کتب اسلامیه بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۱۰۷- خواجہ عبد الله انصاری من علماء القرن السادس مشکاف الاسرار و عدة الابرار مطبوعه انتشارات امیر کبیر تهران ۱۳۷۷ھ

- ۱۰۸- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی 'متون' ۷۰۶ هـ 'تفسیر کبیر مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۱۵ هـ
- ۱۰۹- علامه محی الدین ابن علی 'متون' ۷۳۸ هـ 'تفسیر القرآن الکریم مطبوعه انتشارات ناصر خسرو' ۱۳۷۸ هـ
- ۱۱۰- علامه ابو عبد الله محمد بن احمد اکی قرطبی 'متون' ۷۲۸ هـ 'الجامع لکلام القرآن مطبوعه دار الفکر بیروت' ۱۳۱۵ هـ
- ۱۱۱- قاضی ابو الخیر عبد الله بن عمر بن سلوی شیرازی شافعی 'متون' ۷۸۵ هـ 'انوار اتریل مطبوعه دار الفکر بیروت' ۱۳۲۲ هـ
- ۱۱۲- علامه ابو البرکات احمد بن محمد نسفی 'متون' ۷۷۰ هـ 'مدارک اتریل مطبوعه دار الکتب العربیه' پشاور
- ۱۱۳- علامه علی بن محمد خازن شافعی 'متون' ۷۲۵ هـ 'مبایب الکویل مطبوعه دار الکتب العربیه' پشاور
- ۱۱۴- علامه نظام الدین حسین بن محمد فی 'متون' ۷۷۸ هـ 'تفسیر نمشاوری مطبوعه دار العرفه بیروت' ۱۳۰۹ هـ
- ۱۱۵- علامه قلی الدین ابن تیمیہ 'متون' ۷۲۸ هـ 'تفسیر الکبیر مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت' ۱۳۰۹ هـ
- ۱۱۶- علامه شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن اقصم الجوزی 'متون' ۷۵۱ هـ 'بدائع التفسیر مطبوعه دار ابن الجوزی مکه مکرمه' ۱۳۱۳ هـ
- ۱۱۷- علامه ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی 'متون' ۷۵۳ هـ 'المحرر الجید مطبوعه دار الفکر بیروت' ۱۳۱۳ هـ
- ۱۱۸- علامه ابو العباس بن یوسف اسمین الشافعی 'متون' ۷۵۶ هـ 'الدر الممشون مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت' ۱۳۱۳ هـ
- ۱۱۹- حافظ علامه الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی 'متون' ۷۷۳ هـ 'تفسیر القرآن مطبوعه نوادر اندلس بیروت' ۱۳۸۵ هـ
- ۱۲۰- علامه عبدالرحمن بن محمد بن طوف بحلی 'متون' ۸۷۵ هـ 'تفسیر الشافعی مطبوعه مؤسسه الاعلیٰ للطبعات بیروت
- ۱۲۱- علامه ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ هـ 'العلم الدور مطبوعه دار الکتب الاسلامی' قاہرہ ۱۳۳۳ هـ
- ۱۲۲- حافظ جلال الدین سیوطی 'متون' ۹۱۱ هـ 'الدر الممشور مطبوعه مکتبه دار الفکر بیروت' ۱۳۳۳ هـ
- ۱۲۳- حافظ جلال الدین سیوطی 'متون' ۹۱۱ هـ 'جلالین مطبوعه قدیمی کتب خانہ گراپی
- ۱۲۴- علامه محی الدین محمد بن مصطفیٰ قزوینی 'متون' ۹۵۱ هـ 'حاشیہ شیخ زان علی البیضاوی مطبوعه مکتبه یحسینی دیوبند
- ۱۲۵- شیخ الفخر الدین کاشانی 'متون' ۹۷۷ هـ 'منہج الصلوٰتین مطبوعه خیابان ناصر خسرو' ۱۳۷۸ هـ
- ۱۲۶- علامه ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی 'متون' ۹۸۲ هـ 'تفسیر ابو السعود مطبوعه دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ هـ
- ۱۲۷- علامه احمد شمس الدین غفاری مصری حنفی 'متون' ۱۰۶۹ هـ 'عنایت القاضی مطبوعه دار صادر بیروت' ۱۳۸۳ هـ
- ۱۲۸- علامه احمد بن یونس حنبلوی 'متون' ۱۱۳۰ هـ 'تفسیرات الاحمدیہ مطبع کربی' بمبئی
- ۱۲۹- علامه اسماعیل حقی حنفی 'متون' ۱۱۳۷ هـ 'روح البیان مطبوعه مکتبه اسلامیه' کوئٹہ
- ۱۳۰- شیخ سلیمان بن عمر العروسی بالکل 'متون' ۱۲۰۳ هـ 'الفتوحات الایہ مطبوعه المجلد البیتہ مصر' ۱۳۰۳ هـ
- ۱۳۱- علامه احمد بن محمد صلی ماکلی 'متون' ۱۲۲۳ هـ 'تفسیر صلی مطبوعه دار احیاء الکتب العربیه مصر
- ۱۳۲- قاضی ثناء الله پانی پتی 'متون' ۱۲۲۵ هـ 'تفسیر منبری مطبوعه بلوچستان بکسٹرو کوئٹہ
- ۱۳۳- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی 'متون' ۱۲۳۹ هـ 'تفسیر عزیزی مطبوعه مطبع فاروقی دہلی
- ۱۳۴- شیخ محمد بن علی شوکانی 'متون' ۱۲۵۰ هـ 'فتح القدر مطبوعه دار العرفه بیروت
- ۱۳۵- علامه ابو الفضل سید محمود اکوسی حنفی 'متون' ۱۲۷۰ هـ 'روح الطائی مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۳۶- نواب صدیق حسن خان بھوپالی 'متون' ۱۳۰۷ هـ 'فتح البیان مطبوعه مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۰۷ هـ
- ۱۳۷- علامه محمد جمال الدین قاضی 'متون' ۱۳۳۲ هـ 'تفسیر القاضی مطبوعه دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ هـ

- ۱۳۸- علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۵ھ، تفسیر المنار مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۳۹- علامہ حکیم شیخ نظامی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہری تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض
- ۱۴۰- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۷۳ھ، بیان القرآن مطبوعہ تلج کمپنی لاہور
- ۱۴۱- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۷۷ھ، خزائن العرفان مطبوعہ تلج کمپنی لیسٹڈ لاہور
- ۱۴۲- شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۷۳ھ، شیخ شہیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۷۶ھ، حاشیہ القرآن مطبوعہ تلج کمپنی لیسٹڈ لاہور
- ۱۴۳- علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والاشیور، مطبوعہ تونس
- ۱۴۴- سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۸۶ھ
- ۱۴۵- مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۸۹ھ، تور العرفان مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، بکرات
- ۱۴۶- مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ
- ۱۴۷- سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
- ۱۴۸- علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، التیسار، مطبوعہ کاظمی علی کیشنر ملتان
- ۱۴۹- علامہ محمد امین بن محمد عطار، مکتبی شتیفی، ضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۵۰- استاذ احمد مصطفی الراغبی، تفسیر الراغبی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
- ۱۵۱- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونه، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، قم ۱۳۶۹ھ
- ۱۵۲- مجلس پیر کرم شاہ لاہوری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن علی کیشنر لاہور
- ۱۵۳- شیخ امین احسن اصلاحی، ترجمہ قرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت لاہور
- ۱۵۴- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن، صرفہ و بیان، مطبوعہ انتشارات ذرین، ممبئی
- ۱۵۵- استاذ محی الدین بدروش، اعراب القرآن، بیان، مطبوعہ دار امین کثیر بیروت
- ۱۵۶- ڈاکٹر وجہ زحبی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۴ھ
- ۱۵۷- سعید خوی، کلاس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتاب علوم قرآن

- ۱۵۸- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی، متوفی ۷۹۳ھ، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۵۹- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاغان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
- ۱۶۰- علامہ محمد عبد العظیم زرکانی، مثل العرفان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

کتاب شروح حدیث

- ۱۶۱- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر، متوفی ۴۴۳ھ، کلاسیک کار، مطبوعہ مؤسسة الرسالہ، بیروت ۱۳۷۳ھ
- ۱۶۲- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر، متوفی ۴۴۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۳۷۴ھ
- ۱۶۳- علامہ ابو الولید سلیمان بن ظلف بلخی، متوفی ۴۴۳ھ، التفسیر، مطبوعہ مطبع المصطفیٰ مصر ۱۳۳۲ھ
- ۱۶۴- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی، متوفی ۵۴۳ھ، غارۃ الملاحذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۷۵ھ
- ۱۶۵- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۵۵۶ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

- ۲۶۶- حافظ علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابی القریٰ المتوفی ۱۵۶ھ شرح مسلم مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۲۶۷- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز ۱۳۶۷ھ
- ۲۶۸- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیسی متوفی ۷۳۲ھ شرح الطیسی مطبوعہ اداره القرآن ۱۳۳۳ھ
- ۲۶۹- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف و شتال الی باکی متوفی ۸۲۸ھ اکمل اکمل العلم مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۷۰- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۶ھ
- ۲۷۱- حافظ بدر الدین محمود بن احمد بنی خفی متوفی ۸۵۵ھ عمدة القاری مطبوعہ اداره البیاعة النیریہ مصر ۱۳۲۸ھ
- ۲۷۲- علامہ محمد بن محمد بنوسی باکی متوفی ۸۹۵ھ مکمل اکمل العلم مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۷۳- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۰۰ھ ارشاد الساری مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۶ھ
- ۲۷۴- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ تلخیص الفقہ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۹ھ
- ۲۷۵- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ شرح مشکاوت مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۲۷۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ معجم الوسائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۲۷۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ شرح مسند ابی حنیفہ مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۰۵ھ
- ۲۷۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ المعرزا شمس مطبوعہ مطبعہ امیر محمد کریم مصر ۱۳۰۵ھ
- ۲۷۹- شیخ محمد بن علی بن محمد شولانی متوفی ۱۰۵۰ھ تحفہ الذاکرین مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ الباز لاہور ۱۳۵۰ھ
- ۲۸۰- شیخ عبد الحق محمد شولانی متوفی ۱۰۵۲ھ اشعۃ اللطائف مطبوعہ مطبعہ حج کلمہ ککستو
- ۲۸۱- شیخ عبد الرحمن مبارک پوری متوفی ۱۲۲۵ھ تحفہ الاخوان مطبوعہ نشر محمد بن سلمان
- ۲۸۲- شیخ النور شامی شیری متوفی ۱۳۵۲ھ تلخیص الباری مطبوعہ مطبعہ مجازی مصر ۱۳۷۷ھ
- ۲۸۳- شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ فتح العلم مطبوعہ مکتبہ النجاشی کراچی
- ۲۸۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۳ھ تطبیق الفہم مطبوعہ مکتبہ ضیاء لاہور
- کتاب اسماء الرجال**
- ۲۸۵- علامہ ابو القریٰ عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ اصل التسامیہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ بیروت ۱۳۰۶ھ
- ۲۸۶- حافظ جمال الدین ابو النجاشی یوسف مزی متوفی ۷۳۲ھ تنذیب الکمال مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۲۸۷- علامہ شمس الدین محمد بن احمد زہبی متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۲۲ھ
- ۲۸۸- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تنذیب التذیب مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۸۹- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تقریب التذیب مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۲۳ھ
- ۲۹۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۹۰۰ھ موضوعات کبیر مطبوعہ مطبعہ بیروتی دہلی
- کتاب لغت**
- ۲۹۱- علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری متوفی ۳۹۸ھ الصحاح مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۳۰۶ھ
- ۲۹۲- علامہ حسین بن محمد رغبہ صغریٰ متوفی ۵۰۲ھ المفردات مطبوعہ المکتبہ الرضویہ امریکہ ۱۳۲۲ھ
- ۲۹۳- علامہ جبار اللہ محمود بن غزالی متوفی ۵۰۳ھ القاموس مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۱۷ھ

- ۱۹۳- علامه محمد بن اشیر الجزری 'متون' ۶۰۶ھ تمایه مطبوعه مؤسسه مطبوعات ایران ۱۳۳۷ھ
- ۱۹۵- علامه یحیی بن شرف نووی 'متون' ۶۷۶ھ تمهید الاسماء و اللغات مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۱۹۶- علامه جمال الدین محمد بن مکرم بن منکور افریقی 'متون' ۷۷۷ھ مسکن العرب مطبوعه نشر ادب الحوزه قم ایران ۱۳۰۵ھ
- ۱۹۷- علامه محمد بن محمد بن محمد بن یعقوب فیروز آبادی 'متون' ۸۷۸ھ القاموس المحیط مطبوعه دار ادب التراث العربی بیروت
- ۱۹۸- علامه محمد طاهر صدیقی 'متون' ۹۸۶ھ مجمع بحار الانوار مطبوعه مکتبه دارالکتابان مدینه منوره ۱۳۱۵ھ
- ۱۹۹- علامه سید محمد مرتضی حسینی زبیدی 'متون' ۱۳۰۵ھ تلخیص المعیوس مطبوعه المطبعه الخیریه مصر
- ۲۰۰- لوئیس معلوف الیسوی 'لمنجد' مطبوعه المطبعه القناویکه بیروت ۱۳۶۷ھ
- ۲۰۱- شیخ نظام احمد پرویز 'متون' ۱۳۰۵ھ لغات القرآن مطبوعه اداره طبع اسلام آباد
- ۲۰۲- ابو نعیم عبد الحکیم بن شریح بن جریر 'تائید اللغات' مطبوعه حاد ایند کینی کلاهور

کتاب تاریخ سیرت و فضائل

- ۲۰۳- امام عبد الملک بن هشام 'متون' ۲۲۳ھ مسیره النبویه مطبوعه دار ادب التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۰۴- امام محمد بن سعد 'متون' ۲۴۰ھ الطبقات الکبری مطبوعه دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ
- ۲۰۵- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری 'متون' ۳۲۰ھ تاریخ الاسماء الملوک مطبوعه دار الفکر بیروت
- ۲۰۶- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر 'متون' ۳۳۳ھ الاستیعاب مطبوعه دار الفکر بیروت
- ۲۰۷- قاضی عیاض بن موسی ناکی 'متون' ۵۴۴ھ الشفاء مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۰۸- علامه ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله سیسی 'متون' ۷۷۷ھ الردف اللانف مکتبه قادوقه لبنان
- ۲۰۹- علامه عبد الرحمن بن علی جوزی 'متون' ۷۷۷ھ الموقا مطبوعه مکتبه نوریه رضویه سکر
- ۲۱۰- علامه ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیخی العرف بن اشیر 'متون' ۷۷۷ھ مسد اللغاه مطبوعه دار الفکر بیروت
- ۲۱۱- علامه ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیخی العرف بن اشیر 'متون' ۷۷۷ھ الکامل فی الدارج مطبوعه دار الکتب العربیه بیروت
- ۲۱۲- علامه شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن نفلان 'متون' ۷۷۷ھ ذیات الامین مطبوعه منشورات الشریف الرضی ایران
- ۲۱۳- حافظ عبد الله بن اسماعیل بن محمد بن کثیر شافعی 'متون' ۷۷۷ھ تلخیص و التمهید مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۳۷ھ
- ۲۱۴- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن جریر عسقلانی شافعی 'متون' ۸۵۴ھ کلا صابہ مطبوعه دار الفکر بیروت
- ۲۱۵- حافظ نور الدین علی بن احمد سمودی 'متون' ۹۹۹ھ دقاء الوفاء مطبوعه دار ادب التراث العربی بیروت ۱۳۷۷ھ
- ۲۱۶- علامه احمد قسطلانی 'متون' ۹۹۹ھ الموابب اللدیه مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۲۱۷- علامه محمد بن یوسف الصالحی الشافعی 'متون' ۹۹۹ھ سبل الدینی و الارشاد مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۷۷ھ
- ۲۱۸- علامه احمد بن محمد بن شافعی 'متون' ۹۹۹ھ المصواع الحرقه مطبوعه مکتبه القاهره ۱۳۸۵ھ
- ۲۱۹- علامه علی بن سلطان محمد القاری 'متون' ۱۰۷۳ھ شرح الشفاء مطبوعه دار الفکر بیروت
- ۲۲۰- شیخ عبد الحق محدث دہلوی 'متون' ۱۰۵۲ھ دارج التبت مطبوعه مکتبه نوریه رضویه سکر
- ۲۲۱- علامه احمد شهاب الدین خفائی 'متون' ۱۰۷۳ھ نسیم الریاض مطبوعه دار الفکر بیروت
- ۲۲۲- علامه محمد عبد الباقی زرقلانی 'متون' ۱۱۳۴ھ شرح الموابب اللدیه مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۷۷ھ

۲۲۳- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۳۵ھ، مکتبہ مطبوعہ تاج کتبپنڈی کراچی
کتب فقہ حنفی

- ۲۲۴- شمس الانامہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۳۸۳ھ، المیسوط، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۲۲۵- شمس الانامہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۳۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الشوریۃ الاسلامیہ افغانستان، ۱۳۹۵ھ
- ۲۲۶- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری، متوفی ۵۵۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد الیڈی کراہور، ۱۳۹۷ھ
- ۲۲۷- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۵۸ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۳۹۰ھ
- ۲۲۸- علامہ حسین بن منصور لوزجندی، متوفی ۵۵۹ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیرہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
- ۲۲۹- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۵۹ھ، احادیث اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت مطبعہ لبنان
- ۲۳۰- علامہ محمد بن محمود بصری، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۲۳۱- علامہ عالم بن الطاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ آثار خانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۳۳۵ھ
- ۲۳۲- علامہ ابو بکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ الثمیرہ، مطبوعہ مکتبہ المدنیہ لبنان
- ۲۳۳- علامہ محمد شہاب الدین بن یزید ازکزدی، متوفی ۸۱۷ھ، فتاویٰ برازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیرہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
- ۲۳۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، ہدایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۳۵ھ
- ۲۳۵- علامہ کمال الدین بن حمام، متوفی ۸۸۶ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۲۳۶- علامہ جلال الدین خوارزمی، کتبیہ نوریہ رضویہ، سکھر
- ۲۳۷- علامہ معین الدین المردی المعروف بعباس، لا مسکین، متوفی ۹۵۳ھ، شرح الکفر، مطبوعہ مجتہد المعارف المصریہ مصر، ۱۳۸۷ھ
- ۲۳۸- علامہ ایراھیم بن محمد طلی، متوفی ۹۵۶ھ، فہستہ المستملی، مطبوعہ سہیل الیڈی کراہور، ۱۳۳۵ھ
- ۲۳۹- علامہ ایراھیم بن محمد طلی، متوفی ۹۵۶ھ، مصغری، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی
- ۲۴۰- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۷۳ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع فنی زوا ککشر، ۱۳۳۵ھ
- ۲۴۱- علامہ زین الدین بن نجم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ مطبعہ مصر، ۱۳۳۵ھ
- ۲۴۲- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابو سعید علی لا مسکین، مطبوعہ مجتہد المعارف المصریہ مصر، ۱۳۸۷ھ
- ۲۴۳- علامہ حاتم بن علی قنوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حادیہ، مطبوعہ مطبعہ مہندہ مصر، ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۴- علامہ خیر الدین ربیع، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاویٰ خیرہ، مطبوعہ مطبعہ مہندہ مصر، ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۵- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حنفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، رد المحتار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۲۴۶- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غرر حویون البصائر، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۲۴۷- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۰۵ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیرہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۱۰۵ھ، مستدرک الحقائق، مطبوعہ مطبعہ مطبعہ مصر، ۱۳۳۵ھ
- ۲۴۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۱۰۵ھ، تنقیح الفتاویٰ الخلدیہ، مطبوعہ دار للاشاعت العربیہ کویت
- ۲۵۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۱۰۵ھ، رسائل امین عابدین، مطبوعہ سہیل الیڈی کراہور، ۱۳۹۱ھ
- ۲۵۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۱۰۵ھ، رد المحتار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ

- ۲۵۲- امام احمد رضا قادری 'متونی' ۳۰ھ قتلوی رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۲۵۳- امام احمد رضا قادری 'متونی' ۳۰ھ قتلوی افریقیہ مطبوعہ مکتبہ حبیبی کراچی
۲۵۴- علامہ امجد علی 'متونی' ۳۶ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۲۵۵- علامہ نور اللہ نعیمی 'متونی' ۳۰ھ قتلوی لوریہ مطبوعہ کتبائے پترز کراچی ۱۹۸۳ھ

کتاب فقہ شافعی

- ۲۵۶- علامہ ابوالحسن علی بن محمد حبیب قادری شافعی 'متونی' ۵۰ھ قتلوی الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
۲۵۷- علامہ ابوالحسن شیرازی 'متونی' ۵۵ھ المذهب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۳ھ
۲۵۸- امام محمد بن محمد غزالی 'متونی' ۵۰۵ھ احیاء علوم الدین مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
۲۵۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی 'متونی' ۶۷۶ھ شرح المذهب مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۶۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی 'متونی' ۶۷۶ھ رد المحتار مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۵ھ
۲۶۱- علامہ جلال الدین سیوطی 'متونی' ۹۱۱ھ قتلوی الفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۶۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رلی 'متونی' ۱۰۰۳ھ تنہات الحاج مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۳۳ھ
۲۶۳- علامہ ابو النبیاء علی بن علی شبرالی 'متونی' ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابو النبیاء علی تنہات الحاج مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت

کتاب فقہ مالکی

- ۲۶۴- امام مخون بن سعید شافعی مالکی 'متونی' ۵۶ھ المدونۃ الکبریٰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۶۵- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی 'متونی' ۵۹۵ھ بدایت البیان مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۶۶- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی 'متونی' ۷۷۷ھ مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت
۲۶۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الطالب المغربي 'متونی' ۹۵۳ھ مواہب الخلیل مطبوعہ مکتبہ الحاج علیہا
۲۶۸- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشانی 'متونی' ۱۰۹۹ھ الخرشانی علی مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت
۲۶۹- علامہ ابو البرکات احمد درویش مالکی 'متونی' ۱۱۹۷ھ الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۷۰- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی 'متونی' ۱۲۱۹ھ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتاب فقہ حنبلی

- ۲۷۱- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ 'متونی' ۳۰ھ المغنی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ
۲۷۲- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ 'متونی' ۳۰ھ الکنانی مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۳۳ھ
۲۷۳- شیخ ابو العباس قحطی الدین بن حمید 'متونی' ۷۲۸ھ مجموعہ الفتاویٰ مطبوعہ ریاض
۲۷۴- علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مروانی 'متونی' ۸۸۵ھ الاضافہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۶ھ

کتاب شیعہ

- ۲۷۵- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی 'متونی' ۳۲۹ھ الاصول من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۲۷۶- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی 'متونی' ۳۲۹ھ الفروع من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۲۷۷- شیخ کمال الدین یثربین علی بن یثرب الحنفی 'متونی' ۷۷۷ھ شرح نوح البیان مطبوعہ مؤسسة العصر تہران ۱۳۸۷ھ

- ۲۷۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۰۵ھ متن حق الیقین مطبوعہ خیابان ناصر خسرو نمبر ۷۷۳
۲۷۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۰۵ھ حیات القلوب مطبوعہ کتب فروشی اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

- ۲۸۰- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ المستند من النقل مطبوعہ لاہور ۱۳۰۵ھ
۲۸۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قفازانی متوفی ۷۷۷ھ شرح عقائد نفی مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی
۲۸۲- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قفازانی متوفی ۷۷۷ھ شرح القامد مطبوعہ منشورات الشریف الرضی امیرین ۱۳۰۹ھ
۲۸۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۸۶ھ شرح الوافی مطبوعہ منشورات الشریف الرضی امیرین ۱۳۲۵ھ
۲۸۴- علامہ کمال الدین بن حامد متوفی ۸۸۶ھ مسائل مطبوعہ مطبعہ المطبوعہ مصر
۲۸۵- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسائل مطبوعہ مطبعہ المطبوعہ مصر
۲۸۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۹۰۶ھ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البیہی بولولہ مصر ۱۳۰۵ھ
۲۸۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۶۷ھ کتاب العقائد مطبوعہ آباد حرم بیچنگ کینی کراچی

کتب اصول فقہ

- ۲۸۸- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ مختلف الاسرار مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۳۱۱ھ
۲۸۹- علامہ محب اللہ بھاری متوفی ۱۱۸۹ھ مسلم اثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گونڈ
۲۹۰- علامہ احمد جوہوری متوفی ۱۲۳۰ھ نور الاولیاء مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
۲۹۱- علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ شرح مسلم اثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گونڈ

کتب متفرقہ

- ۲۹۲- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن النکلی المتوفی ۳۸۶ھ قوت القلوب مطبوعہ مطبعہ مہینہ مصر ۱۳۰۶ھ
۲۹۳- امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ احیاء علوم الدین مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۳۳۳ھ
۲۹۴- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۲۸ھ کنز کے مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
۲۹۵- شیخ تقی الدین احمد بن حمید خلیل متوفی ۷۲۸ھ کلمہ جلیلہ مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر ۱۳۷۳ھ
۲۹۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ کلباز مطبوعہ دار الفکر العلمیہ قاہرہ مصر
۲۹۷- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی متوفی ۷۶۸ھ روض الریاضین مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البیہی بولولہ مصر ۱۳۰۷ھ
۲۹۸- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۸۶ھ کتاب التعریقات مطبوعہ المطبعہ الخیرہ مصر ۱۳۰۶ھ
۲۹۹- علامہ احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۹۷۳ھ المحرر من الخرقہ مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
۳۰۰- علامہ احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۹۷۳ھ المحرر من الخرقہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ
۳۰۱- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی ۹۳۳ھ مکتوبات امام ربانی مطبوعہ بیچنگ کینی کراچی ۱۳۷۰ھ
۳۰۲- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ اختلاف السلاطین مطبوعہ مطبعہ مہینہ مصر ۱۳۰۶ھ
۳۰۳- شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ فتاویٰ رشیدیہ کمال مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۰۴- علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الشیربغاوی خلیفہ اکتف اللہون مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طبرین ۱۳۷۸ھ



- ۳۰۵۔ امام احمد رضا قادری 'متون' ۳۳۰ھ المخطوط مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور
 ۳۰۶۔ شیخ وحید الزمان 'متون' ۳۳۸ھ 'حدیث الہدی' مطبوعہ میو پریس دہلی ۳۲۵ھ
 ۳۰۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی 'متون' ۳۳۸ھ 'بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لیسٹڈ لاہور
 ۳۰۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی 'متون' ۳۳۸ھ 'حفظ اللہ' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
 ۳۰۹۔ علامہ عہد اکیم شرف قادری نقشبندی 'نہ او یار رسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس روضہ لاہور ۳۰۵ھ



سرٹیفکیٹ

میں نے بیان القرآن جلد سوئم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک مثال اردو بازار لاہور کے پروف بغور پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔

محمد اہم یحییٰ

ظہور احمد یحییٰ

نافس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM